

تاریخ اہل حدیث کی حقانیت اور علمائے اہل حدیث کی گرانقدر خدمات پر مشتمل
ایک اہم علمی و تاریخی دستاویز

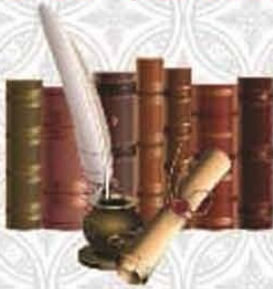
سالنامہ

تاریخ اہل حدیث

2018-19

جلد سوم

www.KitaboSunnat.com



اعداد و ترتیب

عبدالحاکم عیسیٰ المعیود المدنی

ناشر
مرکز تاریخ اہل حدیث، ممبئی
پرائیویٹ لٹریچر اینڈ اسٹاپ پبلسنگز، ممبئی

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس
پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

سالنامہ تاریخ اہل حدیث / ۱۹-۲۰۱۸ء

بسلسلہ اشاعت اہل حدیث انسائیکلو پیڈیا

تاریخ اہل حدیث کی حقانیت اور علمائے اہل حدیث کی
گرا ندر خدمات پر مشتمل ایک اہم علمی و تاریخی دستاویز

سالنامہ

تاریخ اہل حدیث

۱۹-۲۰۱۸ء

جلد سوم

اعداد و ترتیب

عبدالحکیم عبدالمجید المدنی

ناشر

مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئی

برانچ آفس: بس اسٹاپ، بڑھنی بازار سدھارتھ نگر، (یو پی)

© جملہ حقوق بحق مرتب و ناشر محفوظ

سلسلہ مطبوعات مرکز [۳]

سالنامہ تاریخ اہل حدیث

۲۰۱۸-۲۰۱۹ء / ۲۱-۲۰-۱۴۴۰ھ

جلد سوم

مرتب

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

سن طباعت: جولائی 2020ء

صفحات: 478

ناشر

مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئی

برانچ آفس: بس اسٹاپ، بڑھنی بازار سدھارتھ نگر، (یو پی)

ای میل: tareekh.ahlehadees@gmail.com

abdulhakimmumbai@gmail.com

موبائل: 9869395881

- ملنے کا پتہ: (۱) مرکز تاریخ اہل حدیث بس اسٹاپ، بڑھنی بازار سدھارتھ نگر، یو پی
(۲) جامع مسجد اہل حدیث و علامہ البانی ٹرسٹ دھانوبانگ، نالاسو پارہ (E) ممبئی
(۳) دفتر صوبائی جمعیت اہل حدیث کرلا، ممبئی



فہرست مضامین

سالنامہ تاریخ اہل حدیث جلد سوم

صفحہ نمبر	اصحاب نگارشات	عناوین	نمبر شمار
4	مرتب	فہرست	1
10	مرتب	کلمات تشکر	2
11	مرتب	انتساب	3
12	مولانا ابوالکلام آزاد علیہ الرحمۃ	رشحات قلم	4
13	مولانا عبدالحکیم عبدالمعجود المدنی	اداریہ	5
14	شیخ عبدالمعید مدنی علی گڑھ	افتتاحیہ	6

باب اول: تاثرات و انطباعات

23	فضیلۃ الشیخ محفوظ الرحمن فیضی	پیغام آفریں	7
24	فضیلۃ الشیخ شیرخان جمیل احمد عمری	تہنیتی پیغام	8
26	فضیلۃ الشیخ عبدالستار السراجی	کلمات تبریک	9
27	فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محمد اسلم مبارکپوری	تبصرہ و تجزیہ	10
30	مولانا ہلال ہدایت السلفی	تبصرہ و تجزیہ	11

باب دوم: بحوث و مقالات تاریخ اہل حدیث

35	مولانا ولایت علی صادقپوری رحمہ اللہ	مسلک حدیث ترجمہ رسالہ عمل بالحدیث فارسی	12
45	مولانا عبدالمبین منظر	تحریک اہل حدیث اور اس کے فوائد	13
51	مولانا اشفاق احمد سنابلی	سلفی دعوت کے پانچ اہم اصول	14
59	مولانا عبدالعظیم ماہر بستوی	فتنہ انکار حدیث کی سرکوبی میں علمائے اہل حدیث کی مساعی جمیلہ	15
70	شیخ عبدالمعید مدنی	برصغیر میں اہل حدیث کی عظیم کارکردگی	16
74	مولانا محمد مقیم فیضی	اہل حدیث مجاہدین آزادی	17

85	مولانا محمد تنزیل صدیقی	تاریخ اہل حدیث بہار	18
102	انظار احمد صادق	صادق پور سورماؤں کا وطن سرفروشوں کی زمین	19
106	مولانا عبدالوہاب خلیجی	جمعیت علمائے ہند کی تاسیس میں علمائے اہل حدیث کا بنیادی کردار	20
111	مولانا عبدالرؤف جھنڈا انگری	ہندوستان کے تین بڑے مدارس	21
127	مولانا محفوظ الرحمن فیضی، منو	منو ناتھ بھجن	22
133	مولانا عزیز الحق عمری	منو کے ہم عصر اور ہم نام علماء	23
135	مولانا شریف اللہ سلفی	اہنائے جامعہ عالیہ عربیہ منو کی حدیثی خدمات	24
150	مولانا اقبال محمدی فیضی	فیضی علمائے منو کی خدمات حدیث	25
166	مولانا ابوالعاص و حیدی	جامعہ اسلامیہ اکبر پور جمنی	26
168	مولانا عبدالحکیم عبدالمجود المدنی	جامعہ اسلامیہ اکبر پور جمنی کی مختصر تاریخ	27
170	مولانا محمد سلیم انصاری	جامع مسجد اہل حدیث مؤمن پورہ ممبئی، منزل بہ منزل	28
176	مولانا عبدالحکیم عبدالمجود المدنی	تعارف جمعیت اہل حدیث بھینڈی، مہاراشٹر	29

باب سوم: یاد رفتگان

180	مولانا محمد عطاء اللہ بھوجیانی (وفات ۱۸۵۲ء)	مولانا ولایت علی صادق پوری	30
185	حکیم ضیاء الدین الہ آبادی (وفات ۱۸۸۲ء)	جماعت اہل حدیث کا ایک گناہ قاتل (جھاؤ میاں)	31
188	مولانا محمد مستقیم سلفی (وفات ۱۸۸۲ء)	مولانا عبداللہ عرف جھاؤ میاں الہ آبادی	32
190	مولانا مفتی محمد عبدہ الفلاح (وفات ۱۹۱۸ء)	مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی	33
199	مولانا شیخ عزیز شمس سلفی (وفات ۱۹۱۸ء)	مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی حیات و خدمات	34
202	مولانا اشفاق سجاد سلفی (وفات ۱۹۱۸ء)	مولانا عبدالرحمن لکھنوی ثم دلا پوری اور جھارکھنڈ	35
205	مولانا عبدالرحمن مبارک پوری (وفات ۱۹۲۳ء)	مولانا عبدالسلام مبارک پوری: حیات و خدمات	36
208	ڈاکٹر محمد اسلم مبارک پوری (وفات ۱۹۳۸ء)	مولانا عبدالصمد مبارک پوری کا گاہ علم و حیات	37
216	مولانا عبدالحمید رحمانی (وفات ۱۹۶۵ء)	مولانا علامہ نذیر احمد رحمانی چند یادیں	38
222	مولانا اسعد اعظمی / مولانا محمد رحمانی (وفات ۱۹۶۵ء)	مولانا نذیر احمد ملوی - ایک تعارف	39

- 40 ماہر علم میراث مولانا عبدالرحمن بجاوی (وفات ۱۹۷۲ء) مولانا عبدالحکیم عبدالمعجود المدنی 230
- 41 شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی (وفات ۱۹۷۴ء) خودنوشت 238
- 42 آہ! شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی (وفات ۱۹۷۴ء) مولانا عبدالحمید رحمانی 244
- 43 مولانا عبدالاحد پورینوی (وفات اکتوبر ۱۹۷۸ء) مولانا اسد اللہ فیضی 247
- 44 مولانا محمد یحییٰ بنارسی (وفات اکتوبر ۲۰۰۳ء) مولانا محمد یونس مدنی 251
- 45 مولانا عزیز احمد بن محمد حنیف ندوی (وفات اپریل ۲۰۰۵ء) مولانا عبدالحکیم عبدالمعجود المدنی 254
- 46 مولانا ذکرا اللہ خاں ذاکر ندوی (وفات فروری ۲۰۰۶ء) مولانا خالد صدیقی 257
- 47 بزم سے رخصت ہے ذاکر مرزا کہتا ہوا (وفات فروری ۲۰۰۶ء) ڈاکٹر اقبال بسکویہری 259
- 48 مولانا عبدالعزیز جامی عمری ادھونی (وفات نومبر ۲۰۰۷ء) مولانا ثناء اللہ عمری 263
- 49 شیخ الحدیث مولانا محمد عمر سلفی (بونڈیہار) (وفات مارچ ۲۰۱۰ء) مولانا محمد رحمانی / مولانا یار محمد سلفی 269
- 50 مولانا محمد حنیف فیضی مدنی بہار (وفات مئی ۲۰۱۲ء) مولانا عبدالحکیم عبدالمعجود المدنی 288
- 51 مولانا قرة العین فائق الملوی (وفات فروری ۲۰۱۳ء) مولانا فواز مبارکپوری 292

باب چہارم: عالم اسلام کے سلفی اساطین

- 52 شیخ عبدالقادر شبیہ الحمد (مختصر تعارف) (وفات مئی ۲۰۱۹ء) مولانا عبدالحکیم عبدالمعجود المدنی 308
- 53 جزیرے یادوں کے شیخ عبدالقادر شبیہ الحمد کی وفات پر مولانا حفیظ الرحمن عمری 310

باب پنجم: مرحومین علمائے اہل حدیث و اعیان جماعت ۲۰۱۸-۲۰۱۹ء

- 54 مولانا سید محمد مصطفیٰ رحمانی قاسمی سدھارتھ نگر (وفات فروری ۲۰۱۸ء) مولانا عبدالمنان سلفی 320
- 55 مولانا محمد ادریس شمسی جھارکھنڈ (وفات مارچ ۲۰۱۸ء) مولانا عبدالستار سلفی 322
- 56 مولانا زین العابدین سدھارتھ نگر (وفات مارچ ۲۰۱۸ء) مولانا عبدالحکیم عبدالمعجود المدنی 323
- 57 مولانا محمد اسماعیل اثری کشمیری (وفات مارچ ۲۰۱۸ء) مولانا عزیز عمر سلفی 325
- 58 مولانا محمد جعفر سلفی پڑریا نیپال (وفات مارچ ۲۰۱۸ء) مولانا عبدالمنان سلفی 327
- 59 مولانا حافظ محمد توحید فیضی پرتاپ گڑھ (وفات اپریل ۲۰۱۸ء) محمد طیب جلیل احمد فیضی 328
- 60 مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب دہلی (وفات اپریل ۲۰۱۸ء) عبدالحکیم عبدالمعجود المدنی 332

- 61 مولانا عبدالوہاب خلیجی صاحب دہلی (وفات اپریل ۲۰۱۸ء) شیخ عبدالمعید مدنی 333
- 62 مولانا عبدالوہاب خلیجی صاحب دہلی (وفات اپریل ۲۰۱۸ء) مولانا اصغر علی امام مہدی السلفی 335
- 63 پروفیسر زہیر انور دہلی (وفات مئی ۲۰۱۸ء) مولانا اصغر علی امام مہدی السلفی 337
- 64 الحاج عبدالرحمن خلیجی راجستھان (وفات مئی ۲۰۱۸ء) مولانا اصغر علی امام مہدی السلفی 338
- 65 مولانا مختار احمد مدنی بڑھنی سدھارتھ نگر (وفات جون ۲۰۱۸ء) مولانا عبدالمنان سلفی 339
- 66 مولانا مختار احمد مدنی بڑھنی سدھارتھ نگر (وفات جون ۲۰۱۸ء) مولانا عبدالکیم عبدالمعجود المدنی 345
- 67 رافع عبدالرحمن عرب بھوپال (وفات جولائی ۲۰۱۸ء) مولانا اصغر علی امام مہدی السلفی 346
- 68 مولانا وجیہ الدین فیضی سدھارتھ نگر (وفات جولائی ۲۰۱۸ء) شیخ محمد رحمانی 347
- 69 مولانا عبدالسلام مدنی سدھارتھ نگر (وفات جولائی ۲۰۱۸ء) مولانا محمد اسلم مبارک پوری 348
- 70 جناب عبدالصمد چودھری پونہ (وفات اگست ۲۰۱۸ء) مولانا محمد عاطف سنابلی 352
- 71 مولوی عبدالرحمن ریاضی (دہلی) (وفات اگست ۲۰۱۸ء) مولانا شریف اللہ سلفی 356
- 72 مولانا ولی محمد صاحب بھوپال (وفات اگست ۲۰۱۸ء) ادارہ 361
- 73 حافظ عبدالکیم فیضی جھنڈا انگر بنارس (وفات ستمبر ۲۰۱۸ء) مولانا عبدالمنان سلفی 362
- 74 حافظ عبدالکیم فیضی جھنڈا انگر بنارس (وفات ستمبر ۲۰۱۸ء) مولانا عبدالکیم المدنی 365
- 75 ڈاکٹر عبدالدیوان انصاری شکر نگری پنجاب (وفات ستمبر ۲۰۱۸ء) منصور عالم 366
- 76 جناب ضیاء الحسن آروی بہار (وفات اکتوبر ۲۰۱۸ء) مولانا اصغر علی امام مہدی السلفی 369
- 77 مولانا عبدالحفیظ سنابلی سدھارتھ نگر (وفات نومبر ۲۰۱۸ء) مولانا جمیل احمد سنابلی 370
- 78 شیخ الحدیث مولانا مشتاق احمد قاسمی بنگال (وفات نومبر ۲۰۱۸ء) مولانا اصغر علی امام مہدی السلفی 371
- 79 قاری عبداللہ فیضی مرشد آبادی مٹو (وفات دسمبر ۲۰۱۸ء) مولانا فیضان اشرف مٹو 372
- 80 مولانا عبداللہ سعیدی ہرہٹہ بلرا پور (وفات دسمبر ۲۰۱۸ء) مولانا عبدالکیم عبدالمعجود المدنی 379
- 81 مولانا جلال الدین رحمانی سدھارتھ نگر (وفات جنوری ۲۰۱۹ء) مولانا عبدالمنان سلفی 380
- 82 مولانا جلال الدین رحمانی سدھارتھ نگر (وفات جنوری ۲۰۱۹ء) مولانا اصغر علی امام مہدی السلفی 382
- 83 حافظ محمد اسحاق صاحب راجستھان (وفات فروری ۲۰۱۹ء) شیخ محمد رحمانی 383

384	مولانا اصغر علی امام مہدی السلفی	(وفات مارچ ۲۰۱۹ء)	84	مولانا محی الدین عمری کیرالہ
385	مولانا اصغر علی امام مہدی السلفی	(وفات مئی ۲۰۱۹ء)	85	مولانا محمد عبدالرحمن فاروقی آندھرا
386	مولانا عبدالحکیم عبدالمعجود المدنی	(وفات جولائی ۲۰۱۹ء)	86	مولانا محمد اسرائیل ندوی ہریانہ
391	محمد رفیع کلوری	(وفات اگست ۲۰۱۹ء)	87	مولانا عبدالرشید عمری، آندھرا پردیش
393	مولانا اصغر علی امام مہدی السلفی	(وفات اکتوبر ۲۰۱۹ء)	88	ڈاکٹر سلمان راغب بنارس
394	مولانا محمد حفیظ الرحمن	(وفات نومبر ۲۰۱۹ء)	89	حافظ محمد ظہور الحسن اڑیسہ
395	مولانا اصغر علی امام مہدی السلفی	(وفات نومبر ۲۰۱۹ء)	90	جناب رانڈر راجستھان
396	مولانا اصغر علی امام مہدی السلفی	(وفات نومبر ۲۰۱۹ء)	91	الحاج عبدالرقيب مبارکپوری
397	مولانا محمد رحمانی	(وفات نومبر ۲۰۱۹ء)	92	جناب ریاض احمد کلکتہ
398	مولانا اصغر علی امام مہدی السلفی	(وفات نومبر ۲۰۱۹ء)	93	الحاج عبدالرشید مالیر کوئٹہ
400	مولانا اصغر علی امام مہدی السلفی	(وفات نومبر ۲۰۱۹ء)	94	الحاج شرافت حسین وزیری
402	شیخ عبدالمعید مدنی	(وفات دسمبر ۲۰۱۹ء)	95	مولانا عبدالحفیظ سلفی بسکوہری سدھارتھ نگر

باب ششم: موجودین علمائے کرام ۲۰۱۸-۲۰۱۹ء

406	مولانا خالد حنیف صدیقی	(ولادت ۱۹۳۰ء)	96	مولانا شفیع اللہ رحمانی سدھارتھ نگر
408	فواز عبدالعزیز مبارکپوری	(ولادت ۱۹۳۵ء)	97	مولانا عبدالرحمن مبارکپوری
413	عبدالحکیم عبدالمعجود المدنی	(ولادت ۱۹۴۰ء)	98	مولانا احسان اللہ رحمانی سدھارتھ نگر
418	عبدالحکیم عبدالمعجود المدنی	(ولادت ۱۹۴۰ء)	99	مولانا رحمت اللہ جامعی سدھارتھ نگر
421	عبدالحکیم عبدالمعجود المدنی	(ولادت ۱۹۴۱ء)	100	مولانا امر اللہ رحمانی ٹکریا سدھارتھ نگر
425	عبدالحکیم عبدالمعجود المدنی	(ولادت ۱۹۴۶ء)	101	مولانا عبدالوہاب حجازی سدھارتھ نگر
431	عبدالحکیم عبدالمعجود المدنی	(ولادت ۱۹۴۹ء)	102	شیخ احمد مجتبیٰ سلفی بہار
435	عبدالحکیم عبدالمعجود المدنی	(ولادت ۱۹۴۹ء)	103	مولانا عزیز الرحمن سلفی سدھارتھ نگر
439	عبدالحکیم عبدالمعجود المدنی	(ولادت ۱۹۵۱ء)	104	مولانا عبدالقدوس مدنی مالیکوٹ
441	عبدالحکیم عبدالمعجود المدنی	(ولادت ۱۹۵۲ء)	105	مولانا ابوالقاسم فاروقی الہ آباد

447	عبدالحکیم عبدالمجود المدنی	(ولادت ۱۹۵۴ء)	مولانا شریف اللہ سلفی سدھارتھ نگر	106
449	عبدالحکیم عبدالمجود المدنی	(ولادت ۱۹۵۵ء)	مولانا علی حسین السلفی جھارکھنڈ	107
453	خودنوشت	(ولادت ۱۹۵۶ء)	ڈاکٹر اقبال بسکوی ہری مالیکاؤں	108
457	خودنوشت	(ولادت ۱۹۶۲ء)	ڈاکٹر لیث محمد کی سدھارتھ نگر	109
463	مولانا ہلال ہدایت	(ولادت ۱۹۶۶ء)	مولانا اسعد اعظمی مٹو	110
468	خودنوشت	(ولادت ۱۹۶۷ء)	مولانا ارشد فہیم مدنی بہار	111

باب ہفتم: مناظرات و متفرقات

471	مولانا تنزیل صدیقی	مناظر مرشد آباد بنگال ۱۸۸۸ء	112
473	مولانا عبد المنان سلفی	سیمینار علامہ داؤد راز مبینی	113
477	مولانا عبد المنان سلفی	جماعتی مصالحت کا مستحسن اقدام	114



کلمات تشکر و امتنان

سالنامہ تاریخ اہل حدیث ۱۹-۲۰۱۸ء جلد ثالث آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس سلسلہ مبارکہ کی اشاعت پر میں خلوص دل سے رب العالمین کے حضور دست بدعا ہوں کہ بارالہا ہماری اس حقیر کاوش کو قبول فرما اور اس کی اشاعت، ترتیب و تصنیف میں تعاون کرنے والے تمام اہل علم و احباب جماعت کو دنیا و آخرت کی رحمت و برکات سے مالا مال فرما، خاص طور پر میں اپنے دیرینہ رفیق شیخ عبدالجبار سلفی، مولانا سعید احمد سلفی پونہ، مولانا ابوالعاص و حیدی، مولانا عبدالسلام سلفی، مولانا محمد رحمانی، مولانا شمیم احمد عبدالحلیم مدنی، مولانا عبدالمنان سلفی، مولانا جمیل احمد سلفی، مولانا محمد عاطف سنابلی، مولانا محمد مستقیم سلفی (بریلی)، عبدالحمید بھائی، الیاس بھائی، عبید بھائی و دیگر معاونین و اصحاب قلم کا تہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے قدم قدم پر ہر طرح سے اس عظیم تاریخی دستاویز کی تیاری و اشاعت میں میرا ساتھ دیا۔

فجزاهم اللہ احسن الجزاء و تقبل مساعیہم و جہودہم۔ آمین

تقبل یا رب العالمین

□□□

انتساب

میری یہ حقیر علمی کاوش

سالنامہ تاریخ اہل حدیث ۲۰۱۸ء-۲۰۱۹ء جلد سوم جماعت اہل حدیث کے نامور مصنف، مناظر، مؤرخ، محدث، تاریخ رجال اور تاریخ حدیث و اہل حدیث کی گہری معرفت رکھنے والے، ملک کی مرکزی درسگاہ جامعہ سلفیہ بنارس کے مدرس و مفتی استاذی المحترم علامہ محمد رئیس ندوی الملقب ب رئیس الاحرار رحمہ اللہ کے

نام

جن کی تدریس، تصنیف اور قلم کی جولانیوں نے مجھ خاکسار کو یہ حوصلہ دیا کہ آج اس میدان میں قدم رکھنے کی جرأت کر سکا۔

تغذیۃ اللہ بواسع رحمته واسکنہ فسیح جناتہ
رب العالمین سے دعا ہے کہ اس بابت ان کی خدمات کو شرف قبول عطا فرمائے، اور جنت میں اعلیٰ مقام نصیب کرے، اور ہمیں اخلاص و عزم کے ساتھ تاریخ اہل حدیث کے روشن ابواب کو صفحہ قرطاس پر اجاگر کرنے کی سعادت دے، آمین۔

تقبل یا رب العالمین

□□□

رشحاتِ قلم

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد علیہ الرحمۃ

بڑی سے بڑی آرزو جس کو اپنے دل میں رکھ سکتا ہوں، یہی ہے کہ زندگی کی آخری گھڑیوں تک اپنے اسلاف کرام کے طریقِ صدق و حق پر مستقیم رہنے کی توفیق پاؤں، اور اپنی ساری زندگی اسی راہ کی کوچہ گردی میں بسر کر دوں، جس کا نشانِ سفر وہ اپنی یادگار میں چھوڑ گئے ہیں، خدمتِ علم و حق کا ایک سرمایہٴ سعادت ہے، جو مجھ تہی دست تک پہنچا ہے، میری محرومی ہے اگر اس کو نہ بچا سکا، اور فضلِ الہی کی بخشش ہے اگر اس کی عزت اور نام نیک کو آنے والوں کے لئے محفوظ چھوڑ گیا: رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا
وَالْحَقِّيْنِي بِالصَّالِحِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾

احب الصالحين ولست منهم
لعل الله يرزقني صلاحاً

(تذکرہ ص: ۳۰)



اداریہ

جماعت کے تاریخی سرمایہ کی حفاظت ضروری ہے

عبدالحکیم عبدالمعجود المدنی

برصغیر میں جماعت اہل حدیث کی تاریخ بے حد قدیم ہے جو علماء کی متنوع اور بے مثال قربانیوں، تصنیف و تالیف، دعوت و تبلیغ، تعلیم و تدریس، جہاد آزادی وطن میں شرکت و قیادت اور میراث رسالت کی حفاظت و صیانت سے عبارت ہے۔ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی، اور شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہما اللہ اور سیکڑوں علماء کے جہود و نقوش کو بھلایا نہیں جاسکتا، دراصل یہ اس تاریخ کی روح اور اس جماعت کا قیمتی سرمایہ ہے جس کی حفاظت بے حد ضروری ہے، اس کے لئے صرف میاں سید نذیر حسین محدث رحمہ اللہ کے بعض تلامذہ کی خدمات پر ہی نگاہ ڈال لی جائے تو کافی ہے۔ اس بابت استاذ محترم مولانا ابوالقاسم فاروقی حفظہ اللہ رقمطراز ہیں کہ ”یوں تو حضرت میاں صاحب کے تلامذہ کی عظیم الشان خدمات کو کسی ترازو میں نہیں تولایا جاسکتا ہے، ہر ذات اپنے میں ایک انجمن تھی، تاہم تاریخ اہل حدیث کے مطالعہ کے دوران میں نے پایا کہ میاں صاحب کے تلامذہ میں تین ہستیاں ایسی تھیں جن کی خدمات کا عشر عشر بھی ابھی تک منظر عام پر نہیں آسکا، اتفاق سے تینوں کا تعلق سرزمین پنجاب سے تھا، تینوں نو مسلم تھے، ان کے گھرانے معزز اور خوش حال تھے، لیکن انہوں نے زر، زمین، جو رو، ناتا، خاندان سب کچھ اللہ کے لئے ترک کر دیا، یہ تھے مولانا عبید اللہ پانکی، مولانا محی الدین لاہوری اور مولانا محمد سعید محدث بنارس۔ برصغیر میں جماعت اہل حدیث کی نشاۃ ثانیہ میں ان تینوں کا اہم کردار تھا، اللہ نے ان کی تصنیفات کو قبولیت عام بخشی، متقدم الذکر نے غیر مسلمین میں تبلیغ کا محاذ سنبھالا، مولانا محی الدین لاہوری نے اپنی تصنیف ”الظفر المبین“ اور اپنے مطبع کے ذریعہ جو دعوتی خدمات انجام دیں وہ تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ مولانا محمد سعید نے بنارس کو اپنا مرکز بنایا، خطابت، مناظروں، تصنیف و تالیف، تدریس اور اشاعت کتب کے ذریعہ کتاب و سنت کی خوب خوب اشاعت کی، ان پاکباز نفوس نے نہ کبھی لومۃ لائم کی پرواہ کی، نہ کسی معاشرتی دباؤ کو قبول کیا، اس راہ کے مصائب کو ہنستے ہنستے گلے لگایا۔

(علامہ ابوالقاسم سیف بناری حیات و خدمات: ص ۱۸)

ظاہری بات ہے اسلاف کی اس عظیم میراث سے نسل نو کو روشناس کرانا ہم سب کی ذمہ داری ہے اس لئے تاریخ کے اس عظیم سرمایہ کی حفاظت اور اس کی تدوین و اشاعت بے حد ضروری ہے۔ وما توفیقی إلا باللہ۔

□□□

افتتاحیہ

تاریخ اہل حدیث ہند کے خدوخال

عبدالمعید مدنی علی گڑھ

افتتاحیہ کا یہ خوبصورت مضمون ہمارے مربی و محسن شیخ عبدالمعید مدنی حفظہ اللہ کے گہر بارقلم سے تحریر شدہ ہے، شیخ موصوف برصغیر اور عالم اسلام میں سلفی دعوت، اس کی روشن تاریخ اور اس کے نشیب و فراز اور علمائے اہل حدیث ہند کی گراں قدر خدمات و جہود کے تاریخی تسلسل کے ایک رمز شناس مورخ ہی نہیں بلکہ بیک وقت کئی زبانوں کے ماہر بالخصوص عربی و اردو کے ایک صاحب طرز ادیب بھی ہیں۔ اور یہ میرے لئے اعزاز کی بات ہے کہ شیخ محترم نے اپنے مستند قلم سے افتتاحیہ رقم فرمایا اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آپ کے شکر کے ساتھ قارئین سالنامہ کی خدمت میں یہ قیمتی مضمون پیش ہے۔ (عبدالحکیم مدنی)

برصغیر میں تاریخ اہل حدیث صرف اس خطے میں نہیں بلکہ معاصر تاریخ میں ایک روشن اور تابناک باب ہے۔ تاریخ اہل حدیث ہند کے کیا خدوخال ہیں، ان کو جاننے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ تاریخ اہل حدیث چند افراد اور چند کردار کا نام نہیں ہے۔ تاریخ انسانی جماعت، گروہ اور خطے و علاقے کی سرگرمیوں، تاثیر و تاثر، بناؤ بگاڑ، اصلاح و فساد، ہمہ جہت بشری و ایجابی جدوجہد کا نام ہے۔

عموماً لوگ روایتی زندگی کے عادی ہوتے ہیں، جو ہے بس ٹھیک ہی ہے، کی کسل مندی ان پر طاری رہتی ہے۔ ایسے لوگ تاریخ کا موضوع نہیں ہوتے، انہیں نسیان کے اندھیرے میں ڈھکیل دیا جاتا ہے۔ یا ان کا ذکر کرنا قابل توجہ لوگوں کے کھاتے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ناکاروں کو بھی اکاذیب کا حنوط لگا کر ان کی یاد کی لاشوں کو سڑنے سے بچایا جائے۔

تاریخ کے خدوخال ہوتے ہیں جو بنتے بھی ہیں اور بگڑتے بھی ہیں۔ اور یہی کسی کی تاریخ کی ابتداء و انتہا ہوتے ہیں۔ جب تاریخ کے خدوخال بننے لگتے ہیں، ان کے نمونہ کوین و تشکل میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور وہ کامل تابندہ شکل و صورت اختیار کر لیتے ہیں تو تاریخ بن جاتی ہے۔ تاریخ خود بخود نہیں بنتی، جب کسی جماعت اور خطے کے جیالے سردھڑکی بازی لگا دیتے ہیں اور اپنے آپ کو عظیم مقاصد کے لئے فنا کر دیتے ہیں، اپنی ساری صلاحیتوں کو اپنے منصوبے کی تکمیل میں لگا دیتے ہیں تب تاریخ بنتی ہے۔ ایسے لوگ تاریخ ساز ہوتے ہیں جن کی تاریخ لکھنے والوں کو ان پر فخر ہوتا ہے۔

برصغیر میں تاریخ اہل حدیث بننے کے لئے تاریخ ساز لوگوں نے ہمہ جہتی کارنامہ انجام دیا اور مثالی کارنامہ انجام دیا تب یہ تاریخ بنی، اور مثالی تاریخ بنی جس کا ابھی تک شاید لوگوں کو صحیح شعور بھی نہیں ہے۔ ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ تاریخ کا صحیح شعور بھی بہت ضروری ہے۔ ورنہ تاریخی حقیقت کے تہوں سے نکل جاتی ہے اور بات صرف چند افراد و کردار تک گھوم کر رہ جاتی ہے۔

تاریخ ایک معمولی شے نہیں ہے، انسانی جدوجہد کا ایک ریکارڈ فرشتے تیار کرتے ہیں جو سو فیصد صحیح ہوتا ہے اس میں زیروز برکی غلطی کا امکان نہیں ہوتا، نہ بھول چوک کا امکان ہے، انسان کی ریکارڈ کردہ تاریخ کو بھی اسی سچے اور صحیح نیچ پر ہونا چاہیے۔ تاریخ کا ریکارڈ اگر درست نہ ہو تو لوگوں کی گمراہی، اور دھوکے میں رہنے کا بڑا سبب بن جاتی ہے۔

تاریخ اہل حدیث کے خدوخال اس وقت نمایاں ہونے شروع ہوئے جب مغلیہ سلطنت نے اپنے اثر و رسوخ ضائع کر دیئے۔ قوم باغیوں، سرکشوں اور کافروں کے عتاب و انتقام کا شکار ہونے لگی، شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے تقلیدی حصار اور فسوں کاری کے طلسم کو توڑا اور مسلمانوں کے فکری رہنما بن کر آئے۔ اس وقت سماج میں جس قدر دینی بگاڑ تھا ان سب کو انہوں نے محسوس کیا۔ رسم و رواج اور آباء پرستی کی مذمت کی، انہیں چھوڑنے اور کتاب و سنت سے تمسک پر زور دیا، وقت کی تمام برائیوں اور بگاڑ کی نشاندہی کی۔ برصغیر کی مسلمانوں کے اجتماعی سیاسی ڈھانچے کو درست کرنے کے لئے بھرپور قلمی کوشش کی۔

شاہ ولی اللہ رحمہ کو اپنے دور کی ہمہ جہتی بگاڑ کا کلی شعور تھا اس لئے ان کے پاس ان کے اصلاح کا صحیح اور مکمل سمجھاؤ بھی تھا۔ اس وقت کے فکر و عمل کے تباہ کن فساد اور بگاڑ کی کلی تشخیص اور اس کے علاج کی تدبیر کا جس کو شعور ہو وہ وقت کا کارنامہ ہوتا ہے۔ یہ پہلا قدم یعنی مرض کی تشخیص اور علاج کی تدبیر سب سے کٹھن کام ہوتا ہے۔ حالات کے غلام وقت کے فساد کے اندھے مقلد ہوتے ہیں، رسم و رواج اور ترویج یافتہ افکار و نظریات، عادات و اطوار کے لوگ ایسے مانوس ہوتے ہیں کہ ان بوسیدہ سڑی بدبودار ہڈیوں سے بھی عشق کرتے ہیں۔ ان کے خلاف کچھ بھی سننا ان کو گوارا نہیں ہوتا۔ اس وقت دیکھ لیں ابا حیت اور علمائیت کا دلوں پر راج ہے، یہ ساری کفریات زندگی کے ہر شعبے میں داخل ہو گئی ہیں۔ مگر ان کے خلاف کوئی سننے کو تیار نہیں، خیانتیں فرد سے لے کر حکومت تک زندگی کی پہچان بن گئی ہیں۔ اس مرض کا صحیح شعور اور تدبیر علاج کس کے پاس ہے، اس مرض کے خلاف لوگ سن نہیں سکتے اور علاج کے لئے تیار نہیں ہو سکتے یہی حال ہر وقت ہر زمانے کا ہوتا ہے۔ تاریخ ساز لوگ ہی مرض کا صحیح شعور لیتے ہیں اور علاج کی تدبیر کر سکتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اپنے ملفوظات، پیغامات، تالیفات، خطوط میں فارسی اور عربی دونوں زبانوں میں تشخیص مرض اور تدبیر علاج کی۔ اتاوالے پن میں شاہ رحمہ اللہ کے دیگر افکار پیش کئے جاسکتے ہیں جن کو تنبیہ اور احتیاط سے دیکھا جاتا ہے وہ اپنی جگہ ہیں اور ان کے اپنے سلبی اثرات ہیں۔ لیکن انہوں نے جس اعلیٰ استعداد سے، حکیم وقت کی حیثیت سے مرض کی تشخیص کی اور علاج کی تدبیر کی وہ تاریخ ساز کام ہے۔

ملوکیت اور طوائف الملوکی کے علاج کے لئے کیا ان کی کتاب ”حجۃ اللہ البالغہ“ ازالۃ الخفاء اور ”قرۃ العینین“ علاج نہیں ہے؟ پورے برصغیر میں رافضی طوائف الملوکی، قتل عام اور فکری فساد کا علاج نہیں ہے۔ کیا ان کا مشن ایک حکیم اور مصلح کی حیثیت سے سلفیت اور اہل حدیث کے مزاج کے خلاف تھا؟ ٹھیک ہے تصوف کی ہزار داستان نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ تصوف کو خطا کا ٹھہرائیں بقیہ ان کے پیغام کا خلاصہ کیا تھا؟ اصلاح امت کا مکمل منصوبہ اور پلان۔ حکومت، سیاست، عبادت، معاشرت، معیشت اور فروعی و عائلی زندگی سب کی اصلاح۔ خالص اتباع سنت کی دعوت میں ان کی مستقل سترہ تحریریں ہیں۔ اور دیگر کتابوں اور بلاغات میں اس کی دعوت موجود ہے۔ عملاً فقہ اور فلسفہ کے بجائے حدیث و تفسیر پر ان کا ارتکاز تدریس پورے بگڑے ماحول میں اصلاحی عمل کا ایک جرات مندانہ حق ہے۔ روایتی طور پر ان کی اکثر تحریریں تصوف پر ہیں اور ان کے لئے دعا گو رہنے اور محبت کرنے والوں کے لئے شرمندہ کرنے والی تحریریں بھی ہیں۔ لیکن ان کے جلّائے ہوئے چراغ کی روشنی کا انکار بددیانتی ہے۔

یہ چراغ جلا تو اس سے دوسرے چراغ بھی جلے، شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی اولاد اور تلامذہ نے اس چراغ کو کس حد تک جلّائے رکھا۔ گھر کے اثرات بھی تھے، ماحول کی ستم نظریں بھی تھی۔ اور موہبت الہی بھی کہ شاہ شہید تجدید دین کا کام لے کر کھڑے ہو گئے۔ وہ نظریاتی و فکری اصلاح کے حجروں اور داروں سے نکل کر میدان میں آئے، اسلامی ریاست کے قیام کے لئے کمر بستہ ہو گئے، احیاء دین کا فریضہ نبھانے میدان میں آ گئے۔ رب کریم نے انہیں اپنے دین کی خدمت کے لئے وہ ساری صلاحیت دی تھی جس کی ضرورت ایک مصلح اور مجدد کو ہوتی ہے۔ بگڑے ہوئے ماحول میں مقبول عام و خاص

ریت و رواج کے مقابل کھڑا ہونا سب سے کٹھن کام ہے۔ پوری بھیڑ کی مخالفت برداشت کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ شاہ شہید رحمہ اللہ کی خاصیت یہ بھی تھی، ان کو فقہ الواقع اور فقہ الدین دونوں کا پورا شعور ملا، بہت کم ایسے خوش نصیب ہوئے ہیں جو کہ زندہ گرد آلود ماحول میں دینی و دنیاوی بصیرت حاصل کر سکیں۔ حالات کے اتنے تہ بہ تہ پردے ہوتے ہیں اور اتنا بوجھ ہوتا ہے کہ لوگ دباؤ میں رہتے ہیں، ادراک حقیقت ان کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ کار اصلاح و تجدید کے لئے کھڑے ہونے والے شخص کے اندر اللہ تعالیٰ مطلوب صلاحیت پیدا کر دیتا ہے۔ مصلح اور مجدد کے لئے وہی اور کسی دونوں چیزیں ملی ہوئی ہیں۔

صحیح اور کامل شعور و ادراک کے ساتھ احیاء دین و تجدید دین کا کام کرنے والوں کے اندر ہمت و شجاعت بھی ہوتی ہے۔ بے مثال ہمت و شجاعت، فکر و عمل دونوں میں ایسے لوگ یکاوتاز ہوتے ہیں۔ ایک عالم فاضل اور صحیح شعور کا انسان اگر ہمت و شجاعت کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اس کا دائرہ عمل بہت محدود ہوتا ہے۔ حجروں سے باہر اس کی سرگرمی نہیں رہ جاتی ہے۔

شاہ رحمہ اللہ نے احیاء دین و اصلاح امت کا جو عظیم بیڑا اٹھایا اس کے دائرے میں برصغیر کی پوری آبادی تھی۔ اور زندگی میں پورے اسلام کے نفاذ کے خواہاں تھے۔ ان کی دعوت جزئی نہ تھی نہ فرقہ واری تھی، ایک طرف تجدید دین کا بھی عمل تھا، دوسری طرف اصلاح معاشرہ کا بھی۔ احیاء سنت، امانت بدعت، اشاعت دین، اقامت جہاد، اسلامی شعائر کا احیاء، اشاعت تعلیم، دعوت دین کا پورا پروگرام تھا۔ مسلمانوں کو متحد رکھنے کا پورا اہتمام تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ساری جہود کو مقبول فرمائے۔ اسلامی ریاست تک قائم ہو گئی، برصغیر کا پورا مسلم سماج ان کی جہود سے مستفید ہوا۔ ان لوگوں نے تو ہندو آبادی کو بھی ساتھ رکھنے میں کامیابی حاصل کی۔ ہندو ریاستیں بھی ان کی تائید و تعاون میں تھیں۔ ان کے سامنے تھا کہ سارے فساد اور استعماری قوتوں کو ختم کریں اور لگام لگائیں۔

جس دور میں ان نفوس پاک نے دین کی بالادستی کے لئے یہ کام شروع کیا، اس دور کے تقاضے تھے، صعوبتیں تھیں، سہولتیں بھی تھیں، ان سے ان حضرات نے بخوبی عہدہ برآ ہوئے۔ وہ اسلامی ریاست بھی قائم کر لے گئے۔ خدا ربانی سرداروں نے قدم قدم پر دھوکہ دیا اور ریاست ٹوٹ گئی۔ برصغیر کا ہجوم خلق کوئی مدینہ کے انصار اور مکہ کے مہاجر نہ تھے کہ ان کی بنیاد پر اسلامی ریاست قائم ہو جائے۔ قائم ہو بھی تو آج تہجد گزار بھی اس کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ اس وقت کسی سے گھر سنبھلتا نہیں، اسلامی ریاست سنبھالیں گے؟ اس کا عقیدہ رکھنا چاہیے، اس کے عناصر اساسی اور پرامیٹر کو قائم کرنے اور درست کرنے کی کوشش ہونی چاہیے۔ اس کی اساس عقائد، عبادات، تصوف، جہاد، وحدت امت، بقاء امت... ہیں۔ لوگوں کو ان بنیادی امور کا اہتمام کرنا محالات میں ہو گیا ہے۔ جو لوگ حکومت الہیہ یا خلافت کی بات کرتے ہیں ان کے پاس اسلامی ریاست کے قیام و بقا کے لئے پانچ فیصد اس کے عملی، علمی اور منہجی تقاضے پورا کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، بک بک کرنا، صفحات سیاہ کرنا بڑا آسان ہے۔

اس قافلہ حق نے اخلاص کے ساتھ اپنی ساری علمی، عملی، تنفیذی صلاحیت لگا دی، بارگاہ الہی میں سرخرو ہو گئے، اتنا ہی انبیاء سے مطالبہ تھا، کیا ہم اس سے زیادہ ان سے مطالبہ کر سکتے ہیں؟

انسان نہ موت و حیات کا مالک ہے۔ نہ وقت و حالات اس کے کنٹرول میں ہیں، نہ موسم و جغرافیہ میں اسے تصرف حاصل ہے، نہ وقت کے تمدن کو دوسرے وقت کے تمدن میں فٹ کر سکتا ہے۔ انسان کے اوپر بس اتنی ذمہ داری ہے کہ جس جگہ اور زمانے میں ہے اور جو صلاحیت ملی ہے اپنے خاص زمانے اور جگہ میں صحیح طور پر اللہ کی رضا کے لئے استعمال کرے۔

اس قافلہ حق کی دین داری، دینی و تمدنی صلاحیت، پیہم عمل، منصوبہ بندی، رضائے الہی کے حصول کا جذبہ، مشفقوں کو برداشت کرنے کی صلاحیت، نظم و اجتماعیت قائم رکھنے کی استعداد، فیصلوں کی تنفیذ میں چستی، تربیت کا شاندار روحانی نظم بے مثال، کل کا خلاصہ یہ ہے کہ ہندوستان میں مسلم ملکیت کے پورے وقفے میں پہلی بار خلافت علی منہاج النبوة کے قیام کی کوشش ہوئی اور پورے برصغیر میں ہوئی اس کا ابتدائی نظم قائم ہو گیا اور اچھے لوگ اس سے جڑ گئے اور جوڑے بھی گئے۔ شہیدین کے بعد صادقین صادق پور نے ایک صدی تک اس کو قائم رکھنے کے لئے ہر قسم کی قربانی دی۔ تقسیم ہند تک اس کے اندر یہ تسلسل قائم رہا۔

مغل حکومت کی مرکزیت ختم ہونے کے بعد طوائف المملوکی کے دور میں، خلافت علی منہاج النبوة کے قیام کی کوشش شروع ہوئی، کہاں سے شروع ہو، کہاں اس کی شدید ضرورت تھی، کہاں بہترین تربیت اور نظم و نسق کا انتظام ہو سکتا تھا۔ ان کا انتخاب عین ضرورت کے مطابق تھا۔ پورے پنجاب اور اس سے ملحق علاقوں میں سکھ شاہی راج قائم تھا، سکھ مسلمانوں کے مقدسات، جان مال اور آبرو کے لئے خطرہ بن گئے تھے۔ مساجد میں گھوڑے باندھتے تھے، اغوا کر گھر والوں کو پہلے ہی خبر دے کر ڈرا بھگا دینا اور گھروں پر قبضہ کر لینا عام بات تھی۔ رنجیت سنگھ کانے کا تخت لاہور میں بچھا تھا۔ اس کا سکھ شاہی راج چل رہا تھا۔ مسلمانوں کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ اگر شہیدین کا پہلا قدم پنجاب اور مضافات پنجاب مثلاً کشمیر کے بعض علاقے میں مجاہدانہ اقدام تھا۔ ان کی مجاہدانہ حرکتوں سے خطہ پر امن ہو گیا تھا تو ان کی تنہا یہی کوشش ان کی سرخروئی کے لئے کافی ہے۔

اس قافلہ حق نے مغل حکومت کے بے اثر ہونے کے بعد جہولت اسلامیہ ہند کی شناخت کی بنیاد رکھی آج وہی برصغیر کے مسلمانوں کی شناخت ہے۔ صلیبی استعمار جس طرح اسلام اور مسلمانوں پر حملہ آور ہوا تھا، اس قافلے کی محنتیں، اصلاحات، تیاریاں کام آئیں اور دور استعمار میں برصغیر کے تمام مسلمانوں کو اسلامی شعور مل گیا، صراطِ مستقیم کی طرف لوگوں کی بازیابی ہو گئی۔ اگر عنایت ربانی کی یہ شکل نہ ہوتی تو قبوریت میں فنا مسلم معاشرے کا حال بد سے بدتر ہوتا، شہیدین کی دعوت اور جدوجہد اپنے دور کی کامیاب ترین دعوت تھی۔ انہوں نے برصغیر کے سماج کو ہمہ جہتی طور پر متاثر کیا۔ سیاسی سماجی معاشی دینی تعلیمی، ہر اعتبار سے انہوں نے مسلمانوں کے اندر زبردست تبدیلی پیدا کی۔ اس وقت مسلمانوں کی اکثریت اسی دعوت دین اور احیاء دین و امت کی کوششوں کا ثمرہ ہے۔

یہ چہود آگے مختلف شکل میں ظاہر ہوئیں اور لوگوں کی الگ الگ شناخت بن گئی، قبوریت نے بریلی کو اپنی شناخت بنالی۔ رد عمل کے طور پر مشینت پرستی نے دیوبند کو اپنی شناخت بنالی، اتباع سنت اہل حدیث کی شناخت بن گئی پھر انہیں کے آمیزے سے دیگر شناختیں بنیں۔ جیسے تحریکیت۔

ان جہود کی کامیابی کا ذرا تصور کیجئے، پوری تاریخ اسلامی ہند میں کیا ایسی خالص دعوت کی مثال ہے۔ شاہ شہید نے پورے دعوتی مشن کو چند جزئی تصوف کی مزلتوں کے سوا۔ اہل سنت کے منہج پر لاکھڑا کیا۔ اگر اس دعوت کا موازنہ آج کی تحریکیت سے کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ آوارگی فکر کے سوا یہاں کچھ ہے ہی نہیں۔ انہوں نے دین ہی کو تغیر پذیر بنا دیا، کبھی اس کو سیاسی بناتے ہیں، کبھی اسے ملائیت کی چادر اڑھاتے ہیں کبھی اتارتے ہیں، رافضیت کو عین دین بتاتے ہیں اور اسکے ساتھ وحدت کو واجب گردانتے ہیں۔ خارجیت کو پروان چڑھا کر سارے عالم میں خون کی ندی بہاتے ہیں۔ خارجیت و رافضیت کی سوچ انکار حدیث، عظمت صحابہ کے انکار اور تفسیر بالرائے کی طرف لے جاتی ہے، چودہ صدیوں میں سب سے بڑی گمراہی اس کا عطیہ ہے۔ بڑے سے بڑے کفر و ارتداد کی راہ پر اور عنوان دین کی خدمت۔

ذرا تصور کیجئے، اس منظر نامے میں احیاء دین و امت کا شہیدین کا کارنامہ کس قدر شاندار تھا۔ اصلاح معاشرہ، اصلاح فرد، اصلاح معیشت، احیاء

شعائر دین، رجوع الی الکتب والسنتہ، وحدت امت، اشاعت دین، مسلم اور غیر مسلم دونوں میں سیاسی بیداری جو آگے چل کر استعمار سے آزادی کا سبب بنی۔ تفصیلات طلب کریں تو حیران و دنگ رہ جائیں گے۔ بنگال میں اصلاح معیشت و اصلاح معاشرت کی تاریخ کا عظیم کارنامہ ہے۔ صرف سید والا جاہ صدیق حسن کے ابا جان اولاد حسن کی دعوت سے وسط ہند میں دس ہزار ہندو مسلمان ہوئے، آزادی ہند میں ان کا کنٹریبوشن سب سے زیادہ ہے۔ حتیٰ کہ ۱۸۵۷ء کا جہاد بھی ان کی تدبیر کا نتیجہ ہے۔

یہ بھی عجیب بات ہے کہ مستعمر ہند میں عالم اسلام سے زیادہ دینی علوم کا چرچا بھی برصغیر میں زیادہ تھا۔ نواب صاحب نے تصنیف کتب کا شاندار ریکارڈ قائم کیا۔ انہوں نے سلف کی کتابوں اور اپنی کتابوں کی طباعت و اشاعت کا شاندار کام کیا اور بعد میں چل کر وہی راہ سعودی عرب، قطر نے اپنائی۔ ایک صدی تک برصغیر کے علمائے اہل حدیث سارے عالم اسلام میں علم صحیح کی قافلہ سالاری کرتے رہے۔ شہیدین کے تاریخی کارناموں کی اساس ڈھونڈیں تو بے مثال ملے گی۔

ایک عام آدمی کے اندر اس دعوت سے ایسا صحیح دینی و عملی شعور پیدا ہوا، اعتصام بالکتب والسنتہ سے وہ وابستگی ہوئی کہ مودودی کے اندر ویسا شعور نہ جاگ سکا، وہ زندگی بھر گھاٹ گھاٹ کا پانی پیتے رہے۔ اور نئے نئے فتنے جگاتے رہے۔

تاریخ کا شعور نہ ہو تو چند الفاظ کا سہارا لے کر انسان منفی کو ایجابی اور ایجابی کو سلبی بنا تا رہتا ہے یا خواہوں کی برات سجا تا رہتا ہے۔ شہیدین کی دعوت اور احیاء دین و امت کے ساتھ چھٹ بھوں کا اب یہ تماشا ہونے لگا، چند پیسوں کے عوض جن کے اقلام باطل کے ہمنوا بن جاتے ہیں اور جو ایمان سے کلیتاً محروم ہیں وہ بھی اپنی کوتاہ قامتی کا مظاہرہ کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کے لئے بھی اس تاریخ میں جگہ بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ تاریخ اہل حدیث کے خصائص میں یہ شامل ہے کہ وہ منہج سلف کے اصولوں پر سودا نہیں کرتی ہے۔ اس کی تشریح و تفہیم تاویل، تحریف اور مادی تعبیرات سے جدا ہوتی ہے۔

تاریخ اہل حدیث میں جدوجہد منہج سلف کے مطابق شریعت کے دائرے میں ہوتی ہے، کتاب و سنت کی تعلیمات پر سلف صالحین کے منہج فہم و عمل کے مطابق ہوتی ہے۔

تاریخ اہل حدیث میں فوکس اصول پر ہوتا ہے رجال پر نہیں۔ اور رجال کی شرعی حیثیت کو تسلیم کیا جاتا ہے اور علماء کی مرجعیت کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ احوال و احداث کو کتاب و سنت کی تعلیم کی روشنی میں دیکھا جاتا ہے۔ تاریخ اہل حدیث میں کم و کیف کو دلائل سے جانچا جاتا ہے۔ پروپیگنڈوں کے زیر اثر نہیں رکھا جاتا ہے۔

تاریخ اہل حدیث میں علماء کی مرجعیت قائم رہتی ہے۔ خاص کر غیر اسلامی ممالک میں کیوں کہ اس کا رد اور عدم توجہ سارے فتنوں کو جنم دینے اور پھیلنے کا سبب بن جاتی ہے۔

تاریخ اہل حدیث میں امر بالمعروف کے ساتھ ”رد باطل“ پر بھی بڑا زور ہوتا ہے، قلمی جہاد کی اصل شکل یہی ہوتی ہے۔ رد باطل سے حق کے فروغ کے لئے راستہ صاف ہوتا ہے اور باطل کی بیخ کنی ہوتی ہے۔ دوسرے حق و باطل کو خلط ملط کر دیتے ہیں بلکہ باطل کے بطلان کا شعور ہی مدہم پڑ جاتا ہے۔ اس لئے نظر آئے گا کہ اہل حدیث علماء باطل کی تردید میں سب سے آگے رہتے ہیں۔ بعد میں دوسرے بھی کریڈٹ لینے اور اسے تھہیانے آجاتے ہیں۔ تاریخ اہل حدیث میں تعلیم و عمل ایک ساتھ چلتا ہے۔ یہاں صرف جملہ بازی نہیں ہوتی ہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد لوگوں کے رجحان بدل گئے،

داروگیر کا سلسلہ دراز ہوا، وہابی باغی مترادف لفظ بن گئے، انگریزوں کا فارمولہ کامیاب رہا۔ سب کنارے چھٹتے گئے۔ لوگوں نے احیاء دین و امت کے دعوت اور جدوجہد کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس سے کٹ کر بریلی مرکز بنا، اسے دیوبندی نے بریلوی مسلک کا نام دیا اور خود اس کے وزن پر دیوبندی بن گئے جب کہ اس نام میں شرک کی بوموجود ہے اس کی حد بندی تاریخ جغرافیہ اور اشخاص سے ہو کر الگ مسلکی شناخت کا حامل ہے۔ اس کا سر امولانا مملوک علی سے جڑتا ہے جو دلی کالج میں استاذ تھے، یہ اور ان کے شاگردان کرام انگریزوں کے نوکر بن گئے۔ ان کے زیر اثر ان کے گھرانے، ان کے طلباء استعمار کے ہم رکاب ہو گئے۔ دیوبند میں اسی ذہنیت کے مطابق مدرسہ بنا، جس میں ابن الوقتی کی بنیاد پڑ گئی اور آج اس کے اندر اس کا اثر ہے۔ شہیدین کی دعوت سے دوری بنانے کے بعد اس کے اندر تضادات، ابن الوقتی، ادعا، مبالغہ، شیخی، اور قبوریت کے سامان اکٹھا ہو گئے۔ غنیمت یہ ہے کہ رجوع الی الکتاب والسنة کا چراغ جلا تھا وہ حدیث و تفسیر کی تدریس سے بچا نہیں، گو حدیث پر مسلکی حنفی تعصب کا کور چڑھانے اور تفسیر کو تصوف میں رنگنے کی کوشش کی جاتی ہے، اہل حدیثوں کی مخالفت نے بھی ان کو حدیث و تفسیر سے جوڑ رکھا ہے اگر مسابقہ آرائی کا جذبہ نہ ہوتا تو استرخاء کا شکار ہوتے اور تفسیر و حدیث کی تدریس موقوف ہو جاتی۔ یہ بھی تاریخ اہل حدیث کا شاندار باب ہے کہ مخالفین کو قرآن و سنت سے جوڑ رکھا ہے۔

بریلویت تو پوری طرح پرانی قبوریت کا وارث ہے۔ اور سر اسرار دعا اور وہم، الگ لائن، شہیدین کی دعوت کا یہ بھی ایک کارنامہ ہے کہ اس نے جہاں کروڑوں لوگوں کو راہ مستقیم پر کھڑا کر دیا، وہیں مخالفین کو بذات خود بعض اصلاحات پر مجبور کر دیا، قبوریت میں تشیع کی بڑی آمیزش تھی، سمجھ دار بریلوی علماء کی وجہ سے بظاہر ریت و رواج کی بہت سی چیزیں نکالی گئیں، سماج میں لین دین، خوشی غم، شادی بیاہ، کفن دفن میں پرانے بہت سے خرافات کو اچھے گھرانوں نے ختم کیا۔

قبوری علماء جو یوگا دکا شہیدین کے ساتھ تھے وہ شاہ شہید کے دور میں کٹنے لگے تھے۔ جب الگ الگ دورا ہیں نکلیں تو شہیدین کی دعوت اہل حدیثوں کے لئے سمٹ کر رہ گئی۔ صادقین صادق پور قریب ایک صدی تک پوری تندہی اور امانت داری کے ساتھ پورے برصغیر میں یہ امانت سنبھالے رہے اور اسکی خاطر وہ سب لگا دیا جس کا ایک انسان کے اندر امکان ہوتا ہے۔

بیسویں صدی میں حالات بدل گئے، ملک کے سارے فیصلے قومیاں اور علمانی بنیادوں پر ہونے لگے، اسلامی ریاست کے قیام کے لئے مجال ہی نہیں رہا، اس کا سیاسی عمل رک گیا۔ سارے علماء، قومی علمانی سیاست میں لگ گئے۔ اور ہر مسلک کے لوگوں نے اس میں اشتراک کیا۔ لوگوں کے الگ الگ دینی ادارے قائم ہو گئے، انجمنیں بن گئیں، الگ الگ مساجد بن گئے۔ اور اپنے اپنے مسلک کی ترویج و اشاعت میں لگ گئے۔ مشترکہ پلیٹ فارم بھی نہ رہا، نفس پرستی اسے کھا گئی۔ آج لوگ اپنی اپنی مسلکی شناخت کے ساتھ جی رہے ہیں۔ اور جو طاقت و ربن گئے ہیں دوسروں کو کھا جاتے ہیں اپنے سے کم طاقت والوں کی مسجدیں گرا دیتے ہیں، ادارے قبضہ کر لیتے ہیں۔

آج برصغیر کا سارا سرمایہ علم و امت شہیدین کی دعوت کا رہین ہے۔ ہر قسم کی سیاسی، دینی، دعوتی، تعلیمی، سماجی جدوجہد میں اس کے اثرات کلیتاً موجود ہیں۔ مغل سلطنت کے بکھرنے کے بعد برصغیر کے مسلمان یتیم ہو گئے اور اس طرح بکھراؤ کا شکار ہوئے کہ سروں کی فصلیں کٹ گئیں اور آج تک وہ سلسلہ جاری ہے۔ دو صدیوں کے اندر ان کے مقدر میں صرف انحطاط اور ناکامی لکھ دی گئی ہے۔ استعمار کی راہ میں ساری رکاوٹیں ختم ہوتی گئیں۔ ٹیپو سلطان کا سقوط میسور، سراج الدولہ کا سقوط بنگالہ، ۱۸۵۷ء کا انقلاب، تقسیم ہند، تقسیم پاکستان، بابر مسجد کا انہدام، فرقہ وارانہ فسادات، مسلسل مسلمانوں کی ہزیمت کے محاذ میں سازشیں، کمزوریاں غفلتیں رنگ لائیں۔ اور ہم آج اجتماعی سزا بھگتتے چلے آ رہے ہیں۔ دو سو سالہ وقفے میں تمام فتنوں کے خلاف

اگر کوئی طاقت کھڑی ہوتی اور ایکشن پلان لے کر آتی تو وہ صرف شہیدین کی دعوت تھی۔ اگر اس کے مرحلہ وار عمل اور جدوجہد کو نظر انداز کر دیں تو پھر برصغیر کے مسلمانوں کے پاس بچتا کیا ہے۔ ہمارا سارا وجود مائنس پوائنٹ پر جائے گا۔ اور مائنس سو پر تو تحریر کی ہیں۔ قریباً ایک صدی میں انہوں نے فتنہ و فساد گمراہی اور قتل و خون ریزی کے سوا کچھ نہ دیا۔ صرف تعلی کا شکار رہے اور مودودی جیسے کنفیوز و بگڑے دانشور کی ہفتوات میں پڑے رہے۔

تاریخ اہل حدیث نے برصغیر کے مسلمانوں کی تنظیم نو کی ہے اور ہر میدان میں ان کو راہ مستقیم پر لانے کی کوشش کی ہے، انہیں اپنے وجود کی، دین اور سماج کی شناخت دی ہے۔ تاریخ اہل حدیث سرفروشیوں اور کامیابیوں کا نام ہے، اہل حدیث سرخرو تھے اور سرخرو تاریخ رکھتے ہیں۔ ان کے متعلق دیوبندی گپ محض ایک سوچی سمجھی اسکیم ہے خود کو تاریخ میں اہل حدیث کی جگہ فٹ کرنے کی۔

آزادی سے کچھ پہلے اور آزادی کے بعد اہل حدیث افراد، تنظیمات اور ادارے متزل کا شکار ہونے لگے اور اب تاریخ اہل حدیث کے خصائص و امتیازات کا ادراک ہمارے اپنے لوگوں میں نہیں رہ گیا ہے۔

اس مختصر سے مقدمے میں تفصیلات کی گنجائش نہیں۔ اس میں قابل غور نقطوں کی طرف اشارہ ہی کیا جاسکتا ہے۔ اور قارئین سے اپیل کی جاسکتی ہے کہ حقیقت سمجھنے کی کوشش کریں، تاریخ اہل حدیث سے متعلق چھٹ بھیبوں کی سفیہانہ باتیں قابل اعتناء نہیں ہوتیں۔ نہ ان کے پاس اتنی سمجھ ہے کہ ان امور کو سمجھ سکیں۔

مولانا عبدالحکیم صاحب اس کام میں لگے ہیں ان سے گزارش ہے کہ تاریخ کا سودا بہت کھرا ہوتا ہے ہر لوگو کو اس بزم میں نہ سجائیں۔ نہ ہر ایرے غیرے سے سرٹیفکیٹ لینے کے سودائی بنیں۔

اللہ تعالیٰ انہیں خیر کی توفیق دے اور ان کی جہود کو قبول فرمائے، مطالعہ تاریخ کا ایک اسلامی منہج ہے اس کے مطابق حقیقت نگاری کی جائے، حقیقت کیا ہے وہ فکری و عملی سرگرمیاں جو زندگی میں جاری رہتی ہیں اور جن سے تاریخ بنتی ہے۔ یہ سرگرمیاں جو تاریخ کے حقائق کا روپ اختیار کرتی ہیں ان کا ادراک وہی شخص کر سکتا ہے جو صاف ستھرا ذہن رکھتا ہو۔ سرگرمیوں کی صحت و منہجیت کی خبر رکھتا ہو۔ اس کے اچھے برے نتائج اس کے حیثہ امکان میں آسکیں۔ وہ حالات و ظروف کو جانتا ہو، اس کے وقت کے رجحانات اور صلاحیتوں کو جانتا ہو۔ مصلح داعی اور رجال کار و قیادت کے مشکلات، مسائل منصوبے ہمت و حوصلے، صلاحیت، علمیت اور منہجیت کو جانتا ہو۔ ان کی جانفشانی اور قربانی کی قدر جانتا ہو۔ اگر کسی قلم کار کو ان تفصیلات کی خبر نہ ہو تو ایک بازاری کی طرح تاریخ کو اپنی پھکڑ بازی کا نشانہ بنا سکتا ہے اور کچھ نہیں۔

تاریخ اہل حدیث پر ظلم کا ایک طریقہ دیوبندی حضرات کا ہے۔ اس طرز تحریر سے انہوں نے تاریخ اہل حدیث چرائی۔ اس کی ابتدا مولانا عبید اللہ سندھی سے ہوئی، ان کے خاکے میں مولانا محمد میاں نے رنگ بھرا اور سارے کے سارے دیوبندی قلم کار اس پڑوٹ پڑے، ساری تاریخ کو اپنانے اور اہل حدیث اساطین کو بدنام کرنے کا انہوں نے بیڑا اٹھالیا۔ حکیم سید عبدالحی، ایوب قادری اور علی میاں نے اس میں زیادہ حصہ لیا۔ شہیدین کی دعوت و تجدید اور احیاء دین کو خاندانی بنانے کی ناروا کوشش رائے بریلی کے گھرانے نے برابر کی خاص کر علی میاں نے اور ان کے ابا جان نے سید السادات نذیر حسین اور سید والا جاہ نواب صدیق حسن بھوپالی کو ٹارگیٹ بنایا، اس مسلسل کوشش سے برصغیر کی پوری تاریخ دعوت و تعلیم دیوبندی بن گئی اور سارے سیکولر و مذہبی قلم کار اس منہج پر چل پڑے۔

تحریر کی تاریخ اہل حدیث کو دیوبندی منہج سے پڑھتے ہیں یا مودودی کی استنکاری و انکاری منہج سے پڑھتے ہیں۔ مودودی نے دعوت شہیدین

کے متعلق ”تجدید و احیائے دین“ میں عامیانه سرسری تبصرہ کر دیا اور اسے ناکام ہونے کا فتویٰ دے دیا، بس اسی کو نیم اہل حدیث و نیم مودودی سیانے لے اڑے اور بدبودار دانشوری پھیلا نا شروع کر دیا۔ تاریخ تاثراتی ادبی تبصرہ کی چیز نہیں ہے، مذکورہ تفصیلات سے آگاہی کے بغیر ڈیڑھ دو صدی کی بے مثال قربانیوں کو آج کے اٹھائی گیموں، چند گلوں میں بکنے والوں کو اتنی جرأت نہیں ہونی چاہیے کہ انکار کریں اور ان عظماء کے متعلق فلم شعلے شائع کریں۔ ہر پڑھے لکھے انسان کو علمی سرگرمیوں کی بدھض علی الاطلاق اجازت ہے لیکن کسی کو یہ اجازت نہیں کہ دیوبندی یا مسلکی منہج سے تاریخ اہل حدیث پڑھے اور اس کا تیاپا نچ کرے، اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث ہوتا ہے۔ اہل حدیث تاریخ پڑھنے کے مذکورہ حقائق کو جاننا بہت ضروری ہے۔

آج جس طرح بے جا شہرت اور زر کی طلب ہے اس سے جس طرح سطحیت پھیل رہی، تاریخ نویسی اور تذکرہ نگاری، ایک کھیل بن چکی ہے۔ حالات ایسے ہیں اخلاقی معیار کی پستی کے سبب ایک مجرم کو بھی لوگ معتبر مان بیٹھتے ہیں۔ اور مطلب براری کے لئے تو اخلاق و اعتبار اور ثقاہت کی دھجیاں روزاڑائی جاتی ہیں۔

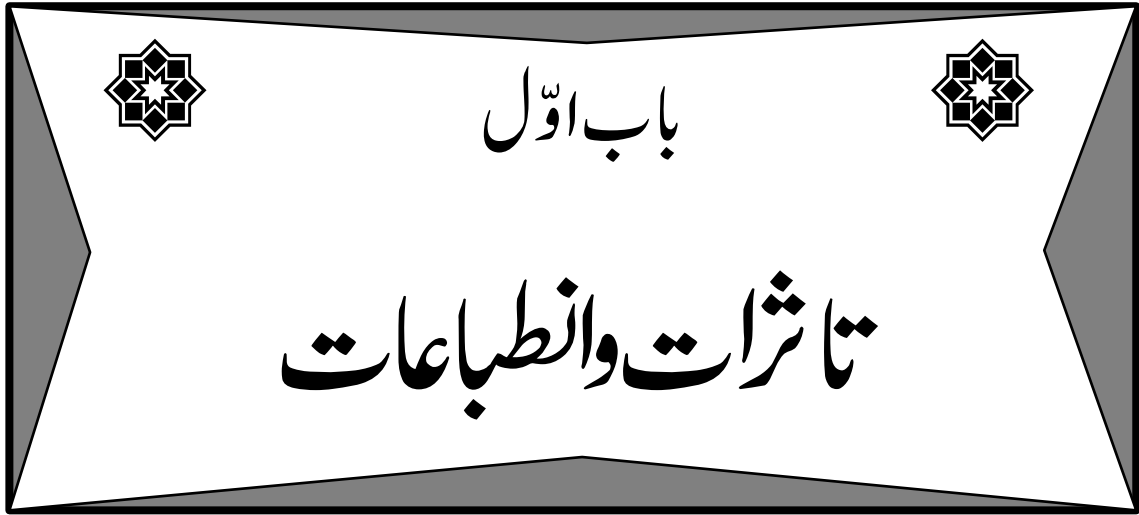
اباحیت پسندانہ اور منفعت پسندانہ ذہنیت تو اثر اور وقت کی دوستی کو پسند کرتی ہے کہ بے لگام، اصول و ضوابط سے عاری لوگ زیادہ مفید بن سکتے ہیں، انہیں کہیں بھی استعمال کیا جاسکتا ہے اور لوگ کہیں بھی استعمال ہو سکتے ہیں۔ بہر حال اب بچا ہی کیا ہے، جن کو تاریخ کی حقیقت نگاری سے دلچسپی ہو وہ تاریخ اہل حدیث کے موجود سارے مواد کو پڑھیں اور تاریخ کے منہج اہل حدیث کے مطابق حقائق کی روکشائی کریں۔ اور اگر ہر ایرے غیرے کے گپ اور افسانہ ہی کو پسند کرنا ہے تو راہ کھلی ہے، کوئی کسی پر حاکم نہیں اور ضمیر مردہ ہو جاتے ہیں تو انسان کی حکومت اپنے اوپر نہیں چلتی وہ صرف نفس کا شکار رہتا ہے۔

بہت سے لوگوں کو برا لگتا ہے کہ کیوں بار بار تاریخ کا رونا رویا جاتا ہے۔ ایسے فریب خوردہ لوگوں سے یہی کہا جاسکتا ہے کہ جب علمی دنیا میں پائریسی ہوگی اور اس کا ذکر آئے گا تو اپنی تاریخ کا رونا رویا ہی جائے گا، جن کو تاریخ اور اس کے اثرات کا شعور نہیں ہے ان کو گپ اور افسانے سے دلچسپی ہے وہ یہ دکھڑائیں کیوں۔ افسانہ پڑھیں، گپ لگائیں، خوش رہیں، تماشا شائی بن کر رونے دھونے کی بات فیشن کے طور پر نہ کریں۔ یہ سب سے بڑا جرم ہے کہ تاریخ چرائی جائے، اس میں گھپلا کیا جائے یا انکاری رویہ اپنایا جائے۔ علمی امور میں خیانت، مالی خیانت سے زیادہ ہولناک ہے۔ اور بلا جانے سمجھے انکاری منہج اختیار کرنا جہالت کو علم و دانش بنانے کی ناکام کوشش ہے۔ جن کو تاریخ کی خبر نہ ہو یا خبر ہو مگر اسے گپ بنانے کی خواہش ہو ان کے لئے اور کام ہیں ایسے لوگ تاریخ پر لب کشائی کرنے کے بجائے رافضیت کی خدمت کریں زیادہ آمدنی ہو جائے گی۔

عبدالمعید

۲۹-۱۱-۲۰۱۹ء





پیغام آفریں:

استاذ الاساتذہ

فضیلۃ الشیخ محفوظ الرحمن فیضی / حفظہ اللہ

سابق شیخ الجامعہ جامعہ فیض عام، منوناتھ بھنجن یوپی

گرامی قدر مولانا عبدالحکیم عبدالمعجود المدنی / حفظہ اللہ وتولاه

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ کرے مزاج گرامی بخیر ہو۔

یاد فرمائی کہ تل سے شکر یہ، آپ کا ارسال کردہ بیش بہا تحفہ مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئی کا شائع کردہ دو سالنامہ ”تاریخ اہل حدیث“ (۲۰۱۶ء-۲۰۱۷ء) موصول ہوا۔ میں نے پہلی فرصت میں اسے اول تا آخر پڑھا، آپ نے جماعت اہل حدیث کا تاریخی انسائیکلو پیڈیا مرتب کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اس عظیم مہم پر میں آپ کو دل کی گہرائیوں سے ہدیہ تحسین و تبریک پیش کرتا ہوں۔ اور اللہ رب العالمین سے دعا گو ہوں کہ اس مہتمم بالشان منصوبہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق ارزانی فرمائے اور آپ کے حوصلہ و ہمت میں مزید توانائی اور ترقی عطا فرمائے، ہمت مردان مدد خدا۔ آمین۔

آپ نے اس سالنامہ کو ایک متنوع گلدستہ کی شکل میں پیش کرنے کی کامیاب سعی فرمائی ہے۔ شخصیات کے ساتھ مقامات اور جماعتی اداروں کے تعارف پر مشتمل مضامین کو بھی شامل کیا ہے۔ اسی کو پڑھ کر ناچیز کے دل میں داعیہ پیدا ہو کہ منوناتھ بھنجن کی تاریخ اور جماعتی حیثیت سے متعلق چند صفحات لکھ کر آپ کی خدمت میں ارسال کر دوں، ہو سکتا ہے کہ آپ کے ساتھ تعاون کی یہ بھی کوئی مقبول صورت قرار پاسکے۔

آخر میں میں آپ کو یہ مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ شخصیات وغیرہ کے تعارف و تذکرے میں تکرار سے بچنے کی کوشش کریں تو یہ زیادہ مناسب ہوگا، بہر حال میں آپ کو اور مرکز کے جملہ رفقاء و معاونین اور ذمہ داروں کو یہ زریں سلسلہ شروع کرنے پر مکرر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ و شکر اللہ مساعیہم و جزاہم احسن الجزاء۔

ہمچہداں
محفوظ الرحمن فیضی۔ منو

□□□

پیام تہنیت:

محسن جماعت فضیلۃ الشیخ شیرخان جمیل احمد عمری / حفظہ اللہ رکن مجلس القضاء الاسلامی بریطانیہ

”سالنامہ تاریخ اہل حدیث“ برصغیر میں علمائے اہل حدیث کی خدمات پر مشتمل ایک انسائیکلو پیڈیا کی کام کے سلسلے کی ایک اچھی کاوش ہے، اس مجلہ کا تیسرا سالنامہ طبع ہو کر آپ کی روح و قلب کو معطر کرنے جا رہا ہے۔ میرے مخلص، جماعت کے ایک متحرک، محمس، فاضل عالم دین شیخ عبدالحکیم عبدالمجود سلفی مدنی حفظہ اللہ اس کے مرتب ہیں۔ درس و تدریس اور دعوت و تبلیغ کے ثقیل فریضہ کے ساتھ ساتھ اس کٹھن کام کو بھی انجام دینا اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے کرم ہی کا نتیجہ ہے۔ دنیا میں بہت سارے معززین ایسے عظیم کاموں کا منصوبہ بناتے ہیں لیکن وہ کر نہیں پاتے ہیں، دراصل یہ نصیب کی بات ہے۔ شیخ عبدالحکیم مدنی صاحب نہ صرف مبارکباد کے لائق ہیں بلکہ آپ ہم سب کی ڈھیر ساری دعاؤں کے بھی مستحق ہیں فجزاہ اللہ أحسن الجزاء فی الدارین۔ آمین۔

قارئین کرام! ایک سروے کے مطابق آج دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتابوں میں سرفہرست کتابیں ”سوانح“ پر مشتمل ہیں۔ انسان کبھی نہیں چاہتا کہ وہ ناکام ہو اس لئے وہ کامیاب لوگوں کی سوانح پڑھنے کا خوگر ہوتا ہے۔ وہ کامیابی کے ہنر سیکھنا چاہتا ہے۔ اپنے آپ کو کامیاب لوگوں میں شامل کرنا چاہتا ہے، آپ جانتے ہیں سوانح میں تین بنیادی چیزیں ہوتی ہیں، زمانہ، فرد اور واقعہ (کارنامہ)۔ جس سے واقف ہو کر ایک انسان اپنے کاموں کے لائحہ عمل کو ترتیب دیتا ہے۔

قرآن مجید کو اللہ عزوجل نے ”کتاب ہدایت“ قرار دیا اور اس کے اندر ایک بھرپور حصہ انبیائے کرام کی سوانح کو بھی رکھا پھر آخری نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے کارناموں کے تذکرہ کے بعد فرمایا: ”لقد کان لکم فی رسول اللہ أسوة حسنة (الاحزاب: ۲۱) رسول اکرم کی ذات (سوانح) تمہارے لئے بہترین اسوہ و نمونہ ہے۔“

تاریخ اہل حدیث دراصل تاریخ اسلام ہے۔ علمائے اہل حدیث کی خدمات اور ان کے کارناموں کے تذکرے کے بغیر اسلام کی تاریخ بیان نہیں کی جاسکتی ہے، یہ کوئی مبالغہ یا تعصب پر مبنی بات نہیں ہے بلکہ ایک کھلی حقیقت ہے جس کا انکار ناممکن ہے۔ علمائے اہل حدیث نے اسلام کی خالص تعلیمات کو اس کی اصلی شکل میں باقی رکھنے اور اس کو دوسروں تک پہنچانے میں جو محنتیں، مشقتیں اور قربانیاں پیش کی ہیں اور یہ سلسلہ تاہنوز جاری ہے اس کی مثال کوئی اور پیش نہیں کر سکتا۔ جماعت اہل حدیث کے علماء فرمان

رسول: ”لا تزال طائفة من امتي ظاهرين علي الحق“ کی عملی تفسیر ہیں۔

لہذا ان نفوس قدسیہ کی سیرت اور کارناموں کا مطالعہ تاریک راہوں میں قندیل کا کام کرتا ہے۔ مستقبل کے دعاۃ کو تیار کرنے میں بہت اہم رول ادا کرتا ہے۔ ان علماء کی سیرت کے مختلف گوشوں سے عبرتیں، نصیحتیں اور بہت سارے سبق حاصل ہوتے ہیں۔ جن کو مد نظر رکھ کر آنے والے اپنے کام کا لائحہ عمل ترتیب دینے میں غلطیوں سے بچ سکتے ہیں۔ چنانچہ ان علماء کی سوانح کی حفاظت کا کام بلاشبہ ایک عظیم خدمت ہے۔

میں شیخ عبدالکاکیم عبدالمعجود مدنی صاحب حفظہ اللہ اور ان کے جملہ معاونین کرام کو تہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ ذہبیہ کو دراز سے دراز فرمائے اور آپ سب کو دنیا و آخرت میں بہترین بدلہ کا مستحق ٹھہرائے۔ آمین۔

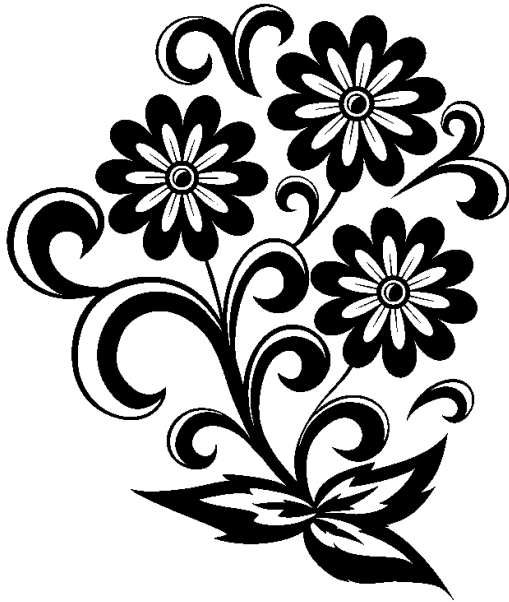
شیرخان جمیل احمد عمری

رکن مجلس القضاء الاسلامی بریطانیہ

صدر صلیب کمیٹی

مرکزی جمعیت اہل حدیث بریطانیہ

وسابق شیخ الجامعۃ الحمدیۃ منصورہ، مالنگاؤں انڈیا



کلمات تبریک:

صاحبِ درس و افتاء فضیلۃ الشیخ عبدالستار السراجی حفظہ اللہ وکیل جامعہ سراج العلوم، بونڈ بیہار

مکرمی و محترمی جناب مولانا عبدالکحیم عبدالمعبود المدنی حفظہ اللہ وتولاه
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا!

عرض یہ ہے کہ مرکز تاریخ اہل حدیث الہند کے زیر اہتمام شائع ہونے والا ”سالنامہ تاریخ اہل حدیث“ کی اشاعت پر آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور امت کی رہبری و رہنمائی میں یہ سالنامہ سنگ میل ثابت ہو آمین۔

درحقیقت یہ سالنامہ نہیں بلکہ تحریک اہل حدیث کا ایک روشن باب ہے جس سے کامیابی کی بہت سی راہیں واہونگی، اور تاریخ اہل حدیث کا ایک روشن مینارہ ہے جہاں سے افراد جماعت کی تابناک زندگیوں میں جھانک کر درس عبرت لی جائے گی، افراد امت کے لئے ایک مضبوط قلعہ ہے جس کے ذریعے بے راہ روی اور انارکی سے تحفظ ملے گا، زمانے کے سرد و گرم میں زندگی گزارنے کی ترکیب ملے گی، کس ڈگر پر خود کو چلا کر کامیابی سے ہمکنار کیا جاسکتا ہے اس سالنامہ کے ذریعے مکمل رہنمائی ملے گی، اسلاف کرام کی زندگیوں کے نشیب و فراز سے اصلاح کے طریقے اور بندشوں سے نکلنے کی تدبیریں معلوم ہوں گی، اسلاف نے کیا پایا، کیوں پایا؟ اور کیا کھویا کیوں کھویا؟ اس کیا اور کیوں کے مطالعہ سے کھونے کی راہیں مسدود ہوں گی اور پانے کی راہیں کھلیں گی ان شاء اللہ۔

اس لئے میں دوبارہ آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اتنی بڑی ذمہ داری اپنے کاندھے پر رکھ کر جماعت اہل حدیث کی تاریخ مرتب کرنے کا قرض گویا جماعت کی طرف سے ادا کر رہے ہیں اور تاریخ اہل حدیث مرتب کرنے کی راہیں ہموار کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ تاحیات آپ سے یہ کام لیتا رہے اور اسے آخرت میں آپ کی کامیابی کا ذریعہ بنائے آمین۔

خادم جماعت

عبدالستار راغب اللہ السراجی

وکیل جامعہ سراج العلوم کنڈ و بونڈ بیہار، بلرام پور۔ یوپی



تبصرہ و تجزیہ:

فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محمد اسلم مبارکپوری / حفظہ اللہ

استاذ جامعہ سلفیہ و ایڈیٹر ماہنامہ 'محدث' بنارس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمین، والصلاة والسلام على رسوله الأمين، وعلى آله وأصحابه أجمعين، وعلى من تبعهم بإحسان

إلى يوم الدين، أما بعد:

مذہب اسلام ایک ہمہ گیر اور آفاقی دین ہے جس کی اساس کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر مبنی ہے۔ ان ہی دونوں چشموں پر اسلام کی پوری عمارت قائم ہے اور یہ دونوں چشمے باہم اس قدر مربوط ہیں کہ ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا، ان کا ربط و تلازم اس بات کا داعی ہے کہ ایک کے انکار سے دوسرے کا انکار لازم آئے۔ دین اسلام کی سچی تعبیر کے لئے یہی دونوں چشمے ہیں، اور علمائے اہل حدیث اپنے اعتقادی، فقہی، منہجی، علمی اور عملی امور کو انہیں دونوں مصدر یعنی کتاب و سنت سے استدلال اور اخذ و استنباط کرتے ہیں۔ مسلک اہل حدیث وہ مسلک ہے جو ہمیشہ آب و تاب کے ساتھ کرہ ارضی پر جلوہ گر رہا ہے۔ باطل کی زور آزمائی اور کشمکش نے حق کی شعاعوں کو روکنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اس کی رفتار کو کم کر دی مگر قیوم السماوات والارض نے ہر زمانے میں ایسے افراد کو پیدا کیا جن کی وجہ سے یہ طائفہ منصورہ ہر دور میں کم و بیش موجود رہی ہے اور ان تبلیسیات و تشکیکات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے جو باطل نظریات و افکار کے حاملین کی طرف سے معرض وجود میں آئے۔ کوئی بھی مذہب و مسلک اپنے افراد ہی کی وجہ سے زندہ رہتا ہے۔ زندہ قومیں اپنے اسلاف کی قربانیوں کو اپنے ذہن و فکر میں اتار کر ان سے راہنمائی حاصل کرتی ہیں اور ان کی روشنی میں اپنے عروج و ارتقاء کے مدارج طے کرتی ہیں۔ ان کی مساعی جلیلہ، تگ و تاز اور محنت و کوشش دین و ملت کے حوالے سے ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔

جب خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا اور فتنے آندھیوں کی طرح رونما ہونے لگے تو محدثین علماء ہر روایات کو اخذ کرنے میں احتیاط سے کام لینے لگے اور عرض کرتے کہ ”سَمُّوا النَّارَ جَالِكُمْ“ اپنے لوگوں کا تذکرہ کرو، صحیح اور ضعیف احادیث کی تمیز انہیں رجال پر مبنی ہے، اسی لئے محدثین نے فن علم الرجال کی تاسیس کی اور زبردست طریقے سے حدیث کے راویان و رجال کی سوانح عمریاں اور ان کے تراجم زیب قرطاس کیا اور اس کو ایسا منظم، مہمد، مستحکم اور مشید کر دیا کہ کوئی پہلو تشنہ نہیں رہا۔ اگر یہ تراجم آج ہمارے پاس نہ ہوتے تو حدیث پر صحت و ضعف اور قوی و سقیم کا حکم لگانا جوئے شیر لانے کے مترادف نہیں، بلکہ محال اور ناممکن امر تھا۔ اللہ تعالیٰ محدثین کرام کی مساعی کو قبول فرمائے اور ان کے بدلے میں انہیں باغ فردوس کی کیاریوں میں غوطہ زن کرے۔

مذکورہ قول میں جہاں رجال کے تذکرے کی بابت ترغیب دی گئی ہے وہیں یہ اشارہ بھی ہے کہ رجال کے تذکرے کی ابتدائی کوشش اور جہد تدوین و ترتیب ہے۔ علمائے متقدمین کے ذہن و دماغ میں حدت، سیلانیت اور ذہانت کی جو صلاحیت تھی وہ قرون متاخرہ کے لوگوں میں کہاں پائی جاتی ہے۔ اب زمانہ علم الصدور کا نہیں بلکہ علم السطور کا ہے۔

سوانح نویسی اور ترجمہ نگاری کے لئے علمائے اہل حدیث سے بہتر کون لوگ ہو سکتے ہیں۔ یہ وہ مقدس گروہ ہے جس نے درس و تدریس اور تسمیع کے ذریعہ احادیث رسول ﷺ کی ترویج و اشاعت کی۔ اجازہ، اور مناوہ کے ذریعہ اسے فروغ بخشا۔ تصنیف و تالیف اور تحقیق و تدقیق کے اصولوں کو بروئے کار لاتے ہوئے حدیث رسول ﷺ کو وضاعین کی وضع و اختلاف سے پاک کیا۔ تاویلات رکیکہ اور تحریفات سنیہ کا ٹھوس علمی انداز میں اور ان کے اندرون میں مخفی باطل افکار و خیالات کا قلع قمع کیا۔ یہ وہ نابغہ روزگار ہستیاں ہیں جو اپنی اصلاحی کوششوں، تقویٰ و اخلاص، خیر خواہی اور حسن کردار کی بنا پر معاشرہ میں ایک نمایاں اور منفرد مقام رکھتی ہیں اور جماعتی حمیت اور مسلکی غیرت کے اعتبار سے ہمارے لئے قدوہ ہیں۔ ہماری تاریخ کا سب سے بڑا المیہ ہے کہ ہماری حصہ داری اس میدان میں آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ ہمارے اجلہ علمائے کرام جن کی سمعت و شہرت اور ناموری اندرون ملک ہی نہیں، بلکہ بیرون ملک میں انہیں درجہ سند حاصل ہے، ان کی کوئی تفصیلی سوانح نہیں ہے۔ غیروں نے اس میدان کو اتنا سر کر لیا کہ رائی کو پہاڑ بنا کر پیش کر رہے ہیں، مگر ہم پہاڑ کو پہاڑ بنا کر پیش کرنے سے عاجز رہ گئے۔ حالانکہ سب لوگ اس بات سے اتفاق رکھتے ہیں کہ ربانی علماء کے تذکرے اور ان کی فقہی تدبیر، علمی تبحر، تصنیفی ذوق اور تحقیقی شوق کے زمزمے لوگوں کے کانوں میں رس گھولتے ہیں اور ان کی یادداشتوں اور سرگزشتوں کے حسین تذکرے قلب و جگر میں جوش کوراواں کرتے ہیں۔

صاحب سیرۃ البخاری حضرت مولانا عبدالسلام مبارک پوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”ہم اپنی قومی و مذہبی روایات سے بالکل ناواقف ہیں۔ ہم ایسی تفسیر سے جو مادی، سوشل اور سیاسی امور کی تعلیم کو واضح طریق پر ایک ساتھ بتاتی ہو، نہ انبیاء، صالحین، محدثین، علماء، فضلاء کی صحیح سوانح عمریاں موجود ہیں جو عمدہ نمونہ ہر وقت پیش کرے، بخلاف اس کے یورپ میں ادنیٰ سے ادنیٰ شخص کی اس تفصیل سے حالات لکھے گئے ہیں جن سے وہ ہر طرح کے سبق پاتے رہتے ہیں۔ قومیت زندہ رہتی ہے اور ان کی ہمت بڑھتی رہتی ہے۔ ہمارے تنزل کا ایک سبب یہ ہے کہ ہمارے قومی کارناموں کا کوئی عمدہ انتظام اور سلسلہ نہیں رہا،“ (فتاویٰ شیخ الحدیث مبارک پوری، ۲/۲۶۱)

مذہب اہل حدیث اور اس کے نابغہ روزگار، یکتائے زمانہ، بیہقی زماں، فقیہ دوراں، راہنیں فی العلم اور متقین علماء پر مشتمل کتاب (سالنامہ تاریخ اہل حدیث) بیش بہا علمی ذخائر اور تاریخی دستاویز ہیں جن میں ہمارے اسلاف کرام کی جہود و مساعی کو نئے قالب اور احسن طریقے سے ترتیب دیا گیا ہے اور ان کے متنوع کارناموں اور خدمات کو دنیا کے سامنے عمدہ اسالیب اور جدید زاویے میں پیش کیا گیا ہے تاکہ بعد میں آنے والی نسلیں ان کی علمی میراث، اصلاحی، تحریکی، تعمیراتی اور فنی کمالات، درخشاں پیغامات اور حیات بخش نظریات سے مستفید ہوں۔

اس وقت میرے سامنے سالنامہ تاریخ اہل حدیث کی دونوں جلدیں ہیں جن کا ٹائٹیل رنگین، دیدہ زیب اور عمدہ طباعت سے مزین ہے۔ پہلی جلد ۶۷۳ صفحات میں سات ابواب پر محیط ہے تو دوسری جلد ۵۷۴ صفحات میں آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ دونوں جلدوں کا مقارنہ کیا جائے تو جلد اول کے مقابلہ میں دوسری جلد میں (باب چہارم: عالم اسلام کے سلفی اساطین علم و فن) کا اضافہ ہے اور یہ بہت عمدہ اضافہ ہے کہ ملک عزیز کے سلفی علماء کے ساتھ بیرون ملک کے سلفی علماء سے بھی متعارف ہو سکیں۔

بروقت دوسری جلد کا تعارف نامہ پیش خدمت ہے۔

□ باب اول: میں تاثرات و انطباعات ہیں جو پانچ گرامی قدر علماء کے تاثرات، تبریکات، رشحات اور پیغامات پر مشتمل ہیں جو صفحہ ۱۷

سے ۲۳ تک پھیلے ہوئے ہیں۔

□ باب دوم: میں تاریخ اہل حدیث کے متعلق، بحث و مقالات ہیں جو بارہ عناوین پر مشتمل ہیں۔ صفحہ ۲۵ سے ۱۱۳ تک محیط ہیں۔

□ باب سوم: میں یاد رفتگاں کا ذکر خیر ہے جو محدث کبیر علامہ محمد عبدالرحمن مبارک پوری رحمہ اللہ، صاحب تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی

سے شروع ہو کر پروفیسر عبدالودود اظہرؒ پر ختم ہوتا ہے۔ اس باب میں کل ۲۳ علمائے اہل حدیث اور اعظم رجال کے تراجم ہیں جو صفحہ ۱۱۵ سے ۳۳۸ تک پھیلے ہوئے ہیں۔

□ باب چہارم: عالم اسلام کے سلفی اساطین علم و فن کے لئے مخصوص کیا گیا ہے۔ تین جلیل القدر علماء کی سوانح اور ان کی مساعی جلیلہ کا تعارف پیش کرنے کے لئے ۳۴۰ سے ۳۵۹ تک بیس صفحات کو استعمال کیا گیا ہے۔

□ باب پنجم: ۲۰۱۷ء میں وفات پانے والے علمائے اہل حدیث کا تذکرہ ہے، جس میں ۳۶۱ سے ۴۵۲ صفحات میں ۱۳ علمائے کرام کے تراجم کو جگہ دی گئی ہے۔

□ باب ششم: ۲۰۱۷ء میں وفات پانے والے اعیان جماعت و ہمدردان جمعیت کے تذکروں کے لئے مختص ہے، جس میں بشمول مولانا خلیل الرحمن صاحب عمری اور مولانا ظہیر الدین صاحب رحمانی، ۱۹ افراد کے تراجم کو صفحہ ۴۵۴ سے ۴۷۵ تک اختصار سے پیش کیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ باب پنجم میں ان دونوں مذکورہ شخصیات کا تفصیلی ترجمہ بھی ہے۔

□ باب ہفتم: موجودین علمائے کرام اور اعیان جماعت کے لئے خاص ہے، جس میں ۴۷۷ سے ۵۶۹ تک ۱۷ علمائے کرام کے تراجم کو احاطہ تحریر کیا گیا ہے۔

□ باب ہشتم: مناظرات اور متفرقات پر مشتمل ہے جس میں ۵۷۴ صفحہ پر ضروری وضاحت اور گزارشات کو قلم بند کیا گیا ہے، جس میں تاریخ اہل حدیث کی اشاعت کے مقصد کو بیان کیا گیا ہے اور گزارش کی گئی ہے کہ تذکرہ نگاری میں جماعت اہل حدیث بہت پیچھے ہے، اس لئے علمائے کرام اور اعیان جماعت اپنی سوانح اور خدمات کا خاکہ جلد از جلد ارسال کرنے کی زحمت کریں تاکہ اچھے اور منظم طریقے پر اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جاسکے۔

علماء حضرات سے باادب التماس ہے کہ اس گزارش پر دھیان دیں۔ اپنے اور اپنے قرب وجوار کے علماء اور اعیان جماعت کی جو بھی خدمات ہوں انہیں منظر عام پر لانے میں تعاون کریں۔ ورنہ:

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

کتاب میں خال خال ہی پروف ریڈنگ کی غلطیاں ہیں۔ ایک ہی عالم کے ترجمہ کے لئے تین تین اہل قلم کی تحریروں سے کچھ چیزوں میں تکرار پیدا ہوگئی ہے جو بعض اہل علم کے یہاں باعث نقد ہے۔ اگر ان تحریروں کو جامعیت کے ساتھ ایک ہی تحریر میں سمو دیا جاتا تو تکرار بھی ختم ہو جاتی اور بار خاطر بھی نہ ہوتا۔ ویسے یہ منہج بھی بعض اہل علم کی تحریروں میں پایا جاتا ہے۔

اس عظیم خدمت پر میں اپنے رفیق محترم شیخ عبدالحکیم بن عبدالمعجود مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کو بہت بہت مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے بڑی مستعدی اور جانفشانی سے اس ذمہ داری کو بحسن و خوبی ادا کیا۔ میں رب جلیل کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ انہیں مزید علمی، تدریسی، دعوتی، تصنیفی، تحقیقی، صحافتی اور جماعتی خدمات کی توفیق بخشے اور تاریخ اہل حدیث کی ترتیب و تدوین کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے صحت و تندرستی اور حسن عمل کے ساتھ وقت اور عمر میں برکت عطا فرمائے، آمین۔

۳۰ جولائی ۲۰۱۹ء

□□□

تبصرہ و تجزیہ:

معروف قلم کار

مولانا ہلال ہدایت السلفی / حفظہ اللہ

ایڈیٹر ماہنامہ الاتحاد ممبئی

ہندوستان میں اہل حدیث کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی مسلمانوں کی تاریخ۔ دونوں لازم و ملزوم ہیں جس کے امتیاز سے ہمارا مضبوط تاریخی قلعہ منہدم ہو جائے گا۔ بلا حرمین میں اسلام کی کرن پھوٹنے کے بعد جب چہار دانگ عالم میں اس کی روشنی پھیلنی شروع ہوئی تو ارض ہند میں بھی قرآن و سنت کی شعاعیں جگمگائیں، یہاں بھی قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں بلند ہونی شروع ہوئیں اور شرک و بدعت کے اس مندر سے اللہ اکبر کی دل نواز آواز سے کالی بدلی چھٹی۔ ابتداء میں صرف کتاب و سنت ہی رواج پذیر رہا لیکن طور و زمانہ کے ساتھ جب عربوں کا عجمیوں سے اختلاط ہوا تو کچھ ناکچھ چیزیں علاقائی لوگوں سے در آئیں جس میں تصوف، شیعیت، حزبیت اور اعتراف کا اثر کافی تھا۔ علماء و محدثین اور فقہائے کرام نے خالص اسلام کو بعد والوں تک پہنچانے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو جمع کرنا شروع کیا، رجال و تراجم کو اکٹھا کیا، اس طرح احادیث کے ساتھ جستہ جستہ اسلام کی تاریخ منضبط شکل میں آتی گئی اور بعد میں یہی تاریخ کہلائی۔ تاریخ ایک ایسا مضبوط قلعہ ہے جس میں داخلہ کے بعد کسی بھی زمانہ میں موجود شخصیات و واقعات چلتی پھرتی تصویر بن کر محفوظ ہو جاتی ہیں، دشمن کی نظر عنایت اور دوست کی کرم فرمائی کی وجہ سے آئندہ نسلوں کے لئے ذخیرہ تقدس ہو جاتی ہیں۔

اہل حدیث کا مرجع کتاب و سنت، صحابہ کرام، تابعین، تابع تابعین اور سلف صالحین کا عمل ہوتا ہے اس لئے ان کی نسبت سلف کی جانب کرتے ہوئے انہیں سلفی بھی کہا جاتا ہے۔ ہندوستان میں یہ گروہ ہمیشہ سے رہا ہے اور اس کی مقدس تاریخ رہی ہے، اٹھارہویں اور انیسویں صدی تو پورے عالم کے لئے مرجع خلاق تھی، دبستان علم و فن یہیں تھے۔ دہلی، پٹنہ، بھوپال گنجینہ علم و فن سمجھے جاتے تھے، یہاں موتیاں رولی جاتی تھی۔ دہلی میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کا خانوادہ اور بیسویں صدی کے اوائل میں شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے تلامذہ اور پوری دنیا میں ان کے مثبت اثرات نے بقعہ ارضی کو جنت نما بنا دیا تھا۔ یہ ساری چیزیں ہمارا تاریخی ورثہ ہیں اور جس کی چلتی پھرتی تصویر ہمارے آباء و اجداد تھے جن کے اثر سے اہل حدیث برقرار ہے۔ تاریخ کا تحفظ کسی بھی قوم کے لئے مالی خزانوں سے زیادہ قیمتی ورثہ ہوتا ہے، اس کی ذمہ داری متعلقین کی ہوتی ہے کہ وہ کس حد تک اس میں تعاون کرتے ہیں۔ ہر زمانہ میں لوگوں نے اپنی تاریخ اور سوانحی خاکوں کو ڈائری اور کتابوں میں محفوظ کیا ہے اور یہ سلسلہ قائم رہے گا کیونکہ ان سے حوصلہ اور لگن ملتا ہے ساتھ ہی مستقبل کی راہیں ہموار ہوئی ہیں۔

بزرگوں سے عقیدت و احترام، ان کی افکار و نظریات، ان کی دعوت و فکر کو محفوظ کرنا اور نسل نو کو اس سے روشناس کرانا ایک اہم ذمہ

داری ہے۔ یہ ذمہ داری اسی وقت ہو سکتی ہے جب ان کو کتابوں میں محفوظ کیا جائے۔ اسی تاریخی سلسلے کی غیر معمولی کڑی ہمارے ہاتھوں میں سالنامہ تاریخ اہل حدیث شماره نمبر ۱ کے نام سے ہے، جس کو ترتیب دیا ہے جماعت کے غیور عالم دین فضیلۃ الشیخ عبدالحکیم عبدالمجود مدنی حفظہ اللہ نے اور شائع ہوا ہے محسن جماعت جناب عبدالشکور چودھری حفظہ اللہ کے تعاون سے۔ درس و تدریس اور دعوت و تبلیغ سے وابستہ ولی اللہی شخصیات کو خواندگان کے لئے پیش کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ قابل مبارکباد ہیں شیخ عبدالحکیم مدنی حفظہ اللہ کہ انہوں نے یہ بیڑا اٹھایا اور الحمد للہ بہت حد تک کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ جس کی واضح مثال ہمارے سامنے موجود سالنامے کی دو جلدیں ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب 376 صفحات پر مشتمل ہے جس میں عمدہ و نفیس کاغذ کے ساتھ دیدہ زیب اور جاذب نظر ڈیزائن میں ٹائٹل پیج تیار کیا گیا ہے۔ ٹائٹل صفحہ کے اوپری حصہ میں ”تاریخ اہل حدیث کی حقانیت اور علمائے اہل حدیث کی گرانقدر خدمات پر مشتمل ایک اہم علمی و تاریخی دستاویز“ مرقوم ہے۔ جس سے مشمولات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

اس مناسبت سے کتاب سے پہلے اس کے مرتب کا مختصر تعارف پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

نام و نسب: ابوالمظفر عبدالحکیم مدنی بن عبدالمجود بن محمد بشیر بن محمد گلاب (بابا) خان
تاریخ پیدائش اور وطن: 26/ دسمبر 1973ء - موضع ملگھیا، بڑھنی بازار، ضلع سدھارتھ نگر یوپی (انڈیا)
حالیہ عمل: استاذ حدیث جامعہ رحمانیہ کاندی یوپی ممبئی۔

ابتدائی و اعلیٰ تعلیم: (۱) 1977ء سے 1981ء تک آپ کی ابتدائی تعلیم آبائی گاؤں کے مکتب مدرسہ بحر العلوم میں ہوئی، (۲) 1982ء میں ایک سال عربی کی تعلیم ننیہال اونر ہوا، مدرسہ نور الہدیٰ میں پائی۔ (۳) 1983ء سے 1987ء تک چار سال متوسطہ کی تعلیم معہدہ التعلیم الاسلامی (حال جامعہ اسلامیہ سنابل) دہلی میں ہوئی۔ (۴) 1987ء سے 1990ء تک تین سال (رابعہ، خامسہ، سادسہ چند ماہ) کی تعلیم مرکزی دارالعلوم جامعہ سلفیہ بنارس میں حاصل کی، اور ثانویہ کی سند سے مدینہ یونیورسٹی میں قبل از وقت داخلے کی وجہ سے عالمیت کی تکمیل نہ ہو سکی اور مدینہ روانہ ہو گئے۔ (۵) 1990ء سے 1993ء ثانویہ اور 1993ء سے 1998ء تک کلیۃ الحدیث میں کل سات سال مدینہ یونیورسٹی میں کسب فیض کا حسین موقع ملا اور تلافی مافات کی تکمیل ہوئی۔ اور ہمیشہ امتیازی پوزیشن حاصل رہی۔ (۶) 2000ء سے 2001ء تک پوسٹ گریجویٹ ڈپلوما (دبلوم عالی) جامعہ الملک سعود ریاض سے مکمل کیا۔ (۷) دوران طالب علی مولوی، عالم الہ آباد بورڈ اور ادیب کابل، و ماہر جامعہ اردو علی گڑھ سے فرسٹ ڈویژن پاس کیا۔ (۸) 2005ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے ایم اے اسلامیات کی ڈگری فرسٹ ڈویژن کے ساتھ حاصل کی۔

سالنامہ تاریخ اہل حدیث سات ابواب پر مشتمل ہے۔ ابواب کی تقسیم سے قبل شیخ محترم نے ادارہ بنام ”شجرہ طیبه“ زیب قرطاس فرمایا ہے اور افتتاحیہ محسن ملت جرنیل تحریک ختم نبوت ڈاکٹر بہاء الدین حفظہ اللہ اور مولانا عبدالجبار انعام اللہ سلفی حفظہ اللہ کے قلم سے بنام ”تاریخ اہل حدیث کی تدوین: وقت کی اہم ضرورت“ لکھا گیا ہے۔

باب اول: تاثراتی و تہنیتی کلمات بعنوان ”تاثرات و انطباعات“ پر مشتمل ہے۔ جس میں جماعت کے نامور علماء کرام اور اعیان جماعت کے قیمتی تاثرات ہیں۔ مولانا عبد المنان سلفی (ایڈیٹر ماہنامہ السراج، نیپال) اپنے تاثراتی کلمات میں رقمطراز ہیں: ”اس طرح مرکز تاریخ اہل حدیث کا یہ پہلا سالنامہ اپنے موضوع کے مختلف گوشوں کو سمیٹے ہوئے ایک علمی مرقع اور حسین گلدستہ کی شکل میں منظر عام پر آ رہا ہے۔“

باب دوم: مختلف مقالات اور جماعت کے جواہر پاروں کے رشحات کا مجموعہ ہے جس میں ”حدیث اور اہل حدیث“ مولانا عبدالخالق محمد صادق (کویت)؛ ”اہل حدیث اور ان کا شرف و امتیاز“ حافظ صلاح الدین یوسف، ”اہل حدیث کا اعتقادی و فقہی منہج“ مولانا ابوالعاص و حیدری (ڈومریا گنج)، آبروئے اہل حدیث مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ کے قلم سے قیمتی مضمون ”سنت صحیحہ کے خلاف عالمی سازش“؛ ”اہل حدیث اور ان کا عقیدہ“ مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ؛ ”ائمہ اربعہ کے سلسلے میں علمائے اہل حدیث کا موقف“ از طارق اسعد بن اسعد اعظمی کے واقع مقالات ہیں۔ اس کے علاوہ متعدد مضامین شامل ہیں جو کہ قاری کے پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں، جس میں کچھ علاقائی جماعت و جمعیت، اس کی خوبیوں اور اس کی تاریخ سے متعلق ہے اسی طرح جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) کی تاریخ پر مشتمل مضامین شامل ہیں۔

باب سوم: ”یاد رفتگان“ کے عنوان سے ہے جو صفحہ نمبر 135 سے شروع ہو کر 253 پر ختم ہوتا ہے۔ جس میں جماعت اہل حدیث کے اساطین علماء و دعاۃ کی سیرت و سوانح کو قلم بند کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے جس شخصیت کو جگہ ملی ہے وہ ہیں گجرات کے بھوج کے مرد مجاہد ”مولانا عبدالرحیم پچھی“، جس میں ان کی حالات زندگی سمیت ان کے مناظروں کی روداد اور حصول تعلیم میں پیش آمدہ مصائب و مشکلات، ان کے رفقاء و تلامذہ کا تذکرہ جمیلہ موجود ہے۔ اس کے بعد ”شیر گجرات محدث ہند علامہ عبدالجلیل سامرو دھی علیہ الرحمہ مختصر داستان علم و عمل“ کے عنوان کے تحت شیخ عبدالکحیم مدنی صاحب کے قلم سے مختصر سوانحی خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں جامعہ سلفیہ بنارس کے سابق شیخ الجامعہ ڈاکٹر رضاء اللہ سلفی مدنی رحمہ اللہ، شیخ ابوالمکرم عبدالجلیل سلفی کی حیات و خدمات، مفسر قرآن مولانا عبدالقیوم رحمانی، رئیس الاحرار مولانا محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ، استاذ الاساتذہ مولانا عابد حسن رحمانی رحمہ اللہ، ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری سمیت کل 18 شخصیات کے تراجم شامل ہیں۔

باب چہارم: ”مرحومین علمائے کرام اہل حدیث 2016“ کے تحت مذکورہ سن میں وفات پانے والے علمائے کرام کے سوانحی خاکے شامل ہیں جن میں عالم عرب و عجم کی عظیم المرتبت شخصیت ڈاکٹر عبدالعلیم بن عبدالعظیم کی حیات و خدمات کا کافی اہم اور قابل مطالعہ ہے۔ ان کی شخصیت جہاں پورے عالم اسلام میں معروف و مشہور ہے وہیں اہل حدیث طلباء اور اساتذہ کے لئے مشعل راہ بھی ہے۔ انہوں نے قلیل مدت میں جو تاریخی کارنامہ انجام دیا ان شاء اللہ رہتی دنیا تک یاد کیا جائے گا۔ انہوں نے نظیر قائم کی اور بحث و تحقیق میں ممتاز مقام حاصل کر کے وقت کے موقرین میں نئی پہچان بنائی، اللہ ان کے اس دینی خدمات کو ان کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے (آمین) اس باب میں کل 17 علمائے کرام جو حال فی الحال جماعت و جمعیت کی خدمت کرتے ہوئے جان جاں آفریں کے سپرد کی ہے، ان کے تراجم شامل ہیں۔

باب پنجم کے تحت مرحومین اعیان جمعیت و جماعت کے گراں قدر خدمات کو سراہا اور بیان کیا گیا ہے۔ اور باب ششم میں علمائے موجودین 2016ء کا تذکرہ بڑے خوش اسلوبی کے ساتھ قلمبند کیا گیا ہے اور بعض حضرات کی خودنوشت بھی شامل ہے۔

ہمارے قلم ادھر ادھر کی بحثوں اور غیر مفید تبصروں میں خوب جولانیاں کھاتے ہیں اگر کچھ نظر التفات اور توجہ اس جانب کی جاتی تو شاید ہمارے تاریخی ورثے محفوظ ہو سکتے ہیں۔ برصغیر ہندوپاک میں ہمارے اسلاف کے کارناموں کی فہرست طویل ہے جس سے پورا عالم مستفید ہو رہا ہے، تاہم بہت سوں کے بارے میں ہم واقف نہیں ہو سکے یا جن کا تذکرہ قلم و قراطس کے سپرد نہ ہو کر پیوند خاک ہو گیا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ خصوصاً ہندوستان میں جماعت و جمعیت کے افراد اس جانب توجہ مبذول کریں تاکہ ہمارا قیمتی ورثہ ضائع ہونے سے بچ سکے۔ مرثیہ خوانی اور ماتم کنائی سے بہتر ہے کہ موقر شخصیات کی زندگی ہی میں انہیں جاوید کرتے ہوئے وہ مقام و مرتبہ دیا جائے جس کے وہ حقدار ہیں ہمیں اپنے قیمتی لعل و گہر اور گننام زندگی بسر کر رہے سپیوں میں بند موتیوں کو منظر عام پر لانا چاہیے۔

میں دل کی عمیق گہرائیوں سے اس مستحسن اور قابل صد تعریف قدم پر شیخ عبدالحکیم مدنی حفظہ اللہ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ ان کے ذریعہ جماعت کو ایک پلیٹ فارم مل گیا ہے جہاں سے اہل قلم اپنے علاقوں میں موجود علماء کرام کے سوانحی خاکے اور ان کی حیات و خدمات پر مشتمل و قیع مقالے جمع کر کے سالنامے کی شکل میں محفوظ کر سکتے ہیں۔

باب ہفتم مناظرات و متفرقات کے تحت ہے جس میں اس اہل حدیث انسائیکلو پیڈیا کے غرض و غایت اور مقاصد کو بیان کیا گیا ہے ساتھ ہی دو مختلف فارم دیا گیا ہے، جس میں موجودہ علمی، دعوتی اور جماعتی شخصیات اپنا شخصی تعارف نامہ ادارہ کو بھیج سکتے ہیں تاکہ آئندہ شماروں میں جگہ مل سکے۔

تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے اردو داں حضرات کے علاوہ یہ کتاب طلباء اور اساتذہ کے لئے بھی کارآمد ہے۔ اس سے جامعات و مدارس اور لائبریریوں کی زینت میں اضافہ ہوگا اور حسب موقع استفادہ میں مدد و معاون ہوگی۔ کتاب آسان اور عام فہم زبان میں ہے۔ یہ سالنامہ تاریخ اہل حدیث شیخ عبدالحکیم مدنی حفظہ اللہ اور ان کے معاونین کی جماعت و جمعیت کے والہانہ محبت اور لگاؤ کا بین ثبوت ہے۔ زیر تبصرہ سالنامہ کو میں نے حرف بہ حرف شروع سے آخر تک پڑھا ہے۔ جہاں یہ سینکڑوں خوبیوں کا مرقع ہے وہیں چند ایک جگہ سن ولادت اور وفات کے ساتھ کچھ مقامات پر پروف ریڈنگ کی غلطیاں ہیں، حالانکہ معمولی غلطی کا امکان بہر حال ہے اور جس کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے تاہم امید ہے کہ ان شاء اللہ آئندہ اشاعت میں تصحیح کا خیال رکھا جائے گا۔ سب سے بڑی خوبی اس سالنامے کی یہ نظر آئی جیسا کہ کہا گیا ہے کہ اس کو انٹرنیٹ پر گوگل وکی کے حوالے کیا جائے گا۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ہماری تاریخ آن لائن ایک کلک پر مل سکتی ہے اور کبھی بھی، کہیں بھی، کوئی سینکڑوں میں اس جانب رجوع کر سکتا ہے۔ اگر یہ کام ہو گیا تو یہ بھی تاریخ کا ایک باب ہی ہوگا کیونکہ شاید ہی ہماری جماعت کی توجہ اس جانب گئی ہو۔ شیخ عبدالحکیم مدنی حفظہ اللہ کی یہ پہل میرے اپنے علم کے مطابق غیر مسبوق علمی شاہکار ہوگا۔ اللہ رب العالمین اس میں کامیابی عطا فرمائے۔

اخبارات و جرائد اور گوگل وکی پیڈیا پر سوانح اور تاریخی چیزیں پڑھنے کا شوق ہے، مختلف سیاسی، سماجی اور تاریخی شخصیات کا تعارف اور ان کا سوانحی خاکہ دلچسپی کا موضوع رہا ہے، اسی طرح مجلے اور اخبارات میں شائع شخصیات اور یوزر پہلی فرصت کا حقدار ہوتا ہے۔ یہ کتاب جس وقت منظر عام پر آئی تھی اسی وقت میں نے شیخ عبدالحکیم عبدالمعجود مدنی حفظہ اللہ سے اصل نسخہ مرحمت فرمانے کی درخواست کی تھی۔ تاہم وقت گزرتا گیا یہاں تک کہ دوسرا حصہ منظر عام پر آ گیا تب پھر سے یہ یاد تازہ ہوئی۔ گزشتہ 10 اپریل 2019ء کو جامعہ رحمانیہ کاندیولی، ممبئی میں طلباء کا سالانہ پروگرام تھا جس میں شرکت کے لئے ہمارے یہاں مدرسہ رحمانیہ گوونڈی ممبئی میں بحیثیت مدرس فرائض انجام دے رہے مولانا محمد اجمل رحمانی حفظہ اللہ جامعہ رحمانیہ تشریف لے جا رہے تھے جن سے میں نے درخواست کی کہ اس بار سالناموں کا نسخہ ضرور لے آنا اور الحمد للہ شیخ عبدالحکیم صاحب نے اپنے دستخط اور مہر کے ساتھ دونوں نسخے بھجوا دیئے۔ جن کا میں ممنون و مشکور ہوں۔ فجز اھم اللہ خیرا و احسن الجزاء

کتاب ملنے کا پتہ: مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئی۔ برانچ آفس: بس اسٹاپ، بڑھنی بازار سدھارتھ نگر یوپی۔ رابطہ

نمبر 9869395881 اور مقالات و سوانحی خاکے ارسال کرنے کے لئے [abdulhakimmumbai@gmail.com/](mailto:abdulhakimmumbai@gmail.com)

tareekh.ahlehadees@gmail.com پر رابطہ کریں۔





باب دوم

بحوث و مقالات تاریخ اہل حدیث



مسلك حدیث ترجمہ

رسالہ عمل بالحدیث

مولانا ولایت علی صادقی پوریؒ

یہ رسالہ تحریک مجاہدین کی عظیم المرتبت شخصیت مولانا ولایت علی صادقی پوری (۱۲۰۵ھ-۱۲۶۹ھ) کا ہے جو فارسی زبان میں ہے۔ اس کا ترجمہ مولانا ابوبکر صدیق سلفی صاحب نے کیا ہے جو دارالدعوة السلفیہ کے صدر اور ہفت روزہ الاعتصام لاہور کے سرپرست ہیں۔ اور اس کی اشاعت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیائی کے اشارہ پر ہوئی تھی فجزی اللہ الجميع خیر الجزاء، افادہ عام اور حفظ تراث کے جذبہ سے اسے مولانا بھوجیائی کے مختصر مقدمہ کے ساتھ شامل اشاعت کیا گیا ہے۔“
(عبدالکیم مدنی)

بسم الله الرحمن الرحيم

وبه استعين وصلی الله على محمد وآله واصحابه وسلم

”اتباع سنت واجتناب از بدعت کا بیج سرزمین برصغیر میں شاہ ولی اللہ (۱۱۷۶ھ) نے ڈالا۔ ان کے پوتے مولانا محمد اسماعیل شہید (۱۲۴۶ھ) کے عہد میں یہ بیج برگ و بار لایا۔ (اتحاف النبلاء، ص: ۴۱۷) امر واقعہ یہ ہے کہ اس ”بیج کے برگ و بار“ لانے اور عوام تک توحید و سنت کی دعوت پہنچانے کی سعادت سب سے زیادہ مولانا شہید کے خاص تلمیذ رشید مولانا ولایت علی (۱۲۶۹ھ) کو حاصل ہوئی۔ انہوں نے استاد شہید کے شروع کردہ کاموں کو نہ صرف زندہ رکھا بلکہ انہیں بہت آگے بڑھایا۔ مولانا نواب سید محمد صدیق حسن خاں (۱۲۴۸-۱۳۰۷ھ) اور محدث بے نظیر مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی (۱۲۲۵-۱۳۲۰ھ) اس مبارک سلسلہ میں علما و عملاً دو مرکزی شخصیتیں ہو گزری ہیں۔ اور دونوں ہی اپنے اپنے طور پر مولانا ولایت علی کے وعظ و تذکیر سے مستفیض ہوئیں۔ بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ مواعظ دونوں بزرگوں کی علمی، عملی، تدریس اور تالیفی مساعی کا منبع ہوئے۔ اور برصغیر میں شیوع عمل بالحدیث کے سوتے اسی سرچشمہ فیض سے پھوٹے۔

مولانا نے خالص اسلام کی طرف دعوت اپنی مجالس تذکیر و مواعظت کے علاوہ دوسرے طریقوں سے بھی پھیلائی۔ ایک طرف مولانا شہید کی متعدد دعوتی تالیفات شائع کرائیں تو دوسری طرف احوال و ظروف کے مطابق

خود بھی چھوٹے چھوٹے رسالے تالیف اور شائع کیے، اس سلسلہ درنایاب کی ایک کڑی رسالہ ’عمل بالحدیث‘ بھی ہے جس میں مسئلہ تقلید اور عمل بالحدیث کو بہت معتدل طریقے اور ولی اللہی فکر کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ یہ رسالہ حضرت مؤلف نے خود شائع کیا تھا، اس کے بعد کئی بار..... بلکہ با ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ لیکن اب ایک مدت سے ناپید ہے۔ حالانکہ ضرورت آج بھی ایسی کتابوں کی ختم نہیں ہوئی۔ بنا بریں میرے نہایت عزیز دوست مولانا ابو بکر صدیق السلفی فیروز پوری حال مقیم لاہور زادہ اللہ علماً و فہماً نے شوق و محبت سے ”مسئلہ حدیث“ کے عنوان سے اس کا شگفتہ ترجمہ کر دیا ہے۔ جس کے لئے احقر ان کا ممنون ہے اور المکتبۃ السلفیہ اس کی اشاعت کا شرف حاصل کر رہا ہے۔

(بھوجیانی)

تعریف کے لائق اس ہادی مطلق کی پاک ذات ہے جس کے قرآن کی آیتوں کا نور نفسانی اندھیروں میں اسیر لوگوں کے لئے مددگار ہوا اور بے شمار درود و سلام سید المرسلین، خاتم النبیین ﷺ پر جن کے پاکیزہ کلمات، روحانی تکلیفوں اور قلبی امراض کے لئے اکسیر ثابت ہوئے اور آپ کے آل اور آپ کے صحابہ کرام پر جنہوں نے آپ کی اتباع عزم و ہمت سے کی۔ اس طرح گمراہی کے اندھیروں سے نجات پائی اور مردہ دل سے زندہ بن گئے۔ صلی اللہ علیہ و علی آلہ واصحابہ وسلم۔

حمد و سلام کے بعد چونکہ دوستوں کی طرف سے حدیث و فقہ کی پیروی کے سلسلہ میں اس فقیر کے پاس سوالات بہ کثرت آتے رہتے ہیں۔ لہذا میں نے یہ ارادہ کیا کہ ہر سال کو الگ الگ جواب دینے کی بجائے ایک مختصر سا رسالہ اس موضوع پر لکھ دینا چاہیے جو ہر سال کے سامنے پیش کیا جاسکے اور دوستوں کے پاس ایک یادگار بھی رہ جائے۔ اس رسالہ کو تین فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلی فصل: دین کی سمجھ کی خوبی اور فضیلت کے بیان میں

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”کیوں نہیں نکلی ان سے ایک جماعت تاکہ دین میں سمجھ حاصل کرتی“۔ یعنی ہر فرقے میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو دین میں سمجھ بوجھ پیدا کرے۔ یہ آیت شریفہ فقہات کے حکم پر واضح دلیل ہے۔ اس مضمون کے سلسلے میں اسی قسم کی اور بہت سی آیات و احادیث آئی ہیں۔ فقہات سے مراد یہ ہے کہ ایسے مسائل و احکام کا اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق استنباط کرنا جن کا قرآن و حدیث میں صراحتہ ذکر نہیں ہے۔ اس کو ایک غلام کی مثال کے ذریعہ یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے آقا کی خدمت میں ہمیشہ حاضر رہنے اور احکام سننے اور کام انجام دینے کی وجہ سے اپنے آقا کا طبیعت آشنا اور مرضی دان ہو جاتا ہے اور اس مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے کہ اگر اسے اپنے آقا کی عدم موجودگی میں کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس کے متعلق اس نے اپنے آقا کی زبان سے کوئی حکم نہ سنا ہو تو بلاشبہ وہ اپنے آقا کی طبیعت آشنا اور مرضی شناس ہونے کے باعث اس معاملہ کو اپنے آقا کی پسند کے مطابق انجام دے سکے گا۔

فقہات:

فقہات ایک عظیم الشان اور اہم چیز ہے اور دین کی ضروریات میں داخل ہے۔ اللہ اور رسول ﷺ کا مرضی دان خدائے تعالیٰ کے حضور میں قدر و وقار رکھتا ہے۔ اور اوامر و نواہی کے مراتب و مدارج کو سمجھنا بھی فقہات میں داخل ہے، جیسے فرض، واجب، سنن

ووافل، مستحب، مباح اور حرام و مکروہ وغیرہ۔ ان مراتب و مدارج کو معلوم کیے بغیر قوی احتمال اس بات کا ہے کہ بعض لوگوں کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا رشتہ بالکل ہی چھوٹ جائے کیونکہ تمام اوامروا نہی پر کاربند ہونا عزم و ہمت کا کام ہے اور یہ ہر شخص کے بس میں نہیں ہے۔ لامحالہ وہ ضروری کو غیر ضروری سے الگ کر کے نفس کی برداشت کے مطابق ضروریات کو اختیار کرے گا۔ شرعی امور کے حقائق و اسرار کے علم کو اس کی جلالت شان کے پیش نظر ایک الگ فن قرار دے دیا گیا ہے۔ کلام عرب کے محاورات میں حقیقت و مجاز اور تشدید و تغلیظ و ترغیب کے لحاظ سے غور و فکر کرنا بھی فقہات کا حصہ ہے۔ اسی طرح کے اور بھی بہت سے امور ہیں۔ اس مختصر سے رسالے میں ان کی گنجائش نہیں ہے۔

فقہات کی علامت حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد اور حضرت امام مالک اور ان کے اکثر و بیشتر تبعین میں پائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو قبول فرمائے۔ شروع زمانہ میں جب کہ ابھی احادیث کی جمع و تدوین مکمل نہیں ہوئی تھی یہ بزرگ حدیثوں کی تحقیقات کر کے ان سے مسائل نکالتے تھے۔ انہوں نے حدیثوں اور ان کی اسناد کو جمع کرنے میں بڑی بڑی کوششیں فرمائی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان بزرگوں نے اللہ عزوجل کے حضور میں قدر و منزلت کا نام و مقام حاصل کر لیا۔ ان لوگوں سے محبت و شیفتگی دل میں ضرور رکھنی چاہیے اور ان کے تبعین کو بارگاہ الہی کے مقبول لوگوں میں شمار کرنا چاہیے اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو مردہ دل ہوتے ہیں جن کی نظر ظاہر سے تجاوز کر کے معنی تک نہیں پہنچتی، وہ اپنے قیمتی اوقات کو دنیا حاصل کرنے میں ضائع و برباد کرتے ہیں۔ وہ غور و فکر کے میدان میں ہمت کا قدم نہیں رکھتے۔ چوروں کی طرح ہر آشنا و نا آشنا کی جیب پر نظر رکھتے ہیں۔ ہر عقلمند اور دیوانے کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہیں۔

قرآن و حدیث کا مطالعہ اور ان میں غور و فکر بالکل ترک کر دیتے ہیں اور جو بات کسی کتاب میں لکھ دیکھتے ہیں چاہے وہ قرآن و حدیث کے موافق ہو یا مخالف جھٹ اس کو مان لیتے ہیں۔ ان میں سے کئی ایسے ہیں جو قرآن و حدیث کو دیکھتے تک نہیں اور بعض جو دیکھنے کا تکلف کرتے ہیں ان کے معنی سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور اگر کچھ لوگ غور و فکر کرتے بھی ہیں تو نصائح میں یا پھر قیامت و برزخ اور ترک دنیا وغیرہ کی روایات و احکام میں لیکن شرعی احکام کے استنباط کو یہ سمجھ کر کہ اس سے فراغت حاصل ہو چکی ہے غور و فکر کے ساتھ قطعاً متوجہ نہیں ہوتے۔ اگر کبھی قرآن و حدیث میں اپنی اعتقادی کتابوں کے خلاف حکم پاتے ہیں تو بعض لوگ ظاہری معنی میں ہیر پھیر کر کے اپنی کتابوں کے موافق بنا لیتے ہیں۔ وہ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ اصل مقصود تو قرآن و حدیث کی تابعداری ہے۔ بعض لوگ ایسے مقام پر گریز اور چشم پوشی کی راہ اختیار کرتے ہیں، ایسے ہی فقہاء کے متعلق مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ”کئی فقہ حاصل کرنے والے غیر فقیہ ہوتے ہیں“

اب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دوسری فصل میں بتاؤں کہ کس مقام پر تقلید کرنی چاہیے اور کس مقام پر تقلید نہیں کرنی چاہیے۔

دوسری فصل: تقلید کا محل جواز و عدم جواز

یہ بات خوب ذہن نشین کر لیجئے جو شخص خود عام سا ہو اور اپنے کاروبار میں مصروفیت کے باعث لکھنے پڑھنے سے محروم رہا ہو اور علماء سے مسئلہ دریافت کرنے کو کافی سمجھتا ہو تو ایسے شخص کے لئے مناسب ہے کہ وہ محدثین اور دیندار علماء سے جو دریافت اور خوف خدا میں،

قرآن وحدیث کے جاننے میں مشہور ہوں اس طرح سوال کیا کرے کہ ہمیں اس مسئلہ میں بتائیں کہ خدا اور رسول کا کیا حکم ہے؟ اگر کوئی طالب علم ہو اور علوم کو حاصل کرنے کا پورا شوق دل میں رکھتا ہو تو اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ پہلے قرآن وحدیث پڑھے اس کے بعد دوسری کتابوں کی تعلیم حاصل کرے تاکہ آئینہ کی مانند واضح ہو جائے کہ کون بزرگ کس جگہ صواب کو پہنچا اور کس جگہ خطا کی ہے۔ پس جو مسئلہ قرآن وحدیث میں صراحت کے ساتھ مل جائے اس میں کسی مجتہد کی تقلید نہ کرے کیونکہ واضح احکام میں اجتہاد کا کوئی دخل نہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے حضرت معاذؓ سے پوچھا کہ جب تجھے میری عدم موجودگی میں شرعی امور سے واسطہ پڑے گا تو کیا کرے گا۔ انہوں نے عرض کی پہلے کتاب اللہ میں مسئلہ تلاش کروں گا، فرمایا اگر اس میں نہ ملے تو پھر کیا کرے گا؟ عرض کی رسول اللہ ﷺ کی سنت میں تلاش کروں گا۔ فرمایا اگر اس میں بھی نہ ملے تو؟ عرض کی اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ آنحضرت ﷺ نے خوش ہو کر تعریف کی اور شاباشی دی۔ اس حدیث شریف سے صاف ظاہر ہے کہ جب کوئی حکم قرآن وحدیث میں صراحت سے مل جائے تو اجتہاد کی ضرورت نہیں، اگر مجتہدین کی کتابوں میں اس کے خلاف حکم ہو تو اس سے چشم پوشی کر کے قرآن وحدیث کو مضبوطی سے تھام لے ورنہ مجتہدین کے اقوال سے قرآن وحدیث کا منسوخ ہونا لازم آئے گا۔ (العیاذ باللہ)

امام ابوحنفیہؒ سے جو اجتہاد کی راہ پر چلنے والوں کے سردار ہیں دو قول مروی ہیں جو دین کی عمارت کے بڑے ستونوں کا حکم رکھتے ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ اگر میرا قول حدیث کے مخالف پاؤ تو دیوار پر دے مارو۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ حدیث کی مخالفت میں مجتہدین کے اقوال کو سننا حضرت امام کے دائرہ تقلید سے نکل جانے کی راہ اختیار کرنا ہے اور ایسا کرنے والا ہرگز حنفی نہیں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ میرے قول پر کسی کو عمل کرنا جائز نہیں ہے جب تک یہ نہ جان لے کہ یہ قول میں نے کہاں سے لیا ہے؟ پس معلوم ہوا کہ امام صاحب کے قول پر بے دھڑک اور بلا سوچے سمجھے جم جانا اور وجوہات قیاس پر غور و فکر نہ کرنا امام صاحب کی ہرگز پسند نہیں ہے اور امام صاحب اپنے ان دو ارشادات کے باعث قیامت کے روز مواخذہ الہی سے نجات پا جائیں گے۔

إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ۖ تَعَلَّمْ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ۖ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ (البائتہ: ۱۱۶)

”اگر میں نے کہا تھا تو تجھ کو معلوم ہے تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے، بلاشبہ تو ہی

پوشیدہ باتوں کو جاننے والا ہے۔“

اور ان کے جھوٹے مقلد مواخذہ الہی میں گرفتار ہوں گے۔ کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ ائمہ کرام کے شاگردوں کو جس مقام پر اپنے استاد کی بات پر اطمینان نہ ہو تو وہ وہاں سے اپنا دامن بچا کر گزر گئے۔ امام محمدؒ نے امام اعظمؒ سے اتنا زیادہ اختلاف کیا ہے کہ اگر اسے ایک الگ مذہب قرار دیا جائے تو بجا ہے اور متاخرین نے متقدمین کے کتنے ہی اقوال کو چھوڑ دیا ہے۔ غرضیکہ جو قول قرآن وحدیث کے مخالف ہو اس کے چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بہت سے اہل علم نے اس بات کی خوب تصریح اور تاکید کی ہے۔ اس مختصر سے رسالے میں ان کو بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ پھر خوبی کی بات یہ ہے کہ احادیث باسند ہیں اور مجتہدین کے اقوال بلا سند یعنی احادیث کے راویوں کے حالات کی تحقیق، ان کی شہرت وثقاہت شرائط کے ساتھ بیان کر دی گئی ہیں۔ لیکن جو لوگ مجتہدین کے اقوال

بیان کرتے ہیں وہ سند بیان نہیں کرتے کہ کس نے ائمہ سے سنا؟ اس سے کون روایت کرتا ہے اور راوی کیسے ہیں؟ جب تک معتبر راویوں کی شرائط کے مطابق قولی ثابت نہ ہو جائے اس پر کیا بھروسہ کیا جاسکتا ہے؟ کیا معلوم وہ امام صاحب کا قول ہے یا کسی نے اپنی طرف سے امام صاحب پر بہتان تراشا ہے۔ جیسا کہ بعض نادان لوگ وساوس کی نقول جو خالص افتراء ہے امام اعظمؒ کی طرف منسوب کرتے ہیں اس گمان پر کہ لوگ انہیں کمال متقی خیال کریں۔ مقلدین کے متعلق کسی بزرگ نے کیا خوب کہا ہے:

”دو تین بے سمجھ مقلدوں کی تقلید جو اں مردوں، یعنی اماموں کو بدنام کرتی ہے۔“

(شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے بستان الحدیث میں صراحت فرمائی ہے کہ امام حنیفہؒ نے حدیث کی کوئی کتاب جمع نہیں فرمائی۔) (مترجم)

اگر سند ضروری نہ ہو تو حدیث کی سندوں میں کیوں بے فائدہ تکلیف اٹھائی جاتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ مجتہد کی رائے کبھی صحیح ہوتی ہے اور کبھی غلط۔ اس سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ حدیث (جو معصوم کی باسند بات ہے) کے مقابلہ میں کوئی ایسی بات جو غیر مستند ہے اور اس میں خطا کا بھی احتمال برابر موجود ہے قبول نہیں کی جاسکتی۔ بعض احادیث اور اقوال میں مطابقت نہ ہونے کی وجہ پوری توجہ سے سنیں جو مختصر طور پر اس جگہ بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ جناب رسالت مآب ﷺ کی وفات کے بعد احادیث معتبر پر ہیزگار لوگوں کی زبانوں اور ذہنوں میں تھیں، لوگ بھولنے، جھوٹی حدیث بنانے اور تحریف کے ڈر سے حدیث کو کتابوں میں جمع کرنے کے لئے مشغول ہو گئے۔ چنانچہ ائمہ مجتہدین نے بھی حسب توفیق کچھ احادیث معتبر اور پر ہیزگار راویوں سے سن کر اپنی مستند کتابوں میں باسند جمع کر دیں۔ آخر کار جس زمانہ میں صحاح ستہ کی تدوین ہوئی علوم نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام جو سارے ممالک میں پھیل چکے تھے، حدیث کی کتابوں کی شکل میں مدون ہو گئے اور حدیثوں کی تخریج موقوف ہو گئی اور سب تخریج کی ہوئی احادیث شمار ہو کر مشہور مقولے کے مطابق یعنی فضیلت متاخرین کے لئے ہے، متاخر محدثین کے ہاتھ آئیں اگرچہ یہ بالکل درست ہے کہ سند اور جمع کرنے کا ثواب پہلوں کو ہی زیادہ ملے گا لیکن علم حدیث زیادہ پانے کی فضیلت متاخرین محدثین کے حصہ میں آئی ہے۔ اسے اس مثال سے سمجھ سکتے ہیں کہ ایک شخص اپنے ماں باپ، بہن اور دادا کا وارث ہو یقیناً ایسا شخص مال و دولت میں ان سے زیادہ ہوگا جن کا وارث ہوا ہے اگرچہ وہ مال و دولت ان ہی کا کمایا ہوا ہے جن کا وہ وارث ہوا ہے۔ پس اکثر حدیثیں سند کی شرائط کے ساتھ زمانے اور وقت کے تقاضوں کی بناء پر اکثر مجتہدین کو نہ پہنچ سکیں اس موقع پر انہوں نے اجتہاد کے میدان میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہمت کا گھوڑا دوڑایا اور بشری تقاضے کی بناء پر صواب کو نہ پاسکے۔ اس طرح وہ نادانستہ طور پر حدیث کے مخالف ہوئے۔ احادیث جمع ہونے کے بعد جو اختلاف ظاہر ہوا وہ یہی ہے کہ اب حدیث کی مخالفت میں اس قوم کو چھوڑ دینے میں کیا مضائقہ ہے؟ بعض یہ سمجھتے ہیں کہ لوگوں میں حنفی مشہور ہونا بھی ضروریات دین میں سے ہے، اگر ہم حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول کی مخالفت کریں گے تو حنفی نہ رہیں گے۔ اس کا مفصل جواب یہ ہے کہ ہمارے سامنے جتنے مسائل امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب ہیں وہ دو طرح کے ہیں:

ایک تو وہ اقوال جو امام صاحب سے مروی ہیں اور ان کو فقہ کی کتابوں میں عن ابی حنیفہؒ لکھتے ہیں۔

دوسرے وہ مسائل جو اہل علم نے امام صاحب کے اقوال سے نکالے ہیں، ان کے مذہب کے نام سے مشہور کرتے ہیں۔ ایسے مسائل کو فقہ کی کتابوں میں عند ابی حنیفہؒ لکھتے ہیں اور یہ اجتہاد در اجتہاد ہے، پہلے تو وہ اقوال خود قرآن و حدیث سے نکالے گئے ہیں پھر

دوسری بار ان اقوال سے اور مسائل نکالے گئے۔ لہذا ایسے مسائل دو خطاؤں کا احتمال رکھتے ہیں۔ کیونکہ ہر بار مسئلہ کے نکالنے میں ایک غلطی کا احتمال ہے۔ ان وجوہ کی بناء پر دوسرے علماء اور خود امام صاحب کے شاگردوں نے بعض مقامات پر اپنے امام کے مذہب کا خلاف کیا ہے بلکہ خود ان مقلدوں نے بھی ان مقامات پر امام صاحب کی تقلید چھوڑ کر دوسرے علماء کی بات قبول کی ہے۔ اس طرح وہ کسی جگہ حنفی کسی جگہ ابو یوسفی اور کسی جگہ محمدی اور دوسری جگہ زفری اور بعض جگہ ابو اللیثی ہوتے ہیں۔ اب ان کی حنفیت کہاں باقی رہی؟ اگر یہ کہا جائے کہ یہ لوگ امام صاحب کے شاگرد تھے تو کہا جاسکتا ہے کہ بعض مؤرخین نے امام شافعیؒ کی شاگردی کی نسبت بھی امام صاحب کی طرف کی ہے اگر ہم مان لیں کہ وہ شاگرد تھے تو ان میں سے صرف دو شخص تھے۔ ابو یوسف اور محمدؒ، باقی علماء کو آپ سے تلمذ کا شرف حاصل نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص میرا مخالف ہو چاہے وہ میرے تابعداروں میں سے ہی کیوں نہ ہو تو اس کی موافقت کرنے والے کو مخالف کے سوا اور کچھ نہ کہوں گا۔ معلوم ہوا جو کوئی امام صاحب کے مخالف کا متبع ہو اس مسئلہ میں حنفی نہ رہا بلکہ اسی مخالف کی طرف منسوب ہو گیا۔

اس ساری گفتگو کا نتیجہ یہ ہوا کہ حق پرستوں کو حق کی پیروی مد نظر ہوتی ہے نہ کہ کسی کی طرف منسوب ہونا۔ یہاں ایک اور بات یاد رکھنی چاہیے جیسا کہ فقہ کی کتابوں کے عالموں پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ امام اعظمؒ سے کوئی کتاب منقول نہیں ہے جس پر آپ کے مذہب کی بنیاد رکھی جائے۔ فقہ کی مشہور کتابوں مثلاً کنز، ہدایہ، عالمگیری، قاضی خاں وغیرہ میں جو بے شمار مسائل پائے جاتے ہیں سارے امام صاحب سے منقول نہیں ہیں۔ ان میں سے صرف چند مسائل آپ کی طرف منسوب ہیں۔ اکثر مسائل صاحبین (امام یوسف و امام محمدؒ... اور) متقدمین علماء کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں اور بے شمار مسائل علماء متاخرین کی طرف جیسا کہ صاحب ہدایہ، فتاویٰ اور ذخیرہ کی طرف منسوب ہیں، ان حضرات نے اپنی فراست سے ان مسائل میں بیجور اور لاجبوز یعنی جائز اور ناجائز لکھ دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ امام صاحب کی دیانت و فراست اور مسائل پر عبور اور تقویٰ پر ہیزگاری کے بارے میں متواتر خبروں کا ہم اپنے دل میں جس قدر اعتقاد رکھتے ہیں ہمارا وہ اعتقاد ان علماء کے متعلق نہیں ہے جو اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں۔

اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اگر کسی شخص نے ان کتب مشہورہ کی مخالفت کی بناء پر یا ناپسند استنباط کی وجہ سے قابل اعتبار نہ سمجھا تو حقیقت میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ اب میں ایک دوسری بات بیان کرتا ہوں کہ آپ کو قیاسی مسائل میں کیا کرنا چاہیے۔ یہ بات ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ بعض لوگوں پر قرآن و حدیث کا رات دن مطالعہ رکھنے کے بعد نورایمان کی شدت اور عقل و فطانت کی سلامتی کی وجہ سے قیاسی مسائل میں بھی اکثر اوقات اس طرح حق ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس میں شک و شبہہ کی بالکل گنجائش نہیں ہوتی اور بعض لوگوں کو دلائل سمجھ لینے کے بعد بعض مسائل میں پوری طرح حق کھل جاتا ہے جس مسئلہ میں ایسا انکشاف ہو جائے۔ اس میں کسی کی تقلید جائز نہیں ہے کیونکہ انسان سے اس کی اپنی عقل پر پریش ہوگی نہ کہ دوسروں کی عقل پر، جان بوجھ کر مخالفت کرنے پر یقیناً مواخذہ ہوگا۔ چنانچہ حضرت امام صاحب کے دوسرے قول کا مطلب بھی یہی ہے کہ اگر اسے خود یہ مرتبہ حاصل نہیں ہے تو کسی مجتہد کی تقلید کرنا ہوگی جسے وہ اپنے خیال میں دیندار سمجھتا ہو کیونکہ جب تک انسان کو تحقیق کا درجہ حاصل نہ ہو اسے تقلید سے چارہ نہیں ہے۔ جب تحقیق کی راہ کھل جائے تو تقلید سے کوسوں دور بھاگنا چاہیے کیونکہ اندھا مجبور ہے کہ ہر کس و ناکس پر ہاتھ ڈالے لیکن آنکھ والے سے نہیں ہو سکتا کہ آنکھ بند کر کے ہر درو یوار ہر ہاتھ مارتا پھرے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ ہر طالب حق کو قرآن و حدیث کا علم ضرور سیکھنا چاہیے لیکن اس زمانے میں لوگ اسے مشکل خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث کا علم بہت مشکل

ہے۔ پہلے لوگ اس کی لیاقت رکھتے تھے ہم میں ہمت و لیاقت کہاں؟ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تیسری فصل میں علم حاصل کرنے کی سہولت بیان کر دی جائے تاکہ اہل ایمان کا اس نعمت عظمیٰ کے حاصل کرنے میں حوصلہ بڑھے۔

تیسری فصل: قرآن و حدیث کے آسان ہونے کے بیان میں

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ قرآن شریف آنحضرت ﷺ پر آپ کے صحابہ کرامؓ کے سامنے نازل ہوا تھا اور یہ سب ان پڑھ تھے۔ قرآن کے اصلی اور پہلے مخاطب یہی لوگ تھے باقی لوگ ان کے بالتبع مخاطب ہیں۔ قرآن کی سب مثالیں اور محاورات عرب کے ان پڑھوں کے عرف و عادات کے موافق ہیں۔ قرآن کے ساتھ آسمان سے کوئی تفسیر نہیں اتری تھی۔ اب بتایا جائے اگر ان پڑھوں کا فہم قرآن کے سمجھنے میں کافی نہیں ہے تو صحابہ کرامؓ اس کو کس طرح سمجھتے تھے اور کس طرح اس کے احکام کی تعمیل کرتے تھے؟

سورۃ قمر میں رب العالمین جا بجا فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ (سورۃ قمر: ۱۷)

”ہم نے قرآن شریف کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟“

قرآن مجید کو مشکل کہنا اس آیت کا انکار ہے۔ اللہ تعالیٰ پہلے قاریوں پر رحمت کرے کہ انہوں نے قرآن مجید پر اعراب (زیر، زبر، پیش وغیرہ) لگا کر گرائمر کی ضرورت سے بے نیاز کر دیا ہے۔ جو لوگ قرآن مجید میں الف لام کی تحقیق بیان کرتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ بعض لوگوں کو قرآن مجید کے پڑھنے سے اس کے حکموں کو بجالانا مقصود ہوتا ہے اس لیے ان کی نظر ایسی بے فائدہ باریکیوں کی طرف نہیں جاتی۔ بعض لوگوں کا مقصد قرآن مجید پڑھنے سے اپنے آپ کو باریکیاں نکالنے والے علماء کے گروہ میں شامل کرنا ہوتا ہے۔ لہذا ان کی طبیعت ان ہی موشگافیوں کے نکالنے کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ اس گفتگو کی سچائی دنیا کی مثال سے سمجھی جاسکتی ہے۔ دیکھئے! جب کبھی دنیا کے حاکموں کے پاس سے کوئی پروانہ (نوٹس) آتا ہے تو باوجودیکہ اس کے ہر لفظ میں ہزار ہا موشگافیاں اور بہت سے علمی باریکیاں تلاش کی جاسکتی ہیں لیکن رعایا میں کوئی شخص ان پڑھ ہو یا پڑھا ہوا احکام معلوم کرنے کے سوا اور طرف توجہ نہ کرے گا کیونکہ انہوں نے اس کو پڑھنے کا مقصد اپنے ذہن میں تعمیل حکم ٹھہرایا ہوتا ہے بخلاف شعر و غزل کے کہ اس سے کسی کام کو انجام دینا مقصود نہیں ہوتا بلکہ ذہانت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ اس لئے ذہین لوگ اس کی عبارت کی باریکیوں میں غور و فکر کرتے ہیں اور ایک کلمہ میں سینکڑوں نکات پیدا کر لیتے ہیں۔ علم احادیث کا تعلق دونوں سے ہے۔ پہلا علم امتن ہے یعنی حدیث کے الفاظ سے دینی غرض سمجھنا اور دوسرے کو فن اسانید کہتے ہیں یعنی حدیث کا مرتبہ اور اس کے ضعف و قوت کے مدارج کو پہچاننا۔ علم امتن کا دار و مدار ایمان پر ہے۔ جس قدر ایمان مضبوط ہوگا اتنا ہی قرآن و حدیث سے کلام کی لطافت اور احکام کی عزت زیادہ ہوگی۔ ضعیف الایمان بھی اگر بیرونی کی نیت سے ان متبرک کتابوں میں غور و فکر کرے گا تو اس کی سمجھ حاصل کرنے سے ہرگز محروم نہ رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں عرب کی روزمرہ کی بول چال میں آسان اور فصیح ہیں اور اتنی جلدی سمجھ میں آنے والی ہیں کہ گنواروں کو بھی مطلب و مدعا تک پہنچا دیتی ہیں۔ قرآن و حدیث کا ترجمہ بہت سی زبانوں میں ہو چکا ہے۔ غیر عربوں کو اب لغات کے سمجھنے میں کوئی دقت نہیں رہی۔ اب ذرا دوسری

کتابوں مثلاً کافیہ، شافیہ، مطول، کافیہ، ہدایہ، قاموس اور کشف وغیرہ کے حالات میں غور کریں تو معلوم ہوگا کہ عبارتیں کتنی مضبوط ہیں اور ان میں کتنے بار ایک اشارے موجود ہیں ایک کتاب کو پورے طور پر سمجھنے میں ایک آدمی کی عمر صرف ہو جاتی ہے جیسا کہ علماء پر پوشیدہ نہیں۔ لیکن قیامت کے روز اسی قرآن وحدیث کے بارے میں سوال ہوگا نہ کہ دوسری کتابوں کے متعلق۔ خوب سمجھ لیجئے کہ قرآن وحدیث کے علاوہ دوسری کتابوں کا مطالعہ یا تو منع ہے یا فائدے سے خالی ہے۔ مگر ضروری کو غیر ضروری سے علیحدہ کر کے اعلیٰ کو ادنیٰ سے امتیاز دے کر جو ضروری اور اعلیٰ ہو پہلے اسے اختیار کریں پھر اگر فرصت ملے تو جن کتابوں کی طرف طبیعت مائل ہو مطالعہ کریں یعنی عمر تھوڑی ہے اور علم زیادہ ہے جو علم ضروری ہو اسے پہلے حاصل کرو۔

فن اسانید:

ہر حدیث کے راویوں کے پورے پورے حالات اور ان کی کثرت و قلت کے دریافت کرنے کو فن اسانید کہتے ہیں کیونکہ احادیث کی قوت وضعف پر موقوف ہے۔ اور سند کہتے ہیں اس ثقہ اور قابل اعتبار استاد سے حدیث سننے کو جس کا اپنا مضبوط سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا ہو۔ یہ بالکل واضح بات ہے کہ اس طرح کی سند شروع زمانہ میں جو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے قریب تھا۔ زیادہ آسان تھی ہمارے موجودہ زمانے سے جو ہدایت کے زمانے سے بہت بعید ہے۔ اور جب صحاح ستہ وغیرہ کو جمع کرنے والے متقدمین جیسے بزرگوں نے جن کی اپنی ثقاہت مسلم ہے ہر حدیث کو راویوں کے سلسلہ سمیت اپنی کتابوں میں جمع کر دیا ہے اور لوگوں نے ان کتابوں سے اتنے تواتر سے احادیث نقل کی ہیں کہ ان میں ادل بدل بالکل ناممکن ہے اور راویوں کے حالات فن اسماء الرجال کی کتابوں میں جمع کر دیے گئے ہیں۔ اس قدر معتبر اور نہایت عمدہ طریقہ سے جمع کی گئی کتابوں کی موجودگی میں سند کی ضرورت نہیں رہی کسی نے کیا ہی اچھا کہا ہے کہ ”آزمائی ہوئی چیز کو آزمانے سے سوائے شرمندگی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا“۔

مذکورہ بالا حقائق کے پیش نظر یہ بات یقیناً درست ہے کہ جو شخص صحیح بخاری پڑھتا ہے گو یا وہ محمد بن اسماعیل بخاری سے سند کرتا ہے اور امام بخاری نے اپنی سند کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اپنی کتاب صحیح بخاری میں بیان کر دیا ہے اب جو شخص صحیح بخاری میں حدیث پالے تو گو یا اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا۔ چنانچہ صاحب مشکوٰۃ نے بھی اپنی کتاب کی ابتداء میں جو خطبہ لکھا ہے اس میں یہی بات بیان کی ہے کہ جب ہم حدیثیں محدثین کی صحیح کتابوں میں دیکھتے ہیں تو گو یا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان حدیثوں کو سند کرتے ہیں کیونکہ ان کتابوں کے مؤلفین نے ہمیں سند بیان کرنے سے بے نیاز کر دیا ہے اور دیگر بہت سے محدثین نے بھی اس مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ اس زمانہ میں سند بیان کرنے کی حیثیت رسم سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے اللہ تعالیٰ متقدمین محدثین کو غریق رحمت کرے کہ انہوں نے موضوع احادیث کو غیر موضوع احادیث سے اور قوی کو ضعیف سے جدا کر کے حسب مدارج اپنی کتابوں میں جمع کر دیا ہے اور ہر مسئلہ کے لیے علیحدہ علیحدہ باب اور فصلیں مقرر کر دی ہیں۔ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ احادیث میں جزوی مسائل بھی بے شمار ہیں اب تو فن حدیث فقہ کی کتابوں کی طرح بالکل آسان ہو گیا ہے جو مسئلہ پیش آئے اس کے باب میں دیکھ لیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا معلوم ہو جائے گی بلکہ علم حدیث تو فقہ سے بھی زیادہ آسان ہو گیا ہے کیونکہ فقہ کی کتابیں بے شمار ہیں اور ان کے مصنف

ہزار ہا ہیں اگر ایک مسئلہ ایک کتاب میں جائز لکھا ہے تو گمان غالب ہے کہ دوسری کتابوں ناجائز لکھا ہوگا تو اب کس کے کہنے پر عمل کیا جائے اور اتنی کتابیں کہاں سے لی جائیں اور فرصت و عمر کہاں سے آئے کہ جس میں انسان ان کتابوں سے احکام الہی معلوم کر سکے۔ محدثین کرام نے جتنی احادیث اپنی مستند کتب میں جمع فرمائی ہیں وہ گنی چنی ہیں اور جس قدر غیر موضوع احادیث ہیں محدثین نے ان کو بھی اپنی کتابوں میں شمار کر دیا ہے۔ جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں اور کتب حدیث کے جامعین عموماً نسخ و منسوخ ایک باب میں بیان کر دیتے ہیں تاکہ تلاش کرنے والوں کو پریشانی نہ ہو اور کسی حدیث پر عمل اس گمان سے ترک نہ کر دینا چاہیے کہ شاید یہ منسوخ ہو کیونکہ یہ احتمال تو تمام احادیث میں موجود ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کی سب باتیں جمع نہیں ہوئیں بلکہ بہت سی رہ گئی ہیں۔ اس طرح تو کسی مجتہد کو کسی ایک حدیث پر بھی عمل کرنا مشکل ہوگا اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ جب تک کسی شخص کو نسخ حدیث نہیں پہنچی اس وقت تک منسوخ حدیث اس کے حق میں منسوخ نہیں اگرچہ فی الواقع منسوخ ہی ہو اور جب نسخ معلوم ہو جائے تو منسوخ حدیث پر عمل جائز نہ ہوگا۔

اس کی مثال یہ ہے: جنتم ولاکھ کی ٹھلیا اور دبا (کدو کے برتن) کا استعمال قوم ربیع کے حق میں منسوخ نہیں تھا جب تک ان کے علاقے میں نسخ کا حکم نہ پہنچا تھا پس تبع سنت کو چاہیے اگر ساری عمر ایک حدیث کے سوا اس کے پاس اور کچھ نہ پہنچے تو اسی کو نعمت عظمیٰ سمجھے اور دروازے کے احتمالات پر اسے ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”میری طرف سے پہنچا دو اگرچہ ایک ہی حدیث ہو۔“

اس حدیث کا مفہوم بھی یہی ہے اور کتابوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے علماء بھی نسخ حدیث کے نہ ملنے کے زمانے میں منسوخ حدیث پر ہی عمل پیرا رہے ہیں اور متعارض احادیث جو بظاہر ایک دوسرے کے مخالف معلوم ہوتی ہیں وہ بھی اکثر اسی طرح ایک جگہ لکھی جاتی ہیں تاکہ معمولی سوچ بچار سے ظاہری تعارض اٹھ جائے۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دواشادات کے درمیان حقیقتاً تعارض نہیں ہو سکتا۔ مگر کم فہم لوگوں کی نظر میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت میں ہر حدیث کے معنی کا محل جدا جدا ہوتا ہے۔

حدیث کی اقسام:

اقسام حدیث کے سلسلے میں ایک بات باقی رہ گئی۔ اصول حدیث کے علماء نے حدیث کی بہت سی اقسام بیان کر دی ہیں، جیسے: صحیح، حسن، احسن، غریب، موقوف، مرسل، مقطوع وغیرہ۔ ہر شخص کے ذہن میں حدیث کے اتنے درجات جلدی سے ضبط نہیں ہو سکتے۔ تاکہ حدیث کا درجہ معلوم کر کے اس پر عمل کر سکے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اقسام کی زیادتی مختلف حیثیات کے زیادہ ہونے کی بناء پر ہے جس قدر قید و حیثیت زیادہ کریں گے اسی لحاظ سے قسمیں زیادہ ہوں گی۔ اور جس قدر قیود کم ہوں گی اتنی ہی اقسام کم ہو جائیں گی۔ مثال کے طور پر سارے انسان دو قسم کے بھی ہو سکتے ہیں۔ سیاہ اور غیر سیاہ۔ اور ہزار قسم کے بھی ہو سکتے ہیں سیاہ، سرخ، گندم گوں، دراز گردن علی ہذا القیاس۔ لیکن حدیث کی زیادہ اقسام کے باعث عمل کرنے والوں کے لئے کافی تردد ہوتا ہے۔ علمائے اصول حدیث نے حدیث کی اقسام کے سلسلہ میں بہت ہی عمدہ مگر مختصر سا طریقہ اختیار کیا ہے۔ اگر عالمین حدیث بھی آسان اور مختصر طریقہ پیش نظر رکھیں تو بہت سا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے اور وہ مختصر سا طریقہ یہ ہے کہ غیر موضوع احادیث ساری کی ساری دو قسم کی ہیں: قوی اور ضعیف۔

ضعیف حدیث وہ ہے جس کے راویوں کا سلسلہ تو مفقود نہیں ہے لیکن اس کے راوی ثقہ نہیں یا ان کی ثقاہت وغیرہ کا حال محفوظ نہیں ہے۔ قوی حدیث وہ ہے جس کے راویوں کا سلسلہ کہیں نہ ٹوٹے اور ان کی ثقاہت بھی ثابت ہو۔ قوی کی بھی دو قسمیں کرتے ہیں جس حدیث یا مضمون حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چند لوگ کرتے ہیں وہ متواتر ہے ورنہ غیر متواتر۔ راویوں کے حالات کی بناء حدیث متواتر کے لئے کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ اس لیے علماء اپنی کتابوں میں متواتر حدیث کے راویوں کی تعداد بیان نہیں کرتے جو حدیث یقین کلی کا فائدہ دے وہ متواتر ہے۔ لیکن یہ تو کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ جب راوی ثقہ، عادل اور سلیم العقول ہوں گے تو تین راویوں ہی سے قطعی یقین کا فائدہ حاصل ہو جایا کرتا ہے۔ لہذا اس جگہ متواتر حدیث کے لئے تین راویوں کی حد مقرر کر دی گئی ہے۔ متواتر حدیث نص قطعی ہے اور غیر متواتر میں صدق کا ظن غالب ہوتا ہے اور ضعیف میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ ضعیف حدیث قیامت کی خبروں اور برزخ اور دوزخ و جنت اور ترغیب و ترہیب کے سلسلے میں قبول کی جائے گی۔ اسی طرح حدود و قصاص اور دوسرے اہم امور کے علاوہ اوامر و نواہی میں بھی مقبول ہوگی بشرطیکہ قوی حدیث سے معارض نہ ہو ورنہ ترک کر دینی چاہیے۔ ایک مضمون کی اگر تین ضعیف حدیثیں ہوں تو ایک قوی حدیث کے حکم میں ہو جاتی ہیں اور متواتر سے غیر متواتر کا منسوخ ہونا جائز ہے اور جو مسئلہ قوی غیر متواتر سے ثابت ہو جائے اس پر عمل واجب ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔ حدیث کی اتنی اقسام اور ان کے احکام کا جان لینا بقدر ضرورت ہر عمل کرنے والے کے لیے کافی ہے۔

الحمد للہ کہ رسالہ مسلک حدیث ترجمہ عمل بالحدیث بتوفیقہ تعالیٰ ختم ہوا۔ ابو بکر صدیق السلفی

(ماخوذ از مطبوع کتاب شائع کردہ دار الدعوة السلفیہ لاہور شعبان ۱۴۳۴ھ / جون ۲۰۱۳ء)



تحریک اہل حدیث اور اس کے فوائد

مولانا عبدالمبین منظرؒ

یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ زمانہ رسالت سے اواخر خیر القرون تک کسی شخص معین کی تقلید کا رواج نہیں تھا لوگوں کو جو مشکل مسئلہ درپیش ہوتا بلا تعین کسی بھی صاحب علم سے دریافت کر لیتے اور جس کسی کی بات بھی کتاب و سنت سے موافق ہوتی اسی کو لائحہ عمل قرار دیتے۔ اتفاقاً اگر تعبیر میں غلطی سرزد ہوگی تو مفتی و مستفتی دونوں ہی فوراً رجوع کر لیتے۔

مختصر اینکہ کتاب و سنت ہی ان کی آخری سند اور چشمہ رسالت ہی سے ان کی سیری ہوتی دیگر ہیچ:

□ قد تواتر الخبر عن الصحابة والتابعين انهم كانوا اذا بلغهم الحديث يعملون به من غير ان يلاحظوا شرطاً۔ تمام صحابہ و تابعین سے بطریق تواتر ثابت ہے کہ جب انہیں حدیث نبوی مل جاتی تو بلا لحاظ کسی شرط کے اس پر عمل کرتے۔

(انصاف شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ)

□ وقد صح اجماع الصحابة كلهم اولهم عن آخرهم واجماع التابعين اولهم عن آخرهم على الامتناع والمنع من ان يقصد احداً في قول انسان منهم او من قبلهم في اخذها كلهم۔

تمام صحابہ و تابعین و تبع تابعین کا اجماع از اول تا آخر خود تقلید شخصی سے باز رہنے اور دوسروں کو روکنے پر ثابت ہو چکا ہے اور یہ کہ اپنے یا لگوں میں سے کسی کی بھی تقلید نہ کی جائے اور کسی کی بھی ساری باتیں نہ قبول کی جائیں۔ (عقد الجید شاہ ولی اللہ صاحب)

□ قد علم كل عالم انهم لم يكونوا مقلدين ولا منتسبين الى فرد من افراد العلماء بل كان الجاهل يسئل العالم عن الحكم الشرعي الثابت في كتاب الله وسنة رسوله فيفتيه ويروي له فليعمل من باب العمل بالرواية لا بالرأي۔

ہر صاحب علم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ سلف صالحین کسی امام کے مقلد نہ تھے کسی عالم کی طرف منسوب کئے جاتے تھے بلکہ جاہل کسی بھی عالم سے کتاب و سنت کی بات دریافت کر لیتا اور عالم اسے لفظاً یا معنماً بطریق روایت بتا دیتا پھر وہ کتاب و سنت ہی پر عمل کرتا وہاں رائے کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔

(القول المفید للامام الشوکانی)

□ ان الصحابة رضوان الله عليهم لم يكونوا في زمانهم وعصرهم على مذهب لرجل معين يدرس ويقلد انما كانوا يرجعون في النوازل الى الكتاب والسنة (الى آخره) وكذلك تابعوهم۔

پیشک صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ خیر میں تقلید شخصی کا مذہب نہ تھا نہ اس کی درس و تدریس ہوتی تھی بلکہ تمام لوگ ضرورت کے وقت قرآن و حدیث ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ (حقیقۃ الفقہ بحوالہ ارشاد صفحہ ۳۸)

تقلید کی ابتداء:

اعلم ان الناس كانوا قبل المائة الرابعة غير مجتمعين على التقليد الخالص لمذهب واحد۔
 یہ قطعاً جان لو کہ چوتھی صدی سے پہلے مذہب واحد (تقلید شخصی) پر کسی کا اتفاق نہ تھا (حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ)
 □ انما حدثت هذه البدعة في القرن الرابع المذمومة على لسانه صلى الله عليه وسلم۔ یہ بدعت یعنی تقلید
 شخصی چوتھی صدی ہجری کے بعد پیدا ہوئی ہے جس کی مذمت اور برائی آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے۔ (اعلام الموقعین جلد-۱)
 تقلید کیسے شروع ہوئی:

خیر القرون کے بعد جب فتنہ وفساد جڑ پکڑ گیا، غیر امین اور نامعتمد فقہاء کے مابین پیش آمدہ مسائل کے اندر مناقضہ و مجادلہ اور محاکمہ کا
 عام رواج ہو گیا، بعض جاہل رؤساء اور علم حدیث و طریق تخریج سے نابلد لوگ قاضی و مفتی بن بیٹھے تو فیصلہ کے لئے عوام متقدمین سے کسی
 مجتہد کا قول تلاش کرنے لگے اور مسئلہ کی بحث اسی پر موقوف ہونے لگی کہ فلاں عالم امام نے اس مسئلہ کے بارے میں کیا فتویٰ دیا ہے،
 چنانچہ آہستہ آہستہ تقلید شخصی جڑ پکڑ گئی اور لوگ بلا تحقیق حق کے خالص تعصب پر جم گئے۔ (مخلص از انصاف شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ)
 اقبال مرحوم نے محکومی و تقلید پر اظہار افسوس کیا ہے۔

حلقہ شوق میں وہ جرأت اندیشہ کہاں
 آہ محکومی تقلید و زوال تحقیق
 ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
 کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق
 خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
 ہوئے کس درجہ فقہان حرم بے توفیق

اصحاب الحدیث:

حدیث کا اطلاق قرآن اور سنت دونوں پر ہوتا ہے خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو متعدد مقامات پر لفظ ”حدیث“ سے تعبیر فرمایا
 ہے: ”قبای حدیث بعدہ یومنون“ پس اصحاب الحدیث یا اہلحدیث کے معنی ہوئے قرآن و حدیث دونوں سے تمسک کرنے
 والے۔ چنانچہ اہلحدیث کا یہ مشہور و معروف قول:

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم و اشدتن
 پس حدیث مصطفیٰ برجاں مسلم داشتتن

اسی معنی و مفہوم کی ترجمانی کرتا ہے۔

واقعہ بھی یہی ہے کہ زمانہ خیر القرون سے آج تک اس گروہ نے قرآن ناطق اور سنت صریحہ ثابتہ کے بالمقابل کسی کے قول و قیاس اور فہم و درایت کو قابل اعتنا نہیں سمجھا، نہ خود ساختہ اصول و ضوابط سے استنباط و استخراج کو کوئی قدر و قیمت دی بلکہ ہمیشہ اور ہر مقام پر علی الاعلان یہی کہتے رہے۔

ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار
مت دیکھ کسی کا قول و کردار
جب اصل ملے تو نقل کیا ہے
یاں وہم و خطا کا دخل کیا ہے

دعوت الہمدیث کے مفید اثرات:

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے جماعت الہمدیث نے ہمیشہ اور ہر زمانہ میں خالص کتاب و سنت ہی کی دعوت دی اور قیل و قال کے گورکھ دھندوں سے نجات دلا کر محض قرآن اور حدیث ہی کو مدار علیہ قرار دیا جس کی حقانیت و صداقت اور حلاوت شیرینی منجانب اللہ ہر مومن و مسلمان کے قلب میں فطرتاً و بدیعت کی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ یہ تحریک امت مسلمہ کی تمام صالح تحریکات کی جان بنتی جا رہی ہے، کمال یہ ہے کہ جن مقلدین کے یہاں کتاب اللہ اور احادیث و سنن نبویہ سے براہ راست مسائل کا اخذ کرنا ایک طرح کی گمراہی تھی وہ اس مبنی بر صداقت اور پرتاثر دعوت و تحریک کے سامنے مجبور ہوئے بس ہو کر تمام تقلیدی بکھیڑوں کو خیر باد کہہ رہے ہیں۔

آج اس حقیقت سے کون کج فہم ہے جو انکار کر سکتا ہے کہ اکابر و اسلاف الہمدیث کی مساعی جمیلہ بار آور ہوئیں اور ہوتی جا رہی ہیں، اس سے پہلے جن بڑے بڑے اسلامی اداروں اور ممتاز مشائخ و صوفیاء کی خانقاہوں میں کتاب و سنت کی اس تحریک بلکہ نام سے بھی چڑھتی، فتاؤں پر جن کا مدار عمل تھا جو اقوال الرجال اور علماء و ائمہ کی راہوں اور فقیہانہ موشگافیوں کو سرمایہ حیات جانتے تھے وہ بھی اب تحقیق و تفتیش کے خوگر ہو گئے، فتاؤں کا رنگ بدل گیا، درس و تدریس اور تقریر و تحریر میں کتب حدیث سے استناد ضروری سمجھنے لگے، کتاب و سنت کے روشن چراغ سے دلوں کی تاریکیاں اور تقلید جامد کی سیاہیاں دور ہوئیں، شرک و بدعت کی گھنگھور گھٹائیں کا فور ہو گئیں اور نکھری ہوئی توحید کھل کر سامنے آ گئی۔ یہ ہیں دعوت الہمدیث کے وہ مفید اثرات جن کی شہادت بمصدقہ

گفتہ آید در حدیث دیگران

علماء اعلام کی زبان سے سنئے:

(۱) سرتاج علماء احناف حضرت علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں:

”بہر حال اس تحریک کے جو اثرات پیدا ہوئے اور اس زمانے سے آج تک ہمارے دوراد بار کی ساکن سطح میں اس سے جنبش ہوئی وہ بھی ہمارے لئے بجائے خود مفید اور لائق شکر یہ ہے۔ بہت سی بدعتوں کا استیصال ہوا تو حید کی حقیقت نکھاری گئی، قرآن پاک کی تعلیم و تفہیم

کا آغاز ہوا، قرآن پاک سے براہ راست ہمارا رشتہ دوبارہ جوڑا گیا، حدیث نبوی ﷺ کی تعلیم و تدریس اور تالیف و اشاعت کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ساری دنیائے اسلام میں ہندوستان ہی کو صرف اس تحریک کی بدولت یہ دولت نصیب ہوئی، نیز فقہ کے بہت سے مسئلوں کی چھان بین ہوئی۔ یہ اور بات ہے کہ کچھ لوگوں سے غلطیاں بھی ہوئیں لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دلوں سے اتباع نبوی ﷺ کا جو جذبہ گم ہو گیا تھا وہ سالہا سال تک کے لئے دوبارہ پیدا ہو گیا... الی... علماء اہلحدیث کی تدریسی اور تصنیفی خدمت بھی قدر کے قابل ہے پچھلے عہد میں نواب صدیق حسن خاں مرحوم کے قلم سے اور مولانا سید نذیر حسین دہلویؒ کی تدریس سے بڑا فیض پہنچا۔ بھوپال ایک زمانے تک علماء حدیث کا مرکز رہا، قنوج، سہوان اور اعظم گڑھ کے بہت سے نامور اہل علم اس ادارہ میں کام کر رہے تھے، شیخ حسین عرب یمنی ان سب کے سرخیل تھے اور دہلی میں مولانا سید نذیر حسین صاحبؒ کی مسند درس بچھی تھی اور جوق درجوق طالبین حدیث مشرق و مغرب سے ان کی درس گاہ کا رخ کر رہے تھے، ان کی درس گاہ سے جو نامور اٹھے ان میں سے ایک مولانا ابراہیم صاحب آروی تھے جنہوں نے سب سے پہلے عربی تعلیم اور عربی مدارس میں اصلاح کا خیال قائم کیا اور مدرسہ احمدیہ کی بنیاد ڈالی۔ اس درس گاہ کے دوسرے نامور مولانا شمس الحق صاحب مرحوم (صاحب عون المعجود) ہیں جنہوں نے کتب حدیث کی جمع اور اشاعت کو اپنی دولت اور زندگی کا مقصد قرار دیا اور اس میں وہ کامیاب ہوئے، اس درس گاہ کے تیسرے نامور حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری ہیں، جنہوں نے درس و تدریس کے ذریعہ خدمت کی اور کہا جاسکتا ہے کہ مولانا سید نذیر حسین صاحب کے بعد درس کا اتنا بڑا حلقہ اور شاگردوں کا مجمع ان کے سوا کسی اور کو ان کے شاگردوں میں نہیں ملا۔ اس درس گاہ کے ایک اور نامور تربیت یافتہ ہمارے ضلع اعظم گڑھ میں مولانا صاحب مبارکپوری تھے جنہوں نے تدریس حدیث کے ساتھ ساتھ جامع ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی عربی لکھی۔

اس تحریک کا ایک اور فائدہ یہ ہوا کہ مدت کا زنگ طبعیتوں سے دور ہوا اور یہ جو خیال ہو گیا تھا کہ اب تحقیق کا دروازہ بند اور نئے اجتہاد کا راستہ مسدود ہو چکا ہے رفع ہو گیا اور لوگ از سر نو تحقیق و کاوش کے عادی ہونے لگے، قرآن اور احادیث مبارکہ سے دلائل کی نو پیدائش اور قبیل و قال کے مکرر گڑھوں کی بجائے ہدایت کے اصلی سرچشمہ مصطفیٰ کی طرف واپسی ہوئی۔

(مقدمہ تراجم علماء حدیث ہند نوشہروی)

(۲) مولانا مناظر احسن بہاری لکھتے ہیں:

اس کو تسلیم کرنا چاہیے کہ اپنے دین کے اساسی سرچشموں (قرآن و حدیث) کی طرف توجہ ہندوستان (متحد) کے حنفی مسلمانوں کی جو پٹی اس میں اہلحدیث اور غیر مقلدیت کی اس تحریک کو بھی دخل ہے، عمومیت غیر مقلد تو نہیں ہوئی لیکن تقلید جامد اور کورانہ اعتماد کا طلسم ضرور ٹوٹا۔

(رحیق لاہور بحوالہ برہان دہلی، ص ۲، جلد ۴، اگست ۱۹۵۸ء)

(۳) علامہ رشید رضا مصری فرماتے ہیں:

”ولولا عنایة اخواننا علماء الہند بعلوم الحدیث فی هذا العصر لقصی علیہا من امصار الشرق“

یعنی اگر ہندوستان کے علماء حدیث نے اس دور میں علوم حدیث سے خوب اعتنائے کیا ہوتا تو یہ علم مشرق کے شہروں سے مٹ جاتا۔

(رحیق مذکورہ فروری ۱۹۵۹ء)

(۴) استاذ عبدالعزیز خولی مصری فرماتے ہیں:

ولا يوجد في الشعوب الاسلاميه من اتى الحديث قسطه من العناية في هذه العصر مثل اخواننا مسلمي الهند، اولئك الذين وجد بينهم حفاظ السنة ودارسون بها على ما كانت تدرس في القرن الثالث حرية في الفهم ونظرا في الاسانيد. یعنی اس دور میں کسی بھی اسلامی ملک کے مسلمانوں نے برادران الہدایت کی طرح علم حدیث کا حق نہیں ادا کیا۔ ہندوستان کی جماعت اہل حدیث میں ایسے حفاظ حدیث موجود ہیں جو پابندی مذاہب سے آزاد ہو کر بعینہ تیسری صدی ہجری کی طرح درس حدیث دیتے ہیں اور اسانید کی صحت و سقم سے بحث بھی کرتے ہیں۔ (رحیق بحوالہ مفتاح السنہ، صفحہ ۱۶۹)

وفي الهند الآن طائفة كبيرة تهتدي بالسنة في كل امور الدين ولا تقلدا احداً من الفقهاء ولا المتكلمين وهي طائفة المحدثين. یعنی ہندوستان میں اب بھی ایک جماعت (الہدایت) موجود ہے جو تمام امور دین میں حدیث نبوی ﷺ ہی کو رہنما مانتی ہے اور فقہاء و متکلمین میں سے کسی کی تقلید نہیں کرتی۔ (رحیق بحوالہ مذکورہ)

تحریک اہل حدیث اور اس کے فوائد کے ذیل میں یہ چند حوالے مشتمل نمونہ از خروارے ان علماء اعلام کے بیانات سے زیب قرطاس کئے گئے ہیں جو اپنی جگہ عالمی شہرت اور حق پسندی کے حامل ہیں۔ مذکورہ بالا خط کشیدہ عبارات آپ مکرر ملاحظہ فرمائیں۔ اس سے بخوبی واضح ہو جائے گا کہ ہندوستان میں تحریک اہل حدیث کے اجاگر ہونے سے قبل یہاں خواص و عوام مسلمانوں کا دینی حال کیا اور کیسا تھا۔ خود ساختہ رو بدعات کے شکار توحید و سنت کے حقیقت سے نا آشنا قرآن پاک کی تعلیم و تفہیم سے غافل اور براہ راست اس کے استفادہ سے غیر متعلق و ناموس حدیث نبوی کی تعلیم و تدریس سے اور تالیف کی کوششوں سے بے نیاز اور لاپرواہ قیل و قال کے گورکھ دھندوں اور فقیہانہ موشگافیوں کے دلدادہ ہو کر اتباع نبوی کا جذبہ گم کر دینے والے تحقیق و تفتیش کے دشمن تقلید جامد اور کورانہ اعتماد کے طلسم سے مرعوب ہدایت کے اصلی سرچشمہ مصطفیٰ سے کوسوں دور مگر اس تحریک حق سے تھوڑے ہی دنوں میں ایک انقلاب برپا ہو گیا اور ہندوستانی مسلمانوں کی کایا پلٹ گئی جس کا احساس و اقرار عالم اسلامی کے مشہور و مقتدر علماء فضلاء کی زبان سے آپ سن چکے۔

اب میں بطور تبرک و تتمہ خود حضور ﷺ فداہ ابی و امی کی اس حدیث پاک کو نقل کرتا ہوں جس میں آپ نے ایک گروہ باشکوه داعی الی الحق کا وجود مسعود از زمان برکت نشان تا قیام قیامت بطور حجتہ اللہ فی الارض ذکر فرمایا ہے۔ سرور عالم ﷺ کی اس پیش گوئی کا مصداق بھی محدثین کرام اور ائمہ عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اصحاب الحدیث کو قرار دیا ہے، فللہ الحمد۔

عن جابر بن عبد اللہ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا تزال طائفة من امتی یقاتلون علی الحق ظاہرین الی یوم القیامة وفي لفظ عن ثوبان رضی اللہ عنہ لا یضرہم من خذلہم حتی یأتی وعد اللہ و ہم کذلک۔

یعنی حضرت جابر اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میری امت کا ایک گروہ اس وقت سے قیامت تک حق پر قائم رہے گا، حق کے واسطے لڑتا رہے گا ان کو چھوڑ دینے والے اور مقاطعہ کرنے والے انہیں کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے، یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ یعنی قیامت آجائے گی۔ (بخاری و مسلم وغیرہ)

اس پیش گوئی کے مطابق آپ کی تمام امت اور مختلف فرقوں میں حق و صداقت پر قائم رہنے والی جماعت کون ہے؟ محدثین کرام و ائمہ عظام رحمہم اللہ کے اقوال ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) امام یزید اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

”کہ اگر اس سے مراد جماعت اہلحدیث نہیں تو میں نہیں جانتا کہ اس سے کون لوگ مراد ہیں۔“

(۲) محدث ابن مبارک فرماتے ہیں: ”میرے نزدیک اس سے مراد اہل حدیث ہیں۔“

(۳) امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: ”کہ اگر اس سے مراد اصحاب حدیث نہ ہوں تو کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔“

(۴) احمد بن سنان فرماتے ہیں: ”اس سے مراد اہل علم اہلحدیث ہیں۔“

(۵) امام علی بن مدینی فرماتے ہیں: ”اس سے مراد حدیث والے ہیں۔“

(۶) امام بخاری فرماتے ہیں: ”کہ یہ جماعت اصحاب حدیث کی ہے۔“

(۷) امام علی بن عبداللہ فرماتے ہیں: ”اس سے مراد حدیث والے ہیں۔“

(۸) امام ابو داؤد فرماتے ہیں: ”کہ اگر اہلحدیث کی یہ جماعت نہ ہوتی تو اسلام بے نشان ہو جاتا۔“

(۹) خلیفہ ہارون الرشید فرماتے ہیں: ”میں نے حق کو اہلحدیثوں میں پایا۔“

(۱۰) ولید کراہیسی موت کے وقت اپنی اولاد کو وصیت فرماتے ہیں: ”کہ مذہب اہل حدیث کو مضبوطی سے تھام لو میں نے

حق کو انہیں کے ساتھ دیکھا۔“

(۱۱) ابوالحسن محمد بن عبداللہ بن بشر فرماتے ہیں: ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم

۷۳ گروہوں میں ناجی کون ہے؟ فرمایا اے اہلحدیث! تم ہو۔“

(۱۲) حسن بن علی تمیمی فرماتے ہیں: ”..... میرے دل میں خیال آیا کہ قیامت کے دن سب سے آگے کون ہوں گے،

اچانک ایک غیبی آواز آئی کہ اہلحدیث ہوں گے۔“ (از فضائل محمد: مصنف مولانا محمد صاحب جو ناگرھمی)

(۱۳) حافظ الحدیث مولانا عبدالنور ابوالنور علی گڑھی بیان فرماتے ہیں: ”کہ زمانہ حج میں مدینہ منورہ گیا تو کئی دن حدیث کا

وعظ ہوا، ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس پے درود شریف پڑھتے پڑھتے آنکھ لگ گئی تو دیکھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم

تشریف لے آئے ہیں، میں فوراً ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ آپ نے منع کرتے ہوئے فرمایا:

”اناراض منك لانك تتعظ بحدیثی“ یعنی میں تم سے اس لئے خوش ہوں کہ تم میری حدیث کا وعظ کہتے ہو۔

مولانا رحمہ اللہ نے جس محفل میں یہ واقعہ بیان کیا، خاکسار حاضر تھا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک عمل اور حدیث کی خدمت

و اشاعت کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (آمین)

والسلام
عبدالحمین منظر

(ماخوذ از کتابچہ: تحریک اہل حدیث اور اس کے فوائد، شائع کردہ منظر اکیڈمی سمرا)



سلفی دعوت کے پانچ اہم اصول

شیخ اشفاق احمد سنابلی

منہج کا معنی و مفہوم، اس کے قواعد اور امتیازی خصوصیات جان لینے کے بعد یہ معرفت حاصل کرنا کہ سلفی منہج کس چیز کی دعوت دیتا ہے اور اس منہج کی دعوت کے اصول و مبادی کیا ہیں؟ نہایت اہم ہے۔ چند اہم امور یہ ہیں:

(۱) فہم سلف کے مطابق کتاب و سنت کی طرف رجوع۔

(۲) توحید اور اخلاص عمل کی دعوت۔

(۳) مسلمانوں کو شرک سے ڈرانا۔

(۴) اتباع کی دعوت اور تقلید سے اجتناب۔

(۵) نفع بخش علم کا حصول۔

مذکورہ بالا پانچوں نکات کی ضروری تفصیل ذیل میں پیش کی جا رہی ہے۔

پہلی بنیاد: فہم سلف کے مطابق کتاب و سنت کی طرف رجوع

اس بنیاد میں دو باتیں ہیں۔ اول: کتاب و سنت کی طرف رجوع اور اس کا فہم۔ ثانی: کتاب و سنت کے رجوع اور فہم میں صحابہ کرام کا منہج اختیار کرنا۔

سلفی دعوت کی یہ اہم ترین اور اصل اساس ہے کہ صحابہ کرام تابعین عظام ائمہ کرام کے فہم کے مطابق کتاب و سنت کی اتباع کی جائے۔ اور ایسا اس وجہ سے ہے کہ عقائد و عبادات اور معاملات دین کے تمام شعبوں میں صحابہ کرام کا اتفاق انہیں دونوں مصادر پر رہا ہے اور یہی مومنین کا راستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا ۗ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ۖ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۗ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (البقرة: ۱۳۴) ”اگر یہ لوگ ایمان لائیں جیسا کہ تم لوگوں نے ایمان قبول کیا ہے تو یہ ہدایت یافتہ ہیں اور اگر وہ منہ موڑیں تو صریح اختلاف میں ہیں“۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ ۖ جَهَنَّمَ ۗ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (النساء: ۱۱۵) ”اور جو شخص ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد بھی رسول سے اختلاف کرے اور تمام مومنین کی راہ چھوڑ کر چلے تو ہم اسے اس راستے پر لگا دیں گے جدر وہ متوجہ ہوگا اور اسے جہنم میں داخل کریں گے اور یہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے“۔

ان دونوں آیتوں سے پتہ چلا کہ ہدایت و نجات صحابہ کرام کے منہج کو لازم پکڑنے میں ہے۔ حدیث میں ان مومنوں کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔

فرمایا: ”فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين بعدى، عَصُوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ“ ”تم میری سنت اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم کر لینا اور اسے مضبوطی سے دانتوں سے پکڑ لینا“۔ (سلسلة الأحاديث الصحيحة للألبانی: ۲۳۳/۶)

اسی طرح مومنین کی جس جماعت کو اللہ کے رسول ﷺ نے خیریت سے متصف کیا ہے وہ صحابہ کرام و تابعین عظام اور تبع تابعین کی جماعت ہے فرمان نبوی ہے: ”خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ“ ”سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر جو لوگ میرے بعد ہیں ان کا زمانہ اور پھر جو لوگ ان کے بعد ہیں ان کا زمانہ“ (صحیح البخاری: ۱۱/۸۲۲)

واضح رہے اس حدیث کا قطعاً یہ مفہوم نہیں اور نہ سلف میں سے کسی نے ایسا کہا ہے کہ اس زمانہ میں پائے گئے تمام لوگوں کا فہم لائق اعتبار ہے۔ نہیں! کیونکہ ہر ایک کو اس بات کا بخوبی علم ہے کہ اس عہد میں بھی بہت سے خواہشات کی پیروی کرنے والے، اہل بدعت اور اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام اور اسلامی تعلیمات کو گزند پہنچانے والے منافقین کا وجود رہا ہے۔ خوارج اور روافض کا وجود اس امر کی زندہ مثال ہے لہذا اس سلسلے میں علامہ سفارینی کا حزم و احتیاط قابل داد ہے: فرماتے ہیں: ”المراد بمذهب السلف ما كان عليه الصحابة الكرام رضوان الله عليهم. وأعيان التابعين لهم باحسان وأتباعهم وأئمة الدين ممن شهد له بالامامة، و عرف عظم شأنه في الدين، وتلقى الناس كلامه خلفاً عن سلف، دون من رعى ببدعة، أو شهر بلقب غير مرضى مثل الخوارج والروافض القدرية والمرجئة والجبرية والجهمية والمعتزلة والكرامية“

”مذہب سلف سے مراد وہ طریقہ ہے جس پر صحابہ کرام، تابعین عظام، اتباع تابعین اور بعد میں آنے والے وہ ائمہ دین گامزن تھے جن کی دینداری اعلیٰ درجہ کو پہنچی ہوئی تھی اور جن کی امامت امت کے نزدیک مسلم ہے اور جن کے اقوال و افعال لوگوں کے نزدیک مقبول ہیں۔ نہ کہ ان لوگوں کا راستہ جو بدعت کے کاموں میں ملوث ہیں لوگوں کے نزدیک ناپسندیدہ القاب سے یاد کئے جاتے ہیں جیسے خوارج، روافض، قدریہ، جبریہ، مرجئیہ، جہمیہ اور معتزلہ وغیرہ۔ (لوامع الانوار البہیة وسواطع الاسرار الاثریة لشرح الدرۃ المہزیة فی عقد الفرقة المہزیة/ السفارینی ۲۰/۱۔ سلفیت کا تعارف ص: ۱۴-۸۱)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”ان ناساً یجادلونکم بشبیہ القرآن، فخذوہم بالسنن، فان اصحاب السنن اعلم بکتاب اللہ تعالیٰ“ ”کچھ لوگ تم سے قرآن کی متشابہ آیات کے ذریعہ جھگڑیں گے تم سنت کے ذریعہ ان کی گرفت کرو کیونکہ سنتوں والے کتاب اللہ کا زیادہ علم رکھنے والے ہوتے ہیں“۔ (الشریعة للآجری: ۱/۱۰۳)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”واذا تأمل اللبیب الفاضل هذه الأمور تبین له ان مذهب السلف والائمة في غاية الاستقامة والسداد والصحة والاطراد وانه مقتضى العقول الصريح والمنقول الصحيح وإن من خالفه كان مع تناقص قوله المختلف الذي يؤفك عنه من افك خارجاً عن موجب العقل والسبع مخالفاً للفطرة والسبع“۔

”ایک عقل مند، دور اندیش اور صحیح سالم انسان جب بدعتی ٹولوں کے اعتقادی اختلافات و اضطرابات اور حیرانی میں غور کرے گا تو اس کے لئے یہ چیز بالکل واضح ہو جائے گی کہ سلف صالحین اور ائمہ دین کا منہج ہی درست اور صحت پر قائم ہے۔ عقل سلیم اور نقل صریح و صحیح کے عین موافق ہے۔ اور جو ان کی مخالفت کرتا ہے وہ سوچنے، سمجھنے اور سننے کی صلاحیت سے محروم ہے“۔ (مجموع الفتاویٰ - لابن تیمیہ: ۵/۲۱۲)

دوسری بنیاد: توحید اور اخلاص عمل کی دعوت

توحید اور عمل میں اخلاص کی دعوت وہ قیمتی سرمایہ ہے جس کی وجہ سے زمین و آسمان قائم ہیں، یہی وہ فطرت سلیمہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا، یہی وہ عظیم دولت ہے جس پر ملت کی بنیاد رکھی گئی، یہی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا وہ پختہ عہد و پیمان اور عظیم حق ہے جو تمام بندوں پر عائد ہے۔ یہی جنت میں داخلہ اور جہنم سے خلاصی کا ذریعہ اور لوگوں کی نیک بختی و بدبختی کا پیمانہ ہے۔ چنانچہ نصوص کے حوالے سے توحید کی اہمیت مسلم ہے جس سے انکار کا کوئی راستہ نہیں۔ تمام رسولوں کو اللہ رب العالمین نے اسی ایک مرکز پر متفق کیا ہے۔ فرمان ربانی ہے: (وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ) ”اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا تا کہ وہ لوگوں کو اس بات کا حکم دیں کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت (کی عبادت) سے بچو“۔ (النحل: ۳۶)۔

اس بنا پر سمجھنے کی بات یہ ہے کہ جس امر یعنی توحید کے لئے انس و جن کی تخلیق ہوئی، جس امر کی وضاحت کے لئے تمام انبیاء و رسل کی بعثت عمل میں آئی اور تمام کتابوں کا نزول ہوا خود قرآن ابتداء تا انتہاء توحید کی دعوت پر مشتمل ہے۔ اسی امر اور توحید کے بارے میں کوئی کسی قسم کی چک روارکتا ہونا ظاہر ہے یہ چک دار وہ منہج محض باطل ہوگا۔ منہج حق وہی ہوگا جو توحید اور اخلاص عمل میں بے لچک ہو۔ اللہ کا ارشاد ہے: (فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا) ”جو اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے“۔ (الکہف: ۱۱۰)

تیسری بنیاد: مسلمانوں کو شرک سے ڈرانا

جس طرح توحید تمام اعمال کی اساس ہے اور اس کی فضیلت اور مرکزیت مسلم ہے اسی طرح شرک کی قباحت اور ہلاکت و خطرناکی بھی ناقابل برداشت ہے۔ شرک توحید کی نقیض اور ضد ہے جو نہ صرف توحید بلکہ تمام نیک اعمال کو برباد کر دیتا ہے اس لئے اہل السنۃ و الجماعۃ نے جب توحید کی دعوت کو اپنا اصل بنایا تو وہیں شرک سے ڈرانے کا بھی لازم تصور کرتے ہوئے اپنی دعوت کے اصول میں بنیادی مقام دیا اور ایسا اس لئے ہے کہ شرک اکبر الکبائر اور ایک ناقابل معافی جرم ہے: اللہ کا فرمان ہے: (إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَهُ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ) ”اللہ تعالیٰ اس بات کو معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے اس کے علاوہ جسے چاہے گا معاف فرمادے گا“ (النساء: ۴۸) (شرک کی مزید خطرناکیاں کتب عقائد میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں)

چوتھی بنیاد: اتباع کی دعوت اور تقلید سے اجتناب

سلف صالحین کی دعوت کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اصل یہ بھی ہے کہ وہ اتباع کی دعوت دیتے ہیں اور تقلید سے روکتے

ہیں۔ اور منہج سلف صالحین کا یہ دعوتی اصول نصوص قرآن و سنت کے عین موافق ہے۔ کیونکہ اتباع کا معنی ہی یہی ہے۔ جیسا کہ امام احمد بن حنبل بیان کرتے ہیں: ”الِاتِّبَاعُ انْ يَتَّبِعَ الرَّجُلُ مَا جَاءَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَعَنِ أَصْحَابِهِ ثُمَّ هُوَ مِنْ بَعْدِ فِي التَّابِعِينَ مَخْبِرٌ“ ”انسان اس چیز کی پیروی کرے جو اللہ کے نبی ﷺ لے کر آئے اور جو صحابہ کرام سے منقول ہے اور ان کے بعد تابعین کے سلسلے میں انسان کو اختیار ہے“ (أضواء البيان في إيضاح القرآن بالقرآن: ۷/ ۳۵۲)۔

بلاشبہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہمیں رسول ﷺ کی اتباع کا حکم دیا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے: (وَمَا أَنْتُمْ إِلَّا خُلُوعٌ وَ مَا تَهْلِكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ) ”اور رسول تمہیں جو کچھ دیں اسے لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے باز آ جاؤ اور اللہ سے ڈرو یقیناً اللہ تعالیٰ سخت سزاؤں والا ہے“۔ (الحشر: ۷)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: ”مہمبا أمر کم به فافعلوه، ومہمبا نہا کم عنہ فاجتنبوه، فانہ انما یامر بخیر أو ینہی عن شر“ ”جس چیز کا اللہ کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے اس کو بجا لاؤ اور جس چیز سے روکا ہے اس سے رک جاؤ کیونکہ آپ ﷺ صرف بھلائی کا حکم دیتے اور برائے سے روکتے ہیں“۔ (تفسیر القرآن العظیم۔ ابن کثیر: ۸/ ۶۷)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ كُلُّ امْتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى قَالَوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَنْ أَبَى قَالَ مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدَأَبَى۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”میری امت کے تمام لوگ جنت میں داخل ہوں گے سوائے اس کے جس نے انکار کیا۔ صحابہ کرام نے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ کون انکار کرتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی تو یقیناً اس نے انکار کیا“۔ (صحیح البخاری: ۲۲/ ۲۳۸)

یہ اور اس طرح کی بے شمار قرآنی آیات و احادیث اس امر کی رہنمائی کرتی ہیں کہ عقائد و اعمال کے تمام مسائل میں رسول ﷺ کی پیروی لازم اور ضروری ہے، زندگی کے تمام شعبوں اور دین کے تمام امور میں طریقہ نبوی کی اتباع کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ لیکن افسوس امت میں جب فتنہ رونما ہوا اور حزبیت اور طائفہ پرستی نے جڑ پکڑی تو شخصیت پرستی شروع ہوئی پھر چوتھی صدی ہجری میں جمود اور کتاب و سنت سے دوری دور کا آیا اور اندھی تقلید یعنی ”کسی کے قول کو دلیل کی معرفت کے بغیر قبول کرنے کا“ رواج عام ہوا۔ (مجموع الفتاویٰ۔ ابن تیمیہ: ۴/ ۱۹۷)۔

لیکن سلف صالحین، اہل السنۃ والجماعۃ نے اسے ہرگز قبول نہیں کیا اور اسی وقت سے لے کر آج تک سلفی منہج نے نصوص کتب و سنت کی روشنی میں تقلید سے اجتناب کرتے ہوئے اتباع کتاب و سنت کی دعوت کو اپنا اصول بنایا۔ چنانچہ عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں: ”لا یقلدن أحد کم دینہ رجلا ان آمن وان کفر کفر فانہ لا أسوة فی الشر“۔ ”خبردار تم میں سے کوئی شخص اپنے دین کے معاملے میں کسی آدمی کی ہرگز تقلید نہ کرے اس طور پر کہ اگر وہ ایمان لاتا ہے تو مومن رہے اور اگر وہ کفر کرتا ہے تو کافر ہو جائے کیونکہ شر میں کسی کو اپنا آئیڈیل نہیں بنایا جاتا ہے“۔ (اعلام الموقعین عن رب العالمین۔ ابن القیم: ۲/ ۱۹۵)

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”ویل للاتباع من عثرات العالم قیل: و کیف ذاک یا ابن العباس؟ قال: یقول

العالم من قبل رأيه ثم يسمع الحديث عن النبي ﷺ فيدع ما كان عليه وفي لفظ: فيلقى من هو أعلم برسول الله صلى الله عليه وسلم منه فيخبره فيرجع ويقضى الاتباع بما حكمه۔ ”عالم کی لغزشوں کی پیروی کرنے والے تابعین کے لئے تباہی ہے ان سے پوچھا گیا یہ کیسے اے ابوالعباس؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ایک عالم اپنی رائے کی بنیاد پر کوئی بات کہتا ہے پھر وہ اللہ کے رسول ﷺ سے کوئی حدیث سنتا ہے اور جو اس کی رائے تھی اسے چھوڑ دیتا ہے۔ اور دوسرے الفاظ میں یوں ہے کہ وہ ایسے شخص سے ملاقات کرتا ہے جو اللہ کے رسول ﷺ کی احادیث کے بارے میں زیادہ جانتا ہے پھر وہ اسے آگاہ کرتا ہے یوں وہ عالم اپنی رائے سے رجوع کر لیتا ہے جب کہ پیروکار اس کے (پچھلے) حکم پر ہی باقی رہتے ہیں۔“ (اعلام الموقعین عن رب العالمین۔ ابن القیم: ۲/۱۹۳)

اجتناب تقلید کے ضمن میں خود ان ائمہ کے اقوال مشعل راہ ہیں جن کی فی زمانہ تقلید ہو رہی ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے: ”لا یحل لاحد ان یقول بقولنا حتی یعلم من این قلناہ۔“ ”کسی کے لئے درست نہیں کہ وہ میرے کسی قول کو اختیار کرے جب تک اسے یہ نہ معلوم ہو کہ اس قول کو ہم نے کہاں سے لیا ہے۔“ (اعلام الموقعین عن رب العالمین۔ ابن القیم: ۲/۲۱۱)

اسی طرح مزید کہتے ہیں: ”اذا صحَّ الحديث فهو مذهبي“ ”جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔“ (سیر أعلام النبلاء: ۱۰/۳۵)

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”انما أنا بشر أخطي وأصيب، فأنظر وافي رأيي، فكلما وافق الكتاب والسنة فخذوا به، وما خالف فاتركوه“ ”میں ایک انسان ہوں مجھ سے غلطی ہوتی ہے اور درستی کو بھی پہنچتا ہوں لہذا میری رائے میں غور و فکر کر لیا کرو جو کتاب و سنت کے موافق ہو اسے لے لو اور جو اس کے مخالف ہو اسے چھوڑ دو۔“ (تاریخ الاسلام۔ للذہبی: ۳/۳۲۹)

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”كل ما قلته فكان من رسول الله صلى الله عليه وسلم خلاف قولي مما صح، فهو أولى، ولا تقلدوني“ ”جو کچھ بھی میں نے کہا ہے اگر اللہ کے نبی ﷺ سے میرے قول کے برخلاف صحیح حدیث ثابت ہے تو نبی کی حدیث اولیٰ ہے۔ میری تقلید نہ کرو۔“ (سیر أعلام النبلاء: ۱۰/۳۳)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”لا تقلدني ولا تقلد مالكا ولا الثوري ولا الاوزاعي وخذ من حيث أخذوا“ ”نہ میری تقلید کرو نہ مالک، شافعی اور اوزاعی اور نہ ثوری کی بلکہ وہیں سے لو جہاں سے ان ائمہ کرام نے اخذ کیا۔“ (أعلام الموقعين عن رب العالمين: لابن القيم: ۲/۲۰۱)

واضح رہے تقلید کے سلسلے میں کچھ شبہات پیش کئے جاتے ہیں سو وہ ہمارا موضوع نہیں البتہ اتنا عرض ہے کہ کسی سے مسئلہ دریافت کرنا، علم حاصل کرنا تقلید سے مختلف چیز ہے لوگ ان باتوں کو گڈ مڈ کر دیتے ہیں۔ اسی طرح کسی عالم کے فتوے پر مطمئن ہو کر عمل کر لینا اور کسی کی تقلید کرنا یہ دونوں دو باتیں ہیں انہیں بھی لوگ مختلط کر دیا کرتے ہیں۔ سو عرض ہے کہ علماء کا احترام ان سے استفادہ ان کے علم سے فیضیاب ہونے کے سلف قائل ہیں اور سلفیت اس پر کاربند ہے۔

پانچویں بنیاد: نفع بخش علم کا حصول

سلفی دعوت کے اصولوں میں سے پانچویں اصل علم نافع کا حصول ہے، حافظ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ اس علم کی تعریف کرتے

ہوئے لکھتے ہیں: ”فالعلم النافع من هذه العلوم كلها ضبط نصوص الكتاب والسنة وفهم معانيها والتقيد في ذلك بالماثور عن الصحابة والتابعين وتابعيهم في معاني القرآن والحديث. وفيما ورد عنهم من الكلام في مسائل الحلال والحرام. والزهد. والرفائق، والمعارف، وغير ذلك والاجتهاد على تمييز صحيحه من سقيبه أولاً، ثم الاجتهاد على الوقوف في معانيه وتفهمه ثانياً“۔

ان تمام علوم میں علم نافع کا معنی ہے کتاب و سنت کے نصوص کو ضبط کرنا ان کے معانی صحابہ، تابعین اور تبع تابعین سے منقول طریقہ پر سمجھنا، اسی طرح سے حلال و حرام اور زہد و رقائق اور معارف میں ان کے کلام کی معرفت حاصل کرنا، اور اول صحیح کو ضعیف سے الگ کرنے کی اہلیت پیدا کرنا۔ ثانیاً ان کے معانی کی آگاہی اور فہم کی کوشش کرنا۔ (فضل علم السلف علی الخلف۔ لابن رجب: ۶/)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”المراد بالعلم العلم الشرعي الذي يفيد معرفة ما يجب على المكلف من امر عباداته ومعاملاته، والعلم بالله وصفاته، وما يجب له من القيام بأمره، وتنزيهه عن النقائص، ومدار ذلك على التفسير والحديث والفقه“۔

”علم سے مراد درحقیقت علم شرعی ہی ہے جس سے مکلف کو اس کے دینی امور اور عبادات و معاملات میں فائدہ حاصل ہو اور اللہ رب العالمین کے اسماء و صفات اور جو چیزیں حکم الہی کی انجام دہی کے لئے ضروری ہیں اسی طرح اللہ کے نقائص سے پاک کرنے کا علم حاصل ہو اور اس علم کا مدار تفسیر، حدیث اور فقہ پر ہے“ (فتح الباری شرح صحیح البخاری۔ ابن حجر: ۱۰/۹۲)

اللہ رب العالمین نے اسی علم کے تعلق سے فرمایا: (شَهَدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ) (آل عمران: ۱۸) ”اللہ تعالیٰ، فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عدل کو قائم رکھنے والا ہے، اس غالب اور حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں“۔

امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”والمراد بآبولى العلم هنا: علماء الكتاب والسنة“ ”اولو العلم سے مراد کتاب و سنت کے علماء ہیں“۔ (فتح القدير۔ للشوکانی: ۱/۴۴۲)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ) ”اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اور علم دئے گئے ہیں ان کے درجات بلند کرے گا“ (المجادلة: ۱۱)

اس آیت کی تفسیر کی جاتی ہے کہ ”قِيلَ فِي تَفْسِيرِهَا: يَرْفَعُ اللَّهُ الْمُؤْمِنَ الْعَالِمَ عَلَى الْمُؤْمِنِ غَيْرِ الْعَالِمِ، وَرَفَعَهُ الدَّرَجَاتِ تَدُلُّ عَلَى الْفَضْلِ، إِذَا مَرَادَ بِهِ كَثْرَةُ الثَّوَابِ، وَبِهَا تَرْتَفَعُ الدَّرَجَاتُ، وَرَفَعْتُهَا تَشْمَلُ الْمَعْنَوِيَّةَ فِي الدُّنْيَا بَعْلُو الْمَنْزِلَةِ وَحُسْنَ الصِّيَةِ، وَالْحَسِيَّةَ فِي الْآخِرَةِ بَعْلُو الْمَنْزِلَةِ فِي الْجَنَّةِ“

”اللہ تعالیٰ نے مومن عالم کو غیر مومن پر بلند کیا ہے اور درجات کی بلندی اس کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس سے مراد ثواب کی کثرت ہے جس کے ذریعہ درجات کو بلند کیا جاتا ہے اور اس کی بلندی کا مطلب دنیا میں بلند مرتبہ اور اچھی شہرت سے پیدا

شدہ معنویت بھی ہے اور آخرت میں جنت کے اندر علو منزلت کے ذریعہ حسی بدلہ بھی ہے“ (فتح الباری شرح صحیح البخاری۔ ابن حجر: ۱/۹۲) صحیحین کی روایت ہے: عن مُعَاوِيَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفْقِهْهُ فِي الدِّينِ۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”اللہ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا فرماتا ہے“۔ (صحیح البخاری: ۱۰/۳۵۸)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں: ”حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے دین میں سمجھ حاصل نہیں کی یعنی دین کے بنیادی اصول و ضوابط نہیں سیکھ سکا جن کے ذریعہ انسان فروغ تک بھی پہنچے تو ایسا انسان بھلائی سے محروم رہ گیا کیونکہ جو انسان اپنے دین کے امور نہیں جانتا ہے وہ فقیہ ہے نہ وہ سمجھ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ لہذا اس کو اس بات سے متصف کرنا درست ہے کہ اس کے ساتھ خیر کا ارادہ نہیں کی ہے۔ اور ایسی صورت میں علماء کی دیگر تمام لوگوں پر فضیلت ظاہر ہے، اور دین میں فقہ حاصل کرنے کی فضیلت دوسرے تمام علوم پر واضح ہے۔“

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ فِيهِ عِلْمًا سَلَكَ اللَّهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَتَّصِعُ أَجْنِحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ وَإِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالْحَيَاتَانِ فِي جَوْفِ الْمَاءِ وَإِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُورَثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا أُمَّمًا وَرَثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحِطِّ وَافِرٍ“

”حصول علم کے راستے پر جو چلتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جنت کے راستوں میں سے کسی راستے پر لگا دیتا ہے، اور فرشتے طالب علم کے لئے اس کے کارناموں سے خوش ہو کر اپنے پروں کو بچھا دیتے ہیں اور عالم کے لئے زمین و آسمان کی تمام مخلوق یہاں تک کہ پانی کی مچھلیاں بھی دعا کرتی ہیں۔ اور ایک عالم کی ایک عابد پر ایسے ہی فضیلت ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کو دیگر تمام ستاروں پر ہے، اور علماء انبیاء کے وارث ہیں، انبیاء نے درہم و دینار کی وراثت نہیں چھوڑی بلکہ علم کی وراثت چھوڑی۔ جس نے علم حاصل کیا اس نے وافر حصہ حاصل کیا“۔ (سنن ابی داؤد: ۱۰/۴۹)

علامہ آجری اپنی کتاب ”اخلاق العلماء“ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: ”فان الله عزوجل، وتقدست أسمائه، اختص من خلقه من أحب، فتفضل عليهم، فعلمهم الكتاب والحكمة وفقههم في الدين، وعلمهم التأويل وفضلهم على سائر المومنين، وذلك في كل زمان وأوان، رفعهم بالعلم وزينهم بالحلم، بهم يعرف الحلال من الحرام، والحق من الباطل، والضرار من النافع، والحسن من القبيح۔ فضلهم عظيم، وفكرهم جليل، ورثة الانبياء، وقررة عين الاولياء، الحيتان في البحار لهم تستغفر، والملائكة بأجنتها لهم تخضع، والعلماء في القيامة بعد الانبياء تشفع، مجالسهم تفيد الحكمة، وباعمالهم ينزجر أهل الغفلة، هم أفضل من العباد، وأعلى درجة من الزهاد، حياتهم غنية، وموتهم مصيبة، يذكرون الغافل، ويعملون الجاهل، لا يتوقع لهم بأئقة، ولا يخاف منهم غائلة..... فهم سراج العباد، ومنار البلاد، وقوام الامة، وينابيع الحكمة، هم غيظ الشيطان، بهم تحيا قلوب أهل الحق، وتموت

قلوب أهل الزيغ، مثلهم في الارض كمثل النجوم في السماء، يهتدي بها في ظلمات البر والبحر، اذا انطبست النجوم تحيروا، واذا أسفر عنها الظلام أبصروا“۔

پاکیزہ ناموں والے اللہ عزوجل بلند و بالانے اپنے بندوں میں سے جسے پسند کیا اسے چن لیا اور انہیں ایمان کی ہدایت دی پھر تمام مومنین میں سے جسے پسند کیا ان پر بڑا فضل کیا اور انہیں کتاب و حکمت سکھائی، دین میں فقہ عطا کی اور تاویل سکھائی اور انہیں تمام مومنین پر فضیلت عطا کی، اور یہ چیز ہر زمان و مکان میں ہوتی رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں علم سے بلند کیا اور عقلمندی و بردباری سے زینت عطا کی، انہیں کے ذریعہ حرام کے مقابلے حلال، باطل کے مقابلے حق، نقصان دہ کے مقابلے نفع بخش اور برے کے مقابلے اچھی شے کی معرفت حاصل ہوتی ہے ان کی بڑی فضیلت ہے اور ان کی فکر بہت عمدہ ہے، وہ انبیاء کے وارث اور اولیاء کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں، مچھلیاں سمندروں میں ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتی ہیں، ملائکہ ان کے لئے اپنے پر بچھاتے ہیں، قیامت کے دن انبیاء کے بعد علماء سفارش کریں گے، ان کی مجلسوں میں حکمت کی باتیں ہوتی ہیں، ان کے اعمال سے غافلوں کو ڈانٹ پڑتی ہے یہ عبادت گزاروں سے افضل اور تارکین دنیا سے درجے میں بلند و برتر ہیں، ان کی زندگی غنیمت اور ان کی موت مصیبت ہے، وہ غافلوں کو تنبیہ کرتے اور گنواروں کو سکھاتے ہیں، ان سے کسی ہلاکت کا اندیشہ نہیں ہوتا ہے اور نہ کسی تباہی کا خوف..... (یہاں تک کہ) وہ بندوں کے لئے چراغ اور قوموں کے لئے روشنی، امت کے لئے توام اور حکمت کے چشمے ہیں وہ شیطان کو مبتلائے غضب کرنے والے ہیں، انہیں کے ذریعہ اہل حق کے دل زندہ اور اہل باطل کے دل مردہ ہوتے ہیں ان کی مثال زمین میں ستاروں کی ہے جس طرح ستاروں سے خشک وتر کی تاریکی میں رہنمائی لی جاتی ہے اسی طرح اہل علم سے زمین میں رہنمائی لی جاتی ہے۔ جب ستارے بے نور ہو جاتے ہیں تو لوگ حیران اور جب اس سے تاریکی ہٹ جاتی ہے تو لوگ دیکھنے لگتے ہیں“۔ (أخلاق العلماء۔ لآ جری: ۱/۱)

چنانچہ علماء سلف صالحین نے حصول علم اور اس کی نشر و اشاعت میں اپنی پوری زندگیاں وقف کر دیں اسلامی تراث اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اور اس بنیاد پر حصول علم کی دعوت کو اپنے دعوتی مناہج کا ایک رکن قرار دے کر لوگوں کو شریعت کا علم حاصل کرنے کی ترغیب دینا سلف صالحین کا خاصہ ہے۔

(ماہنامہ اعتدال ممبئی، مئی/جون ۲۰۱۶ء)



فتنہ انکار حدیث کی سرکوبی میں علماء اہل حدیث کی مساعی جمیلہ

مولانا عبدالعلیم ماہر بستویؒ

اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ شروع ہی سے مقدس مذہب اسلام اپنے خارجی و داخلی فتنوں کی آماجگاہ اور باطل قوتوں کے مظالم کا تخت مشق بنتا رہا، سب سے پہلے کمی زندگی میں قریش مکہ نے اپنی ستم رانیوں کی انتہا کر دی اور طرح طرح کے حربوں سے اسلام کے خلاف حملے کئے پھر مدنی زندگی میں یہی روش منافقین نے اپنائی اور اسلام کے خلاف ریشہ دوانی کرتے رہے آخری دور رسالت میں چند جھوٹے مدعیان نبوت ظاہر ہوئے اور انہوں نے اسلام کو زک پہنچائی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد ارتداد کا فتنہ اٹھا اور بہت بڑی تعداد میں مرتدین اسلام کے خلاف نبرد آزما ہو گئے پھر مانعین زکوٰۃ نے ایک اور فتنہ کھڑا کر دیا پھر رافضیت آگے آئی اور اس نے محبت اہل بیت کا نعرہ لگا کر ان احادیث کا انکار کر دیا جو فضائل خلفائے راشدین و فضائل صحابہ و صحابیات پر مشتمل تھیں پھر ان کے بالمقابل خارجیت کا فتنہ کھڑا ہوا اور انہوں نے بغض اہل بیت میں ان احادیث کا انکار کر دیا جو فضائل اہل بیت پر مشتمل تھیں اس کے بعد یونانی فلسفہ کی یورش اور متکلمین کا گروہ اس کے نتیجے میں وجود پذیر ہوا اور انہوں نے ان احادیث کا انکار کر دیا جو صفات باری تعالیٰ سے متعلق تھیں اور پھر سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد بھی قسم قسم کے باطل افکار و نظریات اسلام سے متصادم ہوتے رہے اور اسلام اور اہل اسلام کی راہوں میں فتنے کھڑے کرتے رہے، قدریہ اور جبریہ نام کے فرقے پیدا ہوئے مرجیہ اور کرامیہ سامنے آئے۔ معطلہ اور مشبہہ نام کے فرقے وجود میں آئے، صوفیاء کا گروہ اپنی تمام تر فتنہ سامانیوں کے ساتھ ظاہر ہوا اور باطنیہ فرقہ اپنے باطل مزعومات کے ساتھ اسلام پر حملہ آور ہوا اور پھر اصحاب بدعت و خرافات اسلام کی شکل و صورت بگاڑنے لگے پھر اہل تقلید نے اسلام میں رنگ آمیزی کی مگر اسلام کے حقیقی حاملین خاموش تماشائی نہیں رہے بلکہ ہر گوشہ جہاں میں اور ہر دور میں اور ہر محاذ پر ان فتنوں کا اور تمام باطل قوتوں کا مردانہ مقابلہ کیا اور حق کی آواز کو بلند کیا اور اس راہ میں جو بھی جانی، مالی، وقتی قربانی کی ضرورت پڑی اس سے دریغ نہیں کیا ہے۔

حضرت امام زہری، حضرت عمر بن عبدالعزیز، حضرت سعید ابن المسیب، حضرت امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام ابن خزمیہ، امام ابن الجوزی، ابواسامعیل انصاری، حافظ عبدالغنی مقدسی، خطیب بغدادی، علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن القیم، امام ذہبی، حافظ ابن کثیر، حافظ ابن حجر وغیرہم کے نام مثال میں پیش کئے جاسکتے ہیں۔

پھر تیرہویں صدی ہجری میں قادیانیت کے فتنے نے سرابھارا یعنی مرزا غلام قادیانی نے اپنی جھوٹی نبوت کا اعلان کر دیا اور اپنے گرد ایک بھیڑا کٹھی کر لی پہلے مولانا محمد حسین بٹالوی نے اس کو لکارا اور اس کے مقابلے میں آئے پھر ان کے بعد شیخ الاسلام علامہ ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اس کو منہ توڑ جواب دیا اور اسے شکست فاش دی، پھر اس کو قبر تک پہنچایا۔

اس کے معاً بعد انکار حدیث کا فتنہ جاگا اور اس نے کئی لباس بدلے اور کئی طرح کی باتیں کیں، ہم اس مقالے میں اسی فتنے کا جائزہ لینا چاہتے ہیں اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان منکرین حدیث نے کس کس طرح مختلف مرحلوں میں مختلف باتیں کی ہیں اور مختلف روپ بدلے اور ہر بار ایک نیا گل کھلایا ہے اور علمائے اہل حدیث میں کس کس نے ان کی گرفت کی ہے اور کس طرح سے ان کی ہفوات اور اوہام و خرافات کا جواب دیا ہے اور ان کے عقائد و افکار کا ابطال کیا ہے۔

علمائے اہل حدیث میں جن جن علماء نے فتنہ انکار حدیث کی سرکوبی کی ہے اور ان کے نتائج و عواقب کی نشاندہی کر کے اس باطل فکر و نظر سے امت کو بچانے کی کوشش کی ہے ان کے نام میرے علم و مطالعے کی حد تک اس طرح ہیں۔

- ۱۔ شیخ الاسلام علامہ ثناء اللہ صاحب امرتسری۔
- ۲۔ شیخ الحدیث علامہ محمد اسماعیل سلفی صاحب گجرانوالہ۔
- ۳۔ امام حریت مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی۔
- ۴۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام صاحب بستوی۔
- ۵۔ خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی جھنڈاگری۔
- ۶۔ نمونہ سلف مولانا محمد داؤد صاحب رازدہلوی۔
- ۷۔ مناظر اسلام مولانا عبدالمبین صاحب منظر۔
- ۸۔ مؤلف الرجیق المختوم مولانا صفی الرحمن صاحب مبارکپوری۔
- ۹۔ مولانا ابوالاقبال صاحب سلفی بریلی۔

سب سے پہلے علامہ گجرانوالہ نے فتنہ انکار حدیث پر نظر ڈالی اور ان کے غلط افکار و نظریات کا جائزہ لیا اور اس کے نتائج و عواقب سے امت مسلمہ کو آگاہ کیا فرماتے ہیں:

”مجھے معلوم ہے کہ کئی سال سے ہمارے ملک میں انکار حدیث کی تحریک چل رہی ہے اور کئی مراحل سے گزری ہے اور اس کے محرکین نے وقت کے تقاضوں کے مطابق کئی لباس بدلے ہیں، میں نے ابتداء میں یہ لٹریچر بطور طالب علم تحقیق کی نظر سے پڑھا، اب مجھے اس تحریک اور اس کے لٹریچر سے نفرت ہے، اس شغل کو اضاعت وقت سمجھتا ہوں، صلوة القرآن، بیان القرآن، طلوع اسلام یہ اس تحریک کی بیچارگی کے مختلف مراحل ہیں۔ اس تحریک کی قیادت کے عمل و فکر کا حاصل یہ ہے کہ وہ قرآن کو مفصل کہنے کے باوجود مجمل اور قابل تشریح و تفسیر سمجھتے ہیں اور قرآن کی تفسیر و تشریح کے لئے لٹریچر شائع کرتے ہیں، جس کا مطلب ظاہر ہے کہ قرآن عزیز کو ان حضرات کی تشریح کی ضرورت ہے، ان کے یہاں اس تشریح کو قبول کرنا گویا قرآن کو ماننا اور قبول کرنا ہے۔ مگر اگر آنحضرت ﷺ یا ان کے رفقاء کرام قرآن کے مقاصد کو بیان کریں، تو اسے یہ حضرات نہ قبول کرتے ہیں نہ اس کی ضرورت سمجھتے ہیں بلکہ قطعاً ناپسند کرتے ہیں، کوئی حدیث سمجھ میں نہ آئے مگر اس کا انکار کر دینا سمجھ میں آتا ہے، ائمہ حدیث نے جن احادیث کو اپنے معیار پر نہیں پایا

ان کا انکار کر دیا یا ان کو موضوع فرما دیا لیکن چند احادیث سمجھ میں نہ آئیں تو پورے ذخیرہ اور فن کا انکار بالکل سمجھ میں آتا، عقل کو اس پر حیرت ہوتی ہے۔ (تحریک آزادی فکر صفحہ: ۱۴)

علامہ موصوف نے بڑی وضاحت کے ساتھ منکرین حدیث کے افکار و خیالات کو اور اس کے فساد و بطلان کو نمایاں کر دیا ہے اور ان کی کج فکری اس طرح ظاہر کی ہے، اللہ کے رسول اور ان کے صحابہ کرام اگر قرآن کی تشریح و تفسیر کریں تو ان حضرات کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے۔ اور اگر یہ لوگ خود تفسیر و توضیح کریں تو یہی مطلوب قرآن ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ کس قدر بدبختی اور حرمان نصیبی ہے کہ رسول اور صحابہ کی توضیح تو ضلالت ہے اور ان کی تفسیر و تشریح عین ہدایت ہے۔

”انکار حدیث کے نظریہ کی عمر تقریباً ستر سال ہوگی جس کی ابتداء مولوی عبداللہ چکڑالوی، مولوی حشمت علی لاہور، مولوی رمضان صاحب گجرانوالہ، رشید الدولہ صاحب گجرات منکرین حدیث ملتان ڈیرہ غازی خاں وغیرہ نے کی اور حدیث اور ائمہ حدیث کے اصول پر کڑی تنقید کی ہیں۔“ (حجیت حدیث: صفحہ ۳۹)

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۶۲ پر اسی سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”پچاس سال کے بعد کچھ کلرک ریٹائر ہوئے کچھ یورپ زدہ حضرات احادیث کی تشریحات سے تنگ آئے ہوئے تھے، جنہیں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور قربانی وغیرہ مسائل کسی طرح پسند نہ تھے، انہوں نے نظریہ تو مولوی عبداللہ سے مستعار لیا، لیکن اپنے سابقہ تجربے سے فائدہ اٹھا کر نماز، روزہ ارکان اسلام کو کچھ غیر ضروری سمجھ کر نظر انداز کر دیا اور فرمایا یہ سب وقتی احکام تھے جو اس وقت امت کو دیئے گئے تھے۔ اب دنیا بہت آگے نکل چکی ہے وقت کے تقاضے بدل چکے ہیں، یہ نماز، وضو، روزے، عبادات پرانا فرسودہ فلسفہ ہے، اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں زندگی کی دوڑ میں یورپ سے آگے نکلنا ہے اسی لئے اب عورت کو برقع اتار پھینکنا چاہیے، اسے حق ملنا چاہیے کہ وہ سرحفل اپنے حسن کی نمائش کرے، کلب میں دوستوں سے ملے، مرد کو خواہ مخواہ اس پر بدگمان نہیں ہونا چاہیے ہر ایک کو اپنی خواہشات پورا کرنے کا حق ہے یہ پابندیاں اور ستر، شرم و حیا یہ حدیثوں نے دین میں شامل کی ہیں اب قرآن کے الفاظ یا ترجمہ کی ضرورت نہیں اب صرف مفہوم اور مقصد سمجھنا چاہیے اور قرآن اور اسلام کو نئے تقاضوں اور زندگی کی جدید راہوں سے ہم آہنگ ہونا چاہیے اگر یہ کشادگی اسلام میں پیدا نہ کی جاسکی تو زندگی آگے نکل جائے گی اسلام پیچھے رہ جائے گا اس لئے قرآن کی تشریح وقت کے مطابق ہونی چاہیے۔“

علامہ موصوف کی اس تحریر میں منکرین حدیث کا چہرہ بھی نظر آ گیا اور یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ انکار حدیث کا یہ خطرناک نظریہ پھیلانے میں کون سے مقاصد کارفرما ہیں دراصل اسلام کے وسیع ترین مفادات اور اس کی حقیقی تعلیمات ان کے ذہن سے اوجھل ہیں اور یہ جہالت اور لاعلمی سے دوچار ہیں اس لئے حقیقی اسلام سے اپنا دامن چھڑانا چاہتے ہیں اور اسلام کو دنیا کے سامنے ایک نئے انداز میں پیش کرنا چاہتے ہیں جو کسی طرح بھی حقیقی اسلام کا مطلوب نہیں ہے۔

یہ کس قدر افسوسناک اور تشویشناک پہلو ہے کہ جو اسلام دنیا میں اوہام و خرافات کو مٹانے آیا تھا آج انہیں اوہام و خرافات سے یہ

لوگ اسلام کو مٹانا چاہتے ہیں اور اس کی حسین شکل و صورت کو مسخ کرنا چاہتے ہیں اور جو اسلام دنیا والوں کے لئے رحمت اور نعمت بن کر آیا تھا آج یہ لوگ اس کو لعنت اور عذاب بنا رہے ہیں۔ برین عقل و دانش بباہر گریست۔

اسی بات کو اور واضح انداز میں پیش کرتے ہوئے خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف صاحب جھنڈا نگری نے اپنی مشہور معروف کتاب ”صیانتہ الحدیث: ج-۱“ میں فرماتے ہیں:

صیانتہ الحدیث جیسے اہم موضوع پر مجھے کچھ بھی لکھنے کا خیال نہ تھا لیکن منکر حدیث برق جیلانی ”دو اسلام“ لکھ کر عام مسلمانوں میں حدیث نبوی سے متعلق شکوک و شبہات کا ماحول اور عصر حاضر کے ناواقف و بے خبر مسلمانوں میں یہ تصور پیدا کر رہا تھا کہ حدیثیں اس لئے مستند نہیں کہ وہ دو ڈھائی صدی گزر جانے کے بعد لکھی گئی ہیں، اس لئے عہد رسالت سے اس طویل زمانہ تک حدیثوں کے بعینہ محفوظ رہ جانے کی کوئی واقعی ضمانت موجود نہیں ہے۔“ (کتاب مذکورہ: ص ۵)

اسی بات کو اور واضح انداز میں پیش کرتے ہوئے مولانا موصوف آگے فرماتے ہیں:

”منکرین حدیث نے احادیث کے خلاف طرح طرح کے مغالطات و شبہات پیدا کرنے کی ایک مہم چلا رکھی ہے اگر یہ لوگ اپنے وساوس و شکوک کو لکھ کر ان کے صحیح جوابات کے بعد قانع اور خاموش ہو جاتے ہیں تو ہمیں بھی کچھ لکھنے کی ضرورت نہ ہوتی لیکن یہ کس قدر مقام افسوس ہے کہ علمی انداز کے جوابات کے بعد بھی اور ہر طرح کی تسلی و تشفی بخش دلائل کے باوجود انہیں اعتراضات و شبہات کو بلا ذکر دلائل و جوابات اعادہ کرتے رہتے ہیں ان کے جس قدر بھی شکوک ہیں ہر ایک کا بار بار جواب دیا جا چکا ہے مگر ان کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی تشکیک و تلبیس و تلبیس کے حربوں سے بار بار کام لے رہے ہیں۔ مثلاً:

- ۱۔ کبھی کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے احادیث کا لکھنا منع فرما دیا تھا۔
- ۲۔ کبھی کہتے ہیں کہ احادیث میں تحریف واقع ہو گئی تھی حدیہ کہ صحابہ کرام تک مشاجرات و فتن میں اس سے محفوظ نہ تھے۔
- ۳۔ کبھی کہتے ہیں کہ صحابہ نے احادیث کے دفاتر کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر جلا دیا تھا اور وہ احادیث بیان کرنے والوں کو سزائے تازیانہ دیتے تھے۔

۴۔ کبھی لکھتے ہیں احادیث ڈھائی تین صدی کے بعد لکھی گئی ہیں تو اس وقت تک کوئی حدیث نبوی کس طرح محفوظ رہ سکتی ہے۔

۵۔ کبھی کہتے ہیں قرآن کے ہوتے ہوئے احادیث کی کیا ضرورت ہے قرآن تو خود مکمل کتاب ہے۔

۶۔ کبھی کہتے ہیں کہ احادیث باہم سخت متعارض ہیں اور ان میں باہم تصادم ہے اس لئے احادیث ناقابل اعتبار ہیں۔

۷۔ کبھی عالم بدحواسی میں یوں لکھتے ہیں کہ ہم صرف انہیں حدیثوں کو قبول کریں گے جو قرآن کے موافق ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی تشریح و توضیح و تحدید و تعیین سے متعلق اور تحلیل و تحریم و اضافات سے متعلق جو حدیثیں ہیں وہ سب ناقابل قبول

ہیں وغیرہ وغیرہ“ مولانا موصوف آگے فرماتے ہیں:

”میں نے اپنی ناچیز تالیف میں ان کے انہیں تمام باتوں کا جواب دینا اپنے ذمہ لیا ہے اور کافی بسط و بحث سے یہ ثابت کیا ہے کہ نہی کتابت کی احادیث عارضی تھیں بعد میں نبی کریم ﷺ نے اس کی اجازت صراحتاً فرمائی ہے، اس طرح اس میں تحریف صحابہ کا بھی مدلل جواب دیا گیا ہے، اسی طرح صحابہ، تبع تابعین، ائمہ دین کے ان واقعات و تاریخی حالات کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے جن میں ان کے احادیث کے یاد کرنے اور لکھتے رہنے اور درس حدیث و تبلیغ حدیث میں مشغول رہنے کی مساعی کا بیان ہے، اسی طرح اس الزام مالا یلزم کا بھی جواب دی ہے کہ احادیث دو ڈھائی صدی کے بعد کی نو ایجاد چیز ہے پھر احادیث کے جلانے جانے کے غلط فسانہ کی بھی تردید کی گئی ہے اسی طرح واضح طور پر اس کا بطلان بھی کی ہے کہ قرآن کے ہوتے ہوئے احادیث کی ضرورت کیا ہے، ساتھ ہی کتاب و سنت کا باہمی تعلق و وضاحت سے بتلایا گیا ہے پھر منکرین حدیث کے اس الزام کا بھی جواب ہے کہ احادیث باہم متعارض و متضاد ہیں چونکہ انکار حدیث کے سبب ان کو حدیث سے عناد ہے اس لئے ان کو حدیث کی معرفت و بصیرت ہی حاصل نہیں نہ اہل علم و شیوخ حدیث سے ان کے مذاکرات اور نہ فہم و انصاف کے ساتھ مطالعہ، اس لئے فہم حدیث کے راستے ان کے لئے ہموار نہیں۔“ (ص: ۲۵ تا ۲۷ کتاب مذکورہ)

مولانا جنڈانگری رحمۃ اللہ علیہ کی اس عظیم تالیف صیانت الحدیث کے اس طویل اقتباس سے آپ حضرات نے یہ اندازہ لگا لیا ہوگا کہ منکرین حدیث نے انکار احادیث کے لئے کس طرح سے من گھڑت افسانے اور پرفریب حیلے و بہانے تراشے ہیں اور امت مسلمہ کو ضلالت و گمراہی اور شکوک و شبہات کے عمیق غار میں ڈھکیلنے کی سازش کی ہے اور بات صرف حیلے و بہانے و شکوک و شبہات تک نہیں رہتی ہے بلکہ دو قدم آگے بڑھ کر محدثین کرام کے لئے ایک ایسا شرمناک اور بدبودار انکشاف کیا ہے کہ ”ناطقاں سر بگریباں کہ اسے کیا کہئے“ اس دل آزار انکشاف کی تفصیل شیخ الحدیث مولانا گجرانوالہ کی تحریر سے ملاحظہ فرمائیں مولانا لکھتے ہیں کہ:

”تاریخ سازی کا یہ انکشاف صرف ادارہ طلوع اسلام اور مولانا جے راج پوری کے حصہ میں آیا ہے، ان حضرات کا خیال ہے کہ ائمہ حدیث میں چونکہ کافی تعداد اہل فارس کی ہے، فارسی حکومت چونکہ پہلی صدی ہی میں ختم ہو چکی تھی، یزدجرد کی موت کے بعد فارسی اقتدار ہمیشہ کے لئے دم توڑ گیا، منکرین حدیث کا خیال ہے کہ ائمہ حدیث نے فارسی حکومت کے بقیۃ السلف کے ساتھ مل کر اسلام کی تخریب کے لئے سازش کی اور احادیث کے یہ طویل و عریض و فاتر، رجال کا یہ علمی اور تاریخی ذخیرہ، اصول حدیث کے یہ عقلی اور لغوی قواعد، یہ سب اس شکست کا نتیجہ ہیں جو فارسی حکومت کے افراد و علماء کی سازش سے وجود میں آئی اور اسی سے اسلام میں تخریب کی راہ پیدا ہوئی، چند سال سے اس تہمت کو بے حد ہوا دی جا رہی ہے، فتح فارس کی وجہ سے آج کا بے خبر ذہن اسے قبول بھی کر رہا ہے، میں اس پر ذرا تفصیل سے تبصرہ کرنا چاہتا ہوں، میں اس پوری داستان کو محض افسانہ اور افترا سمجھتا ہوں میری دانست میں یہ محض وہم ہے اس کے لئے کوئی دلیل نہیں بلکہ جو حضرات اس سازش کا پروپیگنڈہ کر رہے ہیں وہ خود کسی کی سازش کا شکار ہیں۔“ (حجیت حدیث: ص ۳۹)

مولانا موصوف کی یہ آخری بات صرف دعویٰ نہیں بلکہ حقیقت اور امر واقعہ ہے جیسا کہ بعض شواہد و دلائل سے پتہ چلتا ہے کہ اس گندی تخریب کاری کے لئے انگریزی بہادر اور عیسائی مشنریاں اس کی پشت پناہی کر رہی ہیں اور روپیہ کا لالچ دے کر ان بدکردار

لوگوں کو اسلام کی تخریب کاری کے لئے استعمال کر رہی ہیں، اور بھولے بھالے اور سادہ لوح مسلمانوں کو راہ حق سے منحرف کرنے کے لئے اسلام کو عملی اور اعتقادی اعتبار سے کمزور اور بے وزن کرنے کی سازش کر رہی ہیں۔

علماء فارس کی اس سازش کے انکشاف پر مولانا گجرانوالہ رحمۃ اللہ کا مفصل تبصرہ فرمائیں مولانا فرماتے ہیں: ”کہ تعجب ہوتا ہے کہ ادارہ طلوع اسلام اور جناب اسلم جے راج پوری نے سازش کے جراثیم کو کون سی عینک سے دیکھ لیا، تاریخ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی عدل گستری اور انصاف پسندی کی وجہ سے فارس کے لوگ بالکل مطمئن ہو گئے ہیں اس لئے انہوں نے سیاست کا میدان چھوڑ کر فاتحین کی علم دوستی کے اثرات سے فارس کے ذہین لوگ فوراً علم کی طرف متوجہ ہو گئے، اس راہ میں انہوں نے آخرت کی سر بلندیوں کے علاوہ علمی دنیا میں بہت بڑا نام پیدا کیا اور حکومت کے خلاف سازش کا ان کی زبان پر کبھی نام تک نہیں آیا، یہ سازش کا پورا کیس مولانا جیراج پوری کے کا شانہ اور ادارہ طلوع اسلام کے دفتر میں تیار ہوا، واقعات کی روشنی میں اسے ثابت کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے، سازش کی یہ عجیب قسم ہے کہ سازشیوں نے فاتحین کا مذہب قبول کیا پھر ان کے علوم کی قدر خدمت کی کہ فاتحین اپنے علوم کی حفاظت سے بے فکری اور کلی طور پر مطمئن ہو گئے، پھر سازشیوں کا یہ پورا گروہ مختلف، عجمی ممالک سے ہزاروں میل سفر طے کر کے مدینہ منورہ پہنچ کر امام مالک کی خدمت میں تحصیل علم کے لئے پیش ہوتا ہے اور کوئی نہیں سوچتا کہ ان کا شیخ عرب ہے اور یہ عجمی النسل لوگوں کی پوری سازش کا راز فاش نہ کر دے، عرب استاذ کے عجمی شاگرد مدتوں استفادہ کرتے ہیں اور انہیں علوم کا درس دیا جاتا ہے ساتھی ساتھی پر جرح کرتا ہے، ایک دوسرے کی کمزوریوں کے کھلے بندوں تذکرے ہوتے ہیں، عرب محدث عجمی علماء پر تنقید کرتے ہیں، عجمی اہل عرب کے نقائص کی نشاندہی کرتے ہیں لیکن اس سازش کا سراغ جس کے اختراع کا سہرا طلوع اسلام کے دفتر کے سر ہے نہ کسی عرب کو لگانہ کسی عجمی کو نہ استاد نے اسے محسوس کیا نہ شاگردوں نے ساتھی نے، پھر تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ فارس کی فتح پہلی صدی کے اوائل میں ہوئی اور سازش کا منصوبہ تیسری صدی میں بنایا تقریباً پورے دو سو سال بے وقوف اہل فارس آرام کی نیند سوتے رہے یعنی جب شکست کا درد اور کوفت تازہ تھی اس وقت تو فارسیوں کو کوئی احساس نہ ہوا لیکن تین سو سال کے بعد درد کی بے قراریاں انگڑائیاں لینے لگیں اور فارسی سازشوں نے بخاری مسلم اور کتب صحاح کی صورت اختیار کر لی فیہا للعقول وادبا جہا۔ پھر اتنی بڑی سازش جس نے پوری اسلامی اور تعلیمی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، اسے کوئی نہ جان سکا، دنیا کے مسلم اور غیر مسلم مورخوں کی آنکھیں بیکار ہو گئیں، قلم ٹوٹ گئے اور زبانیں گنگ، ان کی ضخیم کتابیں اس عظیم الشان سازش کے تذکرہ سے یکسر خالی ہیں، یہ راز سب سے پہلے یورپ کے ملحد مکتشفین پر کھلا اور اس کے بعد دفتر طلوع اسلام کے در یوزہ گروں نے کچھ ہڈیاں مستعار لے لیں۔ ”فویل لہم ہما کسبت ایدیہم وویل لہم ہمایکسبون“ (حجیت حدیث ص: ۴۲/۴۴)

پھر اس عجیب و غریب سازش کا مولانا صغنی الرحمن صاحب مبارک پوری نے بڑی گہرائی سے اور ایک نئے زاویے سے جائزہ لیا ہے، ملاحظہ فرماتے ہیں:

”اس ’ایرانی سازش‘ کا ایک اور پہلو بھی خاص دلچسپ ہے اس سازشی ٹولے کی جمع کی ہوئی کتب احادیث میں ایسی احادیث

بھی ہیں جن میں قبیلوں، قوموں اور ملکوں کے فضائل و مناقب یا خرابیاں اور کمزوریاں بھی بیان کی گئی ہیں اس قسم کی احادیث میں حجاز کو دین کی پناہ گاہ کہا گیا ہے۔ (بخاری، مسلم وغیرہ) یمن کو ایمان و حکمت کا مرکز قرار دی ہے (بخاری، مسلم وغیرہ) شام کو اسلام کی چوٹی کی شخصیتوں کا مرکز، اللہ کی منتخب کی ہوئی زمین اور اسلام کا مستحکم قلعہ کہا گیا ہے اور اس کے لئے دعائیں کی گئی ہیں۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، مسند احمد) لیکن جانتے ہیں مشرق کو عموماً اور ایرانیوں کے مرکز اقتدار (عراق) کو خصوصاً احادیث میں کیا مقام عطا ہوا ہے؟ اسے فتنہ و فساد کا مرکز اور اجڈوں اور اکھڑوں کا مسکن قرار دیا گیا ہے، اس پر قدرتی آفات اور تباہیوں کی آمد کی پیشین گوئی کی گئی ہے اور اسے ابلیس کی قضائے حاجت کا مقام بتلایا گیا ہے۔ (بخاری، طبرانی وغیرہ) اگر ایک آدھ حدیث میں اہل ایران سے متعلق کوئی فضیلت آ بھی گئی ہے تو صرف چند افراد کے لئے رجال من ہولاء۔

بتلائے! آخر یہ کیسے بدھو قسم کے سازشی لوگ تھے کہ سارے فضائل و کمالات تو عطا کر دیئے اپنے دشمنوں کو اور ساری پستی اور خرابی منتخب کر لی اپنے لئے اور اپنے آقاؤں کے لئے، کیا سازش اسی طرح کی جاتی ہے اور کیا ایسی ہی الٹی سیدھی تدبیروں سے سیاسی بالادستی حاصل ہوتی ہے؟ (انکار حدیث حق یا باطل: ص: ۲۸-۲۹)

مولانا گجرانوالہ اور مولانا صفی الرحمن صاحب مبارکپوری کے اقتباسات سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ منکرین حدیث کا محدثین کے پاکباز گروہ پر سازش کا بے بنیاد الزام ایک من گھڑت افسانہ اور اسلام کی حقیقی تعلیمات اور اسکے عقائد و ایمان پر ایک جارحانہ حملہ کے سوا کچھ نہیں ہے، وہ محدثین عظام جن کی زندگی کا بیشتر حصہ درس حدیث، کتابت حدیث اور اشاعت حدیث میں گزرا ہے جنہوں نے حدیث کی تلاش و تفحص میں سینکڑوں اور ہزاروں میل کا سفر کیا اور اس راہ میں بے شمار اذیتیں اور صعوبتیں برداشت کیں، اپنی پوری زندگی قرآن و حدیث کی تعلیمات کے مطابق گزار دی، ان کا دل خشیت الہی سے لبریز تھا، تقویٰ و اخلاص و للہیت کے پیکر تھے، عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے، سچائی، راستبازی، حق گوئی اور بے باکی کے جوہر سے سرفراز تھے، مہمان نواز تھے، مساکین و یتامی کے مسیحا تھے غرضیکہ ان تمام خوبیوں اور کمالات کے مرقع تھے، اسلامی تعلیمات جن کا متقاضی تھا، ایسے پاکباز لوگ اسلام کے خلاف سازش کریں اور اسلام کی شکل و صورت بدل ڈالیں، کوئی بھی ذی ہوش انسان اس کو تسلیم نہیں کر سکتا، پھر ایک اور ناحیہ سے غور کیجئے کہ اگر یہ سب کچھ یعنی خدمات حدیث سازش کے طور پر انجام پار ہی تھیں تو پھر ان کی حقیقی زندگی اسلامی تعلیمات کے برعکس ہونی چاہیے اور ان کی نجی زندگی میں اسلامی تعلیمات کا شائبہ تک نہیں ہونا چاہیے مگر آپ نے دیکھا کہ ان کی حقیقی اور نجی زندگی کس قدر پاکیزہ اور اسلامی احکام و مسائل اور اس کی تعلیمات کے عین مطابق تھی بلکہ اس سے بڑھ کر فضائل اور اعلیٰ اخلاق کی بلندیوں پر سرفراز تھے۔ فتدبروا یا اولی الابصار۔

منکرین حدیث کے گروہ کو تین دھڑوں میں بانٹا جا سکتا ہے:

۱۔ وہ لوگ جو بالکل یہ تمام احادیث کا انکار کرتے ہیں، اسی گروہ کا سرغنہ مولوی عبداللہ چکڑالوی ہے جو لوگ اس کے ساتھ ہیں وہ مولوی حشمت علی لاہور، مولوی رمضان گجرانوالہ، رشید الدولہ گجرات، مولوی رفیع الدین ملتان، غلام جیلانی برق، اسلم جے راج پوری

اور تمنا عمادی، نیاز فتح پوری اور غلام احمد پرویز وغیرہ وغیرہ ہیں۔

۲۔ وہ لوگ ہیں جو بالکل یہ تمام احادیث کا انکار نہیں کرتے بلکہ جزئی طور پر بعض احادیث کا انکار کرتے ہیں اس گروہ میں خوارج، روافض، معتزلہ اور جہمیہ کے علاوہ قاضی عیسیٰ بن ابان اور قاضی ابوزید مولوی چراغ علی اور سرسید وغیرہ ہیں۔

۳۔ یہ لوگ احادیث کا انکار تو نہیں کرتے ہیں لیکن ان کی باتوں سے احادیث کا استخفاف ہوتا ہے اور ان کے انداز فکر سے انکار حدیث کے چور دروازے کھل سکتے ہیں اس گروہ میں مولانا شبلی، مولانا حمید الدین فراہی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی وغیرہ ہیں۔

ان منکرین حدیث میں ایک نام غلام جیلانی برق کا ہے جو اپنی دریدہ دہنی اور حدیث دشمنی میں بہت آگے ہے، اس نے ایک بہت ہی زہریلی اور دل آزار کتاب لکھی ہے جس کا نام ”دو اسلام“ ہے جماعت اہل حدیث کے ایک معتبر اور مستند عالم جناب مولانا محمد داؤد صاحب راز نے اس کی ہفوات اور اعتراضات کا بروقت معقول اور دندان شکن جواب ”خالص اسلام“ لکھ کر دیا ہے، مولانا راز صاحب مرحوم نے بڑی ہوشمندی اور بالغ نظری کے ساتھ برقی فتنہ کا مسکت اور منہ توڑ جواب دیا ہے، جی تو چاہتا ہے کہ تفصیل کے ساتھ کتاب کے محتویات کو پیش کر دوں اور مولانا موصوف کی مضبوط گرفتوں اور معقول جوابوں کو جو اس کی ہفوات کی رد میں لکھی گئیں ہیں جو الہ قرطاس کروں مگر یہ مختصر سا مقالہ اس تفصیل کا متحمل نہیں ہے اس لئے ”مشتہ نمونہ از خردارے“ کے طور پر صرف ایک بحث کو ذکر کر رہا ہوں جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ مولانا نے اس دشمن اسلام اور دشمن حدیث کی پرفریب اور من گھڑت باتوں کا کس قدر دندان شکن جواب دیا ہے، مولانا لکھتے ہیں:

”برق صاحب فرماتے ہیں کہ حدیث میں تحریف کی اولین وجہ یہ ہوئی کہ جناب نبی کریم ﷺ نے خود اپنی احادیث کو لکھنے سے منع فرما دیا تھا“ (دو اسلام: ص ۲۷)

”برق صاحب کو اس دعویٰ پر کوئی دلیل بھی پیش کرنی ضروری تھی، شکر ہے کہ آپ نے اپنے اس دعویٰ کے اثبات میں اپنی تردید کرنے کے لئے خود ایک عدد ”حدیث“ ہی پیش فرمادی ہے اور ”عملاً“ اپنے دعویٰ کو خود جھٹلا کر ثابت کر دیا ہے کہ ایسی احادیث بھی موجود ہیں جن میں تحریف نہیں ہوئی اور ان سے آج ”استشہاد“ کیا جاسکتا ہے۔ لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا برق صاحب کے طرز عمل پر قدرتاً مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہو جاتے ہیں امید ہے کہ اب کوئی اور ”نیا اسلام“ تصنیف کرتے وقت برق صاحب کے ان سوالات کو حل کرنے کی تکلیف فرمائیں گے۔

۱۔ جب بقول آپ کے سب احادیث محرف ہو کر درجہ اعتبار سے ساقط ہو گئیں ہیں تو آپ کو کیا حق ہے کہ آپ اپنے نظریہ کے اثبات کے لئے ایک عدد حدیث ہی پیش فرمائیں۔

۲۔ جب کلیہ جملہ احادیث محرف ہو کر ساقط الاعتبار ہو چکی ہیں تو یہ غیر محرف روایت آپ کو کہاں سے دستیاب ہو گئی، جس کو آپ اپنے مقصد کے لئے استعمال فرما کر عملاً اب حدیث کی تصدیق فرما رہے ہیں۔

۳۔ جب رسول علیہ السلام نے مطلقاً کتابت حدیث سے بقول آپ کے منع فرمادیا تھا تو یہ حدیث قید کتابت میں آکر کس طرح آج تک باقی رہ گئی اس حالت میں یہ قابل استشہاد ہے۔

”حضرت برق جب تک ان سوالات کو حل نہ کر دیں ان کو حق نہیں ہے کہ وہ اپنے غلط مزعمومات کے اثبات کے لئے احادیث و روایات سے کام لیں ورنہ کہا جائے گا کہ برق ان لوگوں میں سے ہیں جن کی عادت میں داخل ہے ”میٹھا میٹھا ہڑپ اور کڑوا کڑوا تھو“ برق صاحب ”منکر مے بودن وہم رنگ مستان زیستن کا خردنداں نیست“ شراب سے منکر ہونا اور شرابیوں کی سی زندگی گزارنا عقلمندوں کا کام نہیں ہے“۔ (خالص اسلام: ص: ۲۰-۲۱)

منکرین حدیث کے مغالطات و شبہات کے جواب میں شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام صاحب بستوی نے بھی فضائل حدیث کے نام سے ایک عظیم ترین کتاب تصنیف فرمائی ہے، جس میں حجیت حدیث، تدوین حدیث اور کتابت حدیث کے سلسلہ میں صحابہ کرام، تابعین عظام، تبع تابعین اور ائمہ محدثین کی خدمات حدیث کو بڑی تفصیل سے ذکر کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ احادیث نبوی کا انکار سراسر ضلالت اور گمراہی ہے اور جو لوگ اس کے پس پشت ہیں وہ لوگ دراصل اسلام کے دشمن ہیں اور اسلام کی حقیقی شکل و صورت کو مسخ کر کے اسلام کو بدنام کرنا چاہتے ہیں۔

اسی طرح سے مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی، مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی اور مولانا ابوالاقبال صاحب سلفی نے اپنی اپنی کتابوں میں اس حقیقت کا انکشاف کیا ہے ان منکرین حدیث نے انکار حدیث کا جو فتنہ تصنیف کیا ہے یہ دراصل عیسائی مشنریوں کے ایماء پر کیا ہے اور انہیں کے سر میں سر ملا کر بھولے بھالے اور سادہ مسلمانوں کے ایمان و عقیدہ کو بگاڑنے کی ناروا کوشش کی ہے۔

اب آخر میں تھوڑا سا تذکرہ مشکلکین حدیث کا بھی ہو جائے کیوں کہ یہ لوگ بھی کسی نہ کسی درجہ میں ہمارے موضوع کا حصہ ہیں تو جب کہ معلوم ہے کہ کچھ لوگ احادیث کا انکار تو نہیں کرتے ہیں لیکن ان کی تحریروں سے انکار حدیث کے چور دروازے کھلتے ہیں اور ان سے منکرین حدیث کو تقویت ملتی ہے، ان مشکلکین میں نمایاں نام مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کا ہے جنہوں نے اپنی کتاب تفہیمات میں ”مسلك اعتدال“ کے نام سے کچھ باتیں پیش کی ہیں جس میں احادیث پاک اور محدثین کرام کی تحریف کی ہے اور ان کی قدر و منزلت کسی حد تک گھٹا کر پیش کیا ہے، اور یہ بات ثابت کیا ہے کہ حدیثیں بالکل اعتماد کے قابل نہیں ہیں اور جن اعمال کو سنت سمجھ کر ادا کیا جا رہا ہے اس پر اصرار کرنا نہ صرف بدعت ہے بلکہ منشاء نبوی کے خلاف ہے۔

مناظر اسلام مولانا عبدالعزیز صاحب منظر رحمۃ اللہ نے مودودی صاحب کے مسلك اعتدال والے حصہ پر ناقداً نظر ڈالی ہے اور تفصیل سے اس پر بحث کی ہے مگر میں بہت اختصار سے اس کا کچھ حصہ پیش کر رہا ہوں۔ مولانا فرماتے ہیں:

”مولانا مودودی نے اپنے رسالہ تفہیمات میں ایک حصہ مسلك اعتدال کے نام سے شائع فرمایا ہے، جس میں انہوں نے جملہ احادیث نبویہ پر بلا استثنائے صحیح و ضعیف بے اعتمادی کی راہ پیدا کر دی ہے اور حدیث کے رد و قبول کا معیار ذوق مجتہد قرار دے کر ہر مذہب والے کے لئے راستہ وسیع کر دیا ہے کہ جس حدیث کو چاہیں قبول کریں اور جس کو چاہیں ردی کے ٹوکے میں ڈال دیں اس

بدترین اور گمراہ کن نظریہ کی تردید میں سب سے پہلے جماعت اہل حدیث کے سردار شیخ الاسلام حضرت علامہ ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ نے ایک رسالہ بنام ”خطاب بمودودی“ شائع فرمایا تھا جسے گو علامہ مودودی کے فلسفہ سکوت نے قابل اعتنائہ سمجھا ہو مگر ارباب بصیرت اس کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ یہی رسالہ مودودیت کے اس مسلک جدید کے رد میں سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے اور بہت بڑی حد تک جماعت اہل حدیث کے شیرازہ کو منتشر ہونے سے اس نے بچایا ہے۔ (نیاز مہربان فکر: ص ۲)

پھر مولانا منظر صاحب مرحوم نے اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں مسلک اعتدال کے چار اقتباس کو نقل کر کے مولانا مودودی کے نظریہ اور موقف کی وضاحت کی ہے، نمبر وار وہ اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ ”محدثین کرام نے اسماء الرجال کا عظیم الشان ذخیرہ فراہم کیا جو بلاشبہ نہایت بیش قیمت ہے مگر ان میں کون سی چیز ہے جس میں غلطی کا احتمال نہ ہو (الی) انسانی کمزوریوں سے مبرا نہ تھے نفس ہر ایک کے ساتھ لگا ہوا تھا اور اس بات کا قوی امکان تھا کہ اشخاص کے متعلق اچھی یا بری رائے قائم کرنے میں ان کے ذاتی رجحانات کا بھی کسی حد تک دخل ہو جائے یہ امکان محض عقلی نہیں اس کا ثبوت موجود ہے کہ بارہا یہ امکان عمل میں آ گیا۔ (تفہیمات: ص ۲۹۲)

۲۔ صحت کا کامل یقین تو خود ان کو بھی نہ تھا، وہ بھی زیادہ سے زیادہ یہی کہتے تھے کہ اس حدیث کی صحت کا ظن غالب ہے، مزید برآں یہ ظن غالب جس بنا پر ان کو حاصل ہوتا تھا وہ بلحاظ روایت تھا نہ بلحاظ درایت (الی) احادیث کے متعلق جو کچھ تحقیقات انہوں نے کی ہے اس میں دو طرح کی کمزوریاں موجود ہیں ایک بلحاظ اسناد اور دوسرے بلحاظ تفقہ۔ (تفہیمات: ص ۲۹۲)

۳۔ وہ روایات کو معتبر یا غیر معتبر قرار دینے میں زیادہ تر صرف اس چیز کا لحاظ فرماتے تھے کہ اسناد اور رجال کے لحاظ سے وہ کیسی ہیں۔ رہا فقہانہ نقطہ نظر تو وہ ان کے موضوع خاص سے ایک حد تک غیر متعلق تھا اسلئے اکثر وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جایا کرتا تھا اور وہ روایات پر اس حیثیت سے کم ہی نگاہ ڈالتے تھے اسی وجہ سے اکثر ایسا ہوا ہے کہ ایک روایت کو انہوں نے صحیح قرار دیا حالانکہ معنی کے لحاظ سے وہ زیادہ اعتبار کے قابل نہیں۔ (تفہیمات: ص ۲۹۵)

یہ اور ایسے ہی بہت سے امور میں جن کی بنیاد پر اسناد اور جرح و تعدیل کے علم کو کلیتہً صحیح نہیں سمجھا جاسکتا، یہ مواد اس حد تک قابل اعتماد ضرور ہیں کہ سنت نبوی اور آثار صحابہ کی تحقیق میں ان سے مدد لی جائے اور اس کا مناسب لحاظ رکھا جائے مگر اس قابل نہیں کہ بالکل یہی اسی پر اعتماد کر لیا جائے“ (حوالہ مذکورہ)

مولانا مودودی کے ان اقتباسات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا فن جرح و تعدیل، اسماء الرجال، احادیث نبویہ اور ائمہ محدثین کی خدمات کو ایک طرف ناقابل یقین بتلاتے ہیں تو دوسری طرح ان کے افادی پہلوؤں سے انکار کی جسارت بھی اپنے اندر نہیں پاتے ہیں گویا سانپ کہ منہ میں چھچھوند والی بات ہے، نہ اگلے بتتا ہے نہ نکلے بتتا ہے، کسی شاعر نے شاید ایسے ہی موقع کے لئے کہا کہ: خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں۔ صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

مولانا گجرانوالہ رحمہ اللہ علیہ نے مولانا مودودی کے مسلک اعتدال پر بھرت کی ہے اور اس کی خامیوں اور بے اعتدالیوں کی

نشاندہی کی ہے مولانا فرماتے ہیں کہ ”مسلک اعتدال قریباً تیرہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے، پورا مضمون پڑھ لینے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مصنف علام جو کچھ لکھ رہے ہیں اس پر خود بھی مطمئن نہیں، پورے مضمون میں ذہنی انتشار نمایاں ہے“ (حجیت حدیث: ۸۸)

یہ ذہنی انتشار وہی ہے جس کی طرف گذشتہ سطور میں اشارہ کیا گیا ہے کہ مولانا مودودی صاحب تذبذب کا شکار ہیں، نہ احادیث کا بالکل انکار کرتے ہیں نہ احادیث کو قابل اعتبار مانتے ہیں البتہ محدثین کرام پر فقہاء اسلام کو زبردست ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”اس (فقہاء اسلام) کی روح روح محمدی میں گم ہو جاتی ہے، اس کی نظر بصیرت نبوی کے ساتھ متحد ہو جاتی ہے اس کا دماغ اسلام کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے، پھر آگے فرماتے ہیں اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد انسان اسناد کا زیادہ محتاج نہیں رہتا، وہ اسناد سے مدد ضرور لیتا ہے مگر اس کے فیصلہ کا مدار اسناد پر نہیں ہوتا، وہ بسا اوقات ایک غریب، ضعیف منقطع السند مطعون فیہ حدیث کو بھی لے لیتا ہے اس لئے کہ اس کی نظر میں اس افتادہ پتھر کے اندر ہیرے کی جوت دیکھ لیتی ہے“ (تفہیمات: ص ۳۲۴)

مولانا گجرانوالہ رحمہ اللہ مودودی صاحب کی اس تحریر پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”فقہاء اسلام کے مقام کی رفعت میں کلام نہیں لیکن مسلک اعتدال کے آخری صفحات میں جو کچھ فرمایا گیا ہے قطعی بے دلیل ہے اور محض شاعری ہے، معاملہ صرف طریق فکر کے اختلاف کا ہے نہ کوئی ہیرا ہے نہ کوئی جوت مگر یہ محل جو شاعرانہ پرواز سے تعمیر ہوا تھا اسے بھی بالآخر پیوند خاک فرماتے ہیں ارشاد ہوتا ہے:

”یہ چیز چونکہ سراسر ذوقی ہے اور کسی ضابطہ کے تحت نہیں آتی، نہ آسکتی ہے اس لئے اس میں اختلاف کی گنجائش پہلے بھی تھی اور اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گی۔“ (تفہیمات: ص ۳۲۴)

مولانا گجرانوالہ فرماتے ہیں: ”پھر یہ ہیرے کی جوت کیسے ہوئی؟ یعنی فقہاء اسلام کا طریقہ فکر بھی ذوقی ہے کہ کوئی اصول نہیں، اب کوئی بتائیے ان تیرہ صفحات میں مولانا نے ہمیں کیا دیا اور کون سی اعتدال کی راہ بتائی، منکرین حدیث دریافت کرتے ہیں کہ حضرت نے اس قدر ملاقات کے بعد ہمیں کیا عنایت فرمایا؟ آپ اور ہم میں نقطہ امتیاز کیا ہے۔“

گویا مولانا مودودی صاحب نے تحریر کی ہیرا پھیری سے منکرین حدیث ہی کی ہمنوائی کی ہے اور ان کے کیس کو مضبوطی فراہم کی ہے اور احادیث پاک کے باب میں شکوک و شبہات کا دروازہ وا کر دیا ہے اور ”برعکس نام نہند زنگی کافور کے بمصداق فکری بے اعتدالی کو ”مسلک اعتدال“ کا نام دے دیا ہے۔

اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه۔ آمین یا رب العالمین۔

(مجلہ اہل السنہ ممبئی جلد ۵ شمارہ ۵۲ فروری ۲۰۱۶ء)



برصغیر میں اہل حدیث کی عظیم کارکردگی

شیخ عبدالمعید مدنی، علی گڑھ

پوری تاریخ اسلام میں ہر جگہ منہج سلف کے حاملین نے اپنا دینی فریضہ نبھایا اور ہمیشہ ہر جگہ ان کی علمی و اخلاقی ہیمنت قائم رہی۔ چار صدیوں تک یہی منہج سلف مسلمانوں کے اندر ہر میدان عمل میں معمول بہ رہا۔ اس کے بعد بھی شمع ہدایت ہر جگہ یہی اٹھائے رہے اور آج تک اٹھائے ہوئے ہیں۔

ہندوستان میں بھی چوتھی صدی تک مفتوحہ مسلم خطوں میں اور مسلم آبادیوں میں اہل حدیثیت کا بول بالا رہا۔ چوتھی صدی کے بعد ہندوستان میں تورانی ثقافت، فقہ حنفی اور وحدۃ الوجود کا ریلو آیا اور سارا ملک اسی رنگ میں رنگ گیا لیکن تورانی ثقافت کے مقابلے میں بھی کہیں نہ کہیں اہل حدیثیت زندہ رہی، خصوصاً تعلق گھرانے کے دور حکومت میں مغلوں کے ساتھ جب ہندوستان میں ایرانی ثقافت آئی اور لوگ تورانی ثقافت کے بعد وحدۃ الوجود، منطق اور فلسفہ میں منہمک ہو گئے۔ اس وقت بھی ملک کے مختلف علاقوں میں ایسے علماء موجود تھے جو خالص کتاب و سنت کی تعلیم دیتے تھے اور تقلید کی ہلاکت خیزیوں سے لوگوں کو آگاہ کرتے تھے۔

شاہ ولی اللہ ان کے تلامذہ اور ان کے بیٹوں نے لوگوں کے اندر تقلیدی ثقافت سے ہٹ کر سنت کی راہ مستقیم پر چلنے کی طرف توجہ دلائی۔ اس سنی اور حدیثی رجحان سے تھوڑا کچھ علماء کی سوچ میں بدلاؤ آیا۔ شاہ ولی اللہ کی الانصاف، عقد الجید، ازالۃ الخفاء، حجتہ اللہ البالغہ، تراجم ابواب البخاری، فارسی میں ان کے بعض وصایا، قرآن کریم کا فارسی ترجمہ، قرۃ العینین اور ان کے تدریس حدیث نے رجوع الی الکتاب والسنۃ کا علماء کے اندر ایک مثبت رجحان بنایا۔ جامد تقلیدی ماحول میں یہ بہت عظیم کارنامہ تھا۔

ان کے بعد ان کے بیٹے خصوصاً شاہ عبدالعزیز کی تفسیر اور فتاویٰ میں تقلیدی جمود پر قیمتی مباحث، ان کی کتاب تحفہ اثنا عشریہ، شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین کے تراجم قرآن نے ایرانی و تورانی ثقافت کو متزلزل کیا۔ شاہ ولی اللہ کے شاگردوں میں مرزا مظہر جان جانا، قاضی ثناء اللہ پانی پتی صاحب تفسیر مظہری اور ملا معین الدین صاحب دراسات اللیب کی دعوت رجوع الی الکتاب والسنۃ نے اپنا ایک حلقہ بنایا جن کی تقلیدی ماحول میں الگ پہچان بنی۔ اسی طرح علماء سندھ میں جو شاہ ولی اللہ کے قریب و بعید کے ہمسر تھے ان کی بھی رجوع الی الکتاب والسنۃ کی جہوداہمیت کی حامل ہیں۔

شاہ ولی اللہ کے سلسلہ درس و تدریس اور تعلیم و تعلم کی تیسری پیڑھی شاہ اسماعیل، مولانا عبدالحی بڈھانوی، سید احمد شہید اور شاہ اسحاق کے دور میں رنگ ہی کچھ اور نکھر چکا تھا۔ یہ سبھی تقلیدی جمود سے باہر آچکے تھے اور ان کے منہج دعوت میں نکھار آچکا تھا اور یہ لوگ عملاً اور تعلیماً ہر طرح تقلید و سنت میں مقابلہ آرائی کے موقع پر سنت کو ترجیح دیتے تھے۔

اس تیسری نسل میں شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہید کا رنگ سب سے زیادہ نرالا تھا اور ان دونوں میں شاہ شہید کا رنگ ہی الگ تھا۔ انہوں نے ماحول کی ساری تقلیدی بندھنوں کو توڑ ڈالا اور دعوت حق کے مشن کو تدریسی حجروں سے نکالا اور عملی میدان میں لاکھڑا کیا، عوام میں توحید کی صدا بلند کی، جہاں کے لئے منصوبہ بنایا، افراد کی تربیت کی، عوام کے لئے دعوتی تحریریں چھاپیں، تقویۃ الایمان کو پورے برصغیر میں پھیلا یا۔ پورے ملک میں دعوتی جہادی دورے ہوئے۔ حج کے لئے سفر کی۔ اس طرح پورے ملک میں ہر جگہ دعوت رجوع الی الکتاب والسنۃ کی آواز پہنچی اور اس کی خاطر مثالی عملی جدوجہد شروع ہوئی۔ دین کے کام میں پھیلاؤ ہوا اور پورے ملک میں اصلاح دعوت تعلیم اور جہاد کا کام شروع ہو گیا۔ ہر طرف کتاب وسنت کی دعوت دی جانے لگی۔ تقلیدی جمود ٹوٹا اور ملک کو شاہراہ کتاب وسنت پر لانے کی بھرپور کوشش شروع کی گئی۔ شرک و بدعت کی دلدل سے بندگان الہی کو نکال۔ فکر و خیال میں تازہ کاری آئی۔ اعمال میں نکھار آیا۔ معاشرے میں زندگی آئی۔ اسلامی شناخت بننے لگی۔ ملک کا ہر طبقہ تجدید دعوت کے اس سلفی مشن سے متاثر اور مستفید ہوا۔

دعوت و تعلیم اور اصلاح و جہاد کا یہ کام چوتھی نسل کے ہاتھ میں آتا ہے۔ شاہ اسحاق کی تدریس حدیث کی وراثت سید السادات میاں ندیر حسین کو ملتی ہے۔ علمی کارواں کی حدی خوانی سید والا جاہ نواب صدیق حسن کو ملتی ہے۔ جہاں کا کام مولانا ولایت علی اور عنایت علی کو سپرد کیا جاتا ہے اور تینوں خدمت دین کے سوتے ایک ساتھ مل جاتے ہیں اور تینوں جہتیں مل کر دعوت و اصلاح کا وہ کام کرتی ہیں کہ تاریخ اسلام کے نقوش اولیٰ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ دعوت و اصلاح تعلیم و تدریس اور جہاد کے یہ تینوں مورچے اور ان پر لگے خدام اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں اپنا سب کچھ لگا دیتے ہیں اور یہ تمنا کرتے ہیں کہ جو کچھ ان کے پاس تھا اس سے سوا ہوتا تو وہ بھی اللہ کی راہ میں لٹا دیتے لگا دیتے۔

ایک فقیر بے نوا در کبریا پر بیٹھا علم کا دریا بہائے ہوئے تھا۔ جس کی لہریں برصغیر کے علاوہ ایران و توران، نجد و حجاز، عرب و عجم تک پہنچیں اور جس نے اس کے دربار گہر بار سے استفادہ کر لیا اگر وہ ذرہ تھا تو نیر تاباں بن گیا۔ برصغیر کا گوشہ گوشہ اس کے جو علم سے فیض یاب ہوا۔ اس کے تلامذہ نے سارے برصغیر میں دعوت و تعلیم اور جہاد و اصلاح کو اپنا مشن بنا لیا اور صادق پور کے جہادی مشن میں مکمل مشارکت کی زیر زمین بھی اور آن دی گراؤنڈ بھی۔

بھوپال میں دوسرے فدائے سنت نے برصغیر اور اس سے ورے اپنے فیضان علم کی وہ بارش کی کہ گھر گھر میں علم کی روشنی پہنچی۔ علماء کافیل بن گیا اور بلا طلب مستند ثقہ اور معتبر علماء کے لئے سہارا بن گیا اور خدمت دین کے لئے انہیں فارغ البال کر دیا۔ اس کی گرم گستری کا یہ حال تھا کہ خانپور کے قاضی برادران کو خدمت دین کے لئے اتنا نوازاکہ آج کے دور میں اس کا حساب کروڑوں نہیں اربوں میں ہوگا۔ اس نواب اور اپنے دور کے سب سے بڑے قلم کار سید زادے نے مسلمانوں کے اندر دینی کتابوں کو چھاپنے اور مفت بانٹنے کی سنت حسنہ قائم کی جس پر آج دینی علمی دنیا میں ہر خطے میں عمل ہو رہا ہے۔ اور اسی نتیجے میں ”دارالمعارف العثمانیہ“ حیدرآباد کا قیام عمل میں آیا اور اس کی نقل ”دارالمصنفین“، ”ندوۃ المصنفین“ اور دوسرے تالیفی و تحقیقی ادارے ہیں۔ ان

سے پہلے جزوی طور پر یہ کام مولانا ولایت علی صادق پوری نے بھی کیا تھا۔

صادق پور عظیم آباد کا صدیقی گھرانہ بھی نوابوں کا گھرانہ تھا اس میں کئی پٹیاں تھیں۔ اور بعض استثناءات کے ساتھ سب پورے برصغیر کے مسلمانوں کی تعلیمی جہادی اور دعوتی قیادت کر رہی تھیں، ان کا یہ نیٹ ورک زیر زمین سونا جنگل بنگلہ دیش سے پشتاور تک پھیلا ہوا تھا اور اس سے دہلی کی مسند درس سے وابستہ لوگ بھی جڑے ہوئے تھے۔ اور بھوپال کے دربار علم سے وابستہ لوگ بھی اور بنگال کے دادومیاں ٹیڈومیاں کے مشن کے لوگ بھی۔

اس گھرانے کی اتنی قربانیاں ہیں کہ اسے برصغیر کا اول گھرانہ کہنا چاہیے۔ علم دولت، جاہ و حشمت کیا کچھ نہیں تھا اس گھرانے میں۔ مولانا ولایت علی کے چھوٹے بھائی مولانا عنایت علی ۱۸۴۰ء کے قریب گھرانے کی جائداد سے اپنا حصہ لے کر سرحد جا بسے اور راہ جہاد میں ان کا گھرانہ مرکب گیا، اس وقت ان کا حصہ ۶ لاکھ روپے نکلا۔ اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر انہوں نے جان و مال سب کی قربانی دے دی۔ اندازہ لگائیے پونے دو سو سال پہلے چھ لاکھ کی قیمت آج کتنی ہوگی۔ صادق پور گھرانے کی قربانیوں کی یہ عظیم شاہکار مثال ہے اور اس گھرانے کی دوسری قربانیاں بھی شاہکار ہیں۔ برصغیر کے ہر فرد کی گردن پر اس گھرانے کا احسان ہے۔ اس گھرانے کی قربانیوں کا اعتراف پنڈت جواہر لال نہرو نے کیا تھا۔ ہندوستان کے وزیر اعظم نے مولانا سید عبدالنجیر کی زیارت کی اور کہا ہندوستان کی آزادی کی ساری قربانیوں کو اگر ایک پلڑے میں رکھا جائے اور صادق پور گھرانے کی آزادی کے لئے دی گئی قربانیوں کو دوسرے پلڑے میں تو صادق پوری قربانیوں کا پلڑا بھاری ہوگا۔

اس رجوع الی الکتاب والسنۃ کی دعوت اور جدوجہد میں ملک کے مسلم باشندوں کے ہر طبقے سے لوگ شریک ہوئے۔ اور اس سے وابستہ ہو گئے اور اس دینی اجتماعی جدوجہد کے ہمہ گیر اثرات مرتب ہوئے۔ اس میں سارے اہل حدیث تجار شریک ہوئے کلکتہ، پٹنہ، بنارس، لکھنؤ، قنوج، بھوپال، دہلی، آگرہ، ممبئی، لاہور، پشاور، امرتسر کے مشہور تاجروں کی فیاضی خفیہ طور پر کام آتی رہی۔ عوامی تعاون ہر اہل حدیث کرتا رہا اور خفیہ طریقے سے یہ کام آزادی ہند تک جاری رہا اس میں علماء، تعلیم یافتہ، غیر تعلیم یافتہ مختلف پیشوں سے وابستہ حضرات، طلباء اور محنت و مزدوری کرنے والے اہل حدیث بھی شریک رہے۔ اس میں بہت سے نوابوں، زمین داروں اور جاگیرداروں کی بھی حصہ داری رہی۔ یہ سارا کام عیال و نہال مشن کے طور پر جاری رہا اور اتنے منظم فداکارانہ اور رضا کارانہ ڈھنگ سے ہوا کہ ڈیڑھ سو سال تک خفیہ جہادی تعلیمی و تنظیمی مشن کی تاریخ میں ایک غدار نہیں نکلا۔ بڑی سی بڑی اذیتیں جھیل لیں لیکن کبھی مشن کے برخلاف کام نہیں کیا، نہ اس کے ساتھ وفاداری میں فرق آیا۔

مومنین صادقین کا یہ کارواں قریب ایک صدی تک تنہا برٹش استعمار سے لڑتا رہا۔ ۱۹۱۶ء تک ندوہ، دیوبند، بریلی، فرنگی محل، حمایت اسلام لاہور استعمار کے ہمنوا تھے یہ تو علماء، اصلاحی تنظیمات اور اداروں کا حال ہوا۔ ملک کے جاگیردار، نواب، رجاؤں سے، بنئے سب استعمار کے ساتھ۔ ملک کی ساری اسلامی تنظیمیں ان صادقین کے خلاف۔ ان کو وہابی مترادف باغی قرار دے کر پھانسی پر لٹکانے کے لئے سفارش میں سرگرم۔ ہندوستانی وہابیوں کے خلاف ملک کے سارے مقلدین کے متفقہ فتاویٰ، تکفیر کے فتاویٰ، ضلالت

وتفسیق کے فتاویٰ، سماجی بائیکاٹ کی قراردادیں، مساجد سے نکالنے کی اپیلیں، کورٹ میں مقدمے، قتل و خونریزی مارپیٹ سب روا۔ علاؤماؤں کی استعماری حکومت سے گزارش کہ وہابیوں کو باغی قرار دے کر انہیں تہ تیغ کر دیا جائے۔ یہ سب ہوا لیکن کاروان دعوت و جہاد چلتا رہا۔ اس کے توڑ میں دیوبند میں استعمار کے نوکروں نے مدرسہ قائم کیا اور استعمار غلامی کی برٹش استعمار سے سند حاصل کی۔ ۱۹۱۶ء کے بعد قومی سیاسی عمل شروع ہوا اور سیاسی تحریکیں اٹھیں تو یہ بیچارے بھی اس میں شریک ہو گئے اور آزادی کا ہیرو بننے کا افسانہ گھڑنے لگے۔

برصغیر میں بہت سے جھوٹے مسیحا پیدا ہوئے اور اپنے لیے عظمت کا مینار قائم کرنے لگے۔ سرسید کی عظمت کے لئے بڑی چھلانگیں لگائی جاتی ہیں، اس استثنیٰ بندے، استعماری غلام اور انکار حدیث کے بانی اکبر کے کمالات میں ایک کالج کے قیام کو بڑا عظیم قرار دیا جاتا ہے جب کہ وہ استعمار کے در کی ایک بھیک کے سوا کچھ نہ تھا اور ہزاروں کے بجٹ سے آگے نہ جانا تھا اور یہاں عظمت کے میناروں کا یہ حال ہے کہ برصغیر میں اسلامی ریاست کے قیام کے لئے ایک فرد واحد سرسید سے چالیس سال قبل ۶ لاکھ خرچ کر دیتا ہے اور اپنی پوری فیملی کھپا دیتا ہے اور کسی سے اس کا صلہ نہیں مانگتا، نہ شہرت کی راہ سے، نہ منصب کی راہ سے، برصغیر کی سو سالہ عظمتیں اداروں، تنظیموں اور قائدین کی شکل میں اگر صرف مولانا عنایت علی صادق پوری پر قربان ہو جائیں تب بھی ان کی عظمت کا حق ادا نہ کر سکیں گی۔ مگر افسوس خود اہل حدیث اپنی عظمتوں کو نہیں جانتے اور ہما و ثنا کی خود ساختہ جعلی عظمتوں کے سامنے شرماتے لگتے ہیں۔

برصغیر میں اہل حدیثوں کے کارنامے کے ہمہ گیر اثرات اور ان کی عظمت و اہمیت کو نہ اپنے جانتے ہیں نہ غیر۔ یہاں تو پیہم یہ صدا آتی رہتی تھی۔

سودا خمار عشق کا خسرو سا کوہکن
بازی اگرچہ پانہ سکا سر تو کھوسکا
اور راہ حق میں سب کچھ لٹا کر یہ صدا لگاتے تھے۔

ہم کھوکے تری راہ میں کل دولت دنیا
سمجھا ہے کہ کچھ اس سے سوا میرے لئے ہے
توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

(ماہنامہ جمال المصباح، اڑیسہ۔ مارچ ۲۰۱۶ء)



اہل حدیث مجاہدین آزادی

مولانا محمد مقیم فیضی

یہ ٹھیک ہے کہ اسلام میں دنوں اور سالوں کے منانے کی گنجائش نہیں ہے مگر جب لوگ ان دنوں کو تاریخی غلط فہمیاں پھیلانے اور حقائق کو مسخ کرنے کا ذریعہ بنالیں، سیاہ کو سپید اور سپید کو سیاہ بتانے لگیں۔ کارنامے انجام دینے والوں کو مجرموں کی صفوں میں کھڑا کرنے لگیں، اور کارناموں سے تہی دامن لوگوں کے سر کا میا بیوں کا سہرا باندھنے لگیں تو بھی چپ سادھے بیٹھے رہنا کہاں کہ دانشمندی ہے، اور یہاں اسلام کب حقائق کی نقاب کشائی سے روکتا ہے؟

پھر غیروں کی حقائق کشی اور تاریخ سازی کا روٹا کھینچیں، یہاں تو جو اپنوں میں ہمارے غیر ہیں ان کی کرم فرمائیاں کیا کم ہیں۔ ان کے سیکولر دانشوروں تک کا معاملہ یہ ہے کہ جب ان کے حلقے کے بزرگوں کا ذکر ہوتا ہے (تاریخی حقیقت کچھ بھی ہو)، ان کے کارنامے گنائے جاتے ہیں تو وہ خوب چمکتے رہتے ہیں، مگر جیسے ہی کسی اہل حدیث کا نام آیا ان کے مزاج کا اکثریتی پہلو فوراً سامنے آ جاتا ہے، انہیں تنگ نظری اور تعصب تلاش کرنے کے لئے کسی خوردبین کی ضرورت نہیں پڑتی ہے، طرح طرح کی نصیحتیں اور مشورے شروع ہو جاتے ہیں، مگر اپنی مجلسوں میں انہیں اس طرح کا ایک بھی جملہ بولنے کی ضرورت کبھی نہیں محسوس ہوتی، ہمارا اپنی مجلسوں میں بھی اپنے بزرگوں کا ذکر کرنا، ان کے سچے اور حقیقی کارناموں کا بغیر کسی دیگر کی تخریح کے بیان کرنا بھی انہیں امت میں اختلاف کو ہوا دینے کا عمل لگنے لگتا ہے، اور ان کی مصلحانہ رگ حمیت پھڑکنے لگتی ہے۔ جب کہ ان کے مفتیان کرام اور اجلہ مورخین حقیقت بیانی کے نام پر چاہے جتنی خوش فعلیاں کریں، مشق ناز کریں، نوازشیں فرمائیں انہیں سب کچھ نارمل نظر آتا ہے۔ تاریخ بیان کریں یا بنائیں انہیں کچھ فرق نہیں پڑتا، اس پر انہیں مرحبا اور آفریں کی صدائیں ہی سننے کو ملتی ہیں۔ ادھر اپنے دانشوری گزیدہ لڑکوں کا عالم یہ ہے کہ وہ سب سے زیادہ سیکولر ولبرل ہیں۔ اپنے علماء کی حقیقت بیانی میں خواہ وہ کتنی ہی مہذب و روادار ہو، اختلاف، تعصب، تنگ نظری، پسماندگی محسوس کر لینے کا حاسہ ان میں بہت تیز نظر آتا ہے اور ان کا یہ عمل انہیں اپنی وسعت قلبی، روشن خیالی، اور صلح کلی والے موقف کے لئے سراپا چیلنج نظر آنے لگتا ہے۔

دراصل اس مرعوبیت کا سبب اپنے متعلق حد سے بڑھی ہوئی غلط فہمی اور اظہار قابلیت کے باوجود حقائق سے ناواقفیت کے سوا کچھ نہیں ہے، نہ ان میں اس بات کی فہم ہے کہ زمانہ کس قیامت کی چال چل رہا ہے اسی لئے وہ دوسرے کے بچھائے جال میں بہ آسانی پھنس جاتے ہیں اور جو کام انہیں خود کرنا چاہیے تھا اسے دوسروں کا کرنا بھی انہیں گوارا اور برداشت نہیں ہوتا۔

کم از کم دوسروں سے تو سبق لیجئے! جب کوئی مناسبت آتی ہے ان کا عالم وغیر عالم طبقہ سب کا سب اپنی تاریخ اور کارنامے لئے تمام اخباروں، رسالوں اور میڈیا کے ذرائع میں اپنی حاضری پوری طرح درج کراتا ہے، مگر ہمارے افراد کا عالم یہ ہے کہ انہیں باہمی تنقیص اور دل کے پھپھولے پھوڑنے سے ہی فرصت نہیں ہوتی، حد درجہ تعمیری صلاحیتیں بیشتر تخریب ہی میں صرف ہوتی نظر آتی ہیں۔

خود اپنے رسالوں اور پرچوں تک میں اپنے مجاہدین آزادی اور حریت کے سوراؤں کا ذکر نہیں ہوتا ہے، نئی نسل کو امام اسماعیل دہلوی سے نذیر حسین محدث دہلوی اور ان کے تلامذہ و متعلقین تک کوئی بھی آزادی کی تاریخ میں قابل ذکر نظر نہیں آتا ہے۔ غیروں نے جتنا اپنے بزرگوں کا ذکر کیا ہم اسی قدر خاموش رہے، حالانکہ اصول بقا کا یہ رنگ ہم دیکھتے آرہے ہیں کہ جو بولنا بند کر دیتا ہے وہ فراموش کر دیا جاتا ہے۔ اگر سو آدمی ایک ایک بزرگ کو لے لیں تو بھی ہر سال بہت سے بزرگوں کا نام اور کارنامہ لوگوں کو معلوم ہو جائے گا، نیز ان کی ملی خدمات کے پہلو رنگا رنگ ہیں، ان کی تاریخ محض کسی فوج یا حکمراں کی تاریخ نہیں ہے بلکہ اس میں دعوت، تنظیم، تعلیم و تربیت، ایثار و قربانی اور بہت سی خوبیوں کی داستانیں موجود ہیں، ان کے متعلق دوستوں اور دشمنوں سب کے تاثرات محفوظ ہیں، اور آنے والی نسلوں کے لئے ان میں عبرت و نصیحت کے بہت سے پہلو ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ تاریخ حریت میں وقتِ عمل گوشہ عافیت میں بیٹھے ہوئے تھے، آج کثرت ذکر سے وہی اصل سورا اور ہیرو بن بیٹھے ہیں۔ اور جنہوں نے اپنی جان مال، گھر بار اور سماجی ساکھ سب کچھ قربان کر کے رسم تمنا کی بنا ڈالی ان کا فسانے میں کہیں نام نہیں ہے۔ اس لئے تذکروں کی اہمیت کو نظر انداز نہ کیا جائے اور اس سلسلے میں اپنی ذمہ داریاں محسوس اور ادا کی جائیں۔

وہابیوں کی جہادی تحریک کا گہرا مطالعہ اور اس کے مختلف وقائع کو اسلام کے تربیتی اصولوں کی روشنی میں پرکھنا بہت ضروری ہے، کیونکہ اس طرح بہت سے گہرے اسباق حاصل کئے جاسکیں گے، بہت سے وہ پہلو اجاگر ہوں گے، جن سے بچنا اور گریز کرنا لازم رہا ہوگا، کچھ ایسے اقدامات نمایاں ہوں گے جن میں جلد بازی کے سنگین نتائج ہوا کرتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ صلاحیتوں کی جگہ جذبات سے کام لیا گیا ہو اور اخلاص کے ساتھ تیاریوں کی ضرورت اور ان کے شرعی وجوب کو نظر انداز کی ہو۔ بہر کیف اس کا فیصلہ ایک با بصیرت اور ذی علم ناقد ہی گہرے مطالعے اور تجزیے کے بعد کر سکتا ہے جس کی طرف ابھی توجہ حسب ضرورت نہیں دی جاسکی ہے، ہمارے وہ نوجوان جن کے پاس فاضل وقت کے ساتھ بڑا دماغ بھی ہے، اس کام کی طرف رخ کریں اور کسی تجربہ کار محقق کی رہنمائی میں یہ کام کریں تو یہ ایک مفید جدوجہد ہو سکتی ہے اور ممکن ہے نتیجہ خیز بھی ہو، اس سے نئی پود کو جہاد جیسے اہم اور نازک مسئلے میں صحیح رہنمائی بھی فراہم ہوگی اور وہ کسی جذباتی نعرے کے پیچھے کھپنے اور تباہ ہونے سے محفوظ بھی رہیں گے اور اسلام کی صحیح رہنمائی میں اپنے مستقبل کا لائحہ عمل بھی طے کر سکیں گے۔

ذیل میں اہل حدیث مجاہدین آزادی سے متعلق کچھ بھولے بسرے حقائق پیش کئے جا رہے ہیں جو ہماری روشن تاریخ کا سرمایہ افتخار ہیں:

انگریزوں کے ساتھ ہندوستان کی جنگ آزادی کی تاریخ میں سراج الدولہ، حیدر علی اور ٹیپو سلطان کا نام سدا جگمگاتا رہے گا جنہوں نے گیدڑ کی ہزار سالہ زندگی پر شیر کی ایک روزہ زندگی کو ترجیح دی اور ملک کی آزادی کے لئے اپنے لہو کا آخری قطرہ نچھاور کر دیا۔ ان کے بعد اگر کسی نے اس ملک میں آزادی کا تصور پھونکا اور حریت کے لئے لہو دینے کی پکار لگائی تو وہ شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کے سلسلہ رشد و ہدایت سے فیض یافتہ اور ان کی تحریک آزادی فکر سے وابستہ بیدار مغز و ناصح قوم و ملت زعمائے حق سید احمد بریلوی، اسماعیل دہلوی اور ان کے سچے رفقاء ہی تھے، جنہوں نے اپنے قول کی مالا کو عمل کے نگینوں سے سجایا اور اپنے ہر قدم سے یہ ثبوت فراہم کیا کہ جانثاری اور وفاداری کی تاریخ میں یہ ایک انوکھی ادا کے لوگ ہیں جنہیں اپنے مشن کی راہ میں حالات کے تیز

وتند دھاروں اور نامساعد و ناسازگار طوفانوں کی کوئی پروا نہیں تھی۔ انہوں نے اخلاص اور قربانیوں کی ایک نئی داستان رقم کی۔ سید و شاہ کی نگاہ میں پورا ہندوستان تھا جس کا بیشتر حصہ انگریزوں کے قبضے میں تھا، انہوں نے اپنے ایک مکتوب میں اپنا نشانہ صاف صاف بتاتے ہوئے لکھا تھا:

”دور کے ملک سے آنے والے بیگانے اور سامان بیچنے والے تاجر مالک سلطنت بن گئے۔ جب ہندوستان کا میدان غیروں اور دشمنوں سے خالی ہو جائے گا تو میں مناصب ریاست و سیاست دوسروں کے حوالے کر کے الگ ہو جاؤں گا“۔ (مکاتیب شاہ اسماعیل ص: ۱۰، بحوالہ سید احمد شہید حصہ اول ۷۳۴/۳۴ از غلام رسول مہر مطبوعہ مکتبہ الحق جوگیشوری ممبئی)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کا جذبہ مذہبی تھا مگر ان کے سامنے کاٹاگریٹ ملک سے غاصب انگریزوں کو بھگانا تھا، گوان کا تصادم درمیان میں کچھ ملکیتوں سے بھی ہوا مگر ان کا اصل مقصد انگریزوں سے جہاد تھا اور ان کی ساری کاوشیں اسی ڈھب پر جاری تھیں۔ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو بالا کوٹ کے میدان میں سید و شاہ دونوں نے اپنے اعلیٰ مقصد کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیں، اللہ تعالیٰ انہیں شہیدوں کے بلند ترین مقام سے سرفراز فرمائے۔

بالا کوٹ تک اس جنگ میں اہل حدیث اور احناف کی جماعت مشترکہ طور پر جہاد میں شریک تھی، شاہ ولی اللہ کی فکری تحریک اور شاہ اسماعیل کی عملی کاوشوں سے جو جماعت اہل حدیث تیار ہوئی اور اس کے جو افراد سفر جہاد میں شریک تھے، ان سب کے سربراہ شاہ اسماعیل دہلوی رحمہ اللہ تھے اور احناف کے سربراہ مولانا عبداللہ صاحب رحمہ اللہ تھے جو اسی خاندان کے فیض یافتہ اور متعلقین میں سے تھے۔ مگر یہ سب کے سب باہم شیر و شکر تھے، ان میں مسلکی تعصب کا کوئی شائبہ تک نظر نہیں آتا ہے، نہ اس ناچے سے اس متحدہ جماعت میں کسی اختلاف ہی کا پتہ چلتا ہے۔

معمر کہ بالا کوٹ کے بعد ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک تحریک جہاد اور انگریزوں کے خلاف معرکہ آرائیوں کی باگ ڈور عام طور پر اہلحدیثوں ہی کے ہاتھ رہی۔ چنانچہ ۱۲۴۶ھ سے ۱۳۶۷ھ تک امرائے جماعت یا سپہ سالاران جماعت کے جو نام نظر آتے ہیں ان میں غالب تعداد حتمی طور پر اہلحدیثوں ہی کی ہے جن کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں: ولی محمد پھلتی، مولوی نصیر الدین منگلوری، میر اولاد علی عظیم آبادی، سید نصیر الدین دہلوی، مولانا عنایت علی عظیم آبادی، مولانا ولایت علی عظیم آبادی، شیخ نور اللہ، شاہ اکرام اللہ، میر تقی، مولانا مقصود علی عظیم آبادی، مولانا عبداللہ عظیم آبادی، مولوی عبدالکریم عظیم آبادی، مولوی نعمت اللہ عظیم آبادی، مولوی رحمت اللہ عظیم آبادی، مولانا محمد بشیر، مولانا فضل الہی وزیر آبادی۔

ان میں اکثریت کا اہل حدیث ہونا یقینی طور پر معلوم ہے بالخصوص عظیم آباد خاندان کے اہل حدیث ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ ان کے معمر کے سرحد پر جاری تھے مگر ان کی تنظیم پورے ہندوستان میں پھیلی ہوئی تھی، اس کی جڑیں بہت گہری تھیں، وہ ہوس ملک گیری میں جنگ نہیں پپائے ہوئے تھے، ان کا مقصد ملک سے ظلم و جبر کا خاتمہ کر کے عدل و انصاف کا بول بالا کرنا اور ملک کو خوشحالی اور ترقی کی طرف لے جانا تھا، ان سب کے پیچھے وہ رضائے الہی اور خوشنودی مولا کے خواہاں تھے، ان کے دعاۃ و محصلین ملک کے

گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے تھے، انہیں دو طرفہ مشکلات کا سامنا تھا، انگریز تو ان کی تاک میں رہتے ہی تھے، مسلمانوں کے مخالف گروہ بھی ان کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے، لوگوں کو ان کے خلاف ورغلا تے، اکساتے تھے، ان کے خلاف فتوے شائع کرتے تھے، مسجدوں میں ان کا داخلہ ممنوع کیا جاتا تھا، ان کے خلاف حکومت کی جاسوسی کی جاتی تھی اور انہیں زیر کرنے کے تمام حربے آزمائے جاتے تھے۔ مگر وہ اللہ والے اپنی دھن کے اتنے پکے تھے کہ کسی بھی سنگین یا مصیبت کو خواہ وہ کتنی ہی سخت کیوں نہ ہو خاطر میں نہیں لاتے تھے، تحریک جہاد کے ساتھ اصلاح عقائد کا کام پوری جرأت سے کرتے تھے، مجاہدین کی بھرتی کر کے، انہیں سرحد روانہ کرتے، چندہ کر کے بڑی بڑی رقمیں اور سامان ضرورت مرکز کو بھیجا کرتے تھے، اللہ نے انہیں بڑی صلاحیتوں کا مالک بنایا تھا، شاید یہ ان کے اخلاص و اللہیت اور اعمال صالحہ کے اہتمام کی تاثیر تھی کہ بڑی تعداد میں لوگ ان کے گرویدہ ہو جاتے تھے، اور ان کی زندگی یکسر تبدیل ہو جایا کرتی تھی، وہ لہو و لعب اور دنیا داری کی زندگی ترک کر کے سچے، دیندار اور پابند شرع مسلمان بن جاتے تھے، اس راہ میں آنے والی تمام دشواریوں کا سامنا خندہ پیشانی سے کرتے تھے اور بڑی سی بڑی قربانیاں پیش کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے۔

ان کا نیٹ ورک اتنا وسیع، خفیہ اور کامیاب تھا کہ وہ انگریزوں کی تمام تر مستعدی اور ہوشیاری کے باوجود اپنا کام کر جایا کرتے تھے۔ اور یہ سلسلہ انہوں نے پورے سو اسی سال تک نہایت کامرانی کے ساتھ چلایا۔

انہوں نے باقاعدہ سکھ اور انگریز فوجوں سے جنگیں لڑیں، کچھ میں انہوں نے شکستیں کھائیں اور کچھ میں فریق مخالف کی کئی گنا طاقت، تنظیم، وسائل اور جنگی مہارتوں کے باوجود میدان انہیں کے ہاتھ رہا، انہوں نے ان معرکوں میں حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے۔ جہاں انہیں فتوحات حاصل ہوئیں وہاں انہوں نے امن و امان قائم کرنے اور رعایا کی خوشحالی و ترقی کے لئے بیش بہا انتظامات کئے، عدل کے دقیق ترین تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھا۔ مگر غیروں کی طاقت اور تدبیر سے زیادہ اپنوں کی بے وفائی، غداری اور منافقت نے انہیں زیادہ نقصان پہنچایا اور کئی بار وہ فیصلہ کن کارنامے انجام دیتے دیتے رہ گئے، منزلیں ہاتھ آ کر نکل گئیں، کامیابیوں کی چوٹیں چوم کر واپس آ جانا پڑا۔ اگر اپنوں کے چرکے نہ ہوتے، پشت سے آنے والے خنجروں سے انہیں امن ملا ہوتا تو پھر ۱۹۴۷ء سے بہت پہلے ہی ملک کا نقشہ بدل چکا ہوتا، مگر مسلمانوں کی اکثریت درحقیقت پچھلی صفوں ہی کی اہل رہ گئی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں وہیں چھوڑ دیا۔

جہاں تک ان کی بات ہے تو انہیں معلوم تھا کہ یہ سودا سہل نہیں ہے، انہوں نے شہادت گہ الفت میں قدم رکھا ہے جہاں ہر قدم برسرتیغ ہوتا ہے، تلوار کی دھاروں پر چلنا ہوتا ہے، اس لئے وہ ذہنی طور پر ہر متوقع وغیر متوقع صورت حال کے لئے تیار رہے، انہوں نے اپنا گھر بار لٹایا، جیل گئے، چکیاں پیسیں، گرمیوں کی شدت میں بزرگوں نے رہٹ چلائے، اس قدر شدت سے دوچار ہوئے کہ خون کا پیشاب آیا، سیکڑوں میل پابجولاں و پیادہ پا چلائے گئے، کالا پانی جزائر انڈومان نکوبار کی طرف دیس نکالا دیا گیا، جویلیاں گرا دی گئیں، جادائیں ضبط کر لی گئیں، بچے سڑکوں پر آ گئے، مگر انہوں نے ہار نہیں مانی، دار پر چڑھ کر مسکراتے رہے اور اپنی آنے والی موت کا جشن مناتے رہے یہاں تک کہ دشمن بھی ان کی سخت جانی اور اصولوں پر استقامت کی اس حیرت انگیز صلابت پر ششدر رہ گیا۔

مشہور انگریز آفیسر ڈبلو ڈبلو بیٹر صاحب نے میدانی تحقیقات کے بعد ایک تفصیلی رپورٹ مجاہدین کی سرگرمیوں کے متعلق مرتب کی تھی جو بعد میں ہمارے ہندوستانی مسلمان کے نام سے شائع ہوئی اور اس کا اردو ترجمہ بازار میں دستیاب ہے۔ اس کتاب سے ذیل

میں چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جن سے مجاہدین کی سرگرمیوں کی اہمیت ان شاء اللہ پوری طرح اجاگر ہو جائے گی۔

وہابی مجاہدین کا نیٹ ورک اور انگریزوں کے خلاف اس کی سرگرمیاں

ہنٹر صاحب لکھتے ہیں: بنگال کے مسلمان ایک دفعہ پھر عجب کش مکش میں مبتلا ہیں۔ ساہا سال سے سرحد کے مجاہدین کی نوآبادی ہماری سرحد پر چھاپے مار رہی ہے۔ وقتاً فوقتاً وہ متعصب لوگوں کے گروہ بھیج دیتی ہے جو ہمارے کیمپ پر حملہ آور ہوتے ہیں اور ہمارے گاؤں کو جلا کر خاکستر کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ہماری فوج کو ان کے ساتھ تین تباہ کن لڑائیاں لڑنی پڑی ہیں۔ اس مخالف نوآبادی کے لئے نہایت ہی منظم طریقہ پر بنگال میں آدمی بھرتی کیے جاتے ہیں اور یکے بعد دیگرے مختلف سازشی مقدمات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ سازش کا یہ جال ہمارے تمام صوبوں میں پھیلا ہوا ہے۔ چنانچہ پنجاب سے پرے کا غیر آباد کوہستانی علاقہ گرم تلک کی ان دلدلوں سے جہاں پردر یائے گنگا سمندر میں جاگرتا ہے اس قسم کے مسلسل سازشی اداروں سے ملا ہوا ہے۔ ان مقدمات سے ایسے سازشی اداروں کا پتہ بھی چلا ہے جو گنگا کے دہانے (یعنی جنوبی بنگال) سے بڑی باقاعدگی کے ساتھ روپیہ اور آدمی حاصل کرتے ہیں اور ان کو ہماری جرنیلی سڑک پر منزل بمنزل گزارتے ہوئے باغی کیمپ میں پہنچا دیتے ہیں جو یہاں سے دو ہزار میل کی مسافت پر واقع ہے۔ بڑے بڑے ذہین اور دولتمند اشخاص اس سازش میں حصہ لے رہے ہیں اور روپیہ پہنچانے کے طریقے کو جو باغیانہ سازش کا ایک نہایت ہی خطرناک کام ہے، کمال ہوشیاری سے ایک بے ضرر مہاجنی کاروبار کارنگ دے دیا گیا ہے۔ (ہمارے ہندوستانی مسلمان، ص ۱۹-۲۰)

مجاہدین سے انگریزوں کو پیش آنے والی مشکلات اور ان کی سخت ترین یورشیں

”میں ان بے عزیتوں، حملوں اور قتل و غارت کی تفصیلات میں جاننا نہیں چاہتا جو ۱۸۵۶ء میں سرحدی جنگ کا باعث ہوئے۔ اس دوران میں مذہبی دیوانوں نے سرحدی قبائل کو انگریزی حکومت کے خلاف متواتر اکسائے رکھا۔ ایک ہی واقعہ تمام حالات کو واضح کر دے گا۔ یعنی ۱۸۵۰ء سے ۱۸۵۷ء تک ہم علیحدہ علیحدہ سولہ فوجی مہمیں بھیجنے پر مجبور ہوئے۔ جس سے باقاعدہ فوج کی تعداد پینتیس ہزار ہو گئی تھی اور ۱۸۵۶ء سے ۱۸۶۳ء تک اس مہمات کی گنتی ۲۰ تک پہنچ گئی تھی، باقاعدہ فوج کی مجموعی تعداد ساٹھ ہزار تک ہو گئی تھی۔ بے قاعدہ فوج اور پولس اس کے علاوہ تھی۔ اس اثنا میں ستینا کیمپ جو ہر وقت ہمارے خلاف سرحد میں تعصب کے جذبات کو ابھارتا رہتا تھا، نہایت عقلمندی سے ہماری فوج کے ساتھ براہ راست مقابلہ کرنے سے گریز کرتا رہا۔ لیکن ۱۸۵۷ء میں انہوں نے ہمارے خلاف عام اتحاد کی بنیاد ڈالی اور یہاں تک گستاخانہ دلیری سے کام لیا کہ انگریزی حاکموں سے بھی تحویف مجرمانہ میں مدد کرنے کا مطالبہ کرنے لگے۔ چنانچہ ہمارے انکار پر وہ اس قدر برا بیچختہ ہو گئے کہ ہمارے علاقہ پر چڑھ دوڑے اور لیفٹ ہورن (Lefut Horn) کے کیمپ پر شیخوں مارا۔ جو اس علاقہ کا اسٹنٹ کمشنر تھا اور اس نے بڑی مشکل سے اپنی جان بچائی“۔ (ص ۳۳)

سخت جان مجاہدین کے حملوں کا تسلسل

اپریل ۱۸۵۳ء کے اوائل میں انہوں نے ہمارے علاقے میں پھر قتل و غارت اور لوٹ مار کا سلسلہ جاری کر دیا۔ اسی سال ماہ

جولائی میں وہ نہایت دلیری کے ساتھ ستیانہ کے علاقہ پر پھر قابض ہو گئے اور ہمارے حلیف ریاست امب کے نواب صاحب کو تہدید آمیز خطوط لکھے۔ ان کی ہمسایہ اقوام نے ایک دفعہ پھر اپنی وفاداری کو اپنے تعصب پر قربان کر دیا اور ان مواعید کو جو ہمارے ساتھ کیے گئے تھے، بالکل فراموش کر دیا۔ چنانچہ اس باغی آبادی کو سرحد پر ایک دفعہ پھر حاکمانہ اقتدار حاصل ہو گیا۔ دسمبر ۱۸۶۳ء کو وہ برطانوی علاقہ پر چڑھ دوڑے اور ہماری طلائیہ گرد فوج کے کیمپ پر شبخوں مار کر گویا باقاعدہ جنگ کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے ہمارے حلیف ریاست امب کو نواب صاحب پر بھی حملہ کر کے کوہ سیاہ پر ان کے دیہات کو جلادیا اور سرحدی چوکیوں پر باقاعدہ جنگ شروع کر دی۔ اسی مہینے میں انہوں نے تناول کو حلیف تحصیلوں پر بھی چھاپہ مارا اور ایک ملکی افسر کو اس کے چند ساتھیوں کے ساتھ قتل کر ڈالا۔

پھر ہمارے دوستوں پر ہی حملہ کرنے پر اکتفا نہ کرتے ہوئے انہوں نے دریائے سندھ کے کنارے ہماری چوکی پر بھی بلہ بول دیا۔ انگریز کافروں کے خلاف ایک باقاعدہ اعلان جنگ شائع کیا اور ہر دیندار مسلمان کو اس جہاد میں شرکت کی دعوت دی۔

منظم فوج سے مجاہدین کو نمبر د آزمانی پر انگریز کو تعجب

”اس متعصب نوآبادی کے خلاف ان چار مہموں میں سے ایک مہم کو بہ تفصیل بیان کرنے کے لئے منتخب کر لوں گا۔ اس سے ظاہر ہو جائے کہ جس طرح باغی کیمپ امن کے زمانہ میں ہماری سرحد پر ہمارے لیے باعث توہین تھا اس سے کہیں زیادہ جنگ کے زمانہ میں ہماری فوج کی تباہی کا سبب بن گیا تھا۔ جب تک ہم نے ان سے باز پرس نہ کی وہ ہماری دوستوں اور ہماری رعایا کو قتل اور اغوا کرنے کے لئے گروہ پر گروہ بھیجتے رہے اور جب ہم نے ان کو فوجی قوت کے ساتھ صفحہ ہستی سے نابود کر دینا چاہا تو انہوں نے ہمارے افسروں کو دھوکے میں رکھا اور ہماری فوج کو سخت نقصان پہنچایا اور کچھ عرصہ تک سارے برطانوی ہندوستان کی سرحدی فوج کا جم کر مقابلہ کرتے رہے۔

اس سے یہ سمجھ لینا نہایت آسان ہوگا کہ کس طرح باغیوں اور پناہ گزینوں کی آبادی نے جس کے پشت پناہ ہماری ہی سلطنت کے سازشی اور متعصب لوگ تھے، نفرت و حقارت سے مغلوب ہو کر خود ہم کو ہی کھلم کھلا چیلنج دے دیا تھا۔ لیکن اس بات کا سمجھنا ذرا مشکل ہے کہ وہ کس طرح ایک منظم فوج کی قوت اور جنگی قابلیت کا مقابلہ کر سکتے تھے خواہ وہ تھوڑے ہی وقت کے لئے کیوں نہ ہو۔“ (ص ۷۳)

مجاہدین کی قوت

”۱۸۶۳ء کی لڑائی میں ہم نے کافی نقصان اٹھانے کے بعد یہ سبق حاصل کیا تھا کہ ایک مجاہدین کے کیمپ کے خلاف مہم روانہ کر دینا دنیا کے ۵۳۰۰۰ ہزار جنگجو اور بہادر انسانوں کی مجموعی طاقت کے ساتھ جنگ کرنا ہے۔ ملک کے دشوار گزار ہونے کی وجہ سے ہمارے سرحدی افسر قبائل کے مزاج اور ان کے آپ کے تعلقات کے متعلق اکثر متذبذب رہتے ہیں اور جب کبھی ان باغیوں کو شکست ہوتی ہے تو وہ صرف مہابن کے اندر دشوار گزار دروں میں چلے جاتے ہیں۔

(۱) (میں یہاں پر علاحدہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہر ایک قبیلہ بغیر کسی تکلیف کے کتنے آدمی میدان جنگ میں لاسکتا ہے حسین زئی ۲۰۰۰، آکا زئی ۱۰۰۰، دینکار زئی ۶۰۰۰، مک خیل ۴۰۰۰، آما زئی ۱۵۰۰، جادوں ۴۰۰۰، خدا خیل ۲۰۰۰، بیہری ۱۲۰۰۰، باجور ۳۰۰۰، رانی زئی ۲۰۰۰،

دیر قبیلہ ۶۰۰۰، سوات کے قبیلے ۱۰۰۰۰، مجموعی ۵۳۵۰۰۔ یہ اعداد و شمار میں نے دفتر خارجہ سے حاصل کیے ہیں اور جہاں تک ہوسکا کرنل میکریگر (Macragar) سے اصلاح کرائی ہے۔ اس وقت فرانٹیر گیزٹ میں مشغول ہیں ۱۸۶۲ء میں ایک موقع پر ہمارے خلاف ان جنگ جوؤوں کی تعداد ۶۰۰۰۰ ہزار ہو گئی تھی)

انگریزی فوج کے نزدیک مجاہدین کی اہمیت

”میں یہاں پر اس مہم کے واقعات کی تفصیل بیان کرنا نہیں چاہتا۔ جولائی کے مہینے ہی میں پنجاب گورنمنٹ کی طرف سے ضروری برقی پیغامات موصول ہوئے تھے جن میں شورش برپا ہونے کی اطلاعات دی گئی تھیں۔ جیسا کہ فوج کے کوارٹر ماسٹر جنرل (۱) نے لکھا تھا کہ تنبیہ اس قدر ضروری اور مدد کے لئے التجا اس قدر اہم تھی کیونکہ حقیقتہً ہماری فوج کا ایک دستہ باغیوں کے محاصرہ میں تھا کہ حکومت ہند نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا۔ جیسا کہ ۱۸۶۳ء کی تباہی نے سبق دیا تھا، کمانڈر اعظم نے پنجاب کی فوجی چھاؤنیوں کو کمزور کرنے یا سرحدی چوکیوں سے فوجی دستے منگوانے کے بجائے شمال مغربی صوبوں سے رجمنٹیں منگوائی تھیں۔ لڑائی لڑنے والا دستہ چھ ہزار سے سات ہزار باقاعدہ فوج پر مشتمل تھا۔ اس کے علاوہ باقی سرحد کی تمام فوج گنی کر دی گئی تھی اور ہندوستان میں انگریزی فوج کے منتخب شدہ سپاہی مجاہدین کے مقابلہ میں جمع کر دیے گئے تھے۔“

(۱) گورنمنٹ کے ملٹری محکمہ کے سکرٹری کو خط نمبر ۱۶۳ مجریہ ۵ نومبر ۱۸۶۸ء پیرا نمبر ۴)

مجاہدین کے خلاف انگریزوں کی کارروائیوں کا نتیجہ اور اس کا اعتراف عجز

”اب میں نے اپنی سرحد پر اس باغی کیمپ کی تمام تاریخ ۱۸۳۱ء سے جب کہ اس کی ابتداء ہوئی ۱۸۶۸ء تک جب کہ آخری مرتبہ انہوں نے ہم کو جنگ میں دھکیلا، بیان کر دی ہے۔ وہ تمام پرانی مصیبتیں جو انہوں نے سکھ حکومت کے وقت سرحد پر نازل کی تھیں، وہ تمام ایک تلخ وراثت کی صورت میں ہم تک پہنچیں۔ اس نے تمام سرحد میں تعصبی جذبات کو برقرار رکھنے کے علاوہ تین مرتبہ قبائل کو یکجا اکٹھا کر دیا۔ جس کی وجہ سے برطانوی ہند کو ہر ایک موقع پر بہت سی مہنگی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ یکے بعد دیگرے ہر گورنمنٹ نے اعلان کیا کہ یہ ہمارے لئے ایک مستقل خطرہ ہے، لیکن اس کے باوجود ان کو تباہ کرنے کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔ اب تک بھی یہ ہماری غیر وفادار رعایا اور ہمارے سرحد پار کے دشمنوں کی امیدوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ کس وقت ہم قبائل کی خانہ جنگیوں کی لپیٹ میں آجائیں گے جو وسط ایشیا میں ہر وقت جاری رہتی ہیں۔ مگر اس وقت یہ عین ممکن ہے کہ اس سال کے ختم ہونے سے پہلے ایک اور افغانی جنگ لڑنی پڑے۔ یہ جنگ جب کبھی بھی ہوگی (اور جلد یا بدیر ہو کر رہے گی) تو ہماری سرحد پر غدار آبادی ہمارے دشمنوں کو ہزار ہا آدمی مہیا کر سکے گی۔ ہمیں ان غداروں کی اپنی ذات سے کوئی ڈر نہیں، اگر ہمیں ڈر ہے تو ان شورش پسند عوام سے ہے جن کو یہ مجاہدین ہمارے خلاف جہاد کرنے کے لئے بار بار اکٹھا کرتے ہیں۔ نو صدیوں کے دوران میں ہندوستانی لوگ شمال کی طرف سے حملہ کرنے سے عادی ہو چکے ہیں اور کوئی شخص اس اہمیت کے متعلق پیشگوئی نہیں کر سکتا جسے یہ باغی کیمپ مغربی مسلمان خانہ بدوش گروہوں کی مدد سے ایک ایسے لیڈر کی سرکردگی میں جو اپنے اندر ایشیا کی قوموں کو جہاد کرنے کے لئے اکٹھا کر سکتا ہو، حاصل کر سکتا ہے۔“ (۵۱-۵۲)

انگریزوں کے خلاف وہابیوں کا باغیانہ لٹریچر

انگریزوں کے خلاف ضرورت جہاد پر انگریزوں کی نظم و نشر کی مختصر سی مختصر کیفیت بھی لکھنے کی کوشش کی جائے تو اس کے لئے ایک دفتر چاہیے۔ اس جماعت نے بہت سادہ پیدا کر دیا ہے جو انگریزی حکومت کے زوال کی پیشگوئیوں سے پُر اور ضرورت جہاد کے لئے وقف ہے۔ ان کتابوں کے محض نام ہی سے ان کے تمام کمال باغیانہ ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ میں ذیل میں چودہ کتابوں کی فہرست دیتا ہوں:

(۱) صراط مستقیم: یہ امام سید احمد امیر المومنین کے ملفوظات ہیں۔ مولوی محمد اسماعیل دہلی نے اس کو فارسی زبان میں لکھا اور مولوی

عبدالجبار کانپوری نے اردو میں ترجمہ کیا۔

(۲) قصیدہ جہاد: یہ ایک نظم ہے جس میں جہاد کی اہمیت بیان کی گئی ہے اور ان لوگوں کے لئے اجر بیان کیا گیا ہے جو اس میں

حصہ لیں گے، مصنفہ مولوی کرم الہی کانپوری۔

(۳) شرح وقایہ: کافروں کے خلاف جہاد پر بحث ہے۔ اس میں مجاہدین کے متعلق اور کن کن سے جہاد کرنا چاہیے کے متعلق

پوری ہدایات موجود ہیں۔ اس میں بہر حال اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ جہاد اس وقت کرنا چاہیے جب کہ مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہو۔

(۴) منظم پیشگوئی نعمت اللہ: یہ انگریزی حکومت کے زوال کی پیش گوئی ہے۔ اور اس میں ایک مغربی بادشاہ کی آمد کا بیان ہے

جو ہندوستانی مسلمانوں کو انگریزوں کے پنجے سے رہائی دلانے گا۔

(۵) تاریخ قیصر روم، مصباح السیر: یہ عبدالوہاب بانی جماعت کی سوانح عمری ہے اس پر مظالم، اس کی جنگ ترکی مرتدین

کے خلاف وغیرہ درج ہیں۔ (مسودہ)

(۶) آثار محشر یعنی قیامت کی نشانیاں: مطبوعہ مولوی محمد علی ۱۲۶۵ھ مطابق ۱۸۴۹ء اس منظوم کتاب کی بہت اشاعت کی گئی

ہے۔ یہ پنجاب کی سرحد پر خیبر کی پہاڑیوں پر ایک جنگ کی پیش گوئی ہے جہاں پر انگریز پہلے پہل مسلمانوں کو شکست دیں گے، اس پر

مسلمان ایک سچے امام کی تلاش کریں گے۔ پھر ایک جنگ ہوگی جو چار دن تک رہے گی۔ جس کا انجام انگریزوں کی مکمل تباہی پر ہوگا۔

یہاں تک کہ حکومت کی بوجھی ان کے دل و دماغ سے نکل جائے گی۔ اس کے بعد امام مہدی کا ظہور ہوگا اور اب کہ مسلمان ہندوستان

کے حکمران ہوں گے تو وہ جوق در جوق مکہ معظمہ میں ان سے جا ملیں گے۔ یہ واقعات رونما ہونگے جب کہ چاند اور سورج دونوں

رمضان المبارک کے مہینے میں گرہن ہوں گے۔

(۷) تقویۃ الایمان۔ یعنی استحکام دین۔ مصنفہ مولوی محمد اسماعیل دہلوی۔

(۸) تدابیر الاخوة یعنی برادرانہ گفتگو۔

(۹) نصیحت المسلمین۔ مسلمانوں کو نصیحت۔ مولوی کرم علی کانپوری۔

(۱۰) ہدایت المومنین۔ مصنفہ اولاد حسین۔

(۱۱) تنویر العینین۔ آنکھوں کی روشنی (عربی میں ہے)

(۱۲) عبدالحماد۔ (عربی میں ہے)

(۱۳) تنبیہ الغافلین۔ (اردو میں ہے)

(۱۴) چہل حدیث۔ رسول اکرم ﷺ کی چالیس حدیثیں جہاد کے متعلق۔ (۷۶-۷۷)

(آپ دیکھ رہے ہیں کہ ان میں ہر کتاب نہ انگریزوں کے خلاف لکھی گئی نہ ان میں جہادی تحریک پائی جاتی ہے مگر اس نے اپنی تحقیق میں جن جن کتابوں کو موثر دیکھا اور لوگوں میں ان کی پذیرائی دیکھی ان سب کو اس فہرست میں شامل کر دیا ہے۔ مگر بہت سی خاص وہ کتابیں اور مضامین جو موضوع سے متعلق تھے اس کی فہرست میں نظر نہیں آتے ہیں)

مجاہدین کی باکمال اور پر جوش قیادت کے کارنامے

”ایک دفعہ پھر ان مجنوں کی تحریک تباہی کے قریب معلوم ہوتی تھی مگر پٹنہ کے خلیفوں کے تبلیغی جوش اور مال و دولت نے جوان کے تصرف میں تھی، مقدس جھنڈے کو خاک سے اٹھا کر ایک بار پھر بلند کر دیا۔ انہوں نے تمام ہندوستان میں اپنے مبلغ دور ادیے اور مذہبیت کو اس حد تک زندہ کیا کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ ان دونوں خلیفوں (۱) نے بذات خود بنگال اور جنوبی ہند کا دورہ کیا۔ چھوٹے چھوٹے مبلغین بے شمار تھے۔ اور مدبرانہ تنظیم نے ان کو اس قابل بنا دیا تھا کہ جہاں کہیں حالات اجازت دیتے اپنے مریدوں میں اپنا اڈا جمالیے۔ اس طرح پر ضلع میں مجاہدین کا ایک مبلغ ہوتا اور ان کے جذبات کو مشتعل رکھنے کے لئے وقتاً فوقتاً سفری واعظ بھی دورہ کرتے رہتے۔ پٹنہ کا مرکزی پروپیگنڈا ان کے اقتدار کو پائیدار اور مستقل کرتا رہتا تھا۔ شراکتیوں کے لئے ان مبلغوں کی قوت بنگال میں کس قدر بڑھ گئی ہے، میں بعد میں بیان کروں گا۔ جنوبی ہند میں انہوں نے جوش و خروش کی وہ آندھی چلائی کہ عورتوں نے اپنے ہیرے جواہرات تک بیت المال میں دے دیے۔ شمال مغربی صوبوں سے انہوں نے رنگرٹوں کی کمپنیوں کی کمپنیاں مجاہدین کے کیمپ کی طرف روانہ کیں۔ ہر جگہ پر انہوں نے مسلمان آبادی کے جوش کو انتہا تک پہنچا دیا۔ اور اگرچہ بنگالیوں کی اعلیٰ دفاعی قوتیں آخر کار اس تحریک کو موجودہ درجہ تک لے آئیں لیکن کچھ مدت کے لئے ہندوستان کے تمام صوبوں میں ایک ہی جیسے جوش و خروش کے ساتھ زندہ رہی۔ پٹنہ کے مجسٹریٹ نے لکھا تھا کہ ان لوگوں نے ہمارے گنجان آباد ضلعوں کے ہر ایک گاؤں میں خود حکومت کے افسروں کی زیر حفاظت اور زیر سایہ علانیہ بغاوت کی تبلیغ کی۔ مسلمان آبادی کے دلوں کو بے قرار کیا اور فتنہ و فساد کے لئے ایسا حیرت انگیز اقتدار حاصل کیا جیسا کہ ظاہر ہے“۔ (۲)

(۱) ولایت علی اور عنایت علی۔ اول الذکر نے بنگال کا دورہ کرنے کے بعد بمبئی علاقہ نظام اور وسط ہندوستان کو اپنا خاص علاقہ بنا لیا۔ ولایت علی نے اپنی تمام کوششیں جنوبی اور وسطی صوبوں میں صرف کر دیں مالوہ، بوکرہ، راجشاہی پٹنہ، نادیا اور فرید پور، عنایت علی نے اس تحریک کو فرید پور سے مشرق کی طرف ڈھا کہ، میمن سنگھ، نو اکھلی اور بارہ سال تک پہنچا دیا۔ زین العابدین نے جو حیدرآباد کا رہنے والا تھا اور جس کو ولایت علی نے اپنے جنوب کے دورے میں مرید کیا تھا اپنی کوششوں کا مرکز شمال مشرقی بنگال کو بنایا اور سلہٹ اور شمالی پتیریا کے کسانوں کو اپنا ہمنوا بنا لیا۔ کلکتہ ریویو جلد (c.i)

(۲) سرکاری دستاویزات ۱۸۶۵ء، ص: ۵۹۔

وہابیوں کی تنظیمی صلاحیت

”اس بغاوت کے تین نمایاں پہلو جو مقدمہ کے دوران میں ظاہر ہوئے یہ ہیں۔ پہلی وہ حیرت انگیز قابلیت جس سے دور دراز تک پھیلی ہوئی بغاوت کو منظم کیا گیا، دوسرے وہ رازداری جس کے ساتھ اس کی مختلف پیچیدہ کارروائیاں عمل میں لائی گئیں۔ تیسرے

وفاداری کا وہ رویہ جو اس کے ممبران نے ایک دوسرے کے ساتھ روا رکھا۔ ان کی کامیابی کا راز ان کے عمدہ فرضی ناموں کے ترکیب اور خفیہ زبان پر تھا۔ (۱۰۶-۱۰۷)

بنگال کے وہابی مجاہدین کی سرگرمیاں اور انگریزوں کے خلاف ان کے جذبات کی کیفیت

”دہانہ گنگا کے متعصب مسلمان اپنے آپ کو وہابی نہیں بلکہ فرازی (۱) کہتے ہیں یعنی زیادہ اعلیٰ مذہب کے پیرو۔ وہ اپنے آپ کو نو مسلم کہہ کر بھی پکارتے ہیں۔ کلکتہ کے مشرقی اضلاع میں ان کی ایک کافی تعداد رہتی ہے۔ ہم اس سے پہلے دیکھ آئے ہیں کہ ۱۸۳۱ء میں ایک مقامی لیڈر نے تین چار ہزار آدمیوں کو اپنے گرد جمع کر لیا تھا اور کلکتہ کے ملیشیا کی ایک جماعت کو شکست بھی دی تھی، یہاں تک کہ باقاعدہ فوج ہی کی مدد سے ان کو دبایا جاسکا۔ ۱۸۴۲ء میں اس جماعت نے ایک خطرناک صورت اختیار کر لی اور حکومت کو اس کی بالخصوص تحقیقات کرنا پڑی۔ بنگال کے پولیس افسر نے رپورٹ کی تھی کہ ان کے صرف ایک واعظ نے اسی (۸۰) ہزار مرید جمع کر رکھے ہیں جو آپس میں پورا پورا بھائی چارہ رکھتے اور ہر ایک کے منشا کو جماعت کا منشا سمجھتے ہیں۔ بعد کے خلفاء خصوصاً بیجی علی نے جنوبی بنگال کے فرازیوں کو شمالی ہندوستان کے وہابیوں میں مدغم کر دیا تھا۔ اور گزشتہ تیرہ برس سے ہم ان کو میدان جنگ کے مقتولین اور عدالتوں کے کٹھروں میں ساتھ ساتھ کھڑا دیکھتے ہیں۔

(۱) (فراز: بلند۔ وہ اپنی جماعت کا بانی تیلو میاں کو نہیں بلکہ شرکت اللہ کو جو ڈھا کہ میں ۱۸۲۸ء میں وعظ کیا کرتے تھا قرار دیتے ہیں)

تحریک کے لئے جذبہ فدائیت و جانثاری

۱۸۶۳ء سے ۱۸۶۸ء تک جمع شدہ سرمایہ اور آدمی حسب دستور سرحد جاتے رہتے۔ چنانچہ اس سازش کو قابو میں لانے کے لئے ہمیں ایک علاحدہ محکمہ قائم کرنا پڑا۔ اس وقت وہابیوں کی دیکھ بھال اور انکو اعتدال پر رکھنے کے لئے صرف ایک ہی صوبے کا خرچ اس قدر بڑھ گیا تھا جتنا ایک انگریزی ضلع کا جس میں سکاٹ لینڈ سے ایک تہائی انسان بستے ہیں۔ بندوبست، عدالت اور جرائم پر خرچ کرنا پڑتا ہے۔ یہ شراٹنگیزی اس حد تک پھیل چکی ہے کہ ہمارے لئے اس بات کا معلوم کرنا بہت ہی مشکل ہو گیا ہے کہ اصلاح شروع کی جائے تو کہاں سے۔ ہر ایک ضلع کا مرکز ہزاروں خاندانوں میں بے اطمینانی پھیلاتا ہے اور ان کے خلاف صرف وہی لوگ شہادت دے سکتے ہیں جو ان کے مرید ہوں لیکن ان کا یہ حال ہے کہ اپنے سردار سے غداری کی بجائے موت کو ترجیح دیتے ہیں۔

۱۸۶۸ء میں ہماری پولیس کی تنگ و دو اور سرحد پر فوجی چوکیوں کے باوجود ان مجاہدین کی سازشوں نے حکومت ہند کو ایک اور خونریز جنگ میں ڈھکیل دیا، جس میں ہمارا بہت سا روپیہ خرچ ہوا۔ اسی سال مالده کے مرکز نے بے خطر ہو کر پٹنہ کے خلیفہ کے لڑکے کو دعوت دی کہ وہ بنگال کے عین وسط میں پہنچ کر بغاوت کی تبلیغ کرے۔ روزمرہ کی عداوتی کارروائیاں اس بحران کو روکنے کے لئے بالکل بے کار ثابت ہوئیں اور حکومت کو ان اختیارات خصوصی سے کام لینا پڑا جن کے استعمال کا ایسے مواقع پر اس کو اختیار دی ہے۔ (ص ۱۰۸-۱۰۹)

وہابیوں پر قائم مشہور مقدمات

ہنٹرنے ۱۸۶۳ء کے انبالہ کیس کا جو وہابیوں پر قائم کیا گیا تھا تفصیلی بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے: جولائی ۱۸۶۳ء میں سر ہربرٹ

ایڈورڈ نے انبالہ کے سیشن جج کی حیثیت سے ایک ایسے سیاسی مقدمہ کا فیصلہ سنایا جس میں عدالت کی بیس پیشیاں ہو چکی تھیں۔ انگریزی حکومت نے مسلمان رعیت کے گیارہ افراد کو بغاوت کے جرم میں گرفتار کی۔ اس میں مسلمان قوم کے ہر طبقہ کے لوگ شامل تھے۔ ان میں بہت بڑے عالم خانوادوں کے چشم و چراغ، ایک فوجی ٹھیکیدار، ایک فوجی تھوک فروش قصاب، ایک عرضی نویس، ایک سپاہی، ایک دورہ کرنے والا مبلغ، ایک خدمت گار نوکرو اور ایک کاشتکار تھا۔ ان کی پیروی ایک انگریز وکیل نے کی۔ ان کو عدالت میں قانونی عذر خواہی اور مقدمے پر بہترین وکالت سے پورا فائدہ اٹھانے کا موقع حاصل تھا۔ ان کے چھ ہم وطن بحیثیت ایسیس کے جج کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اس مقدمہ کے خاتمہ پر ان میں سے آٹھ کو عمر قید بعمر دریاے شور کی سزا ہوئی اور تین کو قانون کی انتہائی سزا دی گئی۔ اس کے بعد اس نے ہر ہر ملزم کا مبسوط تعارف کرایا جن میں مولانا بیچی علی اور مولانا جعفر تھانیسری سرفہرست ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے تحریک مجاہدین کے ہمہ گیر اثرات، ملکی سطح پر ان کی سرگرمیوں اور انگریزوں کے خلاف ان کی سرگرمیوں اور تباہ کاریوں کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ اس لئے انگریزوں نے اس تحریک کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے اپنے اقتدار کا اندھا دھند استعمال کیا اور اس کے لئے ایسے ایسے حربے آزمائے جن کی تفصیل انتہائی المناک ہے۔ مگر ان سے آگاہی کے لئے مولانا غلام رسول مہر، مولانا مسعود عالم ندوی، مولانا نذیر احمد ملوی، جناب قیام الدین صاحب بلکہ مولانا عبدالرحیم صادق پوری اور مولانا جعفر تھانیسری کی کتابوں کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔

تحریک مجاہدین کی سرگرمیوں کے علاوہ جب ملک میں تحریک آزادی کی عام لہر چلی تو اس میں اہل حدیث علماء و اعیان نے نمایاں کارنامے انجام دئے تھے جن میں سرفہرست مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا عبدالقادر قسوری، مولانا محمد علی قسوری، مولانا داؤد غزنوی وغیرہ تھے، ان کے علاوہ بھی بہت سی اہم شخصیات ہیں جن کے کارناموں سے نئی نسل کو روشناس کرانا بہت ضروری ہے، جس کے لئے مختلف جہات سے کام کرنے کی ضرورت ہے، اس کی اہمیت اس لئے اور بڑھ جاتی ہے کہ اس تاریخ کو مسخ کرنے اور فراموش کرنے کی منظم کاوشیں ہو رہی ہیں۔

(ماہنامہ الجماعۃ ممبئی: ستمبر و اکتوبر ۲۰۱۷ء)



تاریخ اہل حدیث بہار

محمد تزیل الصدیقی

بہار، بھارت کا اہم ترین خطہ ہے۔ زمانہ قدیم ہی سے یہ خطہ مشہور و معروف رہا ہے۔ یہ بھارت کی شمال مشرقی ریاست ہے۔ اس کے شمال میں آزاد ملک نیپال ہے، جب کہ مغرب میں اتر پردیش، جنوب میں جھارکھنڈ اور مشرق میں مغربی بنگال کی ریاستیں ہیں۔ ۲۰۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق بہار کی آبادی دس کروڑ سے متجاوز تھی، جس میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب ۱۷ فیصد کے قریب تھا۔ ۲۰۱۱ء ہی کی مردم شماری کے مطابق بہار کا ضلع کشن گنج مسلم اکثریتی ضلع ہے جس میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب ۶۸ فیصد تھا۔ عظیم آباد (پٹنہ) بہار کا دارالخلافہ ہے، جب کہ اس کے مشہر اضلاع میں نالندہ، گیا، مونگیر، شیخ پورہ، مظفر پور، دربھنگہ، بھاگل پور، سستی پور، پورنیہ، سارن، مغربی چمپارن وغیرہ شامل ہیں۔

بہار کا اصل نام ”ویہارہ“ تھا، لیکن کثرت استعمال سے یہ بہار بن گیا۔ مولوی جواد حسین گیاوی لکھتے ہیں:

”بہار بزبان سنسکرت دارالعلوم رامی گویند۔ (تاریخ حسن، ص: ۱۶)

”بہار سنسکرت میں دارالعلوم کو کہتے ہیں۔“

بہار کو ایشیا کے سب سے پہلے مرکز علم ہونے کا شرف حاصل ہے۔ مذہبی زرخیزی کے اعتبار سے بھی یہ سرزمین تاریخ عالم میں خاص امتیازی شان رکھتی ہے۔ ہندو مذہب کے قدیم مذہبی نوشتوں رامائن اور مہا بھارت میں بھی بہار کا ذکر ملتا ہے۔ ہندوؤں کی مقدس دیوی سیتا جی بہار کے شہر مظفر پور سے تعلق رکھتی تھیں۔ دنیا کے دو بانیاں مذاہب (بدھ مت اور جین مت) راجکمار سدھارتھ، جنہوں نے سلطنت و ریاست کو خیر باد کہہ کر گیان اور تپسیا کی زندگی اختیار کر کے گوتم بدھ کے لقب سے شہرت پائی، اور مہاویر کا تعلق اسی خطہ ارضی سے تھا۔ سکھ مذہب کے دسویں گورو گو بند سنگھ جی نے پٹنہ ہی میں آنکھ کھولی۔ موبدان مجوسی نے بھی ایک عرصہ تک پٹنہ کو اپنا مرکز علم و دانش بنائے رکھا۔ مشہور مجوسی عالم آذریوان نے پٹنہ ہی میں وفات پائی۔

بہار کی اسلامی تاریخ کا آغاز بھی نہایت شاندار طریقے سے ہوا۔ الخلیل (بیت المقدس، فلسطین) کے خانوادہ زبیری ہاشمی کے بزرگ امام محمد تاج فقیہ اپنی مجاہدانہ تگ و تاز کے ساتھ یہاں ۵۷۶ھ کو فاتحانہ داخل ہوئے اور اس وقت منیر کے ہندو راجہ کو شکست دے کر بہار کی پہلی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔ امام محمد تاج فقیہ کے ۲۴ برس بعد ترک سپہ سالار بختیار خلجی نے پورے بہار و بنگال کو اسلامی سلطنت کا حصہ بنا ڈالا۔

بہار کی مسلم مذہبی شخصیات میں مخدوم شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری، قاضی محب اللہ بہاری، شیخ الکل سید نذیر حسین محدث بہاری ثم دہلوی، امام ابوالطیب شمس الحق عظیم آبادی اور علامہ سید سلیمان ندویؒ بین الاقوامی شہرت کی حامل شخصیات گزری ہیں۔

بہار کی تاریخی حیثیت بھی متحدہ ہندوستان کی تاریخ میں سب سے نمایاں رہی ہے۔ قدیم ہندوستان کی تاریخ کو اگر بہار کی تاریخ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ بہار کا دار الخلافہ ”پاٹلی پتر“ متحدہ ہندوستان کا دار الخلافہ تھا۔ چندرگپت موریہ اس پہلی عظیم الشان سلطنت کا حکمران تھا۔ متحدہ ہندوستان کا سب سے بڑا بادشاہ اشوک اعظم تھا، جو چندرگپت موریہ کا پوتا اور بہار کا باسی تھا۔ اس کی حدود سلطنت مشرق میں برما، جنوب میں سری لنکا، شمال میں تبت اور مغرب میں افغانستان تک پھیلی ہوئی تھی۔ برصغیر کی تاریخ میں اس سے بڑھ کر نہ اس سے قبل کوئی حکمران گزرا ہے اور نہ ہی اس کے بعد کسی کو اتنی بڑی سلطنت مل سکی۔ مغل دور میں صرف شیرشاہ سوری کی مثال ملتی ہے جس نے مغلوں کو ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کر دیا اور متحدہ ہندوستان پر حکومت قائم کی، اس کی زندگی میں مغل بادشاہ ہمایوں کو ہندوستان میں داخل ہونے کی ہمت نہ ہو سکی۔ شیرشاہ سوری کا تعلق بہار کے شہر سہرام سے تھا۔

سید احمد شہید کی جماعت مجاہدین کا سب سے بڑا مرکز بھی اندرون ہند صادق پور (پٹنہ) تھا۔ یہاں ایک مجاہد خانوادے نے سید احمد شہید کی شہادت کے بعد ایثار و قربانی اور مجاہدانہ تگ و تاز کی غیر فانی روایات قائم کیں۔ مولانا ولایت علی، مولانا عنایت علی، مولانا عبداللہ، مولانا بیگی علی، مولانا احمد، مولانا عبدالرحیم (صاحبان صادق پور) نے اپنی زندگیاں تحریک نفاذ اسلامی کی خاطر وقف کر دیں۔ برطانوی عہد میں ہندوستان کے واحد ہندوستانی گورنر جنرل سر علی امام کا تعلق بھی کرائے پر سرائے (پٹنہ) سے تھا۔ تقسیم ہند کے بعد جمہوریہ ہندوستان کے پہلے صدر راجندر پرشاد پٹنہ سے تعلق رکھتے تھے۔

علم و دانش کی دنیا میں بھی فرزندان بہار نے نمایاں حصہ لیا۔ آریابھٹ جیسا ماہر فلکیات، حکیم بیدپا مصنف ”کلیلہ و دمنہ“ جیسا معلم اخلاق، ہندی منطق کا بانی گوتم رشی، چانکیہ (کوٹلیہ) مصنف ”ارتھ شاستر“ جیسا ماہر سیاست اسی خطے سے تعلق رکھتے تھے۔

بہار میں تحریک اہل حدیث۔ ایک اجمالی جائزہ

تیرہویں اور چودھویں صدی ہجری میں بہار تحریک اہل حدیث کا اہم ترین مرکز رہا ہے، لیکن اس سے قبل گزشتہ عہد میں یہاں شیخ شرف الدین احمد منیری مشہور بزرگ گزرے ہیں جن کی عام شہرت ایک صوفی کی حیثیت سے ہے، تاہم وہ ایک جلیل القدر محدث بھی تھے اور ان کا میلان طبع واضح طور پر اصحاب الحدیث کی جانب تھا۔

شیخ شرف الدین منیری

صاحب ”نزہۃ الخواطر“ علامہ حکیم عبدالرحمن حسنی ان کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

”الشیخ الامام العالم الكبير صاحب المقامات العلیة والكرامات المشرقة الجلیة شیخ الاسلام أحمد..... الهاشمی المنیری، الشیخ الامام شرف الدین البھاری أحمد مشاہیر الأولیاء، اتفق الناس علی ولايته وجلالته وبلوغه درجة الاجتهاد“ (نزہۃ الخواطر۔ ص: ۱۳۳)

شیخ شرف الدین احمد منیری برصغیر کے پہلے محدث ہیں جنہوں نے ”مشارق الانوار“ سے آگے بڑھ کر صحیحین کی تعلیم و تدریس کا

فریضہ انجام دیا۔ ڈاکٹر محمد اسحاق لکھتے ہیں:

”کہا جاتا ہے کہ ان کو نہ صرف بہار بلکہ پورے ہند میں صحیحین کی تعلیم شروع کرنے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ (علم حدیث میں بر عظیم پاک و ہند کا حصہ (ص: ۸۲)۔

شیخ شرف الدین احمد منیری نے حدیث کی تعلیم و تدریس کے ذریعہ ایک مستقل دبستانِ فکر کی بنیاد ڈالی۔ کتب حدیث کی جمع و اشاعت اور اس کی تعلیم و تدریس کا ایک خاص ذوق پروان چڑھانے میں اس دبستان کا امتیازی حصہ ہے۔ پروفیسر معین الدین دردائی لکھتے ہیں:

”آپ کی تصانیف کی سب سے بڑی خصوصیت جو ایک اور نظر آتی ہے وہ آپ کا تفسیر و حدیث کو اپنی تحریر میں ہمیشہ پیش نظر رکھنا ہے۔ آپ نے حدیث و تفسیر کے بے شمار حوالے دیے ہیں، بلکہ آپ کی تصانیف کا اصل مقصد ہی قرآنی احکام اور سنت نبویہ کی اشاعت معلوم ہوتا ہے۔“ (تاریخ سلسلہ فردوسیہ۔ ص: ۲۳۹)

مخدوم شرف الدین احمد کی خدمت حدیث کے نتیجے میں ان کے تلامذہ علم حدیث کی نشر و اشاعت کے لئے مستعد ہوئے، جنہوں نے اپنی زندگیاں حدیث کی نشر و اشاعت کے لئے وقف کر دیں۔ ان میں مولانا مظفر شمس پلٹی، مخدوم منہاج الدین راستی گیلانی، مولانا نصیر الدین جون پوری، شیخ حسین نوشہ توحید اور پھر ان کے بعد شیخ احمد لنگر دریا پلٹی اسی سلسلہ سند سے منسلک تھے۔

شیخ شرف الدین کے عقائد و افکار اور فقہی و تاریخی نظریات بھی خصوصی توجہ کے مستحق ہیں توحید اسماء و صفات کے باب میں شیخ شرف الدین احمد کا مسلک سلف صالحین کے طریقے پر تھا چنانچہ فرماتے ہیں:

”ذات اس کی موصوف ہے بہ صفات کمالیہ، نقصان و زوال سے پاک ہے، جو اس کے لئے مناسب ہے، اسی طور پر ہے اور معرفت صفات سے مراد ہے کہ صفاتہ لیس کصفاتنا (معدن المعانی۔ ص: ۲۹)

”جس طرح اس کی ذات قدیم ہے صفات بھی قدیم ہیں اور کل کائنات قائم بذات خداوند ہے“ (معدن المعانی۔ ص: ۲۹)

نیز فرماتے ہیں:

”حقیقت یہ ہے کہ خدا بھی قدیم ہے اور اس کے صفات بھی قدیم۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ صفات کبھی نہ تھے اور ایسا ہرگز نہیں ہے کہ یہ صفات کبھی نہ ہوں۔“ (شرح آداب المریدین: ص- ۳۷)

متشابہات کے باب میں فرماتے ہیں:

”بہت سے فتنے متشابہ آیات و احادیث کے سلسلے میں ہوتے رہے ہیں، ان فتنوں سے سلامتی کی راہ وہی ہے جو اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ جتنا بھر تلاوت قرآن اور روایت حدیث میں آیا ہے اس سے آگے بیان و تشریح میں نہ جائیں۔“ (شرح آداب المریدین: ص- ۴۵)

اجتہاد و تقلید اور بعض فقہی مسائل سے متعلق ”خوان پر نعمت“ کی ۳۵ ویں مجلس بڑی اہم ہے، جس سے شیخ کے مسلک و مشرب کا واضح اظہار ہوتا ہے۔ تقلید کے باب میں گفتگو ملاحظہ کیجئے:

”شیخ معز الدین نے عرض کیا: اگر کوئی شخص کسی ایک مجتہد کے قول پر عمل کرتا ہے اور دوسرے مجتہد کا قول اس مجتہد کے قول کے خلاف ہے تو ایسے موقع میں کیا کرنا چاہیے؟ حضرت مخدوم نے فرمایا: ایسے موقع میں احتیاط واجب ہے۔ اس طرح عمل کرے کہ دونوں کے قول کی موافقت ہو جائے۔ اس لئے کہ اگر کوئی شخص کسی ایک مجتہد کے قول پر عمل کرتا ہے (یعنی وہ اس مجتہد کا مقلد ہے) تو قیامت کے دن اس (مقلد) کے حق پر ہونے کی دلیل جائز اور صحیح ہوگی جس طرح اس (مقلد) کے حق پر ہونے کے لئے اس (مجتہد) کا قول دلیل ہوگا، اسی طرح جائز ہے کہ کل قیامت کے دن دوسرے (مجتہد) کا قول حق پر ہونے کے لئے دلیل ہوگا۔ مثلاً سرکا مسح فرض ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پورے سر کا مسح فرض ہے تو ایسی صورت میں احتیاط واجب ہے یعنی (امام اعظم کا مقلد) پورے سر کا مسح کر لے تو دونوں کے قول پر عمل ہو جائے گا“۔ (خوان پرنعمت، مجلس: ۵: ۳۵ (ص: ۱۳۱، ۱۳۲))

مزید فرماتے ہیں:

”اگر کسی مسئلہ میں قیامت کے دن امام مالک کے قول کے درست ہونے پر حکم ہوا اور امام اعظم نے جو فرمایا وہ صحیح نہ ہوا تو (مقلد) اپنی ذمہ داری سے مطلقاً عہدہ برانہ ہوگا۔ پس حقیقتاً ذمہ داری سے اس وقت عہدہ برانہ ہوگا کہ کل قیامت کے دن شرع کے رو سے اس پر کوئی دلیل قائم نہ ہو اور عبادات میں یہ اسی وقت ہوگا کہ وہ (مقلد) اس طرح عامل ہو کر جملہ اقوال پر اس کا عمل ہو جائے (خوان پرنعمت، مجلس: ۵: ۳۵: (۱۳۲))

مذکورہ بالا اقتباسات سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ تقلید شخصی کے اس طرح قائل ہی نہیں جیسا کہ عام مقلدین ہیں، بلکہ اس کے برعکس ان کے اندازِ فکر میں خاصا توسع ہے جو مجتہدانہ اسلوبِ منہج کا عکاس ہے۔ (خوان پرنعمت) کے انہی اقتباسات کی روشنی میں ابوالحسن بسمل جمال پوری کا ایک مضمون ”مخدوم الملک مولانا شیخ شرف الدین احمد گئی میری اور تقلید شخصی و فاتحہ خلف الامام“ ہفت روزہ ”اہل حدیث“ (امر ترس) کی ۱۰ فروری ۱۹۲۸ء کی اشاعت میں طباعت پذیر ہوا۔

شیخ منیری کے سوانح نگار سید ضمیر الدین احمد عظیم آبادی نے گو ”سیرت الشرف“ میں انہیں حنفی باور کرانے کی کوشش کی ہے، تاہم ان کے مسلک کے ضمن میں یہ لکھنے پر بھی مجبور ہوئے:

”حق یہ ہے کہ مخدوم کا مذہب فقہائے اہل حدیث کا مذہب تھا جو تمام صوفیہ کرام میں اس وقت شائع تھا۔ (سیرت الشرف۔ ص: ۱۶۴)

علمائے صادق پور

بہار میں اہل حدیث فکر و منہج کو بطور تحریک و سبب تر بنیادوں پر پھیلانے کا کام سب سے پہلے علمائے صادق پور نے کیا۔ خانوادہ صادق پور کے گل سرسبد مولانا ولایت علی صادق پوری سے متعلق مولانا عبد الرحیم صادق پوری لکھتے ہیں:

”آپ کی تحصیل قرآن و احادیث اور وعظ و نصائح سے ملک ہندوستان میں عمل بالحدیث کا چرچا ہوا اور تقلید و تعصب کی بنا کمزور و مضحل ہونے لگی، کیونکہ قرآن و حدیث کی محبت اور ان کی ترویج نے حق کو روشن کر دیا (جاء الحق و زهق البطل) (الدر المنثور فی

ترجم اہل الصادقور (ص: ۱۵۵)

مولانا ولایت علی کے بعد ان کے افرادِ خاندان میں شاہ محمد حسین، مولانا عنایت علی، مولانا فرحت حسین، مولانا اولیاء علی، مولانا احمد اللہ، مولانا یحییٰ علی، مولانا ارادت حسین، مولانا فیاض علی وغیرہم نے خصوصی طور پر بہار کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا، جس سے اہل حدیث فکر کو پروان چڑھنے کا موقع ملا۔

(مولانا عبید اللہ سندھی لکھتے ہیں: ”پٹنہ کے مولانا ولایت علی معرکہ بالاکوٹ میں موجود نہ تھے۔ موصوف مولانا اسماعیل شہید کی اس جماعت کے خاص رکن تھے جو مولانا شہید نے حجۃ اللہ پڑھنے کے بعد اس پر عمل کرنے والی ایک جماعت بنائی تھی۔ یہ لوگ رفع یدین کرتے اور آمین بالجہر کیا کرتے۔“ (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک، ص: ۱۰۲)

مزید لکھتے ہیں: ”مولانا ولایت علی کی تحریک کے متعلق ہمارا خیال یہ ہے کہ وہ مولانا اسماعیل شہید کی اس خاص جماعت کو، جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے، زندہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اسی لئے مولانا نذیر حسین اور نواب صدیق حسن جیسے عالم بھی ان کا ساتھ دیتے ہیں۔“ (حوالہ مذکور، ص: ۱۰۲)

مقدماتِ سازش

ہندوستان میں وہابی تحریک کے اساطین کے خلاف انگریزوں نے سازشی مقدمات قائم کیے، ان پر فرد جرم عائد کی گئی۔ انہیں جیلوں میں مجبوس کیا اور کالے پانی کی سزائیں دی گئیں۔ ۱۸۶۲ء سے ۱۸۷۱ء تک سازش کے پانچ بڑے مقدمات قائم کیے گئے۔

(۱) مقدمہ سازشِ انبالہ ۱۸۶۳ء

پہلا مقدمہ سازشِ انبالہ کی نسبت سے معروف ہے، کیونکہ اس کی ابتدا منشی محمد جعفر تھانیسری سے ہوئی تھی، جن کا تعلق انبالہ سے تھا۔ اس ابتلا و آزمائش میں جو پانچ بزرگ آخر وقت تک ثابت قدم رہے، ان میں سے چار کا تعلق عظیم آباد سے تھا، جن کے نام حسبِ ذیل ہیں: مولانا یحییٰ علی جعفری صادق پوری، مولانا عبدالرحیم زبیری صادق پوری، میاں عبدالغفار اور قاضی میاں جان۔ پانچویں بزرگ منشی محمد جعفر تھانیسری تھے۔ ان تمام اسیرانِ بلا و مصائب میں بقول مولانا مسعود عالم ندوی ”مولانا یحییٰ علی ہر حیثیت سے خاص امتیاز کے مالک تھے“۔ (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، ص: ۱۱۸)

انبالہ سیشن جج سر ہربرٹ ایڈورڈ نے انہیں سزائے موت دی اور بقول ولیم لسن ہنٹر: ”شاید ہی کسی عدالت نے ایسے پراثر الفاظ کہے ہوں گے جیسے کہ سر ہربرٹ ایڈورڈ نے اس کے لئے سزائے موت تجویز کرتے ہوئے کہے“ (ہمارے ہندوستانی مسلمان، ص: ۱۴۸)

اپنا فیصلہ سناتے ہوئے سر ہربرٹ ایڈورڈ نے کہا:

”وہ بہت تعلیم یافتہ انسان ہے اور اپنی لاعلمی کا عذر پیش نہیں کر سکتا۔ جو کچھ اس نے کیا، سوچ سمجھ کر عمداً اور سخت باغیانہ طریقے پر

کیا۔ وہ موروثی باغی ہے اور ایک متعصب خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔“ (ہمارے ہندوستانی مسلمان، ص: ۱۴۸)

(۲) مقدمہ سازش پٹنہ ۱۸۶۵ء

۱۸۶۵ء میں حکومت نے پٹنہ میں مولانا احمد اللہ کے خلاف مقدمہ سازش قائم کیا مقدمے کی خاص بات یہ ہے کہ مقدمے کے مجسٹریٹ راؤنشا پہلے شخص ہیں جنہوں نے ایک یادداشت مرتب کی جس میں بنگال و بہار کے تمام کارکنان تحریک کی فہرست ضلع وار مرتب کی اور حکومت سے ان کے خلاف کارروائی کرنے کی سفارش کی، جس کی بدولت عرصہ تک انہیں تنگ کیا گیا ان کی املاک ضبط کر لی گئیں اور اس طرح کئی خوش حال مسلمان گھرانے خانماں برباد اور تہی دست ہو گئے۔ راؤنشا ہی کی سفارش پر جو علمائے صادق پور مقدمات میں ماخوذ ہوئے ان کی تمام منقولہ وغیر منقولہ املاک ضبط کر لی گئیں اور ظلم کی انتہا یہ رہی کہ ان کے خاندانی قبرستان تک کو مسمار کر دی۔

(۳) مقدمہ سازش پٹنہ ۱۸۷۱ء

یہ اس سلسلے کا آخری بڑا اور مشہور مقدمہ تھا۔ مولانا احمد اللہ کی گرفتاری کے بعد مولوی مبارک علی اور ان کے فرزند مولوی تبارک علی اندرون ہند جماعت مجاہدین کے ذمے دار بنے۔ اس مقدمے میں سب سے دل چسپ معاملہ تحریک جہاد کے ایک بڑے معاون امیر خاں کے ساتھ پیش آیا۔ امیر خاں پٹنہ کے محلہ عالم گنج کے رہنے والے اور کروڑ پتی تاجر تھے۔ بڑے بڑے انگریز بھی ان کی تجارت کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ ان کی عظیم الشان تجارت تباہ کرنے اور ان کی جائیداد ضبط کرنے کی غرض سے بڑا ہی عظیم الشان مقدمہ ”تصنیف“ کی۔ جس میں ۱۱۳ سرکاری گواہ امیر خاں کے خلاف پیش کیے گئے۔

یہ مقدمات تاریخ کا حصہ ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ انگریزی استعمار کے خلاف بہار اور بالخصوص عظیم آباد کا کس درجہ امتیازی مقام رہا ہے۔

سید نذیر حسین محدث دہلوی

شیخ الکل سید نذیر حسین دہلوی کا آبائی وطن بھی بہار کے ضلع مونگیر کا ایک گاؤں سورج گڑھ ہے، یہیں حضرت محدث دہلوی کی ولادت ہوئی۔ سید نذیر حسین دہلوی اکتساب علم کی غرض سے پہلے پہل پٹنہ پہنچے اور یہاں محلہ نموہیاں میں شاہ محمد حسین کے مدرسے میں ترجمہ قرآن پاک اور مشکاۃ المصابیح کی تعلیم حاصل کی۔ شاہ محمد حسین، سید احمد شہید کے خلیفہ اور خانوادہ صادق پور کے قرابت دار تھے۔ سید نذیر حسین محدث دہلوی کا بہار سے تعلق ہمیشہ برقرار رہا۔ اکثر تبلیغی دوروں پر وہ بہار تشریف لایا کرتے تھے۔ یہاں حضرت میاں صاحب کے عقیدت مندوں کا ایک بہت بڑا حلقہ تھا۔

اراکین دبستان نذیریہ

سید نذیر حسین دہلوی کے اثرات بہار میں بہت گہرے رہے۔ بہار سے ان کا تعلق ان کی وفات تک برقرار رہا۔ سید نذیر حسین دہلوی کے کبار تلامذہ کی ایک بڑی تعداد کا تعلق بہار سے ہے۔ بعد کے ادوار میں بہار میں اراکین دبستان نذیریہ کا فیض علمائے صادق

پور سے بھی کہیں وسیع تر بنیادوں پر پھیلایا۔ علماء مدرسین کی ایک بڑی تعداد پیدا ہوئی، جنہوں نے بہار کے چپے چپے میں تبلیغ کے فرائض انجام دیے اور تدریسی مراکز قائم کیے۔

کسی ایک ضلع میں حضرت میاں صاحب کے تلامذہ کی سب سے بڑی تعداد کا تعلق بھی بہار کے دارالخلافہ پٹنہ اور نالندہ (حضرت میاں صاحب کے عہد میں نالندہ کو مستقل ضلع کا درجہ حاصل نہیں ہوا تھا اور وہ پٹنہ ہی کا حصہ تھا) سے ہے، جن کی تعداد ۸۴ ہے۔ اسی طرح جن خانوادوں کے متعدد اراکین کی نمایاں تعداد نے میاں صاحب سے استفادہ کیا، اس میں بھی بہار اور پنجاب کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ بہار میں ڈیانواں، مہدانواں، پھلواری، شکرانواں، جھکا اور رحیم آباد وغیرہا کے علمی خاندانوں کے ایک سے زائد اراکین نے حضرت میاں صاحب سے اکتساب علم کیا۔

ایک دلچسپ اتفاق یہ بھی رہا کہ بہار میں حضرت میاں صاحب محدث دہلوی کے بیشتر کبار تلامذہ کا نسبی تعلق خلیفہ بلا فصل امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ سے جا ملتا ہے، مثلاً: علامہ شمس الحق ڈیانوی دیگر علمائے ڈیانواں، مولانا حافظ ابو محمد ابراہیم آروی، علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی و دیگر علمائے رحیم آباد، مولانا تملطف حسین عظیم آبادی، مولانا رفیع الدین شکرانوی، مولانا حافظ عبداللہ بازید پوری وغیرہم نسباً دو دمان صدیقی کے فرزند تھے۔

آرہ میں مولانا ابراہیم آروی نے ”مدرسہ احمدیہ“ قائم کیا جو اپنے عہد کی عظیم الشان دینی درس گاہ تھی، جس کی وجہ سے کبار اہل علم کی ایک بڑی تعداد یہاں مجتمع ہو گئی تھی۔ حضرت حافظ عبداللہ غازی پوری نے ۲۰ برس یہاں صدر المدرسین کے فرائض انجام دیے، حتیٰ کہ اس عہد میں ”آروی“ ان کی صفتِ نسبتی بن گئی۔ خود انہوں نے بھی یہاں کی مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اپنی ایک صاحبزادی سیوان (بہار) کے ایک نامور انصاری گھرانے میں بیاہی۔ بہار کے مشہور کانگریسی لیڈر عبدالقیوم انصاری، حافظ عبداللہ غازی پوری کے نواسے تھے۔ مگر اس سکونت پذیری کے باوجود وفات سے چند برس پیشتر مولانا کو تقدیر الہی نے دوبارہ اتر پردیش جا پہنچایا، وگرنہ شاید آج ان کا تذکرہ علمائے بہار کے ذیل میں ہوتا۔

ایسا ہی دل چسپ اتفاق مولانا سعید بنارس اور مولانا عبدالسلام مبارک پوری کے ساتھ بھی رہا۔ اول الذکر گجرات (پنجاب) کے ایک سکھ گھرانے کے رکن تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد دینی علوم کی تحصیل کی اور اس سے فراغت کے بعد انہوں نے پہلے پہل آرہ ہی کو اپنی جہود و مساعی کا مرکز بنایا۔ ”مدرسہ احمدیہ“ میں مدرس رہے، مگر بانی مدرسہ سے چند اختلافات کے باعث آرہ کی سکونت ترک کر کے بنارس میں جا مقیم ہوئے۔ بزرگوں کے اختلافات میں حکمتِ الہی کے کئی گوشے مستور ہوتے ہیں۔ مولانا سعید بنارس کیا گئے، بنارس میں مرکز اہل حدیث کی تخم ریزی کے لئے تقدیر الہی انہیں وہاں لے گئی۔ آج اگر بنارس، بھارت میں اہل حدیث کا عظیم الشان مرکز ہے تو اس کی بنیادی وجہ مولانا سعید اور ان کے فرزند ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہم۔

آخر الذکر مولانا عبدالسلام نے ۱۶ برس صادق پور (پٹنہ) میں مولانا محمد یعقوب بن حکیم ارادت حسین صادق پوری کے در دولت پر درس و تدریس کے فرائض انجام دیے۔ یہیں انہوں نے اپنی مایہ ناز تصنیف ”سیرۃ البخاری“ لکھی۔

آرہ ہی میں مولانا ابراہیم نے ”مطبع خلیلی“ قائم کیا، جس کا انتظام مولانا کے بھائی مولانا ادیس سنبھالتے تھے۔ اس مطبع سے دین کی بڑی خدمت ہوئی اور حدیث کی نادر کتابوں کی اولین طباعت یہاں سے انجام پائی۔

عظیم آباد (پٹنہ) اور نالندہ میں متعدد بستیاں تھیں جو دعوت کتاب و سنت کا مرکز بنی ہوئی تھیں، جن میں سب سے نمایاں ڈیانواں تھا جو علامہ شمس الحق اور ان کے خانوادے کا مسکن تھا۔ علامہ عظیم آبادی صاحب ثروت و دولت تھے۔ انہوں نے اپنی دولت کو دین کی نشر و اشاعت کا ذریعہ بنایا اور علماء کی ایک بڑی تعداد یہاں جمع کر لی، جنہوں نے تدریس و تصنیف کے ذریعے غیر معمولی دینی خدمات انجام دیں۔ علامہ حافظ عبداللہ غازی پوری، مولانا مبارکپوری صاحب ”تحفۃ الاحوذی“، مولانا عبدالسلام مبارک پوری، مولانا نور محمد اعظم گڑھی وغیرہم مختلف ادوار میں ڈیانواں سے منسلک رہے۔ حافظ صاحب غازی پوری نے یہاں ایک برس تدریس کے فرائض انجام دیے۔ صاحب تحفہ یہاں سات برس مقیم رہے، ”ابکار الممن“، جیسی علمی کتاب یہیں بیٹھ کر لکھی۔ خود علامہ شمس الحق کی تصنیفات علوم اسلامی کا گراں قدر سرمایہ ہیں جن سے آج طلاب حدیث کی ایک بڑی تعداد مستفید ہو رہی ہے۔

شکرانواں میں مولانا رفیع الدین کی علم پروری نے اس کو ردہ دیہات کو علوم و فنون کا مخزن بنا دیا تھا۔ یہاں شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم کی کتابوں کا ایسا ذخیرہ جمع ہو گیا تھا کہ جس کی مثال پورے ہندوستان میں نہیں مل سکتی تھی۔ اس دیہات سے ”سنن ابی داؤد“، اور ”زم التاویل“، ”تائید مذہب السلف“، جیسی کتابیں طبع ہوئیں۔ یہ سب مولانا ہی کی سعی کا فیض تھا۔

بازید پور میں مولانا حافظ عبداللہ بازید پوری نے اپنے ذاتی خرچ سے ایک مدرسہ قائم کیا۔ بہار میں حضرت میاں صاحب کے تلامذہ کرام کی جانب سے قائم کیا جانے والا یہ پہلا مدرسہ تھا۔

گیلانی میں میاں صاحب کے ایک تلمیذ رشید اور ان کی فکر کے علمبردار مولانا عبداللہ پنجابی نے ہزارہ کی سکونت ترک کر کے یہاں مستقل اقامت اختیار کی۔ مولانا اور ان کے فرزند تلامذہ نے کتاب و سنت کی تبلیغ و اشاعت کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا۔

چھپرہ میں مولانا عبدالغفار نشر مہدانوی اور شاہ عین الحق پھلواری کی تبلیغ مساعی ناقابل فراموش ہیں۔ آخر الذکر نے ”خانقاہ مجیدیہ“ پھلواری کی سجادگی ترک کر کے حکیم آباد گھگھٹھ (چھپرہ) میں مستقل سکونت اختیار کی۔

شمالی بہار میں ترہت کمشنری کے اضلاع میں حضرت میاں صاحب کے تلامذہ میں جس کا فیض سب سے زیادہ پھیلا، وہ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی کی ذات گرامی ہے۔ انہوں نے تحریک الہمدیث کو تنظیمی بنیادوں پر مستحکم کیا۔ بہار میں انہوں نے متعدد مدارس بنائے۔ عشر و زکوٰۃ کا مستقل نظام قائم کیا اور لوگوں کو دینی نظام کے ساتھ منسلک کیا۔ تحریک الہمدیث کے نشر و ابلاغ میں علامہ رحیم آبادی کی خدمات کا دائرہ صرف بہار تک محدود نہیں۔ تحریک اہل حدیث کی جدید تنظیمی اصولوں کے مطابق قیام و استحکام مولانا ہی کا رہن منت ہے اور وہی اس کے خشت اول ہیں۔

اراکین دبستان نذیریہ (بہار) کی یہ چند نمایاں ترین شخصیات ہیں وگرنہ میاں صاحب کے تلامذہ کی ایک بہت بڑی تعداد ہے جن کے اعمالِ حسنہ کے جلوے ارض بہار کے چپے چپے میں روشن و نمایاں ہیں۔ اللہ رب العزت ان کی حسنات قبول فرمائے۔ آمین۔

بہار میں سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے تلامذہ کرام

بہار میں حضرت سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے تلامذہ کرام کی ایک بڑی تعداد گزری ہے۔ بعض اضلاع میں بعض مقامات ایسے بھی ہیں جہاں کئی ایک تلامذہ گزرے اور ان مقامات کو تحریک اہل حدیث میں ایک امتیازی مقام حاصل ہوا، اس لئے ان ذیلی مقامات کو بھی نمایاں کیا ہے، جیسے: ڈیانواں، نگر نہسہ، مہدانواں، پھلواری، دانا پور، جھمکا اور رحیم آباد۔ فہرست حسب ذیل ہے:

عظیم آباد (پٹنہ) و نالندہ

ڈیانواں:

(۱) محدث شہیر علامہ شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی، م ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء (۲) مولانا نور احمد محدث ڈیانوی، م ۱۳۱۸ھ (۳) مولانا عبدالجبار ڈیانوی، م ۱۳۱۹ھ (۴) مولانا محمد اشرف ڈیانوی، م ۱۳۲۶ھ (۵) مولانا حکیم نصیر الحق ڈیانوی، م ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء (۶) مولانا محمد زبیر ڈیانوی، م ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء (۷) مولانا حافظ محمد ایوب ڈیانوی، م ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء (۸) مولانا حکیم عبدالقیوم ڈیانوی، م ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء (۹) مولانا حکیم محمد ادیس ڈیانوی، م ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء (۱۰) مولانا محمد ابراہیم ڈیانوی۔

نگر نہسہ:

(۱۱) علامہ حکیم علیم الدین حسین نگر نہسوی، م ۱۳۰۶ھ (۱۲) علامہ حکیم عبدالباری نگر نہسوی، م ۱۳۱۸ھ (۱۳) مولانا نذیر الدین حسین نگر نہسوی (۱۴) مولانا حکیم عبدالعزیز نگر نہسوی۔

مہدانواں:

(۱۵) مولانا عبدالغفار نثر مہدانوی، م ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء (۱۶) مولانا فضل حسین مظفر پوری، م ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء (۱۷) مولانا ابو محمد عبدالرؤف مہدانوی، م ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء (۱۸) مولانا محمد ابراہیم اعظم بیاپوری، م ۱۹۲۲ء (۱۹) مولانا حکیم محمد شریف فخر مہدانوی، م ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء۔

پھلواری:

(۲۰) مولانا شاہ علی نعمت پھلواری، م ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء (۲۱) مولانا شاہ عین الحق پھلواری، م ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء (۲۲) مولانا شاہ محمد سلیمان پھلواری، م ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء (۲۳) مولانا نظیر حسن پھلواری۔

دانا پور:

(۲۴) مولانا عبدالغفور نیر دانا پوری، م ۱۳۰۱ھ
(۲۵) مولانا عبدالصمد اوگانوی دانا پوری، م ۱۳۱۸ھ
(۲۶) مولانا ابوالحسنات عبدالغفور فارغ دانا پوری، م ۱۳۳۳ھ

(۲۷) مولانا شاہ محمد توحید دانا پوری

(۲۸) مولانا نور الحسن دانا پوری

عظیم آباد (پٹنہ) و نالندہ کے دیگر تلامذہ کرام:

(۲۹) مولانا لطف العلی راج گیری بہاری، م ۱۲۹۶ھ (۳۰) شاہ ممتاز الحق بہاری، م ۱۳۱۱ھ (۳۱) مولانا عبدالغنی لعل پوری، م ۱۳۱۳ھ (۳۲) مولانا حکیم وحید الحق استھانوی، م ۱۳۱۵ھ (۳۳) مولانا حافظ عبداللہ بازید پوری، ۱۳۱۸ھ (۳۴) مولانا بشارت کریم دیسنوی، م ۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۳ء (۳۵) مولانا عبدالبر عظیم آبادی، م ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۵ء (۳۶) مولانا محمد ابراہیم شکرانوی، م ۱۹۱۰ء (۳۷) مولانا عبدالحکیم بہ پوری منیری، م ۱۳۲۹ھ (۳۸) مولانا سید عبدالکبیر بہاری، م ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۳ء (۳۹) مولانا عبداللہ پنجابی گیلانی، م ۱۳۳۳ھ (۴۰) مولانا سید محمد حازق بہاری، م ۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۵ء (۴۱) مولانا الہی بخش بڑا کری بہاری، م ۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۶ء (۴۲) مولانا تملطف حسین عظیم آبادی، م ۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۶ء (۴۳) شمس العلماء مولانا عبدالوہاب سر بہدوی بہاری، م ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۷ء (۴۴) مولانا حکیم الہی بخش عظیم آبادی، م ۱۳۳۷ھ (۴۵) مولانا رفیع الدین شکرانوی، م ۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء (۴۶) مولانا اوسط حسین مخدوم پوری، م ۱۳۴۰ھ / ۱۹۱۹ء (۴۷) مولانا بخش بڑا کری بہاری، م ۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۶ء (۴۸) مولانا سعادت حسین بہاری، م ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء (۴۹) مولانا حکیم محمد احسن عظیم آبادی (۵۰) مولانا شہود الحق عظیم آبادی (۵۱) مولانا محمد احسن استھانوی (۵۲) مولانا فیاض الدین عظیم آبادی (۵۳) مولانا محمد قیس عظیم آبادی (۵۴) مولانا اوگانوی (۵۵) مولانا ابوتراب گیلانی (۵۶) مولانا حافظ ضیاء الدین شکرانوی (۵۷) مولانا عاشق محی الدین بہاری (۵۸) مولانا محمد اسماعیل بہاری (۵۹) مولانا امیر حسن بہاری (۶۰) مولانا نظیر حسن بہاری (۶۱) مولانا فضل حق بہاری (۶۲) مولانا سخاوت حسین پنواڑ (۶۳) مولانا محمد شیر گیلانی (۶۴) مولانا عبدالکریم باڑھ (۶۵) مولانا ابراہیم بن لطف العلی بہاری (۶۶) مولانا عبداللہ عظیم آبادی (۶۷) مولانا نور الحق عظیم آبادی (۶۸) مولانا نجم الدین بہاری (۶۹) مولانا محمد بہاری (۷۰) مولانا ادیس عظیم آبادی (۷۱) مولانا اسحاق عظیم آبادی (۷۲) مولانا امیر علی عظیم آبادی (۷۳) مولانا مجو عظیم آبادی (۷۴) مولانا عبداللہ عظیم آبادی (۷۵) مولانا محمد اصغر بہاری (۷۶) مولانا محمد اسحاق بہاری (۷۷) مولانا ابوالحسن بہاری شاگرد قبل غدر (۷۸) مولانا محمد حیات بہاری (۷۹) مولانا سید محمد عبدالودود (۸۰) مولانا محمد صادق بہاری (۸۱) مولانا بہاری (۸۲) مولانا محمد نور بن حکیم عبدالرزاق بہاری۔

آرہ:

(۸۳) مولانا حافظ ابو محمد ابراہیم آروی، م ۱۳۱۹ھ (۸۴) مولانا محمد اسماعیل آروی، م قبل ۱۹۰۸ء (۸۵) مولانا محمد ادیس آروی، م ۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۷ء (۸۶) مولانا زین العابدین آروی، م بعد ۱۹۲۷ء (۸۷) مولانا حکیم ضمیر الحق قیس آروی، م ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء (۸۸) مولانا محمد اسحاق آروی، م ۱۳۶۹ھ (۸۹) عبدالحکیم آروی (۹۰) مولانا محمد قاسم آروی (۹۱) مولانا محب العلی آروی (۹۲) مولانا عبدالوہاب آروی (۹۳) مولانا شاہ نعمت اللہ (۹۴) مولانا عبداللطیف آروی۔

گیا:

(۹۵) مولانا محمد اسحاق بڈوسری گیاوی، م ۱۳۱۱ھ (۹۶) قاضی تبارک حسین گیاوی، م ۱۳۳۷ھ (۹۷) مولانا عبدالحفیظ رحمتی گیاوی (۹۸) مولانا محمد ذاکر گیاوی (۹۹) مولانا فضل کریم بڈوسری (۱۰۰) مولانا عبداللہ کا کوی (۱۰۱) شاہ عبدالصمد کا کوی۔

مونگیر شیخ پورہ:

(۱۰۲) مولانا فضل حق رمضان پوری، م ۱۹۱۹ء (۱۰۳) مولانا سید انور حسین مونگیری، م ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۹ء (۱۰۴) مولانا حکیم عبدالغفور رمضان پوری، م ۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء (۱۰۵) مولانا حکیم عبداللہ ہاتف پچنوی، م ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء (۱۰۶) مولانا ابو عمران عطاء الحق نبی نگری۔

بھاگل پور:

(۱۰۷) مولانا محمد سہول عثمانی بھاگل پوری، م ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء

جھمکا، مغربی چمپارن:

(۱۰۸) مولانا عبدالرشید جھمکاوی، م ۱۹۲۰ء (۱۰۹) مولانا حافظ شریف احمد جھمکاوی، م ۱۳۴۰ھ (۱۱۰) مولانا ابو الخیر جھمکاوی، م ۱۳۵۹ھ (۱۱۱) مولانا ابوسعید جھمکاوی، م ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۵ء (۱۱۲) مولانا علی منظر جھمکاوی

موتیہاری:

(۱۱۳) مولانا عبدالرشید بتیاوی

چھپرہ وسارن:

(۱۱۴) مولانا عبدالحق چھپروی، م ۱۹۲۱ء (۱۱۵) مولانا حافظ ابو محمد عبداللہ چھپروی، م ۱۳۴۸ھ/۱۹۳۰ء (۱۱۶) مولانا احسان اللہ شاگرد قبل غدر۔

سیوان:

(۱۱۷) مولانا حکیم محمد احسن سیوان (۱۱۸) مولانا امیر حسن (۱۱۹) مولانا محمد احسن سیوان (۱۲۰) مولانا احسن الدین سیوان (۱۲۱) مولانا حکیم عبدالعزیز سیوان۔

منظر پوروحاجی پور ویشالی:

(۱۲۲) مولانا حکیم ابوبیسی محمد زکریا منظر پوری، م قبل ۱۹۱۰ء (۱۲۳) مولانا عبدالنور دیگر اوی شم منظر پوری، م ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء (۱۲۴) مولانا محمد اموا (۱۲۵) مولانا حکیم حافظ محمد حسن ضریر البصر پنجابی حاجی پوری

در بھنگہ وسستی پور و مدھوبنی:

رحیم آباد:

(۱۲۶) علامہ عبدالعزیز محدث رحیم آبادی، م ۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۸ء (۱۲۷) مولانا محمد یسین رحیم آبادی، م ۱۲۹۸ھ (۱۲۸) مولانا عبدالرحیم رحیم آبادی، م ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۸ء (۱۲۹) مولانا محمود رحیم آبادی۔

درجہ نگہ کے دیگر تلامذہ کرام:

(۱۳۰) مولانا محمد ابوصالح بندھولی، م ۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۳ء (۱۳۱) مولانا نورالحق درجہ نگوی، م ۱۹۳۶ء (۱۳۲) مولانا محمود دیگر اوی (۱۳۳) مولانا الطاف حسین فاضل پوری (۱۳۴) مولانا ابوالسعادات عبدالحمید بریولی (۱۳۵) مولانا ابوالبرکات فیض الحسن بریولی۔

پورنیہ:

(۱۳۶) مولانا حفیظ الدین لطفی پورنیوی، م ۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۵ء

عظیم آباد (پٹنہ) اور نالندہ:

عظیم آباد (پٹنہ) ہندوستان کے قدیم ترین شہروں میں سے ایک ہے۔ اس کا قدیم نام پاٹلی پترا تھا۔ ”پاٹلی پترا“ کا نام سنتے ہی ذہن میں عہد قدیم کی تہذیب و ثقافت کا نقشہ ابھر کر سامنے آجاتا ہے۔ مغرب میں اگر یونان و روم اپنی قدیم ترین تہذیب رکھتے ہیں تو مشرق میں پاٹلی پترا بھی امتیازی تہذیبی شان کی حامل سر زمین رہی ہے۔

مغل بادشاہ اورنگ زیب کا ولی عہد شہزادہ عظیم الشان بہار کا گورنر ہا تھا، اس نے اس شہر کی تعمیر نو کی اور اسے ”عظیم آباد“ سے موسوم کیا گیا۔ عظیم الشان کی حادثاتی وفات کی وجہ سے اسے تخت ہندوستان پر بیٹھنا نصیب نہ ہوا، وگرنہ شاید عظیم آباد کی مرکزیت کی ایک بار پھر تجدید ہوتی۔

تحریک اہل حدیث کی تاریخ میں بھی عظیم آباد پٹنہ کو خاص امتیازی مقام حاصل ہے۔ سید احمد شہید کے عالی قدر خلفاء، جو بعد میں امرائے تحریک بنے، یہیں سے تعلق رکھتے تھے۔ پٹنہ کے محلہ صادق پور کا مجاہد خانوادہ انگریزی استعمار کا سب سے بڑا مخالف تھا جو ایک صدی تک ہندوستان کی تاریخ میں جرات اظہار اور حق و صداقت کا مرکزی نشان بنا رہا۔

یہ وہ تاریخی عوامل ہیں جو ہندوستان کی تاریخ میں پٹنہ کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں۔

حضرت میاں صاحب محدث دہلوی کے عہد میں پٹنہ اور نالندہ مشترکہ ضلع تھا۔ ۱۹۷۶ء میں نالندہ کو پٹنہ سے جدا کر کے مستقل ضلع کا درجہ حاصل ہوا۔ ۲۰۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق پٹنہ کی آبادی ۵۸ لاکھ سے متجاوز تھی جس میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب سات فیصد سے زائد تھا، جبکہ نالندہ کی آبادی ۲۸ لاکھ سے متجاوز تھی جس میں مسلمانوں کا تناسب آبادی کے فیصد کے قریب تھا۔

میاں صاحب کے سب سے زیادہ تلامذہ کی تعداد بھی پٹنہ اور نالندہ ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ نالندہ کے اطراف میں واقع متعدد مقامات سید نذیر حسین دہلوی کے تلامذہ کرام کی بدولت علوم کتاب و سنت کا عظیم مرکز بن گئے تھے۔ ڈیانواں، شکرانواں، کٹونہ، مہدانواں، نگرنہسہ، بازید پور، دانا پور وغیرہ میں آج بھی ماضی کی ان یادگاروں کے نقوش موجود ہیں۔

عظیم آباد سے تعلق رکھنے والے میاں صاحب کے دو تلامذہ ایسے ہیں جن کا ذکر عظیم آباد کے ذیل میں نہیں کیا گیا۔

(۱) مولانا علی حسن مدھوپوری، جن کا تعلق ”گیلانی“ (نالندہ) سے تھا، مگر انہوں نے یہاں کی سکونت ترک کر کے جھارکھنڈ کے شہر مدھوپور میں کتاب و سنت کی تبلیغ و اشاعت کی غرض سے مستقل اقامت اختیار کی اور وہیں مدفون ہوئے۔ ان کے حالات اسی جلد میں جھارکھنڈ کے ذیل میں ملاحظہ کیجئے۔

(۲) مولانا عثمان عظیم آبادی، جنہوں نے نہ صرف عظیم آباد بلکہ ہندوستان کی سکونت ترک کر کے مکہ مکرمہ میں مستقل اختیار کی، پھر حرم مکہ میں تدریس کے فرائض انجام دینے کی سعادت حاصل کی اور اسی خاکِ مقدس میں ۱۳۷۵ھ میں آسودہ لحد ہوئے۔ ان کے حالات ”دبستانِ نذیریہ“ کی آخری جلد میں رقم کیے جائیں گے جن میں بیرون ہندوپاک سے تعلق رکھے والے اراکینِ دبستانِ نذیریہ کے حالات لکھے جائیں گے۔ ان شاء اللہ۔

ڈیانواں:

ڈیانواں، بہار کی مشہور مردم خیز بستی ہے۔ اپنی متعدد علمی نسبتوں کی وجہ سے ڈیانواں کو خاص امتیازی مقام حاصل ہے۔ مولانا ابوسلمہ شفیق احمد بہاری لکھتے ہیں:

”ڈیانواں پٹنہ سے کچھ فاصلے پر جنوب و مشرق میں سادات و شیوخ کی قدیم آبادی ہے“ (ماہنامہ ”برہان“، (دہلی، جولائی ۱۹۵۱ء) مختلف جغرافیائی تبدیلیوں کے باعث اب ڈیانواں ضلع عظیم آباد پٹنہ کے بجائے نالندہ کا حصہ ہے۔ مشہور حنفی عالم مولانا ظہیر احسن شوق نیوی ”ڈیانواں“ کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ڈیانواں: جو نیچی سے دکن مائل بہ مغرب تین کوس کے فاصلے پر ہے، یہاں جناب مولوی گوہر علی مرحوم ایک نامی رئیس گزرے ہیں، جن کی جو دو سخاوت کا ڈنکا بجاتا ہے۔ اہل الخیرات ۱۲۷۸ھ تاریخ وفات ہے۔ ان کے صاحبزادے جناب مولوی محمد احسن مرحوم بھی اپنے پدر بزرگوار کے ہم قدم تھے۔ ان کے نواسے جناب مولوی شمس الحق صاحب اسی بستی میں رہتے ہیں، جن کی تالیفات سے دینیات میں بعض رسائل چھپ کر شائع ہو چکے ہیں۔ حال میں ان کی التعلیق المغنی علی الدارِ قطنی بھی چھپی ہے۔ آج کل ابوداؤد کی شرح غایۃ المقصود نام لکھ رہے ہیں“۔ (یادگار وطن - ص: ۷)

ڈیانواں کی اصل وجہ شہرت حضرت محدث کبیر شمس الحق ڈیانوی کی ذاتِ گرامی ہے، جس نے ڈیانواں کو اطرافِ عالم میں حیاتِ جاوید عطا کی۔ مولانا ابو محفوظ الکریم معصومی اپنے مقالے ”علم حدیث بہار میں، ایک اجمالی خاکہ“ میں لکھتے ہیں:

”جب تک علومِ اسلامی کی دنیا آباد رہے گی، ڈیانواں اور اس کے فرزندِ جلیل علامہ ابوالطیب شمس الحق بن امیر علی بن علی بن حیدر الصدیقی کی یاد تازہ ہوتی رہے گی۔ کچھ زیادہ دن کا قصہ نہیں ہے کہ بہار کا یہ چھوٹا سا خطہ علمِ حدیث کی ضوفشانیوں سے بقعہ نور بنا ہوا تھا، یہیں التعلیق المغنی علی سنن الدارِ قطنی، غایۃ المقصود اور عون المعبود جیسی اہم کتابیں لکھی گئیں“۔ (ماہنامہ ”برہان“، دہلی فروری ۱۹۵۱ء)

مولانا ابوالحسنات ندوی لکھتے ہیں:

”ڈیانواں: یہاں مولانا شمس الحق صاحب محدث، مولوی حافظ نور احمد صاحب اور مولوی محمد زبیر صاحب مشہور اربابِ عالم

دولت تھے۔ اول الذکر وہ مایہ ناز ہستی ہے جس پر اس آخری دور میں ہندوستان جس قدر چاہے فخر کر سکتا ہے۔ تمام عمر خدمت علم حدیث میں بسر کر گئے۔ تحصیل حدیث کے لئے آپ کے ہاں اکثر مدنی، یمنی اور نجدی عرب طلباء آتے تھے۔ مرحوم نے فن حدیث میں سنن ابی داؤد کی وہ بہترین شرح لکھی جس کو پڑھ کر عرب و عجم کی زبان سے بے ساختہ صدائے تحسین و آفرین بلند ہوئی۔ التعلیق المغنی علی الدر القطنی بھی مرحوم کی عمدہ تصنیف ہے۔ آخر الذکر افسوس ہے کہ جلد اس دنیا سے رخصت ہو گئے، معقولات اور اقلیدس میں یہ خاص طور پر مہارت رکھتے تھے۔ (ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں۔ ص: ۴۷)

دسویں اور گیارہویں صدی ہجری کے ایک بزرگ ملا محمد چاند نے ڈیانواں کو بسایا۔ وہ نسباً صدیقی تھے۔ سلسلہ نسب حسب ذیل ہے:

”ملا شیخ محمد چاند بن شیخ پھول بن شیخ مالک بن شیخ ظہور بن شیخ غنی بن شیخ عبداللہ بہادر بن شیخ محمد حاجی بن شیخ عبدالملک بن شیخ مخدوم الملک بن شیخ عبدالسلام بن شیخ محمد بخاری بن شیخ عبدالقیوم بخاری بن شیخ اسد اللہ بدایونی بن شیخ عبدالعلیم مدنی بن شیخ عبدالمزید بخاری بن شیخ ابی عبداللہ مدنی بن حیدر شجاع مدنی بن عبدالقادر مدنی بن عبدالعالم مشہدی بن علی عبداللہ مدنی بن عبدالرحمن الفقیہ بن قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق۔ (یادگار گوہری۔ ص: ۶۰)

اللہ نے ان کی نسل میں بڑی برکت دی۔ ان کی نسل ڈیانواں، نگرہسہ، محی الدین پور، نیہی اور موجی پور وغیرہا قصبات میں آباد ہوئی اور بڑے بڑے مشاہیر ان کی نسل سے پیدا ہوئے۔ ڈیانواں میں شیخ محمد چاند کے اولاد و احفاد میں مولانا گوہری علی پیدا ہوئے جن کی ذات فضل و کمال کا مخزن تھی۔

مولانا گوہری علی صدیقی ڈیانوی:

محدث عظیم آبادی کے نانا بزرگوار مولانا گوہری علی سخاوت و فیاضی میں مشہور انام تھے۔ لوگوں نے انہیں ”تاج الاسخیا“ کا لقب دیا تھا، حتیٰ کہ شیخ الکل سید نذیر حسین مدوح ان کے خانوادہ مرجع افادہ کو ”مجمع افتادگان“ کہا کرتے تھے۔ (الحیاء بعد المماۃ (ص: ۱۷۲، مکاتیب نذیریہ۔ ص: ۲۵)

مولانا گوہری علی ۱۲۱۳ھ میں ڈیانواں میں پیدا ہوئے۔ ان کا سلسلہ نسب حسب ذیل ہے:

”مولانا گوہری علی بن شیخ مہر علی بن شیخ کرم علی بن شیخ برہان الدین بن شیخ ہدایت علی بن شیخ عبدالغفور بن شیخ غلام مظفر بن شیخ ملا عبدالصمد بن ملا شیخ محمد چاند۔ تا۔ حضرت ابی بکر صدیق۔ (یادگار گوہری۔ ص: ۶۰)

تحصیل علم کے لئے پیتھو (ضلع گیا) اور بعض دیگر مقامات کا سفر کیا۔ فارسی میں مکمل دستگاہ حاصل کرنے کے بعد عظیم آباد پٹنہ میں مولانا مظہر علی عظیم آبادی، مولانا ابوالحسن منطقی سندھی ثم عظیم آبادی، مولانا جان علی عظیم آبادی اور مولانا ابراہیم حسین عظیم آبادی سے کتب درسیہ کی تکمیل کی۔ مولانا گوہری علی نے غربت سے امارت کا سفر کیا تھا، فارغ البال ہونے کے بعد بھی ان کی طبیعت میں غرور اور کسی قسم کی نخوت پیدا نہیں ہوئی، یہی وجہ تھی کہ وہ غریبوں کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھتے تھے۔ ان کا در دولت سخاوت و فیاضی کے لئے پورے بہار میں مشہور تھا۔ نہایت عالی کردار اور حلم و کرم میں اپنی مثال آپ تھے۔ علم اور علما کے از حد درداں تھے، یہی وجہ تھی کہ علما کی ایک بڑی تعداد

نے ان کے پاس مستقل بودوباش اختیار کر لی تھی، ان علماء کے پاس طلب علم کی ایک مخصوص تعداد ہمیشہ کسب علم کرتی رہی، عام طور پر باہر سے آئے طلباء کی تعداد سو تک جا پہنچتی تھی۔ یہ طلباء نہ صرف ان علماء سے اخذ علم کرتے بلکہ مولانا گوہر علی کے فیض علم سے بھی مستفید ہوتے۔ اس طرح گویا ڈیانواں میں ایک مدرسہ قائم ہو گیا تھا جس کے تمام تر اخراجات کے کفیل مولانا گوہر علی تھے۔ ان کو نایاب کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا، یہی وجہ تھی کہ ان کے کتب خانے میں قلمی کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا تھا۔ ”دیوان باقر“ کے مرتب مولوی سید حسین، مولانا گوہر علی کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

”قصبہ ڈیانواں ضلع پٹنہ کے رہنے والے تھے، بہت بڑے زمیندار تھے اور نہایت سخی اور فیاض بزرگ تھے۔“ (دیوان باقر۔ ص: ۳۲۸)

اپنی سخاوت و فیاضی کی وجہ سے مولانا گوہر علی کو عوام و خواص دونوں میں بڑی مقبولیت حاصل تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی وفات پر بہار سے تعلق رکھنے والے اس عہد کے ہر بڑے تاریخ گو شاعر نے ان کا قطعہ تاریخ وفات لکھا، جس میں ان کے علم و فضل اور سخاوت و فیاضی کی بے حد تعریف کی۔ ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۲۷۸ھ کو مولانا گوہر علی نے وفات پائی اور ڈیانواں میں مدفون ہوئے۔

مثلاً: مولانا سعید حسرت عظیم آبادی نے ”قسطاس البلاغۃ“ میں، مولانا باقر آروی نے ”دیوان باقر“ میں، مولانا بیگی نے ”کنز التواریخ“ میں اور مولانا احمد کبیر حیرت پھلواروی نے ”تاریخ الکملاء“ میں تاریخی قطعات لکھے۔

(مولانا گوہر علی ڈیانوی کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: یادگار گوہری (ص: ۶۰ تا ۸۹)، دیوان باقر (ص: ۲۹۵، ۳۲۸) محدث ڈیانوی (ص: ۷، ۸)، حیاۃ المحدث شمس الحق و اعمالہ (ص: ۵، ۶) مولانا شمس عظیم آبادی، حیات و خدمات (ص: ۴۹، ۵۰)، شرفا کی نگری (۲/ ۲۱۵)، ارض بہار اور مسلمان (ص: ۲۶۳)؛ ”الانتقاد“ شمارہ خاص ”امام شمس الحق عظیم آبادی“ (ص: ۱۶ تا ۱۷، ۲۴ تا ۲۵)۔

ڈیانواں کی علمی بہار

ڈیانواں، بہار کے ان چند مقامات میں سے ایک ہے جہاں کبار علمائے ذی اکرام بھی پیدا ہوئے اور ماہر فن اطباء کرام بھی۔ یہاں بلند پایہ شعر ابھی گزرے اور معتبر سیاسی زعماء بھی۔ بہار کی کوئی بڑی اور مستند تاریخ فرزند ان ڈیانواں کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ تدریس اور تصنیف کے اعتبار سے ڈیانواں میں علم پروری کے چار مختلف ادوار ہیں۔ پہلے دوسرے عہد کو عہد اساس کہا جا سکتا ہے، جس کا تعلق مولانا گوہر علی اور ان کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد احسن سے ہے۔ اس عہد میں ڈیانواں کو مدینۃ العلم بنانے کی سعی کی گئی۔ وہاں نامور اساتذہ بلائے گئے اور طلباء علوم کے وظائف مقرر کئے گئے۔ مولانا گوہر علی کے عہد میں مولانا ابوالحسن منطقی عظیم آبادی، شیخ عبدالحکیم شیخ پوری، مولانا مسیح اللہ، مولانا راحت حسنین، بھوی وغیرہم جیسے اساتذہ علم ڈیانواں میں فروکش تھے۔ مولانا محمد احسن کے عہد میں پرانے مدرسین بدستور برقرار رہے، لیکن نئے واردین میں مولانا لطف العلی راج گیری بہاری اور مولانا محمد احسن استھانوی جیسے اکابر علم شامل ہیں۔

ڈیانواں کا دور ثالث اس کا عہد عروج ہے۔ جب علامہ شمس الحق خود مسند علم پر متمکن ہوتے ہیں۔ اس عہد میں ڈیانواں کی علمی بہاروں کی شہرت صرف صوبہ بہار تک محدود نہیں رہتی، بلکہ ارض ہند سے سامعہ نواز ہوتے ہوئے بلا و عرب و مغرب تک جا پہنچتی

ہے۔ علامہ عظیم آبادی کے عہد میں علماء و اساتذہ علم کا ایک مجمع ڈیانواں میں جمع ہو جاتا ہے جن میں کچھ مسنددرس و تدریس سنبھالتے ہیں اور کچھ تصنیف و تالیف میں جہد و سعی کرتے ہیں، ان مشاہیر علماء میں استاذ الاساتذہ حافظ عبداللہ محدث غازی پوری، علامہ عبدالرحمن مبارک پوری، مولانا ابوالفیاض نور محمد منوی اعظم گڑھی وغیرہم شامل ہیں۔

ڈیانواں کا عہدِ عروج (دورِ ثالث) علامہ شمس الحق کے غروب کے ساتھ ہی غروب ہو جاتا ہے، عہدِ راج ان کے فرزند مولانا حکیم محمد ادیس سے تعلق رکھتا ہے۔ ۱۹۲۰ء میں انہوں نے ڈیانواں میں جامع ازہر کی بنیاد رکھی مگر اسے کامیابی سے چلانہ سکے۔ ہر چیز پر زوال آتا گیا، نہ تدریس کا کوئی سلسلہ منظم بنیادوں پر قائم رہ سکا، نہ تصنیف و تالیف ہی کی کوئی قابلِ قدر سعی ہو سکی اور نہ آبائی دولت و ثروت ہی کی حفاظت ہو سکی۔

ڈیانواں میں سید نذیر حسین دہلوی کے تلامذہ

سید نذیر حسین دہلوی سے مولانا مطلق حسین عظیم آبادی نے دریافت کیا تھا کہ صاحبزادگان ڈیانواں سے کوئی کتب ستمہ کی تحصیل کے لئے حاضر ہونا چاہتا ہے۔ سید صاحب جواب میں لکھتے ہیں:

”صاحبزادگان ڈیانواں میں سے جو صاحبزادہ تحصیل صحاح ستمہ کی غرض سے تشریف لائیں گے، ان کی خدمت گزاری میں حاضر ہوں۔ سعی میری جانب سے ہوگی اور تمام کرانا اللہ کی طرف سے

حلقہ پیر مغنم زازل درکوش است
ماہماں ایم کہ بودیم وہماں خواہد بود
”میں پیر طریقت کا حلقہ بگوش ہوں
میں وہی ہوں جو ہوں اور وہی رہوں گا“

(مکاتیب نذیر یہ۔ ص: ۳۳)

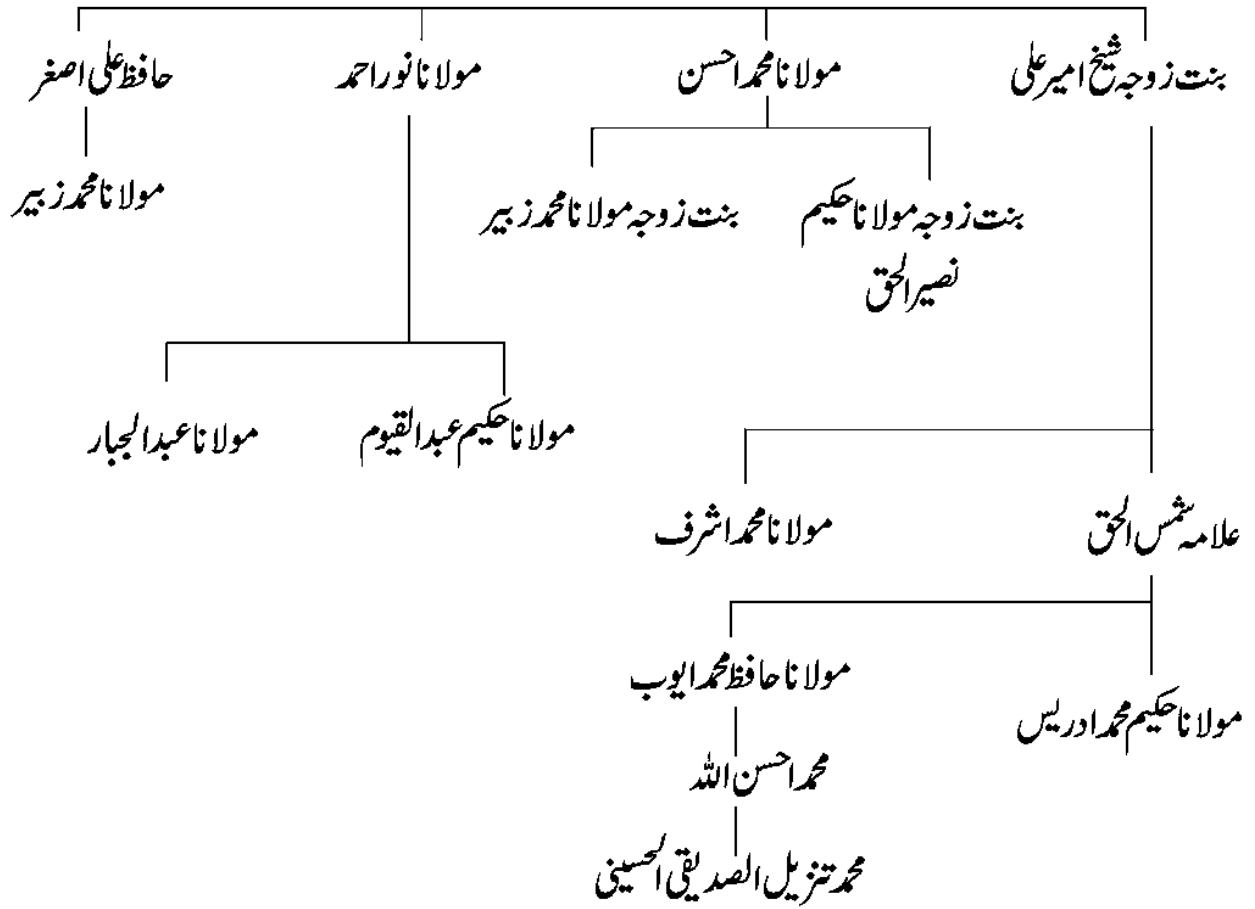
اس جواب سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سید نذیر حسین دہلوی کی نگاہوں میں ارباب ڈیانواں کا کیا مقام تھا۔ ڈیانواں سے تعلق رکھنے والے جن اکابر علم نے شیخ الکل سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی سے اخذِ علم کی سعادت حاصل کی، ان کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں:

(۱) امام ابوالطیب شمس الحق محدث ڈیانوی عظیم آبادی (۲) مولانا نور احمد محدث ڈیانوی (۳) مولانا ابوعبدالرحمن شرف الحق محمد اشرف ڈیانوی (۴) مولانا حکیم نصیر الحق ڈیانوی (۵) مولانا ابوعبداللہ محمد زبیر عتیق ڈیانوی (۶) مولانا عبدالجبار ڈیانوی (۷) مولانا حکیم عبدالقیوم ڈیانوی (۸) مولانا حکیم ابوعبداللہ محمد ادیس ڈیانوی (۹) مولانا حافظ محمد ایوب ڈیانوی (۱۰) مولانا محمد ابراہیم ڈیانوی۔

افسوس مولانا محمد ابراہیم ڈیانوی سے متعلق ہمیں کچھ معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ موجودہ معمر افرادِ خاندان سے بھی دریافت کیا، مگر وہ بھی کچھ بتانے سے قاصر ہی رہے۔ بقیہ علمائے ڈیانواں ایک ہی خاندانی سلسلے سے منسلک تھے۔ یہ سب مولانا گوہر علی ڈیانوی کی

اولاد و احفاد اور خویش واقارب میں سے تھے۔ مولانا گوہر علی کی اولاد و احفاد میں ایک صاحبزادے، تین احفاد، دونو اسے، دو پر نواسے، ایک پوتی داماد اور ایک نواسی داماد، یعنی کل ۱۰ افراد میاں نذیر حسین دہلوی سے رشتہ تلمذ رکھتے تھے۔ ایک ہی خاندان کے اس قدر افراد کی سید نذیر حسین دہلوی سے انسلک کی ایسی کوئی دوسری مثال دبستان نذیریہ میں نہیں ملتی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خاندانی شجرے کو یہاں درج کیا جائے، تاکہ ان علما کے باہمی خاندانی تعلق کو سمجھنا آسان ہو جائے۔

مولانا گوہر علی صدیقی



(ماخوذ از: دبستان نذیریہ تنزیل صدیقی جلد اول ص ۲۷-۵۶)

□□□

صادق پور: سوراؤں کا وطن سرفروشوں کی سرزمین

انظار احمد صادق

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ مسلمانوں ہی نے متحدہ ہندوستان کی آزادی کے لئے سب سے زیادہ قربانیاں دی ہیں، ہم یہ نہیں کہتے کہ دیگر اقوام نے قربانیاں نہیں دیں، بلکہ ان کی قربانیاں بھی نہایت شاندار اور شاہکار رہیں، مگر یہ ضرور کہیں گے کہ مسلمانوں کی قربانیاں دیگر اقوام کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہیں۔ ان میں بھی خاندان صادق پور کا نام نامی اسم گرامی آزادی کی تاریخ میں سنہرے باب بن کر چمکتا اور دکھتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہی وہ خاندان ہے جس کے سپوتوں اور سوراؤں نے اس بات کی قسم کھا رکھی تھی کہ ہم ہندوستان کو غلامی کے چنگل سے آزاد کر کے دم لیں گے، ہم اس ہندوستان کے سر پر گلابوں سے زیادہ مہکتا ہوا وہ سہرا باندھیں گے جس کی خوشبو ہندوستان کے چہرے میں پھیلے گی، ہم اپنے وطن عزیز سے نکت و بے روزگاری کی بیخ کنی کریں گے، ہم اپنے اس دیش کی قسمت کو دوبالا کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے دلوں اور سینوں میں آشاؤں کا دھپک روشن کریں گے، ہم اپنے بھارت و اسیوں کے نینوں میں ذہنی و فکری آزادی کے سپنے سجانے کے ساتھ ساتھ ہمیشہ ہمیش کے لئے غلامی کے نشانات کہن کو میکس مٹا کر دم لیں گے۔

جب ہم تاریخ کے اوراق پلٹتے ہیں تو تاریخ ہمیں یہی بتاتی ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ ان سوراؤں نے اپنی جان کی ایسی بازی لگائی اور جدوجہد مسلسل کا عمل اس طور پر جاری و ساری رکھا کہ بگڑے ہوئے مسائل کو سلجھا کر رکھ دیا، اپنی جوانمردی اور جولانی ہمت سے طوفان کے رخ کو موڑ دیا، غرور دشمن اور ان کے ناپاک عزائم کو نیست و نابود کر دیا، اپنے عزم و عمل کے ذریعے تیرگی پر ایسی کٹار چلائی کہ روشنی کا دریا اہل پڑا۔ اور بے جگری سے خون بہایا اور فرنگیوں سے پنجہ آزمائی کی ان فرنگیوں کو سرزمین ہند سے بوریا بستر لپیٹنے پر مجبور کر دیا، تب جا کر ہندوستان کے ہر گھر کے ہر آنگن میں آزادی کا پرچم لہرایا۔

اتنا کچھ کرنے کے لئے صادق پوری سوراؤں اور سرفروشوں کو مصائب و آلام کے کن کن مراحل سے دوچار ہونا پڑا اور کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، جب آپ اسے پڑھیں گے تو آپ کی آنکھیں چھلک پڑیں گی اور یہ سوراؤں کا عالم و جاہر سامراجیت کے سامنے استقامت کے پہاڑ نظر آئیں گے۔ جگر تھام کر ملاحظہ فرمائیں:-

۱۲ شعبان ۱۲۸۰ھ کو مولانا عبدالرحیم اسیر کالا پانی، جناب مولوی احمد اللہ اور جناب میاں عبدالغفار صاحبان رحمہم اللہ اپنے اپنے مکانوں میں اپنی اپنی مشغولیت میں مصروف تھے کہ یکایک الیگزینڈر صاحب کلکٹر و مجسٹریٹ پٹنہ مع پارسن صاحب پولیس سپرنٹنڈنٹ انبالہ مع دو تین افسران اور ایک جماعت کانسٹیبلان پولیس تشریف لائے اور ان لوگوں کے مکانوں کا احاطہ کر لیا، سخت پوچھتاچھ کے بعد ان کو گرفتار کر کے پٹنہ کے حوالات میں لے جا کر بند کر دیا، ساتھ ہی گھر میں جتنے قلمی مسودات اور خطوط کے ریکارڈ موجود تھے ان کو بھی ضبط کر لیا گیا۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ پٹنہ کے حوالات اور جیل میں یہ سب حضرات کسمپرسی کی زندگی گزارتے رہے، اس کے بعد مارچ ۱۸۶۳ء کے

آخر میں ان تینوں کو بذریعہ ٹرین انبالہ کے جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ جہاں پہلے ہی سے مولانا جعفر تھانیسری صاحب مقید تھے، انبالہ جیل کے جن حوالات میں ان مجاہدوں کو رکھا گیا، وہ حوالات کیسے تھے؟ ان کے اندر کس قسم کی اذیت رساں اشیاء جمع کی گئی تھیں، جب آپ پڑھیں گے تو کلیجہ منہ کو آئے گا۔ بہتر ہوگا کہ اس کی تفصیل ان حوالات میں سے ایک حوالاتی جناب مولانا عبدالرحیم اسیر کالا پانی رحمہ اللہ کی زبانی سنیں، موصوف اپنی مشہور تصنیف ”الدر المنثور فی تراجم اہل صادق فور معروف بہ تذکرہ صادقہ“ صفحہ ۶۶ پر رقم طراز ہیں:

جن کوٹھریوں میں ہمیں بند کیا جاتا تھا، وہ کوٹھری پانچ فٹ لمبی اور چار فٹ چوڑی ہوگی اور چھت اس کی نہایت بلند، اوپر چھت کے ایک چھوٹا سا روشن دان تھا کہ آدمی اس میں سانس لے سکے، نہایت تنگ و تاریک اس کوٹھری میں تخمیناً اڑھائی مہینے ہم لوگ رہے، جملہ گیارہ آدمی تھے، شب و روز میں ایک بار اس کا دروازہ کھلتا اور ایک جمعدار اور تین سپاہی اور ان کے ساتھ ایک باروچی کہ جس کے ہاتھ میں روٹیاں اور دال ہوتیں اور ایک سقہ کہ جس کے مشک میں پانی ہوتا اور ایک بھنگی ہاتھ میں گملائے ہوئے آتا اور ہر ایک کوٹھری کو کھولتا، باروچی دو روٹیاں اور کچھ دال دے دیتا اور سقہ ایک کوزہ پانی دیتا اور بھنگی گملا صاف کر دیتا اور پھر یہ لوگ چلے جاتے اور دروازہ بند ہو جاتا“

یہ خوراک جو چوروں کی طرح ان مجاہدوں کو دی جاتی تھی، اس کی کیفیت ایک دوسرے حوالاتی جناب مولانا جعفر تھانیسری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”تواریخ عجیب“ میں لکھا ہے کہ ”دوروٹیوں میں ایک حصہ آٹا اور تین حصے بالو اور مٹی شامل ہوا کرتے تھے۔ ساگ میں موٹے ڈنٹھلوں کے سوا پتی کے نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی۔“

ذرا غور کریں، ان مجاہدان باصفا کے ساتھ یہ کتنا دل خراش سلوک اور برتاؤں تھا، اور کس قدر حد درجہ غیر انسانی اور بدترین بربریت کی تصویر کشی ہے لیکن ان سب کے باوجود بھی یہ مجاہدین آزادی ہر حال میں صابر و شاکر رہے اور حق کے لئے پروانہ دار اپنی جانیں قربان کرتے رہے۔

ایک دوسرا واقعہ مولانا عنایت علی غازی صادق پوری رحمہ اللہ کا ملاحظہ فرمائیں۔ یہ بھی کچھ کم نہیں، اخیر زندگی میں ان کو مشکلات کے کس کٹھن دور سے گزرنا پڑا ہے، اسیر کالا پانی کی زبانی سنیں۔ اپنی تصنیف کردہ کتاب ”تذکرہ صادقہ“ کے صفحہ ۱۹۳ پر رقم طراز ہیں:

”۱۸۵۷ء کے غدر کی وجہ سے راہ پر خطر تھے، شہر سے باہر نکلتا دشوار تھا، املاک تہلکہ میں تھے، جانوں کے امن نہ تھے، پھر کس کو ہوش تھے اور کیوں کر ممکن تھا کہ سرحد پار فاقہ کشوں کے لئے کوئی سامان کیا جاتا، مسلسل فاقہ کشی نے حال تباہ کر دی، درختوں کی کونپلوں اور پتوں پر اصحاب صفہ کی سنت ادا ہونے لگی۔ چند ماہ مسلسل غلہ پر نظر نہ پڑی، اجابتیں خون آلود ہونے لگیں۔ آپ کے پاس کچھ نقد نہ تھے، آپ مہاجرین و انصار پر خرچ کر چکے تھے، اور وہ تھا ہی کیا اونٹ کے منہ میں زیرہ، اب ادھر ساتھیوں کی بدگمانی اور طعن شروع ہو گئے، زندگی تلخ تھی، یہ وہ وقت تھا کہ اگلی امم مضطر ہو کر ”متی نصر اللہ“ پکاراٹھی تھی، مگر اس صبر و استقامت کے کوہ نے نہایت حلم و رضا مندی کے ساتھ ”اللہم بالرفیق الاعلیٰ“ سے زبان تر کرتے ہوئے بعارضہ بخار و وضیق بالنفس ۱۲۷۴ھ مطابق ۱۸۵۸ء کے آخر میں سجن المؤمن سے جنت نعیم کو رحلت کی۔“

ان صادقان صادق پور کی استقامت و صبر و تحمل کو دیکھ کر شاربِ عظیم آبادی ادب کی زبان میں یوں لب کشا ہوتے ہیں۔

ارضِ صادق پور ہی تحریک کا محور بنا

یہ مجاہد کوہ و استقلال کا پیکر بنا

حیرت و استعجاب کے سمندر میں غرق کر دینے والا اور ذہن و دل کی چول کو جھنجھوڑ کر رکھ دینے والا انسانی تاریخ کا ایک اور ایسا انوکھا واقعہ پیش کرنے جا رہا ہوں جہاں موت کو بھی شکست و ریخت کا زبردست سامنا کرنا پڑا ہے۔ جس شخص کا واقعہ پیش کرنے جا رہا ہوں وہ شخص نہیں، بلکہ شخصیت تھی اور وہ شخصیت اپنے آپ میں انفرادی حیثیت رکھتی تھی، خلاصہ یوں کہ وہ اپنے آپ میں تنہا ایک انجمن تھے اور یہ شخصیت مولانا بیگی علی صادق پوری ہیں جن کی گرفتاری ۸ فروری ۱۸۶۳ء کو عمل میں آئی اور ان پر انبالہ سازش کیس چلایا گیا، پہلے تو ان کو قید بامشقت کی سزا دی گئی پھر کچھ دنوں بعد ۲ مئی ۱۸۶۳ء کو مقدمہ کا فیصلہ سنایا گیا۔ جس میں مولانا موصوف کو اور مولانا جعفر تھانیسری اور مولوی محمد شفیع رحمہم اللہ کو پھانسی کی سزا ملی، بقیہ دیگر حضرات جو ان لوگوں کے ہمراہ تھے ان کو سزائے عمر قید بعوبوردر یا شہر کا حکم سنایا گیا اور کچھ لوگوں کو جلاوطن کر دینے کا حکم نافذ کیا گیا۔ اب پورے ملک میں رعب و دہشت کی فضا پیدا کر دی گئی۔ بہر حال اس حکم کو سن کر مولانا بیگی علی، مولوی جعفر تھانیسری اور مولوی محمد شفیع رحمہم اللہ کے دلوں پر کیا رد عمل ہو اس کی تفصیل صاحب ”تواریخ عجیب“ جناب مولانا جعفر تھانیسری کی زبانی سنئے۔ لکھتے ہیں کہ:

”مجھ کو اپنی اس وقت کی کیفیت خوب یاد ہے کہ میں اس حکم پھانسی کو سن کر ایسا خوش ہوا تھا کہ شاید ہفت اقلیم کی سلطنت ملنے سے بھی اس قدر مسرور نہ ہوتا، اس حکم کو سننے سے میری وہ کیفیت ہو گئی، گویا جنت الفردوس اور حورین آنکھوں کے سامنے پھرنے لگ گئی تھیں اور مولوی بیگی علی صاحب کو بھی نہایت بشاش پایا، اس دن پولیس والے اور تماش بین مرد و عورت بکثرت حاضر تھے، قریب تمام کے تمام احاطہ کچھری ضلع انبالہ کا خلقت سے بھرا ہوا تھا، حکم سنا کر اس کا چپ ہونا تھا کہ صد ہا مسلح اہل پولیس زیر حکم کپتان پارسن صاحب میرے نزدیک آ کر کہنے لگے کہ تم کو پھانسی کا حکم ملا ہے تم کو رونا چاہیے، تم کس واسطے اتنا بشاش ہے؟ میں نے چلتے چلتے اس کو بولا کہ شہادت کی امید پر جو سب سے بڑی نعمت ہے، اور تم اس کو کیا جانو؟“

مجاہدان صادق پور کے اس جواب کو حاکمان سفید فام سنتے ہی تمللا اٹھے اور کہنے لگے کہ پھانسی کی سزا ان قیدیوں کے لئے دلی مسرت اور روحانی انبساط کا ذریعہ بن گئی، نہیں! ایسا نہیں ہوگا۔ تب ان انگریزوں نے پھر دوبارہ آپسی مشورہ کر کے اپنے اس ناپاک درندہ صفت فیصلہ کو رد کرتے ہوئے یہ کہا کہ ہماری جس تجویز سے ان قیدیوں کے بیچ مسرت و خوشی کا دریا موجزن ہو اس تجویز کو عملی جامہ ہرگز ہرگز نہیں پہنائیں گے، چنانچہ ڈپٹی کمشنر انبالہ نے ۲۴ اگست ۱۸۶۳ء کو پھانسی کی سزا بدل کر سزائے دائم الجس بعوبوردر یا شہر کا حکم سنایا، سچ ہے کہ۔

ہماری چاہ کی ہر بات سے اس کو عداوت ہے

وہ مرنے بھی نہ دے ہم کو اگر مرنا جو ہم چاہیں

اس ضمن میں جناب تھامیسری صاحب ”تواریخ عجیب“ ص ۳۰ پر لکھتے ہیں کہ:

”اس حکم کے بعد ہم کو پھانسی گھروں سے نکال کر دوسرے قیدیوں کے ساتھ بارکوں میں ملا دیا اور قید خانہ کے دستور کے موافق (قیچی) سے ہماری داڑھی، مونچھ اور سر کے بال تراش کر منڈی بھیڑسا بنا دیا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ مولوی بیچلی علی صاحب اپنی داڑھی کے کترے ہوئے بالوں کو اٹھا اٹھا کر کہتے تھے کہ افسوس نہ کر! تو اللہ کی راہ میں پکڑی گئی اور اس کے واسطے کتری گئی۔“

پر رونق چہرہ، روشن جبیں، شیریں گفتار، شگفتہ مزاج، سلیم الطبع، دانا و بینا، جو ہر شناس و رمز آشنا جیسی صفات والا یہ مرد مجاہد (مولوی بیچلی علی) اپنی ناتوانی و نقاہت اور حد درجہ جسمانی کمزوری کے باوجود حالات سے مسلسل مقابلہ کرتے ہوئے ۲۰ فروری ۱۸۶۸ء کو اپنے رب حقیقی سے جا ملا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور Ross Sland کو اس عظیم مجاہد کا مدفن بننے کا شرف حاصل ہوا۔ آج بھی سمندر کی موجیں اس جزیرے کے ساحل پر سرپٹکتی ہیں اور وطن عزیز کے اس عظیم مرد مجاہد کو خراج عقیدت پیش کرتی ہیں۔

مجھ کو دیار غیر نے مارا وطن سے دور
رکھ لی میرے خدا نے میری بے کسی کی لاج

(غالب)

ان صادقان صادق پور کے مجاہدین کی قربانیوں کی حقیقت و سچائی کا اعتراف ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے صادق پور کے ایک عظیم سپوت گل سرسب مولانا عبدالنجیر صادق پوری کی خدمت میں حاضر ہو کر ان الفاظ میں کیا ہے:

”حضرت! اگر سارے ملک کے حریت پسندوں کی وطن کی آزادی کے لئے خدمات ایک پلڑے میں ڈال دی جائیں اور دوسرے پلڑے میں صرف علماء صادق پور کی خدمات ڈالی جائیں تو صادق پوری علماء کا پلڑا بھاری ہوگا۔“ (تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینے میں: ص: ۵۱۹، مصنف مولانا قاضی محمد اسلم سیف)

مزید معلومات اور جانکاری کے لئے ”تذکرہ صادقہ“ اور ”تواریخ عجیب“ کا مطالعہ گوش دل سے کریں پھر اس کے بعد خود اندازہ لگ جائے گا کہ ان دونوں کتابوں کا ایک ایک حرف انسانی خون میں کس طرح ڈوبا ہوا ہے، یہ شہیدان وطن کی ایسی ولولہ انگیز کتابیں ہیں جن کو پڑھنے سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، نیز یہ دونوں کتابیں تحریک آزادی کے تعلق سے لکھی جانے والی قریب قریب ساری کتابوں کی مرجع ہیں۔

رب کریم ان مجاہدین آزادی کی تربت پر رحمتوں کی بارش برسائے۔ آمین

(ماہنامہ نوائے اسلام۔ اگست ۲۰۰۶)



جمعیت علماء ہند کی تاسیس میں علمائے اہل حدیث کا بنیادی کردار

مولانا عبدالوہاب خلجی رحمہ اللہ

”خلجی صاحب اب دنیا میں نہ رہے۔ یہ مضمون ان کی جماعتی اور ملی قومی ہمدردی کا ایک حسین آئینہ ہے جو انہوں نے جمعیت العلماء کے دودھڑوں میں تقسیم کے وقت تحریر کیا تھا، مولانا ارشد مدنی اور مولانا محمود مدنی کے ان دونوں گروپوں کو علماء مخلصین نے یکجا کرنے کی کاوشیں بھی کیں مگر سب بے سود رہیں۔ اللہ غریق رحمت فرمائے خلجی صاحب کو کہ وہ اس طرح کا ملی درد محسوس کیا کرتے تھے۔“ (عبدالکامیم)

عصر حاضر میں برصغیر کے عظیم مؤرخ، مفکر و دانشور اور ممتاز عالم دین علامہ محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ لکھتے ہیں: ”آزادی کبھی ایک ہی دروازے اور ایک ذریعے سے نہیں آتی بلکہ مختلف دروازوں سے صحن چمن میں داخل ہوتی ہے اور اپنی بہار دکھاتی ہے برصغیر ہند و پاک کی آزادی کا بھی یہی حال ہے یہ بھی بہت سی تحریکوں اور مختلف عناصر کی مسلسل جدوجہد کا نتیجہ ہے“

جمعیت علماء ہند کے حالیہ بحران، داخلی کشمکش اور انتشار میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ وہ جمعیت علماء جسے تاریخ ساز، آزادی وطن کے ہیرو اور مسلمانوں کی اجتماعی قوت کا مظہر قرار دیا جا رہا ہے وہ کسی ایک مدرسہ خیالی، چند ایک مخصوص شخصیات یا محض ایک گھرانے کی کدو کاوش نہیں بلکہ اسے تاریخ ساز اور مسلمانوں کی متفقہ آواز بنانے میں مختلف افکار و نظریات کے علماء و زعماء کی قربانیاں شامل ہیں جس میں علماء اہل حدیث کا بنیادی کردار عمل ہی نہیں بلکہ اس کی تحریک و تجویز میں ان کی ہی پہل رہی ہے۔ جسے نظر انداز یا کسی مخصوص طبقہ فکر میں محصور کرنا عدل و انصاف کے خلاف اور تاریخی حقائق کو مسخ کرنے کے مترادف ہے۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد وزیر ہند ”منٹو مارلے“ ہندوستان آئے وہ ہندوستانیوں کے لئے ایک اسکیم جسے سیاسی زبان میں ”منٹو مارلے اسکیم“ کہا جاتا ہے لے کر آئے تھے۔ اس ضمن میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی تحریک سے علماء کرام کا ایک اجتماع لکھنؤ میں منعقد ہوا جس میں یہ تجویز پیش ہوئی کہ مسلمانان ہند کے مذہبی معاملات سے متعلق کچھ تجاویز پر غور کے لئے علماء کا ایک وفد وزیر ہند سے ملاقات کرے۔

لکھنؤ کے اس اجتماع میں جماعت اہل حدیث کے ممتاز عالم دین، مناظر وقت شیخ الاسلام مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری (جونہ) صرف سرخیل اہل حدیث تھے بلکہ مجموعی طور پر مسلمانوں میں ان کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا) نے تجویز پیش کی کہ ملکی سیاسیات کے مذہبی پہلوؤں پر غور کرنے کے لئے علماء کی باقاعدہ ایک تنظیم قائم کرنی چاہیے علامہ امرتسری کی اس تجویز پر دو دن تک

بحث ہوتی رہی لیکن یہ اجتماع بغیر کسی نتیجہ کے ختم ہو گیا۔

کچھ عرصہ بعد دہلی میں ایک تبلیغی جلسہ ہوا جس میں ملک کے بہت سے علماء شریک تھے علامہ امرتسری نے اس جلسے میں پھر تنظیم علماء سے متعلق اپنی وہی تجویز پیش کی جسے موصوف لکھنؤ کے اجلاس میں پیش کر چکے تھے، جس کی پذیرائی ہوئی اور متعدد علماء نے ان کی تائید فرمائی۔ مولانا نے فرمایا:

”ہندوستان میں مختلف گروہوں، قوموں کی تنظیمیں اور انجمنیں قائم ہو چکی ہیں اور قائم ہوتی رہتی ہیں جو اپنی اپنی جگہ ملک و قوم کی خدمت کر رہی ہیں۔ لیکن علماء کی کوئی ایک ملک گیر تنظیم نہیں ہے جو متفقہ طور پر ملک اور قوم کی خدمت کر سکے۔ بہتر ہوگا کہ علماء کی ایک ایسی تنظیم قائم کی جائے جو پیش آمدہ مذہبی اور سیاسی معاملات میں اسلام کی روشنی میں عوام کی رہنمائی کے فرائض انجام دے۔ اس سے علماء کا وقار بھی بلند ہوگا اور آپ کے مذہبی اور مسلکی جھگڑوں کا سلسلہ بھی ماند پڑ جائے گا۔ نیز اس طرح علماء کی وساطت سے اسلام کی آواز زیادہ مؤثر اور ہمہ گیر شکل اختیار کر لے گی۔ چنانچہ غور و فکر کے بعد ”جمعیت علماء ہند“ کے نام سے ایک جماعت معرض وجود میں لانے کا فیصلہ کیا گیا۔“

یہ نومبر ۱۹۱۹ء کے اواخر کا واقعہ ہے۔ دسمبر ۱۹۱۹ء کے آخری دنوں میں امرتسر میں مجلس خلافت اور مسلم لیگ کے اجلاس تھے جس میں خلافت اور ترکی مسئلہ پر بحث ہونے والی تھی جن کا تعلق خاص دینی، علمی اور فقہی نوعیت کا تھا جس کے پیش نظر اس پر گفتگو اور مباحثہ کے لئے ملک بھر سے علماء کرام کی بڑی تعداد کی شرکت متوقع تھی چنانچہ اس مناسبت سے اعیان و اکابر اہل حدیث حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری اور حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی رحمہما اللہ نے دہلی کی اس مجلس علماء کو دسمبر میں امرتسر تشریف لانے کی دعوت دی اور تحریک پیش کی کہ اس موقع پر جمعیت علماء ہند کے قیام اور توثیق کے سلسلہ میں ضروری اور اہم بنیادی مسائل طے کر لیے جائیں۔

دہلی کے اس اجتماع علماء میں جس میں جمعیت علماء ہند کا ڈھانچہ تیار ہوا تھا بہت سے علماء کرام شریک تھے، جن میں مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا سلامت اللہ جیراج پوری، مولانا سید محمد فاخر الہ آبادی، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا محمد اکرام خاں، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور مولانا آزاد سجانی قابل ذکر ہیں۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا شبیر احمد عثمانی اس اجتماع میں شریک نہیں تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمود الحسن اور مولانا حسین احمد مدنی ان دنوں نظر بند تھے، اور مولانا شبیر احمد عثمانی کسی اور وجہ سے شامل اجلاس نہیں ہو سکے تھے۔

شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ نے جمعیت علماء کی تاسیس کے لئے تحریک شروع کی، اجتماعات، جلسوں، کانفرنسوں اور اپنے ہفت روزہ اخبار اہل حدیث امرتسر میں لکھتے رہے۔ وہ اس واسطے سے مختلف فقہی مسالک کے حامل اہل علم کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا چاہتے تھے تاکہ مسلکی تعصب ختم ہو اور سب لوگ صلح و صفائی سے زندگی بسر کریں۔ نیز اس وقت ہندوستان میں سیاسی و علمی نوعیت کے بعض بڑے بڑے مسائل زیر بحث تھے، ان کے بارے میں مولانا ممدوح کے نزدیک علماء ہند کا متفقہ طور سے غور کرنا

ضروری تھا۔ ان کی سعی و کوشش سے اس مقصد کے لئے جمعیت علماء ہند کا قیام عمل میں لایا گیا۔

اجلاس دہلی کے فیصلے کے مطابق ۲۸ دسمبر ۱۹۱۹ء کو امرتسر میں علماء ہند کا اجتماع شروع ہوا، جس میں باون علماء کرام شریک ہوئے۔ ان میں مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ مولانا ابوالقاسم سیف بناری، مولانا محمد بیچلی غزنوی، مولانا عبدالغفار غزنوی، مولانا ابوتراب عبدالحق امرتسری، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا محمد موسیٰ غزنوی، مولانا محمد عیسیٰ غزنوی، حکیم نور الدین لائل پوری، مولانا سلطان محمود، مولانا عبدالقادر قصوری، مولانا محمد علی ایم۔ اے کینٹب قصوری اور کئی دوسرے علماء عظام شامل تھے۔

اجلاس کی مجلس استقبالیہ میں علامہ ثناء اللہ امرتسری نے خطبہ استقبالیہ پڑھا جس میں قیام جمعیت اور اجلاس دہلی کی مختصر کیفیت بیان کی۔ مختلف حضرات کی تقریروں اور بحث و تہیج کے بعد اس بات کی توثیق کی گئی کہ اجلاس دہلی کے فیصلے کے مطابق علماء ہند کی اس جماعت کا نام ”جمعیت علماء ہند“ ہی رکھا جائے۔ جس کی صدارت کے لئے علامہ امرتسری نے حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب اور مولانا احمد سعید دہلوی کا نام ناظم عمومی کے لئے پیش کیا جس کی تائید مولانا سلامت اللہ جیراج پوری اور مولانا محمد اکرام ڈھاکہ نے کی۔ اس اجلاس میں تینس ارکان پر مشتمل ایک مجلس عاملہ تشکیل کی گئی جس میں ملک کے تمام صوبوں کو الگ الگ نمائندگی دی گئی تھی۔

اس اجلاس میں حکیم محمد اجمل خاں نے بھی شرکت فرمائی جو مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کے لئے امرتسر تشریف لائے تھے۔ حکیم صاحب نے مجمع علماء میں تقریر کرتے ہوئے علماء کے جذبہ اتحاد کی تحسین کی اور جمعیت علماء ہند کے قیام و تاسیس پر ان کو ہدیہ تبریک پیش کیا۔ حکیم صاحب کی موجودگی میں مولانا مفتی محمد کفایت اللہ نے جمعیت کے اغراض و مقاصد کا اجمالی خاکہ پیش کیا۔ حکیم صاحب نے تحریک کی کہ جمعیت کے اساسی اصول و ضوابط کا مسودہ مرتب کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنا دی جائے۔ چنانچہ بالاتفاق مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد اکرام خاں، مولانا مفتی محمد کفایت اللہ اور مولانا خیر الزماں صاحب پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی گئی جس نے جمعیت کے اصول و ضوابط کا مسودہ تیار کر کے دوسرے روز ہی یکم جنوری ۱۹۲۰ء کے اجلاس میں پیش کیا جو منظور کر لیا گیا۔ اسی اجلاس میں حکومت برطانیہ سے شیخ الہند مولانا محمود الحسن اور مولانا ابوالکلام آزاد کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا جو ان دنوں نظر بند تھے۔

دہلی میں علماء کے جس اجتماع میں جمعیت کا تصور پیش کیا گیا تھا اس کو رد و عمل لانے کے علامہ امرتسری نے مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب اور مولانا احمد سعید دہلوی کو امرتسر تشریف لانے کی دعوت دی تاکہ وہاں مستقل طور سے جمعیت کا قیام عمل میں لایا جائے۔ اس سلسلہ میں خود مولانا کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

”اسی امید پر میں ان دونوں صاحبوں مفتی محمد کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید کو جمعیت علماء کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے امرتسر آنے کی دعوت دے آیا تاکہ امرتسر میں اعیان اسلام سے جمعیت علماء میں شرکت کی تحریک کی جائے۔ اسلامیہ ہائی اسکول کی ایک کوٹھری میں ان دونوں صاحبوں کے قیام کا انتظام کیا گیا۔ ان کے ساتھ تیسرا میں (داعی) تھا۔ یہ کوٹھری کیا تھی گویا غار ثور کا نمونہ تھی۔ ہاں ان دونوں مقاموں میں امتیاز یہ تھا کہ وہاں دو پاک ہستیاں تشریف فرما تھیں اور یہاں تین گنہگار مغفرت کے امیدوار بیٹھے

تھے۔ جمعیت کی اس شوری کے اجلاس میں پہلا ریزولوشن مولانا محمود الحسن نور اللہ مرقدہ کی رہائی کے متعلق پاس ہوا۔

اس سے آگے فرماتے ہیں: ”ان اصحاب ثلاثہ میں سب سے پہلے یہ تجویز پاس ہوئی کہ حضرت ممدوح کی رہائی کے لئے وائسرائے کو تار دیا جائے، تار کے خرچ کا اندازہ تین روپے کیا گیا۔ یہاں پہنچ کر میں بڑی مسرت کے ساتھ یہ بات ظاہر کرتا ہوں کیونکہ میں اس امر کو اپنے لیے باعث عزت اور موجب فخر جانتا ہوں کہ تار کا سارا خرچ میں نے ادا کیا۔“

جمعیت علماء ہند کا دوسرا سالانہ اجلاس آئندہ سال ۱۹، ۲۰، ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء کو دہلی میں منعقد ہوا۔ اس اثناء میں شیخ الہند رہا ہو چکے تھے اور انہوں نے ہی اس کی صدارت فرمائی تھی۔ اس اجلاس میں ملک کے طول و عرض سے پانچ سو سے زائد علماء کرام شریک ہوئے، جن میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا محمد فاخر الہ آبادی، مولانا عبداللہ الکانفی، مولانا حبیب الرحمن، مولانا ابوالقاسم سیف بناری، مولانا عبدالحمید صدیقی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا آزاد سبحانی، مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا محمد جونا گڑھی، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا عبداللہ الباقی، حکیم حافظ محمد اجمل خاں، مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا ابوالحسن محمد سجاد بہاری، مولانا محمد اکرام خاں، مولانا عبدالقادر قصوری اور مولانا محمد علی ایم اے کینڈب قصوری شامل تھے۔ امرتسر کے اجلاس میں مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا سید محمد داؤد غزنوی اور مولانا آزاد سبحانی کی تحریک و تائید سے انگریزی حکومت کے خلاف نہایت زوردار قراردادیں منظور کی گئیں، جن میں انگریزوں سے کلی طور پر ترک موالات اور عدم تعاون کی مشہور و معروف اور معرکہ آرا قراردادیں شامل ہیں۔

تاریخ کے اوراق اس بات کے شاہد ہیں کہ اس کاروان علماء کے بنیادی محرک علماء اہل حدیث بالخصوص شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری تھے، جو اس کے دائرہ کی مزید وسعت کے قائل تھے، جمعیت علماء ہند حقیقت میں علماء اہل حدیث اور علماء احناف کے مشترکہ عمل، جدوجہد اور کوششوں سے ہی تاریخ ساز بنی۔

تحریک و تجویز سے لے کر تاسیس و قیام اور اس کے تناور درخت ہونے تک ہر موڑ پر امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد، شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا عبداللہ الکانفی، سید محمد فاخر الہ آبادی، مولانا محمد جونا گڑھی، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، مولانا محمد حنیف ندوی، مولانا عبدالغفار غزنوی، مولانا ابوالقاسم سیف بناری، مولانا ابوتراب عبدالحق امرتسری، مولانا عبدالوہاب آروی، مولانا عبدالقادر قصوری، مولانا محمد علی ایم۔ اے کینڈب جیسے نابغہ روزگار علماء اہل حدیث اس کارواں کے سپہ سالاروں میں شامل رہے۔ تقسیم وطن کے بعد ستر کے دہے میں استاد الاساتذہ علامہ عبدالوہاب آروی کی صدارت تک حضرت مولانا عبدالوہاب آروی، مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی، مولانا ابوالقاسم سیف بناری، مولانا محمد داؤد راز، حاجی محمد صالح آف کوٹھی حاجی علی جان دہلی، خواجہ محمد سلیم اور محمد عثمان فارقلیط جیسے اجلہ علماء اہل حدیث اس کے سرخیل تھے۔ حضرت مولانا عبدالوہاب آروی بیک وقت آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس (مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند) اور جمعیت علماء ہند کے صدر رہے۔ برہنہ برسر مولانا فارقلیط اور جناب محمد سلیمان صابر جمعیت کے آرگن و ترجمان ”الجمعیۃ“ کو اپنے رشحات قلم سے بیدار کرتے

رہے، مگر افسوس تاریخ نگاری کی بجائے تاریخ سازی کے دور کو تازہ بین میں پہلے اس ملی عظمت کے مشترکہ پلیٹ فارم کو ایک مخصوص مکتب فکر سے منسوب کیا گیا، پھر ایک خاندان میں مقید بنانے کی کوشش رہی اور اب ایک گھرانے میں سمٹا جا رہا ہے۔

حقائق، شواہد اور دلائل کو بدلا تو جاسکتا ہے، مٹایا نہیں جاسکتا "تلك الأيام نداولها" ایک غیر منسوخ قرآنی حقیقت ہے، تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے، ہمیں کوئی گلہ نہیں لیکن افسوس ہے یہ تاریخ ساز جماعت جب سے اپنے تائیمی اصول و ضوابط اور مؤسسین کے طرز فکر سے ہٹی تو بحرانوں کا شکار ہوئی اور اب یہ تاریخ سوز بنتی جا رہی ہے۔ فہل من مد کر؟

جمعیت کے موجودہ بحران کے اسباب و عوامل کچھ بھی ہوں وہ پوری ملت کے لئے تکلیف دہ اور امتحان و آزمائش سے کم نہیں، یہی خواہوں کہ اس کے اصل محرکات کا پتہ چلانے اور اسلاف کے ایک عظیم ورثہ کے دائمی تحفظ کی فکر کرنی چاہیے۔

مولانا محمود مدنی کا تعلق نئی نسل سے ہے اور فہم و فکر میں بھی وسعت رکھتے ہیں، اعتدال و رواداری اور یکجہتی کے ساتھ کام کرنے کا جذبہ بھی ان میں موجود ہے، ان کے ساتھ میرے چند سواہق کے پیش نظر مجھے یہ کہنے میں عار نہیں ستر و نوے کے دھسے کے درمیان جمعیت کے یگانہ و یک زاویہ سوچ سے اٹھ کر ان کے اندر چلنے کی صلاحیت ہے ایک نوجوان قائد کی حیثیت سے اور حضرت مولانا سید محمد ارشد مدنی و فقہ اللہ جو دارالعلوم دیوبند جیسی عالمی درس گاہ کے مربی و شیخ الحدیث ہیں کہ موجودگی میں جمعیت علماء کا انتشار ہر اس شخص کے لئے باعث گریہ و زاری ہے جس کا خواہ براہ راست جمعیت سے تعلق ہے یا وہ مؤسسین کے قافلہ کے فرد ہیں۔

جمعیت کے دائمی اتحاد کے لئے اسے فکری، گروہی، خاندانی اور گھریلو حد بندیوں کے انحصار سے نکال کر ان ستونوں پر کھڑا کرنے کی ضرورت ہے جس پر حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ، شیخ الہند مولانا محمود الحسن، شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا سعید احمد دہلوی، مولانا سید محمد داؤد غزنوی جیسے عظماء نے قائم کیا تھا اور جس ڈگر پر مجاہد ملت مولانا حفیظ الرحمن سیوہاروی اور حضرت مولانا محمد میاں صاحب چلاتے رہے۔

کیا افراد امت اور امت کے مخلص حضرات تین دہوں میں تین سے زائد بار انتشار و تقسیم کے عوامل اور آئندہ کے لئے اس کے سدباب کی فکر کریں گے؟

(محدث بنارس جون ۲۰۰۸ء)



ہندوستان کے تین بڑے مدارس

احمدیہ سلفیہ در بھنگہ، رحمانیہ دہلی، مرکزی دارالعلوم بنارس

میرے احساسات و تاثرات کے آئینہ میں

مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈا انگری رحمہ اللہ

ہندوستان کے اندر مختلف النوع اور مختلف المقاصد علماء کا جال بچھا ہوا ہے اور ان کے مختلف مسلک کے تحت ملک میں بے شمار مدارس و مکاتب اور کچھ جامعات و معابد بھی موجود ہیں، ہندوستان میں ہمارے گرد و پیش جو چھوٹے چھوٹے مدارس و مکاتب ہیں ان کا ذکر چھوڑ دیا جائے تو مسو کے تین عربی مدارس فیض عام، دارالحدیث، مدرسہ عالیہ اور دہلی کے مدارس، ریاض العلوم، مدرسہ میان صاحب مرحوم، مدرسہ المعہد الاسلامی جو گابائی نئی دہلی اور ممبئی میں ضیاء العلوم محلہ مومن پورہ اور تحفیظ القرآن کاندیولی اور مالنگاؤں کے جامعہ محمدیہ منصورہ قابل ذکر ہیں اور سب اپنی اپنی جگہ پر اہم ہیں لیکن تین مدارس ان میں بڑے نامی گرامی اور معروف و مشہور ہیں جو جامعہ و دارالعلوم کہے جانے کے مستحق ہیں اور انہیں بجا طور پر جامعہ یا مرکزی دارالعلوم کا لقب دیا جاسکتا ہے۔ ہم ذیل میں ان تین مدارس کا نام پیش کر رہے ہیں جن کی ایک شاندار تاریخ اور شاندار ماضی ہے۔

ابھی حال ہی میں مرکزی دارالعلوم بنارس ۲۷، ۲۸ اکتوبر ۱۹۹۱ء کے جلسہ میں گیا تھا وہاں مختلف مکتبات والے کتابوں کا ذخیرہ لے کر آئے تھے۔ ایک کتاب حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادیؒ کی ”حیات و خدمات“ ہے میں نے بھی خرید لیا اس کے مطالعہ سے بہت مستفیض و متاثر ہوا، اس میں مولانا عبدالعزیز صاحب کے اوصاف جمیلہ، ان کے ورع و تقویٰ، کمال درجہ پرہیزگاری اور کمال علم و فضل کے دلچسپ و دلنواز و دلگداز واقعات بھی مرقوم تھے۔

میں نے محسوس کیا کہ جتنے مشہور عربی مدارس ہیں ان کے لئے کوئی نہ کوئی صاحب فضل، اہل علم بزرگ محرک ہوئے ہیں میں نے اس کتاب میں پڑھا کہ حضرت مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری نے اپنا فیض و اثر مسو و بنارس پر ڈالا۔ مسو و بنارس کی خفی بستیاں ان کے فیض صحبت سے اتنا زیادہ متاثر ہوئیں کہ انہوں نے کتاب و سنت کے پیروکار رہنے کی دعوت کو شرح صدر سے قبول کر لی اور کھلے طور پر حقیقت سے اہل حدیث جماعت میں شامل ہونے کو اپنے لئے سرمایہ افتخار سمجھا۔

اسی طرح مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادیؒ کا علم و فضل پورے ہندوستان کی علمی دنیا میں مشہور تھا، آپ نے بہت سی مسجدوں کو جماعت اہل حدیث کے حوالہ کیا۔ بہت سے مقدمات میں دلچسپی سے حصہ لیا۔ بہت سے مناظرات میں کامیاب و سرفراز رہے۔ علامہ شبلی مرحوم کی مایہ ناز کتاب ”سیرۃ النعمان“ کے ابطال و تردید میں ایک بہترین و مدلل کتاب ”حسن البیان فی مانی سیرۃ النعمان“

نامی تصنیف فرمائی، جس کے بیان کی خوبیوں اور قوتِ دلائل کو علامہ شبلی نے بھی تسلیم کیا۔ بنگال کے مناظرہ مرشد آباد مشہور زمانہ ہے، اسی طرح مولانا رحیم آبادی کا ذکر خیر، شہرہ و چرچا بہار، بنگال سے نکلتا ہوا دہلی کی راجدھانی تک پہنچا اور دہلی کے خواص بلکہ انحصار خواص نے آپ کی وہ پذیرائی کی جو حد قیاس سے باہر ہے، ان کا اثر بھی دہلی کے شیخ عطاء الرحمن پر پڑا اور مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی کے طفیل مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ کا آغاز ہوا۔ اور انہیں کے مشوروں کی برکت سے دارالحدیث رحمانیہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ پس دراصل یہ سارے مدارس انہیں صاحب تقویٰ، ائمہ ہدیٰ کی یادگار اور مرہونِ منت ہیں۔

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انہیں کی لگائی ہوئی ہے

مدرسہ احمدیہ آرہ سے مدرسہ احمدیہ سلفیہ درجہ تک

غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے ہندوستان میں درسگاہ ولی اللہی ہی ایک ایسی درسگاہ تھی جہاں سے پوری دنیا میں علم حدیث کی روشنی پھیل رہی تھی، اگر اس وقت اس کے بعد کوئی درسگاہ تھی تو سوائے فقہ اور علم کلام کے کسی دوسرے فن پر کوئی توجہ نہ تھی۔ جب غدر کے بعد مکمل طور پر ہندوستان پر انگریزوں کا غلبہ و تسلط ہو گیا اور دینِ خطرہ میں محسوس ہونے لگا تو میاں سید نذیر حسین صاحب کے تلامذہ نے مختلف مقامات پر ایسی درسگاہیں جاری کرنے کی سوچی جہاں سے اس کی روشنی کو عام کیا جاسکے چنانچہ ۱۲۹۸ھ میں حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب مہاجر کی نے آرہ شہر میں ایک مدرسہ بنام ”مدرسہ احمدیہ“ کی بنا ڈالی۔ دیگر جید علماء کے علاوہ استاذ الاساتذہ جناب حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری کو صدر المدرسین کی حیثیت سے مقرر فرمایا۔ قوم و جماعت دین کے لئے مائل اور قرآن وحدیث کے علم کی پیاسی تھی، پورے ہندوستان سے اس درسگاہ میں علم کی پیاس بجھانے کے لئے شائقین کا تانتا بندھ گیا اور حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں اس کے مقابلہ کا کوئی دوسرا مدرسہ موجود بھی نہ تھا۔

چند سال کے بعد حضرت مولانا ابراہیم صاحب آروئی نے ہجرت کا ارادہ کیا تو ایک ایسے آدمی کی تلاش شروع ہوئی جو مدرسہ کو بحسن و خوبی چلا سکے چونکہ سرداری کے سلسلہ میں آپ کی نظر مولانا رحیم آبادی ہی پر مرکوز ہو کر رہ گئی۔ چنانچہ مدرسہ کی باگ ڈور مولانا رحیم آبادی کے حوالہ کر کے آپ عازم مکہ مکرمہ ہو گئے۔

مولانا مرحوم نے جب بارہا ہتمام اٹھایا تو سابقہ روایات کو برقرار رکھتے ہوئے اسی شان کے ساتھ مدرسہ کو چلاتے رہے، آخر عمر میں جب ضعف غالب ہو گیا اور مدرسہ میں زیادہ وقت دینا دشوار ہو گیا نیز مولانا آروی صاحب کے وراثت کی طرف سے بھی کچھ گڑبڑ شروع ہونے لگی تو مولانا نے سوچا کہ اب اس عمر میں آرہ میں اس مدرسہ کو رکھ کر انتظام کرنا مشکل ہے۔ دوسرے اخراجات کا اکثر حصہ علاقہ تربت سے وصول ہوتا تھا جس میں آپ کی پیرانہ سالی کی وجہ سے کمی واقع ہونے لگی تو خیال پیدا ہوا کہ اس مدرسہ کو یہاں سے منتقل کر کے درجہ تک ہی لے جایا جائے جہاں انتظام کرنا آسان ہوگا۔ چنانچہ اس مقصد کے تحت درجہ شہر کے بلو گنج محلہ میں تھوڑی سی زمین حاصل کی اور ایک جھونپڑی کھڑی کر دی جس میں وقتاً فوقتاً قیام فرماتے اور پھر ایک مدرس جناب حافظ عبداللہ صاحب بھواری کو

رکھ کر بچوں کی تعلیم کا نظم و نسق فرمایا اب وہی جھونپڑی علاقہ تربت کا مرکز تھی جہاں سے مولانا کے مشن کی کامیابی کی تدبیریں ہوتی تھیں اور اسی ہیڈ کوارٹر سے پروگرام طے ہو کر عمل درآمد ہوا کرتا تھا۔ یہی جھونپڑی مدرس کی بحالی اور بچوں کی تعلیم و تربیت کا مرکز اور دارالعلوم احمدیہ سلفیہ کے سنگ بنیاد کا باعث بنی (حیات و خدمات - ص: ۶۲، ۶۳)

دارالعلوم احمدیہ سلفیہ در بھنگہ بہار

محلہ بلوانج میں مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی مدرسہ کے لئے زمین حاصل کر چکے تھے۔ جیسا کہ ذکر آچکا ہے کہ مولانا موصوف اپنی کبرسی اور علالت کی وجہ سے مدرسہ احمدیہ سلفیہ آ رہے میں زیادہ وقت نہیں دے سکتے تھے اس لئے خیال تھا کہ مدرسہ کو وہاں سے منتقل کر کے در بھنگہ لے آؤں، چنانچہ اس مکان میں جو اپنی زمین میں تیار کیا تھا اہل چک زہرہ کی معاونت سے منشی اصغر حسین صاحب پیغمبر پوری اور پھر حافظ عبداللہ صاحب بھواروی کو رکھ کر بچوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام فرمایا اور اس کے چند مہینوں کے بعد ہی آپ کا وصال ہو گیا۔

بابو عبداللہ صاحب مرحوم آپ کی جگہ جماعت کے امیر مقرر ہوئے اس لئے مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی مرحوم کی اسکیموں کو عملی جامہ پہنانا اپنا فرض سمجھ کر اس مکتب کو مدرسہ احمدیہ سلفیہ آ رہے کا بدل بنانا اپنی ذمہ داری بنائی۔ چونکہ خود تو مستقل طور پر در بھنگہ میں سکونت نہیں اختیار کر سکتے تھے اور اس وقت شہر میں جناب ڈاکٹر سید محمد فرید صاحب علیہ الرحمہ موجود تھے جو اپنے کاموں میں پیش پیش تھے مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی مرحوم کی علالت کے زمانہ میں روزانہ حاضری دیتے تھے بابو عبداللہ مرحوم نے اپنے نائب کی حیثیت سے سید فرید صاحب کا انتخاب فرمایا۔

۱۳۳۶ھ سے ۱۳۴۷ھ تک تقریباً ۱۱ سال بابو عبداللہ مرحوم کے بعد جناب ڈاکٹر سید فرید صاحب مرحوم اندرونی و بیرونی معاملات کو خود ہی دیکھتے رہے اور انتظام کرتے رہے، باضابطہ کمیٹی بھی بنی جس میں شہر و بیرون شہر کے ہمدردان جماعت بحیثیت اراکین مجلس شریک رہے اور بہت جلد وہ وقت آیا کہ مکتب کی جھونپڑی محل میں تبدیل ہو گئی اور مکتب احمدیہ پھر مدرسہ احمدیہ سلفیہ دارالعلوم بن گیا جس سے ہزاروں علماء اور تشنگان علوم سیراب ہو کر نکلے اور ملک و بیرون ملک میں بانی و ناظمین اور اساتذہ کا نام روشن کر رہے ہیں، فی الحال جناب ڈاکٹر صاحب مرحوم کے بعد جماعت نے یہ ذمہ داری سید عبدالحفیظ صاحب سلفی کے سر ڈال دی جو اپنی پیش روں سے بھی زیادہ انہماک و ترقی کے ساتھ دارالعلوم کی خدمت میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے بزرگوں کی اس دینی خدمت کو قبول فرما کر زاد آخرت بنا دے اور موجودہ منتظمین کو مدرسہ کے مقاصد کے پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ اسلام اور مسلمانوں کو زیادہ فائدہ حاصل ہو۔ آمین۔ (حیات و خدمات: ص- ۹۱)

مدرسہ احمدیہ سلفیہ لہریا سرائے در بھنگہ کی علمی خدمات اور اچھے مدرسین کا بہت زمانے سے شہرہ ہے، جس زمانہ میں مدرسہ سراج العلوم جھنڈا انگر میں مدرس تھا ڈاکٹر سید فرید صاحب نے بحیثیت مہتمم مجھے خط لکھا تھا کہ آپ بحیثیت مدرس میرے یہاں آنا منظور کریں۔ میرے یہاں سے آپ کو ۵۰ روپے ماہانہ مشاہرہ ملے گا لیکن شرط یہ ہے کہ آپ کا کوئی بھانجہ، بھتیجہ یا رشتہ کا کوئی لڑکا آپ کے ساتھ نہ ہو۔ کیونکہ رشتہ داروں کے لڑکوں کے ساتھ ہونے سے مدرسہ کے نظام میں بڑا خلل ہوتا ہے۔

چونکہ اس وقت ہم مدرسہ سراج العلوم جھنڈا انگر سے وابستہ ہو چکے تھے اس لئے والد محترم مرحوم نے جانے کی اجازت نہیں دی

لیکن اس واقعہ سے ڈاکٹر سید فرید صاحب کی فہم و تدبر اور دوراندیشی اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے، تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ استاد کے ساتھ کسی رشتہ دار کا ہونا واقعی مدرسہ کے نظام میں خلل کا باعث ہوتا ہے۔

مولانا سید احمد فرید صاحب سے ایک دو بار جلسوں میں ملاقات ہوئی لیکن جب ڈاکٹر سید عبدالحفیظ کا زمانہ آیا تو اس وقت میری تقریروں کے شباب کا زمانہ تھا، انہوں نے بارہا مجھے اپنے مذاکرہ علمیہ کے جلسوں میں مدعو کیا اور وہاں میرا بارہا جانا ہوا اور ڈاکٹر سید عبدالحفیظ صاحب برابر کہتے رہے کہ آپ کا ہمارے جلسے میں آجانا ہی کافی ہے، یہ ہمارے جلسے کی کامیابی کی دلیل ہے، چاہے آپ کی تقریر ہو یا نہ ہو۔ ہمیشہ بہت فرحت کے ساتھ پر تپاک استقبال کرتے رہے اور بڑے ہی عزت و احترام کے ساتھ رخصت کرتے رہے، ہمارے ان کے درمیان بہت اچھے تعلقات رہے جو اس وقت سے اب تک قائم ہیں اور ڈاکٹر صاحب موصوف جب تک سفر کے قابل رہے سعودیہ، کویت، قطر وغیرہ کا دورہ مدرسہ کے لئے خود کرتے تھے۔ مدرسہ احمدیہ سلفیہ کی خاص یادگار یہ ہے کہ اس کو مولانا عبد العزیز صاحب رحیم آبادی نے قائم کیا تھا اور اس بزرگ و جید عالم نے اس کی آبیاری کی تھی ان کے بعد کے جانشین حضرات نے بڑی کافی جدوجہد اور محنت کیا اور تعلیمی و تعمیری خدمات میں احمدیہ سلفیہ کو ایک جامعہ کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ اس سے بہت اچھے سلفی علماء و فضلاء پیدا ہوئے، انہیں سلفی علماء میں سے گل سرسبد قابل فخر مولانا سید لقمان صاحب سلفی ہیں جو اپنے مشہور ادارہ احمدیہ سلفیہ کو ہمیشہ ترقی یافتہ اور ممتاز دیکھنا چاہتے ہیں۔ آج کل مولانا خوبی قسمت سے ریاض میں محترم و مکرم شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ کے دفتر کے ترجمان ہیں، ان کی وجہ سے احمدیہ سلفیہ کو بڑا وقار حاصل ہے اور ہمیشہ وہ اپنے مادر علمی کو اپنے سینہ بے کینہ میں یاد رکھتے ہیں۔

اگرچہ مولانا لقمان سلفی نے اپنے خصوصی تعلقات و اثرات کی بنا پر اپنے گاؤں ”چندنبارہ“ میں ایک بڑا پر شکوہ و عالیشان مدرسہ ایک مستحکم نظام کے ساتھ کھول دیا ہے اور اس میں سلفی حضرات اور کچھ مندوبین و مبعوثین بھی تعلیم و تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں لیکن اس کی وجہ سے احمدیہ سلفیہ کا وقار و مقام کچھ فروتر نہ ہوگا ان شاء اللہ۔ ہمارے محترم شیخ لقمان صاحب سلفی اس حقیقی نقطہ نظر کو ملحوظ رکھیں گے۔ قرآن کا ارشاد ہے۔ (السابقون السابقون اولئک المقربون) سابق لوگ سابق ہوں گے وہی لوگ دراصل خدا کے مقرب ہوں گے۔ کسی عربی شاعر نے کہا ہے۔ الفضل للمتقدم یعنی جنہوں نے پہل و پیش رفت کی ہے، فضیلت کے وہی مستحق ہیں، یہ میری پُر خلوص دعا ہے کہ احمدیہ سلفیہ اپنی تعمیر و تعلیمی، دعوتی و تبلیغی، تصنیفی و تالیفی سرگرمیوں میں ترقی کرے اور اس کا پریس بھی روز افزوں ترقی پذیر رہے، بالخصوص مدرسہ نسواں اور طبیبہ کالج اور نرسری اسکول کو اللہ تعالیٰ عروج و ترقی عطا فرمائے اور میرے محترم ڈاکٹر سید عبدالحفیظ صاحب کے ابناء کرام و جانشین حضرات کو ان خاکوں میں مزید رنگ بھرنے اور جملہ مشروعات و مدارس کو بام عروج پر پہنچانے کی بہترین توفیق عطا فرمائے۔

مدرسہ رحمانیہ دہلی سے متعلق چند تعارفی کلمات

”دار الحدیث رحمانیہ دہلی یوں تو سارے علمی دنیا میں معروف و مشہور ہے لیکن اس کی حقیقی وجہ آغاز اور واقعی سبب سے ہماری آج کی علمی دنیا بھی ناواقف اور بے خبر ہے، حضرت مولانا عبد العزیز رحیم آبادی کی حیات و خدمات پر جو کتاب لکھی گئی ہے اور جسے میں مرکزی دارالعلوم بنارس کی کانفرنس سے خرید کر لایا ہوں اب اس کو پڑھ چکا ہوں یہ کتاب کیا ہے؟ مولانا عبد العزیز رحیم آبادی کے

حالات و مجاہدات پر اور ان کی تبلیغی کوششوں کا ایک گنجینہ معلومات ہے، اس کو پڑھ کر امام المناظرین حسن البیان کا عظیم مولف اور مناظر اسلام کا تقویٰ و تدین، کمال درجہ کی ورع و پرہیزگاری کا بخوبی علم ہوا، مولانا کا در بھنگہ کے نواح سے بھی تعلق تھا اور بہار میں رحیم آباد کے قرب و جوار میں آپ کے عقیدتمند لوگ سینکڑوں نہیں ہزاروں تھے، آپ کا نام نامی اسم گرامی دہلی کے مقتدر و موثر حضرات تک پہنچ چکا تھا۔ دہلی کے مشہور حکیم اجمل خاں صاحب مولانا کے علم و فضل کے معترف و معتقد تھے اور شیخ عبدالرحمان و عطاء الرحمن صاحبان جو صدر بازار دہلی میں اپنا مشہور تجارتی فرم رکھتے تھے۔ یہ سب حضرات بھی مولانا کے نہایت عقیدتمندوں میں سے تھے اور آپ ہی ان کے مقتدی و پیشوا تھے یہ حضرات مولانا کی جوتیاں اٹھانے کو اپنا شرف اور اپنی سعادت سمجھتے تھے۔

حضرت مولانا ہی کے ایک مبارک مشورہ پر شیخ عبدالرحمن و عطاء الرحمن صاحبان نے مدرسہ ”دارالحدیث رحمانیہ“ کھولا یہ دونوں حضرات رئیس التجار تھے، لاکھوں نہیں بلکہ اربوں روپے کے مالک تھے جیسا کہ آگے آنے والے واقعات سے ہمارے ناظرین کو بخوبی معلوم ہو جائے گا۔

ہم آج بڑے فخر و بہتان کے ساتھ یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ محدث شیخ عبدالعزیز رحیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی رحمۃ کاملہ کی یادگار ہے اور انہیں کی ایک دین ہے، اب حیات و خدمات سے مکمل حالات پڑھئے۔

مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے قیام و بنا کی سرگزشت

ایک مرتبہ مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی مرحوم دہلی تشریف لے گئے شیخ عبدالرحمن و عطاء الرحمن صاحبان کے ہاں قیام تھا۔ اتفاق سے ان کی بہن کو کچھ ایسی تکلیف تھی کہ لوگوں کو شبہ ہوا کہ جناتی حرکت ہے۔ مولانا کے سامنے تذکرہ ہوا۔ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی صاحب نے ایک تعویذ دے دیا بہن بھلی چنگی ہو گئی، لیکن اس کے بعد ہی شیخ صاحبان کا بھانجہ لاپتہ ہو گیا، ایک سیٹھ کا بھانجہ تھا اس کی تلاش پر کافی اخراجات ہوئے لیکن پتہ نہ چل سکا، کچھ دنوں کے بعد پاری پور بنگال کے اسٹیشن پر کسی نے پہچانا، شیخ صاحب کو خبر دی گئی آدمی آیا اور اس لڑکے کو دہلی لے گیا۔

اس بچے کے مل جانے کی خوشی میں یہ لوگ اپنی دولت سے شکر ادا کرنے کا پروگرام بنا رہے تھے۔ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی مرحوم نے مشورہ دیا کہ سب سے اچھا شکرانہ یہ ہے کہ ایک مدرسہ کھول دیں چنانچہ مشورہ ان لوگوں کو پسند آیا اور عبدالرحمن صاحب کے نام کی مناسبت سے مدرسہ رحمانیہ کھول دیا، جس کی افادیت سے ہندوستان ہی نہیں پوری دنیا واقف ہے افسوس کہ ۱۹۴۷ء کے تقسیم ملک اور فساد میں یہ چشمہ صافی ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون۔

الحاج عبدالرحمن صاحب مولانا عبدالعزیز صاحب مرحوم کے ایسے گرویدہ تھے کہ ہر حکم کو فوراً بجالانا اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے۔ شیخ عطاء الرحمن صاحب کو شوق پیدا ہوا کہ زمینداری حاصل کی جائے اور زمیندارانہ ٹھاٹھ باٹ سے زندگی بسر کی جائے، بڑے بھائی کے سامنے اس خیال کا جب اظہار کیا تو وہ اس کے لئے تیار نہیں ہوئے ان کا خیال تھا کہ ہم لوگ شہر کے باسی تجارت کے ماہر ہیں زمینداری کا انتظام ہم لوگوں کے بس کی بات نہیں ہے لیکن وہ اپنی ضد پر قائم رہے کہ زمینداری خریدنی ہے۔

آخر عبدالرحمن صاحب نے مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی مرحوم سے اس کا تذکرہ کیا، مقصد یہ تھا کہ مولانا خرد یعنی عطاء الرحمن کو سمجھادیں گے کہ وہ اس خیال سے باز آجائیں گے لیکن مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی نے مشورہ دیا کہ جب وہ اس کے لئے بضد ہیں تو آپ ان کی یہ خواہش پوری کر دیں، تجربہ خود ان کو راستہ معین کرنے میں مدد دے گا چنانچہ اس کے بعد اس پر یوں عمل کیا کہ نوے لاکھ میں ایک بہت بڑی زمینداری خرید کر ان کے حوالہ کر دیا، یہ دوسری بات ہے کہ سال ڈیڑھ سال کے بعد ہی شیخ صاحب کو اس پیشہ کے حالات سے جب سابقہ پڑا تو وہ دل برداشتہ ہو گئے اور توبہ کرنے لگے، آخرش زمینداری کو لاکھوں روپے خسارہ پر فروخت کر کے چھٹکارا حاصل کیا اور اپنی سابقہ کاروبار میں مشغول ہو گئے یہ لوگ مولانا کے اتنے دلدادہ تھے کہ برابر دہلی سے رحیم آباد خدمت میں حاضر ہوتے رہتے اور تحفہ تحائف کا انبار اپنے ساتھ لاتے رہتے ایسی عقیدت تھی کہ زمانہ علالت میں تو گویا ڈاک بٹھادی تھی کہ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی کے حالات ہر دم ملتے رہیں اور مرض کے لحاظ سے ہر سامان بھیجتے رہتے تھے۔

دہلی کے مشہور حکیم اجمل صاحب بھی آپ کے بے حد عقیدت مند تھے ذیل کے واقعہ سے تفصیل معلوم ہو جائے گی۔

رحیم آباد کے پڑوس میں موضع بگھونی میں ایک مختار صاحب جن کا نام محب الحق تھا۔ مولانا کے بڑے معتقد اور فدائی تھے، ان کے برادرزادہ عبدالرحیم صاحب عرف ڈمروی بابو بخت علیل تھے، کبھی کبھی منہ سے خون آجاتا تھا، بہت علاج کرایا لیکن فائدہ نہ ہوا آخر مولانا نے اپنا ایک رقعہ دے کر حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم کی خدمت میں دہلی روانہ کر دیا، وہاں کا حال یہ تھا کہ بڑے بڑے رؤسا اور لیڈران قوم کو بھی جلدی رسائی نہ ہوتی تھی اور کئی کئی دن انتظار کرنا پڑتا تھا یہ نوجوان دہلی پہنچ گیا اور وہاں کا منظر دیکھ کر سوائے ناکامی کے کچھ نظر نہ آیا لیکن ضرورت نے مجبور کیا اور ناامیدی کی حالت میں وہ خط جو مولانا نے دیا تھا دربان کے حوالہ کر دیا، دربان نے خط حکیم صاحب کو پہنچا دیا۔ حکیم صاحب نے خط پڑھا اور فوراً اس نوجوان کو طلب فرما کر معائنہ کیا اور فرمایا کہ تم میرے پاس ہی قیام کرو لیکن چونکہ مولانا مرحوم نے تاکید کر دی تھی کہ حکیم صاحب تم کو اپنے یہاں روکنے کی کوشش کریں گے مگر تم وہاں قیام نہ کرنا اس لئے انہوں نے معذرت کر دی۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ اگر دوسری جگہ قیام کرتے ہو تو تمہارے لئے کھلی اجازت ہے کہ جب چاہو آؤ اور سامنے چہل قدمی کرو میں خود تم کو بلا لوں گا چنانچہ یہ کچھ دنوں تک وہاں رہے اور حکیم صاحب سے اسی طرح ملتے رہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حکیم صاحب کے دل میں مولانا رحیم آبادی کی کتنی عزت تھی اور کیسے تعلقات تھے۔

دہلی میں الحاج عبدالرحمن و عطاء الرحمن صاحبان تو آپ کے اتنے گرویدہ تھے کہ آپ کی جوتی سیدھی کرنے کو باعث فخر سمجھتے تھے

اور اتنے بڑے صاحب ثروت ہونے کے باوجود آپ کی خدمت میں مشغول رہا کرتے تھے۔ (حیات و خدمات: ۹۳)

ان تفصیلی حالات کو پڑھ کر ہمیں حسب ذیل معلومات حاصل ہوئیں اول یہ کہ مدرسہ ”دارالحدیث رحمانیہ“ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی مرحوم کے نیک مشوروں سے قائم کیا گیا۔ پہلے شیخ عطاء الرحمن صاحب و عبدالرحمن صاحب اپنے گمشدہ بھانجے کے مل جانے پر فرحت و شکرانے کے طور پر کھلانے پلانے پر ہزاروں روپیہ صرف کرنا چاہتے تھے اور کوئی ٹھوس و کارآمد کام اس سے انجام نہ پاتا لیکن مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی کے حقیقی مشورہ کو ان دونوں بھائیوں نے قبول کر لیا اور اس رقم کو کارآمد و نفع بخش یادگار یعنی مدرسہ کا بنانا منظور

کر لیا اور پھر مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ کا آغاز کیا، وہ حضرات آپ کی باتوں کی قدر و قیمت کو سمجھتے تھے، تحریر بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دارالحدیث رحمانیہ بنوانے والے کتنی اونچی حیثیت کے مالک تھے اور دہلی کے مالداروں میں ان کا رتبہ کتنا بلند و بالا تھا۔ شیخ عبدالرحمن صاحب مرحوم نے اپنے چھوٹے بھائی عطاء الرحمن کو زمینداری خریدنے کے خط میں ان کو حضرت مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی کے مشورہ مل جانے کے بعد کتنی خطیر دولت زمینداری خریدنے کے لئے دے دی یعنی نوے لاکھ روپے کا گر انقدر سرمایہ ان کے حوالہ کر دیا۔ یہ زمانہ ۱۲۲۰ھ کا تھا آج کے زمانہ کے اعتبار سے یہ اربوں روپے کی ملکیت ہوتی ہے، جب کہ یہ وہ زمانہ تھا کہ دو آنہ سیر گوشت ملتا تھا اور دس روپیہ ماہانہ پر ہوٹلوں میں کھانا ملتا تھا، اس حساب سے جوڑیے تو یہ زمینداری کئی ارب روپے کی ثابت ہوتی ہے۔

یہ زمینداری کا مسئلہ بڑے ہی شفقت آمیز مسائل اپنے ساتھ رکھتا ہے، طرح طرح کے پیچیدہ مقدمات و پریشانیاں اس کے ساتھ لوازمات میں سے ہیں، ہمارے والد ماجد حاجی نعمت اللہ صاحب مرحوم نے سات سو روپے میں نیپال کے موضع سوپور میں ایک زمینداری خریدی تھی لیکن اسامیوں کے حالات و معاملات کی وجہ سے ہمیشہ تلوہوا، بٹول اور کاٹھمنڈو میں انہیں رہنا پڑتا تھا اور مقدمات کے مسائل پر ہمیشہ ان کا فکر و دماغ طرح طرح کی الجھنوں میں مبتلا رہتا تھا، پہلے خوش آئند معلوم ہوتی تھی مگر بعد میں اس زمینداری میں کوئی بھلا نہیں نکلا۔ اکبر الہ آبادی زمیندار تھے انہوں نے مجبور ہو کر لکھا تھا۔

ذره ذره سے لگاؤ کی ضرورت ہے یہاں

عافیت چاہے جو انساں تو زمیندار نہ ہو

اور ایک قطعہ میں اکبر الہ آبادی نے زمینداری کی مشکلات سے پر کیا خوب لکھا ہے۔

محتاج دروکیل و مختار ہیں آپ

سارے عملہ کے ناز بردار ہیں آپ

آوارہ و منتشر ہیں مانند غبار

معلوم ہوا مجھے کہ زمیندار ہیں آپ

بہت اچھا ہوا کہ شیخ عطاء الرحمن صاحب نے اس مشکل و پریشان کن کام کو تلخ تجربہ کے بعد چھوڑ دیا اور کچھ خسارہ اٹھا کر زمینداری کو ترک کر کے تجارت جیسے بابرکت کام میں پھر لگ گئے۔ یہ وہ پیشہ ہے جس کو خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے اور سچے دیانت دار تاجر کی بڑی فضیلت بتلائی ہے، اسی تجارت کی برکت سے نوے لاکھ روپیہ حاصل ہوا تھا، یہ تجارت ہی کی برکت تھی۔

دارالحدیث رحمانیہ دہلی کا حسن انتظام اب تک لوگوں کو یاد ہے ہر مہینہ تمام طلبہ کی نفیس و پر تکلف دعوت ناظم رحمانیہ اپنے دولت کدہ پر کیا کرتے تھے، ہر ہفتہ علماء و مدرسین کی دعوت بہت ہی لذیذ و نفیس کھانوں پر مشتمل ہوا کرتی تھی، سال میں دو مرتبہ اوکھلا یا قطب لاٹ کی طرف سیر کرائی جاتی تھی۔ متعدد بسوں اور لاریوں پر طلبہ اور کھانے کے جملہ تمام پکے ہوئے ہنڈے پہنچتے تھے اور وہاں سیر و تفریح کے بعد گرم گرم اور تازہ و نفیس کھانے کھانے کو ملتے تھے اس کے علاوہ اوڑھنے بچھانے کے لئے گدا اور چادر و لحاف ملتا تھا

جاڑے کے موسم میں ٹرکوں پر طلبہ کے لئے اونی سوٹر اور اونی کوٹ اور تمام قسم کے کمبل اور نئے نئے لحاف و گدے آتے تھے۔

ٹرکوں کے سیر و تفریح اور کھیل کے بعد بادام کا شربت برف آلود پیش کیا جاتا تھا، میں طبعاً کھیل کود کی مجلسوں میں شریک نہیں ہوتا تھا لیکن ایک دو بار شرکت کا اتفاق ہوا اور میں نے بھی کبڈی مدرسہ کے کھلے صحن میں کھیلا ہے اور میں نے بھی ایک دو بار شربت پیا ہے، بالعموم میرا کام پڑھنے پڑھانے کا تھا اور شب و روز اسی مشغلہ میں مشغول رہتا تھا۔ ضلع اٹاواہ وغیرہ کے پڑھنے والے رحمانی علماء مجھ سے پہلے وفات پا گئے جو میری محنت و شغف کو دیکھ کر مجھ سے کہا کرتے تھے کہ تم دیوانہ ہو جاؤ گے اور پاگل ہو کر مرو گے، میں ہمیشہ سبق کو حاصل کر کے آتا اس کے بعد میرے کمرے میں کھانا آجاتا تھا کیونکہ میں نے فیس طعام دے کر ہی بنارس اور دہلی میں کھانا کھایا ہے، لیکن کھانا کمرے میں آکر رکھا رہتا تھا اور میں اپنی پڑھی ہوئی کتابوں کا سمجھے ہوئے مضمون کو لکھا کرتا تھا یہاں تک کہ ظہر کی اذان ہو جاتی، ہم ظہر کی نماز پڑھ کر آتے تو اپنا کھانا کھاتے، اس وقت ناشتہ دان کا کھانا ٹھنڈا ہو جاتا اور گوشت کے سالن پر ڈال دیا گھی وغیرہ جو ہوتا وہ جم جاتا اور اس کو کائی کی طرح نکال کر میں باہر پھینکتا، صرف جمعہ کے دن گرم اور تازہ کھانا نصیب ہوتا تھا کیونکہ اس دن کوئی سبق نوٹ کرنا نہیں ہوتا تھا، عموماً رات کے بارہ بجے کے بعد سوتا تھا، میں نے دلی میں پڑھنے کے زمانے میں کسی محلے یا بازار کو نہیں دیکھا، شاعر کا یہ شعر میرے اس حال پر منطبق تھا۔

ہمیں دنیا سے کیا مطلب مدرسہ ہے وطن اپنا
میں گے ہم کتابوں پر ورق ہوگا کفن اپنا

ہمارے مدرسہ رحمانیہ میں طلبہ کو نقدی انعام دینے کا بھی دستور تھا۔ امتحان کا نتیجہ سنایا جاتا اور نقد روپیہ، گھڑی اور جبہ و دستار کا انعام دیا جاتا، ہم بھی اپنے زمانے میں ہر جماعت میں اول آتے رہے اور انعامات سے نوازے گئے۔ اس دن یہاں شیخ عطاء الرحمن دلی کے تمام مدارس عربیہ کے علماء کو حتیٰ کہ جامعہ ملیہ عربیہ دہلی کے بڑے بڑے عربی ٹیچروں خواجہ اسلم صاحب، جیرا چوری، خواجہ عبداللہ صاحب فاروقی، محترم ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب، شیخ الجامعہ جو بعد کو ہندوستان کے صدر جمہوریہ کے منصب پر فائز ہوئے وہ بھی تشریف لاتے تھے، میاں صاحب اس دن بڑی شاندار اور پر تکلف دعوت کرتے تھے، تمام مدارس عربیہ کے مہمانوں کو اور طلبہ و اساتذہ کو بہترین و پر تکلف کھانا کھلاتے تھے۔ میاں صاحب نے تعلیم کا انتظام بڑا چوکس کر رکھا تھا، پابندی وضع قطع کا بڑا لحاظ تھا، نمازوں کی پابندی کے لئے حاضری لگی ہوئی تھی، تعلیم و تربیت کے لئے بہترین مواقع نصیب تھے، اس درس گاہ کے علمی وقار کو بڑھانے کے لئے میرے استاذ مولانا احمد اللہ صاحب پر تاپ گڑھی تشریف فرما تھے جو صحیح بخاری کا بہترین اور مدلل درس دیا کرتے تھے لیکن تقسیم ہند کا معاملہ ایسا پیش آیا کہ سارا علمی سرمایہ اور کتب خانہ اور بڑے بڑے دارالحدیث سب دوسروں کے ہاتھ لگ گئے۔

مقام حسرت و افسوس

یہ مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی چونکہ شیخ عبدالرحمن و شیخ عطاء الرحمن صاحب کا ذاتی تھا وہ اپنی آمدنی سے چلاتے تھے، اس ہوش ربا عالم میں شیخ عبدالوہاب صاحب کو خیال ہی نہ رہا کہ اسکول آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے سپرد کر دیں۔ اور حادثہ تقسیم سے پہلے انتقال فرما گئے۔ شیخ عطاء الرحمن صاحب کے بڑے صاحبزادے حاجی عبدالوہاب صاحب مرحوم مدرسہ رحمانیہ کے ناظم بنے، میرے استاذ محترم علامہ نذیر احمد

صاحبِ رحمانی اس وقت مدرسہ کے صدر مدرس تھے اسی اثناء میں تقسیم کا حادثہ پیش آ گیا اور مدرسہ رحمانیہ کے لٹ جانے کا اور علامہ نذیر احمد رحمانی کے پکڑے جانے کا حادثہ پیش آ گیا، اس وقت حاجی عبدالوہاب صاحب نے مدرسہ رحمانیہ کو جامعہ ملیہ کے حوالہ کر دیا۔ افسوس!! اب یہ مدرسہ ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں چلا گیا جنہوں نے اس کو ناچ گھر بنا دیا اور وہاں ناچنے گانے کی تعلیم دی جاتی ہے افسوس کے ساتھ یہ شعر عرض کرنے پر مجبور ہوں۔

چہ نسبت است برندی صلاح و تقویٰ را
سماع وعظ کجا نغمہ رباب کجا!

اس سے معلوم ہوا کہ جو مدرسہ ذاتی طور پر چلائے جاتے ہیں ان کی جماعتی حیثیت نہیں رہ جاتی، ان کے ضائع ہو جانے کا ہمیشہ غم رہے گا اور ہمیشہ اس کا ماتم کیا جائے گا۔

ہم اس علمی زوال پر اور اس دارالحدیث کے فنا پذیر ہونے پر اسی طرح رنجیدہ ہیں جس طرح شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے بغداد کے زوال پر غم سے لبریز جذبات کو اشعار میں پیش کیا ہے، وہ زوال بغداد پر لکھتے ہیں اور ہم زوالِ رحمانیہ پر ماتم سراہیں اور شیخ سعدی ہی کے الفاظ میں ترجمانی کرتا ہوں۔

آسماںِ راجح بود گرخوں ببارد بر زمیں
برزوال ملک مستعصم امیر المؤمنین

یہ آسمانی انقلاب اور حادثہ تقسیم اپنے زبردست پیمانے پر دہلی اور اطراف میں رہا، پورے پنجاب اور اسکے ماحول پر چھایا ہوا تھا کہ لوگوں کے ہوش و حواس کے طوطے اڑ گئے اس ہوشربا عالم میں کس کو تصور وار ٹھہرایا جائے ہمارے غم کی تسلی کے لئے بھی کافی ہے کہ ہم اس سانحہ عظمیٰ پر ”ان للہ وانا الیہ راجعون پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (وَلَبَّيْهُمُ الصَّابِرِينَ ﴿۱۵۷﴾ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿۱۵۸﴾ أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿۱۵۹﴾) (سورہ بقرہ ۱۵۵-۱۵۷) اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کو بشارت دی ہے کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو زبان حال وقال سے یہ اقرار کرتے ہیں کہ ہم اور ہماری تمام چیزیں خدا کی امانت ہیں اور ہمیں اللہ ہی کی طرف پلٹ کر جانا ہے، یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی طرف سے سلامتی و رحمت نازل ہوتی ہے اور یہی لوگ ہدایت یاب ہیں۔

اللہ کے لطف و کرم کا ظہور

جب دارالحدیث رحمانیہ دہلی پر درہ عدم میں چلا گیا اور جماعت کے لوگ شیرازہ کے منتشر ہونے کے سبب اپنی اتحادی قوت سے محروم ہو گئے تو لوگوں نے طرح طرح کے طعنے جماعت کو دیئے اور ہمارے طلبہ بھی دیوبند وغیرہ سے نکالے گئے، جس کا تفصیلی بیان مرکزی دارالعلوم بنارس کے حالات میں آئے گا۔

ہمارے زمانے میں جامعہ سلفیہ بنارس کا سنگ بنیاد رکھا گیا جو اللہ تعالیٰ کے حسب وعدہ انعام ورحمت کے طور پر دارالحدیث رحمانیہ کا نعم البدل مرکزی دارالعلوم بنارس کی شکل میں عطا کیا گیا۔

ہم اس فضل واکرام پر خدائے پاک کے بے پایاں شکر ادا کرتے ہیں کہ ہمیں ایک قیمتی موتی ملا ہوا تھا وہ کھو گیا، لیکن اب درشہوار مل گیا۔ ہمیں پہلے ایک نفیس پھول ملا تھا جس کی رعنائی و زیبائی سے ہم سب مسرور و سرشار تھے لیکن اب ہمیں مرکزی دارالعلوم کی شکل میں ایک گلستان مل گیا جو گلشن بھی ہے اور گل بداماں بھی۔ اب ہم فخر کے ساتھ یہ شعر بر محل عرض کر رہے ہیں۔

آفتاب تازہ پیدا بطنِ گیتی سے ہوا
آسمان ٹوٹے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک؟

مرکزی دارالعلوم بنارس کے قیام و بنیاد کی تاریخ

اس سلسلہ میں ہمیں بنارس مدنیورہ کے حالات کا بنظر غائر مطالعہ کرنا پڑے گا کہ وہاں کے لوگوں نے دارالعلوم کو کن حالات میں قائم کیا تھا اور اس سے قبل ان کے مذہبی حالات کیا تھے؟ وہ کس مسلک کے حامل تھے ان کے پاس مسجد مدنیورہ کس شکل میں موجود تھی اور کن حالات و اثرات کی بنا پر وہ اپنے قدیم مسلک کو چھوڑ کر دین حنیف مسلک اہل حدیث کی طرف مائل ہوئے اور اس صحیح مسلک پر عمل کرنے کے بعد پھر ان کی زندگی میں کیا تبدیلی آئی؟

اپنے بچوں کو پڑھانے کے لئے کون سا سلفی طرز کا مدرسہ کھولا پھر وہ بتدریج کہاں کہاں قائم ہوا۔ اور نشیب و فراز سے گزرتا ہوا جامعہ رحمانیہ کی شکل میں کب ظہور ہوا۔ اور مرکزی دارالعلوم کن کن عوامل و جذبات کے تحت آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے مفید مشورے اور تائید سے منصفہ شہود پر آیا؟ کن افاضل روزگار اور اکابر امت نے مرکزی دارالعلوم کے لئے جدوجہد کیا؟ اس پوری تفصیل کو سمجھنے کے لئے مولانا عبداللہ سعودی سلمہ اللہ کا وہ گراں قدر مقالہ پڑھیے جسے انہوں نے اخبار ترجمان ماہ اکتوبر ۱۹۹۱ء میں اپنے والد صاحب مرحوم مولانا عبداللہ وحید سلفی کے حالات کے تحت سپرد قلم فرمایا ہے، یہ مضمون بھی تمام حالات و واقعات کا انکشاف کرتا ہے اور مرحوم ناظم محترم اور ان کے رفقاء کرام کی خدمات کو بھی خوب واضح کرتا ہے ہم اس کا اقتباس پیش کر رہے ہیں۔

مدرسہ مصباح الہدیٰ سے جامعہ رحمانیہ تک پھر جامعہ رحمانیہ سے مرکزی دارالعلوم تک

محلہ مدنیورہ بنارس میں نصف صدی قبل حنفی حضرات کی آبادی تھی، اس میں جامعہ رحمانیہ مدنیورہ بنارس جو ”تاجا بیو پاری“ کے خاندان کا قائم کردہ پرانا ادارہ ہے، مختلف مدارج طے کرتا ہوا موجودہ منزل تک پہنچا ہے، جس وقت مدنیورہ کا موجودہ خاندان حنفی سے اہل حدیث ہوا اور اپنے بچوں کی تعلیم کتاب و سنت کے مطابق دلانے کی فکر ہوئی، ہمارا خاندان تاج محمد وارث محمد کے نام سے (تاجا وارث) کے لقب سے مشہور تھا ان میں تاج محمد وغیرہ بنارس کے اولین اہل حدیث ہیں انہیں بزرگوں کی محنت کا ثمرہ ہے جو بنارس میں اتنی بڑی تعداد میں کتاب و سنت کے متبع اور مسلک اہل حدیث کے ماننے والے پائے جاتے ہیں۔ ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۸۹۲ء میں کچھ عرصہ سے بنارس میں

جماعت اہل حدیث کا تبلیغی سلسلہ جاری تھا اور بہت سے لوگوں کے دل اس کی طرف مائل ہو رہے تھے ان میں حاجی تاج محمد و حافظ عبدالرحیم و لعل محمد وغیرہ پیش پیش تھے، چنانچہ مولانا حافظ عبداللہ صاحب غاز پوری کی آمد پر لوگوں کے اعتماد میں پختگی آگئی اور لوگوں نے اپنے اس فیصلہ کو کھلم کھلا بنارس والوں کو سنانا چاہا اس وقت حاجی تاج محمد صاحب حج بیت اللہ کے لئے گئے ہوئے تھے، کچھ لوگوں نے حاجی تاج محمد کی واپسی تک اس اعلان کو ملتوی رکھنا چاہا مگر جب خدا کسی کو راہ راست دکھانا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا، طے یہ ہوا کہ نیک کام میں کسی کا انتظار کرنا ٹھیک نہیں، اس وقت خوش خیال جماعت میں سب سے بزرگ ہستی حاجی تاج محمد کی تھی لیکن ان کی غیر موجودگی میں ہی مولانا حافظ عبداللہ صاحب غاز پوری کی قیادت میں طیب شاہ کی مسجد میں پہلی بار آمین بالجہر اور رفع الیدین کا عمل شروع کیا گیا اور اس کے بعد پھر جماعت اہل حدیث کی بنیاد بنارس میں مضبوط ہوگئی، اسی جدوجہد میں مولانا محمد منیر خاں مرحوم نے بنارس میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا جو خاکسار عبدالرؤف رحمانی کے بھی مرشد اور شفیق و کریم النفس استاد تھے، اس وقت مدرسہ کے لئے کوئی جگہ نہ تھی، حاجی محمد صدیق صاحب کے مکان سے جو مسجد طیب شاہ کے بغل میں واقع ہے درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس مدرسہ مصباح الہدیٰ میں میں نے یعنی عبدالرؤف رحمانی نے مولانا محمد منیر خاں رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پڑھنا شروع کیا۔ مولانا حبیب اللہ صاحب بہاری سے بھی درس لیتا رہا، مولانا فصیح الدین غاز پوری سے بھی تعلیم حاصل کرتا رہا۔ ہم لوگوں کی تعلیم کا انتظام مصباح الہدیٰ میں تھا اور قیام و طعام کا انتظام باگڑی کی مسجد کے بغل میں ایک باغ کے کمرے میں تھا۔ اس وقت ہم اور مولوی مجیب اللہ صاحب مرحوم اور مولوی عبدالحی اور ڈاکٹر یونس اور ڈاکٹر فضل الرحمن وغیرہ اپنے خرچ سے باورچی کے ذریعہ کھانا پکوا کر کھاتے تھے۔ ہمارے انجمن کی خطابت بھی اسی باغ کے دائرے میں ایک جگہ پر ہوا کرتی تھی، یہی مدرسہ مصباح الہدیٰ جو بعد میں مدرسہ مصباح العلوم کے نام سے معروف ہوا، جب مدرسہ نئی بلڈنگ میں منتقل ہو گیا اور ۱۳۳۹ھ میں حافظ صاحب کے انتقال کے بعد اس کا نام بدل کر انہیں کے نام پر ”جامعہ رحمانیہ“ رکھا گیا اس وقت مدرسہ کی دیکھ بھال مولانا حافظ صاحب مرحوم کے فرزند ان وغیرہ کرتے تھے اور اپنے ذاتی خرچہ سے مدرسہ چلا رہے تھے۔ ۱۹۶۰ء میں پہلے اس کے ناظم مولانا عبدالمتین صاحب مرحوم تھے اس کے بعد یہ انتظام مولانا عبدالوہید صاحب کے سپرد کر دیا گیا۔ انہوں نے اپنے حسن انتظام سے اپنے خاندانی خواتین سے بھی چندہ لیا اور زیورات کی زکوٰۃ اصول کئے اور شوال سے پہلے مدرسہ کی مرمت اور سفیدی کرائی، اساتذہ کی تنخواہوں میں بھی اضافہ کیا، اسی دور میں مولانا نذیر احمد رحمانی جامعہ رحمانیہ کے صدر مدرس مقرر ہوئے جامعہ رحمانیہ میں بڑی وسعت اور ترقی ہوئی اور حسن انتظام اور تعلیم میں ممتاز ہوا مگر ایک مرکزی درس گاہ کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی اور اس کے منصوبے تیار کئے جا رہے تھے مگر ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے، ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹ نومبر ۱۹۶۱ء کو آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس ضلع بستی کے مشہور قصبہ نوگڑھ بازار میں منعقد ہوا۔ اسی موقع پر مرکزی دارالعلوم کا منصوبہ تیار کیا گیا اور اہل بنارس نے اس کی ذمہ داری قبول کر لی اور مرکزی دارالعلوم کا قیام بنارس شہر میں منظور کیا گیا، محلہ ریوڑی تالاب میں جامعہ کی عالیشان عمارتیں قائم ہو گئیں، جماعت اہل حدیث ہند کا ایک مرکزی ادارہ اس دور میں ۱۹۶۳ء میں عالم وجود میں آ گیا، مولانا نذیر احمد رحمانی نے جس محنت و جانفشانی کے ساتھ اس کی حفاظت و پاسبانی کی ہے اور اس کے انتظام و انصرام میں جو کام انجام دیا ہے وہ انہیں کا حصہ تھا اور اہل بنارس اصحاب مدنیوہ نے مولانا کی علالت کے زمانہ میں اور علالت

سے قبل بھی جو خدمات اور قدر شناسی کی ہے وہ ہر صاحب بصیرت پر روشن ہے۔

مولانا عبدالوحید صاحب کو لوگوں نے دیکھا تھا کہ انہوں نے کس طرح دلچسپی لے کر جامعہ رحمانیہ کو ترقی پر پہنچایا تھا اس سے آپ کی انتظامی دلچسپی و علمی صلاحیت کا صحیح اندازہ ہوا اور آپ کو مرکزی دارالعلوم جامعہ سلفیہ کی نظامت عظمیٰ کے اعلیٰ منصب پر فائز کر دیا۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دارورسن کہا

اسی دوران جامعہ سلفیہ میں سالانہ اجلاس منعقد ہوا جس کی صدارت استاذ محترم مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی فرما رہے تھے اور مولانا عبدالمتین صاحب اور مولانا عبدالمجید صاحب حریری بھی اسٹیج پر موجود تھے، جامعہ سلفیہ کے اس اجلاس میں تقریریں ہو رہی تھیں میری بھی ایک تقریر رکھی گئی میں نے اپنی تقریر میں واضح کیا تھا کہ خدا کی کائنات میں دو طرح کے قوانین ہیں ایک تکوینی قانون اور دوسرا تشریحی قانون۔ تکوینی قانون غیر متبدل ہے قانون قدرت کے تحت خدا نے جس کے ذمہ جو کام لگا دیا ہے اس کے مطابق اس کو کرنا اور انجام دینا ہے اور اس کو ویسے ہی ہونا ہے مثلاً تکوینی قانون یہ ہے کہ آفتاب مشرق سے طلوع ہوا اور مغرب میں ڈوبے چنانچہ شروع زمانہ ہی سے سورج پورب سے نکلتا ہے اور پچھم میں غروب ہوتا ہے اس میں کوئی تغیر نہیں ہے، اسی طرح ایک قانون کے تحت آگ جلاتی ہے اور پانی ڈبوتا ہے، ایک قانون کے تحت آم کے بیج سے آم پیدا ہوتا ہے اور بادام کے بیج سے بادام پیدا ہوتا ہے اور گیہوں سے گیہوں اور جو سے جو پیدا ہوتا ہے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ سورج مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہوا اور آگ جلانے کے بجائے ڈبوانے کا کام کرے یا پانی ڈبوانے کے بجائے جلانے کا کام کرے اسی طرح آم کے بیج سے آم کے بجائے بادام یا انگور پیدا ہوا اگر ایسا ہوتا تو یہ قانون تکوینی کے خلاف ہوگا۔

اسی طرح ریاضیات کے قانون اور فارمولے میں بھی کبھی کوئی تبدیلی نہیں آتی ہمیشہ دو دو مل کر چار ہوتے ہیں اور چار چار مل کر آٹھ ہوتے ہیں ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ دو دو مل کر پانچ ہو جائیں اور چار چار مل کر نو یا دس ہو جائیں۔

ٹھیک اسی طرح شریعت کے احکام بھی یقینی اور غیر متبدل ہوتے ہیں نیکی ہمیشہ نیکی رہے گی، بدی ہمیشہ بدی رہے گی جھوٹ ہمیشہ جھوٹ رہے گا اور سچ ہمیشہ سچ ہی رہے گا اور اسے اچھا سمجھا جائے گا، تیبیوں پر جبر و ظلم کرنا برا فعل ہے ہمیشہ اسے برا سمجھا جائے گا۔

الغرض جس طرح قانون تکوینی کے نظام غیر متبدل ہیں اسی طرح اچھائیاں اور نیک اعمال و اخلاق بھی ہمیشہ اچھے ہی رہیں گے وہ بھی تکوینی قانون کی طرح غیر متبدل ہیں۔

اور قانون تشریحی میں ہمیشہ جھوٹ کو برا سمجھا جائے گا اور سچ بولنے کو ہمیشہ اچھا قرار دیا جائے گا، اسی طرح یتیم کے ساتھ احسان و ہمدردی کو ہمیشہ اچھا سمجھا جائے گا اور ان کے اوپر ظلم و جور کو ہمیشہ برا سمجھا جائے گا۔ وقس علیٰ ہذا۔

اسی طرح کے بیان و امثلہ کو میں نے تقریباً ایک گھنٹہ تک جاری رکھا اور مولانا عبدالمتین صاحب نے بہت غور سے سنا اور تقریر کے بعد مجھے اپنے بغل میں بٹھایا اور بہت شاباشی دی، مولانا کا چہرہ مبارک فرط مسرت سے چمک رہا تھا کیونکہ میں انہیں کے مدرسہ میں تعلیم پا کر اور پھر جامعہ رحمانیہ میں درس لے کر فارغ ہوا تھا اور جب میں مونگیر کے جلسہ سے واپس ہو کر گھر پہنچا تو استاذ محترم مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی کا ایک کارڈ مجھے ملا جس میں موصوف نے میری اس تقریر کی بہت تعریف و تحسین کی تھی۔

مولانا مرحوم نے لکھا تھا کہ اکابر و اعیان بنارس نے آپ کی اس تقریر کو بہت زیادہ پسند کیا اور آپ کو ہر طرح سے آفریں کہا ہے۔ بہر حال مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی مرحوم نے بحیثیت صدر مدرس اس مرکزی دارالعلوم کا علمی و تعلیمی معیار بلند سے بلند تر کیا اور ناظم اعلیٰ عبدالوحید صاحب نے اپنے اعلیٰ ذوق کے مطابق عالی شان تعمیرات کو بنوایا اور مرکزی دارالعلوم کو علمی و ادبی و تاریخی اور نوع بنوع ہمہ جہتی ترقی سے بام و عروج تک پہنچایا۔

استاذ محترم علامہ نذیر احمد صاحب رحمانی کا مبارک دور تو جلدی ہی جاتا رہا، آپ کی زندگی و فائزہ کرسی جس پر ہم جتنا بھی ملال کریں کم ہوگا لیکن خوش قسمتی سے مولانا عبدالوحید صاحب رحمانی جیسے متین و سنجیدہ، دور اندیش تجربہ کار متحمل مزاج شیخ الجامعہ مولانا کے عہد نظامت میں آگئے پھر فاضل جلیل عالم کبیر حضرت مولانا حافظ مقتدی حسن صاحب ازہری جیسے جامع العلوم صاحب نظر و فکر، تبصر، یگانہ روزگار آزمودہ کار عالم کی ہستی وکیل الجامعہ کے منصب جلیل پر فائز ہوئی جس نے اپنی انتھک محنت اور کدو کاوش سے جامعہ کو چار چاند لگایا اور ہر میدان میں ترقی بخشی۔ ان اکابر علماء عظام اور ان کی قیادت میں ہمراہ چلنے والے دوسرے اساتذہ کرام کے مرکزی دارالعلوم میں جمع ہو جانے سے اس گلشن علمی و ادبی میں بڑی رعنائی و ترقی ہے۔

آج جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم میں دو سو کتابوں کی تصنیف و تالیف ہوئی اور تراجم کے کام بتدریج کئے گئے اور ایک علمی ذخیرہ جمع ہو گیا۔ پریس و چھاپہ خانے قائم ہوئے اور صحافت میں اردو ماہنامہ ”محدث“ اور عربی ماہنامہ ”صوت الجامعہ“ جاری ہو اور کئی علمی و یادگار کانفرنسیں ہوئیں اور اچھے موضوعات پر کئی ایک سیمینار منعقد ہوئے اور ناظم اعلیٰ کے سفری مجاہدات میں مولانا ازہری صاحب کی معیت و رفاقت سے تعلیمی و تعمیری مشروعات میں اچھی خاصی مساعدت حاصل ہوئی جس سے تعمیرات کے بلند و بالا ایوان اور رفیع الشان و خوبصورت دارالحدیث پھر عظیم الشان و عظیم المرتبت قیمتی کتب خانہ اور قابل قدر و قابل دید دارالضیافہ اور بلند و عالی شان حسین و جمیل و پر شکوہ مسجد اپنے نورافزا مناروں کے ساتھ جامعہ کے موزوں ترین مقامات پر قائم و مستحکم ہیں جو عرصہ دراز تک ناظم اعلیٰ مولانا عبدالوحید صاحب سلفی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد دلاتی رہیں گی۔ سچ فرمایا کسی فارسی شاعر نے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

مرکزی دارالعلوم کے قیام کے دو محرک اسباب

مرکزی دارالعلوم کے منصوبہ بنانے کی دو وجہ پیدا ہوئی ایک وجہ یہ تھی کہ مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی نے اخبارات میں یہ بیان دیا تھا کہ اب جماعت اہل حدیث کا شیرازہ بکھر چکا ہے اور جماعت اہل حدیث اپنا دم توڑ چکی ہے۔ اس بیان پر ہندوستان کے موجودہ اہل حدیث افراد میں بیداری کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے ان کے بیان کا نوٹس لیا۔ اخبارات میں ان کے جوابات دیئے گئے اور جماعت میں ایک حرکت و بیداری ہوئی۔

اسی واقعہ کے ساتھ دوسرا سانحہ یہ ہوا کہ دارالحدیث رحمانیہ کو جامعہ ملیہ کے حوالے ہونے کے بعد عربی خواں طلبہ کے لئے کوئی ایسا مرکزی مدرسہ باقی نہ رہا جہاں وہ اپنی تشنگی علم بجھا سکیں چاروناچار ”دارالعلوم دیوبند“ کا بھی قصد کیا اور وہاں داخل ہو گئے اور کچھ ہی

زمانے کے بعد جب ان کا اہل حدیث ہونا ظاہر ہوا تو ارباب اہتمام نے ان سب اہل حدیث طلبہ کو جو تقریباً ۶۰ تھے دارالعلوم سے نکال دیا، یہ ہمارے اہل حدیث طلبہ نے اپنی جماعت سے بزبان حال یہ کہنا شروع کیا کہ ”ہمارا اہل حدیث ہونا ہی وہ جرم تھا جس کی وجہ سے ہم نکال دیئے گئے ان کی یہ صد اور دور تک پہنچی اور چار دانگ عالم میں شکوہ سنج رہی گویا وہ بزبان شاعر یہ کہہ رہے تھے۔

بجرم عشق توام می کشد غوغائے ایست
تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشا ئست

اس سلسلہ میں مولانا مختار احمد صاحب ندوی امیر جمعیت اہل حدیث ہند بڑی وضاحت سے مجلہ ”البلاغ“ نومبر ۱۹۹۱ء میں لکھتے ہیں۔
”ہندوستان کی آزادی سے پہلے دہلی میں مدرسہ رحمانیہ کے نام سے ایک عظیم الشان درس گاہ قائم تھی جو برصغیر ہند میں سلفی طرز تعلیم کا سب سے بڑا مرکز تھا، یہ جامعہ دہلی کے ایک مخیر بزرگ الحاج وعطاء الرحمن صاحبان کا قائم کردہ تھا ان کے بعد ان کے صاحب زادے حاجی عبدالوہاب صاحب اس کے سرپرست رہے، یہ مدرسہ شخصی اور ذاتی تھا لیکن اپنی تعلیمی انفرادیت اور ادارتی نظام اور معیاری درس گاہ ہونے کی وجہ سے افغانستان سے آسام تک کے طلبہ یہاں داخل ہو کرتے تھے، اس مدرسے نے بڑے جید علماء پیدا کئے اور ”رحمانی“ علماء کی ایک بڑی جماعت پیدا کر دی جو اپنے اپنے علاقوں میں دینی اور تعلیمی قیادت اور امارت کے منصب پر فائز ہوئے لیکن افسوس ہندوستان کی آزادی کے ساتھ ہی ملک کو تقسیم کا بار اٹھانا پڑا جس کا بڑا نقصان ملک کے سلفی طبقہ کو برداشت کرنا پڑا، اس جماعت کی ساری قوت ملک کی تقسیم نے منتشر کر ڈالی اور ان کی ہر چیز کئی حصوں میں بٹ گئی، علماء، تجار، عوام، مدارس، کتب خانے، رسائل و جرائد اسی طوفان میں مدرسہ رحمانیہ دہلی بھی بہہ گیا اس مدرسہ کا نام و نشان مٹ گیا، اس کا قیمتی کتب خانہ جو جماعت اہل حدیث ہند کا ایک قیمتی سرمایہ تھا اس کے ہاتھ سے چلا گیا، نذیر یہ لائبریری بھی اس تقسیم کا شکار ہوئی، مدرسہ کے مالک اور سرپرست دہلی کو خیر باد کہہ کر پاکستان چلے گئے، اب اس میں جامعہ ملیہ نے ایک پرائمری اسکول کھول دیا ہے جہاں رقصی اور موسیقی گانا سبھی سکھایا جاتا ہے۔

اس اندوہناک واقعہ کو لکھتے ہوئے قلم کانپ رہا ہے۔ کسی زمانہ میں یہ خاکسار راقم الحروف اس مدرسہ کا ایک ادنیٰ طالب علم تھا افسوس کہ علم و ادب، تفسیر و حدیث کی وہ انجمن ختم ہو گئی۔

ایسی حالت میں تعلیم و تربیت، تنظیم جماعت اور اداروں کے قیام کا کس کو ہوش تھا بہر حال سلفی طلبہ مقامی مدارس میں اپنی تعلیمی پیاس بجھانے لگے لیکن دھیرے دھیرے یہ احساس بڑھتا گیا اور ہر طرف سے مطالبہ شروع ہو گیا کہ مدرسہ رحمانیہ دہلی کا بدل ضرور قائم کیا جائے، اسی درمیان دارالعلوم دیوبند میں ایسا ناگوار حادثہ پیش آیا جس سے ہندوستان کے سلفی حلقوں میں سخت بے چینی ہوئی اور ان کی دینی حمیت و غیرت بیدار ہو گئی پھر ایک عظیم مرکزی سلفی درس گاہ کے قیام کا مطالبہ زور پکڑ گیا۔

ان حالات سے متاثر ہو کر انجمن جامعہ رحمانیہ بنارس کے معزز ارکان نے محلہ ریوڑی تالاب بنارس میں ایک وسیع زمین مرکزی دارالعلوم کے قیام کے لئے وقف کی اور اس کا نقشہ تعمیری بجٹ و تخمینہ مقرر کر کے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے عمائدین کے سامنے رکھا اور اخبارات کے ذریعہ بھی اسے مشتہر کیا گیا۔

میں اس وقت پندرہ روزہ اخبار اہل حدیث دہلی کا معاون مدیر تھا، میں نے مرکزی دارالعلوم کی حمایت میں بہت سے تائیدی

اداریے لکھے، ۱۹۶۱ء میں نوگڑھ ضلع بستی میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کا ایک تاریخی اجلاس ہوا جس کے اسٹیج پر مرکزی دارالعلوم کا مجوزہ نقشہ آویزاں کیا گیا، میں نے کانفرنس کے کھلے اجلاس میں اس موضوع پر ایک نہایت پر جوش تقریر کی اور پھر مقررین نے اس کی تائید کی چنانچہ ایک ہی سال بعد بنارس میں ایک عظیم یادگار اجتماع میں اس کی بنیاد رکھی گئی۔ (البلاغ نومبر ۱۹۹۱ء)

ناظم اعلیٰ اور مولانا زہری صاحب کی رفاقت

اس مضمون کے پڑھنے سے واضح طور پر مرکزی دارالعلوم کے قائم کئے جانے کا سبب معلوم ہو گیا۔ محترم ناظم صاحب جب تک زندہ رہے، صحت و عافیت کے ساتھ حسن و خوبی سے مرکزی دارالعلوم کو معراج ترقی پر پہنچانے کے لئے ہمہ وقت مستعد و سرگرم عمل رہے، جب اپنے دولت کدہ سے دفتر میں آتے تو حساب و کتاب، آمد و خرچ کے اس شعبے میں جس میں اس کا خاص اہتمام رہتا ہے تشریف لے جاتے اور وہاں حسابات کا معائنہ کرتے، یہ حساب کو ہمیشہ پاک و صاف اور پاکیزہ دیکھنا چاہتے تھے اور آپ کے سچے مشوروں اور ہدایتوں کو دفتر کے لوگ اور ایڈیٹر صاحبان بھی ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے، اس کے بعد اپنے خاص دفتر میں مولانا مقتدی حسن صاحب ازہری کی ڈاک ملاحظہ فرماتے اور باہم تقابلاً اور مشوروں سے متعلقہ حضرات کو خطوط لکھے جاتے، مولانا ٹاپ کر کے محترم ناظم صاحب کے دستخط اور مہر کے بعد ان کو روانہ کرتے، انتظامی معاملات میں جو مٹھی عبد المنان وغیرہ کے ذریعہ آپ کے سامنے آتے ان معاملات میں بھی اپنے مفید مشوروں سے انہیں نوازتے، اسی طرح جملہ مدرسین و ملازمین سے بہت شگفتہ برتاؤ رکھتے، اسی طرح اس چمنستان علم و فضل کی ہمیشہ آبیاری اور اس کے سرسبز شاداب رکھنے کا انتظام کرتے۔

مولانا مرحوم پر ان کے دورِ نظامت میں خوشی کے بہت سے مواقع بھی آتے، بہت مسرت افزا چیزوں پر آپ خوش ہوتے اور خدا کا سجدہ شکر بجالاتے اللہ کے فضل و کرم پر ہمیشہ ممنون و مشکور رہے لیکن بعض ایسے مواقع و حوادث بھی آئے کہ اس صدمے سے راتوں کی نیند اڑ جاتی اور دن کا چین و سکون رخصت ہو جاتا، ان میں سے ایک سب سے بڑا حادثہ اس بیس لاکھ روپے کا ہے جسے شاہ فیصل مرحوم نے مرکزی دارالعلوم کو عطا کیا تھا، کارکنان کی غلطی سے جامعہ سلفیہ کی جگہ پر جامعہ اسلامیہ کے لئے چیک کٹ گیا۔ یہ رقم سفارت خانہ سعودیہ عربیہ دہلی میں پہنچی اور اس کی اطلاع جامعہ اسلامیہ بنارس کو دی گئی۔ جامعہ اسلامیہ والوں نے کبھی اس طرح کی درخواست نہ دی تھی اور نہ ان کے لئے یہ رقم سعودیہ سے منظور ہی ہوئی تھی لیکن اس میں مولانا اسعد مدنی وغیرہ حضرات نے جامعہ اسلامیہ والوں کا ساتھ دیا اور یہ رقم ان کے حوالہ ہو گئی انا اللہ وانا الیہ راجعون کے پڑھنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا آخر کار محترم ناظم مرحوم نے اس کے لئے دوبارہ کوشش شروع کر دی اور مکہ و مدینہ پہنچ کر جن جن مشائخ سے رجوع فرمایا اور جن جن لوگوں نے دلداری کی اور امید بندھائی ان تمام لوگوں سے حقیقت حال عرض کر کے معاملہ میں پیش رفت چاہی، لوگوں نے ہر طرح سے پیش رفت میں تعاون کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انہیں پھر بیس لاکھ کا عطیہ حاصل ہو گیا۔ اللہ الحمد فی الاولیٰ والاخرۃ۔

لیکن اس پورے غمناک روداد پر ایک دور فیتوں کی امداد کا اور حقیقی تعاون کا دور دور تک پتہ نہیں چلتا کہ وہ حضرات شوری سے کتنا گریزاں تھے اور ہر آسان و ممکن شکل پیدا کرنے میں کتنا دور رہتے تھے، مولانا زہری صاحب وہ رفیق خاص تھے جو دل درد مند رکھتے اور اس واقعہ کے پورے خدوخال سے واقف تھے وہ بھی اس طرح کے صدمات میں مبتلا تھے اور ان لمبی چوڑی باتیں کرنے

والوں سے حد درجہ مایوس ہو چکے تھے کسی شاعر نے ایک شعر کہا ہے جو ہمیشہ کے لئے ایک حقیقت ہے۔
 مشورے دے کے ہٹ گئے صاحب
 آڑے آیا نہ کوئی مشکل میں
 لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد ہر چیز پر غالب ہے۔ اس کا فیصلہ ہوا اور بگڑا ہوا کام خیر و خوبی سے گزر گیا۔

مولانا کی علالت اور رحلت

آخر ایک وقت آیا مولانا عبدالوحید صاحب ناظم اعلیٰ علیل ہو گئے اور اسپتال میں داخل ہوئے لیکن بحکم قضائے الہی آپ کی سانس اکھڑنے لگی اور حالت بدل گئی۔ اور ۲۵ نومبر ۱۹۸۹ء کو بروز شنبہ قبل مغرب انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اس وقت آپ کی عمر ۶۵ سال کی تھی۔

یہ تاریخی حالات سنہ و تاریخ کے ساتھ مولانا عبداللہ سعود نے ترجمان دہلی اکتوبر ۱۹۹۱ میں شائع کرایا ہے جو مولانا مرحوم کے فرزند اکبر ہیں اور خود بھی مرکزی دارالعلوم کے فارغ ہیں اور اس کی ترقی و تعمیری اقدامات میں پیش رفت کے خواہاں ہیں۔
 اللہ تعالیٰ ان کو مولانا مرحوم کا سچا جانشین بنائے۔ اور جامعہ کی خدمت کی بھرپور توفیق بخشے۔

مرکزی دارالعلوم کا تابناک مستقبل

اب تک مرکزی دارالعلوم گونا گوں تعمیری و تعلیمی، تصنیفی اور دعوتی و تبلیغی خدمات میں ممتاز اور تمام اہل حدیث مدارس میں منفرد ہے۔ اللہ تعالیٰ ناظم اعلیٰ کے بعد بھی ان کے جانشین اور کارکنان کو اس کے علمی اور تعلیمی و تعمیری خدمات کو مزید ترقی کے ساتھ جاری رکھنے کا عزم و حوصلہ بخشے۔
 یہ بڑی خوشی کا مقام ہے کہ بنارس مدینہ پورہ کے ارباب انتظام نے ناظم اعلیٰ کی جگہ پر ان کے منصب کو سنبھالنے کے لئے مولانا شاہد جنید صاحب حفظہ اللہ کو پورے اتفاق کے ساتھ منتخب کیا اور ماشاء اللہ مولانا شاہد جنید سلمہ اس منصب کے تقاضے کے مطابق ہمہ وقت اپنے دونوں سربراہ علماء شیخ الجامعہ اور وکیل الجامعہ کے مشورہ کے مطابق عمل پیرا ہیں اور دیگر مراحل کی تکمیل میں ہمارے سب محترم علماء ان کی نگرانی میں ہمہ وقت سرگرم عمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ جامعہ رحمانیہ کے تمام اکابر و اصاغر کو مدد و امت کے ساتھ حسن عمل کی توفیق دے مرکزی دارالعلوم کے تمام رفقاء اور علماء کرام اور اساطین عظام صدق دل سے مرکزی دارالعلوم کے ساتھ لپٹ کر خدمات انجام دیں اور زبان حال سے وہ وہی کہیں جو کسی شاعر نے بنارس کے لئے لکھا ہے۔

از بنارس نہ روم معہد عام است ایں جا

ہر برہمن پسرے کچھمن درام است ایں جا

(ماخوذ از نوائے اسلام دہلی اگست تا اکتوبر ۱۹۹۲ء)



مونا تھ بھجن

(مونا کی قدامت، یہاں اسلام کی آمد، دینی و علمی سرگرمی، ماضی و حال اور مسلک اہل حدیث کی اشاعت)

شیخ محفوظ الرحمن فیضی مونا

مذکورہ بالا عنوان سے مولانا ابوبیکر امام خان نوشہروی رحمۃ اللہ علیہ، اپنی کتاب مستطاب ”تراجم علمائے حدیث ہند“ میں تحریر فرماتے ہیں: مونا، ضلع اعظم گڑھ (یوپی) کا ایک قصبہ ہے، اور اپنے علمی برکات کی وجہ سے ممتاز اقران مولانا سخاوت علی جوہر پوری رحمۃ اللہ علیہ جو اپنی خاندانی روایات علم و عمل کے ساتھ خلافت امیر المؤمنین السید احمد رحمۃ اللہ علیہ کے سراپا سے بھی مفتخر تھے، انہی کا فیضان یہاں (مونا تھ بھجن میں) بتوسل مولانا فیض اللہ مونا علیہ الرحمہ (المتوفی ۱۳ ربيع الاول / ۱۳۱۶ھ) پہنچا۔ مولانا فیض اللہ صاحب سے ملا حسام الدین مونا (متوفی ۱۳۱۰ھ) نے پڑھا، اب یہ نعمت عام ہونے لگی کہ ادھر جناب مولوی ابوالکارم محمد علی مرحوم بن مولانا فیض اللہ صاحب، دولت علم سے مالال ہوئے، ایک طرف ملا حسام الدین کے صاحبزادہ گرامی مولانا محمد احمد صاحب (معروف بڑے مولوی صاحب) فارغ التحصیل ہو گئے، جن سے مونا علم کا ما من بن گیا، (یہ اکابر مونا میں علمائے جماعت اہل حدیث کے طبقہ اولیٰ کے اولین اساطین میں سے ہیں۔) نواحی کے لاتعداد حضرات مونا ہی سے تکمیل کر کے نکلے، اور ساکنین مونا تو علوم دینیہ سے اس قدر مستفیض ہوئے کہ تحصیل علم آج بھی یہاں شرافت انسانی کا تلامزہ سمجھی جاتی ہے۔

۱۹۸۸ء میں ضلع اعظم گڑھ کے چند قصبات کو اس سے الگ کر کے ”مونا“ کے نام سے ایک نیا ضلع تشکیل دیا گیا، جو قصبہ مونا تھ بھجن، قصبہ کوپا گنج، قصبہ گھوسی، قصبہ محمد آباد گہنہ اور قصبہ چریا کوٹ وغیرہ پر مشتمل تھے۔ اور ضلع کا صدر مقام مونا تھ بھجن ہے۔ یہ اعظم گڑھ کے مشرق میں کوئی چالیس کلومیٹر پر واقع ہے۔

یوپی، خصوصاً مغربی یوپی میں متعدد مقامات ہیں جن کے ساتھ ”مونا“ کا لاحقہ یا سابقہ لگا ہوا ہے، کہا جاتا ہے کہ ”مونا“ ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی فوجی چھاؤنی کے ہیں، چونکہ یہ مقامات مسلم دور حکومت میں فوجی چھاؤنیاں تھیں اس لئے ان کے نام کے ساتھ ”مونا“ لگا ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔

یہی وجہ ہے کہ اس قصبہ میں علماء اہل حدیث کی اس قدر کثرت ہے کہ اس کے لئے اس کتاب ”تراجم علمائے حدیث ہند“ میں (علمائے مونا کے

نام سے، ایک علیحدہ موضوع (عنوان) قائم کرنا پڑا۔ ص ۷۴-۷۳)

مونا تھ بھجن، شمالی ہند کا ایک قدیم معروف و مشہور اور مردم خیز اور صنعتی شہر ہے جو اپنی پارچہ بانی کی صنعت کے علاوہ علم و فضل اور مدارس و مساجد اور اہل علم کی کثرت میں ایک ممتاز مقام رکھتا ہے، یہ مسلم آبادی کی اکثریت والا قصبہ و شہر ہے، جہاں اس وقت مسلمانوں کی آبادی کم و بیش ایک لاکھ اسی ہزار ہے جو پوری آبادی کا تقریباً پچپن فیصد ہے۔ مسلم آبادی اہل حدیث اور احناف پر مشتمل

ہے۔ یہاں مساجد کی تعداد ایک سو پچاس سے زیادہ ہے۔ اور چھوٹے بڑے مکاتب کے علاوہ ایسے بڑے مدارس عربیہ کی تعداد جہاں ابتداء سے فضیلت تک کی باقاعدہ تعلیم کا انتظام ہے آٹھ ہے، جن میں زیر تعلیم مقامی و بیرونی طلبہ کی مجموعی تعداد بلابالغہ دس بارہ ہزار سے زیادہ ہی ہے۔ عصری تعلیم کے لئے مسلمانوں کے اپنے متعدد اسکول و کالج ہیں، اسی طرح مسلم بچیوں کی دینی و عصری تعلیم کے لئے متعدد مدارس و مکاتب اور اسکول قائم ہیں۔

قصبہ و شہر منو میں جماعت الہدیٰ کی ستر (۷۰) مسجدیں ہیں، جن میں سے تقریباً نصف میں جمعہ بھی ہوتا ہے، اور پانچ عربی درسگاہ ہیں جن میں سے چار میں ابتداء سے فضیلت و تکمیل تک کی تعلیم کا معقول انتظام و اہتمام ہے یعنی جامعہ عالیہ عربیہ، (قائم شدہ ۱۸۶۸ء) جامعہ اسلامیہ فیض عام (قائم شدہ ۱۹۰۲ء) جامعہ اثریہ دارالحدیث (قائم شدہ ۱۹۵۴ء) اور جامعہ محمدیہ (قائم شدہ ۱۹۱۸ء) اور مدرسہ دارالتعلیم جس میں جماعت خامسہ تک کی تعلیم ہوتی ہے، اسی طرح مسلم بچیوں کی دینی تعلیم کے لئے متعدد اہل حدیث مدرسہ البنات ہیں جن میں فضیلت تک تعلیم کا انتظام ہے یعنی کلیۃ فاطمۃ الزہراء الاسلامیہ، کلیۃ امہات المؤمنین / مدرسہ فیض نسواں، کلیۃ البنات الاسلامیہ / مدرسہ عالیہ نسواں، اور کلیۃ خدیجۃ الکبریٰ۔

اسی طرح مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کی عصری تعلیم کے لئے بھی اہل حدیث کے اپنے تعلیمی ادارے ہیں۔ مسلم انٹر کالج، اثریہ انٹر کالج، عالیہ اسکول، عالیہ گرلس اسکول، فیض عام گرلس اسکول اور محمدیہ گرلس اسکول۔

مؤویٰ ابتدائی حالت اور اسلام کی آمد: مؤویٰ ایک قدیم بستی ہے، متعدد مورخین کے بیان سے ثابت ہے کہ مؤویٰ اسلام کی روشنی آج سے ہزار برس پہلے پانچویں صدی ہجری کے رجب اول میں پہنچ چکی تھی اور یہاں اسلام کی تبلیغ و اشاعت ہو رہی تھی، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مؤویٰ سے بھی بہر حال قدیم آبادی ہے جو اس سے پہلے سے کئی ہزار برس سے بھی پہلے موجود اور آباد تھی۔

مورخین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم سلاطین میں والی افغانستان سلطان محمود غزنوی (متوفی ۴۲۱ھ / ۱۰۳۰ء) کے ہندوستان کا رخ کرنے اور اس کی ابتدائی مہم جوئی اور فتوحات کے وقت اس کے ساتھ ہندوستان آنے والے سپہ سالاروں میں ایک اس کے برادر نسبتی سالار ساہو بھی تھے، اور سالار مسعود غازی ان ہی سالار ساہو کے صاحبزادے اور سلطان غزنوی کے خواہر زادے ہیں، وہ سلطان محمود غزنوی کی ۱۶ / ۴۱۵ھ میں فتح سومنا تھ کی مہم میں کم عمری کے باوجود شریک تھے، سلطان غزنوی کے اس آخری فاتحانہ مہم سے غزنی سے واپس جانے کے بعد سالار مسعود اپنے والد کے ساتھ جو اجمیر میں سلطان کے حکم سے قیام پذیر تھے، اجمیر و دہلی کے اطراف میں کامیاب تبلیغی و جہادی مہم سرانجام دیتے رہے، بعد ازاں آپ نے شمالی ہند یعنی مشرقی یوپی کا رخ کیا، مختلف مقامات میں تبلیغ و جہاد کرتے ہوئے آخر میں بہرائچ پہنچے اور وہیں طرح اقامت ڈال دی، اور ۴۲۴ھ / ۱۰۳۳ء میں بہرائچ ہی میں وفات ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے، وہاں آپ کی قبر آج بھی موجود ہے۔ (تاریخ المنوال و اہلہ ص ۵۱ و ۹۷ ج ۲، آب کوثر بنارس ص ۶۰)

سالار مسعود کی پوری کوشش بذات خود مختلف علاقوں میں پہنچنے کی ہوتی تھی، لیکن جہاں نہیں پہنچ پاتے وہاں کسی کو اپنا نائب بنا کر قافلہ کی شکل میں بھیج دیتے، ان ہی میں سے آپ کے ایک نائب شاہ ملک طاہر تھے جو مؤویٰ کی طرف بھیجے گئے، وہ اپنے قافلہ

وجہ امت کے ساتھ اس قصبہ منو میں وارد ہوئے اور یہیں قیام پذیر ہو گئے، اور اشاعت اسلام کو اپنا نصب العین قرار دے کر شب و روز اسی دھن میں سوئے اور جاگے، حضرت شاہ صاحب کی ملکوئی صفات اور دعوت و تبلیغ اور اسلام کی عالمگیر تعلیم و مساوات نے یہاں کے عام باشندوں کو شاہ صاحب کا انتہائی عقیدت مند بنا دیا۔ بتدریج اسلام کی اشاعت ہوتی رہی اور لوگ تیزی سے حلقہ بگوش اسلام ہوتے گئے، تا آنکہ یہ قصبہ مسلم اکثریت کی آبادی والا قصبہ بن گیا۔ اور بادشاہ وقت کی طرف سے شاہ صاحب کو قصبہ کی جاگیر داری کا پروانہ عطا ہوا۔ ملک طاہر نے یہیں منو میں وفات پائی اور یہیں مدفون ہوئے، سن وفات معلوم نہ ہو سکا، قصبہ کے مشرقی حصہ میں ملک طاہر بابا کا روضہ ہے، آپ ہی کے نام سے وہ محلہ ”ملک طاہر پورہ“ اور ”روضہ“ کے نام سے موسوم و معروف ہے۔ مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ شاہ جہاں کے عہد میں قصبہ منو شہزادی جہاں آرا بنت شاہ جہاں کی جاگیر میں تھا اسی لئے اس کا شاہی نام ”جہاں آباد“ ہے، شہزادی نے اپنے شوق سے چابکدست نور بانوں یعنی کپڑے بننے کے ہنرمند و فنکار کار یگروں کو یہاں لاکر آباد کیا تھا۔ اور ایک جامع مسجد اور اس سے متصل نوجیوں کی سکونت کے لئے قلعہ نما چھوٹے بڑے حجرے بھی بنوائے تھے جس کے آثار آج بھی موجود ہیں، اور یہ مسجد آج بھی شاہی جامع مسجد کٹرہ سے موسوم و معروف ہے۔ (خطبہ استقبالیہ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس منعقد منو ناٹھ بھجن ۱۹۲۷ء اور آثار بنارس)

تیرہویں صدی ہجری سے پہلے منو کی علمی و دینی حالت: تیرہویں صدی ہجری سے پہلے کی صدیوں میں منو کی کسی علمی حیثیت کا سراغ اور کسی نامور عالم کا نام و پتہ نہیں ملتا جس سے معلوم ہوتا ہو کہ اس وقت یہاں علم دین کا کوئی چرچا نہیں تھا اور صحیح اسلامی عقائد اور تعلیمات سے ناواقفیت و جہالت عام تھی اور اس کے نتیجے میں اعتقادی و علمی گمراہی، بدعات و خرافات قبر پرستی، تعزیہ سازی و تعزیہ پرستی کا جو حال رہا اس پر یہ ملک طاہر بابا کا روضہ اور اس کے ارد گرد پختہ قبریں، اور دیوبندی اہل سنت کے محلوں میں تعزیہ سازی کے چوک، اور ان کی قدیم عید گاہ میں ”امام باڑہ“ خاموش گواہ کی حیثیت سے اب تک قائم ہیں، اگرچہ بعد کے اہل علم خصوصاً سلفی علماء کی گرفتوں اور کوششوں سے ان میں سے اکثر صنم کدوں کی بہاریں داستان پارینہ بن چکی ہیں لیکن ”اب جس جگہ کہ داغ ہے یاں پہلے درد تھا“ کے مصداق ان سنسان صنم کدوں میں پہلے بڑی چہل پہل رہا کرتی رہی ہوگی۔

سلسلہ عالی ولی اللہی سے منو کی وابستگی: تیرہویں صدی ہجری ہندوستانی مسلمانوں کے لئے نازک کشمکش کی حامل تھی، لیکن ان کے مذہبی احیاء، معاشرتی اصلاح، اور متعدد علمی و دینی تحریکوں کے آغاز کا زمانہ بھی یہی ہے، دلی کے علمی دینی خانوادہ میں شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۱۷۶ھ کے اولاد و احفاد اور ان کے اخلاف کا درد تھا، شاہ عبدالعزیز متوفی ۱۲۳۹ھ، شاہ عبدالقادر متوفی ۱۲۴۶ھ، شاہ رفیع الدین متوفی ۱۲۴۹ھ، شاہ عبدالغنی متوفی ۱۲۲۷ھ، شاہ محمد اسماعیل شہید ۱۲۴۶ھ، شاہ عبدالحی دہلوی متوفی ۱۲۴۳ھ، شاہ محمد اسحاق مہاجر کی متوفی ۱۲۶۲ھ وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ کے انفاس قدسیہ سے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے جاری کردہ علمی و دینی تحریک کو برابری غذا اور نئی زندگی ملتی رہی، اس تحریک نے مسلمانوں میں مراسم شرک، غیر شرعی رسم و رواج اور بدعات کو مٹانے میں زبردست کارنامہ انجام دیا۔ ان بزرگوں کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگرد پورے ملک میں پھیل رہے تھے اور تحریک کو آگے بڑھا اور پھیلا رہے تھے، جس سے دیار پورب ریاست جو نیپور وغیرہ بھی (ضلع اعظم گڑھ بھی ریاست مذکورہ میں شامل تھا) خاص

طور سے متاثر ہوئے، خاص جو پنپور اور اس کے اطراف میں متعدد بزرگ اس نیک کام میں لگے ہوئے تھے۔ انہیں بزرگوں میں ایک نام ور عالم اور بزرگ مولانا سخاوت علی جو پنپوری (متوفی ۱۲۷۴ھ) ہیں جو سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت اور ان کے خلیفہ مجاز بھی تھے، آپ نے متعدد مشاہیر اساتذہ سے تحصیل علم کے بعد مرکز دہلی کا رخ کیا اور مولانا اسماعیل شہید دہلوی اور مولانا عبدالحئی دہلوی سے علوم کتاب و سنت کی تکمیل کی، کچھ دنوں باندہ میں نواب باندہ کے یہاں رہے، آخر جو پنپور میں طرح اور اقامت ڈالی اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا، عرصہ بعد جاز تشریف لے گئے اور وہیں حج و زیارت کے بعد ۱۲۷۴ھ میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات بابرکات سے ریاست جو پنپور و گردونواح میں بڑا فیض پھیلا یا، سیکڑوں علماء آپ کے درس سے کامل ہو کر نکلے اور دور دوران کے اثرات کو وسیع کیا، بدعات کو مٹایا اور علم دین کو رواج دیا، اور کتاب و سنت کا غلغلہ بلند کیا۔

مولانا جو پنپوری کے مشاہیر تلامذہ میں ایک نمایاں نام مولانا فیض اللہ منوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۰۶ھ) کا ہے، منوی کی موجودہ دینی و تعلیمی تحریک اور رونق کے محرک اول اور نقطہ آغاز ہونے کا شرف درحقیقت آپ ہی کو حاصل ہے، آپ ہی نے ۱۸۶۸ء/۱۲۸۵ھ میں اس دیار کا سب سے پہلا مدرسہ، مدرسہ عالیہ قائم کیا جس سے بے شمار لوگ مستفید ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ آپ سے پہلے یہاں کسی تعلیمی تحریک اور خاص سرگرمی کا پتہ نہیں چلتا۔

خانوادہ ولی اللہی کے فیض تعلیم سے جیسا کہ اہل علم جانتے ہیں دو اہم سلسلے چلتے ہیں ایک شاہ اسحاق صاحب کے شاگردوں مولانا عبدالغنی مجددی اور مولانا احمد علی سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہم سے، اس سلسلہ میں توحید اور بدعات کے جذبہ کے ساتھ فقہ حنفی کی تقلید کا رنگ غالب اور نمایاں ہے۔

دوسرا سلسلہ مولانا شاہ اسحاق صاحب کے دوسرے نامور شاگرد شمس العلماء مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی سے، موصوف جملہ علوم و فنون میں تبحر کامل کی بنا پر ”شیخ الکل فی الکل“ اور خانوادہ ولی اللہی کی مسند عالی کے واقعی وارث ہونے کی بنا پر میاں صاحب کے لقب سے ملقب ہوئے، اس دوسرے سلسلہ میں توحید خالص اور بدعات کے ساتھ کسی امام اور فقہ خاص کی تقلید کے بجائے خود ائمہ متبوعین اور سلف صالحین کے طریقہ پر کتاب و سنت کی اتباع اور براہ راست قرآن و حدیث سے احکام و مسائل کی تحقیق اور اس کے مطابق عمل کا جذبہ نمایاں ہوا اور فروغ پایا اسی سلسلہ کا نام ”اہل حدیث“ مشہور ہوا۔ (مستفاد از مقدمہ حیات شبلی)

شاہ اسحاق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ۱۲۵۸ھ میں مکہ مکرمہ ہجرت کر جانے کے بعد درحقیقت شیخ الکل فی الکل میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی مسند دہلی کے صدر نشین ہوئے اور جملہ علوم و فنون خصوصاً تفسیر و حدیث و فقہ کا محدثانہ و محققانہ طریقہ پر درس دیتے رہے اور علوم کتاب و سنت کی روشنی پھیلاتے رہے، یہ شمع ساٹھ برس سے زیادہ ۱۳۲۰ھ تک ضیا پاش رہی جس کے نور سے بے شمار قندیلیں روشن ہوئیں، میاں صاحب کے شاگردوں کا حلقہ جتنا وسیع ہوا شاید و بایا اس زمانہ میں یا اس کے بعد کسی کو نصیب ہوا ہوگا۔ پھر اس کمیت کے ساتھ بڑی چیز اس کی کیفیت ہے، ان شاگردوں میں بکثرت بجائے خود ایک سے ایک ممتاز عالم دین محقق و مصنف اور بلند پایہ محدث اور سند الوقت ہوئے جنہوں نے ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل کر علم دین کو رواج بخشا، اتباع کتاب و سنت کے جذبہ کو فروغ دیا اور بے مثال

تدریسی و تصنیفی اور تبلیغی و دعوتی خدمات کے ذریعہ اس تحریک اہل حدیث کو استحکام و دوام بخشا جس کی بدولت بقول مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ۔ ”بہت سی بدعتوں کا استیصال ہوا، توحید کی حقیقت نکھاری گئی، قرآن پاک کی تعلیم و تفہیم کا آغاز ہوا، قرآن پاک سے براہ راست ہمارا رشتہ جوڑا گیا، حدیث نبوی کی تعلیم و تدریس اور تالیف و اشاعت کی کوششیں کامیاب ہوئیں، فقہ کے بہت سے مسئلوں کی چھان بین ہوئی، مدت کا زنگ طبیعتوں سے دور ہوا، اور یہ جو خیال پیدا ہو گیا تھا کہ اب تحقیق کا دروازہ بند اور نئے اجتہاد کا راستہ مسدود ہو گیا ہے رفع ہو گیا، اور لوگ از سر نو تحقیق و کاوش کے عادی ہونے لگے، قرآن پاک اور احادیث مبارکہ سے دلائل کی خوب پیدا ہوئی، اور قیل و قال کے مکر گرہوں کے بجائے ہدایت کے اصلی سرچشمہ مصفا کی طرف واپسی ہوئی“ (مقدمہ تراجم علمائے حدیث ہند)

میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مشاہیر تلامذہ میں علامہ حافظ عبید اللہ صاحب منوی ثم غازی پوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۸ء) بہت ممتاز ہیں جو بعد میں بجائے خود اُس العلماء اور استاذ الاساتذہ ہوئے، میاں صاحب کے بعد درس کا اتنا بڑا حلقہ اور شاگردوں کا مجمع حافظ صاحب کی مسند درس ”مدرسہ چشمہ رحمت“ غازی پور اور پھر ”مدرسہ احمدیہ“ آرہ میں قائم رہی لیکن منونا تھ بھنجن اور دیگر مضافات ضلع اعظم گڑھ بھی ہمیشہ آپ کے دعوتی و تحریکی مشن کی جولاں گاہ رہے، اور آپ کی مساعی سے تحریک اہل حدیث کو یہاں جلا ملتی رہی، نیز منو کے متعدد اکابر علماء اہل حدیث آپ کے شاگرد بھی ہیں جنہوں نے غازی پور یا آرہ میں آپ سے علوم کی تکمیل کی ہے اور کامل ہوئے ہیں۔

حافظ صاحب مدوح کا اصلی وطن منونا تھ بھنجن ہی ہے، آپ بارہ برس کے تھے اور قرآن کریم حفظ کر چکے تھے کہ آپ کے والد ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے زمانہ میں ترک وطن کر کے مع اہل و عیال غازی پور چلے گئے اور وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔

حافظ صاحب غازی پوری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور اتباع کتاب و سنت کے فروغ کے لئے آپ کی جدوجہد اور اس کے نیک اثرات محتاج تعارف نہیں ہیں۔ نیز منو میں حافظ صاحب کے علاوہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ کی تعداد بیس سے زیادہ ہے۔ جنہوں نے مختلف ادوار میں میاں صاحب سے کسب فیض کیا ہے اور سرزمین منو و مضافات اور دیگر مقامات تک اس فیض کو عام کیا ہے، جیسے مولانا ابوالکارم محمد علی، مولانا ابوالمعالی محمد علی فیضی، مولانا محمد نعمان اعظمی، مولانا ابوالنعمان عبدالرحمن آزاد، مولانا عبدالرحمن بن حکیم باب اللہ، مولانا محمد احمد (بڑے مولوی صاحب)، مولانا محمد سلیمان بن داؤد، وغیرہم رحمہم اللہ۔ ان سب منوی تلامذہ کے ناموں کی فہرست ”سالنامہ تاریخ اہل حدیث“ حصہ اول (۲۰۱۶) میں شجرہ طوبی کے عنوان سے شائع ہو چکی ہے، نیز ان کے تذکرے و تراجم کے لئے دیکھیں، ”منوی تلامذہ شیخ الکل میاں صاحب“ مرتبہ محفوظ الرحمن فیضی۔

میاں صاحب کے مشاہیر فیض یافتگان میں صاحب ”سیرۃ البخاری“ مولانا عبدالسلام مبارکپوری (متوفی ۱۳۴۲ھ) اور صاحب تحفۃ الاحوذی محدث کبیر مولانا عبدالرحمن مبارکپوری (متوفی ۱۳۵۳ھ) کے منو سے روابط اور اس پران کے اثرات اظہر من الشمس ہیں۔ مولانا عبدالسلام نے منو (مدرسہ عالیہ) میں مسلسل تین سال درس بھی دیا ہے، اسی طرح میاں صاحب کے ایک اور شاگرد مولانا محمد اسحاق کوپا گنجی (متوفی ۱۳۴۱ھ) کے درس و تدریس کا سلسلہ کوپا گنجی کے علاوہ برسوں منو (مدرسہ عالیہ) میں جاری رہا، جس سے بہت لوگوں نے استفادہ کیا۔

۱۹۲۷ء میں منو میں منعقد آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے چودھویں کل ہند اجلاس عام، اور اس کے بعد کے اہل حدیث

جلسوں میں مدعو و شریک علماء اہل حدیث میں متعدد میاں صاحب رحمہ اللہ کے شاگرد تھے جنہوں نے منو کو اپنے قدم مہمنت لزوم سے سرفراز اور اپنے مواعظ و افاضات سے مستفیض فرمایا تھا۔ مولانا قاضی سلیمان سلمان منصور پوری مصنف ”رحمۃ للعالمین“ تو اجلاس عام کے صدر ہی تھے، آپ کے علاوہ شیخ الاسلام مولانا امرتسری، مولانا محمد ابراہیم میرسیا لکوٹی، مولانا محمد منیر خاں بنارس، مولانا ابوالقاسم سیف بنارس وغیرہ شریک تھے، رحمہم اللہ اجمعین۔

منو کی موجودہ دینی و علمی سرگرمی کا آغاز و ارتقاء: حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”حیات شبلی“ (ص ۴۱-۴۷) میں سلسلہ ولی اللہی کا تفصیل سے ذکر فرمایا ہے، اس سلسلہ کے اثرات کا ذکر خیر کرتے ہوئے سید صاحب تحریر فرماتے ہیں: ”اعظم گڑھ کے ضلع پر خصوصیت کے ساتھ مولانا فیض اللہ منوئی شاگرد مولانا سخاوت علی جو پوری (اور مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگردوں) مولانا عبداللہ غازی پوری اور مولانا سلامت اللہ جیراج پوری (متوفی ۱۳۲۳ھ) کا زیادہ اثر ہوا۔“

میں اپنے موضوع کی مناسبت سے اس پر یہ اضافہ کرتا ہوں کہ ”اور منو پر بطور خاص مولانا فیض اللہ صاحب کا اور زیادہ اثر ہوا“ جیسا کہ سابقاً ذکر کیا گیا، منو کی موجودہ دینی و تعلیمی سرگرمی اور اصلاحی و سلفی تحریک اور اس تسلسل کا نقطہ آغاز درحقیقت آپ ہی کی ذات گرامی ہے، آپ سے پہلے منو میں اگرچہ سلفی دعوت کی تخم ریزی ہو چکی تھی، لیکن کسی خاص تحریکی اور سرگرمی کا ذکر نہیں ملتا۔ اور پھر آپ کے شاگرد خاص ملاحسام الدین منوئی کے زمانہ میں یہ رنگ کھلتا اور نکھرتا گیا۔ اور ملا صاحب کے ذریعہ یہ چشمہ صافی بڑھ کر دریائے فیض بن گیا، آپ کے اور آپ کے شاگردوں خصوصاً مولانا محمد احمد (بڑے مولوی صاحب) کے بحر علم سے نہ جانے کتنے گوہر آبدار بن کر نکلے، یہ تینوں اپنے دور کے مشاہیر علماء اور بلند پایہ اساتذہ میں تھے، بلکہ منو کے شیخ الشیوخ اور اساتذہ الاساتذہ تھے، علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں یگانہ روزگار اور جملہ علوم و فنون منقولات و معقولات میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ شیخین مولانا فیض اللہ اور ملاحسام الدین کے دور کے اکثر علماء بلا تفریق مکتب و فکر کے اور بعد کے اکثر علمائے اہل حدیث بڑے مولوی صاحب کے شاگرد ہیں۔ ان علماء اکابر کے کمال علم و فن اور مرجعیت نے منو کو علم و فن کا مامن اور مرکز بنا دیا، یہ سلسلہ ان کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کے ذریعہ برابر جاری اور ترقی پذیر ہے، مختصر یہ کہ قصبہ و شہر منو عرصہ سے علم و فن کا گہوارہ اور مرجع خلاق ہے، یہاں بڑے بڑے علمائے دین اور اساتذہ علم و فن گذرے ہیں اور اس وقت بھی موجود ہیں۔ اللہم زد فزد۔ آمین ثم آمین۔ مذکورہ اساطین ثلاثہ کے تراجم و تذکرے کے لئے دیکھیں۔ تذکرہ مولانا محمد احمد ناظم صاحب جامعہ فیض عام۔ (مولفہ راقم الحروف محفوظ الرحمن فیضی) ان اساطین کے تلامذہ ”علمائے منو“ کی فہرست بہت طویل ہے، مولانا مقتدی عمری اہل حدیث علمائے منو کے تراجم و تذکرے پر مشتمل کتاب ترتیب دے چکے ہیں جو جلد زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آنے والی ہے، ان شاء اللہ العزیز۔

(مرسلہ بذریعہ ڈاک از شیخ محفوظ الرحمن)



مؤ کے ہمعصر اور ہم نام علماء

مولانا عزیز الحق عمری

مؤ میں کچھ ایسے بلند پایہ ہمنام معاصر علماء گزرے ہیں جن میں تمیز کرنا اکثر دشوار ہو جاتا ہے یہ صرف ہمنام اور معاصر ہی نہیں بلکہ سب ایک ہی محلے ڈومن پورا میں پیدا ہوئے اور ایک ہی مسجد اور ایک ہی عید گاہ میں نماز بھی ادا کرتے تھے اور ان میں سے دو ایک ہی خاندان کے فرد تھے۔

ان سب کا نام ایک لیکن کیفیت مختلف ہے۔

۱۔ مولانا حکیم محمد علی ابوالکارم بن مولانا فیض اللہ صاحب[ؒ]

۲۔ مولانا ابوالمعالی محمد علی فیضی بن حسام الدین بن الحاج عبدالوہاب[ؒ]

۳۔ مولانا محمد علی ابوالقاسم قدسی بن الحاج شہید بن حکیم جمال الدین[ؒ]

۴۔ مولانا محمد علی ابوالحسن صاحب[ؒ]

ان میں دو اولین سیدنذیر حسین محدث دہلوی کے مؤ کے اکیس تلامذہ میں شامل ہیں اور ان دونوں کی سن وفات میں ایک سال کا فرق ہے۔

مولانا محمد علی ابوالکارم صاحب کا سن ولادت ۱۳۰۸ھ اور سن وفات ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء ہے۔

مولانا ابوالمعالی محمد علی فیضی کا سن ولادت ۱۲۸۶ھ اور سن وفات ۱۳۵۳ھ / ۱۹۳۴ء ہے۔

مولانا ابوالقاسم صاحب قدسی اپنے دور کے دو یگانہ روزگار محدث علامہ صاحب محدث مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی اور مولانا

عبداللہ صاحب محدث غازی پوری کے ارشد تلامذہ شمار ہوتے ہیں، ان میں مولانا ابوالمعالی محمد علی صاحب فیضی اور مولانا محمد علی ابوالقاسم

صاحب قدسی ایک ہی خاندان کے لولوئے آبدار تھے۔ اور مؤخر الذکر کی شادی مولانا ابوالکارم صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی تھی

اور مولانا عبدالعزیز صاحب عمری بن مولانا ابوالقاسم قدسی مولانا محمد علی ابوالکارم کے نواسے تھے۔

مولانا محمد علی ابوالکارم صاحب ایک جید عالم اور باکمال طبیعت تھے، آپ کو نواب صدیق حسن خاں والی بھوپال کے یہاں سے

تیس روپیہ ماہانہ وظیفہ ملتا تھا، ان کی تصانیف کی تعداد پچیس ہے جس کا ذکر امام خان نوشہروی نے تراجم علماء اہل حدیث میں تفصیل سے کیا

ہے آپ کو حکمت و طبابت اور تصنیف و تالیف سے فرصت نہیں تھی، روغن احمر آپ ہی کی ایجاد ہے، آپ نے تعلیم و تدریس سے شغف نہیں

رکھا لیکن مدرسہ عالیہ کے ناظم رہے اور ان کے بعد مولانا ابوالمعالی محمد علی صاحب فیضی مدرسہ عالیہ کے ناظم ہوئے جس کا ثبوت اس خط سے

ملتا ہے جو آپ نے ۶ دسمبر ۱۹۳۲ء کو مولانا محمد علی ابوالقاسم قدسی کے نام بازاردھاما نوالہ ڈہرہ دون کے پتے پر لکھا ہے۔

وہ اپنے طویل مکتوب میں لکھتے ہیں کہ اور اب خدا کے لئے ایسی باتوں کو لکھنے سے پرہیز کیجئے بیکار دل کو صدمہ ہوتا ہے، لوگوں کی

مخالفت ہی کو دل کے لئے چھوڑ رکھے یہی بس ہے۔ آپ ایسے ہمدرد کا بگڑنا مناسب نہیں ہے، آپ مجھ سے شرط منواتے ہیں اور وہ کوئی ایسی وقع نہیں معلوم ہوتی، پھر بھی جس بات کا خدشہ ہے ان شاء اللہ وہ نہیں ہوگا، آپ آئیے اور نجوشی آئیے اس میں آپ کے گزرا کی صورت بھی ہے اور مدرسے کی خیر خواہی بھی، میں تو واللہ سمجھتا ہوں کہ بانی مدرسہ آپ کے والد مکرم مرحوم تھے، آپ زیادہ مستحق ہیں کہ مدرسہ آپ کی نگرانی میں رہے، آپ کی طرف سے بوجہ اتم امداد ہوتی رہے، میں نہایت تہہ دل سے آپ کو بلاتا ہوں آپ آئیے اور جلد آئیے اور ضرور آئیے ہرگز کوئی بہانہ پیش نہ کیجئے، اور روانگی سے پہلے مجھے ایک کارڈ سے اطلاع دیجئے تاکہ آپ کے سامنے امتحان ہو، آپ کے یہاں خیریت ہے اور محلہ بھی خیریت سے ہے، آج کل کوئی ارضی وبائیہ نہیں ہے الحمد للہ علی ذالک۔ آپ کا خیر اندیش ابوالمعالی محمد علی عفا اللہ عنہ ۶ دسمبر ۲۳ء از منوجمالپورہ ضلع اعظم گڑھ۔

مولانا ابوالمعالی صاحب نے تعلیم سے فراغت کے بعد دانا پور میں تدریس کا کام کیا اور پھر بنگال کی ایک جمعیت سے منسلک ہو کر چندے کا کام کرتے رہے، آپ کے کئی مطبوعہ وغیر مطبوعہ رسائل ہیں، جیسے الرفاۃ المهداة، اظہار الہفوات، صید البحر وغیرہ ان کا ایک رسالہ مضامین قرآن کے متعلق جامعہ سلفیہ بنارس سے بنام نظمہ البیان بلطائف القرآن الملقب بگلشن فیضی، جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ میں اشاعت پذیر ہوا ہے۔ جوان کی ۲۰ مزی قعدہ بروز شنبہ کی تالیف ہے اور اس کے حاشیے میں ایک جگہ انہوں نے وارد حال، قصبہ دھولیان ضلع مرشد آباد لکھا ہے۔ اس رسالے پر مولانا محمد علی ابوالمکارم صاحب کی ایک تقریظ بھی ہے۔

مولانا محمد علی ابو القاسم صاحب قدسی کے برادران مولانا محمد حامد صاحب، مولانا محمد نعمان صاحب، مولانا محمد ابراہیم میں سے مولانا ابو القاسم صاحب اور مولانا محمد نعمان صاحب نے جامعہ دارالسلام عمر آباد میں تعلیم و تدریس کے فرائض انجام دیئے اور پھر مولانا ابو القاسم صاحب کو چین چلے گئے لیکن مولانا نعمان صاحب عمر آباد ہی کی خاک میں دفن ہوئے۔

جیسا کہ مولانا ابوالمعالی صاحب کے مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے، ۱۹۳۲ء میں مولانا محمد علی ابو القاسم صاحب ڈہرہ دون میں رہتے تھے اور شاید اس کے بعد وہ جنوبی ہند پہنچے، لیکن اخیر وقت میں ناپینا ہونے کے بعد اپنے وطن عزیز واپس آگئے اور یہیں رحلت فرمائی۔ مولانا موصوف کے زبردست دعوتی کارنامے ہیں، وہی اپنے وقت میں آپ ہی دارالعلوم منو میں خفیوں کا جواب دینے کے لئے بخاری شریف لے کر ان کے جلسے میں پہنچے تھے لیکن انہوں نے تالیاں بجا کر اور شور کر کے ان کی بات ان سنی کر دی، ڈہرہ دون میں بھی ان کی تقریر سے علی جان اور محمد جان دو بڑے سیٹھ جلسے کے بعد ہی اہل حدیث ہوئے اور دوسرے کئی ایک بھی اہل حدیث ہوئے اور یہ معاہدہ ہوا کہ جو جیسے چاہے نماز پڑھے کوئی کسی کی مخالفت نہیں کرے گا، لیکن تقسیم ہند کے بعد ڈہرہ دون کے حالات بہت کچھ بدل گئے۔ مولانا محمد علی ابوالمحاسن کے بارے میں سوائے نام اور کنیت کے مجھے کوئی علم نہیں ہو سکا کیونکہ یہاں منو کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ یہاں کے بڑے بڑے علماء کے حالات تو درکنار ان کے کتب خانوں تک کی حفاظت نہیں کی جاسکتی ہے۔ مبارک پور سے حدیث کی دو شرحیں نکلیں، اعظم گڑھ نے دنیا کو دارالمصنفین دیا لیکن منو میں نابغہ روزگار علماء اور زبردست ذخیرہ کتب کے ہوتے ہوئے سب کچھ باہمی کشاکش میں برباد ہو گیا اور اب بھی یہاں کی یہی حاسدانہ ذہنیت برقرار ہے۔ اعوذ باللہ منہا۔

(نوائے اسلام دہلی، اکتوبر ۲۰۰۵ء)



ابنائے جامعہ عالیہ عربیہ کی حدیثی خدمات

۱۲۸۵ھ تا ۱۳۳۵ھ

مولانا شریف اللہ سلفی - جامعہ عالیہ عربیہ منو

تیرہویں صدی ہجری میں ہندوستانی مسلمانوں کے سیاسی زوال کی تکمیل ہوتی ہے لیکن یہیں سے ان کے اندر معاشرتی اصلاح، مذہبی احیاء اور علمی و دینی تحریکوں کے وجود کا دور بھی شروع ہوتا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) اور ان کی اولاد و احفاد نیز شاگردان و مستفیدین حضرات: شاہ عبدالعزیز (م ۱۲۳۹ھ) شاہ عبدالقادر (م ۱۲۴۶ھ) شاہ رفیع الدین (م ۱۲۴۹ھ) شاہ عبدالغنی (م ۱۲۲۷ھ) شاہ محمد اسماعیل شہید (شہید ۱۲۴۶ھ) شاہ عبداللہ (م ۱۲۴۳ھ) شاہ محمد اسحاق مہاجر کی (م ۱۲۶۲ھ) وغیرہ نے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں قال اللہ وقال الرسول کی صدا بلند کی اور پورا ہندوستان ان کے علم و فکر سے فیضیاب ہوا۔

مولانا سخاوت علی جوہر پوری (وفات ۱۲۷۴ھ)

دیار مشرق جوہر پور و اعظم گڑھ وغیرہ میں علوم کتاب و سنت کی روشنی نامور عالم اور مشہور بزرگ مولانا سخاوت علی جوہر پوری (۱۲۲۶ھ-۱۲۷۴ھ) کی روشن تعلیم سے آئی۔ آپ قصبہ منڈیا ہوضلع جوہر پور میں ۱۲۲۶ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا رعایت علی اور دادا مولانا درویش علی سب کے سب معدن علم تھے، آپ نے مولانا قدرت علی سے ابتدائی کتابیں پڑھیں، مولوی احمد اللہ سے علوم عقلی و نقلی کی تکمیل فرمائی، مولانا عبدالحی دہلوی اور مولانا اسماعیل شہید دہلوی سے سند حدیث حاصل کی اور سید احمد شہید سے بیعت ہوئے۔ علوم و فنون کی تکمیل کے بعد تمام عمر درس و تدریس میں لگے رہے۔ اخیر عمر میں ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے اور وہیں ان کے چھوٹے صاحبزادے مولوی محمد کی پیدا ہوئے۔ مولانا کو کثرت درس کی وجہ سے تصنیف و تالیف کا بہت کم موقع ملتا تھا پھر بھی تقریباً ۸ تصانیف کا پتہ لگتا ہے، جو آپ کے تبحر علمی کا پتہ دینے کے لئے کافی ہیں۔ البتہ شاگردوں کی تعداد اچھی خاصی ہے اور بڑے بڑے نامور علماء آپ کی تلامذہ میں ہیں۔

مولانا فیض اللہ منوئی (وفات ۱۳۰۶ھ)

مولانا سخاوت علی جوہر پوری کے مشہور و ممتاز تلامذہ میں مولانا فیض اللہ بن یار محمد کا نام سرفہرست ہے آپ ۱۲۳۰ھ موافق ۱۸۱۴ء

میں پیدا ہوئے۔

اپنے والد سے ابتدائی کتابیں پڑھیں پھر مولانا سخاوت علی جوہر پوری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہیں سے جملہ علوم و فنون کی تکمیل کی اور منو واپس آ کر علوم کتاب و سنت کی ترویج و اشاعت میں لگ گئے اور منو میں توحید کا ڈنکا بجایا۔ آج کل منو اور اطراف میں

جتنی بھی علمی روشنی دکھائی پڑتی ہے وہ آپ کے جلّائے ہوئے چراغ کی لو ہے۔ دو سال بعد آپ ”مدرسہ اسلامیہ“ اعظم گڑھ گئے اور پھر وہاں سے منو واپس آئے کچھ دنوں منورہ کر علی گنج سیوان، دانا پور، پٹنہ وغیرہ درس و تدریس اور وعظ و نصیحت کے لئے تشریف لے گئے۔ چونکہ مجاہدین سے آپ کے گہرے روابط تھے اس لئے ان مقامات کا سفر ناگزیر تھا۔ دانا پور میں بروز دوشنبہ بوقت عصر بتاریخ ۱۳/ربیع الاول ۱۳۰۶ھ میں وفات پائی۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ حیات شبلی ص ۴۲، ۴۳ میں لکھتے ہیں: ”اعظم گڑھ کے ضلع پر خصوصیت کے ساتھ مولانا فیض اللہ منوی شاگرد مولانا سخاوت علی جوینوری، مولانا عبداللہ غازی پوری اور مولانا سلامت اللہ جیراج پوری (م ۱۳۲۳ھ) کا زیادہ اثر ہوا۔“ یہ حقیقت ہے کہ مولانا فیض اللہ صاحب سے پہلے منویوں میں کسی خاص تحریک، دینی و تعلیمی سرگرمی، اور اصلاحی تنظیم کا ذکر نہیں ملتا ہے، تراجم علماء حدیث ہند میں امام خان نوشہروی لکھتے ہیں:

”مولانا فیض اللہ“ تکمیل کے بعد منو واپس تشریف لائے جو اس وقت ایک سرے سے شرک کی سرزمین بنی ہوئی تھی، گھر گھر غازی میاں کا جھنڈا اور حسین کا تعزیہ رکھا جاتا۔ آپ نے وعظ کہنا شروع کیا سامعین نہایت خاموشی سے سنتے اور اثر قبول کرتے۔ قصبہ سے شرک کا استیصال ہونے لگا۔“

جامعہ عالیہ عربیہ کا قیام

مولانا فیض اللہ صاحب نے ایک طرف تو وعظ و تذکیر سے توحید کا ڈنکا بجایا اور دوسری جانب ۱۲۸۵ھ موافق ۱۸۶۸ء میں حاجی اور دوسرے بزرگوں کے مشورہ و تعاون سے ”مدرسہ اسلامیہ“ موجودہ ”جامعہ عالیہ عربیہ“ کی بنیاد رکھی جس میں علوم کتاب و سنت کے درس کا باقاعدہ اہتمام ہونے لگا۔

جامعہ عالیہ عربیہ سے پہلے منویوں کوئی مستقل دینی درس گاہ نہیں تھی۔ یہ جامعہ مولانا فیض اللہ کے زندہ و جاوید کارناموں میں سے ہے جس کا ثواب آپ کو ہمیشہ ملتا رہے گا۔ ان شاء اللہ

رسالہ سوط الرحمن کے علاوہ آپ کی دیگر تصنیفی خدمات کا پتہ نہیں چل رہا ہے، البتہ کیمیائے سعادت کی اردو اشاعت میں آپ کا تعاون مسلم ہے لیکن پچاس سال تک مسلسل درس و تدریس کی وجہ سے آپ کے شاگردان و مستفیدین کی ایسی جماعت ملتی ہے جو کہ علوم و فنون کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے اور دینی تصنیفی و تدریسی خدمات کی وجہ سے تاقیامت زندہ رہیں گے اور آپ کو ثواب پہنچاتے رہیں گے۔

مولانا حسام الدین (وفات ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۳م)

مولانا حسام الدین، مولانا فیض اللہ صاحب کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ آپ کا اسم گرامی حسام الدین بن جمال الدین عرف جمن ہے۔ قاضی دامونپورہ منویوں میں پیدا ہوئے۔ آپ نے علوم و فنون کا اکثر حصہ مولانا فیض اللہ منوی سے حاصل کیا اور کچھ مولانا عباس چریا کوٹی (م ۱۳۰۲ھ) سے۔

مولانا محمد اعظمی حفظہ اللہ فرماتے ہیں: مولانا حسام الدین کو مولانا فیض اللہ نے سند فراغ قلمی دیا تھا اور غالباً میاں صاحب دہلوی رحمہ اللہ سے تعلیم اور سند حاصل کی تھی یاد آتا ہے کہ مفتی مولانا حبیب الرحمن ناظم مدرسہ فیض عام منور رحمہ اللہ نے ان دونوں سندوں کی اصل مجھے دکھائی تھی جو انہوں نے بہت حفاظت سے اپنے پاس رکھا تھا، اور میرے کہنے پر ان کی فوٹو کاپی بھی کرائی تھی۔ (افادات مولانا محمد اعظمی) حصول علم کے بعد آپ نے مولانا فیض اللہ کے حکم سے جامعہ عالیہ عربیہ میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور اسی جامعہ میں عمر گرانمایہ ختم کر دی۔

امام خاں نوشہروی آپ کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں ”جناب مستطاب مولانا (ملائے) حسام الدین علیہ الرحمۃ ان خوش نصیب لوگوں میں سے تھے جن کے بعد ان کے تینوں عمل باقی رہے یعنی صدقہ جاریہ، علم ینتفع بہ، ولد صالح یدعولہ“۔ ص ۴۱۵۔
آپ کے علم کا وقار منوں میں اس قدر تھا کہ کوئی بھی فتویٰ بغیر آپ کے دستخط کے جاری نہ ہوتا۔ آپ کی دو تصانیف کے علاوہ مزید کا پتہ نہیں چل رہا ہے۔ (۱) فرحۃ الاخیار بتفصیل جواب الاشتہار مع جواب صوت الازہار مسہمی باعازۃ الابرار من وسواس الازدجار۔ اردو ۴۰ صفحات۔ (۲) راحة الاخبار۔ دونوں کتابیں ایک ساتھ چھپی ہیں۔

مولانا عبدالحکیم مجاز اعظمی فرماتے ہیں: آپ کو شعر و شاعری کا ذوق بھی ملا تھا، چنانچہ آپ نے اپنے استاذ مولانا فیض اللہ صاحب کی شان میں جو نظم کہی ہے اس کا ایک شعر یہ ہے:

اضافت فیض کی اللہ کی جانب ہے نام ان کا

کفایت ہے ہمیں یہ نام در دوں کی دوائی میں

آپ کے بے شمار عبقری تلامذہ آپ کی پروقتاری علمی حیثیت کو اجاگر کرنے کے لئے کافی ہیں۔ آپ نے جب جامعہ عالیہ عربیہ میں باقاعدہ درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا تو آپ کی مساعی جمیلہ اور خداداد علمی صلاحیت و لیاقت سے یہ مدرسہ منبع علوم و فنون بن گیا اور یہیں سے منوں میں نشاۃ علمی کا ظہور ہوتا ہے۔ منوں اطراف منوں کے بلا تفریق ہر مسلک کے بے شمار طلبہ نے آپ کے درس سے فراغت حاصل کی، یہ وہ زمانہ تھا کہ منوں اور اس کے اطراف میں اس سرچشمہ رشد کے علاوہ کوئی اور مدرسہ نہ تھا۔ اور اس درس گاہ میں ابتداء تا انتہا جملہ علوم فنون کا درس ہو رہا تھا۔ اس علمی و عملی درس گاہ سے ایسی ایسی ہستیاں زیور علم سے آراستہ ہو کر آسمان علم پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکیں کہ قیامت تک تاریخ کے اوراق انہیں فراموش نہیں کر سکتے۔

جامعہ عالیہ منزل بہ منزل

جامعہ عالیہ عربیہ کی تعلیمی ترقی اور اس کے فضلاء و مستفیدین کی جانکاری کے لئے ہم اسے تین دور میں تقسیم کر سکتے ہیں:

مدرسہ کا قیام، دور اول (۱۲۸۵ھ تا ۱۳۳۵ھ)

اس دور میں یہ مدرسہ مختلف حجروں میں گننام خاموش خدمت کرتا رہا، لیکن تعلیم و تعلم کے اعلیٰ معیار کا حامل رہا۔ بڑے بڑے جید علماء فارغ و مستفید ہو کر نکلے، اس دور میں بلا اختلاف و امتیاز مسلک اہل حدیث و حنفی طلبہ نے تعلیم حاصل کی ہے کیوں کہ اس دور میں اس جیسا

مدرسہ کسی مسلک کا نہیں تھا، اس دور میں مولانا حسام الدین صاحب کے تلامذہ خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ جن کا احصاء دشوار ہے۔

مدرسہ کی تعمیر، دور دوم (۱۳۳۶ھ تا ۱۳۸۰ھ)

اس دور کا آغاز مدرسہ کی اپنی ذاتی عمارت سے ہوتا ہے۔ چنانچہ ۱۳۳۵ھ میں کچھ ارباب ہمت نے ایک وسیع مکان خرید کر مدرسہ کو وقف کیا۔ طلبہ اور اساتذہ کی تعداد کے لحاظ سے یہ دور مدرسہ کے لئے حسب حالات نیا اور ترقی یافتہ دور تھا۔ اس دور میں بھی دور اول کی طرح بہت سے مشاہیر علماء و فضلاء فارغ و مستفید ہو کر نکلے۔ لیکن ان کا شمار بہت مشکل ہے، صرف شیخ الحدیث حضرت مولانا عبید اللہ الرحمانی رحمہ اللہ کا اسم گرامی پیش کر کے اس دور کی اہمیت کو اجاگر کیا جاسکتا ہے۔

مدرسہ کی تعمیر جدید دور سوم (۱۳۸۱ھ تا ۱۴۱۹ھ)

اس دور میں مدرسہ کی جدید تعمیر ہوتی ہے۔ کیونکہ مدرسہ کی قدیم عمارت طلبہ اور اساتذہ کی کثرت سے از حد تنگ ہو گئی تھی نیز مدرسہ نسواں کی ضرورت بھی کافی بڑھ گئی تھی۔ اس وجہ سے قدیم عمارت نسواں کے حصہ میں آئی اور تعمیر جدید سے جامعہ عالیہ کا کام ہو رہا ہے۔ تادم تحریر موجودہ عمارت دور دوم سے کئی گنا وسیع ہونے کے باوجود جامعہ کے مختلف شعبوں کے لئے بہت تنگ ہو چکی ہے۔ موجودہ ذمہ داران حضرات اس کوشش میں ہیں کہ جامعہ کے لئے خرید کردہ وسیع زمین جو عالیہ نگر میں ہے اس پر ایک تعمیری سلسلہ شروع ہو جو تمام ضرورتوں کو پوری کر سکے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو کارآمد بنائے اور ان کا خواب شرمندہ تعبیر ہو۔

گزشتہ ادوار کی مانند اس دور میں بھی علماء فضلاء اور مستفیدین کی ایک لمبی قطار دکھائی پڑتی ہے۔

موضوع کی مناسبت سے اس جگہ میں صرف دور اول کے چند اکابر کا مختصراً تذکرہ کروں گا، کوشش ہوگی ان حضرات کو زیر تذکرہ

لاؤں جنہوں نے حدیث کی مختلف انداز سے خدمت کی ہے: (۱) تصنیف سے (۲) درس و تدریس سے (۳) وعظ و تبلیغ سے (۴) نشر و اشاعت سے۔

۱۔ مولانا حکیم خلیل الرحمن بن حافظ عبداللہ بن حاجی عبدالوہاب (وفات ۱۳۱۴ھ)

آپ مولانا ابوالمعالی محمد علی منوی کے برادر عم زاد تھے۔ تعلیم و تعلم کے لئے دونوں ایک ساتھ رہتے۔ مولانا حسام الدین مولانا فیض اللہ اور شیخ الکل دہلوی سے استفادہ کیا۔ فراغت کے بعد چنار گڑھ ضلع مرزا پور اور مدھو پور میں مدرس رہے۔ اسی دوران حصول طب کا شوق ہوا اور لکھنؤ گئے۔ وہاں کی آب و ہوا اس نہ آئی بیمار پڑے اور پھر جانبر نہ ہو سکے۔ رد تقلید میں آپ کا ایک رسالہ بہت مشہور ہے۔

۲۔ مولانا منوی (وفات ۱۴ محرم ۱۳۱۵ھ)

محلہ اورنگ آباد منویں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم جامعہ عالیہ عربیہ منویں حاصل کی۔ پھر مدرسہ غفاریہ اسٹراگئے اور فنون کی تکمیل کی پھر مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی سے حدیث کی تحصیل و تکمیل کی، درس و تدریس کے لئے بنارس تشریف لے گئے اور مسجد گیان واپی میں طویل عرصہ تک مصروف درس و افادہ رہے۔ ساتھ ہی بی بی رضیہ کی مسجد واقع چوک میں خطابت و امامت کے فرائض بھی انجام دیتے

رہے۔ اس کے ساتھ آپ کپڑے کی تجارت بھی کرتے تھے۔ جس سے آپ کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ آپ کی ملی یادگار میں فاطمان کی مشرقی عیدگاہ ہے جو بادشاہ باغ میں واقع ہے اور آج بھی موجود ہے۔ اپنی تعمیر کردہ عیدگاہ میں مدفون ہیں۔ (تذکرہ علماء اعظم گڑھ ص ۱۵۳)

۳۔ مولانا حافظ حکیم عبدالرحیم بن شیخ حاجی بہادر عرف بڑے حافظ صاحب (وفات رمضان ۱۳۳۰ھ / ستمبر ۱۹۱۲ء)

آپ مبارک پور میں پیدا ہوئے، مولانا فیض اللہ، مولانا حسام الدین اور مولانا قاضی شیخ محمد مچھلی شہری سے جملہ علوم و فنون حاصل کیا۔ حفظ قرآن و قرأت کی تعلیم قاضی امام الدین جوینپوری سے حاصل کی۔ آپ ایک کامیاب حکیم تھے درس و تدریس کا سلسلہ طبابت کے ساتھ چلتا رہتا اور قاضی مبارک اور حمد اللہ جیسی ادق کتابیں بے تکلف پڑھاتے تھے۔ حفظ و تجوید میں یکتائے روزگار تھے اور مرجع خلائق تھے۔ قصبہ اور اطراف کے سیکڑوں حفاظ نے آپ کی ذات سے حفظ قرآن کی نعمت پائی اور کوئی بھی حافظ اس وقت تک مستند نہیں سمجھا جاتا تھا جب تک کہ آپ کو سنا کر سند حاصل نہ کر لے۔ امام خان نوشہروی لکھتے ہیں ”مگر آخر مبارک پور میں عمل بالسنۃ کی رسم (حسنہ) آپ کی وجہ سے جاری ہوئی“۔

۴۔ مولانا محمد سعد اللہ واعظ بن حکیم رکن الدین بن یاری (وفات ۲۶ شعبان ۱۳۲۱ھ / ۱۷ نومبر ۱۹۰۳ء)

متو میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد محترم، میاں ولی اللہ، ملا حسام الدین، مولانا فیض اللہ اور میاں صاحب دہلوی سے جملہ علوم و فنون کی تکمیل کی۔ تکمیل کے بعد کچھ دن بھوپال رہے۔ وہاں ”میر واعظ“ آپ کا لقب پڑا اس لئے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں ایسا پرتاثر اور رقت آمیز وعظ فرماتے تھے کہ سامعین پر رقت طاری ہو جاتی تھی۔ آپ جہیر الصوت تھے آواز میں سوز و گداز اور بیان میں تسلسل اور غضب کا جادو تھا، جو سننا گرویدہ ہو جاتا۔ آپ کی تصانیف میں صحیح بخاری کی حدیث ام زرع کا اردو ترجمہ قلمی صورت میں دیکھا گیا ہے۔ (از افادات: شیخ ابوالقاسم عبدالعظیم)

۵۔ مولانا عبداللہ واعظ۔ (۱۲۵۸ھ - ۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۳ء)

محلہ کھیری باغ متو میں پیدا ہوئے۔ مولانا فیض اللہ، مولانا حسام الدین، مولانا علیم الدین حسین نگر نہسوی (بہاری) سے جملہ معقول و منقول پڑھا، عمل بالکتاب و السنۃ کے شیدائی تھے۔ کچھ دن نگر نہسہ بہار میں رہے، باقی تمام عمر متو میں ختم کی۔ ایک مرتبہ آئینہ بالجمہر پر جب کچھ لوگوں نے اعتراض کیا تو وہاں سے الگ ہو گئے اور ایک مسجد بنوا ڈالی جہاں تبلیغ و تدریس کا اچھا انتظام کیا۔

آپ کی کوئی تصنیف تو نہیں دکھائی پڑتی ہے مگر جتنی اولاد ہیں سب اہل علم، دیندار ہیں (نوشہروی)

۶۔ مولانا سلیم اللہ بن میاں محمد صادق (وفات ۱۳۳۲ھ / ۱۹۰۶ء)

محلہ الہ داد پورہ متو میں پیدا ہوئے۔ مولانا حسام الدین، مولانا فیض اللہ، حافظ غازی پوری اور میاں صاحب دہلوی سے جملہ علوم و فنون کی تکمیل کی، تکمیل کے بعد ایک عرصہ تک مطبع نول کشور لکھنؤ کے صحیح اعلیٰ رہے اور کافی دنوں تک مدرسہ صدیقیہ متو میں مدرس ہے۔ فرار من الطاعون کے موضوع پر آپ کا ایک مطبوعہ رسالہ موجود ہے۔ شیخین (مولانا فیض اللہ اور مولانا حسام الدین) کے بعد متو میں احیائے سنت کو اصل فروغ آپ کی ذات سے حاصل ہوا۔

۷۔ ابوالفیاض عبدالقادر بن شیخ عبداللہ۔ (ولادت ۱۲۷۹ھ/وفات ۱۳۳۱ھ۔ ۱۹۱۳ء)

ڈومن پورہ پچھم میں پیدا ہوئے، مولانا حسام الدین، مولانا ابوالکارم محمد علی اور مولانا فیض اللہ صاحب سے تکمیل فنون کے بعد حضرت سید نذیر حسین محدث دہلوی، مولانا محمد طاہر سلہٹی، اور ملا عبدالکیم پنجابی سے صحاح ستہ پڑھیں۔

اس کے بعد وقتی دستور کے مطابق مولانا شاہ ضیاء النبی رائے بریلوی سے بیعت ہوئے اور سلوک کے مراحل طے کئے۔ اس کے بعد درس و تدریس سے تصنیف و تالیف میں لگے۔ چار سال مدرسہ عالیہ منو میں، تین سال مدرسہ المسلمین شہر کاٹھ چھاؤنی ناگپور اور تین سال مدرسہ احمدیہ آرہ میں پڑھایا، یہیں قاضی مچھلی شہری سے تلمذ کاشرف حاصل ہوا۔ آسنسول میں ۱۳۳۱ھ میں انتقال کیا۔

آپ کے ۳ صدقہ جاریہ ہیں: بے شمار تلامذہ، صالح اولاد، تصنیفات۔

۱۔ حل المغلقات فی بحث الطلقات

۲۔ تفریح الجنان بأحكام قیام رمضان

۳۔ عمدة الكلام فی رد عمل درة النظام

۴۔ الروضة المناظرة فی علم المناظرة

۵۔ سوانح عمر بن عبد العزیز

۸۔ مولانا ابوالانوار عبدالغفار بن شیخ عبداللہ بن شیخ تراب علی بن شیخ یمانی بن شیخ ہمت علی عراقی (ولادت: ۲ صفر

۱۲۸۳ھ، وفات ۱۳۴۱ھ۔ ”جزأه مغفرة“ مادرہ تاریخ ہے۔)

محلہ اورنگ آباد منو میں پیدا ہوئے۔ والد محترم نے ”ظہور المنان“ تاریخی نام رکھا پہلے اپنے والد شیخ عبداللہ، جمال الدین، مولانا فیض اللہ، مولانا حسام الدین مولانا امام الدین خان پنجابی سے تعلیم حاصل کی۔ پھر مدرسہ نورنگر بلہا میں حکیم عبداللہ مجددی اور اس کے بعد غازی پور میں ملا عارف ولایتی اور اس کے بعد مولانا عبدالاحد الہ آبادی سے تکمیل کی۔ اس کے بعد فن طب اور عربی ادب بالخصوص حاصل کیا۔ پھر مولانا رشید احمد گنگوہی سے صحاح ستہ پڑھا۔ مولانا عبدالآخر کی صحبت میں رہ کر شعر و شاعری سے کافی دلچسپی لی اور ایک اچھے شاعر بن کر ابھرے۔

تحصیل و تکمیل کے بعد درس و تدریس میں مشغول ہوئے، شاہی مسجد منو میں دو سال درس دیا۔ پھر مہراج گنج ضلع بلیا گئے پھر مدرسہ انوار العلوم نونگر ضلع بلیا گئے اور اٹھارہ سال رہے۔ اسی دوران حج کیا اور وہاں مولانا عبدالحق مہاجر کی سے اجازت و سند حدیث حاصل کی۔ پھر آپ دوبارہ مہراج گنج گئے مگر دو سال بعد واپس آگئے اور انجمن اسلامیہ گورکھپور میں صدر ہو کر گئے وہاں ۳ سال رہے پھر مظہر العلوم بنارس گئے۔ مگر وہاں سے پھر انجمن اسلامیہ گورکھپور آئے اور تاحیات درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ کم و بیش ۳۵ برس مروجہ علوم و فنون کا درس دیا اور سیکڑوں تشنگان علوم کو سیراب کیا۔

۱۔	غرائب البیان فی مناقب النعمان	امام ابو حنیفہ کی مناقب میں
۲۔	منسک البراءة فی منسک الحج والعمرة	حج و عمرہ کے مناسک و احکام میں

۳-	مقوی الذری لمن تمسک بأوثق العری	
۴-	طیب الاقاصی فی مسائل الاضاحی	اضاحی کے مسائل و احکام میں ہے
۵-	کشف الحقیقة فی مسائل العقیقة	عقیقہ کے مسائل کے بیان میں ہے
۶-	تحقیق قول الطرفين فی الکلام بین الخطبتین	
۷-	کشف المکنون فی الخروج من الطاعون	طاعون سے متعلق احادیث و آثار کی جامع اور مدلل کتاب ہے۔
۸-	راحة المحزون فی شرح الطاعون	یہ رسالہ بھی طاعون سے متعلق ہے۔
۹-	مذهبی مکالمہ	آریہ دھرم کی تردید میں بڑا جامع رسالہ ہے
۱۰-	هدایة المهتدی فی حکم اہاب الاضاحی	چرم قربانی کے احکام و مسائل سے اس رسالہ میں بحث کی گئی ہے
۱۱-	رد عقائد نیچریہ	غیر مطبوع
۱۲-	الستر عن جلستی الوثر	غیر مطبوع
۱۳-	ترغیب المتلاقین فی المصافحة بالیدین	غیر مطبوع
۱۴-	کحل العینین لمن لم یتبصر بقول الطرفين	غیر مطبوع
۱۵-	الحجامة المتعنتین	غیر مطبوع
۱۶-	دیوان تحفة ضیائی (مولانا اپنا تخلص ضیاء کرتے تھے)	غیر مطبوع

۹- حکیم ابوالہدی عبدالسلام بن شیخ خاں محمد بن شیخ امان اللہ بن شیخ حسام الدین مبارکپوری (ولادت بحسب تصریح

تذکرہ علماء حال ۱۲۸۱ھ۔ وفات: ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۴ء)

آپ مبارکپوری میں پیدا ہوئے۔ خاندانی موحد عامل بالحدیث تھے۔ حافظ عبدالرحیم، مولانا حسام الدین، مولانا صاحب تحفۃ الاحوذی، حافظ عبداللہ غازی پوری سے اکتساب فیض کے بعد دہلی گئے۔ وہاں مولانا عبدالحق ولایتی سے پڑھا پھر مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی سے صحاح ستہ پڑھیں اور مولانا شیخ حسین عرب سے حدیث کی اجازت حاصل کی۔ قاضی محمد مچھلی شہری سے اجازت حدیث و مسلسل بالاولیہ حاصل کی اور طب و حکمت کی تعلیم حکیم عبدالولی بن حکیم عبدالعلی لکھنؤ اور دیگر اساتذہ سے حاصل کی۔

فراغت کے بعد تاحیات درس و تدریس میں لگے رہے ۱۵ سال صادق پور پٹنہ میں، ۳۰ سال منوجامعہ عالیہ عربیہ میں، چار سال سراج العلوم بونڈی بہار گونڈہ میں، آخر میں دارالحدیث رحمانیہ آئے۔ اور دہلی میں ہی گھنٹہ گھر کے سامنے ایک بدلا گام گھوڑے کے نیچے دب کر شہید ہو گئے۔

آپ بے مثال عالم اور بے نظیر مدرس تھے، اچھے ادیب، مصنف، مورخ اور نقاد تھے، تاریخ نویسی اور سوانح نگاری کا بہت ہی صاف ستھرا اور زالا انداز رکھتے تھے۔ مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں۔ ”آہ! مولانا عبدالسلام مرحوم! مولانا موصوف صحیح معنوں میں ایک عالم اور علوم کے مدرس تھے، مدرسین کی تلاش میں جب نظر پڑتی تو آپ پر ہی پہلے۔ (تراجم علماء حدیث ہند ۲۰۰۰)

اخبار اہل حدیث امرتسر میں جب سلسلہ تراجم علماء اہل حدیث شروع ہوا (یعنی ۳۰ اگست ۱۹۱۸ء لغایت ۱۷ اگست ۱۹۲۲ء) اس میں تقریباً ۸۲ علماء کے سوانح شائع ہوئے جن میں ٹکٹ کے قریب آپ کے مساعی کا نتیجہ ہیں۔
آپ کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اثبات الاجازہ لتکرار صلوة الجنائزہ، اردو ۲۸۔ اس میں تکرار صلوة جنازہ کا ثبوت احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ سے دیا گیا ہے اور مخالفین کے اعتراض کا جواب بھی ہے۔ ۲۔ اسلامی تمدن، اردو۔ (۳) تصوف، اردو قلمی۔ (۴) سیرۃ البخاری اردو زبان میں اپنی نوعیت کی بے مثال کتاب ہے۔ اس کا عربی ترجمہ بھی دستیاب ہے۔ (۵) تاریخ منوال اردو۔

۱۰۔ مولانا عبدالغنی بن ملاحسام الدین۔ (ولادت: تقریباً ۱۲۹۲ھ وفات ۱۳۴۸ھ ۱۹۲۹ء)

آپ نے علمی ماحول میں آنکھ کھولی۔ والد محترم مولانا حسام الدین صاحب سے ان کی زندگی میں تعلیم حاصل کیا۔ ان کے ارتحال پر بڑے بھائی احد صاحب اور مولوی سلطان احمد سے پڑھا اور حافظ صاحب غازی پوری و عبد المنان بقا غازی پوری سے کتب علوم حدیث و تفسیر پڑھی اور تکمیل کیا۔ بعد تکمیل مدرسہ فیض عام منو میں ۱۰/۱۲ سال پڑھایا اور جامع مسجد اہل حدیث کے خطیب رہے۔ منکسر المزاج اور کم سخن تھے۔ تلامذہ کے علاوہ کوئی تصنیف نہیں مل رہی ہے۔

۱۱۔ مولانا شاہ عبدالمجید بن شاہ مولوی کریم بخش بن مولوی محمد قاسم بن مولوی شاہ کمال منوی۔ (ولادت تقریباً

۱۲۷۴ھ وفات ۱۳۵۱ھ)

آپ ایک علمی و روحانی خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔ ابتدائی تعلیم جامعہ عالیہ عربیہ منوی میں حاصل کی، اس کے بعد مدرسہ چشمہ رحمت غازی پور میں مولانا عبدالعلیم رسول پوری، مولانا محمد فاروق چریا کوٹی اور دیگر اساتذہ سے جملہ علوم و فنون کی تکمیل کی پھر مولانا عبداللہ فرنگی محلی سے علم حدیث پڑھ کر سند لیا۔ اس کے بعد فن طبابت کی جانب متوجہ ہوئے اور ایک کامیاب طبیب بن کر نکلے۔ تکمیل کے بعد جامعہ مظہر العلوم بنارس میں اٹھائیس سال تک صدر مدرس رہے۔ وہاں سے الگ ہونے کے بعد دارالعلوم منو کے ناظم ہوئے، ایک اچھے منتظم بھی تھے۔ آپ کے دور نظامت کو زریں دور کہا جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ حاذق طبیب بھی تھے، ان کے باوصف حکومت انگلشیہ کی جانب سے اعزازی مجسٹریٹ بھی تھے، روز آئے متعدد مقدمات کا بہت بہترین فیصلہ کرتے تھے کہ دونوں فریق برضا واپس جاتے۔ اخیر عمر تک شاہی مسجد کٹرہ کے امام رہے۔

۱۲۔ مولانا حکیم ابوالکارم محمد علی بن مولانا فیض اللہ منوی (وفات: ۷ رجب ۱۳۵۲ھ / ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۳ء)

محلہ ڈومن پورہ منو میں پیدا ہوئے۔ مولانا ملاحسام الدین سے کسب فیض کے بعد حافظ عبداللہ غازی پوری کی خدمت میں حاضر ہوئے وہاں سے سند و اجازت لینے کے بعد سید نذیر حسین محدث دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تکمیل کی۔ اس کے بعد سید عبدالحفیظ دہلوی سے طب و حکمت کی تکمیل کی، اس طرح آپ ایک حاذق طبیب کے ساتھ ماہر علوم کتاب و سنت تھے۔

تکمیل کے بعد آپ وطن واپس آ گئے۔ صاحب ثروت تھے، اس لئے قلم کی آبیاری کے ساتھ آپ نے مال و زر سے بھی

مسلمانوں کو فائدہ پہنچایا۔ اہل حدیث کی مساجد کی تعمیر میں نمایاں حصہ لیا۔ حیاة ابوالکارم (غیر مطبوع) کے مولف مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم مدنی لکھتے ہیں: آپ کی زندہ جاوید یادگار میں تین چیزیں ہیں:

(۱) تصانیف: جنہیں آپ نے مناظرانہ طرز پر علماء احناف یا علماء اہل حدیث کے مقابل میں بعد تحقیق مسائل تالیف فرمایا۔
 (۲) فتاویٰ: جن کے ذریعہ آپ نے خلق خدا کو راستہ دکھایا۔ (۳) مؤناتھ: بھجن کی جماعت اہل حدیث یعنی وہ توحید خالص اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا پودا جسے آپ کے والد مولانا فیض اللہ (۱۳۰۶ھ) نے لگایا تھا اپنے خون جگر سے سینچا۔ جس شجرہ طیبہ کی روح پرور بہار میں ہم سانس لے رہے ہیں اور حسب بیان مولانا احمد صاحب ناظم مدرسہ فیض عام مؤناتھ اگر مولانا ابوالکارم نہ ہوتے تو مؤناتھ سے جماعت اہل حدیث کا جنازہ نکل گیا ہوتا۔“ (حیاة ابوالکارم (غیر مطبوع)

آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں:

(۱) اقامة الدلائل على سماع علقمة عن أبيه وائل، اردو صفحات ۶۔ (۲) فراسة المومنين في رد هداية المنكرين۔ اردو صفحات ۶۰۔ (۳) الكواكب الدرر في رد الصلوة المشهورة بالقضاء العبري۔ اردو صفحات ۳۲۔ (۴) اظهار ابوذر الذي صدر عن مؤلف كشف الستار۔ اردو صفحات ۲۴۔ (۵) القول الماثور في اثبات احاديث الصدور۔ اردو صفحات ۱۰۔ (۶) حدائق الازهار في جواب الاشتهار۔ اردو۔ (۷) المشرب المختار بجواب لامع الانوار۔ اردو۔ (۸) المذهب المختار في الرد على جامع الآثار۔ اردو صفحات ۴۰۔ (۹) هداية الوري الى اقامة الجمعة في القرى۔ اردو صفحات ۲۰۔ (۱۰) الجواب الاصوب عن مسئلة الخطبة بغير لسان العرب۔ اردو صفحات ۹۔ (۱۱) بياض بتأييد الجواب الاصوب، اردو قلمي بوسيدہ۔ (۱۲) بشارة الوري الى اقامة الجمعة في القرى، اردو قلمي ناقص صفحات ۷۴۔ (۱۳) التحقيق الحسن في اثبات القميص في الكفن، اردو صفحات ۱۶۔ (۱۴) القول المحلى بكل زين في تأييد مسئلة رفع اليدين، اردو صفحات ۵۰۔ (۱۵) مطلع القميرين في تأييد مسئلة رفع اليدين، اردو صفحات ۶۶۔ (۱۶) الرد المحبر على المولوي عبدالبر۔ عربي صفحات ۶ قلمي (۱۷) تدقيق الاصفياء في جواب تحقيق الاذكياء۔ اردو صفحات ۲۲۔ (۱۸) عمدة التحقيق في اثبات الضحايا الى آخر ايام التشريق۔ اردو صفحات ۱۶۔ (۱۹) الابحاث السننية عن المقالة المرضية۔ اردو صفحات ۳۲۔ (۲۰) المباحث العلية المتعلقة بالابحاث السننية، اردو صفحات ۶۔ (۲۱) الخير الكثير في انكاح الصغيرة والصغير، اردو صفحات ۱۶۔ (۲۲) طلاق ثلاثة في مجلس واحد، اردو صفحات ۵۵۔ (۲۳) كشف الخطاء عن مسئلة البناء، اردو صفحات ۱۶۔ (۲۴) سفينة ابوالكارم، اردو ناقص قلمي۔ (۲۵) الرد المجتبى على من احل في الهند مسئلة الربو، اردو قلمي، ناقص۔ (۲۶) القول الماثور في اثبات احاديث الصدور، اردو صفحات ۱۰۔ (۲۷) لوازم الانوار في تأييد دقائق الاسرار، اردو صفحات ۳۸۔ (۲۸) الجواب الاحسن عن الكلام المستحسن، اردو ۱۸۔ (۲۹) افادات الحنفاء في الكذابين والضعفاء، اردو۔ (۳۰) كشف الغطاء، اردو۔ (۳۱) هجن المحمديه لرد فتنوس الحنفيه، اردو ۱۲۔ (۳۲) عمدة القانون في الرد على

خیر الماعون، اردو/۱۶۔ (۳۳) التحقیق المختار، اردو۔ (۳۴) بیاض بتائید التحقیق المختار (ناقص الطرفین) اردو/۱۲۔ (۳۵) الجواب السدید عما اور د فی اوشحۃ الجید۔ (ناقص) اردو/۵۶۔ (۳۶) الاجوبۃ الفاخرة الفاضلة فی رد الرسائل العشرة الكاملة، اردو/۸۸۔ شیخ فضل الرحمن گنج مراد آبادی کے ایک مرید نے دس چھوٹے چھوٹے رسالے (۱) شہر آفاق (۲) میخانہ تصوف (۳) گنجیہ نقر (۴) فیض رحمانی (۵) نشہ عرفاں (۶) نسخہ حکمت (۷) حسن معاملہ (۸) نور احمدی (۹) اسرار محبت (۱۰) نظر مرشد، لکھ کر استعانت غیر اللہ، علم باطن، استعانت بالرسول، فاتحہ خوانی وغیرہ کو جائز قرار دیا تھا، یہ کتاب انہیں دس کتابوں کے جواب میں ہے۔ (۳۷) الرسالة العادلة فی رد المقالة الكاملة، (ناقص) اردو صفحات ۳۲ قلمی (۳۸) اسیس المرام فی رد فوز الکرام، اردو قلمی (۳۹) شاہ امانت اللہ فصیحی غازی پوری کے خط غیر مطبوع پر بحث اردو صفحات ۸۔ (۴۰) الجواب السدید عن مقالات اهل التقليد اردو صفحات ۲۰۔ (۴۱) تقریرات محققانہ بجواب سوالات دہ گانہ اردو صفحات ۸۔ (۴۲) الجواب الاسنی عن مسئلة المصافحة بالید الیمنی اردو صفحات ۱۶۔ (۴۳) الروض الازهر فی منافع الدهن الاحمر، اردو صفحات ۱۶۔ (۴۴) زینة الجیش بخلافة القریش، اردو صفحات ۸۔ (۴۵) نظم اللالی فی احیاء اللیالی، اردو صفحات ۸۔ (۴۶) البحث القوی عن سیرة النبی ﷺ۔ اردو صفحات ۸۔ (۴۷) سیرة النعمان کا جواب اردو قلمی (۴۸) گوہر منظوم۔

۱۳۔ ابوالعلیٰ بن عبدالرحیم بن شیخ حاجی بہادر رحمہ اللہ (ولادت: ۱۲۸۳ھ وفات: ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۵ء)

آپ محلہ پورہ صوفی مبارکپور میں پیدا ہوئے۔ قرآن شریف اور ابتدائی عربی اپنے والد محترم سے پڑھیں۔ ملاحسام الدین، مولانا فیض اللہ اور مولانا سلامت اللہ جیراج پوری سے استفادہ کے بعد چشتمہ رحمت غازی پور گئے وہاں پانچ سال رہ کر حافظ عبداللہ غازی پوری اور مولانا محمد فاروق چریا کوٹی سے جملہ مروجہ علوم و فنون کی تکمیل کی، شیخ حسین عرب یمنی اور شیخ محمد مچھلی شہری سے سند ”مسلسل بالاولیہ“ حاصل کیا۔ سید نذیر حسین محدث دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سند حاصل کیا۔ اس طرح ۱۳۱۳ھ میں فراغت حاصل کی اور اسی سال مدرسہ دارالتعلیم مبارکپور کی بنیاد رکھی۔

فراغت کے بعد تعلیمی و تدریسی مشغلہ شروع کیا۔ ابتداء آپ نے دارالتعلیم مبارکپور سے کی۔ پھر بلرام پور (گونڈہ) جواب خود ضلع ہے، گئے وہاں ایک مدرسہ قائم کیا اور کچھ دن رہے۔ پھر وہاں سے اللہ نگر ضلع بلرام پور میں ایک مدرسہ بنام فیض العلوم قائم کیا اور کچھ دن وہاں رہے۔ پھر کنڈو بونڈیہار میں سراج العلوم نام کا ایک ادارہ قائم کیا جہاں آپ کافی دنوں تک رہے۔ پھر وہاں سے مدرسہ احمدیہ آرہ گئے۔ پھر وہاں سے مدرسہ دارالقرآن والسنۃ کلکتہ گئے۔ وہاں چند سال رہے۔ مولانا کے تدریسی سفر کی یہ آخری منزل ہے اس کے بعد آپ کسی مدرسہ میں نہیں گئے، بلکہ تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔

آخری زمانہ میں موتیابند کی شکایت ہوئی۔ اور دنوں آنکھوں سے معذور ہو گئے۔ ۱۳۵۳ھ میں دہلی میں ایک آنکھ کا آپریشن کرایا جو کامیاب رہا۔ وطن واپسی کے بعد اختلاج قلب کی شکایت ہوئی اور بالآخر ۱۶ شوال ۱۳۵۳ھ کو اس دارفانی سے کوچ کر گئے۔

آپ کی یادگار آپ کی تصنیف کردہ کتابیں، فتاویٰ، قائم کردہ عربی مدارس اور وہ تلامذہ ہیں جو علوم و فنون میں یکتائے روزگار بنے

اور اپنے فیوض و برکات سے تاقیامت روئے زمین کو منور کرتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ۔

آپ کی تصانیف یہ ہیں:

(۱) مقدمہ تحفة الاحوذی شرح جامع الترمذی۔ عربی صفحات ۳۴۴۔ (۲) تحفة الاحوذی شرح جامع الترمذی، ۴ جلدیں۔ عربی مجموعی صفحات ۱۲۲۶۔ (۳) نور الابصار فی ثبوت اقامة الجمعة فی القرئی، اردو صفحات ۸۰۔ (۴) تنویر الابصار فی تائید نور الابصار، اردو۔ (۵) کتاب الجنائز، اردو صفحات ۱۱۲۔ (۶) القول السدید فیما یتعلق بتکبیرات العید، اردو صفحات ۴۰۔ (۷) تحقیق الکلام فی وجوب القرآءة خلف الامام، ۲ جلدیں اردو صفحات ۳۳۸۔ (۸) رسالۃ عشر، اردو۔ (۹) رسالہ در حکم دعا بعد صلوة مکتوبہ، اردو۔ (۱۰) اعلام اهل الزمن من تبصرة آثار السنن، اردو صفحات ۱۳۔ (۱۱) ابکار المنن فی تنقید آثار السنن، اردو صفحات ۸۔ (۱۲) ضیاء الابصار فی رد تبصرة الانظار، اردو صفحات ۸۔ (۱۳) خیر الماعون فی منع الفرار من الطاعون ۲ جلدیں۔ اردو صفحات ۸۶۔ (۱۴) الدر المکنون فی تائید خیر الماعون، اردو صفحات ۴۰۔ (۱۵) المقالة الحسنی فی سنیة المصافحة بالید الیمنی، اردو صفحات ۳۲۔ (۱۶) ارشاد الهائم الی اخصاء البهائم، اردو۔ (۱۷) الوشاح الابریزی فی حکم دواء الانکلیزی، اردو۔ (۱۸) شفاء العلل فی شرح کتاب العلل، عربی۔ (۱۹) الکلمة الحسنی فی تائید المقالة الحسنی۔

ان کے علاوہ سنن ابی داؤد کی شرح عون المعبود۔ (شارح مولانا شمس الحق ڈیانوی) کی آخری دو جلدوں کی تکمیل میں آپ ۱۳۲۰ھ سے ۱۳۲۳ھ تک چار سال شریک رہے۔ آپ کے ساتھ قاضی یوسف حسین خان پوری ہزاروی اور مولوی محمد شاہ جہاں پوری بھی تھے۔ مگر مولانا شمس الحق کو سب سے زیادہ اعتماد آپ پر تھا۔ ان دنوں اصحاب سے اگر سہو ہو جاتا تو اس کی اصلاح آپ سے کراتے۔ مولانا شمس الحق عظیم آبادی نے فتاویٰ نذیریہ کے منتشر اوراق آپ کے حوالہ کر دیے تھے، آپ نے بڑی دقت نظر سے اس کی ترتیب دی تھی۔ (جو شیخ الکل میاں صاحب دہلوی کے نام سے ۲ جلدوں میں شائع ہوا ہے) اسی طرح آپ اپنے عالی مرتبت استاد مولانا عبداللہ غازی پوری رحمہ اللہ کے فتاویٰ ترتیب دے رہے تھے۔ مگر وقت موعود آ پہنچا اور یہ کام ادھورا چھوڑ کر داعی اجل کو لبیک کہا۔

۱۴۔ ابوالفیاض نور محمد بن محمد بن اسماعیل کوٹھا۔ (ولادت تقریباً ۱۲۷۳ھ وفات: ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء)

آپ محلہ قاسم پورہ منو میں پیدا ہوئے۔ فارسی کی تعلیم میاں ولی اللہ اور میاں رمضان منو سے حاصل کی اور درسیات مولانا ملاحسام الدین صاحب سے پڑھیں۔ اس کے بعد غازی پور گئے۔ وہاں حافظ غازی پوری اور مولانا عبدالعلیم رسول پوری وغیرہ سے فنون کی تکمیل کی اس کے بعد دہلی مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی سے حدیث پڑھی یہ ۱۲۹۶ھ کا دور ہے، اسی سال قاضی محمد شہری سے مسلسل بالاولیہ کی سند لی۔ تکمیل کے بعد موضع کونٹر (موجودہ گیان پور) ضلع مرزا پور میں ۱۵ سال پڑھایا اس کے بعد حافظ غازی پوری کے مشورہ سے ڈیانواں، بہار گئے۔ وہاں صاحب عون المعبود کے صاحبزادے کو ایک سال تک پڑھایا۔ ان کے علاوہ مدرسہ فیض عام منو میں بھی ایک سال رہے۔ اور بے شمار حضرات نے آپ سے استفادہ کیا۔

آپ نے ”فریاد مظلوم“ نام کی ایک مثنوی لکھی ہے جس میں مٹو کے تاریخی ہنگامہ گنو پلجھنی کا دلخراش تذکرہ کیا ہے۔ یہ واقعہ ۲۵ جون ۱۸۹۳ء/ ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ کو عین بقرعید کے دن پیش آیا تھا۔ اس میں مولانا نے اس ہنگامہ کا پورا نقشہ اور تاریخ بیان کر دی ہے۔

۱۵۔ حسان الہند مولانا ابوالنعمان آزاد بن عبدالرزاق مٹوی۔ (ولادت: ۱۲۹۵ھ۔ وفات: ۱۳۵۷ھ)

محلہ ڈومن پورہ مٹو میں پیدا ہوئے۔ ملا حسام الدین سے کسب فیض کیا۔ ان کے ارتحال کے بعد حافظ غازی پوری، مولانا بقا غازی پوری، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا احمد حسن (مدرسہ جامع العلوم کانپور) سے استفادہ کیا اور پھر حضرت میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سند و اجازت حدیث سے مشرف ہو کر واپس آئے۔ تکمیل کے بعد ۱۳۱۲ھ میں درجہ نگہ میں درس و تدریس کا کام شروع کیا۔ کچھ دنوں بعد علامہ شمس الحق ڈیانوی کے ایماء سے آسن سول بنگال گئے پھر یہاں سے دارالہدیٰ کلکتہ گئے۔ اسی درمیان مٹو میں پبلک پھیلا اور آپ واپس آ گئے۔ اس میں آپ کے بھائی اور دو بیٹے شہید ہوئے تھے۔

آپ ایک لائق مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ شاعر و مصنف بھی تھے۔ بعض کتابیں لکھیں مگر ناتمام رہ گئیں: (۱) تفسیر القرآن ناتمام اردو (ابتدائی چار پارے تقریباً) (۲) ترجمہ طبقات ابن سعد، ناتمام اردو (حصہ سیرۃ النبی فقط) (۳) بحر الفرائض فارسی (۴) شرح قصیدہ بانٹ سعادت اردو مطبوع (۵) التحریر، اردو ۸ (یہ کتاب ضاد اور نظ کی بحث میں ہے) ان کے باوصف شعر و شاعری میں درک حاصل تھا۔ بالخصوص استخراج مادہ ہائے تاریخ میں کمال حاصل تھا۔ ”تراجم علماء اہل حدیث ہند“ آپ نے مادہ نکالا تھا۔

۱۶۔ مولانا احمد بن ملاحسام الدین جمال الدین (عرف جمن) (ولادت: تقریباً ۱۲۹۰ھ۔ وفات: ۱۳۶۷ھ۔ ۱۹۲۸ء۔)

محلہ ڈومن پورہ مٹو میں پیدا ہوئے۔ والد محترم مولانا حسام الدین سے استفادہ کے بعد مدرسہ جامع العلوم کانپور گئے وہاں تین سال رہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا محمد اسحاق بردوانی، ملا مولانا محمد حسن سے استفادہ کیا۔ طالب علمی ہی کے دوران کافیہ اور شرح تہذیب وغیرہ پڑھاتے بھی تھے۔ پھر یہاں سے مدرسہ احمدیہ آ رہ گئے اور حافظ عبداللہ غازی پوری سے استفادہ کیا۔ پھر مولانا سید نذیر حسین محرش دہلوی سے سند فراغت لیا۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند گئے اور ۱۳۱۹ھ میں مکمل فراغت حاصل کی۔

تکمیل کے بعد حافظ غازی پوری کے ایماء سے مدرسہ محمدیہ کلیانی مظفر پور بہار میں تدریس شروع کی۔ دو سال بعد اہل مٹو کے اصرار پر محلہ قاسم پورہ میں مدرسہ اسلامیہ کے نام سے ایک مدرسہ میں پڑھانا شروع کیا۔ اور پوری زندگی یہیں ختم کر دی، صرف بیچ میں دو سال کے لئے دارالحدیث رحمانیہ دہلی گئے تھے۔ بے شمار تلامذہ دکھائی پڑتے ہیں بالخصوص شیخ عبید اللہ رحمانی، مولانا عبداللہ شائق بانی جامعہ اثریہ دارالحدیث مٹو، مولانا نذیر احمد ملوی، مولانا محمد احمد مرحوم ناظم مدرسہ فیض عام مٹو وغیرہ۔

آپ اپنے والد محترم کی طرح تمام مروجہ علوم و فنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ بالخصوص حدیث اور فقہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔

۱۷۔ مولانا ابوالحسن محمد صابر بن حافظ محمد اسماعیل بن شیخ بدھومٹوی۔ (ولادت تقریباً ۱۸۶۶ھ۔ وفات: ۱۹۲۹ھ)

مٹو میں پیدا ہوئے، دارالعلوم مٹو اور مدرسہ عالیہ سے استفادہ کے بعد کانپور گئے اور وہیں تکمیل کی۔ تدریس کا سلسلہ دارالعلوم سے

شروع کیا اور ایک عرصہ تک دارالعلوم میں رہے پھر یہاں سے مدرسہ مظہر العلوم بنارس گئے۔ مولانا حبیب الرحمن مٹوی، مولانا عبداللطیف نعمانی آپ کے تلامذہ میں ہیں۔ تعلیم و تدریس آپ کا محبوب ترین مشغلہ تھا اور اس میں کسی طرح کی کوتاہی پسند نہیں کرتے تھے۔ درس و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف سے بھی گہری دلچسپی تھی:

۱۔ نظام الفوائد، فارسی قواعد، دو جلد۔ فارسی قواعد کو بہت سہل انداز میں سمجھایا ہے۔

۲۔ شرح مقامات، مقامات حریری کی عبارتوں کی تشریح و توضیح میں ہے۔

۱۸۔ حکیم سلیمان بن داؤد بن ہوا، (ولادت: ۱۲۹۳ھ)

محلہ مرزاہادی پورہ مٹوی میں پیدا ہوئے، جامعہ عربیہ سے کسب فیض کیا، مولانا ابوالنعمان آزاد کے ساتھیوں میں سے ہیں، اساتذہ میں ملاحسام الدین مٹوی، حافظ عبداللہ غازی پوری، مولانا بقا غازی پوری، مولانا احمد حسن مدرس مدرسہ جامع العلوم کانپور اور حضرت میاں صاحب علیہم الرحمۃ ہیں۔ تکمیل کے بعد دارالتکمیل مظفر پور بہار میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اس کے بعد مدرسہ سراج العلوم کنڈوبونڈ بہار گئے اور پھر واپس آکر عالیہ عربیہ میں اخیر عمر تک پڑھاتے رہے۔

۱۹۔ ابوالمعالی محمد علی بن میاں حسام الدین، (مشہور عالم ملاحسام الدین کے ہم نام) (ولادت: ۱۲۸۵ھ۔ وفات:

۱۳۵۳ھ۔ ۱۹۳۲ء۔)

مٹوی میں پیدا ہوئے اپنے والد سے استفادہ کیا، مولانا فیض اللہ مٹوی اور دیگر اساتذہ سے مدرسہ عالیہ میں پڑھا۔ پھر میاں صاحب کے یہاں جا کر تکمیل کی۔ دانا پور سے تدریسی سلسلہ شروع کیا۔ کچھ دنوں تک بنگال کی ایک جمعیت کے لئے چندہ کی فراہمی کا کام کیا، اور بڑی امانت و دیانت سے کیا، تصنیف و تالیف کا جو بھی موقع ملا، اسے غنیمت سمجھا اور کئی کتابیں یادگار چھوڑیں:

(۱) نظم اللآلی بلطائف القرآن، اردو صفحات ۲۳۴ (۲) رسالہ مسواک، اردو صفحات ۵۶ (۳) الرفاۃ المہداة فی

تنقید مافی سبیل النجاة، ۴۸ صفحات اردو۔ (۴) اظہار الہفوات التي صدرت عن مؤلف ازالۃ الشبهات، اردو صفحات

۹۶ (۵) القول المحکم، اردو (۶) مصابیح ترجمہ رسالہ تراویح، اردو صفحات ۲۵ قلمی (۷) الاقوال المحققة فی رد جواز

النکاح غیر المطلقہ، اردو صفحات ۲۰ قلمی (۸) صید البحر الملقب بہ "طیبات فیضی" اردو صفحات ۸۸ (۹) جامع

المسائل، اردو صفحات ۲۱۸ قلمی (۱۰) ابراز الغبۃ من ترجمۃ کتاب السنۃ، اردو صفحات ۴۸ قلمی، (۱۱) البیان فی تحقیق

الجلالۃ ودعوة الختان، اردو صفحات ۳۰ قلمی۔ (۱۲) تحریر الربو، اردو صفحات ۳۱۔ (۱۳) زلة فضل الرحمن فی تأیید مذهب

النعمان، اردو صفحات ۴۸ (۱۴) الانتباہ فی تردید من جوز السجدة لغير الله، اردو صفحات ۱۶ (۱۵) سفر نامہ حج فیضی

الملقب بہ تواریخ حسنی، اردو صفحات ۸۸ (۱۶) تحفة حبیب ترجمۃ نالۃ حبیب، اردو صفحات ۲۶ (۱۷) تفریح المومنین فی

مناقب الامام زین العابدین، اردو صفحات ۶۴ (۱۸) رواداد جلسہ اسلامیہ سال چہارم مدرسہ شمس الہدی دلال پور

دمکا، اردو صفحات ۱۲۸، (۱۹) شرح طبقات ابن سعد ناقص۔

۲۰۔ مولانا عبد بن شیخ محمد اکبر بن شیخ محمد علی بن شیخ مومن علی بن شیخ فقیر اللہ، (ولادت: رمضان ۱۳۲۲ھ وفات: ۱۴

ربیع الاول ۱۳۶۷ھ/ ۲۶ جنوری ۱۹۴۸ء)

حسین آباد مبارکپور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد اور چچا سے دارالتعلیم مبارکپور میں حاصل کی۔ مولانا محدث مبارکپوری سے فیض یاب ہوئے پھر مدرسہ عالیہ منوآئے، یہاں مولانا عبدالسلام مبارکپوری اور دیگر اساتذہ سے استفادہ کیا۔ پھر دہلی مدرسہ حضرت میاں صاحب، پھانک جہش خاں گئے، اس درمیان مولانا محمد ابراہیم میرسیالکوٹی کے یہاں گئے مگر دو تین ماہ رہ کر واپس آگئے اور تکمیل دہلی میں کیا۔

تدریسی سلسلہ مدرسہ اسلامیہ برڈویہار سے کیا۔ پھر دارالتعلیم مبارکپور، مدرسہ احمدیہ سلفیہ در بھنگہ اور مدرسہ محمدیہ دیوریہ میں مدتوں تعلیم و تعلم سے تشنگان علوم کتاب و سنت کو سیراب کرتے رہے۔

مولانا محدث مبارکپوری جب موتیابند کی وجہ سے مکفوف البصر ہو گئے تو تحفۃ الاحوذی کی آخری دونوں جلدوں کی تیبیض وغیرہ کے لئے آپ بھی تھے۔ اسی طرح مقدمہ تحفۃ الاحوذی کے بیاض کو بھی آپ نے نہایت سلیقہ مندی اور علمی تحقیق و کاوش سے مرتب کیا۔ اس کی وجہ سے آپ میں مزید علمی پختگی آگئی تھی۔ آپ ایک کامیاب مصنف، مولف، اچھے مضمون نگار اور انشاء پرداز تھے۔ آپ کی تصانیف یہ ہیں۔

(۱) شرح سنن ابن ماجہ (ناقص)، (۲) ذم غناء ورقص و سرود (اردو قلمی)، (۳) تذکرۃ الاخوان بمنع شرب الدخان (اردو قلمی)، (۴) فقہ حنفی پر ایک نظر (اردو قلمی)، (۵) تائید حدیث بجواب تنقید حدیث (اردو مخطوطہ) (۶) شرف حدیث (اردو مخطوطہ)، (۷) شان حدیث (اردو مخطوطہ)، (۸) حق پرستی بجواب شخصیت پرستی (اردو قلمی)، (۹) الفتوحات الربانیة (اردو قلمی)، (۱۰) احوال الصحابة (اردو قلمی)، (۱۱) التبیان لما یجب معرفتہ علی اهل الایمان (عربی)، (۱۲) خطبات السنۃ (۱۳) رسالہ مختصر بابت رفع یدین (۱۴) ترجمہ رسالہ عبودیت (از امام ابن تیمیہ)، (۱۵) ترجمہ رسالہ ابن تیمیہ (اس کا کوئی نام نہیں)، (۱۶) چھل حدیث (مع ترجمہ)، (۱۷) ترجمہ حصن حصین (ناقص) (۱۸) رسالہ مختصر بابت تحقیق مسنہ۔

۲۱۔ مولانا حکیم محمد بشیر بن عبدالمجید بن حافظ بن عبدالوہاب (ولادت: ۱۹/ اکتوبر ۱۹۰۴ء وفات: ۳۰ مئی ۱۹۶۸ء/

۱۳۸۸ھ)

مبارکپور میں ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم دارالتعلیم مبارکپور میں حاصل کی، پھر دارالحدیث رحمانیہ دہلی گئے، وہیں سے فراغت ہوئی، فراغت کے بعد تکمیل الطب کا لکھنؤ آئے۔ طب، سرجری کے علاوہ سائنس کی تعلیم بھی حاصل کی۔ پھر واپس آ کر مبارکپور میں ہی مطب کیا جو کامیاب رہا، کچھ دنوں مدرسہ عالیہ منو میں پڑھایا۔ پھر دہلی سیدنذیر حسین محدث دہلوی کے مدرسہ میں پڑھایا۔ اس کے بعد دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں پڑھایا، اس کے بعد وطن آئے اور مطب کرتے رہے۔ اخیر میں سیونی گئے، کئی سال تک پڑھاتے

رہے۔ واپس مبارکپور آئے وہیں انتقال ہوا۔ (خودنوشت سوانح حیات نیز ملاحظہ ہو: تراجم علماء حدیث ہند ۴۱۰) یہ جامعہ عالیہ عربیہ کے ثمرات اور فیوض و برکات کے چند نمونے ہیں، اس جامعہ کے مولیٰ فضلاء اور فیض یافتگان کو یہ شرف حاصل رہا کہ مشرقی یوپی بالخصوص مولیوں میں ان کے جہود مخلصہ سے احیائے سنت اور عمل بالحدیث کا چراغ روشن ہوا اور قبر پرستی، تعزیہ پرستی اور بدعات و خرافات پر کاری ضرب لگی۔

مراجع و مصادر

- | | |
|-------------------------------------|---------------------------------|
| ۱۔ روئیداد مدرسہ عالیہ عربیہ مئو | طبع ۱۹۹۹ء |
| ۲۔ روئیداد مدرسہ عالیہ عربیہ مئو | طبع ۱۳۸۰ھ |
| ۳۔ تذکرۃ علماء حدیث ہند | ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی |
| ۴۔ تذکرۃ علماء اعظم گڑھ | مولوی حبیب الرحمن اعظمی |
| ۵۔ تذکرۃ علماء مبارکپور | قاضی اطہر مبارکپوری |
| ۶۔ حیات شبلی | سید سلیمان ندوی |
| ۷۔ جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات | مولانا محمد مستقیم سلفی |
| ۸۔ تذکرۃ مولانا محمد احمد ناظم صاحب | مولانا محفوظ الرحمن فیضی |
| ۹۔ نزہۃ الخواطر | مولانا سید عبدالحی لکھنوی |
| ۱۰۔ افادات | مولانا محمد اعظمی |
| ۱۱۔ افادات | مولانا عبدالحکیم حجاز اعظمی |
| ۱۲۔ افادات | مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم مدنی |
| ۱۳۔ افادات | مولانا مفتی عبدالعزیز اعظمی |
- ماخوذ از (مطالعہ علوم الحدیث ۳۹۰ تا ۵۱۰)



فیضی علمائے مسوکہ کی خدمات حدیث

مولانا اقبال احمد محمدی فیضی

جامعہ اسلامیہ فیض عام مسوکہ کا اجمالی تعارف

جامعہ فیض عام یوپی کے مشہور علمی و صنعتی اور مسلم اکثریتی شہر مسونا تھ بھجن میں واقع ہندوستان کی ایک مشہور و معروف قدیم دینی درس گاہ ہے، جس کا قیام آج سے تقریباً ایک صدی پیشتر ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء میں مسوکہ کے چندار باب صدق و صفا کے بدست عمل میں آیا، جس کا نام مدرسہ اسلامیہ رکھا گیا اور اس کا افتتاح حضرت علامہ عبداللہ منوی غازی پوری علیہ الرحمۃ کے مبارک ہاتھوں ہوا اور اوّل مدرسہ شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے فیض یافتہ استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب (بڑے مولوی صاحب) مقرر ہوئے جن کی شان میں یہ کہنا زیادہ موزوں ہے۔ ”آنانکہ خاک را بنظر کیما کند“

اس لئے جامعہ اسلامیہ فیض عام ہمارے بزرگوں کی مقدس اور بیش قیمت یادگار اور ان کی کاوش و جانفشانی کا ایک بار آور شجر ہے اور ان کے خلوص نیت کی بناء پر روز افزوں ترقی پذیر ہے۔ چنانچہ جامعہ فیض عام جو ابتداء جامع مسجد فیض عام کے حجروں سے عبارت تھا، آج اپنے مختلف شعبوں و اداروں (جامعہ فیض عام، مدرسہ فیض عام نسواں، کلیتہ امہات المؤمنین) کو سمیٹے ہوئے پنچانوے کمروں پر مشتمل کئی ایک بلڈنگ کی شکل میں ہندوستان کے مشہور و معروف مرکزی اداروں کی صف اول میں کھڑا ہے۔ مزید برآں عصری علوم و فنون کی تعلیم کے لئے ایک مسلم انٹر کالج اور لڑکیوں کے لئے فیض عام گرلس اسکول بھی اسی کے زیر انتظام ہے۔

جامعہ اپنے بلند معیار تعلیم اور حسن انتظام کے لئے مشہور و معروف رہا ہے۔ اب تک اس قدیم مرکزی درس گاہ سے ہزاروں کی تعداد میں علماء و فضلاء اور حفاظ و قراء فیضیاب ہو کر ملک و بیرون ملک مختلف میدانوں میں نمایاں دینی و علمی اور سماجی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ چنانچہ جماعت کا کوئی قابل ذکر مدرسہ ایسا نہیں ہے جہاں فیض عام کے فیض یافتہ اور فیضی علماء مدرسین نہ ہوں۔ اتنی بڑی تعداد میں علوم دینیہ کے اساتذہ و مدرسین اور دعاۃ پیدا کرنا جامعہ فیض عام کا امتیازی وصف ہے۔ اب تک اس سرچشمہ سے اتنی بڑی تعداد میں لوگ سیراب اور فیضیاب ہوئے کہ اب ان سب کا احصاء اور شمار کرنا ممکن نہیں تو محال ضرور ہے۔

ان میں بڑی تعداد نے مسند درس و تدریس کو زینت دے رکھی ہے اور یہ عموماً اچھے عہدوں پر فائز ہیں۔ اس کے فارغین میں کتنے ایسے ہیں جن کے زور بیان اور خطابت کا سکہ ہر طرف جما ہوا ہے، کتنے ایسے ہیں جو صاحب قلم اور اچھے انشاء پرداز ہیں اور کتنے ایسے ہیں جو بحر شعر و سخن کے شناور ہیں، کتنے صاحب منبر و محراب اور کتنے صاحب تصنیف و تالیف ہیں۔

اس قدیم دینی، مرکزی درس گاہ اور عظیم الشان ادارے سے کثیر تعداد میں حفاظ، علماء، خطباء اور اساتذہ فیضیاب ہو کر ملک کے

گوشے گوشے میں دینی اور دنیاوی خدمات میں مصروف ہیں، خصوصاً ہمارے شہر منونا تھ: بھجن میں غالباً کوئی خاندان اور کوئی محلہ اس کے فیض سے محروم نہیں ہے۔ شہر کے اکثر علمائے اہل حدیث جن کی تعداد بلاشبہ سینکڑوں سے متجاوز ہے، اسی فیض عام کے فیض یافتہ ہیں۔ لیکن بطور ”مشتہ نمونہ از خردوارے“ چند منتخب اہل علم کے نام نامی اور اسماء گرامی یہ ہیں:-

● علامہ شیخ محمد احمد صاحب سابق ناظم اعلیٰ جامعہ فیض عام منو ● حضرت علامہ محمد عبداللہ صاحب شائق فیضی بانی جامعہ اثریہ دار الحدیث منو ● علامہ حکیم محمد سلیمان صاحب رحمانی فیضی ● مولانا ابوالوفاء محمد عظیم اللہ صاحب فیضی بانی مدرسہ دار الحدیث سرسی (کرناٹک) ● مولانا محمد عمر فیضی نورانی موجد نورانی تیل ● مولانا قاری عبدالرحمن صاحب فیضی ● مولانا محمد جمیل احمد صاحب فیضی ● مولانا مفتی حبیب الرحمن صاحب فیضی سابق ناظم اعلیٰ جامعہ اسلامیہ فیض عام منو ● مولانا مفتی فیض الرحمن صاحب فیضی سابق صدر مدرس جامعہ اثریہ دار الحدیث منو ● مولانا عبدالحکیم صاحب فیضی مدرس جامعہ عالیہ عربیہ منو و امیر جمعیت اہل حدیث منو ● مولانا محمد الاعظمی صاحب فیضی سابق صدر مدرس جامعہ عالیہ عربیہ منو ● مولانا مختار احمد ندوی فیضی سابق امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند ● مولانا محمد مصطفیٰ اسد فیضی ● عالمی شہرت یافتہ شاعر مولانا فیض الحسن فضا بن فیضی ● مولانا مشتاق احمد شوق فیضی مدرس جامعہ اثریہ دار الحدیث منو ● ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری فیضی ریکٹر جامعہ سلفیہ بنارس ● مولانا محمد صالح فیضی ناظم اعلیٰ جامعہ اثریہ دار الحدیث منو ● مولانا مظہر احسن ازہری فیضی ناظم اعلیٰ جامعہ عالیہ عربیہ منو ● ڈاکٹر حافظ عبدالعلی ازہری فیضی پروفیسر مسلم کالج لندن ● مولانا صفی الرحمن فیضی مبارکپوری امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند ● مولانا محفوظ الرحمن صاحب فیضی صدر مدرس جامعہ اسلامیہ فیض عام منو و نائب امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث مشرقی اتر پردیش ● مولانا حافظ ثار احمد صاحب فیضی استاذ جامعہ اسلامیہ فیض عام منو ● مولانا فضل الرحمن صاحب۔

کتب خانہ جامعہ فیض عام منو:

کتب خانہ جامعہ اسلامیہ فیض عام منو میں اسلامی علوم و فنون پر مشتمل ۱۶۰۰۰ کتابیں موجود ہیں۔

نظمائے جامعہ فیض عام منو:

- ۱۔ مولانا محمد احمد صاحب ناظم
- ۲۔ مولانا مفتی حبیب الرحمن صاحب فیضی
- ۳۔ مولانا شفیع احمد صاحب فیضی رئیس منو
- ۴۔ الحاج ثار احمد صاحب (کوٹھا) رئیس منو

حضرت علامہ محمد عبداللہ صاحب شائق فیضیؒ

نام: محمد عبداللہ محمد اسماعیل بن حاجی عبدالقادر
تاریخ پیدائش: ۱۳/ ذی الحجہ ۱۳۰۹ھ مطابق ۵ جولائی ۱۸۹۲ء بروز شنبہ
تاریخ وفات: ۲۸/ ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۳ دسمبر ۱۹۷۴ء بروز جمعہ
اسانید و تخرج: جامعہ اسلامیہ فیض عام منو ۱۳۳۳ھ

سند اجازہ روایت حدیث از: ● استاذ الاساتذہ علامہ حافظ عبداللہ صاحب محدث منوی غازی پوری ● شیخ اکل حضرت مولانا محمد احمد صاحب منوی (بڑے مولوی صاحب) ● حضرت مولانا حافظ عبدالمنان صاحب بقاء غازی پوری ● حضرت مولانا عبدالنور صاحب محدث مظفر پوری ● حضرت مولانا شاہ عین الحق صاحب پھلواری۔

علمی تجربات اور خدمات:

● عربی اور اسلامی علوم کی تعلیم و تدریس پچپن سال ● بخاری و مسلم کا درس پینتیس سال ● مؤسس جامعہ اثریہ دارالحدیث منو

۱۹۵۴ء۔

مولانا شائقؒ اساطین علمائے منو میں سے تھے۔ آپ علوم عقلیہ و نقلیہ کے جامع اور تفسیر حدیث میں محدثانہ و محققانہ بصیرت رکھتے تھے۔ قوت حافظہ، ذکاوت و فطانت اور فراست بلا کی پائی تھی۔ اردو، فارسی اور عربی ادب میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ قادر الکلام اور شعلہ بیان خطیب تھے۔ اردو اور عربی دونوں زبان میں شعر کہتے تھے۔ شائق تخلص تھا۔ تدریسی مشغولیات کی وجہ سے تصنیف و تالیف کا موقع نہ مل سکا۔ آپ کے اندر بہت اچھی تصنیفی صلاحیت موجود تھی۔ اس عظیم الفرستی کے باوجود دو تین کتابیں لکھیں۔

تالیف: ۱۔ ”الآثار المتبوعۃ لرد الاعلام المرفوعۃ“ (اردو) صفحات ۱۵۴، مطبوع: ثنائی پریس ۱۹۳۵ء

اس کتاب میں احادیث صحیحہ سے استدلال کرتے ہوئے ایک مجلس کی تین طلاق کا ایک طلاق رجعی ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ یہ کتاب مولانا حبیب الرحمن عظیمی حنفی کے رسالہ ”الاعلام المرفوعۃ“ کے جواب میں ہے۔ جس میں مولانا عظیمی نے ایک مجلس کی تین طلاق کو تین ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔

۲۔ کتاب الصلاة: غیر مطبوع

۳۔ خطبہ استقبالیہ: جسے آپ نے آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس ۱۹۲۷ء بمقام منو نا تھ بھنجن پڑھا تھا۔

۴۔ نبی کی نماز: (اردو) مطبوع اس رسالہ میں نماز کے فضائل پر روشنی ڈالتے ہوئے سنت صحیحہ کے مطابق نماز پڑھنے کی ترکیب

بتائی گئی ہے۔ مراجع: (۱) ماخوذ از خودنوشت سوانح (۲) تراجم علماء اہل حدیث ہند۔

حضرت مولانا ابوالوفا محمد عظیم اللہ فیضی منوی

نام: محمد عظیم اللہ بن حافظ احمد بن حافظ رحمت اللہ بن حافظ

تاریخ پیدائش: ماہ ذی قعدہ ۱۳۳۱ھ، بروز دوشنبہ تاریخ وفات: ۶ اکتوبر ۱۹۹۳ء

اسانید و تخرج: جامعہ اسلامیہ فیض عام، منو، ۱۹۳۸ء

سند اجازہ روایت حدیث از:

● حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (بڑے مولوی صاحب)

● حضرت علامہ عبداللہ شائق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

علمی تجربات اور خاص خاص کام:

- عربی اور اسلامی علوم کی تعلیم و تدریس ۳۱ سال ● آخری مرحلہ میں تقریباً بیس سال مسلسل صحیحین کی تدریس ● یکم فروری ۱۹۳۳ء کو مدرسہ دارالحدیث سری کا قیام آپ کے ہاتھوں ہوا۔

تالیفات:

کشف الظلام عن رواية الاعلام (اردو) ”صفحات ۲۰۰“
یہ کتاب بھی مولانا حبیب الرحمن اعظمی حنفی کے رسالہ ”الاعلام المرفوعة فی الطلقات المجموعۃ“ کے رد میں ہے۔ اس کتاب میں مولانا اعظمی کے دعویٰ کے بطلان پر دلائل فراہم کر کے ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک طلاق رجعی ثابت کیا گیا ہے۔

مولانا کی دیگر تالیفات:

- العروة الوثقی: شرک اور قدیم و جدید بدعات کی تردید میں قلمی
 - نبج الصحابہ: صحابہ کرام کے تمسک بالسنة اور طریقہ استدلال میں قلمی، صفحات ۱۲۰
 - برہان اعظمی: بوقت دعا کندھے تک ہاتھ اٹھانے کی ہیئت شرعی میں مطبوع، صفحات ۳۴
- (ماخوذ از خودنوشت سوانح)

حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمن فیضی مسویؒ

نام: حبیب الرحمن بن احسان اللہ بن مولانا محمد احمد بن ملاحسام الدینؒ
تاریخ پیدائش ۱۹۲۰ء تاریخ وفات: ۳۰ نومبر ۱۹۹۶ء
اسانید و تخریج: جامعہ اسلامیہ فیض عام منو، ۱۹۳۸ء
سند اجازت روایت حدیث از: شیخ الکل حضرت مولانا محمد احمد صاحب (بڑے مولوی صاحب) رحمۃ اللہ علیہ
علمی تجربات اور خاص خاص کام:

- عربی اور اسلامی علوم کی تعلیم و تدریس ۵۳ سال مادر علمی جامعہ اسلامیہ فیض عام منو میں
- بخاری و مسلم کا درس ۲۹ سال تک مسلسل ● بخاری و مسلم پڑھنے والے شاگردوں کی تعداد سات سو
- جامعہ فیض عام کی نظامت ۱۴ سال و نیچر مسلم انٹر کالج منو ● کلیہ امہات المؤمنین کا قیام ۱۹۹۱ء میں

تالیفات:

۱- حدیث افک: بجواب مولانا شبیر احمد ازہر میرٹھی
مولانا میرٹھی نے قرآن کریم کی ایک تفسیر بنام ”مفتاح القرآن“ لکھی جس میں سورہ نور کی تفسیر کے ضمن میں حدیث افک کو بھی انہوں نے موضوع سخن بنایا اور اسے ایک اختراعی داستان قرار دیا، نیز تاریخی واقعات، قرآنی آیات اور احادیث کی تعبیر و تشریح سے

ایسا ہیولی قائم کیا کہ حقائق کا صحیح علم نہ رکھنے والوں کے لئے حدیث افک اساطیر الاولین کا مصداق بن جاتی ہے۔ موصوف کے اعتراضات کا جواب اور ان کے دلائل کا معقول تجزیہ کر کے بڑے اچھے انداز میں اس کا رد کیا ہے، جو ماہنامہ ”التوعیہ“ نئی دہلی میں قسط وار فروری ۱۹۹۳ء تا جولائی ۱۹۹۳ء کے شمارہ میں شائع ہوا ہے۔

۲۔ رکعات تراویح کا جواب (اردو) قلمی

یہ کتاب مولانا حبیب الرحمن اعظمی حنفی کی کتاب ”رکعات تراویح“ کے جواب میں ہے۔ اس میں بیس رکعات تراویح کے تمام دلائل کو باطل قرار دیتے ہوئے آٹھ رکعات تراویح کو سنت ثابت کیا گیا ہے۔

۳۔ نماز کی پہلی و دوسری کتاب (اردو)، ۴۔ فتاویٰ

مولانا موصوف نظامت کے ساتھ ساتھ شعبہ افتاء کی بھی ذمہ داری سنبھالے ہوئے تھے۔ آپ کے فتاویٰ بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ آپ جس موضوع پر لکھتے اس کا حق ادا کر دیتے۔ یہ فتاویٰ اس وقت زیر ترتیب ہیں۔

حضرت مولانا مفتی فیض الرحمن صاحب فیض فیضی مسوی

نام: فیض الرحمن بن احسان اللہ بن مولانا محمد احمد بن ملاحسام الدین

تاریخ پیدائش: ۱۵ شعبان ۱۳۲۷ھ وفات: ۱۹۹۶ء

اسانید و تخریج: جامعہ اسلامیہ فیض عام منو، ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۴۲ء

سند اجازت روایت حدیث از: ● شیخ الکل مولانا محمد احمد صاحب (بڑے مولوی صاحب) ● مولانا عبداللہ شائق مسوی ● مولانا ابوالقاسم سیف بناری ● شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

علمی تجربات اور خاص خاص کام

● عربی اور اسلامی علوم کی تعلیم و تدریس انتالیس (۳۹) سال ● بخاری شریف کا درس بیس سال

تالیفات:

۱۔ چالیس حدیثیں (اردو) صفحات ۲۳ مطبوع: رحمانی پریس الہ آباد ۱۹۷۵ء، خرید و فروخت سے متعلق چالیس احادیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب۔

۲۔ قرۃ العین باحادیث رفع الیدین (اردو) صفحات ۸۵، مطبوع سٹی پریس دہلی ۱۹۸۷ء،

یہ کتاب علمائے احناف کے اس فتویٰ کا جواب ہے جس میں ان لوگوں نے احادیث رفع الیدین کا منسوخ ہونا ثابت کیا ہے۔

دیگر تالیفات:

● الجواب السداد (اردو صفحات، مطبوع کوہ نور پریس، دہلی۔

تفسیر ثنائی پر مولانا عبدالجلیل صاحب سامرودی کے اعتراضات کا مدلل جواب۔

- قربانی: (اردو) صفحات ۸۸ مطبوع: تاج آفسٹ پریس الہ آباد۔
- اس کتاب میں ذی الحجہ اور قربانی کے منتخب مسائل پر عالمانہ اور محققانہ بحث کی گئی ہے۔
- حیات و ممات: حصہ اول (اردو) صفحات ۸۰ مطبوع: افضل نعیمی پریس منو ۱۴۰۶ھ۔
- اس کتاب میں قرآن و حدیث کی روشنی میں زندگی اور موت کے مسائل پر بحث کی گئی ہے۔
- آئینہ تحقیق: (اردو) صفحات ۴۰ مطبوع: افضل نعیمی پریس منو ۱۴۰۳ھ۔
- جس میں بیان کیا گیا ہے کہ بھینس قربانی کا جانور نہیں ہے، اس کو گائے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے بھینس کی قربانی جائز نہیں ہے۔
- انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا: (اردو) حالت روزہ میں انجکشن کے جواز سے متعلق۔
- فتاویٰ: مولانا ایک زمانے تک جامعہ اثریہ دارالحدیث کے شعبہ افتاء میں مفتی کے عہدہ پر فائز رہے اور مختلف موضوعات پر کتاب و سنت کی روشنی میں فتاویٰ لکھتے رہے۔ جواب زیر طبع ہے۔ (ماخوذ از خودنوشت سوانح)

حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب فیضی منویؒ

نام: عبدالحکیم بن مولانا عبدالحی بن شیخ عبداللہ۔

تاریخ پیدائش: ۱۹۱۹ء

اسانید و تخرج: جامعہ اسلامیہ فیض عام منو ۱۳۵۹

تاریخ وفات: ۲۰۰۳ء

سند اجازت روایت حدیث از: ● شیخ الکل حضرت مولانا محمد احمد صاحب (بڑے مولوی صاحب) رحمۃ اللہ علیہ ● علامہ

عبداللہ صاحب شائق رحمۃ اللہ علیہ۔

علمی تجربات اور خاص خاص کام:

● عربی اور اسلامی علوم کی تعلیم و تدریس ۴۴ سال سے جاری ہے۔

اس مدت میں آپ نے حدیث کی ہر چھوٹی بڑی کتاب کا درس دیا ہے۔

تالیف:

۱۔ نقوش صحابہ: (اردو) صفحات: ۳۶ مطبوع: افضل نعیمی پریس منو ۱۹۹۱ء

اس رسالہ میں کچھ ایسے پاکباز صحابہ رضی اللہ عنہم کے نصیحت آموز اور سبق آموز واقعات قلمبند کیے گئے ہیں، جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

کی اطاعت اور اتباع کا بے حد شوق اور جذبہ رکھتے تھے اور آپ کے فرمودات کی تعمیل علت اور سبب معلوم کیے بغیر بجالاتے تھے۔

حضرت مولانا شیخ محمد الاعظمی فیضی منوی حفظہ اللہ تعالیٰ

نام: محمد بن مولانا عبدالحی بن شیخ عبداللہ

تاریخ پیدائش: ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۳ء

اسانید و تخرج: جامعہ اسلامیہ فیض عام منو ۱۹۵۰ء

سند اجازہ روایت حدیث از:

● شیخ الکل مولانا محمد احمد صاحب (بڑے مولوی صاحب) ● علامہ عبداللہ صاحب شائق رحمۃ اللہ علیہ

علمی تجربات اور خاص خاص کام:

- عربی اور اسلامی علوم کی تعلیم و تدریس ۴۱ سال ● ۲۳ سال تک مسلسل صحیحین کا درس دیا
- ۱۴ سال تک جامعہ عالیہ عربیہ منو کے نائب ناظم رہے۔

تالیفات:

۱- آداب زواج: (اردو) صفحات ۱۵۰ مطبوع ۱۹۸۴ء یہ کتاب تحفۃ العروس اور آداب زفاف کے طرز پر لکھی گئی ہے جس میں مولانا نے قرآن و حدیث کی روشنی میں زندگی کے صحیح رہنما اصول بیان کئے ہیں۔

۲- کائنات کا آغاز و انجام: اسلامی نقطہ نظر سے، صفحات ۱۶۳ مطبوع سلفیہ پریس بنارس ۱۹۷۷ء اس کتاب میں کائنات کے آغاز و انجام سے متعلق قرآن و حدیث کی روشنی میں بڑی مدلل بحث کی گئی ہے اور خاص طور پر علامات قیامت سے متعلق احادیث صحیحہ کا ذکر بڑی خوش اسلوبی سے کیا گیا ہے۔

دیگر تالیف:

● نماز ماثور: (اردو) صفحات ۶۴ مطبوع سرفراز آفسٹ پریس منو ۱۹۹۶ء اس رسالہ میں رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی نماز کا صحیح ترین اور مستند بیان قلم بند کیا گیا ہے۔ ● مستند دعائیں: (اردو) صفحات ۳۲ مطبوع سرفراز آفسٹ پریس منو ۱۹۹۷ء اس مختصر رسالہ میں ان دعاؤں کا انتخاب ہے جو قرآن اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں اور دن رات کی دعا و اذکار میں اعلیٰ و آسان تر ہیں۔ ● دین کیا ہے: (اردو) صفحات ۱۶ مطبوع اسرار کریمی پریس الہ آباد ۱۹۶۳ء یہ رسالہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے رسالہ ”الدین و شروط الصلاة“ کا سلیس اردو ترجمہ ہے۔ ● شریعت اور عادت کی قابل توجہ باتیں (اردو) صفحات ۸۔ ناشر جامعہ عربیہ منو۔ ● نقوش شیخ رحمانی: (اردو) صفحات ۷۲ مطبوع سرفراز پریس منو ۱۹۹۴ء۔

مولانا موصوف کے نام حضرت علامہ شیخ الحدیث عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط کا مجموعہ۔

حضرت مولانا مختار احمد صاحب فیضی ندوی منوی

نام: مختار احمد بن حاجی محمد ضمیر

اسانید و تخرج: جامعہ اسلامیہ فیض عام منو ۱۹۵۰ء

سند اجازہ روایت حدیث از:

● شیخ الکل علامہ محمد احمد صاحب (بڑے مولوی صاحب)

● علامہ عبداللہ صاحب شائق رحمۃ اللہ علیہ

علمی تجربات اور خاص خاص کام / خدمات:

- مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی امارت ۱۹۹۰ء تا ۱۹۹۸ء ● مدیر: الدار السلفیہ ممبئی ● صدر: ادارہ اصلاح المساجد ممبئی
- صدر: محمدیہ ایجوکیشنل سوسائٹی ممبئی ● صدر: محمدیہ ویلفیئر سوسائٹی ممبئی ● جامعہ محمدیہ منصورہ مالگاوں کا قیام ● عالیہ جنرل ہاسپٹل کا قیام ● کلیتہ فاطمہ الزہراء الاسلامیہ منو کا قیام ● نائب صدر: مسلم پرسنل لا بورڈ ● ملک بھر میں بے شمار مساجد کی تعمیر ● رکنیت: مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کورٹ کی رکنیت ● نگران اعلیٰ ماہنامہ مجلہ البلاغ ممبئی ● محمدیہ طبیہ کالج منصورہ مالگاوں کا قیام۔

تالیفات:

۱۔ شعب الایمان للبیہقی: جلد ۱ تا ۱۰، تحقیق اور تخریج (عربی)

مولانا موصوف کی علمی و تصنیفی خدمات میں سب سے اہم حدیث کی مشہور و معروف کتاب ”شعب الایمان للبیہقی کی تحقیق و تخریج“ ہے، ندوی صاحب نے اس کتاب کو شائع کر کے خدمات حدیث میں ایک نمایاں کام انجام دیا ہے۔ جس کے لئے مولانا کو جتنی مبارکباد دی جائے کم ہے۔

۲۔ نصیحة المسلمین باحادیث خاتم المرسلین: (اردو) صفحات: ۲۱۶ مطبوع: الدار السلفیہ ممبئی ۸۰ء

یہ کتاب مجموعہ نصیحت المسلمین باحادیث خاتم المرسلین تالیف شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کا سلیس اردو ترجمہ ہے۔ جس میں مکارم اخلاق و فضائل اعمال صالحہ کے متعلق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سات سوچودہ صحیح احادیث کا پاکیزہ انتخاب ہے۔ یہ کتاب شیخ موصوف کی ان لاجواب اور عمدہ ترین کتابوں میں شامل ہے جس سے ملت اسلامیہ کو بڑا فیض پہنچا، شیخ نے اس کتاب کو اس انداز سے مرتب کیا ہے کہ مکارم اخلاق و فضائل اعمال صالحہ سے متعلق صحاح ستہ کی اکثر متداول و معروف حدیثیں اس مجموعہ میں آگئی ہیں اور مسلمانوں کی زندگی کے وہ تمام گوشے سما گئے ہیں جن کی اصلاح ضروری ہے۔

۳۔ اوضح المسائل الی احکام المناسک: (اردو) صفحات ۲۶۴

یہ کتاب شیخ عبدالعزیز محمد السلمان کی کتاب ”اوضح المسائل فی احکام المناسک“ کا با محاورہ ترجمہ ہے۔ اس میں انتہائی تحقیق اور جامعیت کے ساتھ حج کے تمام ارکان و مسائل اور آداب کو سمیٹ کر عام فہم انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

۴۔ اسلام اور مسائل جاہلیت: (اردو) صفحات ۱۸۴۔

یہ کتاب شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کی کتاب ”مسائل الجاہلیۃ الی خالف فیہا رسول اللہ ﷺ اهل الجاہلیۃ“ کا اردو ترجمہ ہے۔ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نے ان جاہلی مسائل کو قرآن کے صفحات سے نقل کر کے نہایت مناسب ترتیب کے ساتھ جمع فرمادیا تھا، جسے علامہ شیخ محمود شقری آلوسی نے اپنی جامع تشریح کے ذریعہ ایک مفصل کتاب کی شکل دے دی۔ یہ کتاب تصحیح عقائد میں بنیادی حیثیت کی حامل ہے۔

۵۔ ذکر الہی: (اردو) صفحات ۲۳۔

یہ کتاب علامہ ابن القیم کی کتاب ”الوابل الصیب من کلمہ الطیب“ کا آسان اردو ترجمہ ہے اس میں تزکیہ نفس اور تصوف کے سلسلے میں محدثین اور سلف صالحین کے حقیقی نقطہ نظر کو واضح کیا گیا ہے۔

مولانا موصوف کی تصنیفی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ہر ایک کا بیان کرنا یہاں ممکن نہیں ہے۔ چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

- رسائل الشیخ عبداللہ بن زید المحمود (اردو صفحات مجموعی: ۲۷۹) ● التوحید (اردو) صفحات ۱۲۲ ● النبی الامی: (اردو) صفحات ۲۲۴۔ ● محمد بن عبدالوہاب (اردو) ص ۱۹۲۔ ● محاسن اسلام: (اردو ترجمہ) صفحات: ۸۸ ● اسلام کے صحیح عقائد اور اس کے نواقض: (اردو ترجمہ) صفحات: ۶۴ ● قربانی کے فضائل و مسائل: تالیف: اردو صفحات: ۳۰ ● مشروع اور ممنوع وسیلہ کی حقیقت: (اردو ترجمہ) صفحات: ۳۳۶ ● خطبات محمدی، کامل پانچ حصے: تصحیح و تقدیم۔ اردو ● الدار السلفیہ ممبئی۔ اسلامی علوم و فنون کی نشر و اشاعت میں اس ادارے نے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں اس ادارے سے سیکڑوں کتابیں چھپ کر منظر عام پر آچکی ہیں۔ جن میں تفسیر احسن البیان، شعب الایمان للبیہقی ۷ جلدیں، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۵ جلدیں، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضرت مولانا مختار احمد صاحب اختر فیضی مسوی

نام: مختار احمد بن حافظ عبدالعزیز بن عبدالرشید

تاریخ پیدائش: ۱۹۲۴ء

اسانید و تخریج: جامعہ اسلامیہ فیض عام ۱۳۶۳ھ

سند اجازہ روایت حدیث از:

● شیخ الکل حضرت مولانا محمد احمد صاحب (بڑے مولوی صاحب)

● علامہ شیخ الحدیث عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ

علمی تجربات اور خاص خاص کام

● عربی اور اسلامی علوم کی تعلیم و تدریس ۳۹ سال۔ ● فن خطاطی میں مہارت۔

تالیفات:

۱۔ مقدمہ مشکوٰۃ المصابیح: (اردو) صفحات ۳۲، مطبوعہ افضل نعیمی پریس مئو۔

دیگر تالیفات:

۲۔ تعلیم الفرائض: (اردو) صفحات ۸۸، افضل نعیمی پریس مئو، اس رسالہ میں علم فرائض کے عام مسائل ذکر کرنے کے بعد ترکہ تقسیم

کرنے کے طریقے مع مثال درج کیے گئے ہیں۔ ۳۔ الہمتن الکافی فی شرح البیضاوی: حصہ اول: اردو صفحات ۱۴۴ مطبوعہ سرفراز

آفسٹ پریس مئو۔ تفسیر بیضاوی کا ترجمہ و شرح با محاورہ اردو زبان میں حصہ اول میں صرف سورہ فاتحہ کا بیان ہے۔ ۴۔ الہمتن الکافی شرح

التفسیر البیضاوی: حصہ دوم (اردو صفحات ۲۲۴)

صرف سورہ بقرہ کے پہلے رکوع پر مشتمل ہے۔

۵۔ تعلیم العقائد: (اردو) غیر مطبوع

۶۔ شرح عقائد نسفی کی تشریح

۷۔ تعلیم المسائل: (اردو) غیر مطبوع

اس رسالہ میں قطبی اور شرح تہذیب کے مشکل مسائل آسان زبان میں بیان کیے گئے ہیں۔

ڈاکٹر حافظ مقتدی حسن ازہری فیضی منویؒ

نام: مقتدی حسن بن حاجی محمد یسین بن محمد سعید

تاریخ پیدائش: ۸ اگست ۱۹۳۹ء

اسانید و تخرج: جامعہ اسلامیہ فیض عام منو ۱۹۶۰ء

ڈاکٹریٹ: مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

سند اجازۃ روایت حدیث از:

• مولانا شمس الحق صاحب سلفی رحمۃ اللہ علیہ • مولانا حبیب الرحمن صاحب فیضی مفتی جامعہ فیض عام منو۔ • مولانا محمد

عبداللہ صاحب شائق رحمۃ اللہ علیہ۔

علمی تجربات اور خدمات:

• عربی اور اسلامی علوم کی تعلیم و تدریس ۳۲ سال، دو سال جامعہ فیض عام اور ۳۰ سال جامعہ سلفیہ بنارس میں۔ • وکیل

الجامعہ السلفیہ بنارس • ایڈیٹر عربی ماہنامہ ”صوت الامۃ“ بنارس • رکن مجلس عاملہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند • رکنیت

مسلم پرسنل لاء بورڈ • رکنیت کورٹ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ • رکنیت رابطہ ادب اسلامی ہند۔

تالیفات:

۱۔ تخریج احادیث بہجۃ المجالس لابن عبدالبر قرطبی: الجزء الثاني (عربی)

مع فہرست صفحات ۷۰۰ غیر مطبوع

ستاؤن ابواب پر مشتمل یہ کتاب علم المحاضرہ جس میں رزق، اخلاق، آداب مجلس، جوانی، بڑھاپا، موت اور زندگی، دعا اور مختلف

ابواب کے تحت زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے۔ علامہ قرطبی ہر باب کے تعلق سے پہلے آیت کا پھر حدیث اور اس کے بعد اقوال

اور اشعار کا ذکر فرماتے ہیں احادیث کی تحقیق میں ڈاکٹر صاحب نے کافی عرق ریزی کی ہے۔ اس کے پہلے حصے کی تحقیق ڈاکٹر ظہور الحق

ٹانڈوی نے کی ہے۔ لیکن پوری کتاب کی فہرست ڈاکٹر ازہری صاحب نے مرتب کی ہے۔

دیگر تصنیفات:

• فتح المنان بتسہیل الاتقان: (عربی) صفحات ۲۵۳: مطبع سلفیہ پریس بنارس۔

یہ کتاب علامہ سیوطی کی کتاب ”الاتقان فی علوم القرآن“ کی تلخیص ہے اس میں مناہل العرفان وغیرہ سے بعض مفید مباحث

کا اضافہ اور ضمیمہ میں کتب تفسیر کا تعارف ہے۔

- مسئلہ حیات النبی ﷺ (عربی) صفحات ۵۸ جامعہ سلفیہ بنارس۔
- یہ کتاب مولانا محمد اسماعیل گوجرانوالہ کے رسالہ کا عربی ترجمہ ہے اس میں بعد الموت انبیاء کی حیات کی نوعیت پر مدلل روشنی ڈالی گئی ہے۔
- النظام الالہی للرقی والانحطاط: (عربی) صفحات ۱۶۲۔ دار الصحوة للنشر والتوزیع القاہرہ ۱۴۰۹ھ۔
- یہ کتاب مولانا تقی امینی کی کتاب ”عروج وزوال کالہی نظام“ کا عربی ترجمہ ہے۔
- ڈاکٹر صاحب کی تالیفات و تحقیقات کی فہرست درج ذیل ہے۔

(الف) تالیفات و تصنیفات

- تاریخ الادب العربی (أجزاء) اردو۔ ● نظرة الى مواقف المسلمين من احداث الخليج۔ (عربی) ● موقف الاسلام من المرأة (اردو) ● منصور الفقیہ: حیاتہ وشعرہ۔ (عربی) ● مشکلة المسجد البابری فی ضوء التاريخ والكتب المعاصرة۔ (عربی) ● حقيقة الادب ووظيفته (عربی) ● الثقافة الاسلامية والمسلمون۔ ● مسئولية الشباب المسلم في العصر الحاضر۔

(ب) تحقیق، تعلق اور تہذیب:

- تحقیق الجزء الثاني من كتاب بهجة المجالس للحافظ ابن عبد البر القرطبي رحمه الله مع الفهارس الكاملة للكتاب بجزئیہ۔ ● تعلق و تقدیم لکتاب حصول البامول للنواب صدیق حسن خان رحمه الله۔ ● فتح المنان بتسهيل الاتقان للسيوطي رحمه الله۔ ● أزمة الخليج في ميزان الشرع والعقل۔

(ج) اردو اور فارسی سے عربی تراجم

- قضايا كتابة التاريخ الاسلامي وحلولها للدكتور محمد ياسين مظهر صديقي۔ ● رحمة للعالمين للعلامة القاضي محمد سليمان المنصور فوري رحمه الله (۱۳۷۳ء) ● قررة العينين في تفضيل الشيخين للشاه ولي الله الدهلوي رحمه الله۔ ● الاسلام تشكيل جديد للحضارة للشيخ محمد تقى الاميني رحمه الله۔ ● بين الانسان الطبيعي والانسان الصناعي للشيخ محمد تقى الاميني رحمه الله۔ ● عصر الاحاد: خليفة التاريخية وبداية نهايته للشيخ محمد تقى الاميني رحمه الله۔ ● النظام الالهي للرقى والانحطاط للشيخ محمد تقى الاميني رحمه الله۔ ● مسئلة حياة النبي ﷺ في ضوء الادلة الشرعية۔ ● زيارة القبور وحكمها۔ ● النصرانية الحاضرة في ضوء التاريخ والبحث العلمي للدكتور مصلح الدين الاعظمي۔ ● الشيوعية والاسلام في ميزان العقل۔ ● حركة الانطلاق الفكري وجهود الشاه ولي الله للشيخ محمد اسماعيل السلفي رحمه الله۔ ● حجية الحديث الشريف للشيخ محمد اسماعيل السلفي رحمه الله۔

(د) عربی سے اردو تراجم

- اقتضاء الصراط المستقيم لشيخ ابن تيمية رحمه الله۔ ● مختصر زاد البعاد لشيخ الاسلام محمد بن عبد الوهاب رحمه الله۔ ● اصلاح المساجد للشيخ محمد جمال الدين القاسمي رحمه الله۔ ● أنا للاستاذ عباس محمود

العقاد۔ ● فی ظلال الرسول ﷺ للڈكتور عبد الحليم عويس۔ ● سقوط ثلاثين دولة للڈكتور عبد الحليم عويس۔

(ھ) عربی زبان میں مقالات

۱۔	بداية	مجله صوت الجامعة ببنارس	۱۹۶۹م
۲۔	نظرة الى الاشتراكية	مجله صوت الجامعة ببنارس	۱۹۶۰م
۳۔	مكائد اليهود	//	//
۴۔	الادب الفارسي في عهد أورنگزيب	//	//
۵۔	الاقتصاد في الاسلام	//	//
۶۔	لماذا الانحكم الكتاب	//	//
۷۔	لن يستقر السلام الا بالاسلام	//	//
۸۔	في الطريق	//	//
۹۔	شهر محرم والمسلمون	//	۱۹۶۱م
۱۰۔	في التربية الخلقية	//	//
۱۱۔	الواجب المقدس	//	//
۱۲۔	الحضارة الغربية: بدايتها ونهايتها	//	۱۹۶۲م
۱۳۔	صراع بين الحق والباطل	//	//
۱۴۔	مكانة الانسان ومسئوليته	//	//
۱۵۔	كيف نودي المسؤولية	//	//

ڈاکٹر حافظ عبدالعلی ازہری فیضی منوی حفظہ اللہ تعالیٰ

نام: عبدالعلی بن حاجی عبدالحمید بن مولانا حامد بن شہید

تاریخ پیدائش: ۸ جون ۱۹۴۳ء

ڈاکٹریٹ: احمد بیلو یونیورسٹی ناٹجریا ۱۹۷۲ء۔ موضوع: تفسیر

سند اجازہ روایت حدیث از:

● مولانا محمد احمد صاحب (بڑے مولوی صاحب) ● مولانا شمس الحق صاحب سلفی

● مولانا مفتی حبیب الرحمن صاحب فیضی رحمہ اللہ

علمی تجربات اور خدمات:

- عربی و اسلامی علوم و فنون کی تعلیم و تدریس چھبیس سال سلسلہ تاحال جاری ہے۔
- چیف ایڈیٹر: اسٹریٹھ پاتھ (صراط مستقیم کانگش ایڈیشن) برمنگھم ۱۸ ماہ۔ ● پروفیسر مسلم کالج لندن۔

تحقیقات و تالیف:

۱۔ تحقیق شعب الایمان للبیہقی: (۱-۷) جلد کی تحقیق، صفحات مجموعی: ۱۱۶۸۔

ڈاکٹر موصوف کی علمی و تحقیقی خدمات میں اہم کام حدیث کی مشہور و معروف کتاب ”شعب الایمان للبیہقی“ کی تحقیق و تخریج ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے محنت شاقہ اور دیدہ ریزی کے ساتھ اولاً پوری کتاب کی تحقیق فرمائی اور اس کے متعدد نسخے جو دستیاب ہوئے ان کے درمیان مقابلہ اور مقارنہ کا محنت طلب مرحلہ، بخوبی طے کیا ہے اور اتنے ہی پراکتفا نہیں کیا جیسا کہ بعض مشہور ”محققین“ نے کتب احادیث کی تحقیق میں کیا ہے بلکہ ڈاکٹر صاحب نے احادیث کی علمی و فنی تخریج اور تحقیق فرمائی ہے۔ اسانید پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے۔ احادیث پر حکم بھی لگایا ہے نیز غریب الحدیث کی بھی حسب ضرورت تشریح و توضیح فرمائی ہے۔ اس طرح یہ کتاب علمی و تحقیقی کام کرنے والوں کے لئے ماخذ و مرجع کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔

۲۔ تحقیق کتب الامثال لابن الشیخ الاصبہانی (عربی) صفحات ۵۳۲۔

یہ کتاب امام حافظ ابوشیخ اصبہانی کی کتاب ”کتب الامثال“ کی احادیث کی تخریج ہے۔

۳۔ تحقیق کتاب أمثال الحدیث للرامهر مزی (عربی)

یہ کتاب علامہ رامہرمزی جو کہ بلند پایہ ادیب تھے کہ کتاب ”کتب امثال الحدیث“ کی تحقیق و تخریج ہے۔

۴۔ تحقیق کتاب الزهد لابن ابی عاصم (عربی)

یہ کتاب علامہ ابن ابی عاصم کی کتاب ”کتب فیہ شئی من ذکر دنیا و فیہ حفظ اللسان والصحة“ کی تحقیق ہے جس کا

نام ٹائٹل پر ”کتب الزهد“ چھپا ہوا ہے۔

۵۔ تحقیق تفسیر سورة الاخلاص (عربی) صفحات ۲۵۸۔

یہ کتاب علامہ ابن تیمیہ کی تفسیر سورة الاخلاص کی تصحیح اور تخریج و تعلیق پر مشتمل ہے۔

۶۔ تحقیق تفسیر سورة النور (عربی) صفحات ۲۴۴۔

اس کتاب میں علامہ ابن تیمیہ کی تفسیر سورة النور کی تصحیح و تخریج کی گئی ہے۔

۷۔ تحقیق تفسیر الآیة الکریمۃ (عربی) صفحات ۳۵۔

علامہ ابن تیمیہ نے مشہور آیت ”لا الہ الا انت“ الخ کی دلنشین و مفید تفسیر کی ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے اس رسالہ کی تصحیح و تحقیق

فرمائی ہے۔ یہ تمام کتابیں الدرر السلفیہ بمبئی سے چھپی ہیں۔

حضرت علامہ مولانا صفی الرحمن صاحب فیضی مبارکپوریؒ

نام: صفی الرحمن بن عبداللہ بن محمد اکبرؒ
تاریخ پیدائش: ۶ جون ۱۹۲۳ء
اسانید و تخریج: جامعہ اسلامیہ فیض عام ۱۹۶۱ء
دکتورہ اعزازی: جامعہ اسلامیہ فیض عام ۱۹۸۱ء

● سدا جازہ روایت حدیث از علامہ شیخ الحدیث عبید اللہ الرحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ۔

● سدا جازہ روایت حدیث از مولانا شمس الحق صاحب سلفی رحمہ اللہ۔

● سدا جازہ روایت حدیث از مولانا مفتی حبیب الرحمن صاحب فیضی رحمہ اللہ۔

علمی تجربات اور خدمات:

● عربی اور اسلامی علوم و فنون کی تعلیم و تدریس ۲۴ سال۔

● دس سال ہندوستان کے مختلف عربی جامعات میں اور چودہ سال جامعہ سلفیہ بنارس میں جس میں سات سال صحیح بخاری کی تدریس بھی شامل ہے۔

● ماہنامہ ”محدث“ اردو بنارس کی ایڈیٹر شپ از ابتداء ۱۹۸۲ء تا ۱۹۸۸ء۔

● مرکز خدمۃ السنۃ والسیرۃ النبویۃ۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے تحت سیرت انسائیکلو پیڈیا کی تیاری میں اشتراک از ۱۴۰۹ھ تا ۱۴۱۸ھ۔

● امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند۔ ● مناظرہ بجز ڈیہہ بنارس ۱۹۷۸ء۔ ● پہلی بین الاقوامی سیرت نگاری کانفرنس امریکہ میں رابطہ عالم اسلامی کی نمائندگی۔ ● رکنیت دینی تعلیمی کونسل لکھنؤ۔

تالیفات: (عربی)

۱۔ اتحاف الکرامہ تعلیق بلوغ المرآہ لابن حجر عسقلانی (عربی) صفحات ۴۸۰۔

یہ کتاب متعدد بار طبع ہو چکی ہے اور ملک و بیرون ملک کافی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ مولانا موصوف نے اس کتاب کی تعلیق پرفن حدیث کے جوہر دکھاتے ہوئے مندرجہ ذیل امور پر کافی عمدہ بحث کی ہے۔

● الفاظ حدیث کی تعبیر و تشریح ● حدیث کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے اس میں جو تاویل یا تحریف کی گئی ہے اس کی

نشاندہی کیے بغیر ایسی تشریح کی ہے کہ تاویل و تحریف کی تردید ہو جائے۔ ● اسانید پر بقدر ضرورت سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ ● عقائد اور فقہی مسائل میں منہج سلف کو ترجیح دی گئی ہے۔ ● اور متعدد جگہ ایسی تشریح کی گئی ہے کہ جو کسی اور جگہ ملنا مشکل ہے۔

۲۔ الرحیق المختوم: اس کتاب نے عالمی مقابلہ سیرت نویسی میں رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ سے پہلا انعام حاصل کیا، میری

معلومات کی حد تک حسب ذیل زبانوں میں اس کے ترجمہ ہو چکے ہیں۔ (۱) اردو، (۲) انگریزی، (۳) فارسی، (۴) ہندی، (۵) بنگالی،

(۶) بوسنوی، (۷) ترکستانی، (۸) جنوب افریقی، (۹) صومالی، (۱۰) فرانسیسی، (۱۱) گجراتی، (۱۲) ملیالم، (۱۳) البانی۔ (اور دیگر زبانیں)

۳۔ ”الابتہاج فی شرح مسلم بن الحجاج“ (عربی) چار جلد: زیر طبع۔ (اس کا نام اب مکتبہ المنعم فی شرح صحیح مسلم ہے) یہ کتاب صحیح مسلم کی شرح ہے جس کے اندر مولانا نے بڑی معلومات اکٹھا کر دی ہے۔ اس کتاب کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں۔

- غریب الحدیث پر سیر حاصل بحث کی ہے۔
- قبائل و اماکن کی تشریح جدید معلومات کی روشنی میں کی گئی ہے۔
- حدیث کے مطالب کی وضاحت کرتے ہوئے اس میں جو تاویلات اور تحریفیں کی گئی ہیں اس کی نشاندہی کئے بغیر ایسی تشریح کی گئی ہے کہ تاویل و تحریف کی تردید ہو جائے۔
- رجال حدیث پر بقدر ضرورت اچھی روشنی ڈالی گئی ہے۔
- عقائد اور فقہی مسائل میں منہج سلف کو ترجیح دیتے ہوئے اس کی بنیاد بھی فراہم کر دی گئی ہے۔

۴۔ روضة الانوار فی سیرۃ النبی المختار: (عربی) مطبوع۔ سعودی عرب کے کئی مدارس کے نصاب تعلیم میں داخل ہے۔

۵۔ بہجة النظر فی مصطلح اهل الاثر۔ ۶۔ ابراز الحق والصواب فی مسئلة السفور والحجاب۔ پردہ کے متعلق ڈاکٹر تقی الدین ہلالی کی رائے پر نقد ہے اور مجلہ جامعہ سلفیہ میں قسط وار شائع ہو چکا ہے۔ ۷۔ الحکم الاسلامی وتعدد الاحزاب السیاسیة (عربی) مطبوع ۱۹۸۶ء۔ ۸۔ تطور الشعوب والدیانات فی الهند ومجال الدعوة الاسلامیة فیہا۔ مطبوع ۱۹۷۹ء۔ ۹۔ ”الفرق الناجیة خصائصها ومیزانها فی ضوء الكتاب والسنة ومقارنتها مع الفرق الاخری“ ۱۰۔ البشارات بمحمد ﷺ فی کتب الهندوس والبوذیین والفرس۔ ۱۱۔ مراجعة اختصار تفسیر ابن کثیر۔

تالیفات: (بزبان اردو)

۱۔ الرحیق المختوم (ترجمہ)، ۲۔ تجلیات نبوت (ترجمہ)، ۳۔ تذکرہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب (ترجمہ)، ۴۔ قادیانیت۔ اپنے آئینے میں، ۵۔ فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری، ۶۔ انکار حدیث حق یا باطل، ۷۔ اسلام اور عدم تشدد (اس کا ہندی اور انگریزی ترجمہ ہو چکا ہے)، ۸۔ رزم حق و باطل (اردو مناظرہ)، ۹۔ اہل تصوف کی کارستانیوں، ۱۰۔ مختصر اظہار الحق (ترجمہ)، ۱۱۔ پیغمبر اسلام ہندو کتابوں میں۔

حضرت مولانا محفوظ الرحمن صاحب فیضی منوی حفظہ اللہ تعالیٰ۔

نام: محفوظ الرحمن بن منظور الحسن بن حافظ ثناء اللہ۔ تاریخ پیدائش: ۱۹۴۶ء

اسانید و تخریج: ۱۹۶۶ء جامعہ اسلامیہ فیض عام منو۔

سند اجازہ روایت حدیث از:

● مولانا شمس الحق سلفی احمد اللہ ● مولانا ابوالوفاء عظیم اللہ فیضی رحمۃ اللہ علیہ ● مولانا مفتی حبیب الرحمن فیضی رحمۃ اللہ علیہ

علمی تجربات اور خدمات:

● عربی اور اسلامی علوم و فنون کی تعلیم و تدریس ۱۹۶۷ء سے مادر علمی جامعہ اسلامیہ فیض عام میں جاری ہے، فی الحال شیخ

الحدیث اور صدر مدرس کے عہدے پر فائز ہیں۔ (اور اب ریٹائرڈ ہو چکے ہیں) ● رکنیت مجلس شوریٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند۔ ● نائب امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث مشرقی اتر پردیش۔

تصنیفات:

۱۔ مہدی موعود (اردو صفحات: ۳۰۰)

اس موضوع سے متعلق احادیث کا استقصاء کیا گیا ہے اور ان کی روشنی میں مہدی موعود کے حالات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ نیز متعدد محققین کی تصریحات سے ان احادیث کے معنایاً متواتر ہونے کو ثابت کیا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ عقیدہ مہدی موعود اسلامی عقائد میں سے ہے۔ اس بارے میں کچھ مشکلیں کے شکوک و شبہات کا رد کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی پانچ فصلیں ہیں آخری فصل میں آج تک مدعیان مہدیت کا ذکر اور ان کا رد کیا گیا ہے۔

۲۔ مبادیٰ اصول حدیث: (اردو) مطبوع، صفحات ۱۶ تاج پریس الہ آباد۔ اس رسالہ میں حدیث کی تمام قسموں کا مختصر مگر جامع

بیان موجود ہے۔

۳۔ ثنائیات مؤطا امام مالک۔ اس کتاب میں مؤطا امام مالک کی ایک سو سے زائد ثنائیات کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اور ان

احادیث کا ترجمہ اور ان کی تخریج و تشریح کی گئی ہے۔

دیگر تالیفات:

۴۔ شیخ الاسلام عبدالوہاب کے بارے میں دو متضاد نظریے۔ ۵۔ تذکرہ مولانا محمد احمد ناظم صاحب، ۶۔ دین و مذہب اور

کیمونزم، ۷۔ نماز نبوی، ۸۔ مبادیٰ عروض و قوافی، ۹۔ مشروع و ممنوع حلالہ خفی نقطہ نظر سے، ۱۰۔ اصول دین (ترجمہ)، ۱۱۔

قبروں پر مساجد کی تعمیر اور اسلام (ترجمہ) ۱۲۔ اتباع سنت اور تقلید: ائمہ اربعہ کی نظر میں۔ (ترجمہ)

(ماخوذ از مطالعہ علوم الحدیث ص ۷۸-۷۹-۸۰)



جامعہ اسلامیہ اکبر پور جمہنی

تاریخ اہل حدیث کا ایک روشن باب

از: مولانا ابوالعاص و حیدی

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على محمد سيد المرسلين وعلى آله وصحبه اجمعين.

اما بعد!

ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا اگر مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ میاں سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی، (۱۹۰۲ء-۱۸۰۵ء) کے تلامذہ و مستفیدین کے ذریعہ ہندوستان کے مختلف صوبہ جات و اضلاع میں دعوت کتاب و سنت عام ہوئی اور بدعات و خرافات کا خاتمہ ہوا، انہیں اضلاع میں بلرام پور، گونڈہ، سدھارتھ نگر اور بستی وغیرہ بھی ہیں، جہاں میاں صاحب کے تلامذہ کی مساعی سے تحریک اہل حدیث کو فروغ حاصل ہوا۔

بانسی جو ضلع سدھارتھ نگر کا مشہور تاریخی قصبہ ہے، وہاں میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے ایک شاگرد رشید شاہ عین الحق پھلواری بیسویں صدی کے اوائل میں تشریف لائے، انہوں نے جامع مسجد بانسی کے قریب مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے نام سے ایک دینی درسگاہ کا آغاز کیا اور علاقہ میں دعوت و تبلیغ کے فرائض انجام دیتے رہے، ایک مدت کے بعد مولانا عبدالوہاب بانسوی نے کچھری روڈ بانسی میں باقاعدہ ایک مدرسہ کی تعمیر کی، پھر ان کے لڑکے قاری عبدالحق صاحب نے مدرسہ کو وسیع کیا اور اس کا نام ”جامعۃ الحق السلفیہ“ رکھا جو اس وقت اسی نام سے چل رہا ہے۔ (ماخوذ از رجسٹر کارروائی عاملہ جامعۃ الحق)

میاں صاحب کے تلامذہ جہاں بھی گئے ان کے دعوتی و تبلیغی اور علمی اثرات اس علاقہ کے دور و نزدیک مواضع پر بھی پڑے، میرا خیال ہے کہ میاں صاحب کے تلمیذ رشید شاہ عین الحق پھلواری جب بانسی میں تھے تو ان کے دعوتی و تبلیغی اثرات اجتماعی و انفرادی طور پر مختلف مضافاتی مواضع پر لازمی طور پر پڑے انہیں مواضع میں کولہوئی اور اکبر پور جمہنی وغیرہ بھی ہیں۔ چنانچہ اکبر پور جمہنی کے حالات اس طرح بدلے کہ وہاں کے تمام لوگ متبع کتاب و سنت ہو گئے، اور عملی میدان میں انہیں دیکھ کر اسلاف کی یاد تازہ ہو گئی۔ اکبر پور جمہنی کی اصلاح میں مولانا ممتاز علی کر تھی ڈیہہ اور دوسرے بعض علمائے اہل حدیث کا بھی بڑا دخل ہے، بہر حال اسی پس منظر میں الحاج امان اللہ صاحب، اور گاؤں کے ذمہ داران کے مشترک تعاون سے آزادی وطن سے پہلے ۱۹۴۲ء میں جامعہ اسلامیہ کی بنیاد ڈالی گئی اور تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا، یہ ادارہ مختلف مراحل اور متعدد نظما کے ادوار سے گذرا ہے، بحمد اللہ اس وقت جامعہ سلفیہ بنارس سے اس کا الحاق ہے، اور ادھر کئی برسوں سے اس کے زیر اہتمام شعبہ نسواں بھی چل رہا ہے، جس کے تعلیمی نگران مولانا عبدالنجیر مدنی ہیں۔

اکبر پور جمہنی کی تاریخ اہل حدیث کی یہ بات انتہائی قابل ذکر ہے کہ جب جماعت کو ایک مرکزی دارالعلوم قائم کرنے کی فکر ہوئی، اس سلسلہ میں مرکزی جمعیت اہل حدیث کی مجلس عاملہ کے کئی اجلاس متعدد مقامات پر منعقد ہوئے، ایک اجلاس اکتوبر ۱۹۵۸ء میں بمقام مالنگاؤں ہوا، اس موقع پر جامعہ اسلامیہ اکبر پور جمہنی کے ذمہ داران نے رجسٹرڈ مکتوب کے ذریعہ مرکزی دارالعلوم کے لئے سب سے پہلے اراضیات کی پیش کش کی اور اکبر پور جمہنی میں جماعت کی مرکزی درسگاہ قائم کرنے کی درخواست کی، اس کا تذکرہ اس وقت کے صدر مرکزی جمعیت علامہ عبدالوہاب آروی نے جریدہ ترجمان دہلی ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۸ء میں بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔

مذکورہ باتوں کی روشنی میں یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ جامعہ اسلامیہ اکبر پور جمہنی ضلع سدھارتھ نگر کی تاریخ اہل حدیث کا ایک روشن باب ہے، بنا بریں راقم الحروف کا اس سے بڑا تعلق رہا ہے، چنانچہ جب ماسٹر یعقوب صاحب اس کے ناظم تھے تو اس وقت بحیثیت ناظم تعلیمات راقم کی اس سے وابستگی تھی، اس موقع پر میں نے جامعہ اسلامیہ کے نصاب تعلیم پر نظر ثانی کی تھی، اس طرح اس کے سالانہ پروگراموں اور بڑے جلسوں میں شریک ہوتا رہا ہوں، اور اب بھی اکبر پور جمہنی اور جامعہ اسلامیہ سے میرا گہرا تعلق اور چولی دامن کا رشتہ ہے۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ جامعہ اسلامیہ اکبر پور جمہنی کے جو اس سال ناظم ذاکر حسین خاں عمری اور اس کے ارکان اس تعلیمی ادارہ کو مختلف جہات سے ترقی دینا چاہتے ہیں، شعبہ ہائے بنین و بنات کی تعلیمی ترقی کے ساتھ مختلف میڈیکل ٹیکنیکل شعبے قائم کرنا چاہتے ہیں اور اس ادارہ کو ایک روشن مستقبل کی طرف لے جانا چاہتے ہیں، میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موجودہ انتظامیہ کو اخلاص، ایمانداری، دینی مزاج اور سلف منہج کے ساتھ تمام عزائم اور منصوبوں میں کامیاب بنائے۔ آمین

واللہ هو الموفق وهو المعین

ابوالعاص و حیدری

۱۷/۳/۲۰۱۷ء

(ماخوذ از سالانہ مجلہ ”تلاش منزل“ شائع شدہ از جامعہ اسلامیہ اکبر پور جمہنی، اپریل ۲۰۱۷ء)



جامعہ اسلامیہ اکبر پور جمہنی کی مختصر تاریخ

عبدالکحیم بن عبدالمعبدو المدنی

جامعہ اسلامیہ اکبر پور جمہنی ضلع بستی (حال سدھارتھ نگر) یوپی ہندوستان کی آزادی سے قبل وجود میں آنے والے ان سلفی اداروں میں سے ہے جو آزادی میں ہونے والی سورش سے محفوظ رہ کر اب تک جاری و ساری ہے۔ یہ گاؤں بستی شہر سے شمال جانب چالیس کلومیٹر جا کر بائیں شہر سے جنوب جانب تقریباً دس کلومیٹر کے فاصلے پر کھلی خوشگوار فضا میں واقع ہے۔ ذیل میں بالاختصار اس کی تاریخ درج ہے۔

سن تاسیس: ۲۲ مئی ۱۹۴۲ء بروز جمعہ۔

بانیان و مؤسسین: (۱) الحاج امان اللہ (۲) مولانا جمیش محمد خاں مظاہری

پس منظر اور دیگر تفصیل: یہ مدرسہ پہلے گاؤں کی مسجد میں جو کچھریل کی تھی شروع کیا گیا تھا۔ اس کی بنیاد مولانا ممتاز علی کرتھی ڈیہہ کے والد محترم نے رکھی تھی اور خود مولانا بنفس نفیس یہاں بکثرت تشریف لایا کرتے تھے۔

● بعد میں طلباء و طالبات کی کثرت کو دیکھتے ہوئے گاؤں کے ذمہ داران کے مشترکہ تعاون سے الحاج امان اللہ اور مولانا جمیش محمد خان کی سرکردگی میں جامعہ اسلامیہ کی بنیاد ڈالی گئی۔

● مولانا جمیش محمد خان صاحب نے مظاہر العلوم سہارنپور سے فراغت کے بعد کچھ دنوں تک کلکتہ مسجد اہل حدیث میں امامت و خطابت کی ذمہ داری انجام دی اور وہاں سے لوٹنے کے بعد گاؤں کے ہم عمر رفقاء اور ساتھیوں کو لے کر حاجی امان اللہ کی نگرانی و تائید میں تحریک چلائی اور اس طرح یہ مدرسہ وجود میں آیا۔

● تعلیم کی ابتداء گاؤں کے بچوں سے ہوئی۔ پھر آس پاس اور دور دراز کے بچے بھی آتے گئے۔ کھانے کا نظام ”جاگیر“ کے طرز پر ہوتا تھا۔

● مولانا عبداللہ سعیدی سب سے پہلے اس کے استاذ مقرر ہوئے۔

● ۱۹۵۷ء میں یہاں ایک بڑا سا روزہ اجلاس ہوا جس میں مشاہیر علماء کرام نے شرکت کی۔ اس اجلاس کی برکت یہ تھی کہ مسجد کی تعمیر کے لئے اینٹوں کا بھٹہ لگایا گیا اور یہاں مسجد کی بنیاد ڈالی گئی۔

مدرسہ کے نظماء: (۱) مولانا جمیش محمد خان صاحب (۲) مولانا نو مسلم کھیڑیا (۳) مولانا عبداللہ سعیدی (۴) ڈاکٹر محمد یاسین (۵) ماسٹر محمد یعقوب (۶) ماسٹر مختار احمد (۷) الحاج عبدالغنی صاحب (۸) الحاج عبدالرؤف صاحب (۹) مولانا ذاکر حسین خان عمری (فی الحال آپ ہی ناظم ہیں)۔

نگرانی و سرپرستی: (۱) مولانا محمد عمر صاحب سلفی گونڈوی شیخ الحدیث جامعہ سراج العلوم بونڈ بیہار نے برسوں ادارہ کی سرپرستی

فرمائی ہے۔ (۲) مولانا ابوالعاص و حیدی صاحب کئی سالوں تک ناظم تعلیمات رہے ہیں۔ اور آج بھی آپ کی نگرانی و ہدایات جاری و ساری ہیں۔

گاؤں کے بعض متعاونین اہل علم: (۱) مولوی ولی محمد صاحب، (۲) مولانا عبداللہ سعیدی (۳) مولانا عبدالحق اثری (۴) مولانا سلفی (۵) ماسٹر محمد ایوب (۶) مولوی ابوالقاسم صاحب وغیرہم کے نام قابل ذکر ہیں۔

مرکزی دارالعلوم کے قیام کے لئے اراضیات کی پیش کش: جامعہ اسلامیہ اکبر پور جمینی سدھارتھ نگر (بستی) کے ذمہ داران نے اکتوبر ۱۹۵۸ء میں جماعت اہل حدیث کی نگرانی میں مرکزی دارالعلوم کے قیام و تاسیس کے لئے ایک وسیع عمارت اور ۸ بیگھے اراضی کی مخلصانہ پیش کش کی اور اسے آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس (مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند) کے نام وقف کرنے کا تحریر نامہ بھی دیا اور منظوری کے بعد چار بیگھے مزید دینے کا وعدہ کیا۔ مرکزی دارالعلوم اور جماعت کی عظیم درسگاہ کے لئے اس مخلصانہ پیش کش میں تقدم و اولیت کا شرف پورے آزاد ہندوستان میں اہالیان اکبر پور جمینی ضلع بستی حال سدھارتھ نگر کو حاصل ہے۔ اس دوران جماعت اہل حدیث اور انجمن جامعہ رحمانیہ بنارس کی طرف سے بھی پیش کش ہوئی اور دیہات کے مقابلے میں ایک تاریخی و صنعتی شہر کو کانفرنس کے ذمہ داران نے مناسب خیال کرتے ہوئے اسے مرکزی دارالعلوم کے لئے موزوں سمجھا اور آج بحمد اللہ یہ مرکز جامعہ سلفیہ کی شکل میں پوری آن بان شان سے جاری ہے۔ اللہ اسے ہر ابھر رکھے۔ آمین

موجودہ نظامت: فی الوقت اس کے ناظم جواں سال عالم دین مولانا ذاکر حسین خاں عمری ہیں اور بحمد اللہ جامعہ کی تعمیر و ترقی کے لئے کوشاں ہیں۔ اس کے لئے انہوں نے ابتدائی طور پر جامعہ کے قیام و تاسیس کے پچھتر سال مکمل ہونے پر ۱۳/۱۱/۲۰۱۷ء کو ایک پچھتر سالہ تقریب کا اہتمام و انعقاد کیا تھا جس میں عمائدین جماعت اور کثیر تعداد میں اہل علم اور شہر کے خواص اور عوام کی شرکت تھی۔ اور اسی موقع پر جامعہ کی طرف سے طلباء و طالبات کا ایک علمی و فکری سالانہ ترجمان بنام ”تلاش منزل“ بھی شائع کیا تھا جس پر شمارہ نمبر ۱/۲۰۱۷ء/۱۴۳۸ھ درج ہے۔ اس میں جامعہ کی تاریخ اور تعمیر کے تعلق سے بھی معلومات شامل اشاعت ہیں۔ اللہ محنتوں کو قبول فرمائے اور اسے بام عرج تک پہنچائے۔ آمین

تعلیم: فی الوقت جامعہ میں پرائمری مکتب کے ساتھ عربی ثانویہ ثانویہ یعنی جماعت رابعہ تک تعلیم کا نظم ہے۔ اور بحمد اللہ اس کا الحاق بھی جامعہ سلفیہ بنارس سے کر دیا گیا ہے۔ عالمیت و فضیلت کی تعلیم طلباء بنارس جا کر حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح یہ ادارہ اپنے مرکز کی ایک اہم ترین تاریخی و تعلیمی شاخوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

(ماخوذ و مستفاد: ”سالانہ مجلہ تلاش منزل“ شمارہ ۱/۲۰۱۷ء جامعہ اسلامیہ اکبر پور جمینی و جریدہ ترجمان دہلی ۱۵/۱۰/۱۹۵۸ء)



جامع مسجد اہل حدیث مومن پورہ، ممبئی منزل بہ منزل

محمد سلیم عبدالرحمن انصاری

صدر ٹرسٹ بورڈ، جامع مسجد اہل حدیث مومن پورہ، ممبئی

(اس مقالہ کی ترتیب و تدوین میں معروف مصنف مولانا خالد حنیف صدیقی حفظہ اللہ کی نمایاں کاوشیں ہیں جو علامہ داؤد راز کے تعلق

سے منعقدہ سیمینار کے موقع پر اس کام کو ہم معاونین کی موجودگی میں انجام دے رہے تھے اور اسے صدر ٹرسٹ بورڈ کے نام ان کی نیابت

میں تحریر فرما رہے تھے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔ عبدالکیم المدنی)

ہندوستان اور عرب کے تعلقات: سرزمین ہند کسی بھی دور میں حاملین و عاملین کتاب و سنت سے خالی نہیں رہی۔ ہر دور میں کتاب و سنت پر عمل کرنے والے اور اس کی طرف دعوت دینے والے، اس کی حفاظت کرنے والے، اس کی توسیع و اشاعت کرنے والے اور اس کی دعوت کو شائع اور عام کرنے والے ہمیشہ موجود رہے ہیں۔

عہد رسالت سے قبل بھی عرب اور ہندوستان کے درمیان باہم تجارتی تعلق رہا ہے۔ عرب تجارت اپنا سامان تجارت ساحلی علاقوں میں لاتے اور انہیں فروخت کر کے عوض میں یہاں سے سامان خورد و نوش لے کر جاتے تھے۔ آمد و رفت کے ذرائع اور وسائل اگرچہ محدود اور بہت حد تک مسدود تھے، پھر بھی کسی نہ کسی صورت یہ تجارتی سلسلہ قائم تھا۔ کتب تواریخ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

ہندوستان میں صحابہ کی آمد: اسی طرح عہد رسالت میں صحابہ کا یہاں آنا اور یہاں کے لوگوں کا وہاں جانا، یقینی اور حتمی طور پر ثابت ہے، البتہ وہ کون سے صحابی ہیں جن کو سرزمین ہند میں پہلے قدم رکھنے کا شرف حاصل ہے، ان کے اسم گرامی کا پتہ نہیں چلتا۔ بہر حال جو بھی صحابی تشریف لائے وہی کتاب و سنت کی دعوت کو بھی ساتھ لائے اور ملک ہندوستان میں دعوت و تبلیغ کر کے دین اسلام سے لوگوں کو پہلی بار آشنا کیا۔

بعد کے ادوار میں ۲۵ صحابہ کا ہندوستان میں وارد ہونے کا واضح ثبوت موجود ہے۔ ان میں ۱۲ (بارہ) صحابہ دور فاروقی میں، ۵ (پانچ) دور عثمانی میں، ۳ (تین) دور خلافت علی میں، ۴ (چار) امیر معاویہ اور ایک یزید بن معاویہ کے دور میں تشریف لائے۔ ان صحابہ کرام کے اسمائے گرامی معلوم کرنے کے لئے دیکھیں مولانا اسحاق بھٹی کتاب ”ہندوستان میں اسلام کی آمد“۔

تابعین کی آمد: اس طرح ۴۲ تابعین کا بھی ہندوستان میں آنے کا ذکر موجود ہے۔ ان میں ایک جلیل القدر تابعی امام حسن بصری رحمہ اللہ ہیں جو ۳۰ھ میں خراسان، قیقان اور کابل بغرض جہاد ربیع بن زیاد کی سرکردگی میں آئے۔ محمد بن قاسم فاتح سندھ، سترہ سال کا یہ شجاع اور بہادر جوان، حجاج بن یوسف کے بھتیجے اور داماد بھی ہیں، انہوں نے ۹۰ھ میں ولید بن عبدالملک کے دور امارت میں سندھ کو فتح کیا۔

ہندوستان میں اسلام کی اشاعت: تبع تابعین کے ہندوستان میں اتنی کثیر تعداد میں آنے کا ذکر ہے کہ ان کا شمار ہی ناممکن ہے، یہ لوگ بغرض جہاد آئے۔ کچھ نے یہیں قیام کیا اور کتاب و سنت کی دعوت و تبلیغ سے جڑ گئے۔ فوجی کمانڈروں نے واپس جاتے وقت کچھ لوگوں کو دعوت و تبلیغ کے لئے چھوڑ دیا۔ انہیں مجاہدین نے بعد میں داعی اور مناد بن کر کتاب و سنت کی خوب خوب اشاعت کی۔ لوگوں نے ان کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا اور وہ بھی عامل کتاب و سنت اور اس کے داعی و مناد بن گئے۔

گجرات، پٹن، سندھ، کیرالہ، مالابار، بھج، کچھ وغیرہ کے ساحلی علاقے، اسی طرح کوچین، احمد آباد، برہان پور وغیرہ علاقوں میں دین اسلام کی اشاعت ان کے ذریعہ اور ان مسلم تجار کے ذریعہ ہوئی، جو بغرض تجارت آمدورفت رکھتے تھے، یہ حضرات تجارت کے ساتھ دعوت و تبلیغ بھی کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان تجار عرب نے ساحلی علاقوں میں اپنی نوآبادیاں بسالیں، عارضی طور پر آباد ہو گئے۔ ان کی دعوت و تبلیغ، نیز ان کے اخلاق و کردار اور اسوہ حسنہ سے متاثر ہو کر لوگ داخل اسلام ہونے لگے۔ چنانچہ محمد بن قاسم کے بارے میں تاریخ میں لکھا ہے کہ وہ جب ہندوستان سے واپس جانے لگے تو لوگ دھاڑیں مار مار کر روتے تھے کہ آپ واپس نہ جائیں، آپ تو امن کے پیامبر ہیں۔

ممبئی میں اسلام کی آمد: شہر ممبئی جو آج کل عروس البلاد کے نام سے معروف ہے، اس کا وجود ڈیڑھ ہزار سال سے بھی پہلے سے ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں عثمان بن ابوالعاص ثقفی، حکم بن ابوالعاص ثقفی اور مغیرہ بن ابوالعاص ثقفی اخوان میں سے اول الذکر تین بار جہاد کی غرض سے ہندوستان آئے، ثانی الذکر نے تھانہ (ممبئی) بھڑوچ تک اسلامی پرچم لہرایا۔ آپ مجاہد ہونے کے ساتھ ایک اچھے محدث بھی تھے۔ یہ اسلامی فوجی کمانڈر جن علاقوں کو اپنی تحویل میں لیتے، واپسی میں ان کے رشد و ہدایت اور ان کے فکر و فہم کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے مبلغ چھوڑ جاتے تھے۔ آج تھانہ، بھڑوچ، اور ان کے مضافات کے علاقے ممبئی وغیرہ کے لوگوں نے انہیں کی دعوت و تبلیغ کی بدولت کتاب و سنت سے آشنا ہو کر دین اسلام کو قبول کیا۔

مشہور شافعی عالم دین شیخ مخدوم ماہمی (۸۳۵ھ) صاحب ”تبصیر الرحمن و تبصیر الرحمن“ اور شیخ مخدوم اسماعیل فقہی (۴۴۹ھ) شیخ زین الدین (۹۳۸ھ) صاحب ”فتح المعین“ ان ساحلی علاقوں کے مشہور عالم دین ہیں۔ شیخ مخدوم ماہمی نے ممبئی میں ماہم کے علاقہ میں قیام کیا اس لئے مہائمی کہلائے۔ افسوس صد افسوس! آج ان کی قبر ماہم میں شرک و بدعت کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ ممبئی اور ساحلی علاقوں میں دین اسلام کی وسعت انہیں بزرگان باصفا کی دعوت و تبلیغ کی بدولت ہوئی۔ ممبئی کی قدیم مسلم آبادی اسی وجہ سے شافعی مسلک ہیں۔ (تفصیلی معلومات کے لئے ہدایہ اور فتوح البلدان کو دیکھیں)

ممبئی میں تحریک شہیدین اور ان کی دعوت: ۱۸۲۰ء کے آس پاس سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کا قافلہ رائے بریلی سے حج کے ارادہ سے ممبئی پہنچا۔ دوران سفر مختلف مقامات پر قیام کر کے دعوت و تبلیغ کا فریضہ بھی انجام دیا۔ شاہ صاحب کے وعظ و ارشاد خالص کتاب و سنت کی روشنی میں مدلل ہوتے تھے۔ جس مجلس میں وعظ کہتے پورا مجمع تائب ہو کر آپ کے ہاتھ پر بیعت ہو جاتا، آپ کا قیام کافی عرصہ ممبئی میں رہا۔ اس دوران پورے ممبئی شہر میں دعوت و ارشاد کا سلسلہ جاری رہا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ بہت سے مبتدعین نے اپنے عقائد کو کتاب و سنت کے مطابق ڈھال لیا اور شرک و بدعات سے توبہ انصوح کر لی۔

بنگالی مسجد اہل حدیث کی تعمیر: ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی شروعات کے بعد بچے کھچے مجاہدین نے از سر نو منظم ہو کر دعوت و تبلیغ کتاب و سنت کا خفیہ پروگرام بنایا اور انگریزوں کی نظروں سے بچتے بچاتے گروہ کی شکل میں پورے ملک میں پھیل گئے۔ ان مجاہدین کا ایک گروہ خفیہ طور پر کلکتہ سے چل کر ساحل مالا بار کے راستے ہوتا ہوا ممبئی پہنچا۔ اس گروہ کے سالار عبداللہ عرف جھاؤ میاں تھے۔ آپ کا وطن الہ آباد تھا، مگر اپنی دعوتی سرگرمیوں کا مجال بنگال کو بنایا تھا۔ آپ نے ممبئی پہنچ کر اپنے دعوتی و تبلیغی سلسلہ کو شروع کیا اور مدنی پورہ علاقہ میں ایک مسجد تعمیر کر کے اس کو مرکز تبلیغ بنایا۔ یہ مسجد آج بھی ”بنگالی مسجد“ کے نام سے موسوم مشہور ہے۔ قافلہ میں شریک اکثر افراد بنگالی تھے انہوں نے مسجد کے قرب و جوار میں بودوباش کے لئے رہائشی جھونپڑے بنا لئے۔ خورد و نوش کے لئے ذریعہ معاش سے جڑ گئے، اور مرکز توحید سے دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ الحمد للہ! آج بھی یہ مرکز توحید ممبئی میں منارہٴ رشد و ہدایت اور مرکز کتاب و سنت بنا ہوا ہے۔

مسجد اہل حدیث مومن پورہ: ممبئی میں جھاؤ میاں کے دعوتی قافلہ کے بودوباش اختیار کر لینے کی وجہ سے کلکتہ کے بنگالیوں کا بھی ممبئی میں آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان لوگوں نے ممبئی آ کر اس وقت کے حالات کے تقاضے کے مطابق سرچھپانے کے لئے جھگی اور جھونپڑی بنا کر رہنا شروع کیا۔ کچھ لوگوں نے ڈونگری محلہ میں (موجودہ مغل مسجد کے پاس) آ کر بودوباش اختیار کر لی۔ شہیدین کی دعوت و تبلیغ اور جھاؤ میاں کی تعلیم و تربیت سے یہ لوگ پہلے سے ہی عاملین بالکتاب والسنہ تھے ہی، یہاں آ کر بھی اسی کے مطابق ذکر و فکر اور عبادات و ریاضت میں مشغول ہوئے، لیکن:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

وہاں کے عاملین کفر و شرک، بدعات و سینات اور اوہام و احلام نے ان بیچاروں کا جینا حرام کر دیا۔ آخر کار ان لوگوں نے آئے دن کے مذہبی کشمکش اور کشاکش، فتنہ و فساد اور لڑائی جھگڑوں سے تنگ آ کر اس جگہ کو خیر باد کہہ کر بھائی کلہ کے علاقہ میں بودوباش اختیار کر لی۔ یہ واقعہ ۱۸۶۰ء کا ہے۔

یہ علاقہ اس دور میں ویران اور بیابان تھا۔ ان بے چارے غریب الوطن اور غریب الدیار بنگالیوں نے اس بے آب و گیاہ اور ویرانے میں آ کر ڈیرا جمایا اور جھگیاں ڈال کر رہنے لگے۔ ان میں ایک تابندہ، درخشندہ اور روز روشن کی طرح روشن شخصیت بنام ”روشن“ تھی۔ جو کہ بڑے نیک اور تقویٰ شعار تھے۔ عامل بالکتاب والسنہ تھے۔ اہالیان جماعت ان کا ادب و احترام کرتے تھے۔ وہی ان کے امیر پیر و مرشد اور سردار تھے۔ انہیں بزرگوار نے عبادت کے لئے جھونپڑے کی شکل میں گھاس پھونس اور بانس ملی کی ایک مسجد تعمیر کی، جو آگے چل کر ”لمسجد اسس علی التقویٰ من اول یوم“ کی مصداق قرار پائی۔

آں موصوف جب تک ممبئی میں رہے اس مسجد کے متولی کی حیثیت سے اس کی نگرانی اور دیکھ بھال کرتے رہے، یہاں کچھ عرصہ تک قیام پذیر رہنے کے بعد جب اپنے وطن بنگال واپس جانے لگے تو اس کی تولیت اپنے ایک مساعدا و معاون چودھری کلو بدھو کو سونپ دی۔ کافی عرصہ تک مسجد جھونپڑے کی شکل کی تھی، زمین پر گھاس، پھونس اور بھوسہ وغیرہ بچھا رہتا تھا، برسات میں جب وہ بھیگ جاتا تو

نماز کی ادائیگی میں بڑی پریشانی ہوتی تھی۔ اس لئے لوگوں نے اپنی حسب حیثیت، دامے، درمے، قدمے، ستنے آپسی تعاون سے مسجد کو قدرے بہتر شکل دے دی اور تولیت میں چودھری بدھو کے ساتھ میکوسیٹھ کو بھی شامل کر دیا۔

کچھ عرصہ کے بعد سیٹھ مدو صاحب نے اپنا ایک مکان، جو مسجد سے متصل تھا، مسجد کے نام وقف کر دیا۔ وہ مکان بھی چھپر کا تھا اور اس کی بھی حالت خستہ تھی۔ اس مکان کی اصلاح و مرمت کے لئے افراد جماعت نے ایک میٹنگ کی، آپس میں باہمی طور پر چندہ کر کے اس کی مرمت کرائی اور اس کو مسجد کی ملکیت میں شامل کر دیا۔ مسجد کے آمد و خرچ کے حساب و کتاب کی ذمہ داری اسماعیل بدھو اور منشی نجو کو سونپ کر انہیں خزانچی بنا دیا۔ نیز (۱) عبداللہ عرف میکو (۲) اسماعیل عرف بدھو (۳) سیٹھ مظہر عرف بھکن (۴) منشی عرف نجو اور (۵) عبداللہ عرف کلو (ان پانچ افراد جماعت) کو مشترکہ طور پر مسجد کی تولیت سونپ دی۔

رفتہ رفتہ جب افراد جماعت کی مالی حالت بہتر ہو گئی تو انہوں نے باہمی تعاون سے مسجد کو ایک منزلہ بنا دیا اور اس کی مملوکہ جائداد میں اضافہ کر دیا۔ چنانچہ موجودہ صورت میں مسجد کی ملکیت میں تین مکان اور کئی قطعات اراضی ہیں۔ کچھ عرصہ بعد ایک عام میٹنگ کر کے پنچنامہ کی سند کے ساتھ مسجد کی جملہ املاک کی نگرانی اور دیکھ بھال کے لئے منشی عبداللہ بن کریم اللہ، عبدالغفور بن عبدالقادر اور شیخ رمضان شہاب صاحبان کو متولی بنا کر، مسجد اور اس کی کل جائیداد کی نگرانی کا اختیار دے دیا گیا۔ ان تمام امور کے تعلق سے ۱۹۱۳ء میں ایک دستاویز تحریر کی گئی جو ایک سو سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی مسجد کے دفتر میں بحفاظت محفوظ ہے۔ مذکورہ تحریر کے نیچے امیر جماعت کے طور پر یوں تحریر ہے:

”از سردار: عبدالرزاق بن بدلی سردار

بائیکلہ اہل حدیث جماعت، رپن روڈ“

مبئی ہائی کورٹ کا فیصلہ: ۱۹۲۱ء میں مسجد کی تولیت کو لے کر جناب احمد عبدالستار فیت والا، ابراہیم فیت والا نے مسجد کی اسکیم داخل کی، جسے عالیجناب جسٹس مڈگا وک صاحب نے مورخہ ۲۳ جون ۱۹۲۷ء کو منظور دی اور اس کورٹ کے پینل نے یہ فیصلہ سنایا کہ مسجد اہل حدیث مومن پورہ کے ٹرسٹی صرف بائیکلہ اہل حدیث جماعت مومن پورہ کے ممبر ہوں گے۔ اور ٹرسٹیان کے نام یہ ہیں: (۱) عبدالشکور شہاب جی (۲) خدا بخش (۳) عبدالرزاق منشی عبداللہ (۴) محمود انصاری شکر اللہ (۵) عبدالخالق مبارک (۶) محمد اسحاق عبداللہ (۷) حاجی یار محمد نصیر۔

مسجد کی تعمیر نو: یہ مسجد شہر کی ایک قدیم تاریخی مسجد ہے، اور توحید و سنت کی اشاعت کا اہم مرکز ہے۔ یہ مسجد جب نمازیوں کی کثرت تعداد سے تنگ دامانی کا شکار ہو گئی، تو حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ اور جماعت کے دیگر مخیر حضرات شیخ محمد علی بجاش، حاجی پچوعلی، حاجی عیسیٰ سیٹھ، حاجی اسحاق سیٹھ، یعقوب عدن والا، اس وقت کے صدر ٹرسٹ بورڈ محمد یعقوب عبدالحفیظ، عبدالعزیز محمد ابراہیم، عبدالحمید حاجی باب اللہ، تعمیر کمیٹی کے خزانچی عبدالجید حاجی بشیر اور محلے کے پیر و جوان، مرد اور عورت کے بھرپور تعاون سے ۱۵ فروری ۱۹۷۰ء کو اس کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور ۲۱ نومبر ۱۹۷۱ء کو نئے رنگ و روپ اور شکیل و وجہہ صورت میں بن کر تیار ہوئی، جو آج ہماری نظروں کے سامنے ہے۔

مسجد کے زیر انتظام قائم شعبہ جات:

(۱) مدرسہ سلفیہ: شہر کا بہت قدیم مدرسہ ہے، اس کا پرانا نام ”مدرسہ ضیاء العلوم“ تھا جو اب مدرسہ سلفیہ کے نام سے مشہور ہے۔

اس میں علاقہ کے طلباء و طالبات کو قرآن مجید ناظرہ اور دینیات کی تعلیم دی جاتی ہے، اس وقت مدرسہ میں تین سو کے قریب طلباء و طالبات زیر تعلیم ہیں۔ اس وقت نو (۹) اساتذہ تعلیمی خدمات پر مامور ہیں۔ سرکاری اسکولوں کے تعلیمی اوقات کی رعایت کرتے ہوئے مدرسہ میں تین شفٹ میں تعلیم دی جاتی ہے۔

(۲) شعبہ حفظ: اس شعبہ میں تقریباً ۲۰ طلباء داخل ہیں جو حفظ و تجوید کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، حافظ محمد شاہد صاحب اس فریضہ کو بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں۔

(۳) تعلیم بالغان: اس شعبہ میں بعد نماز عشاء درس کے بعد بڑے بزرگوں اور نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ ہوتا ہے۔ لوگ دینی مسائل کو سمجھتے ہیں علماء ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔

(۴) سلفیہ کلینک: یہ ایک چیریٹی کلینک ہے، جو مسجد کے زیر انتظام چلتا ہے۔ عرصہ تیس سال سے قائم ہے۔ اس میں غریب، نادار اور بے سہارا مریضوں کا معمولی فیس لے کر علاج کیا جاتا ہے۔ ہر مرض کے تعلق سے اس کے ماہر ڈاکٹرس کی خدمات حاصل ہیں۔ اس کلینک سے روزانہ کم و بیش ایک سو مریض فائدہ اٹھاتے ہیں، مریضوں کی بڑھتی تعداد کے پیش نظر ایک منزل اوپر تعمیر کر کے مزید ڈاکٹرس کا اضافہ کیا گیا ہے۔

یہ کلینک مسجد کے قریب لب سڑک ہونے کی وجہ سے قرب و جوار کے علاوہ دور دور سے بھی لوگ آتے ہیں۔

(۵) بیت المال: یہ مسجد کے زیر انتظام چلائے جانے والے اہم شعبوں میں سے ایک ہے۔ اس کی اہمیت اور افادیت سے ہر کوئی واقف ہے۔ اس بیت المال سے ایک سو سے زائد غریب و نادار گھرانوں میں ماہانہ وظائف تقسیم کئے جاتے ہیں۔ اس طرح ماہ رمضان المبارک میں پانچ سو نادار خاندان کو فطرہ کی رقم پہنچائی جاتی ہے۔ دیگر ضرورت مندوں کی اس سے ضرورت پوری کی جاتی ہے۔

(۶) ریلیف فنڈ: یہ بھی مسجد کا ایک اہم شعبہ ہے۔ ناگہانی آفت و مصیبت سے متاثر لوگوں کے لئے ہنگامی طور پر ریلیف فنڈ اکٹھا کر کے ان کی مدد کی جاتی ہے۔ نیز مسافروں کے خورد و نوش اور ان کی اہم ضروریات کی تکمیل کی جاتی ہے۔

(۷) سحری اور افطاری: مسجد کے زیر نگرانی رمضان المبارک میں ڈیڑھ دو سو روزہ داروں کے لئے روزانہ افطار کا نظم کیا جاتا ہے۔ آخری عشرہ میں سحری کا بھی انتظام کیا جاتا ہے۔

(۸) شعبہ دعوت و تبلیغ: اس شعبہ کے تحت مختلف علاقوں میں ہفتہ واری، پندرہ روزہ اور ماہانہ اجتماع اور خطابات کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ باہر سے تشریف لائے علماء سے وقت طے کر کے مناسب علاقوں میں ان کے خطابات رکھے جاتے ہیں، مختلف مساجد میں انہیں خطبہ جمعہ کا موقع دیا جاتا ہے۔ نیز خواتین کے لئے ہفتہ واری اجتماع ہوتا ہے جس میں علاقہ کی خواتین پابندی سے شرکت کرتی ہیں۔ ان کے درمیان کتاب و سنت کی روشنی میں خواتین کے تعلق سے مسائل پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ یہ سلسلہ پابندی سے جاری ہے۔

(۹) اسلامی کوئیز: اس شعبہ کے تحت سال میں ایک مرتبہ اس کا نظم کیا جاتا ہے، سیرت نبوی، تاریخ اسلام، سیرت صحابہ اور دیگر اسلامی احکام و مسائل پر سوال و جواب تیار کر کے تقسیم کئے جاتے ہیں، پھر انعامی مقابلہ کا انعقاد کیا جاتا ہے اور تشجیحی انعامات دیئے جاتے

ہیں۔ اس سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ طلباء کے اندر دینی معلومات کا اضافہ ہوتا ہے اور احکام و مسائل کی جانکاری ہوتی ہے۔
(۱۰) اسلامی لائبریری: مسجد میں ایک لائبریری ہے، اس میں تاریخ و سیر، قرآن مجید کی مختلف تفاسیر نیز احادیث کی شرحیں ہیں، نیز اسلامیات پر مشتمل کتب ہیں۔ ضرورت کے مطابق مصلیان ان سے استفادہ کرتے ہیں۔

(۱۱) تبلیغی پوسٹر و کتابچے: اس میں اسلامی مہینوں میں ہونے والے شرک و بدعات نیز موسمی عرسوں اور میلوں کے خلاف کتاب و سنت کی روشنی میں کتابچے، پمفلٹ، فولڈر اور اشتہارات چھپوا کر تقسیم کئے جاتے ہیں۔

(۱۲) شعبہ تعمیر و اصلاح: اس شعبہ کے تحت بوقت ضرورت مسجد کی اصلاح و مرمت کا کام ہوتا رہتا ہے۔ ۱۹۷۱ء میں تعمیر جدید کے بعد اس کی ٹائلیں جا بجا اکھڑ گئیں، فرش ٹوٹ گئی، کھڑکیاں بوسیدہ ہو گئیں، ان سب کی نئے سرے سے مرمت کی گئی۔ لاؤڈ اسپیکر، ایکہلی فائر، تاروں کی وائرنگ وغیرہ کی حسب ضرورت مرمت یا تبدیلی کا کام جاری رہتا ہے۔ مسجد کے نام وقف املاک کمروں کی بھی مرمت کا کام موقع بموقع ہوتا رہتا ہے۔

(۱۳) حج سروس: یہ شعبہ کافی عرصہ سے قائم ہے۔ اس کا مقصد عازمین حجاج کرام کو سہولیات بہم پہنچانا ہے اسی لئے یہاں سے حج کے لئے درخواست فارم مفت تقسیم کئے جاتے ہیں۔ فارموں کو صحیح طریقے سے پر کیا جاتا ہے۔ حج سے متعلق جملہ اصول و ضابطوں اور سرکاری شرطوں سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ حج کی ادائیگی کا سنت کے مطابق طریقہ کیا ہے؟ اس تعلق سے تدریسی پروگرام کئے جاتے ہیں، جن میں علماء کرام کتاب و سنت کے مطابق حج کرنے کے طریقے کی تعلیم دیتے ہیں۔ اس کمیٹی کی طرف سے ایام حج یا مبارک مہینوں میں کتابچے، پمفلٹ اور پوسٹرس تقسیم کئے جاتے ہیں۔ الحمد للہ! یہ شعبہ ایک عرصہ سے اپنے مجال میں سرگرم عمل ہے۔

(۱۴) دارالافتاء: اس شعبہ کی نگرانی مسجد کے امام صاحب کے ذمہ ہے جو انتہائی ذمہ داری سے آئے ہوئے استفتاء کا قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دینے کے پابند ہیں۔

(۱۵) مستقبل کے عزائم: مسجد اہل حدیث مومن پورہ اور اس کے موقوفہ جانداد کے تعلق سے مستقبل میں ٹرسٹیان کے کچھ عزائم ہیں۔

(۱) سلفیہ کلینک کو وسعت دے کر سلفیہ جنرل ہاسپٹل بنانا، نیز اس میں زچہ بچہ خانہ (میٹرنٹی) کھولنا۔

(۲) ملاڈ کی وقف منزل کی ڈیولپمنٹ کے لئے کوشش کرنا۔

(۳) مسجد میں سولار سسٹم لگانے کا ارادہ۔

(ماخوذ از: علامہ داؤد راز رحمہ اللہ حیات و خدمات صفحہ ۱۴-۲۰)



جمعیت اہل حدیث بھینڈی مہاراشٹر

نام جمعیت: جمعیت اہل حدیث ٹرسٹ بھینڈی

سن تاسیس: ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۲ء

مؤسس: مولانا عبدالصمد شرف الدین رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۹۶ء)

پس منظر: بھینڈی ایک تاریخی شہر ہے جو قدیم زمانے سے مختلف تہذیبوں کا گہوارہ رہا ہے خاص طور پر اپنی پارچہ بانی یعنی کپڑوں کی صنعت کے لئے مشہور و معروف ہے۔ یہاں صحابہ کرام کے قافلے بھی تھانہ ساحل سے ہو کر آیا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے اسلام کی آمد کی تاریخ یہاں بے حد قدیم اور اہم ہے۔ مرور زمانہ کے ساتھ صحیح اسلام کی صورت بدلنے کی وجہ سے شرک و بت پرستی اور پیری مریدی اور قبر پرستی کا غلبہ ہوتا چلا گیا تا آنکہ رب العالمین نے شیخ عبدالصمد کے والد شرف الدین نرول کو یہ توفیق دی کہ توحید و سنت کی دعوت عام کریں اور اس طرح ۱۸۸۵ء میں خاص طور پر یہاں آپ کی دعوت کے اثرات اور منہج سلف پر گامزن قافلہ توحید کا وجود کچھ مستحکم ہوتا ہوا نظر آنے لگا۔ اور پھر ایسی باد بہاری چلی کہ بعد میں تو آپ کے صاحبزادے مولانا عبدالصمد شرف الدین نرول و اہل خاندان، شیخ خلیل، شیخ عبدالکیم، اور بعد کے سنہرے ادوار میں مولانا مختار احمد ندوی اور شیخ عطاء اللہ امینی کے ذریعہ اس قافلے کو مکمل مضبوطی حاصل ہوئی اور دعوت کا کام منضبط ہوتا چلا گیا۔ اور آج بحمد اللہ اسی قافلہ سلف کے جہد مسلسل اور نیک اسوہ پر عبدالحمید بھائی اور مولانا مطیع الحق سلفی و دیگر ذمہ داران جماعت کی سرکردگی اور علماء و دعاۃ کی محنتوں سے یہ شہر گلزار توحید و سنت بن چکا ہے اور پوری آب و تاب سے سلفیت کے فروغ اور مسلک حق کے دفاع میں اپنی بساط بھر جادہ پیمائی جاری کئے ہوئے ہے۔ اللہم زد فزد۔ خاکسار راقم کو بھی ۲۰۰۱ء سے لے کر آج تک اس قافلہ کی ہمہ گیر دعوتی کار اور اس کی نشرو اشاعت اور استحکام میں حصہ داری کا شرف حاصل ہے۔ رب العالمین محنتوں کو قبول فرمائے۔

بھینڈی میں دعوت اہل حدیث کے مختلف ادوار: تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو بھینڈی میں دعوت اہل حدیث اور منہج سلف کی تخم ریزی اور اس کے استحکام کو مختلف ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) دور اول: ۱۸۸۵ء سے ۱۹۱۰ء (کل پچیس سال)، یہ دور شیخ شرف الدین نرول الکنیتی کا عہد ہے جس میں انہوں نے خود بریلویت سے توبہ کی اور بھینڈی میں دعوت توحید کے علمبردار رہے اور مختلف خاندانوں میں توحید کی دعوت نشر کی اور اپنے مشن میں کامیاب رہے۔ خطیب، ہانی اور مدعو خاندانوں نے اسے قبول کیا اور اس طرح توحید و سنت کا ایک مضبوط قافلہ یہاں وجود میں آ گیا۔ ۱۹۲۰ء میں شیخ شرف الدین بھینڈی سے بھنڈی بازار چلے گئے اور یہاں کتابوں کی تجارت شروع کر دی۔

(۲) دور ثانی: ۱۹۱۰ء سے ۱۹۳۷ء آزادی وطن تک، اس دور میں دعوت توحید اور مسلک سلف کے فروغ کے لئے ملک کے

مختلف علاقوں بالخصوص یوپی و بہار سے علماء کی آمد شروع ہوئی اور اس طرح تبلیغ کا سلسلہ جاری و ساری رہا، لوگ مسلک سلف کی طرف راغب ہوتے رہے۔ اس عہد میں مولانا فرزند احمد بہاری مولانا اشرف و دیگر کی جہود و مساعی کا ذکر جمیل ملتا ہے۔

(۳) دور ثالث: ۱۹۴۷ء تا قیام جمعیت ۱۹۷۲ء، اس دور میں مشہور محقق اور عالم شیخ عبدالصمد شرف الدین کی کاوشیں اور محنتیں لائق تذکرہ ہیں۔ آپ آزادی وطن کے بعد ممبئی سے واپس اپنے وطن بھونڈی آگئے اور یہاں دعوت توحید سے وابستہ ہو گئے۔ ایک پریس قائم کیا اور الدار القیمہ نام کی مسجد بھی بنائی جو کہ مسلک اہل حدیث اور جماعتی تنگ و تازکی آماجگاہ تھی۔ آپ کے ساتھ اس مشن کو مضبوط کرنے میں جماعت کے معروف عالم دین مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ و دیگر اکابرین اہل علم کا بھی ذکر ملتا ہے جو کہیں نہ کہیں دعوت و تبلیغ اور اجلاس و کانفرنسوں کے واسطے سے بھونڈی وارد ہوا کرتے تھے۔ خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف جھنڈاگری نے بھی اس فترے میں اپنی آمد اور تقریروں کا ذکر فرمایا ہے۔

(۴) دور رابع: ۱۹۷۲ء تا ۲۰۰۳ء، اس عہد کو بھونڈی جماعت اہل حدیث کا دور استحکام کہا جاسکتا ہے کیونکہ اسی میں جمعیت کا باقاعدہ قیام عمل میں آیا اور منظم طریقے سے دعوت حقہ کے فروغ کے لئے پروگرام بنایا گیا، مساجد کا جال پھیلا اور مکمل طریقے سے جماعت کو استحکام ملا۔ واقعہ یوں ہے کہ وقت کی ضرورت اور جماعت کی بے چینوں اور دعوتی کام کے انتشار کو دیکھتے ہوئے مولانا عبدالصمد شرف الدین نے یہ محسوس کیا کہ ایک مجلس منعقد کی جائے اور منظم طریقے سے دعوت کے لئے پلیٹ فارم تیار کیا جائے چنانچہ شہر کے رؤسا و اعیان کی مشاورتی میٹنگ ہوئی اور ۸ اکتوبر ۱۹۷۲ء کو جمعیت اہل حدیث بھونڈی کی تشکیل عمل میں آئی جس میں پہلے پہلے یہ عہدیداران منتخب کئے گئے۔

۱۔ صدر: مولانا عبدالصمد شرف الدین صاحب، ۲۔ نائب صدر: ڈاکٹر محبوب حسن، ۳۔ ناظم: عبدالوہاب ہانی، ۴۔ نائب ناظم: جاوید فرید، ۵۔ خازن: محمد قاسم سمرو۔

چنانچہ باضابطہ مولانا عبدالصمد صاحب رحمہ اللہ کی سرپرستی میں آفس کا قیام ہوا۔ آفس سکرٹری مولانا عطاء اللہ امینی منتخب کئے گئے اور مولانا مختار احمد ندوی کے ہاتھوں اس کا افتتاح ہوا۔ اور اس طرح ایک منظم قافلہ رواں دواں ہو گیا۔ بعد میں ۱۹۸۲ء میں مولانا عطاء اللہ امینی کو صدر منتخب کیا گیا۔ اور آپ ۲۰۰۳ء تک عہدہ صدارت پر فائز رہے۔ آپ کے عہد میں بھونڈی جماعت خوب پھلی پھولی، پروان چڑھی، دروس و خطابات کے پروگرام ہوتے رہے۔ باہر سے آنے والے علماء و دعاۃ کی پذیرائی ہوئی اور اس طرح بہت ہی کامیابی کے ساتھ یہ کارواں امینی صاحب کی قیادت میں فروغ سلفیت کے لئے کوشاں رہا۔ مسجدیں آباد ہوئی، ذہن ہموار ہوئے اور پاپلسی مچ گئی اور مختلف دعوتی و تعلیمی کام جمعیت کی نگرانی میں انجام پذیر ہوتے گئے۔ قیام جمعیت کے ایک سال بعد ماہ دسمبر ۱۹۷۳ء میں ایک شی دینی و اصلاحی اجلاس بھی منعقد ہوا۔ جس میں جماعت کے نامور علماء شارح بخاری علامہ داؤد راز دہلوی، مفسر قرآن مولانا عبدالقیوم رحمانی بستوی جیسے اساطین علم کے خطابات ہوئے۔ ۷۹-۸۰ء کے درمیان جمعیت کی سرکردگی میں اقصیٰ اسکول کے لئے زمین کی خریداری ہوئی۔ اور احباب جماعت کے تعاون سے اس پر تعمیری کام شروع ہوا جو آج بھی بجز اللہ جاری

وساری ہے، ہزاروں بچیاں یہاں علمی تشنگی بجھا رہی ہیں۔ اس طرح النور اسکول بھی اسی کی شاخ اور احباب جماعت کی محنتوں کا نتیجہ ہے۔ ۱۹۸۴ء میں ایسوسی ایشن سروس شروع کی گئی اور یہ چلتی رہی، ۸ سال بعد اسے کچھ ناگزیر وجوہات کی وجہ سے بند کرنا پڑا۔ اس عہد میں سب سے بڑا کام جمعیت دفتر کے لئے بلڈنگ میں چند کمروں کی خریداری ہے، ۱۹۹۳ء میں غوری پاڑہ میں ایک بلڈنگ کے چند کمرے جمعیت کی آفس کے لئے خریدے گئے جو آج دارالمطالعہ، آفس، لائبریری مہمان خانہ کے ساتھ موجود ہے اور بھینڈی جمعیت کے تمام تعلیمی و دعوتی کاموں کا ایک حسین مرکز اور پاور ہاؤس ہے۔ اس عہد میں مولانا عبدالصمد کے بعد ڈاکٹر محبوب، ڈاکٹر محمد خطیب اور مولانا عطاء اللہ امینی و دیگر احباب و اخوان کی کاوشوں سے جمعیت کا دعوتی مشن آگے بڑھتا رہا۔ اللہ غریق رحمت فرمائے مولانا عطاء اللہ امینی کو جنہوں نے مولانا عبدالصمد شرف الدین کی رفاقت اور ان کے علم و تجربات سے فائدہ اٹھا کر جمعیت کو اعلیٰ مقام عطا کرنے اور بلندیوں تک پہنچانے میں کافی اہم رول ادا کیا۔ آج بھی بہت سارے جماعتی کام انہیں کے خطوط پر انجام پارے ہیں۔

(۵) دور خامس: ۲۰۰۳ء تا ۲۰۲۰ء اور تاحال جاری ہے۔ اس دور کو بھینڈی جمعیت کا سنہری دور کہا جاسکتا ہے۔ مولانا عطاء

اللہ امینی صاحب کی طویل خدمات کے بعد جب ۲۰۰۳ء میں بھینڈی جمعیت کا دوبارہ انتخاب عمل میں آیا تو ایک نئی باڈی بنی جس میں جماعت کے فعال رکن جناب عبدالحمید بھائی کو امیر و صدر اور مولانا مطیع الحق سلفی صاحب کو سکریٹری منتخب کیا گیا۔ یہ باڈی بالخصوص اس کے امیر و ناظم جماعت کے لئے نیک فال ثابت ہوئے۔ اپنی شبانہ روز محنتوں اور پوری جماعت کے ساتھ تال میل اور ملکی و صوبائی سطح پر اپنے روابط اور اثر و رسوخ سے انہوں نے بھینڈی جمعیت کو چار چاند لگا دیا۔ آج پورے ملک میں جمعیت اہل حدیث بھینڈی کے کار کو بنظر تحسین دیکھا جاتا ہے۔ جامعۃ التوحید سے لے کر مختلف مساجد کی نگرانی و تعمیر، منظم بیت المال کے کارہائے نمایاں، ریلیف فنڈ کی تقسیم، شعبہ دعوت و تبلیغ کے تحت مختلف مساجد میں درس، خطابات و خطبات جمعہ، ماہانہ و سالانہ اجتماعات، رمضان المبارک کی مناسبت سے صدقات فطر کی وصولی اور غرباء و مستحقین میں راشن کی تقسیم اور اس طرح کے بے شمار تعلیمی، دعوتی و رفاہی اور سماجی کام ہیں، جو جمعیت کی نگرانی میں جاری و ساری ہیں۔ یہ فترہ جماعت کے اتحاد و اتفاق اور باہمی ربط و ضبط نیز جماعتی کاموں کی وسعت، تعلیمی ادارہ جامعۃ التوحید کے قیام، سرپرستی اور ذمہ داری نیز ملک و بیرون ملک کے اساطین اہل علم سے جمعیت کو جوڑنے اور ان کی علمی صلاحیتوں اور دعوتی تجربات سے فائدہ اٹھا کر مشن کو مضبوط کرنے، متعدد مساجد کے قیام اور اس کے عظیم سلسلہ کی بقا اور استحکام اور ہمہ جہتی دعوتی اجتماعات و مجالس جیسے عظیم کاموں کے لئے ایک عہد زریں مانا جاسکتا ہے۔ آج بھینڈی جمعیت صرف ایک شہری جمعیت نہیں بلکہ ملک میں قائم کئی صوبائی جمعیتوں کے ہم پلہ بلکہ اس سے بلند و بالا ہے۔ اللہ ان نیک جہود و کاوشوں کو قبول فرمائے اور ہم سب کو خلاص و اللہیت عطا فرمائے اور جمعیت کو مزید استحکام عطا فرمائے۔

مراجع: (۱) تعارف نامہ جمعیت بھینڈی (۲) ریکارڈ مرکز تاریخ اہل حدیث انڈیا بڑھنی بازار سدھارتھ نگر، (۳) تاریخ اہل

حدیث بھینڈی عبدالودود صدیقی، (۴) مضمون مرسلہ شیخ ریاض احمد سلفی، (۵) ذاتی معلومات و استفسارات۔





مولانا ولایت علی صادق پوریؒ

مختصر سوانح حیات

(وفات نومبر: ۱۸۵۲ء)

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیائی

مولانا ولایت علی بن فتح علی (۱۲۰۵ھ/۱۷۹۱ء) میں ہندوستان کے مشہور قصبہ صادق پور کے ایک زبیری خاندان میں پیدا ہوئے۔ ”صادق پور شہر عظیم آباد پٹنہ (بہار، ہند) کا ایک محلہ ہے۔ یہاں کا ایک ہاشمی (زبیری) خاندان عرصہ دراز سے علم و فضل میں ممتاز رہا۔ حضرت سید احمد شہیدؒ نے جب علم جہاد بلند کیا تو اس خاندان کے ایک ممتاز فرد مولانا ولایت علی متوفی (۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء) لپیک کہنے والوں کی صف اول میں تھے۔ پھر ان کی تبلیغ سے پورا خاندان اس دعوت کا علم بردار ہو گیا اور اس سلسلے میں ان لوگوں نے وہ کچھ کر دکھایا جو رہتی دنیا تک یاد رہے گا۔“

ہرگز نہ میرد آنکہ دش زندہ شد بہ عشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما!

۱۲۸۶ھ (۱۸۷۱ء) تک حکومت (انگریزی) کے داروگیر کے باوجود مسلسل چالیس سال تک صادق پور والوں نے جہاد کا علم سرنگوں نہیں ہونے دیا۔ پھانسی، جلا وطنی، جس دوام، ضبطی اور ہر قسم کی ممکن اذیتیں دی گئیں۔ لیکن یہ اللہ کے بندے راہ حق سے نہ ہٹے۔“ (مولانا سندھی کے افکار پر ایک نظر، ص: ۵، ۶)

تحصیل علم: ابتدائی تعلیم اپنے شہر کے علماء سے حاصل کی۔ پھر لکھنؤ گئے۔ جہاں ہر علم کے فاضل اساتذہ سے درسیات کی تکمیل کا مرحلہ طے کیا۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب شہیدؒ سے حدیث پڑھی۔ ان ہی ایام میں مولانا شہیدؒ کی تحریک اصلاح و جہاد میں شامل ہو گئے اور حضرت سید احمد شہیدؒ سے جہاں پر بیعت کر لی۔

شوق جہاد: تکمیل علوم کے بعد وطن میں آ کر تدریس، تبلیغ اور اصلاح میں مشغول ہو گئے۔ جب اساتذہ اور امام نے یاغستان کی طرف جہاد کے لئے کوچ کیا تو ان کے ساتھ ہو لیے اور کافی مدت وہاں رہے۔ چونکہ حضرت، سید صاحبؒ کے خاص معتمد علیہ تھے۔ اس لیے ایک دفعہ کابل کی سفارت پر ان کو بھیجا گیا۔ پھر سید صاحب کی رائے ہوئی کہ آپ بہ غرض تنظیم و تبلیغ حیدرآباد دکن کے علاقے میں جائیں۔ اگرچہ آپ کے لیے میدان جہاد سے جدائی مشکل تھی۔ لیکن امیر کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے دکن کی طرف روانہ ہو گئے۔ کافی مدت مفوضہ فرائض جانفشانی سے سرانجام دیئے۔ دعوتی نقطہ نظر سے یہ دورہ نہایت کامیاب رہا۔ حیدرآباد دکن کے دوران قیام ہی بالا کوٹ کے میدان میں استاذ و امام دونوں کے شہید ہو جانے کی خبر ملی، تو واپس صادق پور آ گئے۔ تحریک کو ہاتھ میں لینا پڑا۔ امیر

جماعت مجاہدین ہو کر ساری قوت مجتمع کی اور سرحد پار ستھانہ یا غستان روانہ ہو گئے اور انگریزوں اور سکھوں سے جہاد شروع کر دیا۔
سفر حج اور سند حدیث: غالباً ۱۲۲۸ھ میں حج پر چلے گئے۔ حج کے بعد ممالک عربیہ کی سیاحت کے لئے نکل گئے۔ اسی سفر میں مشہور مفتی احناف شیخ عبداللہ سرانج مکہ معظمہ اور یمن کے نامور محدث قاضی شوکانی (۱۲۵۰ھ) سے علم حدیث کی اسناد و اجازت حاصل کی۔ آخر الذکر نے فقہ الحدیث میں تالیف کردہ اپنا ایک مختصر متن ”الدرر البہیہ“ بھی عنایت فرمایا۔

مراجعت وطن اور جہادی سرگرمیاں: سفر سے واپس آ کر اپنے بھائی مولانا عنایت علی متوفی (۱۲۷۴ھ) کو سرحد پار جہادی مہم پر بھیجا اور کچھ دنوں بعد خود بھی ۱۲۶۲ھ (۱۸۴۶ء) میں ایک لشکر لے کر پہنچ گئے اور کمان اپنے ہاتھ میں لے لی۔ یہ جنگ گلاب سنگھ راجہ کشمیر سے لڑی جا رہی تھی۔ جس کی پشت پر انگریز تھے۔ آپ کی سرکردگی میں گلاب سنگھ کو شکست فاش ہوئی اور میدان مجاہدین کے ہاتھ رہا۔ لیکن راجہ کو انگریزوں نے پناہ دی اور صاف طور پر سامنے آ گئے۔ مولانا کو گرفتار کر لیا اور لاہور لے آئے۔ اس کے بعد دو سال کے لئے آپ کو صادق پور میں نظر بند کر دیا۔ نظر بندی کی مدت میں بھی تدریس اور وعظ و تذکیر میں انہماک برابر رہا۔ مگر مدت نظر بندی ختم ہوتے ہی ہجرت کر کے سرحد پار پہنچ گئے۔ جہاں تلقین ذکر اور فنون حربیہ کی تعلیم کے علاوہ انگریزوں سے لڑائی لڑنے کی تیاریاں بھی برابر کرتے رہے۔

مسئلہ: عمل بالحدیث سے والہانہ شغف تھا۔ حدیث صحیح، صریح غیر منسوخ کے مقابلے میں کسی مذہب کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ بنا بریں آئین بالجہر اور رفع الیدین وغیرہ مسائل پر عامل ہو جانا قدرتی تھا۔ ایک بار فرقہ مقلدین (احناف) نے ایک جید عالم مولانا محمد فصیح صاحب غازی پوری (۱۲۸۵ھ) کو اہل حدیث سے متذکرہ مسائل اور تقلید پر مناظرہ کے لئے بلا لیا۔ اہل حدیث کی طرف سے آپ نے کامیاب مناظرہ کیا جس میں خاص خاص لوگ ہی موجود تھے۔ مولانا نے اثنائے گفتگو جو الگ کمرے میں ہو رہی تھی فرمایا: ”یہ متفقہ اصول ہے کہ اگر کوئی حنفی کسی حدیث صریح غیر منسوخ کو دیکھ کر خلاف امام ابوحنیفہؒ اس پر عمل کرے تو وہ مذہب حنفی سے خارج نہیں ہوتا بفقوای قول امام اتر کو اقولی بخبر الرسول (میرا قول، حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ترک کر دو) یہ رفع الیدین اور آئین بالجہر سنت ہیں جن کا سنت ہونا بعض حنفیہ کے نزدیک بھی ثابت ہے۔ بعد اطمینان مولانا محمد فصیحؒ یہ اعلان کرتے ہوئے کہ ”یہ لوگ (اہل حدیث) حق پر ہیں“ مولانا کے مخلص مریدوں میں شامل ہو گئے۔ (سوانح احمد، ص: ۲۱۸)

مولانا محمد جعفر تھانیسری (۱۹۰۵ء) لکھتے ہیں: ”ہندوستان میں عمل بالحدیث کا چرچا اسی (مولانا ولایت علیؒ) کے گھر سے شروع ہوا۔ یہ لوگ کل مسائل حنفیہ پر جب تک کہ مخالف کسی حدیث صریح غیر منسوخ کے نہ ہوں عمل کرتے ہیں۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ بذریعہ سلوک راہ نبوت یا ولایت کے توحید اور اتباع سنت میں پختہ ہو کر اللہ کی محبت کو حاصل کرنا چاہیے۔“ (سوانح احمد، ص: ۲۲۵)

مولانا محمد عبدالحی مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھتے ہیں:

كان حريصاً على اتباع السنه السنیه في كتب الحديث والسير، عاملاً بها، جامعاً بين العلم والعمل والعبادة، عالی الهمة، بعيد النظر، رابط الجاش، زاهدا في الدنيا، مقبلاً الى الله بقلبه وقلبه، قوى التأثير

کثیر الالبتهال والدعاء۔ (نزہۃ الخواطر: ۷/ ۵۲۵)

شعر و سخن: اردو اور فارسی میں نہایت عمدہ شعر فی البدیہہ کہتے تھے۔ لیکن شاعری بھی توحید و سنت کی تائید اور شرک و بدعت کی تردید میں فرمائی۔ ایک روز اثنائے وعظ میں رد شرک پر ایک نہایت عمدہ نظم فی البدیہہ کہہ ڈالی۔ سن کر لوگ تعجب سے کہنے لگے، یہ نظم کسی قدیم فارسی شاعر جامی وغیرہ کی معلوم ہوتی ہے۔ بہ طور نمونہ اس نظم کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

من نیز برادرم شمارا	فرمود رسول آشکار
نہ غوث و قطب انبیاء را	ہرگز نہ عبادتم نمائی
بر غیر مرا کجاست یارا	من مشکل خود نمی کشائم
درویش و فقیر و اولیاء را	طاقت نہ بود سوائے ایزد
تبدیل نمی کنند قضا را	کار پا کاں دعا ست لیکن
مسکین و غریب و بے نوارا	جز حق نبود کہ دست گیرد
پابند بس است یک مدارا	مخصوص بحق بود عبادت
پیش کہ بریم التجارا	غیر عزم در شاہ بندہ پرور
ہم از تو طلب کنم دوا را	ہم درد تو وادہ خدایا
تا چند گزاری آشنا را	تو مشکل دشمنان کشائی
ہرگز نہ برید ماجرا را	جز ذات خدا بہ پیش دیگر
بگذشتی در خدا را	تو بندہ بندگان چرائی
عیب است غلام با وفارا	حاجت طلبی بغیر مولا
در دوزخ و نار ساخت جارا	ہر کس کہ شریک با خدا کرد
دوزخ دائم مکن گوارا	از شرک گریز صد منازل
نشید گے ز کس ندارا	فرمود خدا کہ مردہ و کر
کاں مے شنود ز تو دعا را	فریاد کنید آن خدارا
ایں جملہ بمثل سنگ خارا	تابوت و نشان و قبر نیزہ
پر سند نہ حال کربلا را	در قبر بود سوال اعمال
شرک و کفرش گرفت پارا	عالم پہ نماز و روزہ مغرور

گیرند برائے زریا را	مشرک شدہ زاہد و مشائخ
کردند شعاع خود دغا را	صد حیف کہ عالماں ایں دہر
تبدیل کنند مدعا را	قرآن وحدیث را پپوشند
گر خواستی رہ رضا را	اے مومن پاک اے مسلمان
بگذار کلام ما سوا را	قرآن و حدیث را بنہ

(سوانح احمدی)

پرتا شیر مواعظ: وعظ بے حد پرتا شیر ہوتا تھا۔ نواب صدیق حسن خانؒ لکھتے ہیں: مولوی ولایت علیؒ نے جامع مسجد قنوج میں چند جمعہ تک وعظ کہا، مجھ سے کہہ گئے ”بلوغ المرام ضرور پڑھنا“ میں اس وقت بارہ تیرہ برس کا ہوں گا۔ اس کا مدت دراز کے بعد نتیجہ ظاہر ہوا کہ میں نے بلوغ المرام کی شرح (مسک الختام) لکھی۔ جو اثر سریع میں نے وعظ مولوی ولایت علی مرحوم میں پایا کسی کے وعظ میں دیکھنا نہ سنا۔ ان کے پاس بیٹھنے سے دل دنیا سے بالکل سرد ہو جاتا تھا اور دین کا جوش تہہ دل سے اٹھتا تھا۔ یہ مصرع میں نے انہیں سے یاد کر لیا۔

ہم طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے (ابقاء المنن، ص: ۱۲)

”بلوغ المرام“ نویں صدی ہجری کے ایک محدث حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) کی تالیف اور تقریباً دو ہزار احادیث پر مشتمل حدیث کی مختصر اور تحقیقی کتاب ہے۔ جس سے ”مولانا ولایت علیؒ کو خاص شغف تھا۔ اپنی مجالس درس قرآن مجید کے لفظی ترجمے کے ساتھ ”بلوغ المرام“ کا ترجمہ چھوٹوں بڑوں سب کو پڑھواتے تاکہ اللہ کی مرضی اور غیر مرضی سے آگاہ ہو جائیں۔“

(سرگزشت مجاہدین، ص: ۲۲۹، بحوالہ صادقہ، ص: ۱۶)

مولانا بشیر محمد صاحب تاجر کتب کراچی کے ذاتی کتاب خانے میں بلوغ المرام مترجم اردو ٹائپ کا چھپا ہوا ایک بہت قدیم نسخہ ہے۔ جو مولانا مرحوم کی ہی مساعی کا مرہون منت ہے اور اس مبارک کتاب کا سب سے پہلا اردو ترجمہ غالباً وہی ہے۔

حضرت نواب صدیق حسنؒ کی طرح حضرت میاں صاحب دہلویؒ کو بھی اپنے وطن سورج گڑھ میں حضرت کا وعظ سننے کا اتفاق ہوا۔ جس سے وہ بے حد متاثر تھے۔ (سرگزشت، ص: ۲۳۰)

اشاعتی اور تالیفی ذوق: دعوت توحید و سنت کا والہانہ عشق حضرتؒ نے اپنے استاد مولانا شہیدؒ سے ورثے میں پایا تھا۔ اس جذبے کے تحت ہی مولانا شاہ محمد اسحاقؒ (۱۲۶۴ھ) سے شاہ عبدالقادرؒ (۱۲۳۰ھ) کا ترجمہ فوائد موضح القرآن اور مولانا شہیدؒ کے رسائل حاصل کر کے طبع و شائع کرائے اور تنظیم جماعت نیز جہاد کی فوجی مہمات میں انہماک کے ساتھ خود بھی کچھ نہ کچھ لکھتے ہی رہے۔ ان میں سے شائع شدہ رسالوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ اربعین فی المہدین (عربی)، ۲۔ رسالہ رد شرک (فارسی)، ۳۔ رسالہ عمل بالحدیث (فارسی)۔ یہی جو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ ۴۔ رسالہ دعوت (اردو)، ۵۔ رسالہ تیسیر الصلوٰۃ (اردو)، ۶۔ رسالہ شجرہ با شمرہ (اردو)، ۷۔ رسالہ تبیان الشرک (اردو)۔

یہ سب رسالے مجموعہ رسائل تسعہ میں طبع ہو چکے ہیں۔ جس کو آپ کے بھتیجے مولانا عبدالرحیم صاحب صادق پوریؒ ۱۳۴۱ھ (۱۸۳۳ء) نے مطبع فاروقی دہلی میں طبع کرایا تھا۔

احیائے سنت: آپ کی ذات سے جو احیائے سنت ہوا، اس کی تفصیل کے لئے ایک دفتر چاہیے۔ عہد حاضر کے ”روشن خیال“ حضرات کو یہ چیزیں معمولی اور حقیر معلوم ہوں گی لیکن جب آج سے سو برس (سے زائد) پہلے کے حالات کا تصور کریں گے تو ان کی اہمیت معلوم ہوگی۔ اور جذبہ اتباع سنت کا صحیح اندازہ ہو سکے گا۔ (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، ص: ۵۱)

راہ جہاد میں وفات: آخری سالوں میں صادق پور سے ہجرت کر کے سرحد پار یعنی ستھانہ چلے گئے۔ وہاں تین چار برس مجاہد فوجوں کی عسکری تنظیم و تربیت میں مصروف رہے تاکہ پوری تیاری سے انگریزی حکومت سے دودو ہاتھ کریں۔ لیکن ابھی کوئی قدم اٹھانے نہ پائے تھے کہ ۲۲ محرم ۱۲۶۹ھ (نومبر ۱۸۵۲ھ) کو ۶۴ سال کی عمر میں۔۔۔۔۔ سید صاحب کی شہادت سے ۲۲ سال بعد۔۔۔۔۔ رہ گئے عالم جاودانی ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شده جائے سیرش بہ فردوس پاک (۱۲۶۹ھ) اور طاب غا ز مہاجر سے تاریخ نکلی (۱۲۶۹ھ) رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

بندہ ضعیف فانی

محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی

مدیر المکتبۃ السلفیہ، لاہور

تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہوں ● سوانح احمدی از مولانا محمد جعفر تھانیسریؒ ص: ۲۰۷-۲۶۶ (طبع فاروقی) ● نزہۃ الخواطر، ص: ۵۲۴-۵۲۵، ج: ۷ ● ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک: ۴۸-۵۶، طبع اول ● مولانا عبید اللہ سندھی کے افکار پر ایک نظر از مولانا مسعود عالم ندویؒ، ص: ۲۸-۷۶ وغیرہ صفحات ● سرگزشت مجاہدین: ۲۲۵-۲۸۱ از مولانا مہر اور رسالہ امام شوکانی از حنیف بھوجیانی، ص: ۴۷۔

(ماخوذ از مسلک حدیث اردو ترجمہ رسالہ عمل بالحدیث۔ شائع کردہ دارالدعوة السلفیہ لاہور جون ۲۰۱۳م)



آپ نہایت ہی فیاض اور سخی طبیعت کے انسان تھے، نہایت ہی خوش اخلاق اور وسیع الظرف تھے جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ قصبہ کا ہر خورد و کلاں آپ کی تعریف میں رطب اللسان تھا۔

وجہ تعلیم: بتایا جاتا ہے کہ آپ کی عمر تقریباً اٹھارہ سال ہو چکی تھی کہ ایک مولوی صاحب سے جو آپ کے محلہ میں رہتے تھے کسی مسئلہ پر بحث ہوئی تو مولوی صاحب نے تعریضاً فرمایا: ابھی جا کر پڑھو پھر مجھ سے گفتگو کرنا۔ ان تعریضی الفاظ نے موصوف کے دل پر اس قدر اثر کیا کہ فوراً آ کر اپنے والد سے تعلیم کی اجازت لی چونکہ اس زمانہ میں ریل کی سواری نہ تھی اس لئے آپ کے والد نے ایک گھوڑا اور ایک ملازم دیا چنانچہ اہل خانہ سے رخصت ہو کر دہلی تشریف لاتے ہیں، اس زمانہ میں شاہ ولی اللہ کے خاندان کا چراغ گل نہ ہوا تھا۔ شاہ اسحاق کی جانب سے فیضان علم جاری تھا، آپ انہیں کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے ہیں اور مسلسل آٹھ سال نہایت ہی انہماک سے اس یکتائے زمانہ کے چشمہ علم سے سیراب ہوتے ہیں، یہی زمانہ شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کے بھی تحصیل علم کا تھا، چنانچہ دونوں بزرگوں سے تکمیل علوم دینی کرتے ہیں اور اپنی راسخ الاعتقادی، قوت عمل اور ٹھوس تعلیم کی وجہ سے تمام شاگردوں میں امتیازی رتبہ حاصل کرتے ہیں۔

مراجعت وطن: جب آپ کی تعلیم ختم ہو گئی تو استاد سے اجازت لے کر مکان واپس آئے، آپ فرماتے تھے کہ میں نے شہر دہلی مکان سے جانے اور آنے کے وقت دیکھا، بالائے حیرت ہے کہ بے خودی شوق میں سوائے معروف کتب رہنے کے سیر تک کرنا پسند نہیں کیا۔ مکان واپس آ کر مع اہل و عیال کی زمینداری سے اس بنا پر علیحدہ ہو جاتے ہیں کہ اس میں روپیہ نہ معلوم کن کن صورتوں میں آتا ہے۔

ذریعہ معاش: اس زمانہ میں پریس نہیں تھا اور اس قصبہ میں اس وقت فارسی تعلیم کا رواج حد سے زیادہ تھا، بڑے بڑے فضلاء فارسی موجود تھے، فارسی کی تعلیم چونکہ بہت رائج تھی، اس لئے آپ نے اقتضائے وقت کے مطابق گلستان و بوستاں کو لکھ کر فروخت کرنا اپنا ذریعہ معاش بنایا، میرے والد حکیم عبدالواحد صاحب جن کی عمر اس وقت اسی (۸۰) سال سے متجاوز ہے، فرماتے ہیں کہ آپ کو فن کتابت میں اس قدر ملکہ تھا کہ ایک رات میں پوری گلستان لکھ لیتے تھے، میں سمجھتا ہوں کہ آپ اس کو انتہائی مبالغہ پر محمول کریں گے مگر میرے خیال میں کسی زودنوشت اور مشاق کاتب سے ایسا ہونا کسی حیرت و استعجاب کو جگہ نہیں دیتا، آپ نہایت غریبانہ اور درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے، آپ کی معاشرت تمام تکلفات سے معری تھی حتیٰ کہ غذا کی یہ کیفیت تھی کہ ہمارے اطراف میں ایک گھاس (بھری) جو اکثر بارش کے ایام میں اگتی ہے اکھاڑ کر لاتے اور نمک وغیرہ ملا کر بھون کر کھایا کرتے اور بچوں کو صبر و قناعت کی تعلیم دیتے۔

تقویٰ کی حالت: اگرچہ حدیث اذا دعاك اخوك فاجب کے مطابق چاہیے تو یہ تھا کہ کسی کی دعوت پر لبیک کہا جائے مگر تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جب تک آپ یہ نہ دریافت فرمائیں کہ اس شخص کا ذریعہ معاش اور دعوت کیوں دی گئی ہرگز نہ قبول فرماتے۔ ایک مرتبہ ایک بندہ نے آپ کو مدعو کیا، آپ نے جا کر دریافت کیا کہ اس شخص کا کام کیا ہے؟ چنانچہ معلوم ہونے پر فوراً واپس آئے اور فرمایا: چونکہ یہ شخص مکروہ چیز کے پینے کا آلہ بناتا ہے اس لئے ایسا کیا، نیز کسی زمیندار کی عورت نے دعوت دینے کی خواہش ظاہر کی آپ نے فوراً رد کر دیا اس لئے کہ اس میں نہ معلوم کن صورتوں سے روپیہ آتا ہے چنانچہ یہ صالحہ عورت جس کو مولانا کی دعوت دینے کا بہت شوق تھا روٹی منگا کر کاتی ہے اور پھر اسی کی مزدوری سے دعوت کا انتظام کرتی ہے، آپ بلاپس و پیش تناول فرما لیتے ہیں۔

تبلیغ عقیدہ و منہج اہل حدیث: جس طرح آپ تمام معاملات میں دین محمدی کی اتباع اور پیروی اور صحیح اصول کی پابندی کا خیال رکھتے تھے، اسی طرح عقائد میں سلف صالحین اور صحابہ کرام کے عقیدہ میں مشابہت اور مماثلت رکھتے، آپ نے تبلیغی سلسلہ میں ہمیشہ مذہب اہل حدیث کی اشاعت کی، چنانچہ قصبہ منوآئمہ میں سب سے پہلے آپ کی ذات نے ہمارے خاندان کو اس مذہب حقہ سے روشناس کرایا۔ ہمارے والد بزرگوار سے گھر انہی تعلقات تھے، کچھ دنوں منوآئمہ میں قیام فرمانے کے بعد پورب کارخ کرتے ہیں اور اعظم گڑھ منو، مبارکپور، املو، بھاگلپور، بنگال، دیناج پور، راج شاہی وغیرہ میں نور ہدایت پھیلاتے ہیں، تعلیمی سلسلہ میں انہیں منو ناتھ بھنجن میں کافی عرصہ تک رہنے کا اتفاق ہوا ہے۔ میں نے اکثر بزرگوں سے موصوف کے کارنامے اور ان کے اوصاف سنے، ان لوگوں نے کہا کہ ادھر جتنے اہل حدیث ہیں انہیں کی تبلیغ کا فیض ہے، منو ناتھ بھنجن کے محلہ بانگیچہ جو میری اقامت گاہ تھا، کے ایک صاحب حبیب اللہ نامی جو مولانا موصوف سے ملاقات کا شرف حاصل کر چکے ہیں بہت ہی تعریف کرتے ہیں اور آپ کی تبلیغی خدمات کے معترف ہیں، اگر وہ زندہ ہوں تو لوگ ان سے مزید حالات دریافت کر سکتے ہیں، دیناج پور، راجشاہی میں آپ کے کافی معتقد ہیں، سنا گیا ہے کہ وہ جھاؤ پارٹی سے مشہور ہیں اور ان کا ہر فرد سروں پر بال (پٹھا) کے رہنا لازمی سمجھتا ہے۔ محترم والد صاحب سے معلوم ہوا ہے کہ دیناج پور میں آپ نے شادی کر لی تھی جس سے اولاد نہیں پیدا ہوئی۔

میں یہ کہنے میں دریغ نہ کروں گا کہ جماعت اہل حدیث میں آپ کا نام ان مقتدر ہستیوں کی صف میں لکھے جانے کے قابل ہے جنہوں نے نہ صرف چند افراد کی اصلاح کی ہے بلکہ خاندانوں اور قبیلوں، قریوں اور قصبات کی اصلاح میں اپنے آپ کو مٹا دیا ہے اور بہت سی صعوبتیں اور مشکلات برداشت کی ہیں مگر افسوس کہ ایسی عظیم المرتبت شخصیت سے لوگ بہت کم آشنا ہیں اور اگر جانتے بھی ہیں تو اصلی وطن سے ناواقف ہیں۔

تالیف و تصنیف: جس شخص کے دل میں قوم کی اصلاح کی تڑپ ہو اور سر میں اس کے اخلاق و اعتقاد، مذہبی درستگی کا سودا سما یا ہو وہ یقیناً ایسے ذرائع اختیار کرے گا جن سے مکمل مقصد حاصل ہو۔

اس کے لئے آپ قلم اٹھاتے ہیں اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ لوگوں کو راہ راست پر لاتے ہیں اور ہر قسم کی گمراہیوں سے بچاتے ہیں، تالیف و تصنیف کے ذریعہ آپ نے جو دین کی خدمت انجام دی وہ قابل صد تحسین و ستائش ہے، اگرچہ آپ کی متعدد دلائق تصنیفیں ہیں مگر سوائے اعتصام السنہ کے دوسری کتابیں نایاب ہو چکی ہیں، ممکن ہے کہ بعض کتابیں کتب خانہ نذیریہ میں موجود ہوں۔

اولاد و مکان: منوآئمہ میں آپ کی اولاد ذرینہ کوئی نہیں، ہاں ایک نواسہ موجود ہے، رہائش کا مکان اور وہ مدرسہ جس میں تعلیم دیتے تھے ابھی تک موجود ہے جسے دیکھ کر ہماری آنکھیں آرزو مند ہوتی ہیں کہ کاش ہم بھی اس مسکن ہدایت اور منبع علم سے فیضیاب ہوتے۔

(ضیاء الدین ضیاء انصاری آئی، ۱۵ نومبر ۳، بروز دوشنبہ)

(ماہنامہ التبیان دہلی، اپریل ۲۰۱۶)



مولانا عبداللہ عرف جھاؤ میاں الہ آبادی

مولانا محمد مستقیم سلفی بنارس

آپ کا نام عبداللہ ہے اور جھاؤ میاں کے ساتھ مشہور ہوئے، آپ کے عقیدت مند اصحاب اسی نام کو زبان سے ادا کر کے شیر و شکر کا لطف حاصل کرتے تھے، موصوف قصبہ منوآئمہ کے رہنے والے تھے، یہ قصبہ شہر الہ آباد کے شمال جانب لگ بھگ بائیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ آپ کے والد ماجد کپتان تھے اور وقت کے بڑے بڑے زمینداروں میں ان کا شمار ہوتا تھا، آپ بہت فیاض و سخی تھے۔

تعلیم: جب مولانا جھاؤ میاں رحمۃ اللہ علیہ کی عمر اٹھارہ سال کی ہوئی تب آپ نے اپنے والد محترم سے علم دین حاصل کرنے کا شوق ظاہر کیا، ان کے والد صاحب نے بخوشی آپ کو اجازت دے دی چونکہ اس زمانہ میں ٹرین و بس کی سواری نہ تھی اس لئے آپ کے والد نے ایک گھوڑا اور ایک ملازم دے کر گھر سے رخصت کر دیا، آپ دہلی تشریف لائے، اس زمانہ میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے خاندان کا چراغ گل نہ ہوا تھا، حضرت شاہ اسحاق کی ذات سے فیضان علم جاری تھا، آپ نے انہیں کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا اور مسلسل آٹھ سال تک نہایت انہماک سے تعلیم حاصل کی، جب آپ نے تعلیم مکمل کر لیا تب استاد محترم سے اجازت لے کر اپنے وطن منوآئمہ واپس آئے، آپ فرماتے تھے کہ میں نے دہلی جاتے اور آتے وقت صرف دیکھا اور اپنے تمام اوقات کو علم دین حاصل کرنے میں صرف کر دیا، اس آٹھ سال کی مدت میں تقویٰ اور خوف خدا اس قدر دل میں جا گزریں ہو گیا کہ اپنے والد محترم کی تمام جائداد اور مکان سے اس لئے علیحدہ ہو گئے کہ کپتانی وزمینداری میں روپیہ نہ معلوم کن صورتوں میں آتا تھا۔

ذریعہ معاش: اس زمانہ میں پریس نہیں تھا، آپ اچھے خوش نویس تھے، کتابت کو اپنا ذریعہ معاش بنایا، آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا صحاح ستہ مولانا حکیم ضیاء الدین منوآئمہ کے کتب خانہ میں اب تک موجود ہے۔

تبلیغ: جس طرح آپ تمام معاملات میں دین محمدی کی اتباع اور صحیح اصول کی پابندی کرتے تھے اسی طرح عقائد میں سلف صالحین اور صحابہ کرام کے عقیدے کا خیال رکھتے تھے، آپ نے اپنے تبلیغ کی ابتداء اپنے قصبہ منوآئمہ سے شروع کی پھر اعظم گڑھ، املو، مبارکپور، بھاگل پور، اور در بھنگہ بہار، بنگال دیناج پور، راج شاہی وغیرہ میں تبلیغ کی، بنگال میں آپ کے معتقدین کی تعداد بکثرت ہے، بعض مقامات کا یہ حال ہے کہ پچاسوں میل چلے جائیے سوائے اہل حدیث کے کسی دوسرے مذہب کے ماننے والے نہیں ملتے ہیں، یہ سب مولانا کی مساعی اور انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے، اللہ اسے قبول فرمائے، آمین۔

اولاد: قصبہ منوآئمہ کے بعض بزرگوں سے یہ معلوم ہوا کہ مولانا نے غالباً دیناج پور میں شادی کر لی تھی جس سے اولادیں پیدا ہوئیں لیکن معلوم کرنے کے باوجود اس کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔

آپ کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات بہت تلاش و جستجو کے باوجود معلوم نہ کر سکا البتہ اخبار اہل حدیث امرتسر ۱۵/۱۱/۱۹۸۰

۱۹۱۸ء کے ذریعہ اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ آپ کی وفات موضع بیل گاڑی ڈاکخانہ ڈھا پاڑہ ضلع مرشد آباد میں ہوئی اور وہیں پر آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

تصانیف: آپ نے مختلف موضوع پر چند کتابیں لکھی ہیں۔ (علمائے اہل حدیث ہند اور ان کی تصنیفی خدمات ۱/۳۷۹) متوفی: ۱۳۰۰ھ ۱۸۸۲ء میں وفات ہوئی جیسا کہ نوشہروی نے لکھا ہے۔ (تراجم علمائے اہل حدیث ہند ۱/۳۱۳)

تصانیف جہاؤ میاں الہ آبادی: آپ درس و تدریس میں زیادہ مشغولیت نہ رہ کر تصنیف و تالیف پر توجہ کرتے تھے، چنانچہ آپ نے دعوت دین اور ایضاح حق کے لئے کئی کتابیں ترتیب دیں جن میں سے بعض درج ذیل ہیں۔

- ۱۔ العروة الوثقی لمنبع سنة سیر الوری (قلمی)، ۲۔ عمدۃ الصلاة وفائز النجاة (قلمی)، ۳۔ ترجمة شرح الصدور (قلمی)، ۴۔ ترجمہ المبدور السافرة (قلمی)، ۵۔ الاعجاز المتین فی معجزات سید المرسلین بہ کتاب الکلام المبین فارسی مولف مفتی عنایت احمد کی کتاب کا ترجمہ ہے۔ ۶۔ احوال قبر (اردو) قلمی، ۷۔ آیات الرحمة لأهل السنة والبدعة (اردو، قلمی)، ۸۔ صمصام الحدیث المسلول فی قطع لغادید البدعة والرأی والمذاهب والتقلید المخذول (اردو)۔ ۹۔ ایصال طرق المصلین الی طریق رسول رب العالمین (اردو)، ۱۰۔ میقات الصلاة ینتفع بها اهل الفضل والنجاة۔ ۱۱۔ النبراس المنیر الصلاة الیدیاجیر۔ ۱۲۔ معین الابرار علی الصلاة فی اللیل والنهار، ۱۳۔ الریاض الانصر فی الفقه الاکبر، ۱۴۔ اللباب فی صلاة الاحباب، ۱۵۔ فارق الاخبار عن الاشرار، ۱۶۔ اعتصام السنة فی قامع البدعة، ۱۷۔ قرۃ التابعین وحرۃ المحدثین، ۱۸۔ السیف المسلول فی ذم التقلید المخذول، ۱۹۔ سیف الحدید فی قطع المذاهب والتقلید، ۲۰۔ العروة المتین فی اتباع سنة سید المرسلین، ۲۱۔ الیم الزغرب فی لغات الحدیث المنتخب۔ (ترتیب عبدالحکیم عبدالمعبود دنی)

نزہۃ الخواطر، ۷/۱۳۵۱-۱۳۵۲/علمائے اہل حدیث ہند اور ان کی تصنیفی خدمات مولانا محمد مستقیم سلفی

۲۰۰۷/۱۱۳/۱۱۹/۱۲۳/۱۲۴/۱۳۸/۱۹۳/۴/۳۷۲/۴۲/۴۲۱ وغیرہ



مولانا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ

وفات مارچ / ۱۹۱۸ء

از مفتی محمد عبدہ الفلاح

ولادت و نشاۃ: ۱۸۵۴ء کو ایک بڑے زمیندار گھرانے میں پیدا ہونے والے والد گرامی کا نام شیخ احمد اللہ اور والدہ کا نام بی بی بھی مخدومن ہے۔ عمر کے ۱۳ ویں سال میں ۱۲۷۰ھ میں قرآن پاک حفظ کیا، اس کے بعد عربی، فارسی کی کتابیں پڑھنا شروع کریں جو اس دور میں رائج تھیں مختلف اساتذہ کرام سے ابتدائی کتابیں تحصیل کیں، ان اساتذہ میں مولوی عظمت اللہ، مولوی محمود عالم رامپوری (۱۳۰۲ھ) اور مولوی محمد یحییٰ عظیم آبادی کے اسماء گرامی خاص طور پر مذکور ہیں۔ (۱)

اعلیٰ تعلیم کے لئے رحلت: پھر ۱۲۹۰ھ ہجری کو بیس سال کی عمر میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے حضرت شیخ الکل محدث اعظم سید نذیر حسین دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے کیونکہ اس سے پہلے ان کے بڑے بھائی شیخ عبدالرحیم بھی اسی درس گاہ سے فیضیاب ہو چکے تھے۔ دہلی میں دو سال قیام کے دوران حضرت میاں صاحب سے صحاح ستہ، موطا امام مالک، سنن دارمی، جامع صغیر، ہدایہ، جلالین اور اصول حدیث کی کتابیں پڑھیں۔ (۲) اور دو سال کی قلیل مدت میں تکمیل کے بعد ۱۲۹۲ھ کو حضرت میاں صاحب سے سند لے کر وطن واپس ہوئے۔ (۳)

درس و تدریس اور دعوت و تبلیغ: وطن پہنچ کر درس و تدریس اور دعوت و تبلیغ میں مشغول ہو گئے اور اپنے والد کے قائم کردہ مدرسہ میں درس دینا شروع کر دیا مسلسل آٹھ سال تک برابر تدریس فرمائیں سرانجام دیتے رہے اور ساتھ ہی ساتھ دعوت و تبلیغ کے کاموں میں بھی تندہی سے حصہ لیتے رہے، بعض مسائل میں اپنے والد شیخ احمد اللہ سے اختلاف کی بناء پر تقریباً ۱۳۰۰ھ کے زمانہ میں رحیم آباد کو الوداع کیا اور مع اہل و عیال مظفر پور چلے آئے اور ایک محلہ (چھوٹی کلیانی) کی مسجد میں ٹھہر گئے اس کو اپنا مسکن اور درس گاہ بنا لیا اور اس میں تدریس کا کام شروع کر دیا اور دعوت کا فریضہ بھی سرانجام دیتے رہے اور یہ درس گاہ آگے چل کر مظفر پور میں مدرسہ احمدیہ کے نام سے مشہور ہوئی اور نصف صدی تک اس درس گاہ میں بہت سے جید علماء کرام درس دیتے رہے، جن میں مولانا ابوطاہر بہاری، مولانا مولانا بخش ہراکری، مولانا محمد اسحاق آروی، حافظ محمد حنیف آروی، حافظ عبداللہ رحیم آبادی اور حافظ عبدالستار مولانا نگری کے اسماء گرامی مشہور ہیں۔

مولانا کی علمی کوششوں نے بڑے بڑے لوگوں کو ایک شیرازہ میں جمع کر دیا، مدرسہ احمدیہ آ رہ کا اولین دور تھا، اس دور میں ہی مولانا عبدالغفار نشتر محدث مہدانوی، حضرت مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی اور مولانا شمشاد الحق ڈیانوی ایک سلسلہ میں مربوط تھے، یہ تمام حضرات میاں سید نذیر حسین دہلوی صاحب کے حلقہ درس کے حاشیہ نشین تھے۔

حضرت میاں صاحب کے فیض صحبت کا یہ اثر کہ آپ کے تلامذہ بیرون ہند میں مشہور ہوئے اور تمام حضرات نے ملک میں بڑی

بڑی خدمتیں سرانجام دیں۔ انہیں میں ایک حضرت رحیم آبادی بھی تھے۔ مولانا محمد سعید (مسجد علی جان دہلی) لکھتے ہیں: (۴) آپ مبلغ اسلام تھے، آپ کے کلام میں خاص اثر تھا جس سے سامعین بہت محفوظ ہوتے تھے۔ ہزاروں غیر مسلم آپ کا وعظ سن کر مشرف باسلام ہوتے، بلکہ ایسے واقعات بھی پیش آتے کہ مخالفین نے آپ کا وعظ سن کر اعتراف کیا کہ آپ اس امت کے امام غزالی ہیں اور ایسے اجلاس میں آپ کا خطاب توجہ سے سنا گیا جب کہ مخالفین کسی اہل حدیث عالم کا خطاب سننے کے لئے تیار نہ تھے۔

جماعتی تنظیم: مولانا رحیم آبادی دعوت و تبلیغ مسلک اہل حدیث کے ساتھ ساتھ جماعتی تنظیم کے لئے بھی متحرک رہے اور جب کبھی مجالس میں علماء کے ساتھ جمع ہوتے تو جماعت تو منظم کرنے کے لئے مشاورت اور تجاویز پیش کرتے اور بحث و تمحیص کرتے۔ اس وقت تک ”آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس“ کے عنوان سے اہل حدیث کی تنظیم قائم نہیں ہوئی تھی۔

اتفاق کی بات ہے کہ مدرسہ احمدیہ آرہ میں ایک اجتماع ہوا اور وہاں یہ مسئلہ چھیڑ دیا گیا اور طے پایا کہ جماعت کے لئے ایک سردار (امیر) کا انتخاب ہونا چاہیے۔ چنانچہ مولانا ابو محمد ابراہیم صاحب آروی با اتفاق رائے امیر منتخب کر لیے گئے، اور تنظیم جماعت کے لئے یہ پہلا قدم تھا۔ ان کا انتخاب تو ہو گیا مگر تمام تنظیمی امور کو مولانا رحیم آبادی سرانجام دیتے رہے حتیٰ کہ جب آروی صاحب ہجرت کر کے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو مدرسہ احمدیہ آرہ اور جماعت کی امارت کا بوجھ رحیم آبادی پر ڈال گئے۔ اس صوبائی (بہاری) تنظیم کے ساتھ مولانا رحیم آبادی آل انڈیا تنظیم کے لئے کوشاں رہے۔ اخبار اہل حدیث کے ذریعہ اس تحریک کو شروع کیا اور علماء اہل حدیث نے بھی اپنی آراء اخبار کے ذریعہ نشر کیں۔ چنانچہ ۱۹۰۶ء کے اخبار اہل حدیث میں اس کانفرنس کے لئے اتفاق رائے کا اعلان کر دیا گیا اور مولانا ابوالقاسم بنارسی نے تحریر فرمایا کہ مجھے بھی اس کانفرنس سے اتفاق ہے اور نہایت خوشی کی بات ہے کہ جلسہ مذاکرہ علمیہ قریب آ رہا ہے لہذا اس اہل حدیث کانفرنس کا انعقاد بھی اسی جلسہ میں ہو جائے (۵) چنانچہ طے شدہ پروگرام کے مطابق مدرسہ احمدیہ آرہ کے مذاکرہ علمیہ کا اجلاس ۲۲-۲۳ دسمبر ۱۹۰۶ء ہونا قرار پایا جس میں آل انڈیا کے چوٹی کے علماء شامل ہوئے حتیٰ کہ حافظ عبدالمنان صاحب وزیر آبادی بھی صعوبت سفر اٹھا کر وہاں پہنچے اور با اتفاق آراء کانفرنس کی تجویز منظور ہو گئی۔ اور حافظ عبداللہ صاحب کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے اور ان تین افراد پر تنظیم جماعت کی ذمہ داری ڈالی گئی: مولانا رحیم آبادی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، اور محمد ابراہیم میر سیالکوٹی۔

اصحاب ثلاثہ کی مساعی: چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ ان اصحاب ثلاثہ نے جماعتی تنظیم کے لئے ملک بھر کے دورے کیے اور عوام کو اس تنظیم کے اغراض و مقاصد سے متعارف کروایا، بلکہ جماعت کو بنگال سے پشاور تک ایک مرکز پر جمع کر دیا اور ہر سال اس کے سالانہ اجلاس کرواتے رہے، ہم ان سالانہ کانفرنسوں کی تفصیل ”تحریک کے چند اوراق“ میں بیان کر چکے ہیں۔

تحریک مجاہدین میں مولانا کی سرگرمیاں: تحریک جہاد کے بانی امیر قافلہ سید احمد شہید اور ان کے وزیر شاہ اسماعیل شہید تھے۔ ان دونوں بزرگوں کی شہادت کے بعد صادق پور علماء نے اس تحریک کو زندہ رکھا اور صادق پور پٹنہ میں مرکزی امیر مولانا عبدالرحیم صادق پوری قرار پائے۔ مولانا رحیم آبادی بھی اس تحریک میں شامل تھے، جب مولانا عبدالرحیم گرفتار ہوئے تو ان کے بعد

مولانا مبارک علی و تبارک علی بالترتیب قائم مقام امیر مقرر ہوئے۔ پھر ان دونوں بھائیوں کی گرفتاری کے بعد ۱۸۷۲ء میں تحریک کی تمام تر ذمہ داری مولانا رحیم آبادی پر ڈالی گئی اور آپ نے زندگی بھر اس ذمہ داری کا پورا حق ادا کیا اس کی تفصیل ہم ”تحریک مجاہدین“ میں بیان کر آئے ہیں۔

مدرسہ احمدیہ، دربھنگہ: حضرت میاں صاحب دہلوی کے تلامذہ نے ہندوستان کے مختلف صوبہ جات میں دینی درس گاہیں قائم کر لی تھیں جو تحریک اہل حدیث کے لئے مراکز کی حیثیت اختیار کر گئی تھیں چنانچہ ۱۸۹۸ء کو مولانا ابو محمد ابراہیم آروی نے مدرسہ احمدیہ آرہ کی بنیاد رکھی۔ (۶) ان کے ہجرت کرنے کے بعد اس کا اہتمام بھی مولانا رحیم آبادی کے سپرد ہوا۔ یہ مدرسہ کئی سال بڑی تندہی سے چلتا رہا اور پورے ہندوستان سے شائقین علم اس مدرسہ سے فیض یاب ہوتے رہے۔

بالآخر حالات کی مجبوری کے تحت مولانا نے یہ مدرسہ دربھنگہ منتقل کر دیا۔ جو اب دارالعلوم دربھنگہ کے نام سے چل رہا ہے۔ مولانا کے بعد ابو عبد اللہ رحیم آبادی مدرسہ کے نگران مقرر ہوئے اور ان کی وفات کے بعد ۱۳۴۷ھ کو ڈاکٹر سید محمد فرید دارالعلوم کے ہو رہے۔

تبلیغی مساعی: یوں تو ہمارے اکابر تبلیغ و وعظ اور مسلک اہل حدیث کی نشر و اشاعت کے لئے آل انڈیا کے دورے کرتے رہے مگر انہوں نے اپنے خاص علاقوں میں نہایت محنت سے کام کیا اور عمل بالسنۃ کے لئے ہر قسم کی مشکلات کا مقابلہ کیا۔ چنانچہ جب ہم مولانا رحیم آبادی کی تبلیغی مساعی کو ان کے خاص علاقہ کے تناظر سے دیکھتے ہیں تو ان کی محنت شاقہ اور حسن انتظام سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

مولانا کا خاص علاقہ مشرقی بہار تھا جو کہ مظفر پور، دربھنگہ، چمپارن، اور ترہت پر مشتمل تھا۔ مولانا نے اس علاقہ کے دیہات کے دورے کر کے ہر گاؤں میں ایک سردار مقرر کیا اور چند گاؤں کے لئے ایک ذیلی مرکز بنایا جو اپنے ماتحت مواضع کو کنٹرول کرتا اور حالات کا جائزہ لینے کے لئے خود مولانا سال میں ایک یا دو مرتبہ دورہ کرتے تاکہ کتاب و سنت پر عمل کے جذبہ کو بیدار رکھا جاسکے اور شرک و بدعات کو مٹانے کے لئے تازہ دم مساعی عمل میں لائی جاسکیں۔

محاسن و وعظ: اس غرض سے سالانہ جلسے رکھے جاتے تاکہ اجتماعی طور پر وعظ و نصیحت کی جاسکے۔ اور گزشتہ سال کے کام کا جائزہ لے کر آئندہ سال کے لئے لائحہ عمل تیار کیا جاسکے۔ اور مولانا ابراہیم آروی اس غرض کے لئے مدرسہ احمدیہ میں ”مذاکرہ علمیہ“ کے نام سے سالانہ جلسہ کیا کرتے تھے۔ مولانا آروی کی ہجرت کے بعد یہ ذمہ داری مولانا رحیم آبادی پر تھی کہ مدرسہ احمدیہ کے انتظام و انصرام کے ساتھ سالانہ مذاکرہ علمیہ کا بھی اہتمام کیا جائے چنانچہ مولانا اس ذمہ داری سے باحسن طریق عہدہ برآ ہوتے رہے مولانا اس جلسے کو مدرسہ احمدیہ تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ صوبہ کے دوسرے علاقوں میں بھی یہ اجلاس منعقد ہوتے رہے جن کی افادیت سے انکار نہیں ہو سکتا۔ مذاکرہ علمیہ کے سترہویں جلسہ کے موقع پر ۱۹۰۶ء کو ”آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس“ کا وجود عمل میں آیا اور اس سے ایک سال پہلے یعنی ۱۹۰۵ء کو مولانا ثناء اللہ امرتسری کی تفسیر کی وجہ سے جو نزاع پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے تصفیہ کے لئے مولانا رحیم آبادی نے مثبت کوششیں کیں جن کے پیش نظر جلسہ مذاکرہ علمیہ کے موقع پر اس کے لیے حکم مقرر ہوتے تھے۔

تصانیف: مولانا رحیم آبادی راسخ فی العلم تھے اور ان کی زندگی کا اکثر حصہ تبلیغی مہمات میں گزرا لیکن ساتھ ہی آپ نے تصنیف و تالیف کے میدان میں جو باقیات چھوڑی ہیں وہ اگرچہ آپ کی تبلیغی مہمات کا حصہ ہیں لیکن آپ کے علم و تحقیق پر شاہد عدل ہیں۔

سواء الطریق ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح: علامہ بغوی (۷) نے ”المصابیح“ کے نام سے حدیث کا مجموعہ ترتیب دیا، جس کے متعلق صاحب مشکوٰۃ (۸) لکھتے ہیں: أجمع کتاب صنف فی بابہ، واضبط لنوارد الاحادیث وأوابدها۔ یعنی یہ کتاب احادیث کا بہترین انتخاب ہے صاحب مشکوٰۃ نے اسی المصابیح کو از سر نو مرتب کیا اور احادیث کے مخارج کا اضافہ کر کے کتاب میں جو اصولی نقص تھا اس کو دور کر دیا۔ اس طرح مشکوٰۃ المصابیح احادیث کا بہترین مجموعہ بن گئی اور ہمارے دینی مدارس میں اس کو مقررات کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ بہت سے علماء نے شروح اور حواشی لکھ کر اس کتاب کی خدمت کی ہے۔ ملا علی القاری کی ”مرقاۃ“ اور شیخ عبدالحق کی ”لمعات“ اس کی اہم شروح شمارہ ہوتی ہیں۔ لیکن ان میں ایک مکتب فکر کی ترجمانی کی گئی ہے تاہم حلّ مطالب کی حد تک انہوں نے حق شرح ادا کر دیا ہے۔ اہل حدیث کے علماء میں سے تاحال کسی نے توجہ نہ دی تھی بالآخر قیام پاکستان کے بعد مولانا عبید اللہ المبارک پوری سابق شیخ الحدیث مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی نے کمر ہمت باندھی اور ”مرعاۃ المفاتیح“ کے نام سے مشکوٰۃ کی جامع ترین شرح لکھی جو ہر لحاظ سے مفید ترین اور کامل شرح ہے تاہم اردو میں اس کا کوئی ایسا ترجمہ شائع نہ ہو سکا جو سلفی انداز تحقیق کے مطابق تشریحات پر مشتمل ہوتا۔ مولانا ابراہیم آروی نے ”طریق النجاة“ کے نام سے اس کا ترجمہ کیا تاہم اسے مختصر ترجمہ کہنا مناسب ہے گویہ ترجمہ زبان و اسلوب کے لحاظ سے معیاری ترجمہ ہے اور یہ ترجمہ اس وقت شائع ہوا جب کہ حدیث کے اردو تراجم (صحاح ستہ) شائع نہیں ہوئے تھے سو عوام میں بڑا مقبول ہوا۔

مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی نے ترجمہ مشکوٰۃ میں ایک دوسرا انتخاب بھی کیا، یعنی مشکوٰۃ میں سے ہر باب کی فصل اول (جو صحیحین کی احادیث پر مشتمل ہے) کا سلیس ترجمہ کیا اور اس کا نام ”سواء طریق“ رکھا۔ (۹) ہمارے پاکستانی علماء میں سے حافظ عبداللہ صاحب روپڑی غفر اللہ لہ اور حافظ محمد اعظم گوندلوی رفع اللہ درجاتہ نے تدریس کے لئے مشکوٰۃ المصابیح کو خاص کیا اور اس کی شرح لکھنے کا بھی عزم کیا تاہم یہ کام کتاب الایمان سے آگے نہ بڑھ سکا اور کالعدم ہی ہو کر رہ گیا۔ اور یہ دونوں بزرگ سید نذیر حسین دہلوی (۱۳۲۰ھ) کے ممتاز اور متحرک تلامذہ میں سے ہیں۔ اور حضرت میاں صاحب کے مشن کو چلانے میں مستعد نظر آتے ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد مولانا سلفی رحمہ اللہ نے بھی تشریحی نوٹس کے ساتھ اس کا اردو ترجمہ شروع کیا تاہم مکمل نہ ہو سکا اور وہ بھی داعی اجل کو لبیک کہہ گئے اس لئے یہ کام بھی تشنہ تکمیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی مرد مجاہد کو یہ توفیق دے کہ وہ اس کام کو مختصر جامع حواشی کے ساتھ مکمل کر جائے تاکہ عوام اس سے مستفید ہو سکیں یا مولانا آروی کے ترجمہ کو نظر ثانی کے ساتھ مکمل کر کے شائع کیا جائے تو یہ کتاب مسلک حق کے مقاصد پورے کرنے میں بے حد مفید ہو سکتی ہے۔

حسن البیان فیما فی سیرۃ النعمان: یہ آپ کا دوسرا شاہکار ہے۔ علامہ شبلی مرحوم نے امام ابوحنیفہ کی سیرت کیا لکھی کہ زور قلم میں بہت سی لغزشوں کا شکار ہو گئے اور بقول شخصے حدیث و تفسیر اور تاریخ و سیرت مسخ کر گئے۔ مولانا رحیم آبادی پہلی شخصیت ہیں

جس نے مولانا شبلی کی کتاب باقاعدہ تحقیق کی اور کتاب کی غلطیوں کی نشان دہی کی۔ حتیٰ کہ شبلی مرحوم بھی لغزشوں کی اصلاح پر مجبور ہو گئے۔ سیرۃ النعمان میں مولانا شبلی نے دعویٰ کیا کہ امام ذہلی نے امام بخاری کو اپنی مجلس سے نکال دیا اور امام مالک اور شافعی فقہاء میں سے تھے، محدث نہیں تھے اور امام حنبل کے مجتہد اور فقیہ ہونے میں اختلاف ہے اور امام ابوحنیفہ کی قلت روایت کی وجہ ان کی شرائط کا کڑی ہونا ہے اور امام صاحب نے مجلس تدوین فقہ قائم کی اور پھر اس مجلس کے ارکان کے اوصاف ذکر کئے ہیں وغیرہ۔ حالانکہ یہ تمام باتیں تاریخی حقائق کے برعکس تھیں۔ اس لیے مولانا رحیم آبادی نے صاحب سیرۃ النعمان پر گرفت کی اور یہ چونکہ صحیح تھی اس لیے شبلی صاحب دوسرے ایڈیشن میں اصلاح و ترمیم پر مجبور ہو گئے۔

هدایۃ المعتدی فی القراءۃ للمقتدی: یہ رسالہ ”تحقیق قراءۃ المقتدی“ کا جواب ہے جو مطبع خادم الاسلام کی طرف سے شائع ہوا۔ مولانا رحیم آبادی نے ہدایۃ المعتدی میں اس کا رد کیا اور مطبع فاروقی دہلی سے ۱۳۱۰ھ کو شائع فرمائی۔

روداد مناظرہ مرشد آباد: ۱۳۰۵ھ میں ضلع مرشد آباد بنگال میں اہل حدیث اور احناف کے درمیان مجلس مناظرہ قائم ہوئی جو ایک ہفتہ تک جاری رہی۔ اس کی روداد مولانا نے خود مرتب کی جو کتابی صورت میں شائع کی اور اس پر بطور شہادۃ مولانا ابراہیم آروی اور استاذ الاساتذہ حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری کے تقریظات بھی مرقوم ہیں اس کے مطالعہ سے مولانا کی انشاء پردازی کی بلندی مترشح ہوتی ہے۔

الرق المنشور: الرق المنشور رنی ردف الشکور سلیم انصاری دہلی سے شائع ہوئی اس پر مصنف کا نام مولانا محمود عالم درج ہے لیکن بعض نے اس کو مولانا کی تصنیف لکھا ہے اور مولانا محمود عالم صاحب مظفر پوری، مولانا رحیم آبادی کے تلمیذ رشید ہیں چنانچہ اس کتاب کے دیباچہ میں مرقوم ہے، فتح الشکور مصنفہ میاں چراغ علی عرف حافظ عبدالشکور ساکن ٹانڈہ ہے اور مولانا عبدالعزیز کے نام سے اس کا دیباچہ لکھا ہے ہیں۔ اس کتاب میں تقلید اور اس قسم کے دوسرے مسائل ہیں اور مولانا رحیم آبادی نے اس کا رد لکھا ہے۔ (۱۰)

رمی الحجرة: یہ کتاب ”حجرہ نامی کتاب کے جواب میں لکھی گئی ہے اس لیے اس کا نام رمی الحجرة رکھا گیا ہے علاوہ ازیں مولانا کے کچھ مسودات بھی ہیں جن میں سے بعض نامکمل ہیں اور جو مکمل ہیں وہ بھی ابھی تک شائع نہیں ہو سکے۔

دارالعلوم احمدیہ سلفیہ: مولانا رحیم آبادی دارالعلوم کے لئے زمین تو اپنی زندگی میں ہی خرید چکے تھے اور اس میں پرائمری تعلیم کی حد تک انتظام بھی کر دیا تھا پھر بابو عبداللہ رحیم آبادی کی جگہ امیر مقرر ہوئے تو انہوں نے دارالعلوم کی تکمیل کے لئے کوششیں جاری رکھیں۔ بالآخر یہ دارالعلوم احمدیہ سلفیہ در بھنگہ کے نام سے قائم ہو گیا اور بابو عبداللہ کے بعد ڈاکٹر سید محمد فرید صاحب اس کے منصرم رہے اور ان کے بعد ڈاکٹر سید عبدالحفیظ یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

وفات: مولانا ذیابطیس کے مریض چلے آ رہے تھے، کافی عرصہ بیمار رہ کر ۴ جمادی الآخری ۱۳۳۶ھ مطابق ۷ مارچ ۱۹۱۸ء کو عالم جاودانی کو سدھار گئے۔

مولانا مرحوم کی وفات پر بہت سے لوگوں نے نظم و نثر کے ذریعہ اپنے قلبی اور جماعتی لگاؤ کا اظہار کیا ہم یہاں پر مولانا ثناء اللہ

صاحب اور مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی کے بیانات پر اکتفا کرتے ہیں۔ شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ مرحوم ۲۶ مارچ ۱۹۱۸ء کے اخبار اہل حدیث میں لکھتے ہیں۔ آہ! مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ۔ من شاء بعدک فلیبت، فعلیک کنت احاذر۔ آہ میں اس غم کو کن لفظوں میں لکھوں قلم لکھ رہا ہے اور آنکھیں اشکبار ہیں اور دل مضطرب! مگر مومن کی شان یہ ہے کہ وہی کلمہ کہے جس کی شریعت نے اجازت دی یعنی انا لله وانا الیہ راجعون۔

آہ! ہماری جماعت کو باپ کی طرح کون ڈانٹے گا، مربی کی طرح ہماری کون خبر لے گا، ہماری کانفرنسوں کی صدارت کون کرے گا، مولانا آپ تو آرام میں جا پہنچے مگر ہماری بھی کوئی خبر ہے لیجئے میں اب وہی مصرعہ لکھتا ہوں جو آپ کی طرف سے حظ و فرحت پہنچنے پر لکھا کرتا تھا:۔

گیرم کہ غم نیست غم ماہم نیست۔

آہ! عبدالعزیز آج تو کہاں چلا گیا کہ ہم کو جواب نہیں دیتا۔ انا اللہ مختصراً نیچے مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے ۲ دسمبر ۱۹۲۵ء کو اخبار اہل حدیث میں ایک پیغام قوم کے نام شائع کیا، اس سے قبل ۲۵ فروری ۱۹۲۵ء کو مولانا تھ: بھجن میں اہل حدیث کانفرنس کا اجلاس ہو چکا تھا جس کا خطبہ استقبالیہ مولوی احمد نے دیا آہ! اس شیر میدان تقریر مجبان بلاغت مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی مرحوم کی جلالت و رعب والی پیشانی کا جمال کیسے کراؤں میں خداوند قدوس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے سارا ہندوستان چھان مارا مجھے اس قابلیت کی ایک جامعیت کی ایک ہستی بھی نظر نہیں آئی چہ جائیکہ چہار یار مولانا ڈیانوی، مولانا پھلواری، حافظ غازی پوری اور مولانا رحیم آبادی کا نصاب پورا کر دوں۔ میں محض اعتقاد سے نہیں کہتا بلکہ اپنی ناقص فراست و مردم شناسی کی بناء پر کہتا ہوں کہ ان چاروں وجودوں نے اپنے پیچھے اپنا بدل نہیں چھوڑا۔ مدعی دعویٰ کرتے پھرے لیکن شیر قالین اور ہے اور شیر نیستاں اور ہے۔ جب سے آخر ۷ مارچ ۱۹۱۸ء کو حضرت رحیم آبادی نے انتقال کیا تو میں نے خطبہ جمعہ میں پکار کر کہہ دیا تھا کہ جماعت کی طشتری کا سرپوش اٹھ گیا۔ الخ۔

اخبار اہل حدیث میں مولانا امرتسری مرحوم کے بیان کی روشنی میں ہم کہتے ہیں: مولانا امرتسری نے ۲۹ نومبر ۱۹۴۰ء کو ”اہل حدیث کانفرنس“ کے اجلاس منعقدہ آہ (۱۱) حاضرین کرام! ابھی کل کا واقعہ ہے کہ اس شہر آہ میں ”مذاکرہ علمیہ“ کے نام سے ایک جلسہ منعقد ہوا کرتا تھا اس میں جو علماء شریک ہوتے تھے آج ان کے دیکھنے کو آنکھیں ترس رہی ہیں ان میں چند کے نام یہ ہیں۔ حضرت استاد العلماء حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری شاہوار میدان فصاحت حضرت رحیم آبادی، مولانا شمس الحق ڈیانوی صاحب عون المعبود۔ مولانا عبدالرحمن صاحب شارح ترمذی، مولانا عبدالسلام مبارکپوری صاحب سیرۃ البخاری، جماعت اہل حدیث کے ابراہیم دھم مولانا شاہ عین الحق پھلواری کے استاذ مولانا علی نعمت مرحوم، ہندوستان کے استاد ان سیاست، ممبران خاندان صادق پور مولانا عبدالجبار صاحب عمر پوری۔ حکیم نظام الدین صاحب، مولوی مسلم خان صاحب، مولوی حکیم ادیس صاحب، مولانا عبدالغفور صاحب رحمہ اللہ علیہم اجمعین اللہم اغفر لہم وارفع درجاتہم وابد لہم دار خیر من دارہم واهلا خیر من اہلہم۔ ان حضرات کی جدائی پر مولانا حالی کی رباعی یاد آگئی آپ فرماتے ہیں:۔

غالب ہے نہ شیفۃ نہ نیر باقی
وحشت ہے نہ سالک نہ ابور باقی

حالی اب انہی کو بزم یاراں سمجھو
یاروں کے جو کچھ داغ ہیں دل پر باقی

اخبار اہل حدیث کی تحریک پر جلسہ آ رہا مذاکرہ علمیہ ۱۹۰۶ء میں ”اہل حدیث کانفرنس“ کی بنیاد رکھی گئی، جس کے صدر مولانا عبداللہ غازی پوری اور ناظم مولانا ثناء اللہ امرتسری قرار پائے، اس کے بعد ۱۹۰۷ء میں جب محمد پور کواری میں مذاکرہ علمیہ کا جلسہ منعقد ہوا تو اس میں قرار پایا کہ اہل حدیث کانفرنس کی گاڑی پھر سے چلانے کے لئے ایک دفعہ ملک کا دورہ کرنا ضروری ہے۔ اور اس وفد کے تین ارکان منتخب ہوئے۔ مولانا رحیم آبادی کی معیت میں مولانا امرتسری اور میرسیا لکوٹی مرحوم، سب سے پہلے حافظ محمد امین دہلوی نے جو ان دنوں راج شاہی میں تجارت کرتے تھے، راج شاہی میں پہنچنے کی دعوت دی۔ چنانچہ وفد وہاں پہنچا اور ایک جلسہ بھی منعقد ہوا اس کے بعد یہ وفد کلکتہ چلا آیا۔ اور پھر بنارس، بنارس سے پنجاب کا رخ کیا بعد میں یہ وفد لدھیانہ پہنچا۔ ان دنوں مولوی محمد حسن رئیس لدھیانہ زندہ تھے۔ ان کے ہاں قیام رہا پھر لدھیانہ سے امرتسر، پھر لاہور پھر براستہ امرتسر دہلی پہنچا۔ دہلی میں اس وقت مولوی محمد حسین کونڈہ والے زندہ تھے۔ انہوں نے وفد کی مہمانی اور قیام کا انتظام کیا، ان کے بھائی حافظ محمد حسن بھی وفد کی مہمان نوازی میں شریک رہے۔

جلسہ آ رہے میں یہ طے ہو گیا تھا کہ کانفرنس کا صدر دفتر دہلی میں رہے گا۔ چنانچہ اس کے لئے احباب دہلی کو جمع کیا گیا جس میں مولانا عبدالوہاب دہلوی، حافظ حمید اللہ صاحب پیچک والے، مولوی حکیم عبدالوہاب، حافظ عبدالوہاب صاحب، مولوی ابوالحسن صاحب، میاں سید نذیر حسین صاحب دہلوی، حاجی عبدالغفار صاحب علی جان والے، مولوی احمد حسن مرحوم اور مولانا ضمیر مرزا وغیرہ اعیان اہل حدیث کانفرنس کے جلسوں میں شریک ہوتے رہے۔ کانفرنس کے صدر مولوی احمد حسن صاحب قرار پائے اور ناظم مولانا امرتسری ہی رہے۔ دفتری انتظام اور شعبہ مالیات کے سیکریٹری حافظ حمید اللہ صاحب مقرر ہوئے۔

اس کے بعد کانفرنس کا پہلا اجلاس ۱۹۱۲ء کو دہلی میں منعقد ہوا جو بہت پر رونق رہا اور طے پایا کہ کانفرنس کا آئندہ سالانہ جلسہ امرتسر میں ہوگا اور پھر امرتسر کے بعد پشاور میں کانفرنس کا جلسہ ہوا۔ پشاور والے جلسہ کے صدر رباب عبدالرؤف خان تھے اس کے بعد کانفرنس کے سالانہ جلسے گوجرانوالہ، ملتان، علی گڑھ، بنارس، آگرہ، مونا تھ بھجن (اعظم گڑھ) کلکتہ، اور مدراس جیسے مقامات پر ہوتے رہے۔

۱۹۳۹ء کو کانفرنس کا ۲۱واں جلسہ فتح گڑھ چوڑیاں ضلع گرداسپور (مشرقی پنجاب) میں ہوا جس کے صدر مولانا عبدالقادر صاحب قصوری مرحوم تھے۔ اس کے بعد ۱۹۴۰ء کو کانفرنس کا ۲۲واں سالانہ اجلاس اپنے مولد یعنی شہر آ رہے میں ہوا۔ اس لئے آئندہ سال مدراس کے جلسہ میں مولوی محمد حسن کے صاحبزادے نے نظم پڑھی اس میں ایک مصرع یہ تھا۔ ”چہ خوش بودے اگر عبدالعزیز ایں جلسہ مے دیدے۔ مدراس کا یہ اجلاس ۳ مئی ۱۹۱۸ء کو ہوا (اجلاس کی رپورٹ ۲۴ مئی ۱۹۱۸ء کے اخبار اہل حدیث میں شائع ہوئی) اس میں ایک نظم پڑھی گئی، جس کا ایک بند یہ تھا۔ ”کیا خوب ہوتا وہ بھی گر آج زندہ ہوتے۔ عبدالعزیز نامی ”حسن البیان“ والے، اس اجلاس کی صدارت حافظ عبداللہ غازی پوری کے سپرد تھی۔ ان کی طرف سے نیابت میں مولوی ابوالبرکات محمد عبداللہ صاحب حیدرآبادی نے خطبہ

صدارت پڑھا۔ ۱۵ اپریل ۱۹۱۸ء کے اخبار اہل حدیث میں مولانا مرحوم کے انتقال پر مولانا امرتسری نے ایک بیان شائع کیا۔

ہر بلا تے کنو آسمان ابد خانہ بیکساں تلاش کند

جس میں مولانا امرتسری نے مولانا رحیم آبادی کی موت پر تاسف کا اظہار کیا اور پہلے مرحومین کے نام سے جن میں مولانا ڈیانوی، مولانا غزنوی، حافظ وزیر آبادی، مولانا مطلق حسین، عبدالسلام دہلوی، مولانا آروی، مولانا سہسوانی، مولانا عمر پوری مع فرزند، مولانا بقا غازی فوری، مولانا محمد جامری کے نام شامل تھے، مولانا نے فرمایا: مولانا رحیم آبادی کے صدمہ نے ان سب کی یاد تازہ کر دی ہے اور فرمایا ہمارے مفسرین نے۔ رحیمین فرد اطعمہ اجل ہو رہے ہیں مصنفین ہمارے دیکھتے ہوئے ہمیں الوداعی سلام کہہ رہے ہیں اور ہم میں سے کسی وقت وہ احساس سے خالی ہاتھوں پر ہاتھ دھرے تائید آسمانی کے منتظر ہیں، اس کے بعد ۳ مئی ۱۹۱۸ء کو مدراس میں اہل حدیث کانفرنس ہوئی جس کی رپورٹ ۲۲ مئی ۱۹۱۸ء کے اخبار اہل حدیث میں شائع ہوئی۔

مناظرات: مناظرہ بذات خود دعوت و تبلیغ کا جزء لاینفک ہے۔ ہر زمانہ میں دعوت حق کے لئے مخالفین سے مجادلات و مناظرات بھی ہوتے رہے۔ خود قرآن میں فرق اربعہ باطلہ سے مجادلات مذکور ہیں اور ان کی افادیت بھی مسلم ہے۔ مولانا سلفی مرحوم اپنے ایک مقالہ میں علمائے اہل حدیث کی مناظرانہ سرگرمیوں کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

بعض بزرگوں نے مناظرات کی راہ اختیار کی، وقتی خطرات کے لئے یہ ایک مفید علاج تھا۔ اور وقت کی ضرورت کے لحاظ سے ان کے مفید ہونے میں شبہ نہیں کیا جاسکتا، قادیانیت اور بعض دوسرے فرقوں نے عوام میں جس طرح بدعی خیالات کی اشاعت شروع کی تھی اگر اس کا بروقت علاج نہ کیا جاتا تو آج پانی سر سے گزر گیا ہوتا۔ اگر صورت حال کو جلد از جلد درست نہ کیا جاتا تو قادیانیت ایک عظیم فتنہ اختیار کر لیتی، مولانا رحیم آبادی بھی ایسے دور میں زندگی گزار رہے تھے، جس کو مناظرات کا دور کہا جاتا ہے، مولانا شیخ الاسلام امرتسری، مولانا حافظ محمد ابراہیم سیالکوٹی اور دیگر اکابر اہل حدیث نے دعوت و ارشاد اور تبلیغ کی غرض سے مخالفین سے مناظرات میں اپنی زندگی کا بہترین حصہ اور صلاحیتیں صرف کر ڈالیں اور اسلام کے دفاع کے لئے عیسائیت، مرزائیت، چکڑ الویت، اور آریہ سماج سے مناظرات کیے اور ان کے اسلام پر اعتراضات کے دندان شکن جوابات دینے اور تحریک اہل حدیث کے دائرہ کو آل انڈیا میں وسیع کرنے کے لئے مقلدین سے بھی مناظرے کئے اور تقلید و جمود کو توڑنے کے لئے متعدد مناظروں سے کامیابی کے جوہر دکھائے، اس طرح توحید و سنت کی اشاعت اور شرک و بدعت کی تردید میں اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ مولانا رحیم آبادی کو بھی دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں مناظرات کے میدان میں کودنا پڑا، اس ضمن میں اہل حدیث اور احناف کے درمیان بہت سی مجالس مناظرہ منعقد ہوتی رہیں۔ مگر اس میں مرشد آباد (بنگال) کے مناظرہ میں کامیابی کی وجہ سے اس علاقہ میں تحریک اہل حدیث کے دائرہ کو وسعت پزیری کا موقع ہاتھ آ گیا۔ اس مناظرہ میں فریقین کے اکابر علماء شریک ہوئے۔ اہل حدیث جماعت کی طرف سے مولانا رحیم آبادی کو مناظر مقرر کیا گیا اور اہل حدیثوں کو فتح حاصل ہوئی۔ تفصیل کے لئے ”مناظرہ مرشد آباد“ مطبوعہ کراچی دیکھا جاسکتا ہے اور مولانا کی تالیفات کے ضمن میں ہم بیان کر آئے ہیں۔

خطابت: مولانا رحیم آبادی فن خطابت کے ماہر تھے اور تقریر میں مجمع پر چھا جاتے کہ حاضرین رحیم آبادی کے علاوہ کسی کی تقریر سننا گوارا نہ کرتے: (۱۲) حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ ”اخبار اہل حدیث“ میں لکھتے ہیں: گر حق یہ ہے کہ مولانا رحیم آبادی کی تقریر کچھ ایسی دلپزیر ہوتی ہے کہ بے ساختہ کہنا پڑتا ہے کہ:۔

اثر لبھانے کا پیارے تیرے بیان میں ہے
کسی کی آنکھ کا جادو تیری زبان میں ہے

حوالہ جات:

- ۱- اخبار اہل حدیث امرتسر ۱۹۲۰ء، نزہۃ الخواطر ۸/۲۲۷
- ۲- اخبار اہل حدیث امرتسر۔
- ۳- حیات ثنائی سوہدروی، ص ۲۳۳۔
- ۴- اخبار اہل حدیث امرتسر، ۴ جون ۱۹۲۷ء۔
- ۵- اخبار اہل حدیث امرتسر، ۱۴ دسمبر ۱۹۰۶ء۔
- ۶- تفصیل کے لئے دیکھئے: تذکرہ مولانا ابراہیم آروی، محدث نمبر۔ ۹۴۔
- ۷- ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۵ء۔
- ۸- الشیخ ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب العمری والتبریزی۔
- ۹- اس کا پہلا ایڈیشن مطبع فاروقی میں طبع ہوا اور دوسرا اور تیسرا ایڈیشن دارالعلوم احمد سلفیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔
- ۱۰- فضل الرحمن مولانا عبد العزیز رحیم آبادی۔
- ۱۱- اخبار اہل حدیث دہلی، ۱۵ نومبر ۱۹۵۱ء کو یہ تقریر دوبارہ شائع ہوئی۔
- ۱۲- اہل حدیث امرتسر مجریہ۔ ۱۴ اپریل۔

(ماخوذ از ماہنامہ محدث / شمارہ نمبر ۲۰۲ / جلد ۲۶۔ جنوری ۱۹۹۵ء لاہور)



علامہ عبدالعزیز محدث رحیم آبادیؒ

حیات و خدمات (۱۸۵۴ء/۱۹۱۸ء)

عزیر احمد شمس۔ مکہ مکرمہ

مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی (۱۸۵۴ء-۱۹۱۸ء) برصغیر کے ایک زبردست عالم مجاہد، مناظر، داعی اور مصلح تھے۔ انہوں نے صوبہ بہار کے اندر خصوصاً اور دیگر علاقوں میں عموماً جو مذہبی اور اصلاحی خدمات انجام دی ہیں ان کے اثرات آج بھی محسوس کئے جاسکتے ہیں۔ انگریزوں کے عہد حکومت میں ان کے خلاف جہاد کی تحریک میں بھی حصہ لیا، بلکہ آخری دور میں اندرون ہند خفیہ طور پر اس کی قیادت بھی کی۔ افسوس کہ اس کی بہت کم تفصیلات دستیاب ہیں جو ادھر بعض مورخین مثلاً غلام رسول مہر (م ۱۹۷۱ء) وغیرہ نے مہیا کی ہیں۔ تعلیمی میدان میں ان کی خدمات کی زندہ و جاوید یادگار دارالعلوم احمدیہ سلفیہ درجنگہ (قائم شدہ ۱۳۳۶ھ) ہے جو اگرچہ پورے طور پر مرحوم مدرسہ احمدیہ آرہ (قائم شدہ ۱۲۹۷ھ) کی جگہ نہ لے سکا، مگر پھر بھی اسلامی علوم و فنون کی ترویج و اشاعت اور ان کے تحفظ و بقاء کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔ مولانا رحیم آبادی کی زندگی کا بڑا حصہ مدرسہ احمدیہ آرہ کے انتظام و انصرام میں گزرا، وہ مولانا ابراہیم آروی (۱۸۴۸ء-۱۹۰۲ء) کے دستِ راست تھے، تمام اصلاحی پروگراموں میں ان کے معاون و مددگار رہے۔ مدرسہ کو ان دنوں نے مل کر اتنی ترقی دی کہ اس کا شمار برصغیر کے ممتاز جامعات میں ہونے لگا تھا، بلکہ عصری تقاضوں کے مطابق نظامِ تعلیم کی اصلاح، نصاب میں ترمیم، اس میں جدید علوم و فنون کا اضافہ، طلبہ کے لئے ہوسٹل کی تعمیر ہر مکتب کے علماء و فضلاء کا سالانہ اجتماع اور ”مذاکرہ علمیہ“ کے نام سے علمی سیمینار کا انعقاد، اسلاف کی قدیم و نایاب کتابوں کی طباعت اور ہر طبقہ کے لئے مختلف موضوعات پر تصانیف و تراجم کی اشاعت اور ان جیسے بہت سارے کام ہیں جو عربی مدارس کی فضا میں پہلی بار مدرسہ احمدیہ نے شروع کئے۔ پھر دوسرے اداروں (خصوصاً ندوۃ العلماء، قائم شدہ ۱۳۱۱ھ) اور اس کے بعد ”دارالعلوم“ (قائم شدہ ۱۳۱۶ھ) نے اس کی تقلید کی۔ افسوس کہ آج اکثر مورخین دانستہ طور پر اس حقیقت کا انکار کر رہے ہیں۔ جب کہ بہت پہلے سید سلیمان ندوی مرحوم (۱۹۵۳ء) نے اپنی متعدد تحریروں میں صاف طور پر اس کا اعتراف کیا تھا۔ مدرسہ احمدیہ مولانا ابراہیم آروی کی وفات کے بعد زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکا، مولانا رحیم آبادی اس سے بے دخل کر دیئے گئے، نااہلوں کے ہاتھ میں اس کا انتظام و انصرام آیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ ہی دنوں میں اس عظیم الشان ادارے نے ہمیشہ کے لئے دم توڑ دیا، اور ملت ایک زبردست اسلامی تربیت گاہ اور اہم علمی مرکز سے محروم ہو گئی۔

مدرسہ احمدیہ آرہ کے علاوہ خود ”ندوۃ العلماء“ کے سالانہ جلسوں اور مختلف پروگراموں میں مولانا رحیم آبادی جس شوق اور دلچسپی کے ساتھ شریک ہوتے تھے اس کا اندازہ ان کی رودادوں سے لگایا جاسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان جیسے مخلصین نے صرف رضائے الہی کی خاطر دین کی خدمت کی، یہی وجہ ہے کہ اپنے زمانے میں اٹھنے والی ہر اصلاحی تحریک کی بڑھ چڑھ کرتا سید کی۔ اور کبھی بھی کسی مخصوص مسلک،

جماعت، تنظیم، ادارے یا علاقے کے تعصب میں مبتلا نہ تھے، ملی مسائل سے کنارہ کش نہ ہوئے۔ بلکہ تواضع کی انتہا یہ کہ ایک بڑے ادارے سے وابستہ ہونے کے باوجود ان ہی جیسے مقاصد کو پیش نظر رکھ کر اٹھنے والی ایک دوسری تحریک کی آواز پر فوراً لبیک کہا اور کسی طرح کے حسد کے جذبے میں مبتلا ہونے کے بجائے خوشی محسوس کی، کیونکہ ان کے سامنے دین و ملت کی خدمت تھی، کریڈٹ لینے کا چکر نہیں، وہ دنیا میں شہرت اور ناموری کے طالب نہ تھے، بلکہ آخرت میں اجر و ثواب کے متمنی تھے۔ افسوس کہ آج اکثر جماعتوں، تنظیموں اور اداروں میں یہ وصف مفقود ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے درمیان آپس میں تعاون و تناصر کے بجائے بغض و عداوت کی کیفیت پائی جاتی ہے۔

مولانا نے اپنی زندگی کے ایک حصے میں مناظرے بھی کئے، ان میں مناظرہ مرشد آباد (۱۳۰۵ھ) خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ جوان کے اور مولانا عبدالحق حقانی حنفی کے مابین تقلید کے مسئلے پر ہوا تھا۔ کچھ اختلافی موضوعات پر کتابیں بھی لکھیں۔ ان کی تالیفات میں ”حسن البیان“ کافی مشہور ہوئی جس میں انہوں نے مولانا شبلی نعمانی (م ۱۹۱۴ھ) کی کتاب ”سیرۃ النعمان“ کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ یہ ایسی مدلل اور محققانہ ہے کہ آج تک کئی بار چھپنے کے باوجود علمائے احناف سے اس کا جواب نہ بن سکا، ہاں اس کی روشنی میں ”سیرۃ النعمان“ کے بعد کے ایڈیشنوں میں کافی ترمیم و اصلاح البتہ کر دی گئی۔ ”حسن البیان“ کی تالیف مولانا نے اس زمانے میں شدید ضرورت کے تحت کی تھی، تاکہ محدثین خصوصاً (امام بخاریؒ) سے متعلق مولانا شبلی کے بیجا اتہامات کی تردید، امام ابوحنیفہؒ سے متعلق ان کے موقف کی تحقیق اور اہل حدیث و اہل رائے دونوں مکتب فکر کے اصول اور طریقہ استنباط کی وضاحت ہو جائے۔ اس صدی میں یہ غالباً اپنی نوعیت کی پہلی کتاب تھی، اس کے بعد مولانا عبدالسلام مبارکپوری (م ۱۹۲۴ء) کی ”سیرۃ البخاری“ سے لے کر علامہ معلمی (م ۱۹۶۶) کی ”التکمیل بمافی تانیب الکوثری من الاباطیل“ (دو جلدیں) اور مولانا رئیس احمد ندوی کی ”اللمحات الی مافی انوار الباری من الظلمات“ (چار جلدیں) تک بہت سی کتابیں شائع ہوئیں۔ اور اب حقائق اتنے واضح ہو چکے ہیں کہ ان سے انکار کی گنجائش باقی نہ رہی۔

مولانا نے روداد و مناظرات کے علاوہ عوام کو دین سے روشناس کرانے کے لئے بھی بعض کتابیں لکھیں جن میں ”سواء الطریق“ بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اس میں انہوں نے مشکوٰۃ المصابیح میں سے ہر باب کی فصل اول (جو بخاری اور مسلم کی حدیثوں پر مشتمل ہے) کا سلیس اردو ترجمہ کیا ہے۔ مولانا رحیم آبادی سے قبل یہی کام مولانا ابراہیم آروی نے ”طریق النجاة“ میں کیا تھا، انہوں نے ترجمہ میں اختصار کو ملحوظ رکھا تھا، جب کہ مولانا رحیم آبادی نے بلا کم و کاست ہر حدیث کا مکمل ترجمہ کیا تھا مگر زبان و اسلوب کے لحاظ سے ”طریق النجاة“، ”سواء الطریق“ سے بہ درجہ بہتر ہے، سوال یہ ہے کہ آخر مولانا رحیم آبادی نے اپنی کتاب کی ترتیب و اشاعت از سر نو کیوں کی؟ مجھے ایسا لگتا ہے کہ چونکہ مدسہ احمدیہ کی تمام مطبوعات کے حقوق طبع اس کے مطبع خلیلی کے نام سے محفوظ تھے، اس لئے مولانا رحیم آبادی وہاں سے علاحدگی کے بعد ان کی طباعت و اشاعت کے مجاز نہ تھے۔ حدیث کے اس مجموعے کو عوام میں چونکہ بڑی مقبولیت حاصل تھی، مگر قانونی پیچیدگیوں کی بنا پر اس کی دوبارہ اشاعت نہیں ہو سکتی تھی اس لئے مولانا نے افادہ عام کی خاطر از سر نو ترجمہ کی ضرورت محسوس کی۔ ”طریق النجاة“ کو تقریباً سب بھول گئے، ضرورت ہے کہ اب دونوں کتابیں ان کے پہلے ایڈیشن کی بنیاد

پرسلیقے سے ایڈٹ کر کے از سر نو چھاپی جائیں، کیوں کہ متداول ایڈیشنوں میں زبان و بیان کے اندر کافی ترمیم کر دی گئی ہے، اور جا بجا حذف و اضافہ سے کام لیا گیا ہے جو امانتِ علمی کے منافی اور تحقیق کے اعتبار سے ناروا ہے، میں ان دونوں کی طباعت و اشاعت کی طرف اس لئے دعوت دلا نا چاہتا ہوں کہ میری نظر میں اردو میں صحیح احادیث کا ان سے اچھا انتخاب موجود نہیں۔

تصنیف و تالیف، مناظرہ و مباحثہ اور تعلیمی و سیاسی خدمات کے ساتھ ساتھ انہوں نے زندگی بھر دعوت و تبلیغ کے فرائض انجام دیئے۔ مولانا ایک خوش بیان و واعظ اور خطیب تھے ان کی تقریریں بڑی موثر اور دلنشین ہوا کرتی تھی۔ صوبہ بہار کے علاوہ متحدہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں جلسوں کے اندر بلائے جاتے۔ اور بڑے شوق سے ان کا بیان سنا جاتا۔ وفات کے بعد کئی جلسوں میں ان کی غیر موجودگی شدت سے محسوس کی گئی، ان کا ذکر چھڑ جاتا تو لوگوں کی آنکھیں نم ہو جاتیں بلکہ بہت سے تو زار و قطار رونے لگتے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری (۱۸۶۸ء-۱۹۳۸ء) نے ایسے ہی ایک موقعہ کا چشم دید واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک صاحب نے کسی جلسے میں ایک شعر پڑھا۔

کیا خوب ہوتی محفل گر آج زندہ ہوتے

عبدالعزیز نامی ”حسن البیان“ والے

توپورے مجمع میں کہرام مچ گیا۔ ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے، آنکھیں اشکبار ہو گئیں بڑی مشکل سے سسکیوں اور آہوں پر قابو ہوا، پھر مجلس بے کیف سی رہی۔

مولانا اپنی تقریروں میں عام طور سے معاشرے کی اصلاح، غلط رسم و رواج اور بدعات و خرافات کی تردید، توحید و سنت کی اہمیت اور اتفاق و اتحاد کی ضرورت پر زور دیا کرتے تھے، ہزاروں افراد ان سے مستفیض ہو کر بدعات و خرافات سے تائب ہوئے۔

مولانا کا شمار کبار علمائے اہل حدیث میں ہوتا ہے، وہ مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی (۱۸۰۵ء-۱۹۰۲ء) کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے، انہیں اس بات کا شدید احساس تھا کہ علمائے اہل حدیث کی انفرادی کوششیں دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں زیادہ بار آور نہیں ہو رہی ہیں، خصوصاً میاں صاحب کی وفات کے بعد تو دہلی کی وہ حالت نہ رہی جو پہلے تھی۔ علماء منتشر ہو گئے، کوئی مرکز نہ رہا، جہاں جمع ہو کر تبادلہ خیال کرتے اور دعوت و تبلیغی کاموں کے لئے تفصیلی پروگرام مرتب کرتے، ضرورت تھی کہ برصغیر کے پیمانے پر ان علماء کی ایک تنظیم بنائی جاتی اور ان کی شیرازہ بندی کر کے ہر ایک کی صلاحیتوں سے استفادہ کیا جاتا۔ تاکہ دعوت کے کام میں مزید پیش رفت ہوتی۔ ان ہی امور کے پیش نظر ۱۹۰۶ء میں ”اہل حدیث کانفرنس“ کا قیام عمل میں آیا، مولانا رحیم آبادی اس کے بانیوں میں سے تھے، اور تاحیات اس کے اہم رکن رہے۔ کانفرنس کے سکریٹری مولانا ثناء اللہ امرتسری ہمیشہ تمام امور میں ان سے مشورے لیتے اور ان پر بھروسہ کرتے تھے۔ آزادی (۱۹۴۷ء) تک کانفرنس کافی سرگرم رہی، مگر اس کے بعد سے آج تک اسے جن ناگفتہ بہ اور نامساعد حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ ضرورت ہے کہ آج بھی علماء اپنی ذمہ داریاں محسوس کریں لوجہ اللہ دین کی خدمت کے لئے اٹھ کھڑے ہوں، اور مادیت کے اس دور میں زہد و تقویٰ اور استغناء و توکل کا نمونہ بن کر دکھائیں۔ یہی ہمارے اسلاف کا شیوہ رہا ہے۔

(نوائے اسلام دہلی)



مولانا عبدالرحمن لکھنوی ثم دلاپوری اور جھارکھنڈ وفات ۱۹۱۸ء

مولانا اشفاق سجاد سلفی

دامن کوہ (جھارکھنڈ) میں تحریک شہیدین اور اس تحریک کے متوسلین کے اثرات آج بھی جا بجا محسوس کئے جاتے ہیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ تحریک شہیدین اور تحریک مجاہدین کو مالی اور افرادی تعاون اس علاقے سے ملنے کی بناء پر اس کے کارندے ہمیشہ اس علاقہ میں اقامت پذیر ہوتے اور اپنے اعمال و کارنامے اور ڈیوٹی و ذمہ داریاں انجام دیتے تھے۔ اسی نوع کی ذمہ داریاں ادا کرنے والوں میں سے ایک مولانا ملیح آبادی، لکھنوی ثم دلاپوری (والد محترم شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمان دلاپوری) تھے۔ آپ جوش ملیح آبادی کے وطن ”ملیح آباد“، لکھنؤ، اتر پردیش کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت اور نشوونما کی تفصیل نہیں مل سکی، البتہ جب آپ نے تحریک شہیدین سے انسلاک و تعلق اختیار کیا، تو ریاست رام پور میں تعلیمی، اصلاحی، دعوتی اور تحریکی تربیت و ٹریننگ حاصل کی۔ اس دوران ٹریننگ پانے والے ان کے ساتھیوں میں مولانا ولایت علی عظیم آبادی بھی تھے۔

مولانا ولایت علی عظیم آبادی تحریک شہیدین کے امیر ۱۸۴۰ء میں مقرر ہوئے، تو انہوں نے صرف افراد سازی پر دھیان مرکوز نہ کیا، بلکہ ان کے مشن و کار میں دعوت و تبلیغ، اصلاح سماج و معاشرہ، بدعات و خرافات کا ازالہ اور تعلیم و تربیت کا فروغ بھی شامل تھا، جس کا واقعی بہت بڑا فائدہ ہوا۔ انہوں نے اپنے اسی مقصد کی تحصیل کے لئے اپنے ہم درس مولانا ملیح آبادی، لکھنوی، ثم دلاپوری کو جھارکھنڈ کے شمال مشرق اور مغربی و مشرقی بنگال کے علاقوں میں فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ادا کرنے اور تحریک شہیدین کے اغراض و مقاصد کی تحقیق کے لئے ۱۸۴۰ء میں روانہ کیا۔ بقول مولانا شمس الحق سلفی: ”بنگال کی اس سرزمین یعنی مالده، راج شاہی، راج محل، صاحب گنج، سنھتال پرگنہ وغیرہ میں دعوت و تبلیغ، اصلاح و تعمیر، اور مجاہدین کی جماعت تیار کرنے اور فراہمی اموال کے لئے اپنا قریبی رفیق سفر، نیک طبیعت، پاک طبیعت، فدائی اسلام، مجاہد متقی جواں سال ساتھی مولانا ملیح آبادی لکھنوی کو بھیجا“۔ (مولانا عبدالرحمان دلاپوری: شخصیت اور کارنامے: ۱۲)

مولانا مسعود عالم ندوی نے ہنٹر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ”ایک شخص عبدالرحمان نامی (خلیفہ مولانا ولایت علی) مالده، تبلیغ کرتے ہوئے آئے، پھر وہ وہاں رہ پڑے۔ شادی کر لی اور ایک اسکول میں معلم ہو گئے۔ ان کی تبلیغ کامیاب ہوئی۔ آدمی اور رقم سرحد کو بھیجتے رہے۔ سالہا سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ ۱۸۵۳ء میں ان پر شبہ ہوا، گرفتار ہوئے، پھر چھوڑ دیئے گئے“۔ (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک: ۱۳۱)

مولانا ملیح آبادی جب اس علاقے میں پہنچے تو اپنا مستقر علاقہ راج محل کے معروف گاؤں ”اسلام پور“ کو بنایا۔ پھر واپس نہیں گئے، یہیں پر مستقل سکونت اختیار کر لی، اور علامہ احمد اللہ خاں عظیم آبادی کی صاحب زادی ”محبوبہ خاتون“ سے شادی کی، جن کے بطن

سے دوڑ کے، مولانا عبدالمنان دلاپوری اور شیخ الحدیث مولانا عبدالحنان دلاپوری، اور تین لڑکیاں، مجید النساء، حمید النساء اور رشید النساء پیدا ہوئیں۔

اس علاقے میں کفر و شرک عام تھا، لوگ طرح طرح کی بدعات و خرافات میں مبتلا تھے، اور رسم و تقالید کو دین و دھرم سمجھ کر انجام دیئے جاتے تھے۔ مولانا ملیح آبادی نے جب یہ ساری چیزیں دیکھیں، تو دعوت و تبلیغ، اور اصلاح و تعمیر کا کام نہایت ہی خیر و خوبی، تندہی اور اخلاص و لگن سے شروع کیا۔ ان کی دعوتی جولان گاہ جامناڑا سے راج شاہی تک، اور ندیا سے سنہتال پرگنہ کی آخری چھوڑ تک تھی۔ ان علاقوں کے دورے اکثر وہ پیدل کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ ان کی دعوت و تحریک کا اثر ہونے لگا۔ اس سے انہوں نے فائدہ اٹھا کر اپنا کام مزید تیز کر دیا۔ آپ کی تبلیغ و تنظیم کا طریقہ کار یہ تھا کہ جس گاؤں میں جاتے وہاں کے لوگوں کو اولادین و شریعت کی باتیں بتلاتے، مان لینے کے بعد ان پر قائم رہنے کا عہد لیتے اور پھر ایک مقامی جمعیت قائم کر دیتے، اور ایک امیر مقرر کر دیتے، جس کو اس علاقے میں ”سردار“ کہا جاتا تھا۔ لوگ ہر معاملہ میں اس امیر کے تابع ہوتے اور مال و تعاون ان کے اشراف میں اکٹھا کرتے تھے۔ سارا مال دلاپور کے مرکز میں جمع ہوتا تھا، اور پھر اسے عظیم آباد (پٹنہ) بھیج دیا جاتا تھا۔

غلام رسول مہر نے اپنی کتاب ”سرگزشت مجاہدین“ میں ایک ذیلی سرخی ”مرکز مالده“ قائم کی ہے، اور اس کے تحت لکھا ہے کہ ”مرکز مالده کی بنیاد ہنٹر کے بیان کے مطابق ۱۸۴۰ء کے لگ بھگ پڑی تھی۔ اس بیان کا مفاد یہ ہے کہ مولانا ولایت علی کے ایک خلیفہ عبدالرحمن لکھنوی ضلع مالده میں تشریف لائے۔ انہیں حالات سازگار معلوم ہوئے، تو اسی ضلع کے ایک گاؤں میں مدت تک ٹھہرے رہے۔ ایک مقامی خاتون (مراد صاحب زادی مولانا احمد اللہ عظیم آبادی) سے شادی کر لی، اور مدرس کی حیثیت میں کام کرتے رہے۔ گاؤں میں چھوٹے چھوٹے زمیندار رہتے تھے، ان کے بچے مولوی کے پاس تعلیم پانے لگے۔ بہ الفاظ ہنٹر مولوی صاحب بڑے پر جوش اور پرتا شیر انداز میں لوگوں کو جہاد کی دعوت دیتے اور ان سے باقاعدہ اعانتی رقمیں وصول کرتے۔ سال بہ سال جمع شدہ رقمیں اور فراہم شدہ آدمی اس غرض سے عظیم آباد بھیج دیتے کہ انہیں سرحد میں پہنچانے کا انتظام کر دیا جائے“ (سرگزشت مجاہدین: ۴۱۲)

مولانا ملیح آبادی کے کئی باصفا کارکن تھے، جن کو انہوں نے مختلف مقامات پر مختلف کاموں کے لئے مقرر کر رکھا تھا۔ مولانا مسعود عالم ندوی، مولانا غلام رسول مہر اور سید محمد میاں، وغیرہم کی کتابوں میں جن ناموں کا ذکر ملتا ہے، ان میں رفیق منڈل، مولانا امیر الدین، اور ابراہیم منڈل وغیرہم لائق ذکر ہیں۔ ان سب کے کارناموں اور خدمات کی تفصیل مذکورہ کتابوں میں موجود ہے۔ ابراہیم منڈل کے متعلق غلام رسول مہر لکھتے ہیں کہ ”یہ بزرگ بڑے غیور دیندار تھے۔ بزرگان عظیم آباد سے ان کا تعلق تھا۔ راج محل کے پورے علاقے میں ان کے تقوے، دینداری، اور جوش حمیت اسلام کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ یقین ہے کہ یہ جماعت مجاہدین کا کام بڑی سرگرمی سے کرتے ہوں گے، لیکن نہ اس کی تفصیلات معلوم ہیں، نہ مقدمے کی روداد ہمارے سامنے آئی۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ ابراہیم منڈل کو اکتوبر ۱۸۷۰ء میں حبس دوام بہ عبور دریاے شورا اور ضابطی املاک کی سزا ہوئی تھی، البتہ انہیں انڈمان نہ بھیجا گیا۔ کچھ نہیں بتایا جاسکتا کہ اس کی وجہ کیا ہوئی۔ مولانا مسعود عالم کے بیان کے مطابق رسالہ اشاعت السنۃ میں مرقوم ہے کہ ابراہیم منڈل کو

لارڈ لٹن کے حکم سے ۱۸۷۸ء میں رہا کر دیا گیا تھا۔ ان کا انتقال موجودہ صدی کے اوائل میں ہوا“ (سرگزشت مجاہدین: ۴۱۵)

مولانا ملیح آبادی کا ایک عظیم ترین کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے معتقد و مداح ابراہیم منڈل کے ساتھ مل کر ۱۲۹۴ھ مطابق ۱۸۷۸ء میں ”جامعہ شمس الہدیٰ السلفیہ“ کی بنیاد ”دلاپور“ صاحب گنج، جھارکھنڈ میں اپنے خسر مولانا احمد اللہ خاں عظیم آبادی کے ہاتھوں سے رکھی۔ اس ادارہ کو آپ نے کیسے سجایا، سنوارا اور برگ و بار کے لائق بنایا، اس کے متعلق مولانا شمس الحق سلفی لکھتے ہیں کہ ”مولانا لکھنوی نے مدرسہ کے قرب و جوار کے جنگلات کی صفائی کی، اور طلبہ کے دارالاقامہ اور درسگاہ کی تعمیر کروائی، اور اپنے لئے الگ سے ایک رہائش گاہ بنوائی۔ پانی کے انتظام کے لئے دو تالاب اور ایک کنواں کھودوایا۔ ایک تالاب مدرسہ کی ملکیت میں ہے، اور دوسرا ان کے اولاد و احفاد کی ملکیت میں۔ مدرسہ کے طلبہ و اساتذہ اور مسافرین و مجاہدین کے خوردونوش کا انتظام ۱۸۷۸ء سے ۱۹۴۰ء تک مولانا لکھنوی کے گھر ہی سے ہوتا تھا۔ مطبخ مولانا کا گھر ہی تھا، اور باروچی کا کام گھر کی بہو بیٹیاں کیا کرتی تھیں۔ مولانا خود جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور جلاون تیار کیا کرتے تھے۔ مدرسہ کے اخراجات کے لئے مٹھی چاول جمع کر کے مدرسہ پہنچا دیتے، اس کا سلسلہ آج تک جاری و ساری ہے۔ اس وقت جامعہ کا ایک بڑا ذریعہ آمدنی یہی مٹھی چاول ہے“۔ (مولانا عبدالحنان دلاپوری: شخصیت اور کارنامے: ۲۰-۲۱)

مولانا ملیح آبادی شمس دلاپوری پوری زندگی تحریک مجاہدین سے جڑے رہے اور اس علاقے سے تعاون جمع کر کے بھیجتے رہے، اور ساتھ ہی اپنے ادارہ ”شمس الہدیٰ“ کو بھی ترقی دیتے رہے، یہاں تک کہ یہ داعی الی اللہ و مجاہد فی سبیل اللہ ۱۹۱۸ء میں تقریباً ایک سو سال کی عمر پا کر وفات کر گئے۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور دامن کوہ میں انجام دیئے گئے ان کے اعمال و کارناموں کو قبول کرے، آمین!!!۔

(مجلہ طوبی چندن باڑہ بہار۔ دسمبر و جنوری ۲۰۱۸ء و ۲۰۱۹ء)



مولانا محمد عبدالسلام مبارکپوریؒ: حیات و خدمات

وفات فروری ۱۹۲۴ء

مولانا عبدالرحمن مبارکپوری

مولد و منشاء و سلسلہ نسب: ضلع اعظم گڑھ کا مشہور علمی و صنعتی قصبہ مبارکپور آپ کا مولد و منشاء ہے۔ اسی قصبہ میں آپ ۱۲۸۲ھ میں پیدا ہوئے۔

سلسلہ نسب اس طرح ہے، عبدالسلام بن خان محمد بن امان اللہ بن حسام الدین، آپ کے والد جناب خان محمد خاندانی موجد و عامل بالحدیث تھے۔

تحصیل علم و ممتاز اساتذہ: اردو فارسی کی ابتدائی تعلیم کے بعد عربی کی ابتدائی درسی کتب کا فیہ و شافیہ تک جناب مولانا عبدالرحیم مبارکپوریؒ و دیگر علماء سے پڑھیں، شرح وقایہ مولانا حسام الدین منویؒ اور بقیہ کتب درسیہ مولانا عبدالحق ولایتی، محدث کبیر ابوالعلیٰ محمد مبارکپوریؒ مولف تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی، استاذ الاساتذہ علامہ کبیر حافظ عبداللہ غازی پوری اور شیخ الکل حضرت میاں نذیر حسین محدث دہلوی سے پڑھیں اور شیخ حسین عرب یمانی سے اجازت عامہ حاصل کی، اجازت حدیث مسلسل بالاولیۃ و بلوغ المرام حضرت قاضی محمد مچھلی شہری سے حاصل کی اور علم طب جناب حکیم عبدالولی بن حکیم عبدالعلی لکھنوی اور دیگر علمائے طب سے حاصل کیا، رحمہم اللہ رحمة واسعة۔

درس و تدریس: تکمیل علوم کے بعد مولانا مبارکپوریؒ نے تادم زیست مختلف مشہور علمی و دینی درسگاہوں میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا، مثلاً مدرسہ احمدیہ آره و مدرسہ صادق پور پٹنہ میں (۱۵ سال) مدرسہ عالیہ منونانہ بھجنجن میں (۳ سال) مدرسہ سراج العلوم بونڈ بہار ضلع گونڈہ میں (۴ سال) اور آخر میں دارالحدیث رحمانیہ (مرحوم) دہلی میں درس و تدریس کے لئے تشریف لے گئے۔

جامعہ سراج العلوم میں: جناب مولانا عبدالسلام مبارکپوریؒ تقریباً ۱۹۱۷ء یا ۱۹۱۸ء میں کنڈو بونڈ بہار تشریف لائے اور ۱۹۲۲ء تک جامعہ سراج العلوم میں منصب تعلیم و تربیت پر فائز رہے، مولانا موصوف کے آتے ہی جامعہ کا وہ تعلیمی انحطاط جو اس سے پہلے پیدا ہو چکا تھا دور ہو گیا اور دور دراز اضلاع و صوبہ جات کے طلبہ اس شیع علم فن کے ارد گرد پروانہ وارا کٹھا ہونے لگے، چنانچہ اس دور میں بہار و بنگال اور دوسرے مقامات کے طلبہ یہاں تعلیم حاصل کرنے لگے، تعلیمی معیار میں اضافہ ہوا، اور تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ کی بڑی بڑی کتابوں کی تعلیم ہونے لگی۔

اس دور کے ممتاز اور قابل ذکر مستفیدین میں مجاہد جماعت مولانا ممتاز علی رحمہ اللہ کر تھی ڈیہہ، بستی، حکیم مولانا محمد یسین صاحب

رحمہ اللہ بونڈی بہار، گونڈہ، مولانا عبدالغفور صاحب چھپرا، بہار، مولانا حکیم حسان صاحب سنجے پوری، مولانا محمد اقبال صاحب رحمہ اللہ ریواں بستی، مولانا عبدالحمید صاحب گنڈو، فضیلۃ الشیخ عبید اللہ رحمانی مبارکپوری حفظہ اللہ، مولانا رحم اللہ صاحب و مولانا تفضل حسین صاحب و مولانا محمد منیر صاحب بونڈی بہار، اور مولانا حبیب اللہ صاحب و مولانا عبدالرحیم صاحب طیب پور وغیرہ ہیں۔

وفات کا عبرت آموز واقعہ: مولانا عبدالسلام مبارکپوری جامعہ سراج العلوم بونڈی بہار سے دارالحدیث رحمانیہ (مرحوم) دہلی تشریف لے گئے اور وہیں بتاریخ ۱۸ رجب ۱۳۴۲ھ مطابق ۲۴ فروری ۱۹۲۴ء آپ کی وفات ہوئی، جس کا واقعہ بڑا ہی عبرت آموز ہے، جس کی دردناک تفصیل یہ ہے کہ مولانا مرحوم مطالعہ کتب کے بہت شوقین تھے، جب بھی کوئی نئی علمی کتاب بازار میں آتی اسے حاصل کرنے کی کوشش فرماتے، اسی سلسلہ میں ایک روز جامع مسجد کے علاقہ میں تشریف لے گئے، کتاب خرید کر سڑک عبور کر رہے تھے کہ ایک گھوڑا گاڑی کے نیچے آگئے اور انتقال فرما گئے، کتاب آپ کے ہاتھ میں تھی جس کے سبز رنگ کا ٹائٹیل مرحوم کے خون سے سرخ ہو گیا، یہ کتاب آج بھی مرحوم کے کتب خانہ میں سرخ و سبز ٹائٹیل کے ساتھ محفوظ ہے اور دیکھنے والوں کو اپنی خو نچکاں داستان سنارہی ہے۔

مرحوم کے انتقال پر ملال پر شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری نے اپنے اخبار اہل حدیث میں مندرجہ ذیل سطور لکھی ہیں اور آپ کی تعلیم و تدریسی اور علمی و تحقیق صلاحیت کا اعتراف کیا ہے۔

”آہ مولانا عبدالسلام صاحب مرحوم! مولانا موصوف صحیح معنوں میں ایک عالم، علوم کے مدرس تھے، مدرسین کی تلاش میں جب نظر پڑتی تو آپ پر پڑتی، خدا کی شان آپ کا بڑا لڑکا مولوی عبدالعزیز بنگال میں خوب کام کر رہا تھا کچھ مدت پہلے فوت ہو گیا، اب آپ کی باری آئی، آپ مدرسہ رحمانیہ دہلی میں مدرس تھے، بازار کو نکلے تھے کیا معلوم تھا قضا لے جا رہی ہے، پیچھے سے گھوڑا گاڑی بے تحاشہ بھاگی آرہی تھی، کوچ مین بھی نہ تھا، بس گاڑی کی صورت میں عزرائیل تھا، گاڑی کے نیچے دب کر علم دین کا آفتاب ۲۴ فروری ۱۹۲۴ء کو غروب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، آپ کے صاحبزادہ مولوی عبید اللہ ذی علم ہیں خدا ان کو باپ کا نعم البدل بنائے، جمعہ ۲۹ فروری کو امرتسر میں جنازہ غائبانہ پڑھا گیا“۔

(ملخص از اخبار اہل حدیث ۷ مارچ ۱۹۲۴ء)

جماعتی و علمی خدمات: مرحوم جماعتی و علمی کاموں میں بھی پیش پیش رہتے اور پوری دلچسپی لیتے تھے، اخبار اہل حدیث امرتسر میں تراجم علمائے اہل حدیث ہند کا جو سلسلہ شروع ہوا یعنی از ۳۰ اگست ۱۹۱۸ء تا ۱۱ اگست ۱۹۲۲ء اس میں تقریباً ۸۲ علماء کے سوانح شائع ہوئے جن میں سے ایک تہائی کے قریب مولانا مرحوم کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہیں۔

آپ کی تصانیف میں ”سیرۃ البخاری“ دو حصوں میں اور کتاب التمدن (اسلامی تمدن) تین حصوں میں ہے جس کے دو حصے شائع ہو چکے ہیں، تیسرا حصہ طبع نہ ہو سکا، تصوف کے عنوان پر بھی ایک غیر مطبوع رسالہ ہے۔ ”سیرۃ البخاری“ بڑی ہی بے نظیر علمی و تحقیقی

کتاب ہے جس کی سلاست بیان، طرز استدلال، استقصائے واقعات، تفصیل مطالب اور تحقیق مسائل وغیرہ کا اعتراف جناب مولانا سید سلیمان ندوی جیسے لوگوں نے کیا ہے۔ اس کتاب کے حصہ اول میں امام بخاری کی پیدائش، طفولیت، تحصیل علوم، علمی اسفار، درس و تدریس اور افتاء کے واقعات، اخلاق و عادات، زہد و عبادت اور وفات وغیرہ کے مکمل سوانح حیات مذکور ہیں، حصہ دوم میں امام بخاری کے علمی کارناموں، اسلامی خدمات، حدیث و فقہ، اجتہاد و تدبیر، فن تاریخ و علل او جامع صحیح بخاری وغیرہ پر مفصل بحث کی گئی ہے اور خاتمہ میں امام بخاری کے تلامذہ کا مفصل تذکرہ اور امام بخاری اور مسلک محدثین پر علامہ شبلی نعمانی نے جو جارحانہ حملے کئے ہیں ان پر بھرپور علمی تنقید و تبصرہ ہے۔

اولاد و احفاد: مولانا مرحوم صاحب اولاد تھے جن کے اسمائے گرامی علی الترتیب یہ ہیں: (۱) مولانا حافظ عبدالعزیز مرحوم (۲) محدث کبیر عبید اللہ رحمانی مبارکپوری حفظہ اللہ مولف مرعاة المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح (۳) ڈاکٹر محمد عزیز مرحوم (۴) مولانا عبید الرحمن طالب رحمانی مظاہری مرحوم۔

اللہ کا شکر ہے کہ مولانا مرحوم کا علمی شجر سرسبز و شاداب ہے، چنانچہ پدر بزرگوار فضیلۃ الشیخ عبید اللہ رحمانی مبارکپوری متعنا اللہ بطول حیات دینی علوم و فنون خصوصاً فن حدیث میں ید طولی رکھتے ہیں۔ اور آپ کے تین لڑکے ہیں جن کے اسماء بالترتیب یہ ہیں۔ (۱) جناب فضل الباری صاحب، (۲) راقم سطور عبید الرحمن مبارکپوری (۳) حافظ عبدالعزیز متعلم دراسات علیا جامعہ ام القرئی مکہ مکرمہ۔

(یادگار مجلہ جامعہ سراج العلوم بونڈی بہار۔ ۳۱ اکتوبر و یکم نومبر ۱۹۸۶ء)

(سیرۃ البخاری ۱۸-۲۰)

□□□



حضرت مولانا ابوالطیب عبدالصمد مبارک پوری کارگاہ علم و حیات میں

وفات جنوری ۱۹۴۸ء

ڈاکٹر محمد اسلم مبارک پوری بنارس

مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ کا ایک مشہور و معروف قصبہ ہے۔ اس قصبہ میں اور اس کے نواح میں فیض قدرت نے جن نادرہ روزگار ہستیوں اور نابغہ علم و فن کو وجود بخشا ہے، ان میں مولانا عبدالصمد صاحب حسین آبادی، مبارک پوری کا اسم گرامی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔ حسین آباد، مبارک پور سے متصل ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو ”حسین آبادی“ کہا جاتا ہے۔ محلہ ”حسین آباد“ قصبہ مبارک پور کے ملحقہات میں سے ہے جو ایک میل کے فاصلہ پر شمال کی جانب واقع ہے۔ یہاں کے تمام باشندے مسلمان اور نوے فیصد سے زائد مسلک عمل بالکتاب والسنۃ (اہل حدیث) سے وابستہ ہیں۔ اس گاؤں کی زیادہ تر آبادی مولانا رحمہ اللہ کے جدِ اعلیٰ شیخ فقیر اللہ کی اولاد سے ہے۔ وہ نہایت شریف النفس اور نجیب الطبع تھے۔ ان کی نجابت و شرافت کو دیکھ کر گوجر پار کے ایک ٹھا کر اودے بھان سنگھ نے اپنی زمین میں آباد کیا اور ایک تحریر لکھ کر دی جس میں مسلمانوں کے لئے بہت ساری مراعات تھیں۔ ابتداء اسی کے نام پر گاؤں کا نام ”اودے بھان پور“ رکھا گیا تھا۔ آج بھی سرکاری کاغذات میں اسی قدیم نام سے جانا جاتا ہے۔ نواب اودہ کے دور میں شیعہ گردی کے چکر میں محمد حسین مہتر نامی شخص کی طرف نسبت کرتے ہوئے اب اسے ”حسین آباد“ کہا جاتا ہے۔ یہی مولانا کا مولد و مسکن ہے۔

نام، کنیت اور نسب: نام: عبدالصمد، کنیت: ابوالطیب۔ سلسلہ نسب اس طرح ہے: عبدالصمد بن شیخ محمد اکبر بن شیخ محمد علی بن شیخ محمد مومن بن شیخ فقیر اللہ، حسین آبادی، مبارک پوری۔

ولادت، نشوونما اور ابتدائی تعلیم: آپ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ مطابق ستمبر ۱۹۰۴ء میں ”حسین آباد“ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ابتدائی نشوونما گھر ہی پر والدین، اور دادا کے زیر نگرانی ہوئی۔ آپ نے ایام طفولیت میں قرآن مجید کے چند ابتدائی پارے اپنے جدِ امجد شیخ محمد علی صاحب سے پڑھا۔ ابھی دو تین پارے ہی پڑھے ہوں گے کہ ہندو مسلم فساد کا حادثہ واقع ہو گیا اور آپ کے دادا پس دیوار زنداں کر دیئے گئے جس کی وجہ سے تعلیمی سلسلہ منقطع ہو گیا۔

اس کے بعد مزید چند پارے گھر گاؤں کے بزرگوں سے پڑھا۔ ختم قرآن کی سعادت مولانا احمد علی برادر خرد مولانا عبدالسلام صاحب محدث مبارک پوری رحمہ اللہ سے حاصل ہوئی۔ نیز فارسی اور اردو کی ابتدائی کتابیں انہی سے پڑھی۔ بعد ازاں بغرض تعلیم مدرسہ عربیہ دارالتعلیم میں داخل ہوئے اور مولانا محمد اصغر صاحب مبارک پوری رحمہ اللہ سے فارسی کی انتہائی کتابیں اور عربی میں شرح جامی، شرح تہذیب

اور فصول اکبری وغیرہ پڑھی۔ اور حضرت العلام ابوالعلی محمد عبدالرحمن مبارکپوری۔ رحمہ اللہ۔ صاحب تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی سے بلوغ المرام (نصف اول) اور قدرے نصف ثانی، قطبی، سراجی، وائل مشکوٰۃ المصابیح، جلالین (پارہ اول) اور شرح وقایہ (جلد اول) پڑھی۔

علم کی جستجو اور اسفار: اس کے بعد آپ نے مدرسہ عالیہ عربیہ منوناتھ میں داخلہ لیا اور حضرت مولانا عبدالسلام صاحب محدث مبارکپوری سے جلالین، مشکوٰۃ، شرح وقایہ (جلد ثانی) شرح نخبۃ الفکر اور میر قطبی پڑھی۔ جب آپ گھریلو تعلیم، قرب و جوار اور اطراف و اکناف کے علماء سے فیض یاب ہو چکے تو اذیاد علم کے شوق نے آپ کو وطن مالوف چھوڑنے پر مجبور کیا اور اس وقت کی بڑی درسگاہوں اور تبحر علماء کی طرف شہر حال کیا۔ آپ شعبان ۱۳۳۸ھ موافق ۱۹۲۰ء کے نئے تعلیمی سال میں مدرسہ میاں صاحب پھانک حبش خاں دہلی میں داخل ہوئے اور مولانا شرف الدین صاحب محدث دہلوی سے مختصر المعانی، ملاحسن، میرزاہد، ملاجلال، ترمذی، نسائی، اور دیوان متنبی وغیرہ پڑھی۔ اگلے سال ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء جب مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے سیالکوٹ میں ایک عربی مدرسہ قائم کیا تو شوق علم آپ کو اور آپ کے دیگر رفقاء کو کشاں کشاں سیالکوٹ لے گیا اور وہاں کا نظام ابتداء میں اس قدر مختل تھا کہ دو تین ماہ بعد آپ اور آپ کے تمام رفقاء دہلی واپس آگئے اور دوبارہ مولانا ابوسعید شرف الدین صاحب کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ ۲۷ شوال ۱۳۳۹ھ مطابق ۴ جولائی ۱۹۲۱ء کو دارالحدیث رحمانیہ دہلی کا افتتاح عمل میں آیا اور پڑھائی شروع ہو گئی، لیکن وہ جس اوج کمال پر پہنچنے والا تھا، اس کا کسی کو اندازہ نہ تھا، بلکہ پہلے سال مدرسین کے نظام کا مسئلہ کافی الجھارہا، لیکن دوسرے سال جب مشہور ماہر درسیات، اور فن حدیث کے تبحر عالم حضرت مولانا محمد احمد ولد حسام الدین مسوی اعظمی، صدر مدرس اور شیخ الحدیث کی حیثیت سے دارالحدیث رحمانیہ کے مسند درس پر جلوہ افروز ہوئے تو اس ادارہ کی خوبی کے خدوخال نمایاں ہونے لگے۔ دیگر تشہ گان علوم کی طرح حضرت مولانا عبدالصمد صاحب بھی اسی سال ۱۳۴۰ھ۔ ۱۹۲۲ء میں ساتویں جماعت میں داخل ہوئے، لیکن جب اگلا تعلیمی سال ۱۳۴۱ھ۔ ۱۹۲۳ء شروع ہوا تو درمیان سال بیمار پڑ گئے۔ ادھر مولانا محمد احمد صاحب بھی مستعفی ہو کر دوبارہ جامعہ فیض عام منوناتھ بھنجن کی صدر مدرس پر واپس آگئے۔ ان حالات کے سبب مولانا نے درسیات کی تکمیل مدرسہ رحمانیہ دہلی کے بجائے مدرسہ فیض عام منوناتھ میں کی۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۰ سال تھی۔

درسیات کی تکمیل کے بعد مولانا محمد احمد صاحب نے آپ کو خصوصی سند اجازت مرحمت فرمائی اور آپ کی لیاقت و صلاحیت کے پیش نظر جامعہ فیض عام منوناتھ کی شہرہ آفاق کتاب سنن ابی داؤد کی عظیم الشان شرح ”عون المعبود“ کی چاروں جلدیں انعام میں دی گئیں۔

مشہور اساتذہ کرام: مولانا ابوالطیب عبدالصمد صاحب کی تعلیم و تربیت، اساتذہ و شیوخ کی جو تفصیلات سامنے آئی ہیں، ان سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے گھر، خاندان، گرد و پیش اور ماہرین حذاق اساتذہ سے مستفید ہونے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور انتہائی محنت و جاں فشانی کے ساتھ تعمیر شخصیت اور علمی ترقی میں ہمہ وقت منہمک رہے جس کے نتیجے میں وہ ایک کامیاب مدرس، مایہ ناز مصنف کی حیثیت سے نمایاں رہے۔

آپ کے مشہور اساتذہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ حضرت مولانا ابوالعلی محمد عبدالرحمن صاحب محدث مبارک پوری صاحب تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی۔ ۲۔ حضرت

مولانا ابوالہدی عبدالسلام صاحب مبارک پوری صاحب سیرۃ البخاری رحمہ اللہ ۳۔ حضرت مولانا محمد احمد بن ملا حسام الدین منوی اعظمی رحمہ اللہ ۴۔ حضرت مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی رحمہ اللہ ۵۔ حضرت مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی رحمہ اللہ ۶۔ حضرت مولانا احمد علی برادر مولانا عبدالسلام صاحب مبارک پوری رحمہ اللہ ۷۔ حضرت مولانا محمد اصغر مبارک پوری رحمہ اللہ وغیر ہم۔

میدان عمل اور تدریسی خدمات:

درسیات سے فارغ ہو کر آپ نے پوری زندگی تعلیم و تدریس، وعظ و خطابت، تصنیف و تالیف اور مضمون نگاری میں گزار دی۔ مختلف اوقات میں آپ کے اساتذہ، اعزہ و رفقاء اور متعارفین کی طرف سے آپ کو جو خطوط لکھے گئے یا آپ نے دوسروں کو جو خطوط لکھے ان کا جس قدر مجموعہ ہمیں دستیاب ہو سکا ہے، آپ کی کتابوں اور مضامین کے مسودات جو محفوظ ہیں، یا آپ کے ہم عصر اعزہ کی یادداشتوں سے جو کچھ حاصل ہو سکا ہے، ان سب کی مدد سے آپ کی زندگی کا تقریباً پورا خاکہ تیار ہو جاتا ہے۔ خطوط اور بعض مسودات کی مدد سے مدارس عربیہ میں آپ کی تعلیمی خدمات، مدت تعلیم اور سنین تعلیم کا علم ہوتا ہے لیکن فراغت کے بعد دوسروں کی تدریسی خدمات کا علم کسی خط یا مسودہ سے حاصل نہیں ہو پاتا۔ البتہ مختلف ذرائع سے یہ معلوم ہوا کہ آپ نے مدرسہ عربیہ دارالتعلیم، صوفی پورہ (مبارک پور) میں بھی تدریسی خدمات انجام دی ہیں۔ اس لئے اغلب یہ ہے کہ آپ نے فراغت کے بعد ابتدائی دو برسوں میں یہیں تدریسی خدمات انجام دی ہوں کیوں کہ ان دو برسوں کے بعد خیر عمر تک کی تدریسی خدمات کی مدت اس طرح مسلسل اور ترتیب وار جڑی ہوئی ملتی ہیں کہ ان کے درمیان مدرسہ عربیہ دارالتعلیم میں درس دینے کی مدت کی گنجائش نہیں نکلتی ہے۔

جملہ مدارس جن میں آپ نے تعلیم و تدریس کی خدمات انجام دی ہیں ان کی تعداد دس ہوتی ہے جن کے نام سنین کی ترتیب کے ساتھ درج ذیل ہیں۔

- ۱۔ مدرسہ عربیہ دارالتعلیم، صوفی پورہ، مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ، یوپی (شوال ۱۳۴۱ھ مطابق مئی ۱۹۲۳ء سے شعبان ۱۳۴۲ھ مطابق ۱۹۲۴ء۔ مدت تدریس: ایک سال) ۲۔ مدرسہ احمدیہ سلفیہ، لہریا سرائے، دربھنگہ، بہار (شوال یا کسی قدر بعد ۱۳۴۲ھ سے شعبان یا ذی الحجہ ۱۳۴۵ھ تک، مدت تدریس: تین سال یا کچھ زائد) ۳۔ مدرسہ محمدیہ، دیوریا، یوپی (محرم ۱۳۴۶ھ سے شعبان ۱۳۴۷ھ تک، مدت تدریس: تقریباً دو برس) ۴۔ مدرسہ اسلامیہ پڑا، ڈاک خانہ بھیم نگر، ضلع بھاگلپور، بہار (شوال ۱۳۴۷ھ سے شعبان ۱۳۴۸ھ تک، مدت تدریس: ایک سال) ۵۔ مدرسہ اسلامیہ عربیہ موضع دواری، پوسٹ ہٹہ، ضلع راجشاہی، بنگال (موجودہ بنگلہ دیش) (از شوال ۱۳۴۸ھ تا شعبان ۱۳۴۹ھ، مدت تدریس: ایک سال) ۶۔ مدرسہ دارالہدی کشن گنج، دہلی (شوال ۱۳۴۹ھ سے شعبان ۱۳۵۰ھ تک مدت تدریس: ایک سال)۔

دارالہدی کشن گنج (دہلی) سے علاحدگی کے بعد تین سال تک (یعنی شعبان ۱۳۵۰ھ سے ۱۴ شوال ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۰ جنوری ۱۹۳۵ء تک) آپ نے محدث العصر حضرت محمد عبدالرحمن مبارک پوری صاحب تحفۃ الاحوذی۔ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت عالیہ میں رہ کر سنن ترمذی کی شہرہ آفاق شرح ”تحفۃ الاحوذی“ کی تالیف و تسوید میں تعاون کیا۔ شرح ترمذی کی تکمیل، کتاب العلل کی تسوید، مقدمہ تحفۃ

الاحوذی کے مسودات کے بیشتر حصوں کی تکمیل اور سوانحی خاکہ کی تحریر کے بعد ۱۵ شوال ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۱ جنوری ۱۹۳۵ء کو آپ کرلا (مبئی) کے لئے روانہ ہوئے اور دوسرے ہی دن مولانا محدث مبارکپوری انتقال کر گئے (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔

۷۔ مسجد اہل حدیث کرلا، مبئی (شوال ۱۳۵۳ھ سے شعبان ۱۳۵۶ھ تک، مدت کار: تین برس) ۸۔ مدرسہ عربیہ احمدیہ، موضع اونڑھی، ڈاکخانہ: ہاٹا ضلع دیوریا، یوپی (از شوال ۱۳۵۶ھ تا شعبان ۱۳۵۸ھ، تقریباً: دو سال) ۹۔ مدرسہ عالیہ عربیہ، مونا تھ: بھجن، یوپی (از شوال ۱۳۵۸ھ شعبان ۱۳۶۲ھ، مدت تدریس: ۶ برس) ۱۰۔ مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ، دہلی (شوال ۱۳۶۲ھ مطابق ستمبر ۱۹۴۵ء سے جمادی الآخرہ ۱۳۶۶ھ مطابق اپریل ۱۹۴۷ء، مدت تدریس: ایک سال ۹ ماہ)

مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ، دہلی کی تدریس کے دوران مولانا موصوف رحمہ اللہ اپریل میں بیمار ہوئے۔ رخصت لے کر گھر آئے اور پھر جانبر نہ ہو سکے اور ستمبر کے ہنگامہ میں گلشن علم دارالحدیث رحمانیہ بھی اجر گیا۔

مدرسہ محمدیہ دیوریا کا قیام: مدرسہ محمدیہ دیوریا کے قیام میں مولانا رحمہ اللہ کا دور ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے اس کا مختصر تعارف پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مولانا سید نذیر حسین صاحب کے معاصرین میں سے مولانا محمد انصاری صاحب مچھلی شہری (وفات ۱۳۰۶ھ) جو زبردست اہل حدیث عالم ہیں، آپ کے اندر دعوت و تبلیغ کا بہت جذبہ تھا۔ چنانچہ دعوت و تبلیغ کا کام بہت جوش و خروش کے ساتھ انجام دیتے تھے، اور حکمت و طب کے ماہر تھے۔ چنانچہ طبابت ہی کے سلسلہ میں دیوریا میں وارد ہوئے اور یہاں کی حالت دیکھ کر بہت پر زور طریقہ پر تبلیغ کا کام شروع کیا حتیٰ کہ کئی گاؤں کو اپنی تبلیغ کے ذریعہ اہل حدیث بنا دیا۔ پھر انہوں نے سوچا کہ یہاں پر ایک ایسا ادارہ قائم کیا جائے جس میں ابتدا سے لے کر اونچی تعلیم دی جائے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے ۱۹۰۰ء میں ”مدرسہ محمدیہ“ کی بنیاد ڈالی اور اسی سے متصل کچھ دکانوں کی بھی بنیاد ڈالی گئی جس کی آمدنی اس پر خرچ کی جاتی تھی۔ اس وقت درس نظامیہ کی تعلیم اور بیرونی طلبہ کے قیام و طعام کا بندوبست تھا۔ اس مدرسہ کے سب سے پہلے مدرس مولانا عبدالصمد صاحب مبارکپوری ہی ہیں۔ انہوں نے تقریباً دو برس تک دینی خدمات انجام دیں لیکن قلیل مدت کے اندر مولانا موصوف نے درس و تدریس کا کام اتنے بلند پیمانہ پر انجام دیا اور ایک ایسا نمونہ پیش کیا کہ آپ کے یہاں سے چلے آنے کے بعد بھی خط و کتابت کا سلسلہ برابر جاری رہا اور بڑے بڑے اہم معاملات میں ان سے مشورہ لیتے اور انہیں کی طرف رجوع کرتے، لیکن آپ کے آنے کے بعد سے یہ مدرسہ دن بدن تنزلی کی طرف گامزن رہا حتیٰ کہ آج ایک مکتب کی شکل میں باقی ہے۔

تلامذہ: مولانا رحمہ اللہ نے اپنی عمر عزیز کا نصف حصہ تدریسی خدمات، تالیفات و تصنیفات میں گزارا، مبارک پور، دہلی، دیوریا، بہار، راجشاہی بنگال اور مونا تھ: بھجن وغیرہ کے مدارس میں آپ سے مستفید ہونے والوں کی تعداد بے شمار ہے، ان سب کا احاطہ تو مشکل ہے۔ ان میں سے چند مشہور تلامذہ کے اسماء گرامی یہاں ذکر کیے جاتے ہیں:

۱۔ مولانا صفی الرحمن صاحب مبارکپوری، ۲۔ مولانا عبید الرحمن صاحب قمر مبارکپوری، ۳۔ مولانا ظہیر الدین صاحب رحمانی مبارک پوری، ۴۔ مولانا عبدالرشید صاحب حسین آبادی، ۵۔ مولانا نجیب اللہ صاحب حسین آبادی، ۶۔ مولانا قاضی عبدالحفیظ اطہر

مبارکپوری، ۷۔ مولانا عبدالحکیم صاحب مجاز اعظمی، ۸۔ مولانا مفتی احمد صاحب ندوی، سابق امیر جمعیت اہل حدیث ہند، ۹۔ مولانا حکیم عبدالباقی صاحب، مؤناتھ بھنجن، ۱۰۔ مولانا حکیم ابوالحسن عبید اللہ صاحب کاشمیری، ۱۱۔ مولانا ابو عبد اللہ عبد القیوم خان صاحب، ۱۲۔ مولانا عزیز احمد ندوی (بیت اللہ صاحب) بستوی، ۱۳۔ مولانا عابد حسن صاحب رحمانی۔ رحمہم اللہ تعالیٰ، ۱۴۔ مولانا محمد اعظمی صاحب سابق شیخ الجامعہ جامعہ عالیہ عربیہ مؤناتھ بھنجن، ۱۵۔ مولانا محمد ابراہیم رحمانی، سکھوینیا۔ حفظہما اللہ تعالیٰ۔

دعوت و تبلیغ: مولانا فن خطابت کے شہسواروں میں سے نہیں تھے، اور نہ ہی تیز طرار تقریر کرنا جانتے تھے، کیوں کہ آپ کی زبان میں تھوڑی سی لکنت تھی، پھر بھی آپ اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں دعوت و تبلیغ کا کام برابر کرتے رہتے تھے۔ جب گاؤں میں ہوتے اصلاح کرتے، اور پورے گاؤں میں تقویٰ، پرہیزگاری، اخوت بھائی چارگی کا ماحول بنائے رکھتے۔ رمضان المبارک کے مہینہ میں جب لوگ شب قدر جاتے تو اس میں آپ لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے۔ دعوت و تبلیغ میں (أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيِّ هِيَ أَحْسَنُ) (النمل ۱۲۵) آپ کا نصب العین تھا۔ سچ، قافیہ بندی اور تصنع سے دور رہتے۔ اگرچہ آپ بے مثال مقرر نہ تھے، جیسا کہ ذکر ہوا۔ پھر بھی لوگوں کے دلوں میں اپنی بات کو بٹھانے کا ملکہ تھا۔ اس کا سب سے بڑا سبب آپ کا تقویٰ ہوتا تھا۔ ازدل خیز دردل ریزد۔

جب آپ جامعہ عالیہ عربیہ مؤناتھ بھنجن میں مدرس تھے تو اورنگ آباد کی جامع مسجد میں جمعہ کا خطبہ دیتے تھے۔ اور کرلا (ممبئی) کی جامع مسجد میں بھی آپ خطیب رہ چکے ہیں۔ آپ جو خطبہ دیتے اس کا نوٹ تیار کرتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ ایک کتابی شکل میں تیار ہو گیا تھا اور اس کا نام خطبات السنۃ رکھا۔

تصنیف و تالیف: مولانا رحمہ اللہ نے اپنی پوری زندگی تصنیف و تالیف اور مضمون نگاری میں گزاری۔ آپ کی تحریر ٹھوس، مدلل اور سلیجھی ہوئی ہوتی تھی۔ رد اور دفاع حدیث میں اپنے اسی اسلوب پر گامزن رہتے تھے تاہم کبھی کبھی بشری تقاضے کے مطابق تلخی آہی گئی ہے۔ پھر بھی مخالف کی عزت و ناموس اور قدر و منزلت کا بھرپور لحاظ کرتے، اور ان کے لئے دعائے خیر کرتے۔

آپ کے مقالے اخبار ”اہل حدیث“ امرتسر، اور ماہنامہ ”محدث“ دہلی میں شائع ہوتے تھے۔ آپ کے اکثر مضامین چند چھوڑ کر، حدیث نبوی کی تائید اور منکرین حدیث کے رد میں شائع ہوتے تھے، جس سے آپ کے اندر حدیث نبوی پر عمل، اور احیائے سنت نبویہ کا جو جذبہ تھا، اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اخبار ”اہل حدیث“ میں آپ کے بعض مقالے ۳۵، ۳۰ یا اس سے زائد قسطوں میں شائع ہوئے۔ مولانا کی ساری کتابیں اردو زبان میں ہیں سوائے دو کتابوں کے (ان کے سامنے عربی لکھ دیا گیا ہے۔) مختلف علوم و فنون پر آپ کی تصانیف یہ ہیں:

۱۔ شرح سنن ابن ماجہ، ۲۔ تائید حدیث بجواب تنقید حدیث، ۳۔ شرف حدیث، ۴۔ شان حدیث (اردو، عربی)، ۵۔ حق پرستی بجواب شخصیت پرستی، ۶۔ ذم غنا و رقص و سرود، ۷۔ خطبات السنۃ، ۸۔ احوال الصحابہ، ۹۔ رسالہ مختصر بابت رفع الیدین، ۱۰۔ اردو ترجمہ کتاب العبودیۃ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، ۱۱۔ ترجمہ رسالہ ابن تیمیہ، اس کا کوئی نام نہیں ہے، ۱۲۔ ترجمہ حصن حصین، ۱۳۔ رسالہ مختصر بابت تحقیق مسنہ، ۱۴۔ فقہ حنفی پر ایک نظر، ۱۵۔ چہل احادیث مع ترجمہ، ۱۶۔ تذکرۃ الاخوان بمنع شرب الدخان، ۱۷۔

الفتوحات الربانیہ، ۱۸۔ التبیان بما يجب معرفته علی اهل الایمان (عربی)

ذاتی حالات، اخلاق و کردار اور معمولات: مولانا رحمہ اللہ متوسط قد کے تھے، بدن گداز، شکل و صورت میں بہت زیادہ گورے تھے۔ پیشانی چوڑی تھی۔ داڑھی پھیلی ہوئی اور پورے رخسار پر محیط تھی۔ آپ نے موئے ریش کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا۔ طاقت کے اعتبار سے کمزور تھے۔ نہایت نرم اخلاق، مہمان نواز، متقی و پرہیزگار تھے۔ صرف اپنے کام سے کام رکھتے۔ بلا ضرورت گھر سے باہر نہیں نکلتے۔ گویا اس بارے میں حدیث رسول ﷺ ”ولیسع بیتک“ کی عملی تصویر تھی۔ اپنا زیادہ تر وقت درس و تدریس، مطالعہ و تصنیف، اور قرآن و حدیث میں تفکر، تدبر اور امعان نظر میں گزارتے۔ صبح کلام اللہ کی تلاوت میں مشغول رہتے۔ آپ تہجد گزار تھے۔ فرماتے کہ جب میں تہجد پڑھنے کھڑا ہوتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری بغل میں کوئی کھڑا ہے۔ آپ تہجد پڑھنے مسجد میں اتنے سویرے جاتے کہ لوگ بعض مرتبہ اس تاک میں لگے رہتے کہ ہم دیکھیں کہ مولانا کتنے سویرے مسجد میں آتے ہیں؟ مگر جب وہ لوگ مسجد میں جاتے تو مولانا مسجد میں موجود رہتے۔

محترم الحاج صاحب حسین آبادی رحمہ اللہ ذکر کرتے تھے کہ مولانا صاحب تہجد کے لئے کب جاتے تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے ساتھی عبدالمجید (صاحب) نے سوچا کہ آج تہجد کے لئے مسجد جانے میں مولانا پر سبقت لے جائیں۔ اس خیال سے بہت سویرے آئے اور مسجد تشریف لے گئے، اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ مولانا صاحب تشریف فرما ہیں۔ عبادت میں مشغول ہیں اور کہا کہ ”معلوم نہیں کب سوتے ہیں“۔

آپ اپنے والدین کے بہت خدمت گزار تھے۔ اگر آپ مسجد میں وضو کرتے یا موجود ہوتے، اور اتنے میں آپ کے والد صاحب آجاتے تو مسجد کے سامنے والے کنویں سے فوراً پانی نکال کر دیتے۔

آپ جب راستہ چلتے تو کسی طرف التفات نہ کرتے۔ مبارک پورا آتے جاتے راستہ کے غیر مسلم آپس میں کہتے کہ یہ کیسا شخص ہے بالکل سیدھے دیکھتے ہوئے نظریں جھکائے ہوئے چلا جاتا ہے، کسی طرف دیکھتا نہیں ہے، آپ ولی صفت تھے۔ آپ چھڑی ساتھ میں رکھتے، اور دلی والی گول ٹوپی لگاتے تھے، اور پاجامہ کرتا پہنتے تھے۔ آپ کا پاجامہ بیچ پنڈلی تک ہوتا تھا۔ آپ کو ہمیشہ اپنی کم علمی کا احساس رہتا تھا۔ اگر کبھی کوئی مسئلہ پوچھنے جاتا تو کہتے کہ مولانا نذیر احمد صاحب (الملوی) سے پوچھ لو یا شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے پوچھ لو۔ قضائے حاجت کے لئے کوئی ایک ڈیڑھ میل جاتے۔ بلا امتیاز چھوٹے بڑے سب کو سلام کرتے اور کوئی آپ سے سلام کرنے میں سبقت نہیں لے جاتا۔ جب آپ مدرسہ رحمانیہ دہلی میں مسند تدریس پر تھے تو نماز فجر کی امامت خاص طور پر آپ ہی کرتے تھے۔

علمی مقام و مرتبہ: مولانا نہایت ذی استعداد عالم و مدرس تھے، نیکی و پرہیزگاری کا پیکر، شرافت کا نمونہ اور حلم و صبر کا مجسم تھے۔ ان کی زندگی سلف صالحین کا پر تو معلوم ہوتی تھی۔ کثرت مطالعہ کی وجہ سے بینائی کمزور ہو گئی تھی۔ مگر اخیر عمر تک مطالعہ و تصنیف میں لگے رہے۔ وہ کامیاب مصنف و مؤلف، اچھے مضمون نگار، انشا پرداز اور نقاد تھے۔ مختلف جرائد و مجلات میں ان کے علمی اور تحقیقی مضامین و مقالات شائع ہوتے تھے۔ جن کو جمع کیا جائے تو ایک اچھی خاصی کتاب بن سکتی ہے۔ مبارک پور کے کامیاب مصنفین میں

شمار کیے جاتے ہیں۔ تصنیف و تالیف کا نہایت اچھا ذوق رکھتے تھے۔ ان کے ذوق تصنیف، اور حدیث و رجال میں دقت نظر، فقہی بصیرت اور فقہ الحدیث کی معرفت کی شہادت کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ نے ”تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی“ کی تصنیف و تکمیل میں تعاون دیا، اور محدث مبارک پوری کے انتقال کے بعد مقدمہ تحفۃ الاحوذی کی منتشر یادوں اور نامکمل مباحث کے ابواب و فصول کو مولانا نے مکمل کیا۔ اور اس اہم کتاب کو نہایت سلیقہ مندی اور علمی تحقیق و کاوش سے یوں مرتب فرمایا کہ وہ ہر ایک اعتبار سے مکمل ہوگئی۔ آپ کی علمی صلاحیت کا اعتراف شیر پنجاب، فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ مولانا کے گاؤں (حسین آباد) میں عید گاہ کی تعمیر کا مسئلہ سامنے آیا۔ اہل قریہ نے عید گاہ کی تعمیر کے لئے قبرستان میں ایک جگہ جوتانے بانے کے لئے مخصوص تھی، منتخب کیا۔ اس بارے میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ سے فتویٰ پوچھا تو انہوں نے لکھا کہ ”میری رائے میں ایسی جگہ عید گاہ تعمیر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے“ خط کے اخیر میں ایک نوٹ لکھا: ”مجھے سمجھ میں نہیں آیا کہ وہاں مولانا عبدالصمد صاحب موجود ہیں، اور مجھ سے کیوں فتویٰ پوچھا گیا؟ لہذا جب تک وہ میری بات کی تصدیق نہ کریں، اس پر عمل نہ کیا جائے“۔ لوگوں نے مولانا سے پوچھا تو آپ نے جواب دیا: ”اگر پورے گاؤں والے اس بات پر متفق ہو جائیں کہ عید گاہ کی تعمیر وہیں ہوگی تب بھی میں وہاں عید گاہ کی تعمیر کی مخالفت کروں گا“۔ چنانچہ عید گاہ دوسری جگہ تعمیر کی گئی۔

مولانا کا نظریہ تعلیم یہ رہا کہ جہاں کہیں آپ نے تعلیمی کام انجام دیا، پوری محنت و توجہ سے انجام دیا۔ آپ اس سلسلہ میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے تھے۔ الفاظ کی تخریج میں اصل مرجع کی جانب رجوع کرتے۔ صحیح بخاری کی گراں قدر شرح ”فتح الباری“ آپ کے پاس تھی، اسے زیر مطالعہ رکھتے۔

مولانا کی توجہ کا اندازہ ان کے شاگردوں اور ان کی زیر مطالعہ کتابوں سے چلتا ہے۔ ان کی مطالعہ کی ہوئی کتابوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ کہیں حواشی کا اضافہ ہے تو کہیں غلطیوں کی تصحیح ہے، اور کہیں معلومات کا اضافہ ہے، جس سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا کتنی دقیق اور عمیق نظری سے مطالعہ کرتے تھے اور یہی نہیں اس سلسلہ میں اپنے اجلہ اساتذہ کرام سے مفید مشورے بھی کیا کرتے تھے۔ اور آپ کے اساتذہ آپ کو اپنے مفید مشوروں سے نوازتے بھی تھے۔

مولانا عبدالرشید صاحب حسین آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں:

”جب ہم لوگ اونرھی (دیوریا) میں زیر تعلیم تھے تو مولانا کا یہ معمول تھا کہ نماز عشاء کے بعد جب سونے کے لئے چارپائی پر جاتے تو تمام طلبہ کو بلا کر آموختہ سنتے۔ وہاں طلبہ کی تعداد زیادہ نہ تھی۔ صرف مولانا ہی تنہا مدرس تھے۔ اس وقت نظام تدریس آج کے نظام سے جداگانہ گھنٹیوں میں منقسم نہ تھا۔ تمام طلبہ کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آتے تھے۔ زجر و توبیخ نہیں کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں مولانا نے ”شان حدیث“ تالیف کیا تھا جس کا کچھ مسودہ میرے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، ایک طرف عربی، دوسری طرف اس کا اردو ترجمہ تھا، عربی تحریر مکمل ہو چکی تھی، مگر ترجمہ کچھ باقی تھا۔ اسی اثناء میں رمضان المبارک کی تعطیل ہوگئی۔ بچپن کا زمانہ، گھر چلے

آئے، پھر معلوم نہیں کہ باقی کس کے ہاتھ سے پایہ تکمیل کو پہنچا اور کتاب کس کے ہاتھ لگی۔“

مولانا میں دور تعلیم ہی سے عالمانہ جوہر نمایاں تھے۔ آپ کی ذہانت و فطانت، شرافت و نجابت، بزرگی، تقویٰ، خدا ترسی، کردار و عمل کی خوبیوں اور احکام شریعت کی پابندیوں سے آپ کے اساتذہ متاثر تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے اساتذہ و اکابر علماء آپ کے تعلیمی نشیب و فراز سے گہری دل چسپی رکھتے تھے۔ آپ کو آپ کے تعلیمی مراحل میں اپنے مفید مشوروں اور تجربات سے نوازتے تھے۔ آپ کی بھی سعادت مندی تھی کہ آپ اپنے مستقبل کے متعلق اپنے مشفق اساتذہ سے برابر مشورہ لیتے رہتے تھے۔ چنانچہ پہلے پہل آپ تعلیم حاصل کرنے کے لئے دہلی روانہ ہوئے تو وہاں کے مدارس کی تعلیمی حالت کا جائزہ لے کر آپ جلیل القدر استاذ حضرت العلام مولانا محمد عبدالرحمن صاحب محدث مبارک پوری کو تفصیل سے مطلع کیا اور اس کی روشنی میں مشورہ طلب کیا۔

اسی طرح جب آپ دہلی سے سیالکوٹ تشریف لے گئے اور پھر دہلی واپس آئے تو مولانا عبدالسلام صاحب محدث مبارک پوری (صاحب سیرۃ البخاری) کے پاس خط لکھا، اور حالات سے مطلع کیا۔

دم واپس: (كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ) (فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ) کے اٹل ربانی فیصلہ کے پیش نظر قدرت کی طرف سے سفر آخرت کی تیاری شروع ہو گئی۔ اپریل ۱۹۴۷ء میں مولانا رحمہ اللہ بیمار ہوئے۔ اس وقت آپ قرطبہ ہند مدرسہ رحمانیہ دار الحدیث، دہلی میں مسند تدریس پر فائز تھے۔ رخصت لے کر گھر آئے۔ آپ کو دق و سل کی بیماری لاحق ہو گئی تھی۔ منہ سے خون آتا تھا۔ بینائی انتہائی کمزور ہو گئی تھی۔ اس وقت بھی شوق مطالعہ کا حال یہ تھا کہ آپ جب تک کچھ پڑھ نہ لیتے اطمینان نہ ہوتا۔ ضعف بصارت کی وجہ سے آنکھ سے بالکل قریب کر کے پڑھتے تھے۔

آپ کی وفات ۱۴ ربیع الاول ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۶ جنوری ۱۹۴۸ء یوم دوشنبہ دس بجے رات میں ہوئی (انا لله وانا اليه راجعون) دوسرے دن حسین آباد کی قبرستان میں دفن کئے گئے۔ آپ کے جنازہ میں مبارک پور کے علاوہ منو سے کثیر تعداد میں لوگ شریک ہوئے حتیٰ کہ دفن کے بعد بھی لوگ آتے رہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قبر کو نور سے بھر دے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

آپ کی وفات اور کم عمری میں انتقال پر قاضی اطہر مبارک پوری نے تذکرہ علمائے مبارک پور میں ان الفاظ میں تاثر پیش کیا ہے: افسوس کہ مولانا کی عمر نے وفانہ کی ورنہ ہندوستان کے مشاہیر علماء کی صف میں ہوتے اور ان کے علمی و دینی کارناموں کا بڑا فائدہ پہنچتا۔ یہی تاثر مولانا حبیب الرحمن صاحب نے بھی تذکرہ علمائے اعظم گڑھ میں تحریر کیا ہے۔

ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

”نہایت ذی صلاحیت عالم تھے۔ ان کی زندگی سلف صالحین کا نمونہ تھی۔ ان کا علمی تبحر اور حدیث میں ان کی ژرف نگاہی مسلم تھی۔ ان کا عظیم الشان علمی کارنامہ ”مقدمہ تحفۃ الاحوذی“ کی تکمیل ہے ”انکار حدیث اور منکرین حدیث کے تراجم اور ان کے مراکز“ بحوالہ علوم الحدیث۔

(ماخوذ از: شان حدیث / مولانا عبدالصمد - ص: ۱۷-۳۲)



استاذ محترم علامہ نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ۔ چند یادیں

وفات ۳۰ مئی ۱۹۶۵ء

مولانا عبدالحمید رحمانی

علامہ نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۶ء۔ ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء کی طلبہ ہی نہیں علماء اور اصحاب جبہ و دستار کے قلب و دماغ پر اتنی ہیبت تھی کہ سب لوگ ان کا سامنا کرنے سے ڈرتے تھے۔ میں مدرسہ فیض عام مٹونا تھہ بھنجن میں چھٹی جماعت کا طالب علم تھا۔ وہ بنارس سے اپنی بڑی صاحبزادی سے جن کی شادی پیری ڈیہہ میں ہوئی تھی جہاں ریلوے اسٹیشن بھی تھا، ملاقات کے لئے آئے تھے اور مدرسہ فیض عام کے کمرہ میں جو پورب جانے والی سڑک پر بنا ہوا تھا، مقیم تھے۔ جمعہ کا دن تھا۔ میں مولانا محمد احمد صاحب ناظم مدرسہ فیض عام کا منہ چڑھا طالب علم تھا۔ ناظم صاحب نے مجھے علامہ رحمہ اللہ کی خدمت میں اس لئے بھیجا کہ ناظم صاحب کی طرف سے یہ گزارش کر دوں کہ وہ جمعہ کا خطبہ جامع مسجد فیض عام میں دے دیں۔ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر مولانا محمد احمد صاحب ناظم مدرسہ کی یہ گزارش ان کی خدمت میں رکھی تو علامہ رحمہ اللہ نے نہایت شفقت کے ساتھ اپنے عالمانہ اسلوب میں معذرت کر دی اور فرمایا کہ میں ایک دن کے لئے اقرباء سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا ہوں، یہ دن بھی خطبہ اور اس کی تیاری وغیرہ میں گزارنا میرے لئے بہت مشکل ہے۔ چنانچہ واپس میں مولانا محمد احمد صاحب ناظم مدرسہ کے پاس پہنچا اور علامہ رحمہ اللہ کا جواب مولانا کے سامنے رکھ دیا، وہ یہ جواب سننے کے لئے تیار نہیں تھے، انہیں پوری توقع تھی کہ علامہ رحمہ اللہ ان کی درخواست قبول فرمائیں گے اور جمعہ کا خطبہ دیدیں گے تاکہ مٹو کی اس سے بڑی مسجد کے حاضرین ان کے عالمانہ خطبہ سے مستفید ہو سکیں، جواب سنتے ہی وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور مجھے اپنے ساتھ لے کر علامہ رحمہ اللہ کی قیام گاہ پر آئے اور شدید اصرار کیا کہ علامہ خطبہ کے لئے تیار ہو جائیں لیکن علامہ اپنی معذرت پر مصر رہے اور فرمایا کہ ہفتہ میں ایک دن ملتا ہے اس میں بھی آرام نہ کر سکوں اور خطبہ کی تیاری میں لگ جاؤں تو یہ میرے لئے تھکا دینے والا عمل ہوگا۔ اس پر مولانا محمد احمد صاحب نے فرمایا کہ آپ جیسے امام تدریس و تربیت کو تدریس یا خطابت کے سلسلہ میں مطالعہ کی کیا ضرورت ہے، اس پر علامہ رحمہ اللہ نے فرمایا ”کسی معمولی کتاب کا درس ہو یا غیر معمولی کتاب کا، میں مطالعہ کے بغیر کچھ پڑھاتا اور نہ مطالعہ کے بغیر خطبہ ہی دیتا ہوں۔“

بہر حال ناظم صاحب اور ان کے درمیان جو گہرے تعلقات تھے ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے علامہ رحمہ اللہ نے خود ان کے یہاں آنے کی لاج رکھی اور اس دن خطبہ دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ یہ تھی علامہ رحمہ اللہ کے سامنے میری پہلی نیاز منداندہ حاضری۔ دو بارہ میں نے اس وقت آپ کی خدمت میں حاضری دی جب مجھے پتہ چلا کہ آپ اپنی صاحبزادی کے گھر آئے ہیں اور ان کے گھر پر موجود

ہیں تو میں گیا اور جامعہ رحمانیہ میں داخلہ کے لئے درخواست دینے کی اجازت چاہی، علامہ رحمہ اللہ نے مجھے حکم دیا کہ جہاں پڑھ رہے ہو پڑھو اور اپنی تعلیم مکمل کرو، لیکن جب میں نے اصرار کیا کہ میں آپ کے یہاں آپ اور دوسرے اساتذہ کے دروس سے فیضیاب ہونا چاہتا ہوں تو آپ نے فرمایا کہ تم درخواست بھیج دو، امتحان داخلہ ہوگا اگر داخلہ کے لائق ہوئے تو داخلہ ہوگا ورنہ واپس آنا پڑے گا۔ ان کی یہ اجازت میرے لئے بڑے شرف اور عزت کی بات تھی۔ چنانچہ میں نے درخواست بھیجی جس کا جواب ان کے نائب استاذ محترم مولانا عبد الوحید رحمہ اللہ کے قلم سے ایک کارڈ پر دوسطری جواب آیا، جواب کی عبارت یہ تھی: ”مکرم بندہ! علیکم السلام رحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ شوال کے شروع میں آ جاؤ داخلہ ہو جائے گا۔“

چنانچہ اجازت نامہ کا یہی کارڈ لے کر میں شوال میں جامعہ رحمانیہ میں حاضر ہوا۔ استاذ محترم مولانا عبد الوحید رحمہ اللہ کا لکھا ہوا یہی کارڈ میں نے علامہ رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کیا، خط پر نظر پڑتے ہی استاذ محترم مولانا عبد الوحید رحمہ اللہ کو اپنے پاس بلوایا اور نہایت کھرے انداز میں ان کی ڈانٹ پلائی کہ آپ نے یہ کیسے لکھ دیا کہ داخلہ ہو جائے گا، امتحان داخلہ کے بغیر کیسے پتہ چلے گا کہ یہ طالب علم یہاں پڑھنے کے لائق ہے یا نہیں؟ مولانا نے بڑے باادب انداز میں جواب دیا کہ اس طالب علم کی جو درخواست آئی تھی اس کا انداز اتنا اچھا تھا کہ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس طالب علم کا داخلہ ہو جائے گا۔ اس لئے میں نے اس طرح کا جواب لکھ دیا۔ اس کے بعد علامہ رحمہ اللہ نے میرا امتحان داخلہ لیا، جب امتحان داخلہ کے وقت اس کا علم ہوا کہ میں مدرسہ فیض عام سے چھٹی جماعت پڑھ کر آیا ہوں جو جامعہ رحمانیہ میں حدیث و مصطلح، فقہ و ادب اور فلسفہ میں جامعہ رحمانیہ کی پانچویں جماعت کے برابر ہے اس لئے میں امتحان میں اگر پاس بھی ہو جاؤں تو جامعہ رحمانیہ کی چھٹی جماعت میں داخلہ کے لائق ہو جاؤں گا، ساتویں میں داخلہ کی کوئی صورت نہیں بنے گی کیوں کہ ساتویں میں داخلہ کے معنی یہ ہوں گے کہ میں سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مؤطا، شرح ہدایۃ الحکمۃ اور سبع معالقات کے دروس سے محروم رہ جاؤں گا، اس طرح میری تعلیم نامکمل رہے گی، لیکن علامہ رحمہ اللہ سے میں نے بڑی عاجزی سے یہ درخواست کی کہ میں بہت غریب گھرانے کا ہوں، چھٹی، ساتویں اور آٹھویں تین سالوں کا خرچ بلکہ کرایہ وغیرہ تک میں مہیا نہیں کر پاؤں گا، میرے گھر کا ذریعہ معاش صرف میرے بڑے بھائی کی ملازمت ہے جو ممبئی میں ایک حلوائی کی دوکان پر کر رہے ہیں اور ان کی تنخواہ کل پچیس تیس روپے مہینہ ہے، جس سے میرے والدین، ہم تین بھائیوں اور چار بہنوں کا خرچ چلتا ہے، ہمارے پاس کھیتی باڑی کچھ نہیں ہے۔ یہ سن کر مولانا کو رحم آ گیا اور میرا امتحان داخلہ لیا اور دو جگہ سے عبارت پڑھوائی اور جامع ترمذی اور کسی اور کتاب کی عبارت پڑھوائی، ترجمہ کروایا اور تین سوالات کئے۔ پہلا سوال یہ کیا کہ حدیث صحیح ہوتے ہوئے احناف فجر کی صلاۃ ایک رکعت طلوع شمس کے پہلے مل جائے اور ایک طلوع شمس کے بعد، تو اس کو ادا کیوں نہیں مانتے ہیں، قضا کیوں کہتے ہیں اور عصر کی صلاۃ میں ایک رکعت سورج ڈوبنے کے پہلے مل جائے اور بقیہ تین رکعتیں سورج ڈوبتے ڈوبتے مل جائیں تو عصر کی صلاۃ ادا ہوگی قضا نہیں ہوگی؟ اس کا صحیح جواب میں نے عرض کر دیا اور اس کی توجیہ بھی کر دی۔ دوسرا سوال یہ کیا کہ منتفل کے پیچھے فرض صلاۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ اس کے صحیح جواب کی اللہ نے مجھے توفیق دی، امتحان کافی دیر تک چلا، امتحان کے وقت علامہ کے

ساتھ استاذ محترم مولانا عبدالوحید رحمہ اللہ بھی بیٹھے ہوئے تھے، اور خواہش کے مطابق مجھے ساتویں میں داخل مل گیا اور علامہ رحمہ اللہ نے نظام الاوقات میں میرے ساتھ اس بات کی رعایت کی کہ میری چھٹی جماعت کی سنن ابی داؤد اور نزہۃ النظر کے پیریڈ میں میری گھنٹیاں خالی رکھیں تاکہ ان دنوں کتابوں میں شرکت کر سکوں۔

بچہ اللہ علامہ رحمہ اللہ اور استاذ محترم مولانا عبدالوحید رحمہ اللہ کی یہ پہلی شفقت تھی جو مجھے حاصل ہوئی، لیکن علامہ رحمہ اللہ نے بار بار تاکید کی کہ تمہیں بڑی محنت کرنی پڑے گی، دن رات پڑھو گے تب کامیاب ہو سکو گے اور میرے اوپر یہ عنایت بھی کی کہ حاضر ہو کر جو مسئلہ نہ سمجھ میں آئے اسے سمجھ لیا کرو، یہ تیسری ملاقات تھی۔ پھر تعلیم شروع ہوئی، دارالاقامہ ۱۶۷۵ پاڈے حویلی، مدینہ پورہ بنارس میں جامعہ رحمانیہ کے اساتذہ اور طلبہ سب کا دارالاقامہ تھا، نیچے طلبہ رہتے تھے اور اوپر اساتذہ گرامی قدر، روزانہ صبح جامعہ رحمانیہ کی عمارت میں جو کلاس روم تھا، سب سے پہلے استاذ محترم آجاتے تھے اور طلبہ کی طرف سے بھی ایک منٹ کی تاخیر نہیں ہوتی تھی، ایک ہی منزلہ بلڈنگ تھی جس میں سب کلاس روم تھے، مدرسہ میں گھستے ہی بائیں ہاتھ پر استاذ محترم جو شیخ الحدیث بھی تھے اور صدر المدرسین بھی، کاکمرہ پڑتا تھا۔ صبح بخاری و صحیح مسلم کے درس اور ہمارے کلاس میں ہم کل چار ساتھی تھے، بکریا بستی کے مولانا امر اللہ صاحب، بونڈیہار کے مولوی حقیق اللہ صاحب اور پر یوانارائن پور کے خالد شفاء اللہ بن مولوی ابوالخیر فاروقی صاحب، استاذ محترم کے علاوہ مولانا عبدالوحید صاحب رحمانی، مولانا محمد بشیر صاحب رحمانی مبارکپوری، مولانا محمد یوسف صاحب رحمانی بہرائچی اور مولانا محمد ادریس صاحب رحمانی امروی اس وقت جامعہ رحمانیہ کے شعبہ عربی کے اساتذہ تھے، کچھ دن قبل کچھ اندرونی غلط فہمیوں اور ایسے احباب کے باعث جن کا ذکر مناسب نہیں، مولانا عبدالعزیز صاحب عمری مٹوی اور مولانا فضل الرحمن صاحب عمری مٹوی ادارہ سے الگ ہو گئے تھے اور ان کی جگہ پر مولانا محمد بشیر رحمانی اور مولانا محمد یوسف صاحب لائے گئے تھے۔ میں نے استاذ محترم سے ساتویں و آٹھویں جماعت کی تعلیم حاصل کی۔ طلبہ کی انجمن میں ان کی صدارت میں تقریریں بھی کیں۔ انجمن کا ایک اجلاس مجھے یاد آتا ہے جس میں استاذ محترم کی صدارت میں میں نے عید میلاد النبی کی تردید میں تقریر کی تھی، تقریر میں میلادیوں کی تردید کا مواد زیادہ تھا اور ان کے دلائل کا تذکرہ بہت کم تھا اور تردید میں بھی جذباتیت زیادہ تھی دلائل کم تھے، استاذ محترم نے تبصرہ کرتے ہوئے میری تقریر کی حوصلہ افزائی بھی کی اور اس کے منفی پہلو پر تنقید بھی کی۔ اسی دور میں جون پور کے ایک جلسہ میں لے گئے جس میں میں نے ”وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا“ کے موضوع پر تقریر کی، اور اس وقت میں مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ کی کتابوں کا مطالعہ بہت کر رہا تھا، تقریر میں ”وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا“ کے موضوع پر مولانا آزاد کا ایک مضمون پڑھ کر اسی کی روشنی میں تیاری کی تھی، ان کے معیاری اور مشکل اسلوب کی نقالی مجھ جیسے طالب علم کے لئے آسان نہیں تھی اس لئے مولانا نے بعد میں خود اس کی تسہیل کی۔

پہلے ہی سال میری شادی طے ہو گئی اور میں شادی کے لئے چھٹی لے کر گھر گیا، گھر والوں نے غلط فہمی میں تاریخ آگے بڑھادی، نتیجہ یہ ہوا کہ شادی کی تقریب نے مجھے بہت لیٹ کر دیا اور میں ایک مہینہ سے زیادہ لیٹ واپس آیا، اسی میں میں نے بقرعید کی چھٹی

بھی ملالی، جب بقرعید کی چھٹی گزار کر آیا تو کافی اسباق چھوٹ چکے تھے، ششماہی امتحان کی تیاری میں نہ کر سکا اور مجھے نمبرات صرف پاس کرنے بھر کے ملے، ہمارے کچھ ساتھیوں نے اور ایک استاذ نے طنز کیا کہ کوئی دوسرا طالب علم ہوتا تو مولانا نکال دیتے لیکن پتہ نہیں کیوں ان کو کوئی سزا نہیں دی۔ جب سالانہ امتحان ہوا تو بھگوان اللہ میں پورے مدرسہ میں فرسٹ پوزیشن و فرسٹ ڈویژن سے کامیاب ہوا، استاذ محترم نے مارکشٹ میں لکھا کہ یہ پورے شعبہ عربی بلکہ پورے مدرسہ میں فرسٹ پوزیشن سے کامیاب ہوئے۔ بھگوان اللہ دونوں سالوں کے امتحان میں پوری جامعہ رحمانیہ میں میری پوزیشن و ڈویژن فرسٹ رہی اور استاذ محترم نے دونوں سالوں کی مارکشٹ میں اپنے قلم سے لکھا: ”پورے ادارہ میں پہلے انعام کے مستحق ہیں۔“ درجہ ہشتم میں جب فضیلت کا فائنل امتحان دیا تو میری پوزیشن و ڈویژن دونوں فرسٹ رہی، تو مولانا عبدالممتین رحمہ اللہ (۱۸۹۸ء-۱۹۶۳ء) جو جامعہ کے مہتمم تھے، مدینہ منورہ جامع مسجد طیب شاہ میں صلاۃ ظہر کی جماعت کے بعد جب مسجد سے باہر نکلے تو نکلتے ہوئے انہوں نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کچھ مسائل پر مجھ سے علمی گفتگو فرمائی، اس گفتگو میں ایک مجلس کی تین طلاوتوں کا حکم اور صلاۃ المفترض خلف المتنقل کا مسئلہ بھی تھا، میرے جواب سے وہ متاثر ہوئے اور فرمایا کہ مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی سے جا کر میری طرف سے کہہ دو کہ تمہیں جامعہ رحمانیہ ہی میں بطور انعام مدرس رکھ لیں، اس سے پہلے جب میں ہشتم میں پڑھ رہا تھا تو مولانا عبدالممتین صاحب کے بڑے بھائی مولانا عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۹۴ء-۱۹۶۱ء) نے ایک دن مسجد میں مجھ سے متوجہ ہو کر فرمایا کہ بیٹے! میں نے مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی اور دوسرے اساتذہ سے تمہاری تعریف سنی ہے تم محنت سے پڑھو، جماعت کو تمہاری ضرورت ہے، لیکن اسی سال ان کی وفات ہو گئی، دوسرے سال جب میں فارغ ہوا تو مولانا عبدالممتین رحمۃ اللہ علیہ نے استاذ محترم کو ان کا پیغام پہنچانے کا حکم دیا، جو ہی میں نے استاذ محترم کو ان کا پیغام پہنچایا تو ان کے چہرے پر خوشی اور اطمینان کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے کہا کہ اس سے بہتر بات کیا ہوگی، چنانچہ میں شوال میں مدرس رکھ لیا گیا اور مزید صلاحیت پیدا کرنے کے لئے صحیح بخاری کے درس میں مجھے دوبارہ بیٹھنے کا اعزاز بخشا گیا۔ ایک دن میں تھوڑا سا لیٹ ہو گیا تو استاذ محترم غصہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ میں تمہیں کو پڑھانے کے لئے مطالعہ کر کے آتا ہوں اور تم غائب، میں استاذ محترم کے سامنے پہلی مرتبہ اتنا نادم ہوا کہ میرے آنسو نکل آئے۔ بہر حال میں استاذ محترم کے دروس اور علمی افادات سے مستفید بھی ہوتا رہا اور جو کتابیں مجھے دی گئی تھیں انہیں پڑھتا بھی رہا۔

آخری سال میں فراغت سے پہلے کی ایک بات چھوٹ گئی وہ یہ کہ قاری احمد سعید رحمہ اللہ (۱۸۹۱ء-۱۹۶۳ء) نے مجھ سے ایک روز دریافت کیا کہ تم فراغت کے بعد ملازمت کہاں کرو گے؟ میں نے کہا کہ ابھی کچھ پتہ نہیں ہے، فارغ ہو جاؤں گا تب کہیں ملازمت تلاش کروں گا، چونکہ وہ انجمن میں میری ایک آدھ تقریریں سن چکے تھے اس لئے انہوں نے کہا کہ تم دہلی چلے جاؤ اور پھاٹک جلسہ خاں میں مسجد محتسب کے مہتمم حاجی صدیق کراچی والے سے ملو اور میرا سلام کہو، انہیں خطیب کی ضرورت ہے، مسجد محتسب میں اس وقت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی امام و خطیب تھے۔ قاری صاحب کی یہ ہمدردی مجھے بہت پسند آئی اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں دہلی جاؤں گا، چنانچہ استاذ محترم سے میں نے دو دن کی چھٹی لی، جب چھٹی لینے گیا تو استاذ محترم نے فرمایا کہ میں بھی آل انڈیا اہل حدیث

کانفرنس میں شرکت کے لئے دہلی چل رہا ہوں اور شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی (رحمہ اللہ) بھی چل رہے ہیں، تم چلنا چاہتے ہو تو ہمارے ساتھ چلے چلو لیکن تم وہاں کے ماحول میں کام نہیں کر پاؤ گے، استاذ محترم کی شخصیت ہمارے لئے مشفق باپ کی تھی، مگر ملازمت کے لالچ میں میں دہلی چلا گیا، وہاں میری تقریر کا نمونہ سنا گیا اور سو یا ایک سو پچیس روپے کی نوکری کی پیشکش کی گئی لیکن گفتگو ہی کے دوران حاجی صدیق کراچی والے نے مولانا عبدالصمد صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ”مولوی عبدالصمد وضو کے لئے پانی لے آؤ“ یہ سننا تھا کہ مجھے استاذ محترم کا وہ جملہ یاد آ گیا کہ ”تم دہلی کے ماحول میں کام نہیں کر پاؤ گے“۔ کیونکہ وہ بطور شفیق باپ کے دو سال کے اثنا میں میرے مزاج سے واقف ہو چکے تھے، اور میں نے استاذ محترم سے جا کر اس پانی کے واقعہ کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ ابھی کچھ جواب نہ دو ورنہ یہ لوگ کراہیے بھی نہیں دیں گے، بنارس چل کر قاری احمد سعید صاحب سے معذرت کر لینا۔ چنانچہ میں واپس آ گیا اور مجھے فراغت کے بعد اللہ کے فضل و کرم اور استاذ محترم کی نصیحت کے نتیجے میں جامعہ رحمانیہ میں تدریس کا اعزاز ملا۔ چونکہ میں پہلے سال مدرس بھی تھا اور طالب علم بھی اس لئے میری تنخواہ قیام و طعام کے ساتھ صرف پچیس روپے رکھی گئی، دوسرے سال پچاس روپے ہوئی، تیسرے سال ستر روپے ہوئی اور چوتھے سال نوے روپے، چوتھے سال کے خاتمہ پر میرا داخلہ مدینہ منورہ میں ہو گیا اور میں مدینہ چلا گیا اور چار سال میں مدینہ میں مقیم رہا۔ کئی مرتبہ ارادہ کیا کہ استاذ محترم کی سیرت و سوانح پر کچھ لکھوں، بنارس جاتے ہوئے میں کئی چیزیں اپنے ساتھ لے بھی گیا تھا جن میں خصوصی طور پر استاذ محترم کی تصنیف ’اہل حدیث اور سیاست‘ کے لئے مواد جمع کرنے کے اثنا میں میں نے رضا شاہ کشمیری، مولانا انور کشمیری کے داماد مولوی احمد رضا بجنوری کی حدیث و سنت کی کتاب ’انوار الباری شرح صحیح البخاری‘ کی پہلی دو جلدوں پر بہت سے نوٹ لکھے تھے، خصوصی طور پر محدثین کے خلاف ان کی جارحیت اور میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے بارے میں ان کا مخفی کینہ میرے سامنے تھا۔ ایک اور اہم موضوع جس پر میں نے تقریباً پوری کتاب تیار کر لی تھی، لیکن میں وہاں مرکزی دارالعلوم بنارس کی خدمت اور کتابوں اور مالیات کی فراہمی کے سلسلہ میں اسفار میں اتنا مشغول ہوا کہ میرے امتحانی نتائج پر اس کا اثر پڑنے لگا اور کلیہ کے آخری امتحان میں میں اس وقت مدینہ پہنچا جب امتحانات شروع ہو رہے تھے اور امتحان کی تیاری میں بالکل نہیں کر سکا، میرے بعض دوستوں نے میری غیر حاضری اور امتحان سے غفلت دیکھ کر کہا کہ تم اس سال امتحان ہی نہ دو اور ایک سال تم اور لگاؤ، امتحان تو میں نے دے دیا لیکن متاثر نہ آسکا، جید جد آ رہ گیا۔

انہیں مشغولیات میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے وفد کے استقبال اور انہیں بڑی شخصیات یہاں تک کہ شاہ فیصل رحمہ اللہ وغیرہ سے ملاقات کرانے اور ہندوستان و پاکستان کی نمایاں شخصیات اور ڈاکٹر محمد تقی الدین ہلالی کی خدمت اور ان کے ساتھ مسجد اقصیٰ کا سفر اور ریاض میں محمد بن ابراہیم، شیخ محمد بن عبداللہ، شیخ عبدالرزاق، جدہ میں شیخ محمد نصیف وغیرہ سے ملاقاتوں میں اس قدر ڈوبا کہ جو کاغذات لایا تھا نہ انہیں پڑھ سکا، نہ ان پر توجہ دے سکا اور نہ کچھ لکھ سکا، اور اس پورے مواد کا حشر یہ ہوا کہ جب مجھے مرکزی دارالعلوم سے دور رکھنے کے لئے وہاں کے بعض ذمہ داران اور ان کے ممبئی اور علی گڑھ میں مقیم معاونین نے مرکزی جمعیت اہل حدیث کے حوالہ کر دیا اور میں ایڈہاک کمیٹی کی نظامت کے ایک سال بعد، جس میں میں جامعہ سلفیہ میں تدریس کی خدمت انجام دے رہا تھا

اور وہاں کے عربی مجلہ صوت الجامعہ کو ایڈٹ کر رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ جمعیت اہل حدیث کے ترجمان کو بھی ایڈٹ کر رہا تھا، دہلی جانے پر مجبور ہونا پڑا اور دہلی میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے دفتر نہ ہونے کی وجہ سے اردو بازار میں جماعت کی جائیداد ریاض العلوم میں عاملہ و شوری اور پوری جماعت کے مشورہ سے دفتر کے لئے چند کمرے تعمیر کرا کے اس میں دفتر قائم کیا اور ریاض العلوم کے شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی رحمہ اللہ جن کی وصیت کی بنیاد پر وہ کمرے تیار کئے گئے تھے، وصیت نامہ میں صاف لکھا ہے اور وصیت نامہ چھپا ہوا موجود ہے، کہ یہ مکمل طور پر جماعت کی ملکیت اور جائیداد ہے، ان کے بڑے صاحبزادے جو جامعہ ازہر کے فارغ التحصیل تھے اور مدینہ میں ملازم تھے، آئے اور انہوں نے تالا توڑ کر علاقہ کے احناف اور میر مشتاق جیسے شیعہ سے سازش کر کے میری عدم موجودگی میں اور میرے نائب مولانا عبدالسلام رحمانی کے سامنے دفتر پر قبضہ کر لیا اور میری ساری کتابوں، قیمتی کاغذات و تحریروں کو ادھر ادھر کر دیا، اسی میں میرا یہ سارا علمی مواد ضائع ہو گیا۔

بہر حال وہاں میں اس سلسلہ میں کچھ نہ کر سکا، میں سیبویہ تو تھا نہیں کہ دوبارہ کتاب اپنی یادداشت سے لکھ سکوں، میرا حوصلہ ہی پست ہو گیا، اور آج استاذ محترم کی وفات کے ۴۶ سال بعد ان یادداشتوں کو قید تحریر میں لانے کی کوشش کر رہا ہوں، اس بیچ میں استاذ محترم کے ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کے شاگردوں میں سے کسی نے کچھ لکھنے کی کوشش نہیں کی، مولانا ادیس آزاد رحمانی سابق مدرس رحمانیہ جن کے نام سے استاذ محترم نے اپنی مکمل کتاب ’تنقید صحیح‘ اور کئی کتابیں شائع کیں، انہوں نے اہل حدیث اور سیاست شائع کرتے ہوئے اس پر چند صفحات کا نہایت سطحی قسم کا ایک مضمون لکھ دیا اور اسی میں رد و بدل کر کے ایک مولوی صاحب نے ماہنامہ ’السراج‘ کے چند شماروں میں شائع کر دیا اور کوئی چیز ان کی بابت نہ جامعہ رحمانیہ سے آسکی اور نہ اس جامعہ سلفیہ سے آسکی، جس کے قائم کرنے میں ان کا بہت بڑا حصہ تھا، اور چند سطریں میں نے بھی ماہنامہ ’التوعیہ‘ میں مختلف مواقع پر لکھیں اور بس، اور اب جب کوشش کر رہا ہوں تو حافظہ بھی کمزور ہو چکا ہے، صحت بھی گر چکی ہے، ذیابیطس، استھما، پروسٹیٹ، آکسیجن کی کمی، پیشاب کی رکاوٹ اور تین تین بار پیشاب کی نلی کا آپریشن کرانا پڑا ہے اور آنکھ کا بھی آپریشن ہو چکا ہے اور عمر بھی ستر سے متجاوز ہو چکی ہے، سیاہ کاریاں اتنی سرزد ہو چکی ہیں کہ ڈر لگتا ہے کہ ہمیں دنیا و آخرت میں اللہ کے غضب کا شکار نہ ہو جاؤں، اس بڑھاپے میں بھی چند عزم باقی ہیں، جن میں ایک عزم ہے استاذ محترم کی سوانح حیات پر کسی مناسب تحریر کا اور چودھویں صدی ہجری کے مجدد میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی پر اور جماعت اہل حدیث پر اور اپنی کچھ یادداشتوں پر کچھ لکھنے کا، دعا ہے کہ رب العالمین جس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے، جو غفور الرحیم ہے، جو ستار و غفار ہے، جس نے اپنے بندوں کو اپنی رحمت سے ماں کی ممتا اور باپ کی شفقت دی ہے، وہ میرے اوپر رحم کرے اور میرے عزم کو پختگی دے، میرے دل و دماغ، زبان و قلم اور یادداشت و علم کو تازگی اور طاقت بخشے تاکہ کچھ کر سکوں۔

(ماخوذ از مجموعہ مقالات عبدالحمید رحمانی ۳/۲۶۱ تا ۲۶۷)



حضرت مولانا نذیر احمد ملوئی - ایک تعارف

وفات ۳۰ مئی ۱۹۶۵ء

مولانا اسعد اعظمی / مولانا محمد رحمانی

علامہ نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ کی شخصیت سے اگر جماعت اہل حدیث کا کوئی جانکار شخص واقف نہیں ہے تو وہ درحقیقت جماعت کے کارناموں اور جماعت کی سچی تاریخ کے شعور سے نابلد مانا جائے گا۔ والد گرامی مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ کے خاص استاذ جامع المعقول والمنقول، امام العلماء علامہ نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ برصغیر کی ان اہم شخصیات میں سے ایک ہیں جنہوں نے صرف جماعت ہی کے لئے قربانیاں پیش نہیں کیں بلکہ ملک و ملت کے لئے بھی اپنے آپ کو قربان کر دیا۔ جنگ آزادی ہند اور اس کے آخری عہد نیز آزادی کے بعد مسلمانوں پر آنے والی مشکلات کے نازک دور میں علامہ رحمہ اللہ نے جواذ بیتیں برداشت کیں، قید و بند کی زندگی کاٹنے پر مجبور ہوئے یہاں سے وہاں اور وہاں سے یہاں بھٹکتے رہے لیکن اس کے باوجود شرک و بدعات کے خلاف پورے تن من دھن کے ساتھ اپنی پوری صلاحیتیں امت کے نام وقف کرتے نہیں تھکے، یقیناً وہ جماعت اہل حدیث ہی نہیں بلکہ پوری امت اسلامیہ اور وطن عزیز کی تاریخ کا ایک سنہری حصہ ہیں۔ انہوں نے اپنا آخری دور اور بالخصوص آزادی ہند کے بعد سے اپنی وفات تک کا مرحلہ جس تکلیف اور پریشانی میں گزارا اسے قلم بیان کرنے سے قاصر ہے، معمولی تنخواہ، کینسر جیسی موذی بیماری کا بڑا خرچ، مہنگائی کی مار اور آل و اولاد کی تعلیم و تربیت کا بوجھ ان کے لئے ایک بڑا چیلنج تھا، انہیں بڑی بڑی تنخواہوں کی پیشکش کر کے پاکستان منتقل ہونے کی دعوت بھی دی گئی لیکن ان کا تواضع اور تقویٰ تھا کہ کم پراکتفاء گوارا کر لیا لیکن جماعت اور عقیدہ کی جس خدمت پر وہ مامور تھے اسے چھوڑنا یا اس پر کسی انداز کی آنچ آنا انہوں نے برداشت نہیں کیا۔

والد رحمہ اللہ کے طالب علمی کے دور میں علامہ نذیر احمد رحمہ اللہ نے ان پر جو شفقتیں اور احسانات کئے انہیں کا نتیجہ تھا کہ والد گرامی رحمہ اللہ بھرپور پختگی اور علمی گہرائی کے ساتھ برصغیر ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کے سامنے ایک مضبوط علمی شخصیت کی شکل میں ابھر کر سامنے آئے، انتظام و انصرام میں بھی علامہ نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ اپنی مثال آپ تھے اور اسی انتظامی پختگی کی گہری چھاپ والد رحمہ اللہ کی شخصیت پر بھی واضح نظر آتی ہے، انہوں نے جو بھی ادارے قائم کئے ان کا نظام اور دستور اس کی واضح مثال ہے۔

علامہ نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ کی حیات اور ان کی زندگی کے گوشوں اور بالخصوص ان کے منہج تدریس اور تصنیف و تالیف پر آج بھی مزید کام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ نئی نسل اپنے اسلاف کی پختگی اور علمی گہرائی کے راز سے واقف ہو سکے اور پھر پور دینی اور منہجی خدمت کے جذبہ کے ساتھ شریعت اسلامیہ کی خدمت انجام دے سکے۔

میری ناقص سمجھ کے مطابق ان دونوں عظیم شخصیات کی ایک بنیادی خوبی ان لوگوں کا اخلاص اور انتھک کوشش کا جذبہ بھی تھی اور یہ لوگ برادری، علاقائی، خاندانی، اور کسی بھی انداز کی تفریق اور تعصب بلکہ محض اس کے تصور سے بھی کوسوں دور تھے اور ان رکاوٹوں کی بنیاد پر کوئی بھی کاوش انجام پانے سے رکتی نہیں تھی، ان کے سامنے آگے بڑھنے کا بھرپور حوصلہ ہوتا تھا اور قوت فیصلہ کا ملکہ اور صحیح فیصلہ کے بعد کام کو انجام تک پہنچانے کی تڑپ ان لوگوں کی اہم خوبی تھی، اسی وجہ سے اللہ رب العالمین کی توفیق خاص سے جو کارنامے ان لوگوں نے انجام دیئے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔

علامہ نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ سے متعلق والد گرامی رحمہ اللہ کی ایک تحریر کا کچھ حصہ بھی یہاں شامل اشاعت کیا جا رہا ہے تاکہ قارئین ان کی ہمہ جہت شخصیت سے واقف ہو سکیں۔

”یوں تو استاذ محترم کی پوری زندگی خودداری، غیرت، بے نیازی، استغناء، زہد، صبر و تقاوت اور ایثار و قربانی کا نمونہ تھی۔ تقسیم ملک کے حادثہ میں انہیں جیل کی مشقتیں برداشت کرنا پڑیں اور بعد کی زندگی میں ایک طویل مدت تک وہ محکمہ کسٹوڈین کی چیرہ دستیوں کا شکار رہے۔ زندگی کے آخری لمحات تک ان کی پوری جائداد اپنے آبائی گاؤں المومبار کپور میں ایک آبائی کھیریل کے مکان کے علاوہ کوئی چیز نہیں رہی۔ تقسیم ملک کے بعد ایک وقفہ تک دارالعلوم احمدیہ سلفیہ در بھنگہ میں اور اس کے بعد جامعہ رحمانیہ بنارس میں انہوں نے مستقل مزاجی کے ساتھ مستقبل کے ہندوستان میں تحریک و منہج اہل حدیث کی حفاظت کے لئے ایک مضبوط ٹیم کی تعلیم و تربیت کا فریضہ انجام دیا اور ہندوستان میں تاریخ نگاری کے بجائے تاریخ سازی کرنے والوں اور برصغیر ہندوپاک کی علمی، دعوتی، ثقافتی اور سیاسی اور جنگ آزادی کی تاریخ سے ملک میں سب سے زیادہ نمایاں حیثیت اور خدمت رکھنے والی جماعت اہلحدیث کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال دینے والے ظالم مورخین کی چالاکیوں کا پردہ چاک کرنے کے لئے اہل حدیث اور سیاست اور متصلب و جامد اور جارحانہ حنفیت کے علاج کے لئے ’انوار مصابیح‘ اور حلوہ و مانڈہ کی شریعت کے حامل شریکات و بدعات کے رسیا داعیان حب رسول کے لئے ’رد عقائد بدعیہ‘ اور نئی پود کی تعلیم و تربیت کے لئے ’چمن اسلام‘ جیسی تصنیفات انہوں نے پیش کیں۔ حب مال، حب جاہ اور حب شہرت ان کے قریب پھٹکنے نہ پائی، زندگی کے آخری سال میں وہ کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہوئے۔ بنارس کے مشہور و معروف ایلو پیٹھ ڈاکٹر نعمانی سے لے کر حکیم محمد یوسف اور حکیم محمد یسین تک کے یہاں

تشخیص چلتی رہی کسی کی سمجھ میں مرض آیا نہ علاج، آخر بنارس ہندو یونیورسٹی کے سرسندر ہسپتال میں ڈاکٹر کے این اڈپا اور ڈاکٹر وید یہ جیسے کامیاب سرجنوں کے زیر نگرانی آپریشن ہوا، لیکن وقت گزر چکا تھا، مہلک بیماری اپنا کام کر چکی تھی، ڈاکٹروں نے آپریشن کئے بغیر زخم سی دیا۔ آپ کی بے چینی، تکلیف، دکھ اور گھٹن دیکھی نہیں جاتی تھی۔ حالات نازک سے نازک تر ہوتے چلے جا رہے تھے، بھوک بالکل ختم ہو چکی تھی، بڑی مشکل سے موسمی کے جوس کے چند گھونٹ حلق سے اتارتے تھے، پرول کا شور بہ دینے کی خاص تاکید تھی، لیکن پرول کی مہنگائی اس وقت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ کسی کسی دن ۳۲ روپے کلوتک حساب چڑھ جاتا تھا، ادھر استاذ محترم کی تنخواہ تقسیم ملک کے بعد بڑھتے بڑھتے آخری سال میں ایک سو بیس روپے ماہوار تک آسکی تھی، اسی میں اہل خانہ کے مصارف بھی، اسی میں اہل خانہ کی ضروریات زندگی کی تکمیل بھی کرنا پڑتی تھی، (مجموعہ مقالات - مولانا عبدالحمید رحمانی، جلد ۲ ص ۳۵۱)

اللہ رب العالمین جزائے خیر عطا فرمائے جماعت کے مضبوط عالم دین اور عالمی شہرت یافتہ علمی شخصیت کے مالک مولانا سعد اعظمی حفظہ اللہ و رعاه کو کہ انہوں نے علامہ نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ جیسی اہم شخصیت پر ادارہ ”التبیان“ کو اپنا مضمون ارسال کیا۔ مولانا سعد اعظمی حفظہ اللہ کے والد گرامی مولانا محمد اعظمی حفظہ اللہ و تولاه جو علم حدیث اور دوسرے شرعی علوم میں ایک مستقل شناخت رکھتے ہیں اور ان کے شاگردوں کا سلسلہ دنیا کے بہت سے خطوں میں پھیلا ہوا ہے، ان کا اور خود مولانا سعد صاحب کا علمی دنیا میں ایک مقام ہے، جامعہ سلفیہ بنارس میں وہ ایک طویل عرصہ سے تدریسی و تصنیفی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ یہ اہم علمی خانوادہ محتاج تعارف نہیں، اللہ رب العالمین مولانا کو ”ابوالکلام آزاد اسلامک اوکیٹنگ سنٹر“ اور اس کے متعلقہ اداروں سے مستقل علمی رابطہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (محمد رحمانی)



نام و نسب: نذیر احمد بن شیخ عبدالشکور بن شیخ جعفر علی۔

ولادت: آپ کی ولادت بتاریخ ۱۰/۱۰/۱۹۰۶ء مطابق ۶/۶/۱۳۲۳ھ مطابق ۶/فروری/۱۹۰۶ء موضع املو میں ہوئی جو مشرق اتر پردیش کے ضلع اعظم گڑھ میں واقع مشہور قصبہ مبارک پور کا ایک حصہ ہے۔ اعظم گڑھ شہر سے اس کی مسافت تقریباً ۸ میل اور مبارک پور سے ایک میل ہے۔ مبارک پور اعظم گڑھ سے مشرق میں اور املو مبارک پور سے مشرق میں واقع ہے۔

تعلیم: آپ کی ابتدائی تعلیم مدرسہ عربیہ دارالتعلیم مبارک پور میں ہوئی، بعد ازاں مدرسۃ الاصلاح سرائے میر (ضلع اعظم گڑھ) میں داخل ہوئے۔ اس کے کچھ دنوں بعد مدرسہ فیض عام منونتا تھ بھنجن میں داخلہ لیا اور وہاں کے صدر المدرسین مولانا احمد بن ملا حسام الدین کی تعلیم و تربیت سے مستفیض ہوئے۔ جب شوال ۱۳۳۹ھ مطابق جولائی ۱۹۲۱ء میں مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ کا

قیام عمل میں آیا تو اسی سال ماہ ذی الحجہ میں مولانا نے وہاں داخلہ لیا اور از ابتدا تا انتہا اپنی دینی تعلیم کا بیشتر حصہ اسی مدرسہ میں مکمل کرنے کے بعد شعبان ۱۳۴۶ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔

مولانا اپنی ذہانت اور محنت کے باعث تمام امتحانوں میں اول پوزیشن حاصل کرتے رہے اور مدرسہ کی جانب سے مقررہ انعامات کے مستحق رہے۔ آخری سال میں پورے مدرسہ میں اولیت و اولویت کی وجہ سے انعام میں صحیح بخاری اور مبلغ چالیس روپے نقد انعام سے سرفراز کیے گئے۔

اساتذہ کرام: مولانا کو جن اساتذہ کرام سے استفادہ کا شرف حاصل ہوا ان میں سے بیشتر اپنے وقت کے نامور اور علم و عمل دونوں اعتبار سے نمونہ تھے، آپ کے کئی اساتذہ شیخ الکل فی الکل علامہ سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ چند مشہور اساتذہ کے نام یہ ہیں:

- ۱۔ مولانا احمد بن ملاحسام الدین مٹوی، تلمیذ رشید علامہ سید نذیر حسین محدث دہلوی۔
- ۲۔ مولانا احمد اللہ امیر اللہ شیخ الحدیث پرتاب گڑھی، تلمیذ رشید علامہ سید نذیر حسین محدث دہلوی۔
- ۳۔ علامہ حافظ احمد اعظم بن فضل الدین گوندلوی۔
- ۴۔ جامع المعقول والمنقول مولانا غلام یحییٰ پنجابی کانپوری۔
- ۵۔ ادیب شہیر مولانا حافظ نگر نہسوی۔
- ۶۔ مولانا عبدالوہاب آروی۔
- ۷۔ مولانا عبدالغفور جیرا چپوری۔
- ۸۔ مولانا عبدالسلام قندھاری افغانی (بدایوں)

درس و تدریس: دارالحدیث رحمانیہ سے فراغت کے ساتھ ہی مدرسہ کے مہتمم شیخ عطاء الرحمن نے آپ کو مدرسہ میں مدرس مقرر کر لیا اور اگلے تعلیمی سال سے آپ نے مسند تدریس سنبھال لی۔ پھر مہتمم صاحب کے ہی مشورے سے آپ معقولات و ریاضیات کی اعلیٰ تعلیم کے لئے مولانا فضل حق خیر آبادی کی خدمت میں تشریف لے گئے جو اس وقت مدرسہ عالیہ رام پور کے پرنسپل اور خیر آبادی سلسلہ کے نامور عالم تھے۔ مگر وہاں ریاضی کی تعلیم نہ ہونے کے باعث آپ مدرسہ شمس العلوم بدایوں چلے گئے اور مولانا عبدالسلام صاحب قندھاری سے معقولات و ریاضی کی بہت سی درسی وغیر درسی کتابیں پڑھیں اور ایک سال کے بعد سند فراغت لے کر رحمانیہ واپس آ گئے اور ۱۹۴۷ء میں مدرسہ کے بند ہونے تک اس سے جڑے رہے۔ اس طرح گویا ۱۹۲۱ء میں مدرسہ کے قیام سے لے کر ۱۹۴۷ء میں اس کے خاتمہ تک مدرسہ کی ۲۷ سالہ عمر بھر اس سے وابستہ رہے اور بیچ میں صرف ایک سال بدایوں میں تعلیم کے حصول کی وجہ سے انقطاع رہا وہ بھی مدرسہ ہی کی تحریک و تشجیع بلکہ کفالت پر۔

اس ادارہ میں آپ محض ایک مدرس ہی نہ تھے بلکہ مرور ایام کے ساتھ وہاں کا پورا انتظام و انصرام آپ کے ہاتھوں میں تھا، وہاں کی لائبریری کی نگرانی، وہاں سے شائع ہونے والے مشہور رسالہ محدث کی ادارت اور دیگر بہت ساری ذمہ داریاں آپ کے سر تھیں۔ آپ اور آپ کے رفیق کار شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی مدرسہ کی روح تھے۔ اس کی ساری تفصیلات ہماری کتاب ”تاریخ و تعارف مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی“ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

۱۹۴۷ء میں دارالحدیث رحمانیہ کا چراغ گل ہو جانے کے بعد آپ وطن واپس آ گئے اور تقریباً ایک سال بعد دارالعلوم احمدیہ سلفیہ درجنگہ کے منتظم ڈاکٹر سید محمد فرید صاحب کی خواہش اور طلب پر اوائل ۱۹۴۸ء میں اس ادارہ سے وابستہ ہو گئے اور دسمبر ۱۹۴۹ء تک یہاں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ پھر جنوری ۱۹۵۰ء میں جامعہ رحمانیہ بنارس سے منسلک ہو گئے اور تادم واپس اس کی خدمت کرتے رہے۔

تلامذہ: مولانا ملوی نے تقریباً ۳۶ سال درس و تدریس میں گزارے اور ایک بڑی تعداد کو زیور علم سے آراستہ کیا جن میں بڑے بڑے مصنف، محقق، مدرس، مقرر اور دین و علم کے خادم ہوئے۔ ان میں سے بہتوں نے سفر آخرت اختیار کیا اور ایک تعداد اب بھی دین کی خدمت سے مربوط آپ کے لئے صدقہ جاریہ بنی ہوئی ہے۔ (فَمِنْهُمْ مَّنْ قُضِيَ تَحَبُّهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ)۔ چند معروف تلامذہ کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ مولانا عبدالجلیل رحمانیؒ

۲۔ مولانا محمد اقبال رحمانیؒ

۳۔ مولانا عبدالرؤف رحمانیؒ

۴۔ مولانا عبدالغفار حسن رحمانیؒ

۵۔ مولانا عبدالحکیم مجاز اعظمی رحمانیؒ

۶۔ مولانا محمد عاقل رحمانیؒ

۷۔ مولانا حکیم عبید اللہ رحمانیؒ

۸۔ مولانا محمد مسلم رحمانیؒ

۹۔ مولانا احمد اللہ رحمانیؒ

۱۰۔ مولانا عبدالحمید رحمانیؒ

۱۱۔ مولانا محمد اعظمی

۱۲۔ ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس

۱۳۔ شیخ نذیر احمد عبدالقدوس

۱۴۔ مولانا عبدالسلام مدنیؒ

۱۵۔ مولانا محمد مستقیم سلفی، وغیرہم (احفظ اللہ الاحیاء منہم)

تصنیف و تالیف: مولانا نے جن اداروں میں کام کیا وہاں درس و تدریس کے علاوہ بہت سارے انتظامی امور بھی آپ کے سپرد ہو کرتے تھے جس کی وجہ سے آپ کی مصروفیت دو چند رہا کرتی تھی، پھر بھی آپ نے وقت نکال کر اعلائے کلمۃ اللہ اور احقاق حق کا فریضہ انجام دینے کے لئے قلم کا بھی استعمال کیا، آپ کی بیشتر تصنیفات حق کے دفاع اور الزامات کے رد میں ہیں اور بہت ہی مدلل، مبرہن اور شرعی دلائل کے ساتھ عقلی و منطقی براہین سے بھی آراستہ۔

ذیل میں آپ کی تصنیفات کا مختصر تعارف پیش ہے۔

۱۔ اہل حدیث اور سیاست: تقریباً چار سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب اس الزام کی تردید میں ہے کہ اہل حدیثوں نے ۱۸۵۷ء کے بعد جہاد اور سیاست میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ مولانا ملوی نے اس الزام کی تردید میں دلائل کے انبار لگا دیے اور ثابت کیا کہ جہاد آزادی اور سیاست میں اہل حدیثوں نے بھرپور حصہ لیا، اس کا اعتراف اغیار نے بھی کیا ہے۔

جامعہ سلفیہ بنارس سے کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۲ء میں، دوسرا ۱۹۸۶ء اور تیسرا ۲۰۰۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔

۲۔ رد عقائد بدعیہ: تین سو سے زائد صفحات پر پھیلی ہوئی اس کتاب میں اہل بدعت کے چند مشہور عقائد کا جائزہ لیا گیا ہے جن میں مسئلہ علم غیب، بشریت رسول، سایہ رسول اور مسئلہ حاضر و ناظر شامل ہیں۔ کتاب کا دو تہائی حصہ علم غیب سے متعلق ہے۔ دراصل مؤلف علامہ نے مبتدعانہ عقائد کی تردید اور صحیح عقائد کے تعارف کا ایک مفصل خاکہ تیار کیا تھا، لیکن مذکورہ بالا موضوعات پر خامہ فرسائی کے بعد آگے نہ بڑھ سکا۔ بہر حال اپنے موضوع پر یہ لاجواب کتاب ہے جو زبان و بیان کی خوبصورتی کے ساتھ نقلی و عقلی دلائل سے آراستہ ہے۔

کتاب کے اب تک چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، چوتھا ایڈیشن ادارۃ الحجوٹ الاسلامیہ جامعہ سلفیہ بنارس سے ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۰۰۳ء میں شائع ہوا ہے۔ اب اس کا پانچواں ایڈیشن راقم کی نظر ثانی و تخریج کے ساتھ قارئین کے ہاتھوں میں جانے کے لئے تیار ہے۔

۳۔ انوار المصانح بجواب رکعات تراویح: مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی منوی کی کتاب ”رکعات تراویح“ کا جواب ہے جس میں آٹھ رکعات تراویح کے اثبات اور بیس رکعات کی تردید میں دلائل و شواہد جمع کر دیے گئے ہیں اور مولانا اعظمی کے استدلال کا جائزہ لیا گیا ہے۔

پہلی بار یہ کتاب ۱۳۷۸ھ میں حمیدیہ پریس دربھنگہ میں طبع ہو کر شائع ہوئی، اس کے صفحات کی تعداد (۳۲۸) ہے۔ یہ کتاب جامعہ سلفیہ بنارس سے بھی شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب کا جدید ایڈیشن مولانا احسن جمیل صاحب مدنی کی تحقیق و تخریج کے ساتھ عنقریب منظر عام پر آنے والا ہے۔

۴۔ انتقاد صحیح بجواب ذیل رکعات تراویح: مولانا ملوی کی مذکورہ بالا کتاب ”انوار المصانح“ کے جواب میں مولانا حبیب الرحمن اعظمی نے ”ذیل رکعات تراویح“ لکھی اور اسے مولوی عبدالباری قاسمی کے نام سے شائع فرمایا۔ مولانا ملوی نے اس کے جواب میں ”انتقاد صحیح“ تحریر فرمائی اور اسے اپنے شاگرد مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی کے نام سے شائع کیا۔ یہ کتاب (۱۷۸) صفحات پر مشتمل ہے اور سرفراز قومی پریس لکھنؤ سے شائع ہوئی ہے، سن اشاعت درج نہیں ہے۔

۵۔ چمن اسلام: مکاتب اور پرائمری درجات کے بچوں کے لئے نصابی کتاب کا یہ سلسلہ ہے جو چار حصوں پر مشتمل ہے جس میں عقائد و ایمانیات کے علاوہ احکام و مسائل اور اخلاق و سیرت کے مضامین ہیں۔ جگہ جگہ نظمیں بھی ہیں۔ اس کتاب سے بچوں کو صحیح دینی معلومات حاصل ہوتی ہیں اور ساتھ ہی اردو زبان سیکھنے میں بھی مدد ملتی ہے۔ یہ کتاب مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے برابر شائع ہوتی رہی ہے۔ ابتدائی ایڈیشنوں میں اس کے صفحات کی مجموعی تعداد (۳۶۶) تھی۔ مصنف نے کتاب پر کہیں اپنا نام نہیں آنے دیا۔ نصف صدی سے زائد عرصے سے یہ کتاب مدارس اسلامیہ میں داخل نصاب ہے۔

صحافت: تدریسی اور تصنیفی خدمات کے ساتھ ہی مختلف رسائل و جرائد میں مولانا کے مضامین و مقالات بھی شائع ہوتے رہتے تھے۔ مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ دہلی سے شائع ہونے والے مشہور رسالہ ماہنامہ محدث کی ادارت بھی آپ ہی کے ذمہ تھی۔ اس کے علاوہ

اخبار اہل حدیث امرتسر، اخبار محمدی دہلی، جریدہ ترجمان دہلی، ہفت روزہ الاعتصام لاہور، پندرہ روزہ الہدیٰ درہنگہ، زندگی رام پور، اخبار مدینہ بجنور، مصباح ششہنیاں، انصاف الہ آباد، اہل حدیث دہلی، وغیرہ میں آپ کے بہت سارے مضامین شائع ہوئے۔ ان رسائل میں آپ کے بہت سے مضامین ایسے بھی شائع ہوئے ہیں جن پر آپ کا نام درج نہیں ہے۔

مولانا کی تحریر کی امتیازی خصوصیات کیا تھیں اور کن کن خوبیوں کی حامل ہوتی تھیں اسے سمجھنے کے لئے آپ کے مشہور شاگرد مولانا محمد

ادریس آزاد رحمانی رحمہ اللہ کی درج ذیل تحریر پڑھیے:

”مولانا کی تحریر حشو و زوائد سے پاک ہو کرتی تھی۔ جب کسی کی بات کی گرفت کرتے تو اس کے فرار کے تمام راستے مسدود ہو جایا کرتے۔ تردید میں دلائل کے انبار لگا دیتے تھے اور تمام دلیلیں مستند اور معتبر ہوا کرتی تھیں۔ حوالوں میں بڑی احتیاط برتتے۔ کسی کی کوئی بات کسی دوسرے شخص کی تحریر سے ثبوت میں پیش کرنی ہوتی تو جب تک اصل مرجع سے اس کا مقابلہ نہ کر لیتے مطمئن نہ ہوتے۔ ایک مرتبہ ایک بڑے مصنف کے بارے میں فرمایا کہ ان کے حوالوں پر مجھے اعتماد نہیں ہے۔ بار بار کے تجربوں کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں۔ تم بھی اصل سے مقابلہ کیے بغیر ان کے حوالوں پر اعتماد نہ کرو۔ مجھ سے بار بار فرمایا کہ جب کسی کے رد میں مجھے کوئی جوابی مضمون لکھنا ہوتا ہے تو جب تک تمام دلائل نہ لکھ لوں مجھے چین نہیں آتا۔ مختصر الفاظ میں ایسا ٹھوس، معقول اور دندان شکن جواب دیتے کہ آپ کی قادر الکلامی پر حیرت ہوتی“۔ (مقدمہ اہل حدیث اور سیاست، ص: ۴۳۳-۴۴۲)

دیگر خدمات: مولانا ملوی ایک مخلص اور غیرت مند عالم باعمل تھے۔ علم اور دین کی خدمت کا کوئی گوشہ آپ کی توجہ سے الگ نہ رہا۔ آپ کی زندگی جہد مسلسل سے عبارت تھی۔ آپ جماعت کے ان چندہ علماء میں سے تھے جنہیں ہر موقع پر سرپرستی اور رہنمائی کے لئے یاد کیا جاتا تھا اور آپ حتی الوسع لبیک کہتے تھے۔

ہندوستان کی آزادی اور تقسیم کے بعد جماعت کے اکثر بڑے علماء ہندوستان سے کٹ گئے اور جماعت یتیم ہو گئی۔ جب یہاں کے مسلمان کچھ سنبھلے اور ذاتی مسائل سے نمٹنے کے بعد قومی اور جماعتی تشخص کی فکر میں لگے تو اہل حدیث علماء نے بھی اپنی جمعیت و جماعت کے احیاء کی کوشش شروع کی۔ مولانا عبد الوہاب آروی، مولانا شیخ الحدیث عبید اللہ مبارکپوری اور مولانا عبد الجلیل رحمانی وغیرہم کے ساتھ مولانا ملوی نے بھی اس کوشش میں بھرپور حصہ لیا، اس کی تفصیل طویل ہے۔

اسی طرح جب مرکزی دارالعلوم کی تاسیس کی کوششیں شروع ہوئیں تو ان کوششوں میں مولانا کی بھرپور حصہ داری تھی۔ اپنی تقریروں اور خطبوں میں آپ نے اسے موضوع بنایا۔ جامعہ رحمانیہ بنارس میں قیام اور خدمت کے پیش نظر آپ مرجع قرار پائے۔ اس کی میٹنگوں میں برابر شریک ہوتے رہے۔ اس سے متعلق شائع ہونے والے تمام اشتہارات و اعلانات آپ کی نگاہوں سے گزرتے۔ مرکزی دارالعلوم کا نصاب تشکیل دینے کے لئے اکابر علماء کی جب کمیٹی تشکیل دی گئی تو مولانا اس کے نہ صرف رکن رکن بلکہ کنوینر منتخب کیے گئے۔ آپ سخت علالت کے باوجود اس کی تمام نشستوں میں شرکت فرماتے۔ آپ ہی کی سرکردگی میں جامعہ کا پہلا نصاب تعلیم ترتیب دیا گیا۔

جمعیت و جماعت سے اوپر اٹھ کر قومی اور ملکی پیمانے پر عام مسلمانوں کی پیش آنے والے مسائل و معاملات کے حل میں بھی مولانا

نے حصہ لیا۔ مشہور سماجی کارکن قاضی عدیل عباسی نے مسلمانوں میں تعلیم کے فروغ کے لئے ”دینی تعلیمی کونسل“ کے نام سے ایک تنظیم تشکیل دی تھی جو آج بھی مصروف عمل ہے۔ شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی اس کے نائب صدر تھے، مولانا ملوی بھی اس تنظیم کے فعال رکن تھے اور اس کی میٹنگوں میں برابر شریک رہتے تھے۔

علالت و وفات: جنوری ۱۹۵۰ء سے مولانا جامعہ رحمانیہ بنارس سے منسلک تھے اور گونا گوں خدمات انجام دے رہے تھے۔ رمضان ۱۳۸۴ھ - ۱۹۶۵ء کی تعطیل میں جب آپ گھر پر تھے آپ کے پہلو میں درد ہونا شروع ہوا، جو کچھ دوا یا مالش سے ختم یا کم ہو جاتا۔ چھٹی کے بعد جب بنارس واپس آئے تو اس درد میں اضافہ ہوتا گیا۔ علاج کا سلسلہ جاری تھا۔ افاقہ نہ ہونے کے سبب آپ کو بنارس ہندو یونیورسٹی کے سرسندر لال اسپتال میں داخل کیا گیا۔ بڑے ڈاکٹروں کی تشخیص کے بعد کینسر کا انکشاف ہوا۔ آپریشن کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ لیکن جب ڈاکٹروں نے آپریشن کے لئے مقام ماؤف کھول کر مرض کا جائزہ لیا تو آپریشن کیے بغیر اسے بند کر دیا کیوں کہ مرض لا علاج ہو چکا تھا۔ آپریشن کا زخم بھرنے کے بعد جامعہ رحمانیہ بنارس میں آپ کی قیام گاہ پر واپس لایا گیا۔ کچھ دنوں بعد آپ کی خواہش پر آپ کے وطن املون منتقل کیا گیا جہاں بروز یک شنبہ بتاریخ ۲۸ محرم ۱۳۸۵ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۹۶۵ء بوقت تین بجے دن آپ نے اس عالم فانی کو خیر باد کہا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اسی دن ۱۱ بجے شب تدفین عمل میں آئی، شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ رحمہ اللہ رحمة واسعة۔

اولاد: مولانا نے یکے بعد دیگرے تین شادیاں کیں۔ پہلی بیوی کے انتقال کے بعد دوسری شادی ہوئی جو طلاق پر منج ہوئی۔ پھر تیسری شادی ہوئی۔ پہلی بیوی سے ایک بچی پیدا ہوئی جو سات آٹھ سال کی عمر میں انتقال کر گئی۔ دوسری بیوی سے بھی ایک بچی تولد ہوئی، یہ بھی کم عمری میں داغ مفارقت دے گئی۔ تیسری بیوی سے تین لڑکے اور دو لڑکیاں وجود میں آئے۔ لڑکوں کے نام آفتاب احمد، ہلال احمد، نہال احمد، اور لڑکیوں کے نام عابدہ خاتون اور رضیہ خاتون ہیں۔

نوٹ: مولانا ملوی رحمہ اللہ کی حیات و خدمات سے متعلق مفصل جانکاری کے لئے درج ذیل ماخذ کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے:

- ۱- تراجم علمائے حدیث ہند، از مولانا ابوبیحی امام خاں نوشہروی
- ۲- مقدمہ کتاب اہل حدیث اور سیاست از مولانا نذیر احمد ملوی
- ۳- جھوڑ مخلصہ فی خدمۃ السنۃ المطہرۃ، از ڈاکٹر فریوائی
- ۴- تذکرہ علمائے اعظم گڑھ از مولانا حبیب الرحمن اعظمی قاسمی
- ۵- تعارف و تاریخ مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی از اسعد اعظمی
- ۶- مجموعہ مقالات مولانا عبید اللہ رحمانی، جلد دوم۔

(شائع شدہ ماہنامہ التبیان جنوری ۲۰۱۸ء)



میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے پانچ تلامذہ کے فیض یافتہ شاگرد ماہر علم میراث مولانا عبدالرحمن بجواوی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۱۸۷۳ء۔ وفات ۱۹۷۲ء

مولانا عبدالحکیم عبدالمعجود مدنی

ہندو نیپال کا سرحدی علاقہ جسے مشرقی یوپی کے نام سے جانا جاتا ہے برسوں سے علماء اہل حدیث کی دعوت و اصلاح کا مرکز رہا ہے۔ خاص طور پر اس علاقے کا وہ خطہ جو کبھی گونڈہ بستی کے نام سے اور حال میں سدھارتھ نگر و بلرا پور کے اضلاع کے نام سے جانا جاتا ہے یہاں تو آزادی سے پہلے اور اس کے بعد ہمیشہ اکابرین علمائے اہل حدیث کی آمد و رفت رہی اور ساتھ ہی ساتھ ایسی نابغہ روزگار ہستیاں پیدا ہوئیں ہیں، جنہیں نہ صرف یہ کہ اس خطے میں توحید و سنت کی دعوت پہنچانے میں کامیابی ملی بلکہ یہ پوری دنیا میں اپنی بے پناہ علمی صلاحیتوں کی وجہ سے مشہور و معروف ہوئے۔ مولانا اللہ بخش بسکوہری، مولانا عبدالغفور بسکوہری، محدث عبدالحق بانسوی، مولانا عبداللہ یوسف پوری، مولانا عبدالرحمن ڈوکی، محدث کبیر مولانا عبدالرحمن مبارکپوری رحمہم اللہ وغیرہم کثیر کے نام سرفہرست ہیں، انہیں نابغہ روزگار میں ایک مشہور و معروف نام مولانا عبدالرحمن بجواوی کا بھی ہے جنہیں بیک وقت میاں صاحب کے پانچ سے زائد تلامذہ بالخصوص محدث کبیر مولانا عبدالرحمن مبارکپوری سے شرف تلمذ بھی حاصل ہے۔ اور فن میراث اور علم الفرائض میں امامت و مہارت بھی، آپ کے معاصرین اساتذہ اور دیگر اہل علم نے آپ کو اس فن کا امام تسلیم کیا ہے۔ بڑھنی جھنڈا نگر کے سرحدی علاقے سے بالکل متصل صرف دس کلو میٹر کی دوری پر ہندو نیپال کے بارڈر پر پچھم اور اتر طرف ایک بستی واقع ہے جس کا نام ”بجوا“ ہے اور اسے تعارفاً ”بجوا بیروا“ بھی کہا جاتا ہے۔ یہی آپ کا مولد و مسکن رہا ہے اور پورا خطہ آپ کی دعوتی و اصلاحی کاوشوں کا مرکز و محور، آزادی سے پہلے جماعت کے کبار علماء و اساطین اہل علم اس علاقے میں آپ اور دیگر علماء و اعیان جماعت کی وجہ سے کشاں کشاں آنے پر فخر محسوس کرتے تھے، اور جب بھی یہ علماء اس خطے میں قدم رنجہ ہوتے تو علم میراث کے اس منفرد عالم اور امام کو شرف زیارت و ملاقات ضرور بخشا کرتے۔ مناظر اسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد سعید بنارس، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا بشیر احمد سہسوانی، مولانا ابوالقاسم بنارس، مولانا یوسف شمس فیض آبادی، محدث کبیر مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب رحمہم اللہ جیسی عظیم المرتبت ہستیوں نے اس علاقے بالخصوص آپ کے گاؤں کو اپنی قدوم میمنت سے شرف یاب کیا ہے۔ اور یہ ہم سب کے لئے فخر و اعزاز کی بات ہے۔ میرے والد ماجد جو آزادی سے کچھ پہلے اور بعد کے علماء کے سلسلے میں بڑی معلومات رکھتے تھے اور اہل علم کے بڑے قدر داں تھے جب بھی اس علاقہ کے علماء کا تذکرہ کرتے تو مولانا عبدالرحمن بجواوی کا ذکر خیر ضرور کرتے مگر مجھے اتنا علم و گمان نہیں تھا کہ ہمارے پڑوس میں بلکہ اپنے ایک خاندانی گاؤں میں اس قدر بلندرتے پر فائز ایک صاحب علم و فضل ایسا بھی موجود تھا جس کے باب علم پر بڑے بڑے سردھننے کو مجبور ہو جایا کرتے تھے۔ سچ

فرمایا مفکر ملت مولانا عبدالجلیل نے کہ ”آپ فرائض کے ماہر، بے زبان ولی تھے“ خدا یا وہ گھڑی کتنی پر سعادت اور پر کیف و بہار رہا کرتی ہوگی جب عباقر علمائے اہل حدیث کا یہ قافلہ بشمول مولانا عبدالرحمن مبارکپوری، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا ابوالقاسم سیف بناری اور دیگر اجلہ اور اساطین علم فن کا ہمارے اس علاقے میں اور قرب و جوار کی بستیوں میں قدم رنجہ ہوتا رہا ہوگا، آج جو کچھ بھی ہے دراصل انہیں کی محنتوں اور قربانیوں کا ثمرہ ہے کہ یہ خطہ نور تو حید و سنت سے معمور ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین۔

اس قافلہ حق و صداقت کی ایک عظیم کڑی ہمارے موصوف و ممدوح حضرت العلام امام الفرائض مولانا بجواوی رحمہ اللہ کی بھی ہے۔ جو علم و فضل اور تقویٰ و ورع سے معمور ایک باکمال زندگی گزار کر سو برس کی عمر طویل میں رب العالمین سے جا ملے اور ۱۹۷۲ء میں یہ آفتاب درخشندہ افق مشرقی ہند سے غروب ہو چلا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ذیل میں آپ کی حیات و خدمات کے تعلق سے چند سطور حوالہ قرطاس ہیں۔ امید کہ ہمارے لئے اور آئندہ نسلوں کے لئے مشعل راہ ہوں گے۔

نام و نسب: مولانا ابوالخطاب بجواوی بن مولانا عبداللہ۔

ولادت: آپ کی ولادت ۱۸۷۳ء مطابق ۱۲۹۰ھ کو آپ کے آبائی گاؤں بجواپور تحصیل تلیش پور ضلع گونڈہ یوپی (حال واقع ضلع بلرام پور) میں ہوئی۔ بجواگاؤں ایک اہل حدیث گاؤں ہے جو ہندو نیپال کے سرحد پر ضلع گونڈہ و بلرام پور کے ”بھانہنہر“ علاقے میں بڑھنی جھنڈا نگر سے کم و بیش ۱۰ کلومیٹر مغرب میں واقع ہے۔ اور اسی کی طرف نسبت کر کے آپ کو ”بجواوی“ لکھا جاتا ہے۔ حالانکہ آپ جماعت کے قدیم تاریخی ادارہ جامعہ سراج العلوم، کنڈو بونڈیہار سے فارغ تھے اور سراجی تھے مگر گاؤں کی نسبت زیادہ مشہور و معروف ہو گئی۔

خاندانی پس منظر: آپ کے والد ”ہنگری“ گاؤں کے رہنے والے تھے اور کسی وجہ سے وہاں سے ہجرت کر کے ہندو نیپال کے سرحد پر ”بجوا“ گاؤں آئے۔ گھرانہ علمی اور دین پسند تھا اور آپ ایک جید عالم مانے جاتے تھے۔ اس علاقے میں مولانا اظہر بہاری، مولانا یوسف شمس فیض آبادی اور دیگر اجلہ علماء کی پہلے سے ہی آمد و رفت رہی ہے۔ ان علماء کی دعوتی و اصلاحی کاوشیں اپنا رنگ لائیں اور پورا علاقہ متبع کتاب و سنت بن گیا۔ آپ کے والد مولانا عبداللہ ایک جید عالم دین اور تو حید و سنت کے دلدادہ تھے۔ اور پوری تندرہ ہی سے اس دعوت حقہ کے فروغ میں لگے رہتے تھے۔ اسی عظیم خطہ تو حید اور علمی گھرانے میں آپ نے آنکھیں کھولیں اور پروان چڑھے اور رفتہ رفتہ تعلیم کی اعلیٰ منزلوں کو طے کر کے ایک جید عالم بالخصوص علم فرائض اور میراث کے امام کے طور پر آپ کو شہرت حاصل ہوئی۔ جس کی وجہ سے اس علاقے میں بالخصوص آپ کے گاؤں میں جماعت کے اکابر علماء کی برابر آمد و رفت رہی ہے جن میں محدث کبیر مولانا عبدالرحمن مبارکپوری، مناظر اسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا اللہ بخش بسکوہری، علامہ محمد سعید محدث بناری، علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی اور مولانا محمد بشیر سہوانی، مولانا ابوالقاسم سیف بناری وغیرہم شامل ہیں۔ (یادگار مجلہ ص ۵۵، اضلاع بستی و گونڈہ میں میاں صاحب کے تلامذہ ص ۹۸)

تعلیمی مراحل: ۱۔ ابتدائی و عربی تعلیم اپنے گھر پر والد ماجد مولانا عبداللہ سے حاصل کی۔

۲۔ عربی کی اعلیٰ تعلیم علاقے میں جماعت کے تاریخی ادارہ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار میں حاصل کی اور یہیں سے ۱۹۱۶ء مطابق ۱۳۳۷ھ میں فارغ ہوئے۔ جامعہ سے شائع شدہ یادگار مجلہ مرتبہ مولانا ابوالعاص و حیدی ۱۹۸۶ء ص ۱۰۷ میں جامعہ کے ممتاز مستفیدین و فضلاء کی فہرست میں آپ کا نام پانچویں نمبر پر مولانا محمد عرفان سلفی ابوالعرفان کے بعد اور مولانا ممتاز علی گرتھی ڈیہہ

اور مولانا ہاتف سعیدی سے پہلے ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ جامعہ سراج العلوم کے اوائل مستفیدین و فارغین میں سے ہیں اور غالباً اس وقت مولانا عبدالرحمن مبارکپوری کے چلے جانے کے بعد مولانا شاہ محمد مبارکپوری (مدت تدریس جامعہ ۱۹۱۰ء تا ۱۹۱۴ء) اور ان کے بعد مولانا محمد سلیمان منوی (مدت تدریس ۱۹۱۵ء تا ۱۹۱۶ء) وغیرہم تدریسی فرائض انجام دے رہے تھے اور شیخ الحدیث عبید اللہ رحمانی مبارکپوری وغیرہم کا دور تدریس اس کے بعد ہے۔

۳۔ شارح ترمذی محدث کبیر مولانا مبارکپوری نے آپ کو اجازہ علمیہ عطا کی اور اس طرح آپ کو یہ عظیم شرف حاصل ہوا۔

۴۔ مولانا مبارکپوری کے علاوہ دیگر تلامذہ میاں صاحب سے آپ نے استفادہ کیا ہے جن کی تعداد چار ہے۔

مشاہیر اساتذہ: ۱۔ آپ کے والد ماجد مولانا عبداللہ، ۲۔ مولانا اللہ بخش بسکوہری (تلمیذ میاں سید نذیر حسین صاحب) ۳۔

علامہ عبداللہ غازی پوری (تلمیذ میاں صاحب)، ۴۔ مولانا عبدالجبار غزنوی (تلمیذ میاں صاحب)، ۵۔ مولانا عبدالوہاب ملتانی

(تلمیذ میاں صاحب)، ۶۔ محدث کبیر مولانا عبدالرحمن مبارکپوری (تلمیذ میاں صاحب)، ۷۔ مولانا عبدالرحمن ڈوکی (تلمیذ میاں

صاحب) (علماء اہل حدیث بستی و گونڈہ، ص ۶۷، اضلاع بستی و گونڈہ میں میاں صاحب کے تلامذہ ص: ۱۰۲-۱۰۴،

۱۱۲-۷۰-۶۳۔ مجموعہ مقالات مولانا عبدالحمید رحمانی ۲/۴۴، یادگار مجلد ص ۸۶)۔

مشاہیر تلامذہ: آپ کے تلامذہ و شاگردوں کا حلقہ بے حد وسیع اور بڑا ہے۔ مشاہیر کے نام درج ذیل ہیں: ۱۔ مولانا عبدالرؤف رحمانی

جھنڈانگری (دار الحدیث رحمانیہ میں تعلیم سے پہلے آپ نے جھنڈانگری میں مولانا بجواوی سے تعلیم حاصل کی جس کا ذکر مولانا جھنڈانگری نے اپنے

انٹرویو میں خود کیا ہے۔ (ماہنامہ السراج، خطیب الاسلام نمبر ص ۴۰۵) اور اسی طرح سرگزشت جامعہ ۱۵۸ پر مولانا نے آپ کو استاذ محترم لکھا

ہے۔ اور اسی طرح مولانا عبدالشکور دور صدیقی نے اپنی سوانح میں یہ ذکر فرمایا ہے کہ آپ مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری کے اساتذہ میں سے

تھے۔ (کاروان سلف ۲/۲۶۵)، ۲۔ مولانا حبیب اللہ طیب پوری، ۳۔ مولانا زین اللہ طیب پوری، ۴۔ مولانا عبدالجلیل رحمانی، ۵۔ مولانا

اولاد حسین اوزہو، ۶۔ مولانا محمد منیر احمد بونڈ پھار، ۷۔ مولانا عبدالرحمن فیضی (انٹری بازار)، ۸۔ مولانا عبدالوہاب ریاضی بن میاں محمد زکریا

جھنڈانگری، ۹۔ مولانا حکیم محمد اسحاق رحمانی (والد بزرگوار ڈاکٹر اقبال احمد بسکوہری) ۱۰۔ مولانا عبدالقیوم رحمانی (کاروان سلف، ۱/۹۰)

نوٹ: آپ کے تلامذہ میں مرتبہ تراجم علمائے اہل حدیث مولانا خالد حنیف صدیقی نے مولانا عبدالسلام بستوی کا نام ذکر کیا ہے مگر یہ

قرین قیاس نہیں ہے۔ مولانا عبدالسلام بستوی کے اساتذہ میں مولانا بہاری کا ذکر ہے غالباً اسی سے اشتباہ ہو گیا ہے۔

تدریسی خدمات: ۱۹۶۰ء تا ۱۹۸۸ء دو سال تک جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈانگری نپال میں مدرس رہے۔ (جیسا کہ خالد

حنیف صدیقی صاحب نے لکھا ہے مگر یہ درست نہیں ہے) نوٹ: جامعہ سراج العلوم میں آپ کی تدریسی خدمات کے سلسلے میں یہ سن

مجھے کہیں دریافت نہ ہوا البتہ مولانا عبدالرؤف رحمانی صاحب نے سرگزشت جامعہ میں آپ کی تدریس کا زمانہ ۱۹۳۰ء یا اس سے قبل کا

لکھا ہے اور یہی قرین قیاس ہے۔ (سرگزشت جامعہ ۱/۱۳)

● مدرسہ چشمہ حمد، منوائم، الہ آباد میں بھی کچھ سالوں تک آپ نے تدریس کا فریضہ انجام دیا ہے۔ ۳۔ مدرسہ شمس العلوم سمر،

سدھارتھ نگر (قدیم ضلع بستی) کچھ سال، ۴۔ مدرسہ اسلامیہ، کیونجڑ، اڑیسہ۔ ۵۔ مدرسہ رحمانیہ، بجوا آبائی گاؤں، ۶۔ ۱۹۶۳ء سے

۱۹۶۷ء چار سال تک دوبارہ جامعہ سراج العلوم جھنڈا انگریز نپال میں درس و تدریس سے منسلک ہو گئے، ۷-۱۹۶۷ء کے بعد آپ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور گھر پر ہی رہنے لگے تا آنکہ وفات ہو گئی۔

دعوتی خدمات: بڑھنی، جھنڈا انگریز کا سرحدی علاقہ جو آج توحید و سنت پر قائم ہے اس میں دیگر علماء اجلہ کے ساتھ مولانا عبدالرحمن بجواوی علیہ الرحمۃ کی مساعی جمیلہ کا بھی بڑا اہم رول ہے۔ آپ انفرادی طور پر اور جماعت کے علماء کے ساتھ مل کر اہل علاقہ کی بھرپور رہنمائی فرماتے تھے اور توحید و سنت پر قائم رہنے اور شرکیات و بدعات سے دور رہنے کی ہمیشہ دعوت دیتے تھے۔ اس پورے خطہ ”بھانبر“ اور سرحدی علاقے میں جو کچھ بھی توحید و سنت کی بادی بہاری ہے اس میں آپ کا کردار بڑا نمایاں ہے اور تاریخ دعوت اہل حدیث کے صفحات میں سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ پورے علاقے میں جو بھی چھوٹے بڑے دینی و اصلاحی اجتماعات جلسے ہوتے آپ اس میں برابر مدعو رہتے اور بڑی عمدہ نصیحت اور پیارا وعظ فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بڑی تاثیر رکھی تھی۔ ایک بڑی تعداد نے برسوں آپ سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اور علاقہ ہی نہیں بلکہ پورے اضلاع بستی و گوندہ میں بڑی موثر دعوتی و تبلیغی و اصلاحی جدوجہد فرمائی۔

علم فرائض میں مہارت و امامت: آپ کو اللہ تعالیٰ نے دیگر علوم و فنون کے ساتھ علم فرائض و میراث میں ید طولیٰ عطا فرمایا تھا۔ مسائل میراث کے جزئیات اور باریک احکامات سے بڑی واقفیت تھی۔ چنانچہ آپ کے اساتذہ، معاصر علماء اور دیگر اہل علم اس باب میں آپ کو مرجع سمجھتے تھے، استاد محترم مولانا عبدالحمید رحمانی آپ کے سلسلے میں رقمطراز ہیں کہ ”آپ محدث اعظم مولانا عبدالرحمن مبارکپوری (صاحب تحفۃ الاحوذی فی شرح جامع الترمذی) کے جلیل القدر شاگردوں میں سے تھے یوں تو آپ علوم قرآن و سنت، عقائد و فقہ اور تمام علوم عربیہ، معقولات و منقولات میں ید طولیٰ رکھتے تھے، لیکن جس عظیم الشان علم نے آپ کی شخصیت کو پورے ہندوستان میں نمایاں حیثیت کا مالک بنا دیا تھا وہ علم فرائض ہے، علم فرائض جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے علوم اسلامیہ کا نصف قرار دیا ہے، اس سے آپ کو اس قدر شغف تھا کہ نہ صرف آپ بلکہ آپ کے گھر کا ہر باشعور فرد فرائض اور تقسیم میراث کی معمولی سے معمولی جزئیات تک سے واقف تھا۔ شیخ الاسلام علامہ ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری، مولانا شرف الدین دہلوی اور دوسرے اکابرین و اعیان فرائض میں آپ کو مرجع سمجھتے تھے اور آپ صرف علم و فن کے امام نہ تھے بلکہ آپ کی عملی زندگی بھی اس کی شاہد عدل تھی، پورے ہندوستان میں اور خاص طور سے بستی میں لڑکیوں کے ساتھ تقسیم وراثت کے معاملے میں جو بے انصافی ہوتی ہے وہ محتاج بیان نہیں، اس ماحول میں آپ نے اپنی زندگی ہی میں لڑکیوں کا حصہ متعین کر دیا تھا اور خطرہ کے پیش نظر کہ مبادا کسی کو اپنے حق سے محروم نہ کر دیا جائے شریعت اسلامیہ کی منصفانہ تقسیم کی پختہ وصیت آپ نے اپنی زندگی ہی میں کر دی تھی۔ علم فرائض پر آپ کی متعدد تصنیفات بھی ہیں جن میں سے رحمۃ الفرائض کو کافی شہرت حاصل ہوئی، علم الفرائض جس میں بلا مبالغہ آپ امامت کے درجہ پر فائز تھے اس کی نشر و اشاعت کے لئے آپ خود ہی لوگوں کے پاس جا جا کر اس کی تعلیم دیتے اور اس کے سیکھنے نیز عملی طور پر اس کے تقاضوں کو بروئے کار لانے پر انہیں آمادہ کرتے اور اس علم میں آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں پہنچ جاتی ہے۔ (پندرہ روزہ ترجمان دہلی، یکم مارچ ۱۹۷۲ء، بحوالہ مجموعہ مقالات مولانا عبدالحمید رحمانی ۲/۴۴-۴۵)

مولانا داؤد راز صاحب کی طلب پر آپ نے فتاویٰ ثنائیہ کتاب الفرائض کے لئے افتتاحیہ بھی لکھا تھا جو (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲: ۷۷-۷۸ پر مطبوع ہے) نیز اس میں میں آپ کے کئی فتاویٰ بھی شامل اشاعت ہیں جو اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ معاصرین

اہل علم اور اساتذہ و شاگرد اس فن میں آپ کو مرجع تصور کرتے تھے۔

تصنیفات و مقالات: آپ نے فرائض کے علاوہ دیگر مسائل پر بھی تحقیقی مقالات لکھے، استاذ گرامی مولانا عبدالحمید رحمانی لکھتے ہیں: ”کہ اگرچہ آپ کے مقالے بہت کم شائع ہوئے لیکن آپ کا قلمی ذخیرہ جو کچھ بھی موجود ہے وہ علم و تحقیق کے اعتبار سے شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ (حوالہ مذکور) اس ذخیرہ تحقیق میں چند کتابیں بڑی شاہکار مانی جاتی ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) **رحمۃ الفرائض**، اردو، صفحات ۴۰، مطبوعہ انتظامی پریس کانپور ۱۳۷۵ھ۔

یہ آپ کی مایہ ناز تصنیف ہے اس میں مسائل میراث کو اردو زبان میں بڑی خوبصورتی سے بالتفصیل بیان کیا گیا ہے اس کی ابتداء میں محدث مبارکپوری کا عطا کردہ سدا جازہ بھی مطبوع ہے اور ایک دعائیہ قطعہ ہے جو فصیح و بلیغ عربی میں ہے۔

(۲) **محور الفرائض منظوم ترجمہ رحمۃ الفرائض:** آپ کی تصنیف کردہ کتاب رحمۃ الفرائض بڑی مقبول خاص و عام ہوئی اور اہل علم نے اس کی افادیت و اہمیت کو محسوس کیا چنانچہ آپ کی فرمائش پر مشہور مناظر اور شاعر مولانا عبدالشکور دور صدیقیؒ (متوفی ۱۹۹۸ء) نے اسے منظوم کر دیا اور اسے محور الفرائض کے نام سے ۱۹۶۷ء میں شائع کیا گیا۔ مولانا دور صدیقیؒ اس بابت رقمطراز ہیں کہ ”حضرت مولانا بجواوی جو علم فرائض میں سند مانے جاتے تھے اور جو مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری کے اساتذہ کرام میں سے ایک تھے عموماً اکراہ تشریف لاتے تھے، ان سے میرے اچھے مراسم تھے اور مجھ پر موصوف کی بزرگانہ شفقتیں تھیں، مولانا ذکرا اللہ صاحب کے خسر تھے اس طرح مولانا عبدالغفور صاحب بسکوہری ملا فاضل کے سہمی تھے، (مگر یہ رشتہ جلد ہی ٹوٹ گیا تھا) مجھ سے متنی ہوئے کہ علم فرائض میں ایک قلمی رسالہ ہے اس کو منظوم کر دو، میری آرزو اور دلی خواہش کے ساتھ مجھ سے اس کے منظوم کرنے پر مصر ہوئے تو میں اس زمانہ مصروفیت میں صبح و شام ایک کر کے حضرت فرید الدین عطار کی مثنوی کے بحر پر اس کو منظوم کیا اور اس کا نام میں نے تاریخی طور پر ”محور الفرائض“ رکھا تھا اور مولانا موصوف نے اپنی نظر ثانی کے بعد ۱۹۶۷ء میں اپنے سرمایہ خاص سے اسے شائع فرمایا تھا۔ اور جس کے چند نسخے اب بھی گھر کے ذخیرہ کتب میں موجود ہیں، فالحمد لله علی ذالک (کاروان سلف، عبدالرؤف ندوی ۲/۲۶۵)۔

(۳) **حسن المقالۃ فی بیان الکلالۃ**، اردو: صفحات ۶۰، مطبوعہ کوہ نور پریس، دہلی ۱۳۳۶ھ، اس کا اصل نام ہے۔ واضح

البیان لتحقیق ما وقع ”فہمہ شرکاء فی الثلث“ فی القرآن وفی اثبات ان هذه الآیة مختصۃ ببنی الاخیاف دون بنی العلات والاعیان“ جیسا کہ مطبوعہ نسخہ کے ٹائٹل پر درج ہے جس کی کاپی مجھے برادر فاضل راشد حسن مبارکپوری سے حاصل ہوئی۔
فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

مولانا مستقیم سلفی حفظہ اللہ لکھتے ہیں ”یہ کتاب اس سوال کے جواب میں ہے کہ ایک عورت فوت ہوگئی، اس کے ورثہ میں خاوند،

ماں، دو مادری بہنیں، دو پدیری بہنیں، دو پدیری بھائی اور دو حقیقی بھائی ہیں ان میں ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا“ (تصنیفی خدمات ۲۹۷)

(۴) **افتتاحیہ کتاب الفرائض:** فتاویٰ ثنائیہ جلد دوم (از ۷۷۷-۴-۱۵) صفحات بتاریخ ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۵۳ھ میں مطبوع

ہے۔ یہ افتتاحیہ مولانا عبدالغفور بسکوہری اور مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری کی تحریک نیز مرتب فتاویٰ ثنائیہ مولانا داؤد راز دہلوی کی طلب پر آپ نے تحریر فرمایا ہے جو ۱۵ صفحات میں سراجی کا مکمل خلاصہ ہے جس کا تذکرہ آپ نے مضمون ہذا کے آخر میں صفحہ ۴۹۲-۴۹۱ پر کیا ہے۔

علمی مقام: مولانا عبدالرحمن بجواوی رحمہ اللہ کا علمی مقام اہل علم کے مابین بے حد بلند تھا آپ یوں تو تمام فنون میں یدِ طولی رکھتے مگر فن میراث اور علمِ فرائض میں آپ کو امام اور مرجع تصور کیا جاتا تھا، استاذی مولانا عبدالحمید رحمانیؒ نے آپ کو امام الفرائض لکھنے کے ساتھ تحریر فرمایا کہ: ”یوں تو آپ علوم قرآن و سنت، عقائد و فقہ اور تمام علوم عربیہ، معقولات و منقولات میں یدِ طولی رکھتے تھے، لیکن جس عظیم الشان علم نے آپ کی شخصیت کو پورے ہندوستان میں نمایاں حیثیت کا مالک بنا دیا تھا وہ علمِ فرائض ہے، علمِ فرائض جسے نبی اکرم ﷺ نے پورے علوم اسلامیہ کا نصف قرار دیا ہے اس سے آپ کو اس قدر شغف تھا کہ نہ صرف آپ بلکہ آپ کے گھر کا ہر باشعور فرد فرائض اور تقسیم میراث کی معمولی سے معمولی جزئیات تک سے واقف تھا۔ شیخ الاسلام علامہ ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا شرف الدین دہلویؒ اور دوسرے اکابرین و اعیان فرائض میں آپ کو مرجع سمجھتے تھے اور آپ صرف علم و فن کے امام نہ تھے بلکہ آپ کی عملی زندگی بھی اس کی شاہد عدل تھی“۔ (مجموعہ مقالات ۲/۴۴)

مفکر جماعت مولانا عبدالکلیل رحمانیؒ نے اپنی خودنوشت سوانح میں آپ کا تذکرہ یوں کیا ہے۔ ”بعد رمضان سراج العلوم پہنچا قطبی، شرح جامی تا منصورات، منتہی، شرح تہذیب مولانا موصوف سے (یعنی مولانا عبدالغفور بسکوہری سے) اور مناظرہ رشیدیہ، مشکوٰۃ شریف، شرح نخبیہ، ترجمہ کلام پاک اور شرح وقایہ، و سراجی مولانا عبدالرحمن صاحب بجواوی سے پڑھا جو فرائض کے ماہر اور بے زبان ولی ہیں“۔ (مولانا عبدالکلیل رحمانی، حیات و خدمات از مولانا محمد مستقیم سلفی، محدث بنارس اپریل ۲۰۱۶ء)

مولانا عبدالرؤف رحمانیؒ نے لکھا ہے کہ ”علاوہ ازیں مولانا بجواوی تعلیمی کام میں ان سے بہتر ہیں، علمِ فرائض میں تو ان کا کوئی ثانی نہیں جب کہ فرائض کا علم بقول سرکارِ دو عالم ﷺ نصف علم ہے اور اسی طرح حدیث و مسائل کے شرح و معلومات میں جو لگاؤ اور تجربہ مولانا کو ہے کسی نو مشق کو کہاں حاصل ہے۔ (سرگزشت جامعہ ۱/۷۲)

اسی طرح محدث اعظم مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ اپنی جلالت علمی، تقویٰ، و ورع کے باوجود امامت کے لئے اپنے اس شاگرد کو آگے بڑھادیتے۔ (مجموعہ مقالات ۲/۴۵)

مولانا داؤد راز دہلوی رحمہ اللہ نے جب علامہ ثناء اللہ امرتسریؒ کے ۴۴ سالہ فتاویٰ کو فقہی ترتیب پر جمع کر کے فتاویٰ ثنائیہ کے نام سے شائع کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے مراجعہ اور تصحیح کے لئے دیگر افاضل علماء کے ساتھ مولانا بجواویؒ کو بھی شریک کیا، خاص طور پر میراث سے متعلق کتاب الفرائض کے لئے آپ سے ۱۵ صفحات پر مشتمل ایک افتتاحیہ تحریر کروایا اور آپ کے دیگر فتاویٰ بابت میراث بھی اس میں شامل کئے جسے کتاب الفرائض جلد دوم میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ کتاب الفرائض کو آپ نے از اول تا آخر پڑھا تھا اور اس پر تشریحات و تصحیحات بھی قلمبند کی تھیں، اس بابت آپ قلمی تاثر کے عنوان سے خود رقمطراز ہیں کہ: ”فتاویٰ ثنائیہ، کتاب الفرائض کو میں نے از اول تا آخر گہری نظر سے دیکھ لیا ہے جہاں کہیں ضرورت معلوم ہوئی وہاں تشریحات و تصحیحات حوالہ قلم کردی گئی ہیں اس دیاچہ میں سراجی کو بقدر ضرورت یعنی جو مسائل اکثر پیش آتے ہیں بطور خلاصہ لکھ دیا ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ ۲/۴۹۱)

درج ذیل صفحات پر آپ کی تشریحات و فتاویٰ کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۷، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۹، ۵۲۲، ۵۳۶، ۵۶۷، یہ سطور آپ کے علمی مقام اور بلند درجہ کو سمجھنے کے لئے کافی ہیں۔

عمائدین جماعت سے آپ کا گہرا رابطہ اور قدر دانی: آپ کے علمی مقام اور بلند رتبہ کی وجہ سے جماعت کے علماء، عمائدین، آپ کے شاگردان حتیٰ کہ آپ کے اساتذہ و مشائخ بھی آپ کی بے حد قدر دانی فرماتے تھے، آپ کے استاذ محدث کبیر علامہ مبارکپوری کے سلسلے میں گزر چکا ہے کہ امامت کے لئے آپ کو مقدم فرماتے تھے، اسی طرح مناظر اسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا شرف الدین اور دیگر اعیان جماعت فن میراث میں آپ کو مرجع سمجھتے تھے اور اس علاقے میں اپنی آمد پر آپ سے ملاقات کے لئے ضرور جاتے تھے، ۱۹۲۷ء بڑھنی کانفرنس یا ۱۹۲۸ء بونڈیہار کانفرنس جس میں مولانا ثناء اللہ امرتسری اور دیگر اعیان علمائے جماعت شریک ہو کر تھے، ان تمام کانفرنسوں میں مولانا کی شرکت بھی یقینی ہے اور ایسے مواقع پر یہ علماء اجلاء آپ کے گاؤں بنفس بنفس ملاقات کے لئے جایا کرتے تھے، مولانا ابوالعاص و حیدی لکھتے ہیں کہ ”ضلع گونڈہ میں بڑھنی و جھنڈانگر سے چار میل کے فاصلہ پر ایک موضع بجوا ہے جہاں مولانا سعید بناری، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا بشیر احمد سہسوانی رحمہم اللہ تشریف لائے تھے اور مولانا ثناء اللہ امرتسری و مولانا ابوالقاسم سیف بناری تو بارہا اس علاقے میں اصلاح تبلیغ کے لئے تشریف لایا کرتے تھے“۔ (یادگار مجلد ۱ ص ۵۵)

بونڈیہار کانفرنس منعقدہ ۱۹۲۸ء میں مخصوص علماء اکھٹا تھے جن میں مولانا عبدالرحمن بجواوی مولانا جھنڈانگری اور شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری وغیرہم شامل تھے بعض چشم دید کا بیان ہے کہ شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی مولانا بجواوی کے کھانے سے مچھلی کے کانٹے نکال کر مچھلی ان کے برتن میں رکھتے جاتے، اسی طرح گوشت سے ہڈی الگ کر کے بوٹیاں رکھتے جاتے تھے اور مولانا بجواوی خاموشی سے کھا رہے تھے۔ (بحوالہ مولانا ابوالعاص و حیدی حفظہ اللہ، مجلہ الفلاح، خصوصی نمبر جون تا ستمبر ۱۹۹۲ء) یہ واقعہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ علماء و اعیان سے وابستگی اور ان کے مابین آپ کی کتنی قدر و منزلت تھی وہ عیاں بیاں ہے۔ (تراجم علمائے اہل حدیث ہند ۱/۲۰۸)

اخلاق و عادات: آپ انتہائی نرم مزاج اور نیک صفت انسان تھے۔ مولانا عبدالجلیل رحمانی رحمہ اللہ نے آپ کو ولی صفت قرار دیا ہے، آپ کی انکساری و تواضع کا یہ عالم تھا کہ دوران تدریس طلباء یا کسی اور کے شریک نہ رویہ سے ذرا بھی جزبہ نہ ہوتے اور نہ ہی کسی کو کبھی سخت سست قرار دیتے۔ انتہائی منکسر المزاج اور ملنسار و اخلاق پسند آدمی تھے، دین کی خدمت کا جذبہ پیہم کوٹ کوٹ کر دل میں بھرا ہوا تھا، تین مرتبہ حج و زیارت بیت اللہ سے سرفراز ہوئے، آپ کی دین پسندی اور جذبہ قربانی کا یہ عالم ملاحظہ فرمائیں کہ ایک بار منوآئمہ الہ آباد مدرسہ چشمہ حمد میں دوران تدریس ایک سال کا پورا وظیفہ سال کے آخر میں یکمشت لینے کے لئے صبر کر رکھا اور جب سال ختم ہوا تو پورا وظیفہ وصول کیا اور اس رقم سے اپنے گاؤں بجوا میں ایک مدرسہ کی مدرسہ رحمانیہ کے نام سے بنیاد ڈالی اور پوری رقم اس کی تعمیر کے لئے وقف کر دیا، یہ مدرسہ آج بھی گاؤں میں اسی نام سے موجود ہے۔ اواخر عمر میں آپ نے اپنے وطن میں گوشہ نشینی اختیار کر لی اور ضعیفی کے باوجود نیم بے ہوشی کے عالم میں بھی ہمیشہ زبان پر تسبیحات و تکبیرات جاری رہیں، استاذی مولانا عبدالحمید رحمانی رقمطراز ہیں کہ ”آپ کی زندگی کی ایک بڑی خصوصیت آپ کی سادگی، اخلاص، تواضع اور انکساری و فروتنی تھی، سادگی کا یہ حال کہ کبھی دو جوڑے سے زیادہ کپڑا نہیں رکھا اور کرتے میں کبھی بٹن تک لگانے کا تکلف گوارا نہ فرمایا اور تواضع و انکساری کا یہ حال کہ تلامذہ اور عوام تک کے سامنے کسی طرح کا امتیاز کا تصور تک نہ ہوتا تھا، تقویٰ و ورع اور اکل حلال میں اپنی نظیر آپ تھے، محدث اعظم مولانا عبدالرحمن مبارکپوری اپنی جلالت علمی، تقویٰ و ورع کے باوجود امامت کے لئے اپنے

اس شاگرد کو آگے بڑھادیتے، آپ صحیح معنی میں سلف کی یادگار اور ایثار و اخلاص میں صحابہ کا نمونہ تھے۔ (مجموعہ مقالات ۲/۴۵)۔
بیماری اور وفات: اواخر عمر میں تدریسی و دیگر مشاغل سے ضعیفی کی وجہ سے علاحدہ ہو کر گھر پر رہنے لگے، قوی مضمحل ہو چکے تھے، بڑھا پا طاری تھا، آخر دور کے تین چار سال تو بے حد کمزوری اور ضعیفی اور نقاہت میں گزری، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بے ہوش ہو جاتے مگر اس پریشانی اور نیم بے ہوشی کے عالم میں بھی ہاتھ کی انگلیاں تسبیحات و تہلیلات میں چلتی رہتیں، بالآخر علم و فضل کا یہ نیر تاباں ۵ فروری ۱۹۷۳ء کو سو سال کی عمر میں ہم سے رخصت ہوا اور یہ خطہ آپ کے علم و عمل سے محروم ہو چلا، اور ان علماء کبار کی آمد و رفت رک گئی جو کبھی آپ کی وجہ سے اس علاقے میں قدم رنجہ فرماتے تھے۔ اللہ غریقِ رحمت فرمائے اور فرانس کے اس عالی مرتبت امام کو اس کی قربانیوں کا حسین بدلہ جنت الفردوس میں عطا فرمائے۔ آمین۔

اولاد و احفاد: مولانا بجاوئی کو اللہ تعالیٰ نے دو لڑکوں اور تین بیٹیوں سے نوازا تھا، (۱) بڑے لڑکے عبدالمنان تھے جو غالباً عربی چہارم تک پڑھے ہوئے تھے اور عبدالمنان کے صاحبزادے مولانا ابراہیم ریاضی ہیں جو مولانا عبدالجلیل سامرودی سے فیض یافتہ ہیں۔ (۲) دوسرے لڑکے عبید اللہ تھے جن سے قاسم اور عبداللہ دو لڑکے ہیں۔ قاسم بھی عالم ہیں اور فی الوقت نوکری پیشہ ہیں، اور عبداللہ عالم دین ہیں جو مولانا عبداللہ سلفی کہلاتے ہیں۔ خدیجہ الکبریٰ جھنڈانگر، نیپال میں برسوں تدریس کا فریضہ بھی انجام دے چکے ہیں۔
 لڑکیوں میں پہلی بیٹی خیر النساء ہیں جو پیڑی بانسی کے علاقے میں بیاہی ہوئی تھیں، انہیں کے بطن سے مولانا اسماعیل سلفی ہیں جو معہد دہلی کے ابتدائی ادوار میں مولانا عبدالحمید رحمانی صاحب کے اس ادارہ سے منسلک تھے۔

دوسری لڑکی زینت ہیں جو پیڑی بانسی ہی میں بیاہی ہوئی ہیں اور ان کے بطن سے مولانا عبید اللہ فلاحی اور مولانا محمد یعقوب ندوی ہیں آخر الذکر فی الوقت ندوۃ العلماء لکھنؤ کے برسوں سے استاد ہیں۔

تیسری لڑکی ہاجرہ تھیں پہلے مولانا ذاکر ندوی بسکوہری کی زوجیت میں تھیں رشتہ ٹوٹ جانے کے سبب ان کی دوسری شادی مولانا امر اللہ عارف سراجی کونڈرا گرانٹ کے بھائی محمد فاروق سے ہوئی اور ان کے بچے وہیں شادا آباد ہیں۔

مراجع و مصادر: ۱۔ مجموعہ مقالات مولانا عبدالحمید رحمانی، جلد دوم ص ۴۴-۴۶) ۲۔ تراجم علمائے اہل حدیث خالد حنیف صدیقی جلد اول ص ۲۰۵-۳۔ سرگزشت جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر، نیپال ۴۔ ماہنامہ السراج، خطیب الاسلام نمبر مئی۔ اکتوبر ۲۰۰۰ء۔ ۵۔ کاروان سلف از عبدالرؤف ندوی۔ ۶۔ علمائے بستی و گونڈہ در بدر الزماں نیپالی۔ ۷۔ اصلاح بستی و گونڈہ میں میاں صاحب کے تلامذہ عبدالمنان سلفی۔

(مضمون شائع شدہ ماہنامہ صوت الاسلام ممبئی اگست ۲۰۱۸ء)



شیخ الحدیث (مولانا) عبدالسلام بستوی مترجم مشکوٰۃ شریف

وفات ۷ فروری ۱۹۷۴ء

(خودنوشت)

منظور ہے گزارش احوال واقعی

اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے

عبدالسلام بن شیخ یادعلی بن شیخ خدا بخش بن شیخ ظہور احمد، اجداد کرام فیض آباد کے باشندے تھے۔ غدر ۱۸۵۷ھ میں فیض آباد کو خیر باد کہہ کر ضلع بستی کے موضع بشن پور علاقہ سوہانس تحصیل نوگڑھ میں سکونت پذیر ہوئے۔ صاحب الترجمہ کی ولادت غالباً ۱۳۲ھ/۱۹۰۹ء میں بشن پور میں ہوئی۔ بغدادی قاعدہ پڑھنے کے بعد ریاست نیپال کے موضع مہسڑ گیا۔ اور حضرت مولانا شمس الحق صاحب سے قرآن مجید ختم کر کے گھر آیا اور والدین کے ساتھ کلکتہ ٹیابرج گیا۔ یہاں پہنچنے کے پندرہ دن کے بعد والد مرحوم کا سایہ اٹھ گیا (انا للہ وانا الیہ راجعون) سوائے والدہ محترمہ کے اور کوئی تربیت کرنے والا نہیں تھا۔ اس وقت (۱۰) برس کی عمر ہوگی۔ بسراوقات کے لئے میل کی ملازمت کر لی۔ دن بھر کام کرتا اور رات کو محلہ والوں سے اردو پڑھتا رہتا۔

ڈیڑھ سال تک یہی کیفیت رہی اور دینیات کی اس طرح تعلیم حاصل کرنے کے بعد بستی وطن مالوف کی طرف مراجعت کی۔ مدرسہ مفتاح العلوم بھٹ پرا میں داخل ہو کر حضرت میاں صاحب نیپالی سے فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ ایک سال کے بعد موضع پڑریا ریاست نیپال حضرت مولانا عبدالمجید مرحوم کی خدمت میں رہ کر گلستاں، بوستاں اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ ایک سال کے بعد دہلی آیا اور مدرسہ حمیدیہ صدر بازار منڈی پان میں داخل ہوا۔ مدرسہ رحمانیہ دہلی کے تاسیس کا یہ پہلا سال تھا۔ اس کے سالانہ اجلاس میں شریک رہا دہلی ۶ ماہ قیام کے بعد سہارنپور مظاہر العلوم میں آیا۔ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مؤلف بذل الجہود شرح ابی داؤد کی خدمت میں رہنے لگا۔ حضرت مولانا مرحوم لفظ ”حضرت“ سے یاد کیے جاتے تھے۔ حضرت کے دست مبارک پر بیعت کی، حضرت بہت محبت و شفقت سے پیش آتے۔ گاہے بگاہے صرف کے صیغے بھی دریافت فرماتے۔ ایک سال تک آپ نے اپنے ہی پاس رکھا اور حضرت مولانا مسعود احمد صاحب کے پاس اسباق مقرر فرمادیے۔ رفقاء درس میں مولانا رحمت اللہ صاحب خیرادی اور مولانا عبد الرحیم صاحب حسن پوری وغیرہ بھی تھے۔ مولانا مسعود احمد صاحب نے از سر نو عربی کی ابتدائی کتابیں میزان منشعب، نحو میر، صرف میر، پنج گنج، شرح ماتہ عامل وغیرہ اور مولانا عبدالمجید صاحب سے گلستاں، بوستاں، اخلاق محسنی، احسن القواعد وغیرہ پڑھیں۔ دوسرے سال حضرت نے باقاعدہ مدرسہ مظاہر العلوم میں داخلہ کرا دیا۔ اور مدرسہ کے نصاب کے مطابق تعلیم حاصل کرنی شروع کر دی، مولانا محمد صدیق صاحب سے کافیہ شرح تہذیب وغیرہ اور بعض اساتذہ سے جن کا نام گرامی اس وقت یاد نہیں آرہا ہے

قدوری، شرح وقایہ، نور الایضاح، اصول الشاشی وغیرہ، قطبی میر قطبی اور ملا حسن۔ اور مولانا اخلاق احمد صاحب سے نور الانوار، اور مولانا عبدالشکور صاحب ولایتی سے ہدایہ اولین، مختصر المعانی، ملا حسن اور مولانا ظہور الحسن صاحب سے شرح جامی، مولانا زکریا صاحب قدوسی سے کنز الدقائق وغیرہ پڑھیں۔ غرض پانچ سال تک مسلسل مظاہر العلوم میں رہ کر مذکورہ بالا کتابیں پڑھیں۔ نحو، صرف، فقہ، اصول فقہ، منطق کی اکثر کتابوں کے پڑھنے کے بعد حدیث پڑھنے کا جب وقت آیا تو غور و فکر کے بعد مدرسہ رحمانیہ دہلی آنا مناسب سمجھا۔ چنانچہ رمضان ہی میں دہلی آ گیا اور رمضان تعطیل کی وجہ سے عارضی طور پر مدرسہ زبیدیہ نواب گنج میں رہا۔ رمضان کے بعد داخلہ کا امتحان شروع ہوا۔ حضرت مولانا عبدالغفور صاحب اعظم گڑھی اور دیگر اساتذہ کرام نے امتحان لے کر داخل مدرسہ کیا اور آٹھویں جماعت تک یہاں کی تعلیم حاصل کی۔ حضرت مولانا احمد اللہ صاحب مرحوم شیخ الحدیث مدرسہ رحمانیہ سے ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، بخاری، مسلم اور حضرت مولانا عبدالغفور صاحب اعظم گڑھی سے نسائی، شرح چغمنی، شمس بازغہ و تصریح ہدیہ سعیدیہ، مولانا صاحب بہاری سے جلالین، حماسہ، مقامات، متنبی، سبغہ معلقہ، مولانا سکندر علی ہزاروی سے حمد اللہ، صدرا، اقلیدس، شرح عقائد، امور عامہ مبذی، بیضاوی پڑھی۔ رحمانیہ سے فارغ ہو کر ندوہ لکھنؤ گیا۔ یہاں طبیعت نہیں لگی۔ تکمیل الطب کالج میں طب پڑھنے کے لئے داخل ہوا۔ اور نفیسی، سدی، کامل الصناعہ وغیرہ کتابیں پڑھیں، اور مدرسہ فرقانیہ میں فلسفہ کی کتاب شرح اشارات پڑھی۔ اسی اثناء میں دوبارہ دورہ حدیث پڑھنے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ دورہ حدیث پڑھنے کے لئے دیوبند حاضر ہوا۔ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب نے داخلہ کا امتحان امور عامہ، صدرا، شمس بازغہ وغیرہ کا امتحان لے کر دورہ حدیث میں شرکت کی اجازت مرحمت فرمائی۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی سے بخاری اور ترمذی، حضرت مولانا غلام رسول خان صاحب سے مسلم اور حضرت مولانا اصغر حسین میاں صاحب سے ابوداؤد اور حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب سے طحاوی، ابن ماجہ، اور حضرت مولانا محمد شفیع صاحب سے مؤطا امام مالک اور مولانا محمد ابراہیم صاحب سے نسائی اور حضرت مولانا اعزاز علی صاحب سے شمائل ترمذی پڑھی۔ فالحم للدرّب العالمین۔

دیوبند سے فارغ ہو کر دہلی آیا اور حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کے مدرسہ پھانگ حبش خان میں مقیم ہوا۔ حضرت مولانا سید عبدالحفیظ صاحب سے شرح اسباب اور قانون شیخ پڑھا۔ مولوی فاضل پنجاب کا امتحان دیا۔ اور اجازت حدیث کی سند حضرت مولانا احمد اللہ صاحب شیخ الحدیث رحمانیہ اور حضرت مولانا شرف الدین صاحب دہلوی شیخ الحدیث مدرسہ سعیدیہ اور حضرت مولانا عبید اللہ صاحب شیخ الحدیث مدرسہ زبیدیہ اور حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوری مؤلف تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی نے دی، ان سب اساتذہ کرام کا سلسلہ روایت حدیث شاہ ولی اللہ پر منتہی ہوتا ہے۔ جن کو قدرے تفصیل سے ذیل میں درج کرتا ہوں۔

حضرت العلام مولانا احمد اللہ صاحب مرحوم، حضرت الشیخ العلام عبدالرحمن صاحب مبارکپوری، حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب پنجابی، حضرت شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ صاحب دہلوی سید العلام الفہام الحدیث المفسر والفقہ الکامل شیخ العرب والجم مولانا سیدنا محمد نذیر حسین صاحب محدث دہلوی المعروف بہ حضرت میاں صاحب المتوفی ۱۳۲۰ھ سے روایت کرتے ہیں۔ اور حضرت العلام مولانا شرف الدین صاحب دہلوی، مولانا عبدالحق صاحب ملتان اور مولانا عبدالوہاب الضریر دہلوی اور مولانا محمد بشیر صاحب سہوانی بھوپالی سے روایت کرتے ہیں پھر یہ تینوں حضرات شیخ الکل فی الکل حضرت میاں صاحب سے روایت کرتے ہیں۔

تو مجھ خاکسار عبدالسلام بستوی کو ان پانچوں اساتذہ کرام نے صحاح وغیرہ کی اجازت مرحمت فرمائی اور ان سب حضرات کو اجازت دی۔ السید العلام المحدث والمفسر والفقہ الکامل شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی نے اور ان کو اجازت دی حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی نے، ان کو اجازت دی حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے، ان کو اجازت دی ان کے والد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے، ان کو اجازت دی شیخ ابوطاہر مدنی نے، ان کو اجازت دی ان کے والد شیخ ابراہیم کردی نے جو کتاب الامم لایقظ الہم کے مصنف ہیں اور شیخ احمد قشاشی نے، ان کو اجازت دی شیخ احمد بن عبدالقدوس الشناوی نے اور شیخ اشمس محمد بن احمد بن حمزہ الرملی نے اور ان کو اجازت دی شیخ الاسلام زکریا بن محمد انصاری نے، ان کو اجازت دی شیخ الاسلام احمد بن علی بن الحجر العسقلانی نے، ان کو اجازت دی شیخ ابی اسحاق ابراہیم بن احمد بن عبدالواحد التتوخی نے، ان کو اجازت دی ابوالعباس احمد بن ابی طالب الصالحی الحجار نے، ان کو اجازت دی شیخ سراج الدین ابی عبداللہ الحسین بن المبارک زبیدی نے اور شیخ عبدالاول نے اور ان کو اجازت دی شیخ ابوالحسن عبدالرحمن بن محمد الداؤدی نے، ان کو اجازت دی ابو محمد عبداللہ بن احمد بن حمود یہ الحوری الرحسی نے، اور ان کو اجازت دی ابو عبداللہ بن یوسف الفربری نے اور ان کو اجازت دی سید المحدثین امام ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری نے۔

باقی سندیں المکتوب اللطیف الی المحدث الشریف اور مقدمہ غایۃ المقصود، عجالہ نافعہ اور الارشاد الی مہمات الاسناد، کتاب الامم لایقظ الہم اور اتحاف الاکابر میں ملاحظہ فرمائیں اور ہم نے کشف الملہم میں سلسلے کی سند تحریر کر دی ہے، ان سندوں کو ان الاسانید انساب الکتب کے طور پر ذکر کر دیا ہے تاکہ خاکسار راقم الحروف کو بھی اپنے اسلاف کے سلک مروارید میں منسلک ہونے کا شرف حاصل رہے۔

گرچہ از نیکاں نیم خود را بہ نیکاں بستہ ام
در ریاض آفرینش رشتہ گلدشتہ ام
فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا
بلبل ہمیں کہ قافیہ گل بود بس است
اولئک اباہی فجئنی بمثلہم
اذا جمعنا یاجریر الجامع

۱۳۴۹ھ شوال کے مہینہ میں مدرسہ دار الحدیث والقرآن المشہور بہ مدرسہ حاجی علی جان چاندنی چوک دہلی میں بسعی مشکور حضرت مولانا احمد اللہ صاحب شیخ الحدیث رحمانیہ اور حضرت مولانا ظہیر مرزا صاحب نواب لوہارو۔ حضرت الحاج مولانا عبدالغفار صاحب آف حاجی علی جان درس حدیث کے لئے بیٹھا۔ بجز اللہ ۱۶ سال تک برابر درس حدیث دیتا رہا۔

نکاح: ۱۳۵۰ھ میں شیخ قربان علی صاحب ساکن بھٹ پرا۔ ڈاک خانہ لوٹن ضلع بستی کی دختر نیک اختر ام سلمہ شاہ بانو سے شادی ہوئی۔ اور ۱۳۵۲ھ میں حاجی محمد یقوب علی صاحب ساکن پڑریا ریاست نیپال کی صاحبزادی ام محمودہ بتول سے نکاح ہوا۔ بجز اللہ یہ دونوں رفقیہ بقید حیات موجود ہیں اور دونوں سے حسب ذیل اولادیں ہیں۔

اولاد: پہلی خاتون سے عبدالرشید، عبدالحکیم ثانی، عبدالعزیز، عبدالمنان، آمنہ بقید حیات موجود ہیں اور عبدالحکیم اول ایک ماہ اور عبدالعظیم دو سال زندہ رہ کر داغ مفارقت دے کر خدا کو پیارے ہو گئے۔ اور دوسری خاتون سے عبدالحئی، عبدالحنان، محمودہ، مسعودہ موجود ہیں۔ اور عبدالصمد ۲۵ روزہ اور حمیدہ دو سال زندہ رہ کر ذخیرہ آخرت ہو گئے۔

تقسیم ملک کی ناگہانی آفت: ۱۳۶۶ھ میں مدرسہ حاجی علی جان میں درس حدیث کا سلسلہ جاری رہا۔ مگر ۱۳۶۶ھ میں قیامت خیز حادثہ سے وطن مالوف جانا پڑا، جس کی مختصر تفصیل یہ ہے:

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان آزاد ہوا۔ تقریباً سو سال کے بعد غلامی کے پنجرے سے نکلے تو اس کی خوشی میں اپنے بھائیوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی۔ آزادی کی شراب پی کر ایسے مست ہوئے کہ آپے سے باہر ہو گئے۔ آنکھوں پر پردہ پڑ گیا۔ جو چیزیں غیروں کے لئے تیار کی گئی تھیں، وہ اپنے ہی بھائیوں پر استعمال کی گئیں۔ ادھر کی دنیا ادھر اور ادھر کی ادھر ہو گئی۔ ”انقلاب زندہ باد“ کا نعرہ بالکل صحیح ثابت ہوا۔ دہلی چونکہ ملک کا دار الحکومت ہے۔ اس وجہ سے یہ وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ یہاں بھی ہلاکو، چنگیز خان کی سیاہ تاریخ کے اور اراق کھولے جائیں گے۔ اس لئے سب اپنی جگہ مطمئن اور خوش تھے، جشن آزادی کے موقع پر دونوں بھائی برابر شریک رہے۔ تمام شہر کو دلہن کی طرح سجایا گیا۔ چاندنی چوک اور کمپنی باغ تو بقیعہ نور بنے ہوئے تھے۔ ہمارا کتب خانہ اسی چاندنی چوک متصل گھنٹہ گھر کو چھ خانچہ کی مسجد حاجی علی جان مرحوم کے شمالی کمرے میں تھا۔ اس سترہ (۱۷) سالہ زندگی میں درس تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی سلسلہ جاری رکھا۔ اور مختلف مضامین پر بحمد اللہ و فضلہ بہت سی مفید اور کارآمد کتابیں لکھیں جن میں سے بہت سی چھپ کر مقبول عام و خاص ہو گئیں اور کچھ کتابیں اب تک بھی نہیں چھپ سکیں، ان غیر مطبوعہ ہی سے بعض خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جن کے ضائع ہونے کا بڑا سخت صدمہ ہے۔ (۱) ابن ماجہ شریف کی عربی مطول شرح (۲) الصمصام الباری علی عنق جارج البخاری (۳) خیر المتاعدنی مسائل الرضاۃ (۴) اللعاب بالشریح (۵) حقوق الزوجین (۶) متفرق مضامین۔ یہ سب کتابیں اسی کتب خانہ میں تھیں، ان کے علاوہ اپنی اور دیگر مصنفین کی مطبوعات ہزاروں کی تعداد میں تھیں۔ جن کی لاگت تقریباً (۸۰) ہزار روپے کی تھی، یہ پیش بہا ذخیرہ شوال ۱۳۶۶ھ مطابق ستمبر ۱۹۴۷ء کے قیامت خیز حادثہ میں برباد کر دیا گیا۔ اس ناقابل تلافی نقصان سے دل و دماغ یک لخت ماؤف ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مراجعت وطن بستی: سہ ماہی حصار کے بعد مراجعت وطن کے وقت راستہ میں بہت سا سامان ضائع ہو گیا۔ اس میں بھی بڑی بڑی بیش بہا اور قیمتی چیزیں تھیں۔ الغرض بہت سی تکلیفیں اٹھانے کے بعد اپنے وطن بستی پہنچا۔ چونکہ ۲۷ سال دہلی میں قیام کرنے کی وجہ سے وطن کے جدی مکان پر انگریزوں کا قبضہ تھا، اس لیے جا کر عزیزوں میں ٹھہرا۔ لیکن ان لوگوں کے غیر شریفانہ سلوک نے زخم پر نمک پاشی کا کام کیا۔ سچ ہے۔

بوقت تنگ دستی آشنا بے گانہ می گردد
صرافی چوں شود خالی جدا پیمانہ می گردد

الْمَرْءُ فِي ذَمِّنِ الْقِبَالِ كَالشَّجَرَةِ وَالنَّاسِ مِنْ حَوْلِهَا مَا دَامَتِ التَّمْرُ حَتَّى إِذَا رَاحَ عَنْهَا حَمَلُهَا انصرفوا وخلفوا تقاسى الحمر والغبر - یہ زخم ابھی مندمل بھی نہ ہونے پایا تھا کہ یکے بعد دیگرے دو بچوں حمیدہ اور عبد العظیم کے انتقال پر ملال سے ہی رہی سہی عقل بھی جاتی رہی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جگر شق ہوتا ہے فولاد کا
بڑا غم ہوتا ہے اولاد کا

بے کاری و بیماری اور بعض اقارب کا لعقارب کی نیش زنی نے پریشانیوں میں مزید اضافہ کر دیا۔ کیفیت یہ رہی کہ میں کہیں اور بچے، بحالت کسمپرسی کچھ ضلع بستی میں اور کچھ علاقہ نیپال میں تھے، کیونکہ اپنا مکان نہیں اور کرایہ کا مکان ملتا نہ تھا۔ اس بیماری کی حالت میں مکان تلاش کرنے نکلا۔ علاقہ نیپال و ضلع بستی کے دورے میں طبیعت کو ایک طرف متوجہ کرنے کے لئے اسلامی تعلیم کا ضائع شدہ حصہ دوبارہ قلم بند کرنا شروع کیا۔ کسی جگہ مستقل قیام نہ ہونے کی وجہ سے دو ایک صفحہ کسی جگہ اور دو چار ورق کہیں لکھ لیا کرتا تھا۔ مہینوں یہی حالت رہی کہ صبح کہیں اور شام کہیں۔

ایک جا رہتے نہیں عاشق بدنام کہیں
دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں

مکان کی جستجو میں اسٹیٹ الیڈہ پور کے موضع ششہنیاں پہنچا۔ وہاں جناب محترم مولانا عبدالجلیل صاحب ناظم دارالعلوم سے گرا پڑا مکان خریدا۔ اس کو دوبارہ تیار کر کے بچوں کو بسایا۔ اسی دوران میں حضرت امین القوم حاجی محمد صالح آف حاجی علی جان صاحب مرحوم دہلوی مدظلہ کے بغرض طلبی بہت سے خطوط موصول ہو چکے تھے۔ میں مذکورہ بالا مجبور یوں کی وجہ سے حاضر خدمت ہونے سے قاصر تھا۔ اس طرح ایک گونہ سکون ہونے کے بعد اگست ۱۹۴۸ء میں دہلی آیا۔ اور ایک ماہ کی بیکاری کے بعد مخلص و مونس صادق جناب مولانا سید تقریظ احمد صاحب ادا م اللہ فیوضہ کی سعی مشکور سے مدرسہ ریاض العلوم مچھلی والان میں درس حدیث کا شرف حاصل ہوا۔ فللہ الحمد۔ خدا کے فضل و کرم سے ۱۳۴۹ھ سے اب تک ۱۳۷۸ھ اس درس و تدریس اور تالیف اور فتویٰ نویسی کے اشرف المشاغل میں مصروف ہوں۔ باقی عمر بھی اللہ تعالیٰ اسی شغل میں رکھ کر ایمان پر خاتمہ فرمائے۔ آمین۔

تصانیف: درس و تدریس کے بعد جو وقت مل جاتا ہے اس میں فتویٰ نویسی تالیف و تصنیف کا کام کرتا رہتا ہوں۔ مختلف مضامین پر مختلف اسلامی کتابیں لکھی ہیں۔ بحمد اللہ وہ سب مفید اور مقبول عام ہو چکی ہیں۔ ان میں سے بعض مطبوعہ کتابیں یہ ہیں اسلامی صورت، اسلامی پردہ، اسلامی عقائد، اسلامی وظائف، مصباح المؤمنین ترجمہ بلاغ المبین، کشف المہلہم، خواتین جنت، اسلامی توحید، حلال کمائی، اخلاق نامہ، کلمہ طیبہ کی فضیلت، ایمان مفصل، کتاب الجمعہ، اسلامی تعلیم آٹھ حصے، رسالہ اصول حدیث، فضائل حدیث، فضائل قرآن، زبان کی حفاظت، انوار المصانح ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح، ماہنامہ الاسلام جو ماہ پابندی سے شائع ہوتا ہے۔ مذمت حسد وغیرہ۔

حج: برسوں سے آرزو تھی کہ اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت سے مشرف ہو جاؤں۔ بحمد اللہ اول دفعہ ۱۳۶۸ھ میں یہ تمنا صادق پوری ہوئی۔ جس کا مختصر تذکرہ یہ ہے کہ ۳ ذوالقعدہ ۱۳۶۸ھ کو دہلی ریاض العلوم سے اس مقدس سفر کے لئے روانہ ہو کر بمبئی ۴ ذوالقعدہ کو آیا۔ ۲۳

آہ! شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی رحمہ اللہ

وفات ۷ فروری ۱۹۷۴ء

مولانا عبدالحمید رحمانیؒ

اس دنیا میں جو بھی پیدا ہوا ہے اسے ایک دن فنا ہونا ہے۔ کوئی یہاں ہمیشہ رہنے کے لئے نہیں آیا۔ دنیا دار العمل ہے اور اللہ کا فیصلہ کل مَنْ عَلَيَّهَا فَاَنْ (الرحمن: ۲۶) اٹل ہے، لیکن کچھ شخصیتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کی وفات کا اثر خاندان اور ماحول سے متجاوز ہو کر پوری سوسائٹی پر پڑتا ہے اور ان کی موت سے ملک و ملت کے تمام طبقات پر غم و اندوہ کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، ان کی خدمات، کارناموں اور عملی و اصلاحی مساعی کا دائرہ اتنا وسیع ہوتا ہے کہ سب ان کی وفات سے سوگوار اور دلگیر ہوتے ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام صاحب بستوی جنہیں رحمہ اللہ لکھتے ہوئے قلم پر لرزہ طاری ہوتا ہے، کا شمار تقسیم ملک کے بعد ان افراد میں ہوتا تھا جن کے قلمی و لسانی جہاد، تبلیغی مساعی، ورع و تقویٰ اور سادہ زندگی نے معاشرہ پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔

مختصر سوانح حیات: تقسیم ملک کے بعد عوامی لٹریچر کی تیاری اور نشر و اشاعت کے اعتبار سے ملت میں ان کا منفرد مقام تھا۔ مولانا رحمہ اللہ کا اصل وطن فیض آباد یوپی ہے۔ آپ کے اجداد نے ۱۸۵۷ء کے حادثہ فاجعہ میں فیض آباد کو خیر باد کہہ کر ضلع بستری میں سکونت اختیار کر لی۔ والد کا نام شیخ یادعلی بن شیخ خدابخش بن شیخ ظہور احمد تھا۔ ولادت ۱۳۲۷ھ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ اور شیابرج کلکتہ میں قیام کے اثنا میں حاصل کی اور تعلیم کی تکمیل آپ نے مختلف مراحل میں مدرسہ حمیدیہ صدر بازار، مظاہر العلوم سہارنپور، مدرسہ زبیدیہ دہلی، دارالحدیث رحمانیہ دہلی، دارالعلوم دیوبند، مدرسہ میاں صاحب رحمہ اللہ پھانگ جیش خاں میں فرمائی۔ آپ کے اساتذہ حدیث میں مولانا احمد اللہ صاحب محدث پرتاپ گڑھی شیخ الحدیث دارالحدیث رحمانیہ خصوصی مقام رکھتے ہیں۔ مولانا خلیل احمد صاحب مؤلف بذل الجہود، مولانا حسین احمد صاحب مدنی، مولانا اصغر حسین صاحب، مولانا محمد شفیع، مولانا محمد ابراہیم، مولانا اعزاز علی رحمہم اللہ بھی آپ کے اساتذہ حدیث میں سے ہیں۔ دیگر علوم و فنون کے اساتذہ میں مولانا سید عبدالحفیظ صاحب برادرزادہ میاں صاحب رحمہ اللہ، مولانا عبدالغفور صاحب اعظمی، مولانا عبدالرحمن صاحب بہاری، مولانا سکندر علی ہزاروی، مولانا مسعود احمد صاحب، مولانا رحمت اللہ خیراوی، مولانا عبدالرحیم حسن پوری، مولانا عبدالحمید، مولانا محمد صدیق، مولانا اخلاق احمد، مولانا عبدالشکور ولایتی، مولانا ظہور الحسن، مولانا زکریا قدوسی رحمہم اللہ وغیرہم ہیں۔

اجازہ: اساتذہ حدیث کے سامنے باقاعدہ زانوئے تلمذتہہ کرنے کے ساتھ ہی آپ نے محدث اعظم علامہ عبدالرحمن مبارک پوری صاحب تحفۃ الاحوزی، مولانا عبدالرحمن صاحب پنجابی، مولانا شرف الدین صاحب دہلوی، مولانا عبید اللہ صاحب دہلوی رحمہم اللہ سے روایت و تدریس حدیث کا اجازہ بھی حاصل کیا۔

طب: آپ نے طب کی تکمیل تکمیل الطب کالج لکھنؤ اور مدرسہ میاں صاحب پھانگ جیش خاں میں مولانا سید عبدالحفیظ صاحب سے کی۔ یہیں مقیم رہ کر آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان بھی پاس کیا۔

تدریس: آپ نے مدرسہ حاجی علی جان کوچہ خانچند چاندنی چوک میں ۱۳۲۹ھ میں درس حدیث کا سلسلہ شروع کیا جو تقسیم ملک کے حادثہ فاجعہ تک ممتد رہا۔ تقسیم ہی کے حادثہ میں آپ کا عظیم الشان کتاب خانہ جو مدرسہ حاجی علی جان میں تھا، برباد ہو گیا اور آپ خود بھی مشکلات میں پڑ گئے، تین مہینے تک دہلی میں محصور رہے، جب فضا پرسکون ہوئی تو تشریف لائے اور جماعت کے مشہور مخلص و متقی اور صاحب ورع و تقویٰ عالم مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی رحمہ اللہ کی کوششوں سے جماعت اہل حدیث کی قدیم مرکزی مسجد و مدرسہ ریاض العلوم مچھلی والا ان اردو بازار میں آپ کا تقرر بحیثیت شیخ الحدیث ہوا۔

یہ مسجد و مدرسہ ایک قدیم اور شاندار تاریخ کا حامل رہا ہے۔ ایک غیور اہل حدیث صاحب ثروت حاجی فضل الہی رحمہ اللہ نے اسے بنا کر جماعت اہل حدیث کے عقائد و مسلک کی نشر و اشاعت کے لئے اسے وقف کیا۔ بانی مسجد و مدرسہ کی وفات کے بعد اس کا نظم و ضبط ان کے صاحب زادے خان بہادر ایس ایم عبداللہ رحمہ چلاتے رہے اور ۱۹۵۱ء میں جب ان کی وفات ہو گئی تو ان کے دونوں صاحب زادگان محمد یونس و محمد یوسف صاحبان اس کی تولیت و نگرانی کے فرائض انجام دیتے رہے، تا آن کہ یہ دونوں حضرات دہلی چھوڑ گئے۔ اس کے بعد جناب حاجی محمد صالح، جناب حاجی محمد اسحاق خضاب والے اور حاجی فضل مبین صاحبان پر مشتمل ایک مجلس منظمہ نے اس کی تولیت اور نگرانی کی ذمہ داری سنبھالی۔ حاجی محمد صالح صاحب رحمہ اللہ کی بیماری اور وفات کے بعد آپ کے خلف الرشید خواجہ محمد سلیم صاحب سابق نائب صدر مرکزی جمعیت نے ان کی جگہ لی۔ اس طرح یہ کئی مولانا رحمہ اللہ کی وفات سے تقریباً دو سال پہلے تک نظم و نگرانی کے فرائض انجام دیتی رہی۔ مولانا کی کمزوری اور مسلسل بیماری کے باعث جب مسجد و مدرسہ میں تعطل کی کیفیت پیدا ہو گئی تو مئی ۱۹۷۱ء میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی درخواست پر اس کی کمیٹی اور انتظام میں چند اور ذمہ داران مرکزی جمعیت کا بھی اضافہ کیا گیا جن میں جناب حافظ محمد یحییٰ صاحب نائب صدر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، حافظ نور الہی صاحب خازن اور شیخ ابراہیم چھمہ رکن شوریٰ کی شخصیتیں بھی ہیں۔

اس عظیم درس گاہ کو یہ شرف حاصل رہا ہے کہ اس میں استاذ الاساتذہ مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری رحمہ اللہ بانی آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس نے مدتوں تدریس و افتاء کا فرض انجام دیا۔ قاری احمد سعید رحمہ اللہ وغیرہ اس دور میں اس کے طلباء میں سے تھے۔ تقسیم ملک کے بعد بغداد علم سہسوان کے فخر المتاخرین مولانا سید تقریظ احمد صاحب سہسوانی رحمہ اللہ کی عظیم شخصیت تھی جس نے اس مدرسہ کی نشاۃ ثانیہ پر خان بہادر رحمہ اللہ کو آمادہ کیا۔

یہ عظیم درس گاہ ہر دور میں جماعت اہل حدیث کا مرکز رہی۔ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے اجتماعات مجالس عاملہ کے جلسے وغیرہ یہاں ہوتے رہے، شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام صاحب رحمہ اللہ خود بھی ایک مدت تک آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کی مجلس عاملہ کے معزز رکن رہے اور اخیر میں اس کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب فرمائے گئے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا صدر دفتر اور اس کے مختلف شعبوں کے دفاتر اس مدرسہ میں ہیں۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے اسی عظیم مرکز میں رابطہ العالم الاسلامی اور سعودی عرب کے دوسرے مختلف وفد کا استقبال کیا اور اس میں ضروری تعمیرات بھی کیں۔ مسجد و مدرسہ کی اسی اہمیت کے پیش نظر جماعت اہل حدیث کے مخیر بزرگ ڈاکٹر عبدالوحید صاحب کوٹہ راجستھان نے اس کی بالائی منزل میں پانچ کمرے تعمیر کر کے تحریک اہل حدیث کے مقاصد کی نشر و اشاعت کے لئے وقف کر دیے۔

مولانا رحمہ اللہ نے ایک مدت مدید تک اس مرکز میں درس حدیث کے ذریعہ جماعت کی جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں اللہ ان کو اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے اور ہمیں اس مرکز کو اچھی طرح مضبوط کرنے کی توفیق سے نوازے، آمین۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہے جو ملک کے مختلف حصوں میں تدریس و خطابت وغیرہ کے فرائض انجام دے رہی ہے۔

تصنیف و تالیف: آپ کو سادہ انداز میں لکھنے کا ذوق شروع ہی سے تھا، چنانچہ فراغت کے ساتھ ہی تصنیفات کا سلسلہ شروع ہوا جو زندگی کی آخری شب تک جاری رہا۔ آپ کی تصنیفات درجنوں تک پہنچتی ہیں، ان میں سنن ابن ماجہ کی عربی شرح بھی ہے جو تقسیم ہند کے حادثہ میں ضائع ہو گئی۔ اسلامی تعلیم کے دس حصے، اسلامی صورت، اسلامی پردہ، اسلامی عقائد، اسلامی وظائف، مصباح المؤمنین، کشف المہلہم، خواتین جنت، اسلامی توحید، حلال کمائی، اخلاق نامہ، انوار المصائب ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح، اسلامی فتاویٰ وغیرہ کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ آپ کو سب سے زیادہ فکر تفسیر ثنائی مع اضافہ فوائد اسلامی اور اسلامی فتاویٰ کی اشاعت کی تھی، مگر افسوس کہ آپ اپنی ان دونوں آرزوؤں کو اپنی زندگی میں مکمل طور پر پورا نہ کر سکے۔ اللہ آپ کے پسماندگان اور ہم سب کو ان کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ ماہنامہ ”الاسلام“ بھی آپ کی عظیم حسنت میں خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ میرے نزدیک تقسیم ملک کے بعد عوامی لٹریچر کی کثرت کے اعتبار سے آپ کی تصنیفات کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔

بیماری اور وفات: آپ ساہا سال سے بلڈ پریشر کے مریض چلے آ رہے تھے، قوی انتہائی کمزور ہو چکے تھے، پھر بھی تصنیف و تالیف اور دعوت و تبلیغ اور اسفار کا سلسلہ جاری رہا۔ آپ کی طبیعت تسلسل کے ساتھ گرتی رہی، اسے محسوس کر کے آپ کے خصوصی معالج ڈاکٹر عبدالجلیل صاحب نے آپ کو ہمدرد نرسنگ ہوم میں داخل کر لیا، وہاں عیادت کے لئے میں برابر جاتا رہا۔ اسپتال میں آپ کی طبیعت کافی غنیمت تھی، اسپتال سے گھر واپس تشریف لائے، یہاں بھی حالت اچھی رہی۔ ۵ فروری کو خادم سے مختلف مسائل پر تفصیلی گفتگو ہوئی، مغرب کی صلاۃ کے بعد تنہائی میں بلایا اور دیگر حاضرین کو وہاں سے رخصت کرنے کے بعد مسجد و مدرسہ کے نظم و انتظام اور مدرسہ کی ترقی و توسیع کی بابت انتہائی مشفقانہ انداز میں ہدایات دیں۔ ایک ملیشیائی طالب علم کو میں نے داخل کر لیا تھا، اس رات گھرا دکھلا چلا گیا، صبح کو اپنی اہلیہ کو اسپتال لے جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ مرکزی دفتر کے ایک خادم نے آ کر یہ روح فرسا خبر سنائی کہ انہونی ہو گئی اور مولانا اپنے مولا سے جا ملے۔ بھاگ بھاگ دفتر پہنچا تو بیسیوں سوگواروں کا سامنا ہوا، معلوم ہوا کہ علوم حدیث کا یہ خادم عین حالت صلاۃ میں اللہ کو پیارا ہو گیا اور حسن خاتمہ کی اس عظیم دولت سے مالا مال ہوا جس کی دعا ہمیشہ ایک مسلمان کرتا رہتا ہے۔ فوراً ہر جگہ خبر کی گئی۔ جمعیت کی طرف سے اخبارات اور ریڈیو میں خبر شائع کرائی گئی اور ظہر کی صلاۃ کے بعد مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی نے جامع مسجد کے امام و خطیب سید عبداللہ بخاری کی اجازت سے صلاۃ جنازہ پڑھائی اور دوسری بار قبرستان شیدی پورہ کے پاس صلاۃ ہوئی اور تقریباً ساڑھے تین بجے یہ عظیم شخصیت اپنے اساتذہ و اسلاف کے پہلو میں سپرد خاک کر دی گئی، سدا رہے نام اللہ کا۔ آپ نے اپنے پیچھے دو بیوائیں، چھ صاحب زادے اور پانچ صاحب زادیاں چھوڑی ہیں، اللہ ان کی خبر گیری فرمائے اور انہیں صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب کو آپ کے مشن کو آگے بڑھانے کی توفیق دے، آمین۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند اور جماعت اہل حدیث دہلی نے اپنے فرائض محسوس کیے اور اللہ کا فضل ہے کہ مسجد و مدرسہ کے انتظام و نگرانی اور تولیت کے لئے پرانے ارکان منظمہ کے ساتھ جناب عبداللہ صاحب خلیف الرشید مولانا رحمہ اللہ اور دوسرے اعیان مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند و جماعت اہل حدیث دہلی پر مشتمل ایک متولی کمیٹی بنادی گئی جس سے بجا طور پر توقع ہے کہ وہ حسن انتظام و نگرانی میں انتہائی دانش مندی اور حرکت و عمل کا ثبوت دے گی۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند جماعت کے اس قدیم مرکز کو آگے بڑھانے میں ان شاء اللہ پوری قوت صرف کر دے گی۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے، آمین۔

(ماخوذ از: ● مجموعہ مقالات رعبدا محمد رحمانی ۲/۸۰ تا ۸۴۔ ● شائع شدہ ترجمان دہلی: ۱۵ فروری ۱۹۷۴ء۔)



مولانا عبدالاحد صاحب پورینوی گھوارہ مادر سے قبر کی منزل تک

وفات اکتوبر ۱۹۷۸ء

از قلم: مولانا اسد اللہ فیضی، سابق استاذ دارالہدیٰ یوسف پور، سدھارتھ نگر

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين وبعد!

محترم قارئین کرام! اس عالم رنگ و بو میں بے شمار عظیم انسان پیدا ہوئے لیکن روئے زمین پر ان کی عظمت کا کوئی نشان باقی نہیں رہا، ماہ و سال کی گردنے تاریخ کے صفحات سے ان کا نام مٹا دیا۔ ہاں کچھ پاکیزہ نفوس ایسے پیدا ہوئے جن کی شمع زندگی بجھ جانے کے بعد ان کا نقش قدم انسانیت کے لئے مشعل راہ بنا رہا۔ یہ وہ خوش نصیب انسان ہیں جن کی زندگی کا مقصد اللہ کے دین کی سرفرازی اور خدمت خلق رہا ہے، جنہوں نے زندگی کے ہر لمحہ اور ہر آن قال اللہ وقال الرسول کی صدا بلند کی، اور اس مقصد عظیم کے حصول کو زندگی کے نازک سے نازک موڑ پر بھی فراموش نہیں کیا۔ تاریخ کے صفحات پر ایسے نفوس کی تعداد بہت کم دکھائی پڑتی ہے۔

انہیں خوش نصیب لوگوں میں مولانا عبدالاحد صاحب پورینوی مرحوم کی ذات گرامی ہے، جن کی پاکیزہ زندگی ہمارے لئے ہزاروں عبرت و نصیحت لئے ہوئے ہے لیکن مرور ایام کی وجہ سے اس پر ایک دبیز چادر پڑ جانے کا خطرہ ہے۔

جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور کی انجمن ندوۃ الخطابہ کے مثالی علمی و دعوتی سالانہ میگزین کے لئے میرے بعض مشفق اساتذہ کرام نے (سیر و سوانح کے عنوان کے تحت) مجھے مولانا پورینوی مرحوم کی زندگی پر روشنی ڈالنے کا حکم دیا، اپنی تمام تر کم مائیگی اور اس میدان میں بے سرو سامانی کے باوجود میں نے اس حکم کو بہ سرجوش قبول کر لیا، اور مولانا موصوف کی حیات مستعار کا ایک اجمالی خاکہ مرتب کیا۔ ہر چند راقم السطور نے ضروری معلومات فراہم کرنے کی کوشش کی ہے پھر بھی اس میں تقصیر کا کھلے دل سے اعتراف ہے۔ و ما توفیقی الا باللہ۔

نام و نسب: مولانا موصوف کا اسم گرامی عبدالاحد، والد ماجد کا نام ظہور احمد اور دادا کا نام محبوب احمد تھا۔

مولد و منشاء: جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور سے شمال مشرق میں تقریباً دو کلو میٹر کی دوری پر لمبئی روڈ پر واقع موضع جیت پور میں آپ پیدا ہوئے۔ کسی بھی معتبر ذریعہ سے آپ کی تاریخ پیدائش کا ماہ و سال معلوم نہیں ہو سکا، صرف کچھ شواہد و قرائن کی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ ۱۹۰۷ء یا ۱۹۰۸ء میں پیدا ہوئے۔

والدین کا نقل مکانی: جس زمانہ میں مولانا پورینوی مرحوم کی پیدائش ہوئی، ہندوستان پر سامراجی طاقت کا تسلط اور اس علاقہ میں زمیندارانہ نظام قائم تھا، جن کے ظلم و ستم سے گھبرا کر بہت سے لوگ راتوں رات اپنے گاؤں و دیار کو خیر باد کہہ کر کسی انجانی جگہ میں سکون کی تلاش میں چلے جاتے تھے، چنانچہ اس کے نتیجہ میں سیکڑوں خاندان کو خانہ بدوشی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہونا پڑا۔ کچھ اسی

طرح کی بے کسی و بے چارگی سے دوچار ہو کر آپ کے والدین بھی نقل مکانی کر کے ریاست نیپال کے ایک گاؤں جے نگر میں (جو لمبئی گارڈن سے جنوب و مغرب میں تقریباً چار کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے) سکونت اختیار کر لی۔

تعلیم و تربیت: بیسویں صدی کے اوائل میں جب مدارس و مکاتب کی بے حد کمی تھی اور علاقہ مٹکا سے نیپال کی ترائی تک صرف ایک ہی منارہ نور و ہدی دارالہدی یوسف پور روشن تھا، چھوٹے بچوں کی تعلیم و تربیت کا مسئلہ بہت اہم تھا، کسی قدر اس کمی کو پوری کرنے کے لئے کچھ اللہ والے اپنے گھروں پر ہی درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے اور اس کو اپنے لئے توشیہ آخرت سمجھ کر بڑی تندہی سے کام لیتے تھے۔ مولانا موصوف جب اس لائق ہوئے کہ تعلیم کے لئے بٹھایا جائے تو آپ کے والد بزرگوار نے اپنے گاؤں سے تھوڑی دور پر واقع موضع گنور یا میں ایک میاں صاحب (جن کو باؤ نے میاں کے نام سے یاد کیا جاتا تھا) کے سپرد کر دیا۔ انہیں سے موصوف نے اپنی تعلیمی زندگی کا آغاز کیا، لیکن ابھی صرف قرآن پاک ناظرہ تک ہی آپ کی تعلیم پہنچ سکی تھی کہ مادر مہرباں کا سایہ سر سے اٹھ جانے اور والد صاحب کے دوسری شادی کر لینے کی وجہ سے کسمپرسی کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ ان حوصلہ شکن حادثات اور روح فرسا واقعات سے دوچار ہو کر اکثر ذی ہوش انسانوں کے پایہ ثبات میں لغزش پیدا ہو جاتی ہے لیکن موصوف نے بارہ سال کی کم عمری ہی میں بڑے عزم و حوصلہ سے اپنی شاہراہ متعین کر کے تعلیمی زندگی کو برقرار رکھا، اور اپنی تشنگی کو بجھانے کے لئے دارالہدی یوسف پور کی راہ لی، جہاں شفیق استاذ کے سایہ شفقت میں رہ کر تھوڑی دیر کے لئے ماں کی فرقت کا زخم مندمل کر سکے۔ فارسی جس کا اس زمانہ میں بڑا چرچا تھا یہیں سے آپ نے مکمل کی۔

علمی سفر: تشنگان علم و معرفت ہر دور میں آفتاب علم و فضل کی تلاش و جستجو میں رہتے اور جہاں کہیں اس کا پتہ لگ جاتا جسمانی آرام و راحت کو خیر باد کہہ کر سفر کی سخت سے سخت تر صعوبت کو برداشت کر کے جوق در جوق وہاں پہنچ جاتے اور علم و معرفت سے اپنی تشنگی دور کرتے تھے۔ مولانا موصوف نے بھی دارالہدی یوسف پور سے فارسی کی تعلیم حاصل کر کے انہیں آفتاب علم و فضل کی تلاش میں رخت سفر باندھا اور دارالعلوم دیوبند پہنچ گئے لیکن یہاں کا ماحول شاید آپ کو اس نہیں آیا اور بہت جلد مظاہر العلوم سہارن پور چلے آئے جہاں ایک مدت تک اپنے رفقاء درس مولانا عبدالرحیم صاحب حسن پوری، شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی، مولانا رحمت اللہ صاحب خیر آبادی رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہمراہ نحو، صرف، بلاغت، منطق و فلسفہ، فقہ، اصول فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ میری معلومات کے مطابق جب حدیث پڑھنے کی باری آئی تو دہلی کی طرف کوچ کرنا مناسب سمجھا کیونکہ ان دنوں دارالحدیث رحمانیہ کی دہلی میں دھوم مچی ہوئی تھی، اور اس میں اساطین علم و فن اکٹھا تھے، چنانچہ اسی میں داخلہ لیا اور اکابر علمائے حدیث سے سند فراغت حاصل کی۔

اساتذہ کرام: مولانا موصوف کی ابتدائی تعلیم کے اساتذہ میں گنور یا، نیپال کے باؤ نے میاں صاحب اور مولانا سید عابد علی صاحب ندوی مرحوم تھے۔ مظاہر العلوم سہارن پور میں مولانا محمد صدیق صاحب، مولانا اخلاق احمد صاحب، مولانا عبدالشکور صاحب ولایتی، مولانا ظہور الحسن صاحب، مولانا زکریا صاحب قدوسی رحمہم اللہ کے حلقہ درس میں شامل رہے۔ دہلی میں جن اساتذہ سے استفادہ کیا ان میں شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ صاحب مرحوم کا نام نامی سرفہرست تھا۔

مسند درس و تدریس سے وابستگی: فراغت کے بعد جب موصوف وطن واپس ہوئے تو سب سے پہلے اپنی مادر علمی دارالہدی یوسف پور کے مسند درس و تدریس سے وابستہ ہوئے۔ اس وقت یہ ادارہ حاجی عبدالحی صاحب کریم پوری کی نظامت میں چل رہا تھا، لیکن ابھی صرف دو سال کا عرصہ گزرا تھا کہ چند ناگزیر مجبوریوں کے پیش نظر اس ذمہ داری سے آپ کو سبکدوش ہو کر معاشی مسئلہ حل کرنے کے لئے کلکتہ کی طرف رخ کرنا پڑا۔ اس سفر میں آپ کو ایک حادثہ سے دوچار ہونا پڑا، گاڑی میں کہیں آپ کو نیند آگئی اور کوئی بد باطن آپ کا

سارا سامان لے کر فرار ہو گیا۔ وطن سے دوری اور اس پر اجنبیت مستزاد، بڑی پریشانی کے عالم میں افتاں و خیزاں کلکتہ کے بیٹری محلہ میں پہنچے اور کسی مکتب میں چھوٹے بچوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری قبول کر لی، اور ایک سال تک بحسن و خوبی اس فریضہ کو انجام دیا۔ انہیں دنوں یوپی کے مشہور صنعتی شہر کانپور کے محلہ فتنہ گل گنج کے تاجر سیٹھ محمد یوسف صاحب اور سکریٹری محمد بشیر صاحب کلکتہ اپنی تجارت کی غرض سے تشریف لے گئے جہاں مولانا مرحوم سے ان کی ملاقات ہوئی اور اپنے محلہ فتنہ گل گنج کی اونچی مسجد اہلحدیث کے لئے ایک امام و خطیب کی ضرورت کا ذکر کیا۔ موصوف امامت و خطابت کی ذمہ داری قبول کرنے پر تیار ہو گئے اور انہیں لوگوں کے ہمراہ کانپور آ گئے۔ تقریباً دس سال تک اونچی مسجد فتنہ گل گنج کی امامت و خطابت سے منسلک رہے، اور خوب سے خوب تر اس ذمہ داری کو نبھایا۔ کانپور کے احباب آج بھی انہیں بڑے احترام کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ اتنی طویل مدت کانپور میں گزار لینے کی وجہ سے بہت سے لوگ آپ کو کانپور ہے کہتے تھے۔

وطن کی طرف دوبارہ مراجعت: مسافرت میں انسان کو ہر لمحہ اور ہر آن وطن کی یاد ستاتی ہے۔ مولانا پورینوی مرحوم اتنی طویل مدت تک وطن سے دور رہ کر اس کی یاد کو بھلا نہیں سکے، اور احباب کی الفت و محبت نے مراجعت پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ کانپور کی امامت و خطابت سے سبکدوش ہو کر اپنی نئی جائے سکونت موضع پورینہ چلے آئے۔ یہ مقام جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور کے ٹھیک سامنے شمال میں نصف کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔

کانپور کی امامت و خطابت سے وابستگی کے زمانہ ہی میں اپنے رفیق مولانا عبدالجلیل صاحب رحمائی پورینوی مرحوم کے اصرار پر موصوف نے کاشت و غیرہ کے لئے زمین خرید لی تھی۔ جن دنوں آپ کانپور سے واپس ہوئے جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور مولانا عبدالجلیل صاحب پورینوی مرحوم کے اہتمام میں چل رہا تھا۔ مسند درس خالی تھا، دارالہدیٰ کے طلبہ کی قسمت چمکی، مولانا موصوف تدریس کے فرائض پر مامور کر دیئے گئے اور پھر مسلسل تیس سالوں تک جامعہ سے وابستگی قائم رہی۔ نتیجہ کے طور پر اس اہل حدیث نگر (علاقہ مٹکا) سے نیپال کی ترائی تک سیکڑوں نجوم و کواکب اس آفتاب جہاں تاب کی مستعار روشنی سے منور ہو کر دین حق کی خدمت میں لگ گئے، اور آج اس پورے خطہ میں داعیان کتاب و سنت کی جو عظیم تعداد دکھائی پڑ رہی ہے اس میں مولانا موصوف کی خاموش تحریکی خدمت کا کافی حد تک دخل ہے۔ بقول شاعر۔

ارباب چمن ان کو بہت یاد کریں گے

ہر شاخ پہ وہ اپنا نشان چھوڑ گئے ہیں

ممتاز تلامذہ: مولانا پورینوی مرحوم کے شاگردوں کی فہرست بہت لمبی ہے جن کے ذکر کے لئے نہ وقت ہے اور نہ ہی موقع۔ ”مشتتہ نمونہ از خروارے“ یہاں ذکر کرنا ہی مناسب ہے۔ مولانا محمد ابراہیم صاحب رحمائی سابق شیخ الجامعہ دارالہدیٰ، مولانا ڈاکٹر جلال الدین صاحب رحمائی سابق استاذ جامعہ دارالہدیٰ، پروفیسر جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ شیخ وصی اللہ عباس صاحب پورا بھونج، مولانا رحمت اللہ صاحب اثری استاذ جامعہ دارالہدیٰ، مولانا مجیب اللہ صاحب سابق شیخ الجامعہ دارالہدیٰ، محمد سلیم صاحب پورا بھونج، مولانا ابوالقاسم صاحب مرحوم مدھوبنی، مولانا محمد ادریس صاحب قاسمی استاذ جامعہ دارالہدیٰ، مولانا محمد یونس صاحب استاذ جامعہ دارالہدیٰ، مولانا ابوالکلام صاحب بہرا، مولانا محمد سعید صاحب بہرا، مولانا عبدالرؤف صاحب عالم نگری، مولانا ابواللیث صاحب اثری سابق ناظم دارالہدیٰ، مولانا سید عبدالودود صاحب عابدی، مولانا محمد طاہر صاحب اثری نرکھوریا، مولانا عبدالعزیز صاحب اثری شیخ الجامعہ دارالہدیٰ، مولانا عبدالرحیم صاحب امینی استاذ جامعہ دارالہدیٰ اور خاکسار رقم الحروف (مولانا اسد اللہ صاحب فیضی استاذ جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور) کے نام نامی قابل ذکر ہیں۔

طلبہ کے ساتھ تعلق خاطر: مولانا موصوف طلبہ سے بڑی شفقت و محبت سے پیش آتے اور ان کے کردار کو سنوارنے میں بڑی دلچسپی رکھتے تھے، آپ کے بعض تلامذہ کا اعتراف ہے کہ موصوف کے دست شفقت سے ہی میں دین کی راہ پر لگ سکا اور اس راہ میں آگے بڑھنے کا حوصلہ پیدا کر سکا۔ طلبہ کے کردار کو سنوارنے میں آپ کے جاہ و جلال کا بھی بڑا دخل تھا، شریر سے شریر طالب علم کو آپ کے رعب و داب کے سامنے تلکنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔

طرز تدریس کی خوبی: موصوف کے درس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ جو کچھ درس فرماتے طلبہ کے ذہن میں نہ صرف اتر جاتا بلکہ حفظ بھی ہو جاتا تھا، خصوصاً نحو، صرف پڑھانے میں آپ کو کافی ملکہ حاصل تھا۔ آپ کے کافیہ پڑھانے کی اس دور میں بڑی دھوم تھی۔ اس دور کے جامعہ دارالہدیٰ کے طلبہ ملک کے تمام مدارس میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

اخلاق و عادات: معاشرتی زندگی میں بھی آپ کے حسن اخلاق، محبت و مروت کا اعتراف لوگوں کو رہا ہے۔ پوری زندگی جنگ و جدال، فتنہ و فساد سے الگ تھلگ رہے، گاؤں جواری کے کسی بھی فرد بشر سے کبھی ترش روئی سے گفتگو نہیں کی، جس کسی سے بھی ملتے مسکراہٹ کے ایک خاص انداز سے ملتے تھے۔

نکاح و اولاد: جن دنوں آپ تعلیمی زندگی سے فراغت حاصل کر کے جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور کے مسند درس پر جلوہ افروز تھے آپ کے حقیقی چچا جو پتیمی کی زندگی میں آپ کے مربی تھے، اپنی دختر نیک اختر سے شادی کر دی۔ آپ کی یہ رفیقہ حیات، بہت سیدھی سادی اور نیک سیرت و کردار کی مجسمہ تھیں۔ مولانا موصوف نے اپنے پیچھے دو بچے اور ایک بچی چھوڑی، بڑے لڑکے عبدالعزیز صاحب اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ مولانا کے انتقال کے چند ہی سال بعد ان کا بھی انتقال ہو گیا، چھوٹے صاحبزادے ماسٹر عبدالحفیظ صاحب پرائمری اسکول کے اردو ٹیچر ہیں اور اخلاق و کردار میں مولانا محترم کی ٹوکاپی ہیں۔ آپ کی صاحبزادی بدر النساء راقم السطور کی زوجہ محترمہ ہیں۔

وفات:

موت سے کس کو رستگاری ہے

آج وہ کل ہماری باری ہے

اس نظام قدرت کے تحت مولانا پورینوی ۲۵/اکتوبر ۱۹۷۸ء بروز جمعہ اس دارفانی سے کوچ کر کے عالم جاودانی میں چلے گئے اور اپنے پیچھے بے شمار عقیدت مندوں کو سوگوار چھوڑ گئے۔ اللہم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ۔
اسد اللہ فیضی

نوٹ: واضح رہے کہ یہ مضمون مولانا اسد اللہ فیضی علیہ الرحمہ کا خود نوشت ہے جو مولانا کے دارالمطالعہ میں محفوظ بیاض سے بدست عبدالرحیم مونس فیضی دستیاب ہوا۔ یہ مضمون کتاب حیات فیضی کے صفحہ نمبر ۱۹۸ پر موجود ہے جو زیر نظر کتاب میں شامل اشاعت ہے۔

مونس فیضی

۱۲-۱۲-۲۰۱۸ء



مولانا محمد یحییٰ بنارسی رحمۃ اللہ علیہ

وفات اکتوبر ۲۰۰۳ء

شیخ محمد یونس مدنی، بنارس

نام و نسب: مولانا محمد یحییٰ بن مولانا عبدالمتمین بن حافظ عبدالرحمن بن حافظ عبدالرحیم بن اللہ بخش بن نذر محمد بن پیر محمد عرف فرنگی۔
مولانا بنارس کے مشہور علمی خانوادہ تاجر گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ ۲۷ جون ۱۹۲۲ء میں محلہ مدن پور میں پیدا ہوئے اور یہیں نشوونما پائی۔

تعلیم و تربیت: آپ کا گھرانہ شرافت و مروت، تہذیب و اخلاق اور سخاوت و فیاضی میں بڑا مشہور ہے، آپ کی تربیت آپ کے والد محترم جناب مولانا عبدالمتمینؒ (م ۱۹۶۳ء) کی نگرانی میں ہوئی اور تعلیم بنارس کے معروف و مشہور اور موقر ادارہ جامعہ رحمانیہ میں از ابتدا تا انتہا بزرگ اساتذہ کرام کی نگرانی میں ہوئی۔

اساتذہ کرام: مولانا کے اساتذہ کرام میں مولانا عبدالغفار حسن رحمانی (جو جامعہ رحمانیہ میں ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۴ء تک رہے) مولانا عبدالرؤف صاحب جھنڈا انگری (م ۱۹۹۹ء) مولانا منیر خاںؒ (م ۱۹۴۵ء) مولانا عبدالمعید صاحبؒ (م ۱۹۸۰ء) وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔

مولانا عبدالغفار حسنؒ سے آپ نے معقولات کی کتابیں پڑھیں، مولانا عبدالرؤف جھنڈا انگری (م ۱۹۹۹ء) سے ادب کی کتابیں پڑھیں اور صحیحین کا درس مولانا محمد منیر خاںؒ (م ۱۹۴۵) سے لیا، مولانا نے انٹرنک انگریزی کی تعلیم بھی حاصل کی تھی۔
مولانا بڑے ذہین و فطین تھے، زمانہ طالب علمی میں مضمون نگاری سے بھی دلچسپی رکھتے تھے، انجمن جامعہ رحمانیہ سے نکلنے والا ”گلدستہ بنارس“ میں آپ کے کئی مضامین نظر نواز ہوئے۔

ذہانت کا یہ عالم تھا کہ ۱۹۴۲ء میں فاضل ادب کے امتحان میں شریک ہوئے تھے پورے یوپی میں پہلی پوزیشن حاصل کی تھی اس زمانے میں بطور انعام گورنمنٹ کی طرف سے دس روپے دیئے گئے تھے۔ (ریکارڈ جامعہ رحمانیہ)
مشغلہ: تحصیل علوم سے فراغت کے بعد اپنے آبائی پیشہ بنارس ساڑھی کی تجارت سے وابستہ ہو گئے اور کاروبار کرنے لگے لیکن ساتھی ہی ساتھ علم و عمل سے بھی تعلق رہا اور مدارس و جامعہ کی مختلف ذمہ داریاں بھی سنبھالتے رہے۔

جامعہ سلفیہ کے قیام سے پہلے جامعہ رحمانیہ بنارس کا اہتمام و انتظام مولانا عبدالمتمینؒ (م ۱۹۶۳ء) کے ذمے تھا تو مولانا عبدالاحد صاحبؒ (م ۱۹۶۱ء) الحاج محمد صدیقؒ، الحاج محمد فاروقؒ، مولانا حافظ محمد ابوالقاسمؒ (م ۱۹۶۵ء) مشیر کار رہا کرتے تھے، مہتمم کے

صاحبزادے مولانا محمد یحییٰ صاحب جامعہ رحمانیہ کی دیکھ کر لکھ کر کیا کرتے تھے۔ (بروایت مولانا عبدالوحید صاحب رحمانی سابق شیخ الجامعہ) **شوق مطالعہ:** علوم دینیہ سے شیفتگی اور شوق مطالعہ بہت زیادہ تھا، تفسیر، سیرت، تاریخ اور حدیث کی کتابوں اور ان کی شروح کا مطالعہ آپ کے خصوصی موضوع تھے۔ آپ علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم کے بڑے مداح تھے، اور ان دونوں حضرات کی کتابیں اکثر آپ کے زیر مطالعہ رہتی تھیں، خاص طور سے منہاج السنہ کا اور دوسروں کو بھی مطالعہ کرنے کی ترغیب دیتے تھے، دور حاضر میں علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز[ؒ] (م ۱۴۲۰ھ) اور علامہ البانی[ؒ] (م ۱۹۹۹ء) کی تحریر کو دلچسپی اور شوق کے ساتھ پڑھا کرتے تھے، جماعتی میگزین سے بھی شغف تھا۔

علماء کرام سے تعلق: جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم سے آپ کو والہانہ محبت تھی، جامعہ کے اساتذہ کرام کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، ویسے بھی آپ علماء کرام سے خاص لگاؤ اور گہرا تعلق رکھتے تھے۔

علماء سے ملنے اور علمی موضوع پر گفتگو کرنے کا بہت شوق تھا، چنانچہ مولانا صفی الرحمن صاحب مبارکپوری[ؒ] (م ۲۰۰۶ء) نے رابطہ عالم اسلامی کے سیرت کے مقابلے میں نمایاں کارنامہ انجام دیا اور آپ کو پہلا مقام حاصل ہوا تو مولانا ان سے ملنے کا بڑا شوق رکھتے تھے، اتفاق سے راقم کا ایک روز ان کے یہاں جانا ہوا تو مجھ سے کہا کہ کسی دن مولانا کو ہمارے یہاں لاؤ، جامعہ آ کر میں نے مولانا سے کہا تو مولانا نے رضامندی کا اظہار کیا، دوسرے دن مولانا کے ساتھ ان کے دولت کدہ پر پہنچا تو مولانا سے کافی دیر تک سیرت کے موضوع پر گفتگو کرتے رہے، سیرت سے دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ جب آپ کو معلوم ہوا کہ مولانا محمد سلیمان منصور پوری[ؒ] کی اردو میں سیرت پر لکھی ہوئی کتاب رحمۃ للعالمین کا عربی میں ترجمہ ہو گیا ہے اور ممبئی میں طبع ہو کر منظر عام پر آ چکی ہے تو آپ نے فوراً ممبئی سے کتاب منگوائی اور اپنے مطالعہ میں رکھا۔

جامعہ سلفیہ سے نکلنے والا عربی مجلہ ”صوت الامۃ“ اور اردو میگزین ”محدث“ کو برابر پڑھا کرتے تھے اور علماء کی تحریر پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے، لیکن مولانا کو کبھی تقریر کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اسی طرح جب ڈاکٹر رضاء اللہ صاحب[ؒ] (م ۲۰۰۳ء) جامعہ سلفیہ میں شعبہ تدریس و تصنیف سے جڑے اور آپ کے عربی مضامین جامعہ کے میگزین ”صوت الامۃ“ میں شائع ہونے لگے تو ان سے بھی مولانا کو ملاقات کا شوق ہوا، میں ایک دن قبیل مغرب ڈاکٹر صاحب کے ساتھ مولانا کے مکان پر حاضر ہوا اور تھوری سی گفتگو کے بعد نماز مغرب کی ادائیگی کے لیے ہم لوگ مسجد چلے آئے۔

طلبہ سے شفقت و محبت: مولانا جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم، بنارس کے رکن رکین تھے، اساتذہ کرام کے قدر داں تھے اور طلبہ پر بے حد شفیق و مہربان تھے، جب طلبہ کو کوئی مسئلہ جامعہ میں حل نہ ہوتا تو فوراً مولانا کے پاس پہنچ جاتے، مولانا بڑے نرم دل اور طلبہ پر مہربان تھے، طلبہ کے حق میں فیصلہ کی سفارش کر دیتے، اس طرح طلبہ خوش خوش جامعہ واپس چلے آتے، مولانا کبھی کبھار جامعہ رحمانیہ تشریف لاتے، خاص طور سے نحو سے متعلق سوالات کرتے، مشکل مسائل اس قدر دل نشین انداز میں سمجھاتے کہ طلبا اسے کبھی نہ بھولتے۔

منصب: آپ جامعہ سلفیہ کے تاسیسی ممبر اور اہم رکن تھے، ہر چند کہ جامعہ سے آپ کو محبت تھی، آپ کی چاہت تھی کہ جامعہ ترقی

کے منازل طے کرے، اچھے فارغین جامعہ سے نکلیں اور دعوت و تبلیغ، درس و تدریس اور تالیف و تصنیف کا نمایاں کارنامہ انجام دیں لیکن آپ نے کبھی عہدہ اور منصب کی خواہش نہیں کی، پھر بھی ذمہ داران جامعہ نے آپ کو جامعہ کا نائب صدر منتخب کیا، لیکن جب شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی (م ۱۹۹۴ء) شارح مشکاۃ المصابیح دارفانی سے کوچ کر گئے تو جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم بنارس کے صدر کا منصب خالی ہو گیا، بزرگان جماعت کی نظر بقیۃ السلف مولانا محمد بیگی صاحب بناری پر پڑی، جامعہ کی مجلس عاملہ نے آپ کو باتفاق رائے صدر منتخب کر لیا۔

مولانا کا حدیث سے شغف: جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم بنارس کا تعلیمی معیار پورے ملک میں مشہور ہے، بالخصوص جامعہ میں عربی ادب کے ساتھ ساتھ حدیث اور عقیدہ میں بہت زور دیا جاتا ہے، دوسرے مدارس و جامعات سے طلبہ جامعہ میں حدیث و عقیدہ میں مہارت کے لئے داخلہ لیتے ہیں، مولانا محمد بیگی صاحب بناری کو تفسیر، عقیدہ اور سیرت کے ساتھ ساتھ حدیث میں بڑی دلچسپی تھی، مولانا جب کبھی کبھار جامعہ تشریف لاتے اور فصول (کلاس) کا جائزہ لیتے اور جس کلاس میں حدیث کا درس ہوتا اس کلاس میں داخل ہوتے اور طلبہ کے ساتھ بیٹھ جاتے، غور سے حدیث کا درس سنتے اور استاد حدیث سے اس مسئلہ میں بحث و مباحثہ کرتے جس میں بحث کی ضرورت پیش آتی، اس سے نہ صرف یہ کہ مولانا کی حدیث سے محبت کا پتہ چلتا ہے بلکہ ان کی جامعہ کے تیس ذمہ داری کا احساس بھی معلوم ہوتا ہے۔

علالت و وفات: مولانا محمد بیگی صاحب کے بڑے صاحبزادے جناب محمد سالم صاحب سے ان کی علالت و بیماری کے بارے میں دریافت کیا کہ مولانا کو کون سی بیماری تھی تو انہوں نے کہا کہ والد محترم کو کوئی بیماری نہیں تھی، ہاں بے حد کمزور اور نقاہت محسوس کرتے تھے اور کمزوری کی وجہ سے کام چھوڑ کر آرام کرتے تھے، جامعہ اور فرم کے کاغذات پر جو دستخط کرنا ہوتا، کاغذات ان کے پاس بھیج دیا جاتا تھا وہ دستخط کر دیا کرتے تھے، ایک دن میں فرم کے کچھ کاغذات دستخط کرانے کے لئے ملازم کو بھیجا تو ملازم گھبرایا ہوا آیا اور کہا دادا کی طبیعت بالکل ٹھیک نہیں ہے، جب ہم لوگ دیکھنے گئے تو والد محترم کی روح نفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تجہیز و تکفین: مولانا محمد بیگی صاحب کا انتقال ۲۵ اکتوبر ۲۰۰۴ء بوقت ساڑھے چار بجے شام میں ہوا اور دوسرے دن صبح دس بجے نماز جنازہ ادا کی گئی، نماز جنازہ مولانا احسن جمیل صاحب مدنی رحمۃ اللہ نے پڑھائی اور اپنے آبائی قبرستان سکر باغ میں سپرد خاک کر دئے گئے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ ووسع مدخلہ۔

مولانا محمد بیگی صاحب کے پسماندگان میں تین لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔

لڑکوں کے نام یہ ہیں: ۱۔ محمد سالم، ۲۔ عتیق احمد، ۳۔ محمد سلمان

ماشاء اللہ تینوں صاحبزادے اپنے آبائی پیشہ بناری ساڑی کی تجارت میں مصروف ہیں اور صوم و صلوة کے پابند ہیں۔

(تراجم علمائے اہل حدیث بنارس۔ صفحہ ۴۰۵-۴۱۰)



مولانا عزیز احمد بن محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ - علی گنج، بونڈی بہار

سابق صدر المدرسین جامعہ رحمانیہ بنارس

ولادت ۱۹۳۴ء / وفات ۲۰۰۵ء

مولانا عبدالحکیم عبدالمعجود مدنی

استاذ گرامی مولانا عزیز احمد ندوی رحمہ اللہ کا شمار جامعہ رحمانیہ بنارس کے کہنہ مشفق اساتذہ اور قابل ذکر مدرسین میں ہوتا ہے۔ جماعت کے قدیم ادارہ جامعہ سراج العلوم بونڈی بہار اور اہل حدیثوں کی علمی و تاریخی شان دار الحدیث رحمانیہ دہلی جیسے قابل فخر درسگاہوں میں آپ کو حصول تعلیم کا شرف ملا، قسمت نے وفانہ کی اور رحمانیہ آزادی کی شورش میں اجر لگیا۔ پھر آپ نے ندوۃ العلماء لکھنؤ سے بقیہ تعلیم مکمل کی۔ ان تینوں علمی و تاریخی اداروں کے جوہر آپ میں نمایاں طور پر محسوس کئے جاتے تھے۔ طلبہ پر کنٹرول، عبارت خوانی اور ترجمہ و تشریح میں مہارت اور وقت کی پابندی آپ کا خاصہ تھی۔ معہدہ التعليم الاسلامی دہلی سے بنارس جانے کے بعد میرا داخلہ رحمانیہ میں ہوا، اس وقت آپ صدر مدرس تھے اور ضعیفی و کبرسنی کے باوجود انتہائی فعال اور متحرک تھے۔ جن اساتذہ کرام کے اسلوب تدریس اور تعلیمی صلاحیتوں سے میں متاثر ہوا، ان میں مولانا مرحوم کا نام سرفہرست ہے۔ اللہ آپ کی خدمات قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ آمین۔

نام و نسب: مولانا عزیز احمد بن محمد حنیف بن محمد حسن بن چاند بابا خان۔

تاریخ پیدائش: ۱۲ اگست ۱۹۳۴ء۔

خاندانی پس منظر: آپ خاندان بونڈی بہار و کٹڈو کے چشم و چراغ تھے، اور پچھو مہتو خاندان کے ایک عظیم فرد تھے۔ بونڈی بہار کے قریب موضع علی گنج تحصیل اترولہ ضلع بلرام پور کے رہنے والے تھے۔ کٹڈو بونڈی بہار اور علی گنج کے لوگ اپنی خاندانی وجاہت اور زمینداری، اہل علم کی عزت و قدردانی میں مشہور و معروف ہیں اور یہی وجہ ہے کہ یہاں جماعت کے اکابرین و عباقرہ علماء بار بار قدم رنجہ ہوتے رہے ہیں۔ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری اور شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری جیسے اساطین علم کا اس بستی سے بڑا پرانا رشتہ رہا ہے۔ محدث کبیر مولانا عبدالرحمن مبارکپوری کی اس بستی میں خاندان کٹڈو بونڈی بہار کی دعوت پر آمد و حاضری نے اسے چار چاند لگا دیا اور اس طرح اہل علم اور اہل ثروت کے حسین امتزاج اور رابطے سے ۱۹۰۷ء میں ایک عظیم سلفی ادارہ جامعہ سراج العلوم بونڈی بہار کے نام سے آزادی سے پہلے وجود میں آیا اور ابھی تک بلا انقطاع اس کا فیض جاری ہے۔ اللہم بارک وانعم۔

تعلیم و تربیت: (۱) ابتدائی تعلیم از پرائمری تا جماعت ثالثہ جامعہ سراج العلوم بونڈی بہار میں حاصل کی۔

(۲) دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں ۱۹۴۵ء کے بالکل اواخر میں داخل ہوئے اور کم و بیش دو سال وہاں مختلف اساطین علم سے کسب

فیض کیا۔ آزادی کی لڑائی کی وجہ سے ۱۹۴۷ء میں رحمانیہ بند ہو گیا آپ وہاں فراغت سے محروم ہو گئے۔ آپ کے ہم سبق ساتھیوں میں مولانا مختار احمد ندوی، مولانا حکیم عبدالباقی عمری متوی، مولانا محمد عابد رحمانی بونڈیہار، مولانا عبدالکریم ندوی ششہنیاں تھے۔

(۳) آزادی کے بعد ۱۹۴۸ء میں دوبارہ جامعہ سراج العلوم کنڈو بونڈیہار میں واپس داخل ہوئے اور پورے ایک سال تک یہاں تعلیم حاصل کی۔

(۴) ۱۹۴۹ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ چلے گئے اور چوتھی جماعت میں داخلہ لیا اور مسلسل چار سالوں تک رہ کر عربی اور دیگر اسلامی فنون میں مہارت حاصل کی اور ممتاز نمبرات سے عالمیت و فضیلت کی سند لے کر کامیاب ہوئے۔ ندوۃ میں آپ کے ساتھیوں میں قابل ذکر مولانا واضح رشید ندوی تھے۔

(۵) ۱۹۵۱ء کے اواخر یا ۱۹۵۲ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فارغ التحصیل ہوئے۔

مشاہیر اساتذہ: آپ کے اساتذہ میں چند نام درج ذیل ہیں۔

(۱) مولانا رحمہ اللہ صاحب (متوفی ۱۹۹۶ء) بونڈیہار میں ابتدائی عربی تعلیم۔ (۲) مولانا عبدالغفور بسکوہری متوفی ۱۹۷۹ء بونڈیہار میں ابتدائی عربی تعلیم۔ (۳) مولانا محمد اقبال رحمانی متوفی ۱۹۸۲ء بونڈیہار میں ابتدائی عربی تعلیم۔ (۴) مولانا نذیر احمد طلوی متوفی ۱۹۶۵ء رحمانیہ دہلی میں۔ (۵) شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی متوفی ۱۹۹۴ء رحمانیہ دہلی میں۔ (۶) مولانا احمد اللہ بنگالی رحمانیہ دہلی میں۔ (۷) مولانا عبدالحکیم ناظم پیغمبر پوری متوفی ۱۹۳۵ء رحمانیہ دہلی میں۔ (۸) ندوۃ کے اساتذہ کا نام بالضرط معلوم نہ ہو سکا۔

تدریسی خدمات: (۱) فراغت کے بعد ۱۹۵۲ء سے لے کر ۱۹۶۶ء تک جامعہ سراج العلوم بونڈیہار میں بحیثیت مدرس وابستہ رہے کل مدت تدریس ۱۳ سال ہے۔

(۲) ۱۹۶۹ء میں مولانا عبدالقدوس نسیم بناری متوفی ۱۹۹۸ء ناظم جامعہ رحمانیہ بنارس کی طلب پر بنارس چلے گئے اور جامعہ رحمانیہ سے منسلک ہو گئے اور ۱۹۹۶ء تک تدریسی فریضہ انجام دیتے رہے۔ یہاں پر کل مدت تدریس ۲۷ سال ہے۔

(۳) جامعہ رحمانیہ میں کافی عرصے تک صدر المدرسین یعنی پرنسپل بھی رہے۔ ہمارے ایام طالب علمی ۱۹۸۸ء-۱۹۹۰ء میں آپ ہی پرنسپل تھے اور ہمیں شرح شذور الذہب پڑھایا کرتے تھے۔

(۴) ۱۹۹۶ء میں رحمانیہ سے ریٹائر ہوئے اور وطن چلے آئے، ڈومریا گنج کے مشہور نسواں ادارہ کلیۃ الطبیات سے وابستہ ہو گئے یہاں بھی دو سال تک تدریسی فریضہ انجام دیا مگر کبرسنی اور طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے بالآخر یہاں سے علیحدہ ہو گئے اور گھر پر ہی سکونت اختیار کر لی۔

مشاہیر تلامذہ: جامعہ سراج العلوم بونڈیہار اور جامعہ رحمانیہ بنارس جیسے مشہور اداروں میں تعلیم و تدریس سے واضح ہے کہ آپ کے تلامذہ کی ایک قابل ذکر تعداد ہوگی۔ جو آپ کے لئے ان شاء اللہ صدقہ جاریہ ہونگے۔ ذیل میں چند اسماء گرامی درج ہیں۔

(۱) مولانا عبدالحمید رحمانی دہلی (۲) مولانا عبدالوہاب خلجی (دہلی) (۳) مولانا عبدالمعید مدنی (علی گڑھ) (۴) ڈاکٹر اقبال احمد

بسکوہری (مالیگاؤں) (۵) ڈاکٹر فوزان احمد ازہری (جامعہ ملیہ دہلی) (۶) آپ کے فرزند ڈاکٹر ناصر الدین (علیگ) (۷) مولانا رضاء الحسن آروی، (۸) مولانا محمد آصف مدنی کلکتہ، (۹) مولانا عبدالحسن صدیقی اڑیسہ۔ (۱۰) خاکسار راقم عبدالحکیم عبدالمعجود المدنی ممبئی وغیرہم کثیر۔

خصائل و عادات: (۱) آپ انتہائی ذی علم اور ذہین و فطین تھے، اعلیٰ درجے کی تدریسی صلاحیتوں سے مالا مال تھے۔ (۲) نحو و صرف کی تدریس کے ساتھ علم اسماء الرجال پر گہری دسترس تھی۔ (۳) وقت کے بڑے پابند اور طلباء کے لئے بڑے رحم دل اور درد مند تھے۔ (۴) جانفشانی، امانت داری اور جفاکشی و تندہی آپ کی زندگی میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے طلباء اساتذہ اور ذمہ داران و انتظامیہ سبھی آپ کے بڑے قدر دان تھے۔

اہل و عیال: آپ کی شادی آپ کے چچا کی لڑکی سے ہوئی تھی، فی الوقت یہ لوگ بونڈیہار سے ترک وطن کر کے سینگ ناتھ نزد جیتا پور بسکوہر آباد ہو گئے۔ اولاد کی تفصیل درج ذیل ہے۔

کل پانچ لڑکے اور تین لڑکیوں سے اللہ نے نوازا تھا۔ لڑکوں کے نام بالترتیب یہ ہیں۔ (۱) ڈاکٹر شرف الدین: اپنے علاقے میں ہی پریکٹس کر رہے ہیں۔ (۲) فصیح الدین: برسوں سعودی ملازمت کرنے کے بعد وطن ہی میں ہیں۔ (۳) ڈاکٹر ناصر الدین سلفی علیگ: یہ ہمارے ہم سبق ہیں اور سلفیہ سے فراغت کے بعد علی گڑھ سے بی یو ایم ایس کئے ہوئے ہیں اور فی الوقت دلی نگر نگر کے ماتحت دہلی ایسٹ میں میڈیکل آفیسر کے عہدے پر فائز ہیں۔ (۴) امیر الدین: فی الوقت دہلی میں بزنس کر رہے ہیں۔ (۵) نسیم اختر: دہلی میں بزنس کر رہے ہیں۔ اور تینوں لڑکیوں کی شادی ہو چکی ہے اور سب صاحب اولاد ہیں۔ دو بچیاں بستی میں اور تیسری جیتا پور میں سکونت پذیر ہے۔ رب العالمین سب کو خوشحال رکھے اور والد صاحب کے لئے صدقہ جاریہ بنائے آمین۔

وفات: تدریسی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کے بعد بیماری اور ضعف پیری کا سلسلہ دراز رہا، گھر پر ہی آرام فرما تھے، کہ اچانک فالج کا حملہ ہوا اور پھر کچھ دنوں کے بعد اس بیماری میں پیغام اجل آپہنچا اور ۲۷ اپریل ۲۰۰۵ء میں اس دار فانی سے رخصت ہو گئے، انا اللہ وانا الیہ راجعون، اور اس طرح ہزاروں تلامذہ کو فیض پہنچانے والا یہ آفتاب علم و ہنر بھی غروب ہو چلا۔ تدفین آبائی قبرستان بونڈیہار میں ہوئی۔

مراجع و مصادر: ۱۔ ذاتی معلومات۔

۲۔ ہم سبق ساتھی ڈاکٹر ناصر الدین دہلی سے کئے گئے سوالات کے جواب۔

۳۔ تراجم علمائے اہل حدیث / خالد حنیف صدیقی ۱/ ۳۲۲۔

۴۔ کاروان سلف / عبدالرؤف ندوی ۲/ ۳۲۰۔

۵۔ تاریخ و تعارف دار الحدیث رحمانیہ دہلی / اسعد اعظمی، ۱۹۱۔

۶۔ تاریخ اہل حدیث جنوبی ہند / عبدالوہاب جامعی، ۵۰۴۔

(شائع شدہ صوت الاسلام ممبئی دسمبر ۲۰۱۸ء)



مولانا) ذکر اللہ خاں ذاکر ندوی

وفات فروری ۲۰۰۶ء

خالد حنیف صدیقی

نام و نسب: مولانا ذاکر اللہ بن مولانا عبدالغفور بن جعفر خاں پٹھان (ایرانی النسل) ہیں۔

تاریخ پیدائش: ۱۹۲۹ء مطابق ۱۳۴۷ھ آپ ضلع سدھارتھ نگر کے مشہور قصبہ بسکوہر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی

دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے فیض یافتہ جلیل القدر عالم دین تھے۔

تعلیمی مراحل: ابتدائی تعلیم والد گرامی مولانا عبدالغفور سے گھر پر حاصل کی۔ پھر بسکوہر کے ہی مکتب اسلامیہ میں داخل ہو کر

پانچ پارہ حفظ قرآن کیا۔ لیکن مستقل دروس کے مریض ہونے کے ناطے ڈاکٹروں نے حفظ سے منع کر دیا۔ والد گرامی اس وقت جامعہ

سراج العلوم میں بحیثیت استاذ خدمت انجام دے رہے تھے، اس لیے ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۷ء تک مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار میں تعلیم

حاصل کی۔ پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں فضیلت میں داخلہ لیا اور فضیلت کا ۳ سالہ کورس مکمل کر کے ۱۹۵۰ء میں فارغ ہوئے۔

قابل ذکر اساتذہ: (۱) ماسٹر تعلق دارخاں آدم پوری۔ بونڈیہار کے اساتذہ ہیں: (۲) مولانا عبدالغفور بسکوہری (والد گرامی،

م ۱۹۸۷ء) (۳) مولانا محمد اقبال رحمانی (م ۱۹۸۲ء) (۴) مولانا محمد عباس نذیری، (۵) حکیم مولانا محمد یونس (بونڈیہار) ندوۃ العلماء

کے اساتذہ میں (۶) مولانا حبیب الرحمن ازہری (۱۹۸۳ء-۱۳۷۰ھ) (۷) سید ابوالحسن علی ندوی کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد بسکوہر ہی میں اپنے والد گرامی کے قائم کردہ مدرسہ میں دو سال تک مفت تعلیم دی۔ پھر

مدرسہ بحر العلوم انٹری بازار میں چھ ماہ تک تدریسی خدمت انجام دی۔ مدرسہ اتحاد ملت اٹوا بازار میں (مولانا زین العابدین ریاضی کے

سفر حج کے موقع پر) کچھ عرصہ تک تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ پھر تدریس سے یکسر قطع تعلق کر کے دعوتی، تبلیغی اور تالیفی و تصنیفی

کاموں میں مصروف و منہمک ہو گئے۔

دعوتی و تبلیغی خدمات: مقامی، ضلعی، صوبائی اور ملکی سطح کی جماعتی کانفرنسوں و پروگراموں میں ہر جا و ہر مقام شرکت کر کے منظوم

خطبہ استقبالیہ پیش کرنے میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ بوقت ضرورت اجلاس عام میں اچھی تقریر بھی کرتے تھے۔ منظوم خطبہ

استقبالیہ اور آپ لازم و ملزوم تھے۔

جماعتی خدمات: بستی گونڈہ کی مشترکہ جمعیت اہل حدیث کے مجلس عاملہ کے رکن تھے۔ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس نوگڑھ

کے تاریخی اجلاس میں موصوف کے والد گرامی نے عربی میں جو قصیدہ پیش کیا تھا۔ اس کا ترجمہ منظوم شکل میں آپ نے اسی اجلاس میں

پیش کیا تھا۔ تاحیات جماعتی پروگراموں میں استقبالیہ نظم پیش کرتے رہے۔
تصنیفی خدمات: تصنیف و تالیف کا ذوق زمانہ طالب علمی سے رہا، چنانچہ مختلف رسائل و مجلات میں مقالے لکھے۔ تالیفات کی تعداد درج ذیل ہے۔

(۱) معلم روزہ (اردو) صفحات: ۱۶، مطبوع ۱۹۷۷ء

(۲) معاشی مشکلات کا اسلامی حل (اردو) صفحات: ۳۲، مطبوع ۱۳۶۸ھ

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے دور طالب علمی میں علمائے معاشیات کے لکچرس کوسن کر اس موضوع پر لکھا تھا اور دور طالب علمی ہی میں چھپ کر منظر عام پر آگئی تھی۔ اس رسالہ میں امیری و غربتی کو ختم کرنے کے لئے جمہوریت، اشتراکیت، شوشلززم اور کمیونزم کے طریقہ کار کو رد کر کے بدلائل یہ ثابت کیا کہ اس کا حل صرف اسلام میں ہے۔

(۳) جہاد و وقت (اردو صفحات: ۲۰)۔

(۴) صلاح الدین اعظم (اردو، منظوم) صفحات: ۱۰۴، مطبوع ۱۹۷۴ء

(۵) فاروق نامہ (اول تا پنجم مطبوع ۱۹۷۴ء)

(۶) آیات غم منظوم (اردو صفحات: ۱۶)۔

اس میں سر بیچ عبدالغفور بجوا، ضلع گونڈہ کی اہلیہ اور بیٹی آمنہ کے انتقال پر ان کے نیک اوصاف کا ذکر جمیل بڑے ہی خوبصورت اور والہانہ انداز میں پیش کیا ہے۔

(۷) دعوت عمل (اردو) صفحات: ۲۰، مطبوع۔

یہ مقالہ فضیلت سے ایک سال قبل لکھا گیا تھا۔ اس میں لوگوں کو قرآن و سنت پر عمل کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

(۸) پیامِ ذکر۔ اردو منظوم صفحات ۴۵۔

اس رسالہ میں حمد و نعت، جامعہ سلفیہ بنارس کا ذکر جمیل اور دوسری دینی و اصلاحی نظمیں ہیں۔

(۹) نوائے ذکر، اردو صفحات: ۳۰۔

اس میں مختلف دینی اجلاس کے موقع پر کہی گئی دینی و اصلاحی نظمیں ہیں۔

(۱۰) ذکر الادیب: والد گرامی مولانا عبدالغفور بسکوہری کی سوانح حیات پر مشتمل کتابچہ۔ جو مطبوع ہے لیکن کمیاب بلکہ نایاب ہے۔

وفات: ۴ فروری ۲۰۰۶ء بروز جمعرات بعد نماز مغرب، جائے پیدائش بسکوہر میں وفات پائی۔ دوسرے دن ۵ فروری بروز

جمعہ مولانا سید عبدالاول فیضی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

(تراجم علمائے اہل حدیث ۱۰۱/۱-۱۰۳)



بزم سے رخصت ہے ذاکر مرحبا کہتا ہوا

(وفات مولانا ذاکر اللہ ذاکر ندوی بسکو ہری رحمۃ اللہ علیہ)

ڈاکٹر اقبال احمد بسکو ہری مالیگاؤں

اللہ رب العزت کا نظام {کل نفس ذائقة الموت} ”ہر ایک کو موت آتی ہے“ ایک اٹل نظام ہے جس پر عمل درآمد ہر لمحہ جاری ہے، اس کا مشاہدہ ہم ہمیشہ کرتے ہیں، شاعر اسلام مولانا ذاکر اللہ صاحب بسکو ہری اللہ کے اسی فیصلہ پر راضی بہ رضا ہو کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بسکو ہر بازار جو ضلع سدھارتھ نگر، یوپی کا مشہور قصبہ ہے گزشتہ صدی میں بڑا مردم خیز مقام رہا ہے، یہاں بڑے بڑے نامور اہل علم پیدا ہوئے اور اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو گئے، یہی وہ قصبہ ہے جس کو مولانا اللہ بخش (ٹھا کر صاحب) تلمیذ رشید میاں صاحب نے اپنا مسکن بنایا اور کتاب و سنت کی روشنی سے پورے علاقے کو منور کر دیا اور یہاں کے مسلمانوں کو ظلمت و ضلالت کی تاریکی سے نکالا۔

والد محترم کے استاذ گرامی مولانا خلیل احمد بسکو ہری، مولانا عبدالستار صاحب بسکو ہری۔ [متوفی ۱۹۴۵م] اور والد محترم کے استاذ مکرم ادیب عصر مولانا عبدالغفور صاحب بسکو ہری [متوفی ۱۹۷۹ء] کا مولد و مسکن بھی یہی قصبہ ہے۔

چار فروری ۲۰۰۶ بروز سنچر موافق ۵ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ کی شام بسکو ہر کے قرب و جوار کے لوگوں کے لئے کسی سانحہ سے کم نہ تھا جب خانوادے بسکو ہری کے عظیم فرزند، جماعت کے مایہ ناز سپوت مولانا ذاکر اللہ صاحب رحلت فرما گئے۔

آپ مولانا عبدالغفور صاحب بن جعفر خان بسکو ہری استاذ ادب و حدیث دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے منجھلے فرزند تھے، آپ میرے مشفق و مربی استاذ مولوی عبداللہ صاحب سے چھوٹے اور منشی فضل اللہ صاحب سے بڑے تھے، مولوی عبداللہ صاحب کا انتقال تقریباً ۶ سال قبل ہو چکا ہے، جب کہ چھوٹے بھائی فضل اللہ صاحب کی وفات کو تقریباً ۱۸ یا بیس سال ہو چکے ہیں، آپ کی ہمیشہ جو مولانا عبدالصبور صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کی حریم تھیں، صرف وہی باحیات ہیں۔

مولانا ذاکر صاحب صرف اسی خانوادے کے لئے ہی نہیں بلکہ بسکو ہر و قرب و جوار کے لئے روشنی کا بینار تھے جن کے انتقال سے بسکو ہر سونا اور پورا علاقہ سوگوار ہے۔ چار سال قبل مولوی محمد ضمیر صاحب اثری کا اچانک ادھیڑ عمر میں انتقال ہو گیا۔ جن سے کافی توقع تھی، اب بسکو ہر میں کوئی قابل ذکر شخصیت نہیں۔ کہنے کو تو علماء کی بڑی تعداد ہے لیکن رحمانی علماء اور ان کے تلامذہ کا جو دستہ تھا، ان میں اور آج کے علماء میں خلوص و للہیت، تقویٰ اور پرہیزگاری میں واضح فرق ہے، اسباب و لوازمات نہ ہونے کے باوجود بھی ان لوگوں نے جو خدمت انجام دی وہ قابل قدر ہے۔

حضرت مولانا عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ کی ڈائری میں تحریر شدہ تاریخ کے مطابق ذاکر صاحب کی پیدائش ۱۹۱۶ء کی ہے جو بظاہر محل نظر ہے، ابتدائی تعلیم گھر سے متصل مدرسہ محمدیہ (جہاں فی الحال علمی منزل ہے) حاصل کی، ویسے تربیت و تعلیم میں اصل بنیاد خود حضرت مولانا عبدالغفور صاحب تھے، آپ کی والدہ خداترس خاتون تھیں، تینوں بھائیوں کی تربیت میں ان کا بھی نمایاں کردار رہا ہے۔

مدرسہ محمدیہ کے بعد آپ نے اس علاقہ کی مشہور دینی درسگاہ سراج العلوم بونڈی بہار میں داخلہ لیا، تعلیم و تربیت کے اعتبار سے زمانے میں اس کا کوئی ثانی نہیں تھا، پھر وہاں سے ندوۃ العلماء لکھنؤ تشریف لے گئے اور وہیں سے سند فراغت حاصل کی۔

مولانا ذاکر صاحب، صاحب قلم، مشہور شاعر اور ادیب تھے۔ آپ کا گراں قدر شاہکار فاروق نامہ پانچ جلدوں پر مشتمل ہے، جو متنوع ہے۔ اس کے علاوہ صدیق نامہ، معلم نماز، صلاح الدین ایوبی، امیر فیصل، پیار کا دین، ذکر الادیب، سلاطین ہند، نوائے اسلام، کلام ذاکر، پیام ذاکر، جہاد و وقت، معلم روزہ، آپ کی منظوم تصانیف ہیں، سیرت رسول پر سراج منیر کے نام سے آپ کی تالیف ہے جو نثر میں ہے، یہ تالیفات آپ کے ملی جذبات و علمی صلاحیت پر شاہد عدل ہیں۔

چونکہ شاعری میں آپ کو خاصا امتیاز حاصل تھا اس لئے آپ کی زیادہ تر تالیفات اشعار ہی پر مشتمل ہیں، معمولی وقت میں اچھے اچھے قصیدے تیار کرنا آپ کے لئے معمولی بات تھی۔

مولانا محمد اقبال صاحب رحمانی کے زمانے میں بونڈھیہار میں ایک عظیم الشان اجلاس ہوا تھا، جس میں جامعہ سلفیہ کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا عبدالوحید صاحب سلفی، شیخ الجامعہ عبدالوحید صاحب رحمانی، مولانا آزاد رحمانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ شریک تھے۔ جلسہ کے دوسرے دن شعراء کی کثرت تعداد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ظہر کے بعد اچانک استاذ گرامی مولانا آزاد رحمانی کے زیر صدارت مشاعرہ منعقد ہوا، ذاکر صاحب گاؤں میں چلے گئے تھے، آئے تو مشاعرہ جاری تھا، جس کا طرہی مصرع اس طرح تھا۔۔۔۔۔ ”وہ ساغرو مینا نہ رہا“ تقریباً تمام شعراء طبع آزمائی کر چکے تھے اور ساغرو مینا نہ رہا کی موافقت پر اپنا کلام پیش کر چکے تھے، ذاکر صاحب نے بھی تھوڑی ہی دیر میں اپنا کلام پیش کیا جو تقریباً برجستہ تھا اور تمام شعراء کے بالکل برعکس تھا، جس کا ایک شعر یہ تھا۔

کون کہتا ہے وہ ساغرو مینا نہ رہا

ساغرو مینا تو رہا، پینے کا قرینہ نہ رہا

جس پر کافی دیر تک واہ واہ کا شور اٹھتا رہا اور آپ تمام لوگوں پر بازی لے گئے، جب اسرائیل نے مسجد اقصیٰ کو جلایا تھا، اس وقت آپ نے بڑا ولولہ انگیز قصیدہ کہا تھا، جس کا طرہی مصرع تھا:

جل رہا ہے اقصیٰ کا چمن، آگ لگی ہے

شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ آپ مجھے ہوئے خطیب اور واعظ بھی تھے، جلسوں میں تو تقریر کا موقع کم ملتا تھا لیکن اپنا کلام پیش کرتے وقت درمیان میں اپنی باتیں کہہ لیتے تھے، موضع جیتا پور جو بسکوہر سے پچھم تقریباً دو میل کے فاصلہ پر ہے، وہاں کی مسجد کے خطیب جمعہ اور اس گاؤں کے خطیب عیدین تھے۔

بسکوہر کی مسجد (مولوی گنج) جس کی دیوار آپ کی دیوار سے ملی ہوئی ہے، آپ نے اس کے پڑوسی ہونے کا حق ادا کر دیا، مسجد

جدید کی تعمیر اور پھر اس کے آباد کرنے میں آپ اور آپ کے فرزند مولوی ذکاء اللہ ندوی سلمہ نے بڑا حق ادا کیا۔
۶۳-۱۹۶۲ء جب سے میں بسکو ہر جانے لگا، اسی وقت سے میں نے آپ کو اس مسجد میں امامت کرتے ہوئے دیکھا اور جب سے قیام کیا فجر کی نماز کے بعد درس دیتے ہوئے سنا، آپ کی یہ امامت اور مواعظ حسنہ بغیر کسی معاوضہ کے طویل عرصہ تک جاری رہا، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے اور آپ کے فرزند ذکاء اللہ ندوی کو جو عموماً اذان کی ذمہ داری ادا کرتے ہیں، آپ کا خلف رشید بنائے۔ آمین بسکو ہر جو خالص اہل حدیثوں کی بستی ہے، یہاں تعزیرہ سازی کا کاروبار زوروں پر تھا اور بہت بڑی تجارت کی شکل اختیار کر گیا تھا، بسکو ہر کے اہل حدیث دور دور تک تعزیرہ سپلائی کرتے تھے، اس کے بند کرانے میں آپ کا بڑا دخل رہا۔

ملت کا درد رکھنے والے اور جماعت سے بے پناہ محبت رکھنے والے اور بے لوث خادم ذاکر صاحب نے اپنے حسن اخلاق سے قرب و جوار کے لوگوں کو متاثر کر رکھا تھا، جماعتی یا انفرادی طور سے کوئی بھی پروگرام ہوتا، ذاکر صاحب کی شرکت یقینی ہوتی تھی، جلسہ کا پروگرام ہو یا محفل نکاح، ذاکر صاحب کے بغیر محفل نام تمام رہتی تھی، نوگرہ کانفرنس میں علامہ بسکو ہری کی عربی نظم استقبالیہ اور سفیر سعودی کی ترحیب میں کہے گئے عربی اشعار کا ترجمہ آپ نے اردو اشعار میں کہا تھا، جو ترجمان کے کانفرنس نمبر ۱۹۶۱ء میں مطبوع ہے۔
آپ کے دعوتی اشعار کبھی کبھی انتہائی پر اثر اور دل کو چھونے والے ہوتے تھے، موضع ”پہری“ اور قرب و جوار کے گاؤں ایک زمانہ میں بدعت کا مرکز تھے، وہاں کے لوگ انتہائی متشدد رضا خانی تھے، ایک مرتبہ اس علاقہ میں ایک جلسہ ہوا تھا جس میں آپ نے جو نظم پیش کی تھی وہ اتنی مقبول ہوئی تھی کہ مہینوں ہینڈ بل کی شکل میں تقسیم ہوتی رہی، جس کا ایک بند یہ ہے۔

ہم قریب آتے گئے، اور دور تم ہوتے گئے

ہم سے کیوں روٹھے ہو اے پہری بھدو کھر بھاؤ پور

اشعار میں ناموں کی سٹنگ میں آپ کو کافی مہارت حاصل تھی مثلاً آپ کے یہ اشعار:

بھینس کٹدہ اور بھرولیا سے نرکھریا تلک

اور تا ابھراؤں ہمدردوں کا پھیلا جال ہے

شوق تھا تشریف لاتے حضرت عبدالغفور

رہ گئے مجبور ہم، تھا دور کتنا جو دھپور

اللہ اللہ وہ خطیب الہند کا زور بیاں

بحر میں ہو لہر، یا ہو موجزن دریائے نور

کچھ ہوا تسکین جب منظر کا نظارہ ہوا

صدر ہیں اور صدر کا صد بار ہوتا ہے ظہور

اردو زبان کے علاوہ آپ عربی زبان میں بھی طبع آزمائی کرتے تھے، جامعہ محمدیہ منصورہ مالگاوں میں تعلیمی کانفرنس کے موقع پر جب آپ تشریف لائے تھے تب مجھ کو ایک عربی قصیدہ دکھایا تھا، میں نے کہا اردو والا دکھائیے، کہا کہ وہ اب دکھانے کے قابل نہیں رہا، کیوں کہ منصورہ کے شایان شان نہیں، میرا تصور بھی نہیں تھا کہ منصورہ اتنا عظیم ادارہ ہے، پھر آپ نے ایک طویل قصیدہ تیار کیا جس کے کچھ اشعار یوں ہیں۔

بزم یہ ہرگز نہیں بس نظم اور تقریر کی
 بزم ہے یہ تربیت ، تعلیم اور تعبیر کی
 بزم یہ دانشکدوں میں روح اک دوڑائے گی
 درسگاہوں میں نئی یہ روشنی اک لائے گی
 جامعوں میں ابن جوزی اور رازی اب کہاں
 ابن تیمیہ سا فکر و فن کا غازی اب کہاں
 ابن قیم اور کوئی علامہ شوکانی نہیں
 ابن رشد و بو علی سینا کا اب ثانی نہیں
 بحر فن میں لاؤ تم دریائے جاری کی مثال
 اور محدث دے دو مسلم اور بخاری کی مثال
 فاضلو! ان نامور علماء کو پھر پیدا کرو
 عہد سابق کی طرح فن کا علم اونچا کرو
 سعی کامل ہو تو پھر منزل نہیں کچھ دور ہے
 اک دلیل راہ مرعاۃ مبارکپور ہے
 ہمت افزائی کی خاطر یہ نشاں موجود ہے
 عون معبود اور تحفۃ غایۃ المقصود ہے
 اے خدا! اس کوشش و اخلاص کی تو لاج رکھ
 اس کے داعی کے تو سر پر عزتوں کا تاج رکھ
 حاضر مجلس ہے ذاکر، دور بھی ہوتا ہوا
 بزم سے رخصت ہے سب کو مرحبا کہتا ہوا

تقریباً ڈیڑھ سال سے کمزوری زیادہ بڑھ گئی تھی، سال گزشتہ ایک پروگرام میں جب میری ملاقات آپ سے ہوئی جو آخری ملاقات ثابت ہوئی، تو اس وقت آپ کافی کمزور تھے۔ ۲۲ جنوری ۲۰۰۶ء کو تین بجے رات میں فالج کا حملہ ہوا، جس کی وجہ سے بے بس ہو گئے البتہ ہوش و حواس درست تھا، ۴ فروری ۲۰۰۶ء بعد نماز مغرب آپ کا انتقال ہو گیا اور ۵ فروری کو بعد نماز ظہر عید گاہ سے متصل قبرستان میں سپرد خاک کئے گئے۔ اللہم اغفر لہ و ارحمہ و عافہ و اعف عنہ۔

(مجلہ صوت الحق مالگواں فروری ۲۰۰۶ء)



مولانا عبدالعزیز جامی عمری رحمۃ اللہ

وفات ۱۱ نومبر ۲۰۰۷ء

مولانا محمد ثناء اللہ عمری۔ ایم اے عثمانیہ

چنی (مدرا س) سنٹرل سے تیز رفتار ٹرینیں ممبئی (ممبئی) کے رخ چلنے لگتی ہیں تو کوئی دس گیارہ گھنٹوں کے بعد ”ادھونی“ نام کے اسٹیشن پر دم بھر کے لیے دم لیتی ہیں، جو آندھرا پردیش کے ضلع کرنول کی ایک تحصیل ہے۔ خاصا بڑا تجارتی شہر ہے، بلکہ تاریخی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ مسلمان یہاں زیادہ نہیں تو کچھ کم بھی نہیں ہیں۔ معیشت کی پوچھیے تو ہر جگہ کی طرح یہاں بھی ان میں امارت کے ساتھ غربت بھی ہے۔ ان دونوں حالتوں میں ایک خوش آئند بات یہ ہے کہ مختلف مسلکوں کے پیروں میں علم و عمل کے چرچے بھی مدتوں سے چلے آ رہے ہیں۔ ع

یا مایں دارد و آں نیز ہم

اسی شہر ادھونی میں بیسویں صدی کی پہلی چوتھائی میں ایک صاحب محمد حسین نامی تھے۔ معلوم نہیں پیشہ کیا تھا۔ البتہ یہ معلوم ہے کہ وہ مسلک اہل حدیث تھے۔ پکے متبع کتاب و سنت۔

ان حضرت کی کل چھ اولادیں تھیں۔ تین بیٹے اور تین بیٹیاں۔ نصفاً نصف۔ ان میں ہمارے مولانا سب سے بڑے تھے۔ پہلوٹھی کی اولاد، اور اس حیثیت سے گھر گھرانے کے نور نظر۔ اللہ کی شان، اس پہلے نور نظر نے آنکھ کھولی تو سال نو کی صبح تھی کہ تاریخ پیدائش یکم جنوری ۱۹۲۵ء ہے۔ حسین صاحب کے خواب کی ایک حسین تعبیر۔ سارا خاندان خوشی سے اچھل پڑا ہوگا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ چڑے کی تجارت میں ”روشن کمپنی“ کا نام ملک کے اندر اور ملک سے باہر بڑا روشن تھا۔ اس کی ایک شاخ ادھونی میں بھی تھی۔ اس کے زیر اہتمام مسجد اہل حدیث سے ملحق ایک مکتب قائم تھا۔ ہونہار عبدالعزیز کی ابتدائی تعلیم یہیں ہوئی۔ ناظرہ قرآن انھوں نے یہیں پورا کیا۔ رائج الوقت اردو ریڈریں بھی یہیں پڑھیں۔ پڑھائی کے ساتھ لکھائی بھی یہیں سیکھی۔

خدا جانے کس کی تحریک تھی کہ عبدالعزیز صاحب ۱۹۳۴ء میں جامعہ دارالسلام عمر آباد میں، پہلی جماعت میں جاداخل ہو گئے۔ اس وقت ”عمر عزیز“ کا دسواں سال تھا۔ اس زمانے میں وہ جامعہ کے سب سے کم سن طالب علم تھے۔

ان دنوں جامعہ میں طلبہ بہت کم ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ مولانا عبدالعزیز صاحب نے اپنے ہم سبق ساتھیوں میں صرف پانچ نام گنائے ہیں: مولوی عبدالقادر کونکن، مولوی عبدالوہاب مینم بوری، مولوی پی۔ محمد ملیاری، مولوی کنجی محمد ملیاری، اور مولانا عبدالعزیز اعظمی رحمہم اللہ۔ مطلب یہ کہ فراغت کے وقت جماعت میں یہ پانچ ہی تھے۔

مولانا کو جامعہ میں ایسا عہد ملا تھا جو اساتذہ کے اعتبار سے بڑا ممتاز تھا۔ اس فہرست میں ہمیں مولانا احمد اللہ خان صاحب، مولانا عبدالحکیم صاحب میسوری، مولانا عبدالسبحان صاحب اعظمی، مولانا حافظ عبدالواجد صاحب رحمانی، مولانا عبید الرحمن صاحب عاقل

رحمانی، مولانا محمد نعمان صاحب اعظمی، مولانا غضنفر حسین صاحب شاکر ناطلی، مولانا محمد اسماعیل صاحب پیارم پیٹی اور مولانا فضل اللہ صاحب ناظم جامعہ کے اسمائے گرامی نظر آتے ہیں۔ ان کے علاوہ مولانا حبیب خان صاحب عمری کا بھی نام لینا ضروری ہے جو ہمارے مولانا کے انگریزی کے استاذ تھے۔ حسن اخلاق اور شوقِ علم کی وجہ سے سبھی اساتذہ ادھونی کے اس طالب علم کو بہت چاہتے تھے۔ طالب علمی ہی کے زمانے کی بات ہے کہ جامعہ کے ایک ممتاز استاذ حضرت مولانا غضنفر حسین شاکر ناطلی نے اپنے اس شاگرد کے لیے ”جامی“ تخلص پسند فرمایا۔ جامی صاحب نے شاعری انھی بزرگ سے سیکھی۔ اصلاح زیادہ تر حضرت ہی دیا کرتے تھے۔ ویسے کبھی کبھی مولانا حبیب خان صاحب سے بھی اصلاح لیا کرتے تھے۔ ان کا پہلا شعر یہ تھا۔

محمد مصطفیٰ کا بس ہمیں دیدار ہو جانا

یہاں اک بار ہو جانا ، وہاں ہر بار ہو جانا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جامی صاحب کی شاعری ”یوسف وزلیخا“ والے جامی کی شاعری جیسی جام و مینا اور زلف و کا کل کی شاعری نہیں تھی، اور جیسی کچھ تھی اس سے دل چسپی جلد ہی ختم ہوگئی۔ یہ سلسلہ جاری رہا تو بس اس قدر کہ جنہیں وہ اپنا گردانتے ان کی مسرت و شادمانی کے موقعوں پر تہنیتیں لکھ دیا کرتے۔ تخلص سے انھوں نے بس اتنا ہی کام لیا۔ اس پر بھی تخلص نام پر حین حیات غالب رہا۔ یعنی سب کی زبان پر ”جامی صاحب“ ع

نام ان کا آسماں ٹھہرا لیا تحریر میں

اوپر ذکر آچکا ہے کہ جامی صاحب اپنے وقت میں جامعہ کے سب سے کم سن طالب علم تھے۔ اب سنیے کہ انھوں نے بڑی کم عمری میں جامعہ سے فراغت پائی۔ یعنی ۱۹۴۱ء میں، جب کہ گل سترہ برس کے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ادھونی کا یہ طالب علم دھن کا پکا، ذہین اور محنتی تھا۔ ۱۹۳۴ء میں جامعہ میں قدم رکھا اور آٹھ جماعتیں آٹھ برس میں پوری کر کے ۱۹۴۱ء میں فارغ التحصیل ہو گیا۔ کم سنی میں درسِ نظامی کا ہفت خواں طے کر لینے کی مثالیں شاذ و نادر ہی ہیں ع

یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے

جامعہ سے فراغت کے بعد بھی مولانا جامی نے اپنا علمی سفر برابر جاری رکھا۔ چنانچہ ۱۹۴۳ء میں منشی فاضل (فارسی) اور ۱۹۵۶ء میں افضل العلماء (عربی) اور اسی موخر الذکر امتحان میں کامیابی کی بنیاد پر انگلش پارٹ II نکال لیا اور بی۔ اے۔ کی ڈگری لی۔ واضح رہے کہ یہ تینوں کورس جو انھوں نے پاس کر لیے، مدراس یونیورسٹی کے تھے۔

اس کے علاوہ انھوں نے دو امتحان اور بھی پاس کر لیے۔ ایک پنڈت ٹریننگ کا سرکاری امتحان اور دوسرا آل انڈیا آرمی ایجوکیشنل کورس جو چالیس دن کا تھا۔ ان تعلیمی صلاحیتوں سے عیاں ہے کہ جامی صاحب کی علمی قابلیت جامع قسم کی تھی۔ راقم نے پوچھا نہیں، اور مولانا نے بتایا نہیں، اس لیے قیاس سے کام لے کر کہنا پڑتا ہے کہ وہ شروع سے اخیر تک درجہ اول کے طالب علم رہے ہوں گے۔ ورنہ ان کی علمی لائن میں تنوع نہ ہوتا۔ کم نمبروں سے کامیاب ہونے والا بھانت بھانت کے امتحان کیوں دینے لگا! حصول علم کے بعد حصولِ معاش کے لیے مولانا نے تدریسی پیشہ اختیار کیا۔ سنہ کی صراحت کے بغیر انھوں نے لکھا ہے کہ وہ

گورنمنٹ مدرسہ اعظم، مدراس میں آٹھ برس تک عربی زبان کے مدرس رہے۔ اس کے بعد ۱۹۶۵ء میں گورنمنٹ آرٹس کالج مدراس میں عربی کے پروفیسر ہوئے۔ ان دنوں اردو، عربی اور فارسی تینوں زبانوں کا ایک ہی شعبہ تھا۔ یہاں عبدالمجید صاحب ایم۔ اے سینئر پروفیسر تھے۔ شعبے کے پیش رووں میں مولانا نے تین حضرات کے نام لیے ہیں: مولانا فاروقی، مولانا حبیب خاں اور مولانا حیدر علی، اور پرنسپل تھے شبیر احمد جو ترقی پا کر تعلیمات کے ڈائریکٹر ہوئے۔

مدرسہ اعظم کی طرح آرٹس کالج میں بھی وہ آٹھ ہی برس برسر خدمت رہے۔ اس کے بعد تبادلے پر وہ آرٹس کالج، نندم، مدراس گئے اور ۱۹۸۳ء میں وہیں سے وظیفہ لیا۔۔۔ اس طرح درس و تدریس کی مدت کل ۲۶ برس کی ہوئی۔۔۔ تدریس کے ساتھ مولانا نے چندے تجارت بھی کی۔

ہمارے ملک کے اور شہروں کی طرح شہر مدراس میں بھی سرکاری قاضی کا منصب موجود ہے۔ غالباً ۱۹۸۳ء تھا اور سر قاضی مولانا حبیب اللہ صاحب تھے کہ ہمارے مولانا ان کے نائب ہوئے۔ مولانا فرماتے ہیں:

”نائین کو دفتر نکاح قاضی صاحب کی طرف سے ملتا ہے۔ نکاح سے متعلق فرائض انجام دینے پڑتے ہیں۔ سال میں ایک بار میٹنگ ہوتی ہے، ہدایات ملتی ہیں۔“

راقم کو مولانا کا خطبہ نکاح سننے کا موقع نہیں ملا۔ البتہ سننے میں آیا ہے کہ خطبے کے بعد مولانا کا خطاب ہوتا تھا۔ بڑا زور دار اور دل پذیر، مرغوب خاص و عام۔ بحدیکہ عبدالعزیز صاحب ہر دل عزیز ہو گئے تھے۔

ابھی گزر چکا ہے کہ مولانا صاحب سر قاضی صاحب کے معاون تھے، مگر وقت پڑنے پر حق گوئی کا حق ادا کر دیتے۔ قاضی صاحب کی نیابت کی ذرا بھی پروا نہ کرتے۔ چنانچہ ۱۹۹۵ء کی بات ہے کہ قاضی صاحب نے آٹھ رکعت تراویح کے خلاف فتویٰ ٹھوک دیا۔ مولانا نے ان حضرات کا تعاقب کیا۔ یہ مضامین مقامی روزنامہ ”مسلمان“ میں چھپے۔ قاضی صاحب نے خاموشی میں عافیت دیکھی ع

کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

مولانا، ادھونی (آندھرا پردیس) کے باشندے تھے۔ آبائی وطن وہی تھا، مگر ۱۹۵۲ء سے شہر مدراس میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ پہلے پہل تو لگا تار بارہ برس تک مسجد اہل حدیث آندھور، مدراس کے ہمسایہ رہے۔ اس کے بعد تنیام پیٹ میں انجمن حمایت اسلام سے قریب، بلکہ انجمن کے کوارٹرز میں بود و باش اختیار کر لی۔

بڑی بات یہ کہ پروفیسری کی، وظیفہ لیا، سکونت مختلف مقامات پر رہی، مگر انھوں نے علم نبوت کا منصب فراموش نہیں کیا۔ دعوت و تبلیغ سے لگے چمٹے رہے۔ حین حیات خیر امت کے ایک فرد کا، علم نبوت کے وارث کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ علم کے ساتھ عمل کا دامن تھامے رہے۔ جامعہ دارالسلام کے نمک کا حق ادا کرتے رہے۔۔۔ اس سلسلے کی کچھ باتیں ملاحظہ ہوں:

مولانا امام تو کہیں نہیں رہے، البتہ مختلف مسجدوں میں خطیب رہے ہیں۔ مسجد یحییٰ بن اہل حدیث مدراس میں بارہ برس اور مسجد مبارک، دھوبی پیٹ مدراس میں چھ ماہ تک جمعہ کے خطبات دیتے رہے۔ اس کے بعد انجمن حمایت اسلام مدراس کی مسجد میں ۱۹۷۱ء سے جمعہ کے خطبات کا سلسلہ جو شروع ہوا تو کم از کم تیس برس تک جاری رہا۔ جمعہ کے خطبات کے علاوہ مولانا نے دھوبی پیٹ عید گاہ میں عیدین کے خطبے بھی زمانہ دراز تک دیے تھے۔ علاوہ ازیں کہیں سے وعظ و بیان کے لیے بلاوا آتا تو لبیک کہتے۔ خطبات سے ہٹ

کر مولانا نے مدتوں قرآن و حدیث کے درس بھی دیے ہیں۔ یہ سلسلہ جامع مسجد اہل حدیث حفیظیہ کے علاوہ خفی مسجد اکبر میں بھی چلتا رہا۔ یہ دونوں خاص شہر مدراس کی مسجدیں ہیں۔

زبان کے ساتھ ان کا قلم بھی چلتا تھا۔ ہم لکھ آئے ہیں کہ آٹھ رکعات تراویح پر ان کے مضامین ”مسلمان“ میں چھپے تھے۔ یہاں کہنا اس سلسلے میں یہ ہے کہ باؤٹا کے مالک حاجی عبدالعزیز صاحب جب تک بقید حیات تھے تحریک کرتے تھے کہ فلاں مسائل پر رسالے لکھیے اور مولانا لکھ دیا کرتے تھے۔

وہ آبائی اہل حدیث تھے اور حین حیات اہل حدیث ہی رہے، مگر تشدد سے دور تھے۔ راہ اعتدال کے پیرو، اپنی مادر علمی کی روایت کے پاسباں، اور سبھی مسلکوں کے اساطین کے معتقد اور ان کی دینی خدمات کے قائل و قدر داں تھے۔

مدتوں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ جمعیت اہل حدیث مدراس کے تو ایک عرصے تک سکریٹری رہے۔ مولانا نے کل چارج کیے تھے۔ پہلا ج ۱۹۷۵ء میں ہوا۔ یہ سفر بحری جہاز سے ہوا تھا۔ اس میں رفیق سفر فرزند عبدالحی اور داماد شیر خان محمد اسحاق صاحبان تھے اور یادش بخیر مولانا کے ہم مکتب مولانا اللہ بخش صاحب نوری کا بھی ساتھ رہا تھا جو بڑے ظریف آدمی تھے۔ ان کی ظرافت نے سفر کی کلفت محسوس ہونے نہیں دی۔

اب کچھ باتیں سنج کی بھی ہو جائیں : ادھونی میں ایک تاجر چرم عبدالواحد صاحب تھے۔ نخی ایسے کہ ایک زمانے تک جامعہ محمدیہ عربیہ رائیڈرگ کے طلبہ کے لیے اناج بھیجا کرتے تھے۔ بڑے دین دار اور پکے اہل حدیث تھے۔ ادھونی اور اس کے نواح میں اہل حدیث مسلک کی دعوت و اشاعت میں بعض اور لوگوں کے ساتھ ان کا بھی بڑا عمل دخل تھا۔ بہر حال یہاں کہنا یہ ہے کہ ۱۹۴۶ء تھا کہ مولانا کی شادی انہی حضرت کی صاحب زادی سے ہوئی۔ ماشاء اللہ یہ رشتہ بڑا برکت ثابت ہوا، مولانا کے سات لڑکے اور تین لڑکیاں ہوئیں۔ سبھوں کی شادیاں بھی مولانا نے ہی کر دیں، اولاد کی اولاد بھی مولانا نے دیکھی اور آنکھیں ٹھنڈی کیں۔ بڑی بات یہ ہے کہ ان کی یہ پشتیں علم و عمل دونوں میں مولانا کی وارث ہیں، نظر بد دور۔

یاد پڑتا ہے کہ یہ نام سب سے پہلے جامعہ کی پرانی درسی کتابوں میں لکھا دیکھا تھا، ایک اور نام ”عبدالرشید ادھونی“ کے ساتھ جو مولانا کی صراحت کے مطابق ان کے تایا زاد بھائی تھے۔ جامعہ کے فاضل، اسکول کے اردو مدرس، وطن میں خطیب۔

مولانا کو سب سے پہلی بار دیکھا جمعیت اہل حدیث اضلاع سرکار کے سہ روزہ اجلاس کے موقع پر جو ۸-۱۰ جنوری ۱۹۸۲ء کو شہر وجیاواڑہ میں منعقد ہوا تھا۔ مولانا نے اجلاس کی آخری نشست میں زوردار تقریر کی۔ اور چوں کہ یہ اجلاس میرے زیر انصرام ہوا تھا، اس لیے میرے حق میں بڑے ہمت افزا کلمات کہے اور ڈھیر ساری دعائیں دیں۔ ایسے خرد نوازاں کہاں:

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میرے صحبت نہیں رہی

اسی ملاقات کے بعد مولانا سے مراسلت کا بھی سلسلہ چل پڑا، جانے ان کے کتنے گرامی نامے میرے نام آئے تھے۔ رہ گئے صرف سات آٹھ ہیں۔ ان کا خط صاف اور شستہ سا ہے۔ رہا خط کا مضمون تو معلوم ہوتا ہے محبت سے ابلے پڑتے ہیں۔ ذرہ نوازا ایسے

کہ مکتوب الیہ شرم سار ہو کر رہ جائے۔ آداب و القاب ایسے کہ مخاطب گویا کوئی برابر والا یا بڑا آدمی ہے۔

مراسلت کی تقریب کی بابت بھی چند کلمات کہہ دینے مناسب ہیں ع

تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے

۱۹۹۱ء میں مجھے خیال ہوا کہ جامعہ کے سابق ناظم شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ عبدالوہاب جد عمری رحمانی کی حیات و خدمات پر ایک مجموعہ مضامین مرتب کر کے چھپوانا چاہیے۔ مضمون نگاروں کی جو فہرست میرے ذہن میں تھی اس میں مولانا جامی کا نام نامی بھی تھا، جو شیخ الحدیث کے چہیتے شاگرد تھے۔ چنانچہ میں نے مولانا سے درخواست کی، جو انھوں نے منظور فرمائی، اور ایک مختصر سا مضمون لکھ کر بھیجا جو ”تذکرہ واجدی“ میں شامل ہے۔

بزرگوں کے اس عقیدت کیش کو ”تذکرہ واجدی“ کی ترتیب کے بعد توفیق ملی کہ جامعہ کے سابق نائب ناظم حضرت مولانا عبدالسبحان اعظمی کی حیات و خدمات سے متعلق بھی ایک مجموعہ مرتب کرے۔ چنانچہ میں نے اب کی بھی مولانا جامی کو زحمت دی اور انھوں نے اس بار بھی مضمون لکھ بھیجا جو ”بات ایک مسیحا نفس کی“ نام والے تذکرے میں شامل ہے، جو ۱۹۹۹ء میں چھپ کر شائع ہوا۔ مولانا کی عالی ظرفی ملاحظہ ہو کہ ان دنوں موقعوں پر مجھے لکھا کہ ان مضامین میں حذف و اضافے کا آپ کو پورا اختیار ہے۔ مضمون چھپے یا کسی وجہ سے چھپ نہ سکے، دنوں حالتوں میں ممنون رہوں گا۔

پریس سے آنے کے بعد ان دو کتابوں کے علاوہ میں نے ”مجھے یاد آنے والے“ نامی سوانحی خاکوں کا مجموعہ بھی ہدیہ ان کی خدمت میں ارسال کیا۔ ان کی رسید میں انھوں نے دل کھول کر لکھا کہ اب تک میں مختلف رسائل و جرائد میں آپ کے مضامین ہی دیکھتا رہتا تھا۔ اب آپ کی مرتب کردہ کتابیں دیکھنے پڑھنے کو ملی ہیں ع

اللہ کرے زورِ قلم اور ہو زیادہ

۱۹۹۹ء کے اوائل کی بات ہے کہ مدراس یونیورسٹی کی دعوت پر یہ ناچیز مدراس جا کر مولانا ابوالکلام آزاد پر انگریزی میں دو لکچر دے آیا۔ سامعین میں ہمارے مولانا بھی موجود تھے۔ ان لکچروں سے خوش ہو کر مولانا نے مجھے ایک مفصل تہنیتی مکتوب لکھا تھا، جو میرے پیش نظر ہے۔ یہ مولانا کا اونچا ظرف تھا کہ ایک چھوٹے عمری برادر کے اس اعزاز کو اپنے لیے باعث افتخار جانا، جزا اللہ خیر الجزاء۔ مولانا کے جو خطوط محفوظ رہ گئے ہیں ان میں ایک بات قدر مشترک کے طور پر موجود ہے۔ یعنی انھوں نے لکھا ہے کہ مدراس جاؤں یا عمر آباد آتے جاتے اس شہر سے گزروں تو ان کے دولت خانے پر حاضری دوں۔ ۹۸ء تھا، سمراسلامک کیمپ سے فراغت کے بعد خیال ہو وطن واپس ہوتے ہوئے کھڑی سواری مولانا کی خدمت میں حاضری دوں اور دعائیں لیتا جاؤں۔ حسن اتفاق کہ مولانا کے ایک پوتے یا نواسے ساتھ تھے جو سمر کورس میں شرکت کے بعد گھر جا رہے تھے۔ میں ساتھ ہولیا۔ مولانا بڑی شفقت اور محبت سے ملے۔ بڑی پر لطف باتیں کیں۔ پُر تکلف ظہرانہ ساتھ لے کر کھلایا۔ چوں کہ مجھے دو بجے کی ٹرین سے نکلنا تھا، اس لیے کار میں بٹھا کر اسٹیشن بھیجا۔ وقت بہت تنگ تھا، اس لیے جی بھرا نہیں:

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

گھر واپسی کے دو ڈھائی ہفتے بعد مولانا کا محبت نامہ موصول ہوا، لکھا تھا :

”کار میں بٹھا کر آپ کو مکان سے روانہ کر دیا۔ بچوں نے آپ کو ریل پر سوار بھی کرایا۔ آپ کا جواب نہ آنے سے ہم سب سخت پریشان ہیں..... ہم سے کسی قسم کی کوتاہی تو نہیں ہوئی؟ یہ خط دیکھتے ہی آپ ٹیلی گرام سمجھ کر ہم کو خط لکھیں۔“

بات یہ ہوئی کہ مئی کا مہینہ تھا، چلچلاتی دھوپ کے وقت کا سفر، لو لگ گئی، گھر پہنچتے پہنچتے حال پتلا ہو گیا۔ مولانا کو واپسی کا اطلاعی خط لکھ نہ سکا۔ اس پر مولانا نے دریافتِ حال کے لیے یہ سطر لکھ بھیجیں۔ ہم میں سے کتنے ایسی باتوں کا خیال کرتے ہیں! مولانا کے ایک سفر کی بات ذرا پہلے ہی کہہ دینی تھی۔ میرے اس سفر کے ضمن میں اب یاد آئی، درج کیے دیتا ہوں۔ مولانا اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

”مولانا سید ہاشم صاحب وانم باڑی، جو ابتدا میں دارالسلام کے طالب علم تھے، بعد میں دیوبند سے فراغت پا کر مولانا احمد علی رحمہ اللہ مفسر ہند کے پاس چھ ماہ کا کورس کرنے کے لیے آئے۔ راولپنڈی سے واپسی پر میں لاہور میں اتر پڑا اور مولانا ہاشم صاحب جو میرے ہم جماعت تھے ان کی ملاقات کی غرض سے مولانا احمد علی رحمہ اللہ کے پاس چار پانچ دن رہا۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کی بھی زیارت کی، جامع مسجد لاہور بھی دیکھی۔“

مولانا نے یہ تصریح نہیں فرمائی ہے کہ وہ راولپنڈی کب اور کیوں تشریف لے گئے تھے۔

مولانا کو فشارِ خون (B.P) اور ذیابیطس کی شکایتیں تھیں جو آج کل عام ہیں۔ میں وقتاً فوقتاً مولانا محمد سلیمان صاحب عمری مدرسی سے مولانا کی خیر و عافیت دریافت کر لیا کرتا تھا۔ اس دوران میں امریکہ گیا۔ وہیں تھا کہ یہ افسوس ناک اطلاع ملی کہ مولانا جامی ۱۱ نومبر ۲۰۰۷ء کو مالک و مولیٰ سے جا ملے، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ مزید معلوم ہوا کہ نمازِ جنازہ مرحوم کے فرزند ڈاکٹر عبدالحق صاحب نے پڑھائی اور تدفین آئندہ (مدراس) کے قبرستان میں عمل میں آئی، اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ۔۔۔

خدا کی شان کہ پہلے پہل بارہ برس تک مولانا نے جس محلہ میں بود و باش رکھی تھی، وہی آخری آرام گاہ قرار پایا۔ اللہ ان کی تربت ٹھنڈی رکھے۔ آمین۔ عمر عزیز بڑھیک تر اسی (۸۳) سال کی تھی۔

اب اخیر میں بیک نظر سر پاپا بھی دیکھ لیجیے۔ قدموزوں حد تک دراز اور سیدھا، رنگ خوب گورا، سر بڑا، پیشانی کشادہ، آنکھیں بڑی اور چمک دار، دہانہ چھوٹا، گھنی شرعی ڈاڑھی، سر پر بال بھی شرعی، بات کرتے کبھی مسکراتے، کبھی قدرے سنجیدہ ہو جاتے، خاصے جہیر الصوت تھے، سر پر صافہ باندھتے، شیر وانی پہنتے، پوشاک عموماً اجلی اور سفید، ہاتھ میں غالباً عصا بھی جو پیری کا اور دہ تھا، رہے نام اللہ کا۔



استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث مولانا ابوالعرفان محمد عمر گوندوی

حیات و خدمات

وفات ۹ مارچ ۲۰۱۰ء

مولانا محمد رحمانی / مولانا یار محمد سلفی

جماعت اہل حدیث کی سب سے قیمتی شناخت یہ رہی ہے کہ اس جماعت میں بڑی عظیم، متواضع اور گہری علمی لیاقت، رکھنے والی ایسی شخصیات ہر دور میں پیدا ہوتی رہی ہیں، جنہوں نے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا، ان کے یہاں تاویل باطل اور فاسد توجیہ کا گزر کہیں سے کہیں تک بالکل بھی نظر نہیں آتا، اپنے کسی بزرگ یا کسی بڑی شخصیت کی رعایت یا احترام اور لحاظ میں یہ کبھی بھی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دین کے اصولوں کو مرجوح یا کمزور کرنے کی جرأت تو دور، سوچ بھی نہیں سکتے، یہی وجہ ہے کہ محدثین کا پورا سلسلہ ذبیحہ اسی جماعت حقہ سے وابستہ رہا اور اسی جماعت نے تمام ادوار میں بدعات و خرافات اور اہل کلام کے تمام فتنوں کا کھل کر سامنا کیا اور کلام الہی اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ ہتھیار بنا کر تمام فتنوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ یقیناً یہ امتیاز جماعت اہل حدیث کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہے۔

صحابہ کرام تابعین، تبع تابعین، ائمہ اربعہ، محدثین و فقہاء اور تمام ادوار میں نمایاں خدمات انجام دینے والوں اور بالخصوص دفاع اسلام کا بھرپور حق ادا کرنے والوں کا شمار اسی جماعت کے سپہ سالاروں میں ہوتا رہا ہے اور یہ شاندار سلسلہ آج تک جاری ہے اور تاقیامت جاری رہے گا۔ ان شاء اللہ۔

برصغیر ہندو پاک اور وطن عزیز ہندوستان کی سرزمین پر بھی یہ طویل سلسلہ جاری و ساری رہا ہے، تقسیم ملک کی کاری ضرب کے بعد ہندوستان میں تقریباً مسلمانوں کے تمام نشاطات کو نیست و نابود کرنے کی جو سعی کی گئی اس کے بعد بھی علماء حق کی کاوشوں کے نتیجے میں نئے سرے سے مختلف مقامات پر نمایاں کارنامے وجود میں آئے۔ مدارس و مراکز قائم کئے گئے، مساجد کا جال بچھا دیا گیا، اسلامی نشاطات کے فروغ کے لئے مختلف کاوشیں عمل میں آئیں۔ مدارس نے محنت و کاوش کر کے ایسے علماء پیدا کئے جنہوں نے صرف ہندوستان ہی نہیں پوری دنیا میں وطن عزیز کا نام روشن کیا۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی ابوالکلام آزاد اسلامک اوکیونگ سنٹر، نئی دہلی کا قیام بھی ہے جسے اپنے خون اور پسینہ سے سینچنے کے لئے والد گرامی مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ نے اپنی پوری زندگی کھپادی اور پورے ہندوستان میں مدارس، مکاتب، اسکول اور مساجد کا جال پھیلا دیا، انہوں نے صرف سنٹر ہی نہیں بلکہ ملکی پیمانہ پر وجود میں آنے والے بہت سے

تعلیمی اداروں کے لئے بھرپور کاوشیں کیں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ بہت سے اداروں کو عدم سے وجود میں لانے کے لئے بھرپور سعی کی تو مبالغہ نہ ہوگا، جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم، بنارس، جامعہ دارالسلام، عمر آباد، تملنا ڈو، جامعہ ہمدرد دہلی بالخصوص اور نہ جانے کتنے چھوٹے بڑے ادارے جنہیں بھرپور تعاون مہیا کرنا کر جلا بخشی اور تا عمر جماعتی کا زکے فروغ کے لئے تن من دھن کے ساتھ لگے رہے، اگر کسی سے دوستی کی تو سنت رسول اور منہج صحیح کی ترویج کے لئے اور اگر اختلاف کیا تو بھی منہج حق کے دفاع کے لئے۔

والد گرامی مولانا عبدالحمید رحمانی صاحب رحمہ اللہ کے استاذ گرامی استاذ الاساتذہ مولانا ابوالعرفان محمد عمر گونڈوی رحمہ اللہ بھی اس قیمتی سلسلہ کی ایک کڑی تھے، یقیناً والد رحمہ اللہ کی تربیت پر ان کی بھی چھاپ تھی، ان کی شخصیت سے متاثر ہونے کی وجہ سے والد رحمہ اللہ نے ان کو ابوالکلام آزاد اسلامک اوپیننگ سنٹر، نئی دہلی کے عاملہ و شوری کے لئے رکنیت کی پیش کش کی اور وہ اپنی وفات تک سنٹر کی رکنیت اور کچھ مدت تک نائب صدر کے عہدہ پر فائز بھی رہے۔ مجھے سنٹر میں ان کی آمد اور ان کا پر رونق چہرہ اب بھی یاد ہے، تواضع و انکساری، شفقت و مودت کی وہ اعلیٰ مثال تھے، غالباً ایک بار میں نے ان کے ساتھ سنٹر کی علی گڑھ برانچ کی زیارت والد رحمہ اللہ کے حکم پر کی تھی، ساتھ میں علماء کرام کی ایک ٹیم بھی تھی۔ مولانا محمد عمر رحمہ اللہ والد رحمہ اللہ کے استاذ ہونے کے باوجود ان سے متاثر تھے اور ان کی عالمانہ شخصیت کے بھرپور قائل بھی تھے یہی وجہ ہے کہ وہ سنٹر سے منسلک بھی رہے اور اپنے گرانقدر تجربات سے بھی سنٹر کو نوازتے رہے۔ والد رحمہ اللہ اور مولانا محمد عمر رحمہ اللہ دونوں ہی شخصیات کی نمایاں خوبیوں میں سے ایک خوبی جماعت اہل حدیث اور تمام اہل توحید کے لئے ان بزرگوں کے بے لوث محبت اور جماعتی و منہجی کا زکے ترویج کے لئے ان کی تڑپ تھی اور اسی تڑپ اور محبت کا نتیجہ ہے کہ آج بھی ان کو یاد کیا جاتا ہے اور ان کے کارناموں کے نتیجہ میں ہمیشہ یاد کیا جاتا رہے گا۔ ان شاء اللہ مولانا محمد عمر صاحب رحمہ اللہ سے متعلق یہ جامع مضمون ابوالکلام آزاد، اسلامک اوپیننگ سنٹر، نئی دہلی کے شعبہ دعوت و تبلیغ کے ذمہ دار مولانا یار محمد سلفی حفظہ اللہ جو خود بھی مولانا رحمہ اللہ کے شاگرد رہے ہیں، نے تیار کیا ہے۔ اس مضمون میں چند ایسے تلخ حقائق بھی تھے جو جماعت کی جانب سے ان دونوں بزرگوں کو زندگی کے مختلف مراحل میں برداشت کرنے پڑے لیکن جماعت کے موجودہ حالات کے پیش نظر میں نے مضمون پر نظر ثانی کرتے ہوئے ان حقائق کو حذف کر دیا ہے۔ وہ تلخ حقائق کسی نہ کسی شکل میں پہلے اختصار کے ساتھ شائع بھی ہو چکے ہیں۔

اللہ رب العالمین جماعت اہل حدیث کے تمام افراد کو اپنے علماء کی قدر کرنے اور شخصیات کے مقام کو سمجھ کر ان کا احترام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین (محمد رحمانی مدنی)



نام و نسب: محمد عمر بن عبدالرحیم بن خدا بخش

کنیت: ابوالعرفان

پیدائش و مقام پیدائش: ۱۹۲۰ء میں ضلع گونڈہ میں واقع موضع سستی جوگا میں ولادت ہوئی۔

مستقل سکونت: موضع اوسانی فیروز، پوسٹ نہر پور، بلرام پور یوپی۔

حلیہ، وضع قطع اور اوصاف: درمیانی قد، چوڑی پیشانی، گندمی رنگ، رعب دار چہرہ، گھنی دراز داڑھی، لمبا کرتا، ٹخنے سے اوپر شلوار، صدری، عربی رومال پسندیدہ لباس، قناعت و سادگی پسند، صبر و تحمل کا پیکر، عدل و انصاف کا خوگر، زہد و ورع اور تدوین و تقویٰ شعار، باہمت و جری، بے باک و نڈر، حق گو و راست باز، با غیرت و خوددار، متواضع و بردبار، گرج دار آواز، شیریں و پرکشش انداز بیان، حق کے لئے نرم، باطل کے لئے گرم، معاملہ فہم اور فراست و دانائی میں اعلیٰ مقام پر فائز جیسے خصائل ان کے اوصاف حمیدہ میں سے تھے۔

خاندانی پس منظر: مولانا رحمہ اللہ کا آبائی وطن ضلع باریکی میں واقع موضع بھوانی گنج تھا جو شرک و بدعات اور شیعیت کا گڑھ تھا، یہاں مسلم آبادی میں شیعہ افراد کی اکثریت کی وجہ سے تعزیر داری، ماتم کنی، نوحہ اور مرثیہ خوانی وغیرہ جیسے غیر اسلامی تہذیب و تمدن کا غلبہ تھا، یہی وجہ ہے کہ اہل تشیع سنی مسلمانوں کو اپنے عقائد اور افکار و نظریات کے مطابق ڈھالنے کی بھرپور کوشش کرتے بلکہ اس تعلق سے تمام عادات و اطوار کی پابندی کے لئے انہیں مجبور بھی کرتے تھے اور اس سلسلہ میں انہیں کامیابی بھی حاصل ہو رہی تھی، کیونکہ مسلمان خود اسلام کی پاکیزہ اور صحیح تعلیمات کے برخلاف بدعات و خرافات، شخصیت و قبر پرستی، تصوف و عجمیت اور الحاد و بے دینی میں مبتلا تھے۔

مولانا رحمہ اللہ کے والد محترم جناب عبدالرحیم رحمہ اللہ گاؤں گاؤں کپڑے بیچنے کی تجارت کرتے تھے، اسی سلسلہ میں اہل حدیث آبادی پر مشتمل ضلع بارہ بنکی کے معروف جڑوا گاؤں موضع ٹیرا، بکرا ان کی آمد و رفت تھی جہاں پہلے ہی سے اہل حدیث افراد کی اچھی تعداد تھی، چونکہ وہ ابتدا ہی سے دین پسند تھے، اس لئے وہاں اپنے قیام کے دوران وقت پرصلوات کی ادائیگی کے لئے مسجدوں میں جایا کرتے تھے۔ انہوں نے وہاں اپنی عادت و طریقہ کے برعکس لوگوں کو صلوات ادا کرتے دیکھا اور اس بارے میں لوگوں سے استفسار کیا۔ اس طرح سنت کے مطابق طریقہ صلاۃ سمجھنے کا انہیں موقع ملا۔ ایک تاجر ہونے کی وجہ سے پہلے ہی سے وہ وسیع ذہن و فکر کے حامل تھے، اس لئے صحیح اسلامی طریقہ سامنے آ جانے کے بعد اسے اپنانے میں دیر نہ ہوئی بلکہ اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیا، پھر کیا تھا جب بھی اس گاؤں میں آتے دین اسلام کی صحیح تعلیمات حاصل کرنے کے لئے وہاں کے علماء، دیگر دیندار افراد سے ربط قائم کرتے، اس طرح انہوں نے اپنے عقیدہ و مسلک کو قرآن و حدیث اور منہج سلف صالحین کے مطابق ڈھال لیا اور شاہراہ کتاب و سنت پر گامزن ہو گئے اور ان میں ایسی تبدیلی آئی کہ آئندہ جہاں بھی اپنی تجارت کے لئے جاتے وہاں کے مسلمانوں کی دینی اصلاح کی مکمل کوشش کرتے۔ ان کو قبر پرستی، بدعات و خرافات اور تقلید شخصی سے روکتے اور انہیں کتاب و سنت کی صحیح تعلیمات اپنانے پر زور دیتے۔ اس طرح تجارت کے ساتھ دین صحیح کی اشاعت و تبلیغ کو انہوں نے اپنا ایک بنیادی مشن بنا لیا اور بحمد اللہ اس راہ میں وہ عظیم کامیابیوں سے ہمکنار ہوتے رہے۔

مذکورہ گاؤں ہی میں ان کی بالترتیب تین اولاد ’صدیق حسن رحمہ اللہ، سراج النساء، اور خاتون‘ کی پیدائش ہوئی۔ موصوف تین بھائی تھے جن میں خود بڑے تھے۔ رمضان صاحب درمیانی اور احمد صاحب رحمہ اللہ سب چھوٹے تھے۔ رمضان صاحب آباء و اجداد کے رسم و رواج ہی پر ثابت قدم رہے، البتہ احمد صاحب رحمہ اللہ ان کی دعوت پر اپنے مشرکانہ، مبتدعانہ اور توہم پرستانہ اعمال و افعال سے تائب ہو کر موحد اور مسلک سلف صالحین سے وابستہ ہو گئے تھے اور دعوتی کاموں میں ان کے ہم خیال اور معاون بن گئے تھے۔

کتاب و سنت کی صحیح تعلیمات پر مبنی خالص اسلامی ذہنیت کا حامل ہونے کی بنا پر عبدالرحیم رحمہ اللہ گاؤں کے غیر اسلامی مشرکانہ،

مبتدعانہ اور شیعیانہ ماحول سے بالکل اکتا چکے تھے، اس لئے وہ خود کو، اپنے اہل خانہ اور آئندہ کی اپنی نسل کو وہاں کے خانقاہی اور شیعیت زدہ ماحول کی مسموم فضاؤں کے زہریلے تباہ کن اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے کسی دوسری مناسب جگہ کے متلاشی تھے۔ اسی الجھن واضطراب اور ذہنی انتشار کے دوران ان کی ملاقات کرنیل گنج سے شمال جانب تقریباً چودہ کلومیٹر فاصلہ پر واقع موضع سستی جوگا کی ایک بااثر شخصیت جناب حاجی نامدار صاحب سے ہوئی جن سے ان کے تجارتی روابط تھے۔ چنانچہ اس موقع پر انہوں نے اپنے گاؤں کے غیر دینی ماحول، شیعوں کی ظلم و زیادتی اور مذہبی امور میں ان کی بیجا مداخلت کا ان سے تذکرہ کیا اور اسے ایسے مسحور کن انداز میں پیش کیا کہ حاجی صاحب اس سے متاثر ہو کر ان کے درد کا درماں بن گئے اور انہوں نے ان کو مع اہل و عیال اپنے یہاں سکونت اختیار کرنے کے لئے آنے کی دعوت دی، اس طرح وہ اپنے دین و ایمان کے تحفظ و بقا کی خاطر اپنی پوری فیملی کے ساتھ سستی جوگا میں منتقل ہو گئے۔ حاجی صاحب نے وہاں ان کی رہائش وغیرہ کا بندوبست کیا اور ذریعہ معاش کے لئے انہوں نے اپنا کپڑے کا قدیمی کاروباری سلسلہ جاری رکھا اور حسب عادت اپنی تجارت کے ساتھ قرب و جوار میں لوگوں کو کتاب و سنت کی دعوت دیتے رہے۔ اسی گاؤں میں قیام کے دوران ہی مولانا ابوالعرفان محمد عمر گونڈوی کی ولادت ہوئی۔

چند سالوں بعد حاجی صاحب کی وفات کی وجہ سے دعوتی کاز کی انجام دہی کی راہ میں وہاں کے حالات ناموافق و ناسازگار ہونے کی بنا پر مولانا کے والد محترم نے مرزا پور کے حاجی خوشی محمد صاحب (ان سے بھی ان کے گہرے تعلقات تھے اور وہ اس وقت راجہ بلرام پور کے یہاں ٹھیکیداری کا کام کرتے تھے) سے اپنے موجودہ حالات و مشکلات کا تذکرہ کرتے ہوئے اس گاؤں کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ سکونت اختیار کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ جس پر انہوں نے ان کو بلرام پور کے ترائی علاقہ کو اپور میں بسنے کا مشورہ دیا، چنانچہ ان کے تعاون سے اپنے بچوں سمیت وہیں منتقل ہو کر آباد ہو گئے، لیکن یہ علاقہ نشیبی ہونے کی وجہ سے ہر سال موسم برسات میں کئی پہاڑی نالوں بالخصوص جھارنالا کے سیلاب کی زد میں آجاتا تھا اور فصلیں تباہ ہو جانے کی وجہ سے لوگوں کی معاشی حالت دن بہ دن خراب ہوتی چلی جا رہی تھی۔ جس کا برا اثر ان کی تجارت پر بھی پڑ رہا تھا، اس لئے اقتصادی تنگی کے پیش نظر وہ کسی دوسری مناسب جگہ کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ اسی درمیان گھاری گھاٹ، کھوڑارے کے متوطن جناب شبراتی صاحب (جو راجہ بلرام پور کے اسامی تھے اور ان سے بھی عبدالرحیم رحمہ اللہ کے مراسم تھے) سے انہوں نے اپنے گھریلو مسائل اور پریشانیوں کا ذکر کیا۔ اس نازک موقع پر انہوں نے دیرینہ تعلقات کی بنیاد پر ان کے ساتھ تعاون و دلچسپی سے کام لیا اور انہیں کے مشورہ اور تجویز پر گھاری گھاٹ خطہ میں واقع موضع ڈال ڈیہہ چلے آئے اور یہیں اپنے پورے بچوں کے ساتھ مستقل طور پر بس گئے، جہاں آج بھی مولانا رحمہ اللہ کے بڑے بھائی صدیق حسن کی اولاد مقیم ہے۔ ان کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں جن میں بڑا بیٹا عبدالرشید کا ۶۵ سال کی عمر میں اور سب سے چھوٹی بیٹی مریم ان کی اٹھارہ سال کی عمر میں مولانا عبدالباری ساکن اکبر پور جمنی سے شادی کر دی گئی تھی، ان کی رخصتی کے چند دن بعد ہی سسرال میں وفات ہو گئی، باقی ایک بیٹی سلیم النساء جو مولانا عبدالرحمن صاحب کھیرٹیا کے حوالہ عقد میں ہیں، ان کی عمر ۸۲ سال ہے اور دو بیٹے مولانا عطاء الرحمن اور عبداللہ صاحبان جو بالترتیب ۷۵ اور ۶۸ سال کے ہو چکے ہیں، اپنے اہل و عیال کے ساتھ باحیات ہیں۔ اسی

گاؤں کے قبرستان میں مولانا رحمہ اللہ کے والدین اور ایک بہن مدفون ہیں، یہی وجہ ہے کہ مولانا گوئڈوی رحمہ اللہ نے اپنی زندگی ہی میں اپنے ماں باپ کے جوار میں خود کو دفن کرنے کی وصیت کی تھی جس پر عمل بھی کیا گیا۔

تعلیمی مراحل: مولانا رحمہ اللہ نے ابتدائی اور پرائمری درجات سرکاری پرائمری اسکول، گھاری گھاٹ یوپی میں پاس کرنے کے بعد ۱۹۳۲ء میں ابتدائی دینی، اردو، عربی اور فارسی کی تعلیم کے لئے مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار، یوپی میں داخلہ لیا، وہاں ایک سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۶ء تک جامعہ عالیہ عربیہ، منوناتھ بھنجن، یوپی میں زیر تعلیم رہے۔ پھر وہاں سے ۱۹۳۷ء میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے مدرسہ سعیدیہ دہلی میں داخلہ لے لیا اور یہاں تین سال زیر تعلیم رہ کر تفسیر وحدیث اور دیگر فنون کی تکمیل کے بعد سند فراغت اور وقت کی معروف علمی شخصیت جناب مولانا احمد اللہ صاحب دہلوی پرتاپ گڑھی رحمہ اللہ سے تعلیم وافتاء اور تبلیغ کے سلسلے میں سند اجازہ حاصل کی۔

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد غازی پور، یوپی کے قصبہ بارہ میں مدرس ہوئے اور یہ تقرری روغن احمد کے مالک جناب عبدالاحد صاحب، منوناتھ بھنجن کی کوششوں سے عمل میں آئی۔ ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۴ء تک تقریباً تین سال وہاں تدریس وخطابت کی ذمہ داریاں انجام دینے کے بعد وہاں سے بحیثیت استاذ ریاست پٹیالہ، پنجاب تشریف لے گئے اور وہاں تین سال تک مذکورہ عہدہ پر فائز رہے۔ یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے وقت سکھ اور ہندو مسلم فساد و غدر کے موقع پر نامساعد حالات کی وجہ سے بدرجہ مجبوری وہاں نہیں جاسکے۔ یہ عظیم حادثہ رونما ہونے سے چند روز قبل ہی مولانا اپنے وطن مالوف چلے آئے تھے، اس لئے اس وقت کے حوادث سے محفوظ رہے، البتہ گھر آتے وقت وہ جو قوم اور سامان وغیرہ مولانا شرف الدین صاحب دہلوی رحمہ اللہ کے پاس مدرسہ سعیدیہ میں رکھ کر آئے تھے وہ سب لوٹ لیا گیا تھا۔

اس وقت فرقہ وارانہ فسادات، قتل و غارت گری، لوٹ و کھسوٹ، ظلم و جبر اور استبداد و استحصال وغیرہ پر مشتمل خوف و دہشت سے ملکی مطلع ناگفتہ بہ تھا، کسی بھی وقت کوئی بھی بڑا واقعہ پیش آسکتا تھا، اس لئے ان ناموافق حالات میں مولانا موصوف ایک سال گھر پر ہی قیام پذیر رہے۔ کچھ مہینوں کے بعد جب ملک کے حالات قدرے پرسکون ہوئے تو ۱۹۴۹ء میں بہار کے نہایت کوردہ علاقہ ضلع دمکا میں واقع مدرسہ شمس الہدی دلال پور چلے گئے اور وہاں ایک سال تک قرآن وحدیث اور عربی زبان وادب وغیرہ کی تدریس سرانجام دیتے رہے، لیکن وہاں کے ماحول سے آپ کی طبیعت مطمئن نہ ہو سکی، اس لئے رواں تعلیمی سال مکمل کرنے کے بعد ۱۹۵۰ء میں صوبہ بنگال کے کثیر مسلم آبادی والے شمالی خطہ میں واقع مدرسہ دارالحدیث لوہاپور منتقل ہو گئے اور وہاں ۱۹۶۳ء تک تدریس و تبلیغ کے کاموں میں مشغول رہے، پھر وہاں سے ۱۹۶۴ء میں سرحد نیپال پر واقع مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر میں بحیثیت صدر مدرس آ گئے۔ اس وقت اس تعلیمی ادارہ میں جناب مولانا رئیس الاحرار (احمد ندوی رحمہ اللہ، مولانا عبدالسلام رحمانی اور مولانا محمد حنیف رحمانی جیسی علمی شخصیات تدریسی امور انجام دے رہی تھیں۔ اس دانش گاہ علمی میں ایک سال گزارنے کے بعد ۱۹۶۵ء میں مدرسہ سراج لعلوم بونڈیہار کے مہتمم مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ کی تحریک وجدوجہد سے دو اہل حدیث بستیوں ”کنڈوا اور بونڈیہار“ کے وسط میں دریائے راپتی کے

ساحل پر واقع وقت کی عظیم درسگاہ میں مدرس منتخب ہوئے۔

اس ادارہ کے روح رواں محترم مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ کے نام شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری صاحب مرعۃ المفاتیح رحمہ اللہ، جن کے اس تعلیمی درس گاہ سے صاحب تحفۃ الاحوذی شیخ عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ، جو اس چمنستان علم و ادب کے عروج و ارتقاء میں اہم رول بلکہ قائدانہ کردار کے حامل تھے، کے دور ہی سے بہت گہرے روابط تھے اور اپنے دور حیات کے آخری دم تک اس کی تعمیر و ترقی کی فکر ان کو ہمہ وقت دامن گیر رہتی تھی، کے ارسال کردہ مکتوب گرامی مجریہ ۱۹۶۵/۹/۹ء جس میں اس ادارہ میں مولانا محمد عمر گونڈوی رحمہ اللہ کی نئی تقرری کے دوران وہاں کے طلبہ، اساتذہ اور ذمہ داران و اراکین کی طرف سے ان کی علمی صلاحیت، عمدہ کارکردگی، ان کے حسن اخلاق اور متانت و سنجیدگی کے اعتراف و اطمینان پر اچھے تاثرات پر مشتمل خوشی کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس کے مطابق مولانا رحمہ اللہ کی مدرسہ سراج العلوم میں تقرری مذکورہ سن ۱۹۶۵ء ہی میں ہوئی۔

ابتدائی دو سالوں میں مولانا محترم رحمہ اللہ وہاں ایک اچھے اور کامیاب مدرس کے طور پر کام کرتے رہے، بعد میں ان کے علمی استعداد و کمالات، ان کے تدین و دیانت داری، ادارہ سے حد درجہ اپنائیت و لگاؤ اور اس کے عروج و ترقی کی بابت ان کی بے انتہا فکرو دلچسپی کے اعتراف میں صدر مدرس کا منصب انہیں دے دیا گیا اور ادارہ نے جب مزید تعلیمی ترقی کی توشیح الحدیث کے عہدہ جلیل پر بھی فائز ہوئے اور یہ سلسلہ ادارہ سے منسلک رہنے تک چلتا رہا۔

اسی دوران جب اس ادارہ کے تعلیمی و تربیتی اور انتظامی امور کے روح رواں اور نگران جناب مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ کی وفات (۳۱/ اگست ۱۹۸۲ء مطابق ۱۳ ذیقعدہ ۱۴۰۲ھ) کے بعد ادارہ کی دیکھ ریکھ وغیرہ کے تعلق سے بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا، جسے پر کرنے خصوصاً انتظام و انصرام کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے لئے عہدیداران و کارکنان کی نظریں مولانا محمد عمر گونڈوی رحمہ اللہ کی علمی اور متدین شخصیت پر جم گئیں اور مذکورہ بالا مناصب کو برقرار رکھنے کے ساتھ ہی انتظامی ذمہ داریاں بھی مولانا کے انکار کے باوجود بھی انہیں تفویض کر دی گئیں، جن کی وہ اپنی بیماری و صحت، عائلی مسائل و مشاغل اور ضروریات کی پرواہ کئے بغیر بحسن و خوبی انجام دیتے رہے۔

زبانیں: مولانا رحمہ اللہ کو اردو، عربی اور فارسی پر عبور حاصل تھا اور پرائمری درجات سرکاری اسکول میں پاس کرنے کی وجہ سے ہندی اور انگریزی بھی لکھ پڑھ لیتے تھے۔ بنگال میں زیادہ دنوں تک تدریس و تربیت کی انجام دہی کے دوران بنگلہ زبان بھی سیکھ لی تھی۔ لکھنے کی طرف توجہ کم ہو پاتی تھی، البتہ یہ زبان اچھی طرح پڑھ لیتے تھے اور بولنے میں تو اتنے ماہر ہو گئے تھے کہ اس زبان میں بھی خطاب کیا کرتے تھے۔

طریقہ تدریس: جس ادارہ میں بھی گئے وہ صدر مدرس کے ہی عہدہ پر فائز رہے، چونکہ جملہ علوم و فنون میں ماہر تھے اس لئے جس فن کی بھی کوئی کتاب آپ کے زیر درس رہی اس کی پیچیدہ سے پیچیدہ عبارتوں کو نہایت عام فہم اور ایسے سلیس اسلوب و انداز میں حل کرتے کہ مشکل سے مشکل کتاب بھی آسان ہو جاتی اور طالب علم اس سے مطمئن ہو جاتا۔ طلبہ کو ہمیشہ درس میں آنے سے قبل درسی اور اس کی معاون کتابوں کے مطالعہ کی رغبت دلاتے اور اس سلسلہ میں ان کی مکمل رہنمائی فرماتے۔ دوران تدریس طلبہ کو پوری توجہ

اور انہماک کے ساتھ درس سننے اور سمجھنے پر زور دیتے اور غیر تدریسی اوقات میں ان اسباق کو دہرانے کا مشورہ دیتے۔ سوئے اتفاق اگر کوئی بات طلبہ کی سمجھ میں نہ آتی اور اس سلسلہ میں ان سے رجوع کیا جاتا تو بہت ہی شفقت و محبت اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اسے دوبارہ سمجھانے سے دریغ ہرگز نہ فرماتے۔ آپ اپنی اسی معیاری طریقہ تدریس اور علمی صلاحیتوں کی بنیاد پر ایک اچھے معلم و مربی کے طور پر معروف ہوئے اور وقت کے بڑے بڑے تعلیمی اداروں کے ذمہ داران کی لچائی ہوئی نظریں آپ کی طرف مرکوز ہو گئیں۔ انہیں خوبیوں اور کارناموں ہی کی بنا پر مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار میں ملازمت کے دوران شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ کے ایما پر جامعہ سلفیہ بنارس کے ناظم اعلیٰ مولانا عبدالوحید صاحب رحمہ اللہ کی جانب سے جامعہ سلفیہ میں تدریس کے لئے پیش کش کی گئی اور معاملہ بھی طے ہو گیا، لیکن جس وقت مولانا رحمہ اللہ مدرسہ سراج العلوم چھوڑ کر اپنے سامان وغیرہ کے ساتھ وہاں سے بنارس جانے لگے تو اس وقت ادارہ کے درو دیوار نے مولانا رحمہ اللہ کے محاسن کا اعتراف کرتے ہوئے اس کے ذمہ داران کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور مولانا محمد اقبال صاحب رحمانی رحمہ اللہ اور گاؤں کے بہت سے لوگوں نے بضد ہو کر انہیں روک لیا۔ اس موقع پر مولانا رحمہ اللہ نے اپنے ساتھ لوگوں کی اپنائیت و عقیدت دیکھ کر اپنا ارادہ ترک کر دیا اور وہیں کے ہو کر رہ گئے۔

انداز تربیت: کسی بھی انسان کا نرم و گرم مزاج سے متصف ہونا ایک فطری امر ہے، جن کا صدور اس کی زندگی میں مختلف مواقع پر ہوتا رہتا ہے، لیکن اس تعلق سے راہ اعتدال پر قائم رہنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ اپنے مزاج سے ہم آہنگ کسی بھی خوبی اور اچھائی پر حد سے زیادہ شفقت و ہمدردی اور اپنائیت کا سلوک یا کسی خامی اور کوتاہی پر حد سے متجاوز ہو کر اس پر اظہار غیظ و غضب اور ناراضگی کا برتاؤ بسا اوقات نہ صرف یہ کہ سامنے والے کے لئے مفید اور موثر ثابت نہیں ہوتا بلکہ خود اس کے لئے خسران و نقصان اور ندامت و پشیمانی کا سبب ہوتا ہے۔ تربیت و اصلاح کے لئے فہم و علم اور فراست و دانائی کے ساتھ کوئی بھی کام سرانجام دینا ضروری ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا رحمہ اللہ کا طرز عمل منفرد اور نرالا تھا۔ وہ موقع و محل کی مناسبت سے اپنے جمالی اور جلالی مزاج کا استعمال معتدل اور میا نہ روی کے ساتھ کرتے تھے، جس کے بہت ہی مثبت اور مفید نتائج و ثمرات سامنے آتے تھے اور ان دونوں ہی صورتوں میں لوگوں کے دلوں میں ان کی عقیدت اور ان کا ادب و احترام برقرار رہتا تھا، جو کہ تربیت و اصلاح کی راہ میں ان کے مثالی کردار کا بین ثبوت ہے۔ اس سلسلہ میں جذبات سے مغلوب ہو کر افراط و تفریط اور غلو کا راستہ انہوں نے کبھی نہیں اپنایا اور نہ ہی ایسے مواقع پر ان سے نامناسب، ناشائستہ اور غیر مہذب افعال و اعمال کا صدور ہوا۔ وہ اچھے طلبہ کی ہمت افزائی کرتے، ان کی خوبیوں کو پسند فرماتے اور کسی کوتاہی اور غلطی کے موقع پر ایسا متاثر کن لہجہ اختیار کرتے کہ خاطر اپنے فعل پر فوراً نادم ہو جاتا اور آئندہ اس عمل کے قریب نہیں جاتا۔ حسب ضرورت طلبہ کے ساتھ تادیبی کارروائی بھی کرتے، لیکن اس وقت بھی ظلم سے بچتے ہوئے عدل و انصاف سے ہی کام لیتے۔

مشہور اساتذہ: آپ نے مختلف اداروں میں تعلیم و تربیت حاصل کی ہے، اس لئے اساتذہ اور مربیان کی تعداد زیادہ ہے، ان میں معروف و ممتاز اساتذہ یہ ہیں:

۱۔ جناب مولانا عبدالغفور بسکوہری رحمہ اللہ۔ ۲۔ جناب مولانا حکیم محمد یسین رحمہ اللہ، بونڈیہار، ۳۔ جناب مولانا ابوسعید شرف

الدین صاحب دہلوی رحمہ اللہ، ۴۔ جناب مولانا احمد اللہ صاحب پرتاپ گڑھی رحمہ اللہ، ۵۔ جناب مولانا عبداللہ سعیدی جمہنوی رحمہ اللہ۔ اپنے ان اساتذہ کرام کو مولانا اکثر یاد کیا کرتے تھے، ان کے لئے خاص کردعائے مغفرت فرماتے تھے۔

ہم سبق ساتھی: آپ چونکہ کئی اداروں میں زیر تعلیم رہے، اس لئے تعلیمی دور کے ہم سبق ساتھیوں کا شمار ممکن نہیں۔ ان میں مینونا تھ: بھجن کے اپنے تین ساتھیوں (جناب مولانا مفتی عبدالعزیز صاحب عمری، فضا ابن فیضی اور مولانا حکیم عبدالباقی صاحب) کا تذکرہ اکثر کیا کرتے تھے۔ فضا ابن فیضی کے انتقال کے موقع پر اخبار دیکھ رہے تھے کہ اچانک نظر ان کی وفات کی خبر پر پڑی تو مولانا رحمہ اللہ کے بڑے صاحب زادہ مولانا ڈاکٹر عبید اللہ صاحب اثری وعلیگ جوان کے ساتھ ہی تھے ان کے بقول مولانا کے ہاتھوں سے اخبار چھوٹ کر نیچے گر گیا اور اس وقت ان کے دونوں ہاتھ کانپ رہے تھے، آنکھیں اشک آلود تھیں اور چہرہ رنج و غم کے آثار سے متغیر ہو چکا تھا۔ مولانا رحمہ اللہ کی یہ کیفیت دیکھ کر وہ گھبرا گئے اور پوچھا: ابا! کیا ہوا؟ اس پر نہایت غمگین لہجہ میں انہوں نے کہا کہ میرا آخری ساتھی تھا وہ بھی چل بسا۔ اب میں تنہا رہ گیا ہوں اور اب میری ہی باری ہے۔ اس طرح بڑی عقیدت و اپنائیت کے ساتھ آپ نے اپنے ساتھی کا ذکر فرمایا اور ان کی وفات حسرت آیات پر کافی رنجور ہوئے۔

ممتاز تلامذہ: مولانا محترم رحمہ اللہ فراغت کے بعد ۶۵ سال تک مختلف درس گاہوں میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، اس

لئے آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے، جن کا احصاء مشکل ہے، البتہ ان میں سے چند معروف و ممتاز تلامذہ یہ ہیں:

- ۱۔ جناب مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی، دہلی
- ۲۔ جناب مولانا فضل الرحمن صاحب مدنی، مالنگاؤں
- ۳۔ مولانا عبدالقدوس صاحب، کمہریا
- ۴۔ مولانا اقبال احمد صاحب مدنی، چیوٹھوا
- ۵۔ جناب مولانا ابوالعاص صاحب وحیدی، اہراڈیہ
- ۶۔ جناب مولانا شمیم احمد صاحب مدنی، قطر
- ۷۔ جناب مولانا عبدالسلام صاحب مدنی، ٹکریا
- ۸۔ جناب مولانا عزیز الرحمن صاحب، ٹکریا
- ۹۔ جناب مولانا شبیر احمد صاحب مدنی، کرہی
- ۱۰۔ جناب مولانا شہاب اللہ صاحب مدنی، بشن پور
- ۱۱۔ جناب مولانا محمد مستقیم سلفی، بنارس
- ۱۲۔ جناب مولانا نایاز احمد صاحب مدنی، طیب پور

وغیرہ ہیں۔ نیز راقم الحروف کو بھی چھ سالوں تک ان کی تعلیم و تربیت سے فیض حاصل کرنے کا شرف حاصل ہے۔

تصنیفی اور دعوتی سرگرمیاں: تدریسی اور انتظامی ذمہ داریوں میں حد درجہ مشغولیت کی وجہ سے ذوق و صلاحیت رکھنے کے

باوجود بھی تصنیف و تالیف اور ترجمہ و تحقیق کے کاموں میں حصہ نہ لے سکے، البتہ دعوتی میدان میں نمایاں کردار کے حامل رہے۔ ان کے والد گرامی جناب عبدالرحیم صاحب رحمہ اللہ بڑے متمسک و متحرک اور پختہ اہل حدیث تھے۔ صحیح اسلامی تعلیمات سے آشنا ہونے کے بعد انہوں نے اپنے دور حیات کے ایام میں اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے لئے بھرپور جدوجہد کی اور ان کی پر خلوص کوششیں بھی بجز اللہ بار آور ثابت ہوئیں۔ ان کی دعوتی سرگرمیوں کے نتیجے میں ان کی آخری جائے سکونت موضع ڈال ڈیہہ اور اس کے مضافات میں واقع مختلف مواضع: اسمیلہ، اوسانی فیروز، کھوڑارے، چوتھی بنگلوا، ڈکھیا، لکھن جوت، آدم پور، کھرہنہ نوڈیہوا اور قرب و جوار کے بہت سے لوگ مسلک سلف سے وابستہ ہوئے۔

اسی دینی ماحول میں مولانا رحمہ اللہ کی پرورش ہوئی اور سن شعور کو پہنچتے ہی وہ طالب علمی کے دور ہی میں اپنے والد کے معاون کار بن گئے اور ان کے ساتھ دعوتی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ والد صاحب کی وفات کے بعد بھی انہوں نے مذکورہ مقامات سے اپنا تعلق برقرار رکھا اور اس راہ میں پیش آنے والی تمام رکاوٹوں کو دور کرتے رہے۔ مختلف مسلم تنظیموں کے علماء، نمائندگان اور عوام و خواص کی طرف سے جب بھی مسلک اہل حدیث کے خلاف شکوک و شبہات پیدا کئے گئے تو ان تمام ریشہ دوانیوں کا کتاب و سنت سے مدلل اور مسکت جواب دے کر ہر طرح کے فتنوں کا قلع قمع کرتے رہے اور اپنی آخری سانس تک اس علاقہ کو خصوصی توجہ کا مرکز بنائے رکھا، جس کے نتیجے میں مذکورہ بستیوں کے علاوہ بھی کئی دیگر مقامات کے لوگ سلف صالحین کے قرآن و سنت پر مبنی منہج کے مطابق عقائد و عبادات اور سلوک و معاملات وغیرہ میں دین صحیح کا راستہ اختیار کر کے مروجہ بدعات و خرافات اور غلط اقدار و روایات سے محفوظ رہ کر صراط مستقیم پر قائم ہیں۔

مولانا جب بھی خطبہ دیتے یا وعظ و نصیحت کرتے اس وقت اثبات توحید اور رد شرک اس کا لازمی حصہ ہوتا، آپ کا خطاب قرآنی آیات اور صحیح احادیث نبویہ اور صحابہ کرام کے واقعات سے مزین ہوتا۔ انداز بیان نہایت شیریں و پرکشش اور عام فہم ہوتا جو سامعین کے ذہن کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتا تھا۔

صوبہ بنگال میں تقریباً ۱۵ سالہ تدریسی اور دعوتی خدمات انجام دینے کی مدت میں آپ نے بنگلہ زبان پر بھی کافی دسترس حاصل کر لیا تھا، اس زبان میں بھی ایسے فراٹے سے نہایت جامع اور فصیح و بلیغ خطاب فرماتے تھے کہ اس زبان کا ماہر بھی یہ تمیز نہیں کر پاتا کہ آپ غیر بنگالی ہیں۔ وہاں قیام کے دوران بھی آپ نے خطبات جمعہ، دروس و محاضرات کے انعقاد اور دینی اجتماعات میں شرکت کے ذریعے دعوتی کام کو جاری رکھا، بلکہ اس سلسلہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جس سے وہاں کے لوگوں نے کافی استفادہ کیا، جس کے مثبت اور حوصلہ افزا اثرات آج بھی اس خطہ میں نمایاں ہیں۔

آپ فن دعوت کے آداب و اسالیب اور رموز و نکات سے واقف ایک باکمال داعی اور خطیب تھے۔ موقع محل کے اعتبار سے دوران خطاب آپ کی آواز بلند اور آہستہ اور آپ کا لہجہ سخت و نرم ہو جایا کرتا تھا۔ دین صحیح کی اشاعت کے سلسلہ میں اعداء اسلام کے ظلم و ستم اور ایذا رسانیوں پر مشتمل جب بھی انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے متبعین کی تکلیفوں، مشقتوں، قربانیوں نیز عذاب قبر، قیامت کی ہولناکی اور دوزخ کی سزاؤں کا ذکر کرتے تو آنکھیں اشکبار ہو جاتیں اور بھرائی ہوئی آواز میں آخرت کی کامیابی کے لئے بڑے پرسوز انداز میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی التجا کرتے اور اس وقت پوری محفل پر ”ذرفت منها العیون و وجلت منها القلوب“ کا سماں طاری ہو جاتا۔

اضلاع گونڈہ، بلراپور، بستی، سدھارتھ نگر کے مختلف علاقوں اور ان کے اطراف و اکناف میں جب بھی کوئی دینی اجتماع اور اجلاس منعقد ہوتا تو اس کی صدارت کے لئے اس کے ذمہ داران آپ ہی سے رجوع کرتے اور اس طرح کے بیشتر اجتماعات میں کرسی صدارت آپ کے لئے مخصوص ہوتی، جو اس کی کامیابی کے لئے ضمانت سمجھی جاتی تھی۔

آپ کے صدارتی خطبات نہایت جامع اور وسیع ہوا کرتے تھے، پوری کارروائی کا خلاصہ بڑے اچھے اسلوب میں نہایت مختصر الفاظ میں پیش کر دیا کرتے تھے، اس موقع پر اگر کسی طرح کی کوئی بد نظمی پیدا ہو جاتی یا کسی مقرر و خطیب کی طرف سے کوئی علمی کوتاہی سرزد ہو جاتی تو ان کا ازالہ ایسے عالمانہ انداز میں کرتے تھے کہ عام لوگ اسے سمجھ بھی نہیں پاتے اور مخاطب اپنی کوتاہی کا اعتراف کرتے ہوئے اعتذار و اصلاح کی راہ اختیار کر لیتا۔

فتویٰ نویسی: مولانا رحمہ اللہ کی شخصیت گونا گوں خصوصیات کی حامل تھی۔ آپ کا دائرہ عمل تعلیم و تربیت اور دعوت و ارشاد ہی تک محدود نہیں تھا بلکہ بونڈیہار میں دوران تدریس افتاء و قضاء کا کام بھی کرتے تھے۔ اپنی علالت اور ادارہ کے کاموں میں حد درجہ مشغولیت کی وجہ سے ۱۹۹۶ء میں اپنی نگرانی و تربیت میں یہ کام جامعہ سراج العلوم بونڈیہار کے استاذ جناب مولانا ابوالعاص و حیدری صاحب کے ذمہ لگا دیا اور بڑی توجہ سے ان کو استخراج مسائل اور فتویٰ نویسی کی تربیت دی۔ حیدری صاحب جو فتویٰ لکھتے مولانا رحمہ اللہ اس پر نظر ثانی کر کے مہر تصدیق مثبت کرتے۔ اس طرح کئی سالوں تک یہ کام ہوتا رہا۔ افسوس کہ مولانا کے لکھے ہوئے فتاویٰ و جواب محفوظ نہیں ہیں۔

انتظامی صلاحیت: مولانا محترم تدریسی، تربیتی، دعوتی اور علمی میدانوں ہی میں سرگرم عمل نہیں رہے، بلکہ انتظامی صلاحیت کے بھی مالک تھے۔ جس ادارہ میں بھی تشریف لے گئے وہاں کے نظم و نسق کو بہتر سے بہتر شکل دینے کی کوشش کرتے رہے۔ تقریباً ہر جگہ آپ عمادات (صدارت) کے عہدہ پر فائز رہے۔ بونڈیہار میں دوران تدریس ۱۹۸۲ء سے ۲۰۰۲ء تک انتظام و انصرام اور حساب و کتاب کی ساری ذمہ داریاں نہایت امانت و دیانت داری کے ساتھ اچھے ڈھنگ سے انجام دیں، جسے ادارہ کے ذمہ داران و اراکین نے کافی سراہا۔

ذمہ داریاں: اپنے ۶۵ سالہ تدریسی ایام میں جس ادارہ سے بھی منسلک ہوئے وہاں صدر مدرس / پرنسپل کی حیثیت سے آپ کا انتخاب عمل میں آیا۔ بونڈیہار ملازمت کے ابتدائی دو سالوں میں بحیثیت مدرس کام کرتے رہے۔ اس کے بعد ہی صدر مدرس اور شیخ الجامعہ کے عہدوں پر فائز ہوئے، بعد میں مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ مہتمم جامعہ کی وفات کے بعد آپ کو انتظامی اور مالی ذمہ داریاں بھی سونپ دی گئیں، جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔

اس کے علاوہ مختلف تعلیمی اداروں اور اسلامی تنظیموں کی امارت اور سرپرستی کی ذمہ داریاں بھی آپ کو تفویض کی گئی تھیں، جن کا اجمالی خاکہ درج ذیل ہے:

۱۔ جناب مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ نے مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ کی تحریک پر ملک کے مرکزی اور بین الاقوامی شہر دہلی کے جنوبی خطہ اوکھلائی دہلی میں کثیر مسلم آبادی پر مشتمل دو علاقوں ”بٹلہ ہاؤس اور ذاکر نگر“ کے مابین واقع جوگابائی میں ۱۹۸۰ء میں ابوالکلام آزاد اسلامک اوکیگنگ سنٹر، نئی دہلی کے نام سے کل ہند سطح پر ایک اسلامی تنظیم قائم کی، جس کے تحت معہدہ التعليم الاسلامی کی

شکل میں اس کا پہلا تعلیمی و تربیتی ادارہ وجود میں آیا۔ بعد میں وسائل اور مکانات کی فراہمی ہوتی گئی اور اس کی زیر نگرانی دہلی اور بیرون دہلی بیس سے زائد تعلیمی، تربیتی، دعوتی، تصنیفی، تحقیقی اور رفاہی ادارے قائم ہوئے جو ملک کے مختلف علاقوں میں دینی خدمات کے فرائض انجام دینے میں سرگرم عمل ہیں اور اپنی عمدہ کارکردگی کی بنیاد پر ملکی اور عالمی پیمانہ پر انہیں بنظر تحسین دیکھا جا رہا ہے۔

سنٹر کے صدر محترم عزت مآب جناب مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی رحمہ اللہ سے مولانا رحمہ اللہ کے اچھے تعلقات تھے، ان کی ہمہ جہتی خدمات سے وہ کافی متاثر تھے، ان کے نشاطات اور خوبیوں کا تذکرہ بطور تمثیل وہ دوسروں سے بھی کیا کرتے تھے۔ اس لئے مولانا رحمانی رحمہ اللہ نے ۲۸ دسمبر ۱۹۹۷ء کو باضابطہ مجلس عاملہ میں مولانا محمد عمر رحمہ اللہ کو سنٹر کا ممبر نامزد کیا۔ اس وقت سے تاحیات مولانا سنٹر کے معزز رکن رہے اور اس کی بقا اور ترقی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے۔

جب بھی ان کے سامنے صدر محترم اور ادارہ کے مفاد کے خلاف کوئی بات آتی، اسے گوارا نہ کرتے اور معاند کو ایسا سخت اور مسکت جواب دیتے کہ وہ آئندہ اس موضوع پر ان سے گفتگو کرنے کی ہمت و جرأت نہ کر پاتا۔ وہ ادارہ کے کافی ہمدرد اور ہی خواہ تھے اور اس سے لگاؤ کا نتیجہ تھا کہ اپنی شدید مصروفیات پر سنٹر کے کاز کو ترجیح دیتے ہوئے بیماری اور کبرسنی کے باوجود بھی سفر کی تمام صعوبتوں کو برداشت کر کے اس کی میٹنگوں اور اہم نشستوں میں شرکت کرتے اور اس کی تعمیر و ترقی کی بابت اپنے قیمتی اور مفید مشوروں سے نوازتے۔

۲۔ امیر ضلعی جمعیت اہل حدیث، گونڈہ، یوپی

۳۔ امیر ضلعی جمعیت اہل حدیث، بلرام پور، یوپی

۴۔ بانی و سرپرست مدرسہ سلفیہ نور العلوم، کھوڑارے بازار، بلرام پور، یوپی

۵۔ سرپرست مدرسہ دارالہدیٰ، گڑ رہیا، بلرام پور، یوپی

۶۔ سرپرست مدرسہ دارالہدیٰ محمودنگر، بلرام پور، یوپی

۷۔ سرپرست مدرسہ اسلامیہ بیرپور کوہل سدھارتھنگر، یوپی

مولانا رحمہ اللہ جب تک چلنے پھرنے کے لائق رہے، اپنی بیماری اور صحت کی پروا نہ کرتے ہوئے مختلف عوارض لاحق ہونے کے باوجود بھی ہر جگہ پہنچ کر اپنی مفوضہ ذمہ داریوں کو انجام دیتے رہے۔ طویل علالت اور بڑھاپے کی وجہ سے جب اعضاء کمزور ہو گئے اور سفر کرنا دشوار ہو گیا تو اس مجبوری کی وجہ سے آمد و رفت کا سلسلہ منقطع ہوا، لیکن اس کے باوجود بھی تمام اداروں کے ذمہ داران نے مذکورہ عہدوں کو آپ کی طرف منسوب رکھا اور آپ کی زندگی میں ان کا انتساب کسی دوسرے کی طرف کرنا پسند نہیں کیا۔

تنظیمات سے وابستگی اور موقف: مولانا رحمہ اللہ ایک باغیرت اہل حدیث عالم دین تھے۔ جماعتی تنظیموں کے علاوہ کسی

دوسری تنظیم سے وابستہ تھے، نہ موجودہ تحریکات کی شہرت و چمک دمک اور ان کے متبعین و متعلقین کی کثرت اور نوع بنوع خدمات پر مشتمل ان کے مظاہروں ہی سے مرعوب و متاثر ہوئے۔ آپ دین صحیح کی تعلیمات پر مبنی خالص اسلامی نظریہ کے حامل تھے۔ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے ثابت شدہ احکام و مسائل کے سلسلے میں بڑے محمس تھے اور ان پر چلنا ہی ان کا طرہ امتیاز تھا۔ عقائد و عبادات کے باب میں منہج

سلف کے تابع تھے اور اس سلسلہ میں ذرا بھی لچک پسند نہیں فرماتے تھے، بلکہ اسے دینی انحراف سے تعبیر فرماتے۔ اسلامی تعلیمات کی تبلیغ و ترویج میں کسی مصلحت بینی اور سمجھوتہ کے قابل نہیں تھے اور نہ ہی دینی مسائل کے استنباط کے تعلق سے احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت و مداخلت کو درست مانتے، بلکہ تمام احکام و مسائل کی تنفیذ و تطبیق اور ان پر عمل کے بارے میں شرع کے نصوص، اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین کے موقف کے پابند تھے اور اس سے متضاد افکار و نظریات کے حامل افراد و شخصیات کو ”الحب لله والبغض لله“ کے تحت کبھی خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اس طرح آپ میں حد درجہ دینی اور مسلکی غیرت و حمیت موجود تھی۔

عوامی تعلقات و روابط: اپنے دور ملازمت میں جہاں بھی رہے، تدریس و تنظیم کے ساتھ ہی درس، خطبات جمعہ، اجتماعات اور دیگر تقاریب میں شرکت کے ذریعہ وہاں کے مختلف علاقوں میں اپنا تبلیغی و اصلاحی مشن بھی جاری رکھا۔ اس مقدس فریضہ کی انجام دہی کے دوران آپ کے روابط و تعلقات کا حلقہ کافی وسیع ہو گیا اور وہاں کے لوگ آپ کی صلاحیت و صالحیت کے گرویدہ ہو گئے، جو نہ صرف دینی امور میں آپ سے رجوع کرتے تھے بلکہ اپنے عائلی، خاندانی اور سماجی مسائل و معاملات اور اختلافات کے تصفیہ اور حل کے لئے بھی آپ سے مشورہ طلب کرتے اور بسا اوقات حالات کی سنگینی کے پیش نظر آپ کو حکم کی حیثیت سے مدعو بھی کرتے تھے۔ مولانا رحمہ اللہ چھوٹے سے لے کر بڑے سے بڑے اچھے ہوئے مسائل و معاملات اور نزاعات کو اپنی فراست و دانائی اور حسن تدبیر سے بڑی آسانی کے ساتھ سلجھا دیتے تھے۔ اس سلسلہ میں انہیں مہارت حاصل تھی کہ جو بھی فیصلہ فرماتے فریقین اسے برضا و رغبت بے تامل تسلیم کر لیتے تھے۔

آپ اپنے علم و عمل سے صرف مسلمانوں میں مقبول خاص و عام نہ تھے بلکہ غیر مسلم بھی آپ کو نہایت ادب و احترام اور قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ آپ کی صداقت و سچائی، حسن اخلاق، حق گوئی، دینداری، میانہ روی اور علمی قابلیت کے سب معترف تھے۔ آپ کی انہیں خوبیوں کی وجہ سے وہ اپنے بہت سے معاملات میں مولانا رحمہ اللہ سے رائے بھی لیتے تھے، اس طرح کے لوگوں سے جب سابقہ پڑتا آپ نہایت خندہ پیشانی و رواداری سے ملتے اور ان کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آتے۔ ہمدردی و مروت کا سلوک کرتے اور ان کے مسائل میں پوری دلچسپی کے ساتھ حصہ لے کر حتیٰ المقدور ان کی دلجوئی فرماتے، نیز انہیں بلند اخلاقی قدروں کو اختیار کرنے کی تلقین بھی کرتے رہتے تھے۔

اس طرح اہل علم، دانشوران اور خواص سمیت عوامی سطح پر آپ کے عقیدت مندوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اسی مقبولیت ہی کی بنا پر آپ کے انتقال پر ملال کی خبر جنگل کی آگ کی طرح ہر طرف پھیلتے ہی آپ کی آخری دیدار کی سعادت حاصل کرنے اور تکفین و تدفین میں حصہ لینے کے لئے مقامی افراد کے ساتھ ہی ساتھ مضافات اور دور دراز علاقوں سے مسلم و غیر مسلم مرد و خواتین اور بچوں پر مشتمل سو گواروں کا ایک ہجوم اڈ پڑا اور نم نگاہوں سے آپ کو دیکھ کر اس احساس کے ساتھ سپرد خاک کیا کہ

آج کے بعد کی آپ کی ستائے گی

آپ کی یاد ہمیں بار بار آئے گی

جب کہ وہ زبان حال سے سب کو یہ پیغام دے رہے تھے:

تم بلاؤ گے ہم نہ بولیں گے
آج کے بعد لب نہ کھولیں گے

زندگی کا امتیازی وصف اور عظیم کارنامہ: کسی کے اندر صلاحیت کے ساتھ صلاحیت کا ہونا اس کے معتبر اور عالی مرتبت ہونے کی پہچان ہے۔ بحمد اللہ علم و عمل دونوں کے اعتبار سے مولانا رحمہ اللہ کی ذات گرامی ایک جامع اور ممتاز شخصیت تھی، آپ نے نہ صرف علمی اور انتظامی میدانوں میں ہی اپنی بے لوث خدمات اور عمدہ کارکردگی کا مظاہر کیا ہے، بلکہ سلوک و معاملات میں بھی نمایاں کردار کے حامل رہے ہیں۔ آپ ایک باغیرت و خوددار اور شریف النفس انسان تھے، حق گوئی و راست بازی، تواضع و انکساری اور حلم و بردباری آپ کی شناخت تھی، آپ کے اندر وہ تمام اونچی اخلاقی قدریں موجود تھیں جو کسی بھی انسان کو بلند مقام عطا کرتی ہیں اور ان صفات عالیہ کا اظہار آپ کی زندگی میں مختلف مواقع پر ہوتا رہا ہے۔

آپ کا دائرہ عمل تعلیم و تربیت اور علمی میدانوں تک ہی محدود نہ رہا، بلکہ سماج میں معاشی پریشانیوں میں مبتلا خستہ حال لوگوں کی خبر گیری بھی کرتے تھے اور ان کی مشکلات و مسائل کو ہر ممکن تدابیر اختیار کر کے حل کرنے کی جدوجہد فرماتے تھے۔

اپنے قیام بنگال کے دوران انہوں نے اس سلسلہ میں کئی لائق تحسین رفاہی کام انجام دیئے ہیں، ان میں بہت سی یتیم و نادار مسلم بچیوں کی شادیوں کے لئے مناسب رشتوں کی تلاش اور مصارف کا انتظام اور متعدد غریب مسلم گھرانوں کے بچوں اور بچیوں کی تعلیمی کفالت وغیرہ کے لئے سرمایہ کی فراہمی ہے۔

آپ کے سامنے جب بھی کوئی مسئلہ آتا گرچہ وقتی طور پر وہ کتنا ہی جذباتی ہی کیوں نہ ہوتا، اس پر فوری رد عمل کا اظہار نہ فرماتے بلکہ اس کے ہر زاویے اور جزئیات پر نہایت متانت و سنجیدگی اور ہوش مندی کے ساتھ غور فرماتے، اس کے بعد ہی اس سلسلہ میں کوئی مناسب رائے قائم کرتے۔

غلط افعال و اعمال کے صدور کے مواقع پر اظہار نفرت اور غصہ کا پیدا ہو جانا بشری خاصہ ہے، لیکن نصیح و درگزر کی راہ اختیار کرنا ہر ایک کے بس کا کام نہیں ہے۔ اس بارے میں مولانا رحمہ اللہ کی ذات گرامی جداگانہ اور منفرد تھی۔ کسی شخص کا کوئی بھی سنگین جرم اگر سزا و سزائش کا متقاضی ہوتا اور اس سلسلہ میں کارروائی ناگزیر ہوتی تو اس وقت آپ کے غم و غصہ پر عفو و درگزر اور اصلاح و تربیت کا پہلو غالب آجاتا تھا۔

بونڈ بیہار میں آپ کے تدریسی ایام کے دوران ایک مرتبہ کسی غلطی کے ارتکاب میں ایک طالب علم ماخوذ ہوا اور اس کے ساتھ کارروائی عمل میں آئی۔ وہ اپنا سامان وغیرہ لے کر مدرسہ سے باہر نکل گیا۔ بعد میں اسے اپنی کوتاہی کا زبردست احساس ہوا اور مدرسہ سے متصل شمالی جانب دریائے راپتی کے کنارے بیٹھ کر اپنے غلط کرتوت پر اظہار حسرت و ندامت کرتے ہوئے زیادہ دیر تک روتا رہا، جس کا علم ہوتے ہی آپ نے مدرسہ میں بلا کر اسے اپنی نصیحتوں سے نوازا۔ اس طرح آپ کے اس مشفقانہ برتاؤ سے اس کا تعلیمی سلسلہ منقطع ہونے سے رہ گیا اور بعد میں اس طالب علم نے کتاب و سنت کی صحیح تعلیمات پر مبنی اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور مسلک سلف کے احیاء اور ترویج کے لئے کارہائے نمایاں انجام دیئے، جس سے افراد جماعت اہل حدیث کا سرفخر اور خوشیوں سے بلند ہو گیا۔ فجزاہ اللہ خیراً۔
حق بات کہنے میں ضرب المثل تھے۔ دینی و منہجی مسائل ہوں یا دنیاوی و معاشرتی امور، ان کے سلسلے میں کسی سے متاثر ہوئے

بغیر نہایت جرأت و بے باکی کے ساتھ حق پر قائم رہتے اور اپنی اس عظیم خوبی و صفت کی وجہ سے سماج کے ہر طبقہ میں اعتماد و اعتبار اور قدر کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔

جہاں آپ کی تعلیم و تربیت سے بہت سے مدرسین، دعاۃ اور علماء و محققین پیدا ہوئے جو ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اسلام کی صحیح تعلیمات کی نشر و اشاعت میں منہمک ہیں وہیں آپ کی دعوتی کوششوں سے بہت سے گم گشتہ راہ اسلام توحید و سنت کا راستہ اختیار کر کے ہدایت یاب ہوئے، نیز بہت سے غریب و مفلس خاندان آپ کے ہمدردانہ سلوک سے مستفید ہوئے۔

تقریباً چالیس سال تک جامعہ سراج العلوم بونڈیہار سے منسلک رہے جو آپ کی مستقل مزاجی اور پختہ عزم و استقلال کا واضح ثبوت ہے۔ وفات سے تقریباً پانچ، چھ سال قبل بعض حالات کی بنا پر اپنی زندگی کو اس ادارہ کے لئے وقف کرنے کے باوجود بھی اس سے الگ ہو جانے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ رہا۔ اس صورت حال میں اپنی خودداری کے عین مطابق اس سے علاحدہ ہو جانا ہی اپنے لئے مفید سمجھا اور مجبوراً مستعفی ہو گئے۔

آپ ایک اصول پسند آدمی تھے اور دوسروں کو بھی اسی کی رغبت دلاتے تھے، کیونکہ یہ ایک ایسی عظیم صفت ہے جس سے کسی بھی انسان کے احساس ذمہ داری اور محاسن و معائب کا پتہ چلتا ہے۔ اس سلسلہ میں بڑی حساس طبیعت کے مالک تھے، خود اس تعلق سے اپنے اندر کمی آنے دیتے تھے اور نہ ہی دوسروں کی طرف سے اس طرح کی کوتاہیوں کو برداشت کر پاتے تھے۔

پابندی وقت کا یہ عالم تھا کہ بونڈیہار ملازمت کے دنوں میں سائیکل سے گھر آتے جاتے تھے، جو وہاں سے جنوب میں تقریباً ۲۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اسباق سے فراغت کے بعد روانہ ہوتے اور موسمی حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے صبح ہی پہلی گھنٹی میں واپس آجاتے، جب کہ ابتدائی ایام میں راستہ کافی خستہ اور مخدوش تھا اور کئی سالوں تک پیدل ہی سفر کرتے رہے، لیکن اس کے باوجود بھی اپنے معمولات میں کبھی فرق نہ ہونے دیا۔

ایشیاد و قربانی کا ایک ناقابل فراموش واقعہ: یوں تو آپ کی زندگی مختلف طرح کے کارہائے نمایاں سے بھرپور تھی، جن کے مختلف گوشوں ”بالخصوص آپ کے منہجی موقف اور استنباطی طریقہ کار“ پر مزید تفصیلی روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے، لیکن ان میں اخوت و مگساری اور ایشیاد و قربانی پر مشتمل حسب ذیل مومنانہ وصف و ظرف آپ کی زندگی کا عظیم کارنامہ ہے جو نایاب ناسہی تو کم یاب ضرور ہے۔

بنگال میں ملازمت کے دوران دونوں بھائیوں کے مابین گھریلو بٹوارہ کا معاملہ پیش آیا۔ اس موقع پر ان کے بڑے بھائی صدیق حسن رحمہ اللہ کافی تردد اور ذہنی الجھنوں میں مبتلا نظر آئے، جنہیں مولانا رحمہ اللہ کی نگاہ دور رس نے بھانپ لیا۔ بھائی سے وجہ سے معلوم کی۔ انہوں نے پوری زمین و جائیداد کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ”بھیا آپ ملازمت کر رہے ہیں اور میں بے روزگار ہوں، اسی زمین سے کسی طرح گزر بسر ہو رہا تھا، اگر اس میں سے آپ نے اپنا حصہ لے لیا تو میرے بچے بھوکوں مرجائیں گے، سب کچھ مجھے دے دیجئے، آپ کما کر زمین وغیرہ خرید سکتے ہیں۔“ مولانا رحمہ اللہ نے کہا: بس یہی چاہتے ہیں؟ جواب دیا ہاں۔ چنانچہ مولانا رحمہ اللہ نے اللہ کے فرمان ”وَيُؤْتِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ“ (الحشر: ۹) کی عملی تعبیر پیش کرتے ہوئے سب کچھ انہیں دے دیا اور اپنے کپڑے وغیرہ لینے کے لئے گھر میں بھی داخل نہیں ہوئے۔ خالی ہاتھ اسی وقت اٹھے اور اللہ پر توکل و بھروسہ

کرتے ہوئے وہاں سے شمال میں تقریباً دو کلومیٹر کی دوری پر واقع اپنے سسرال موضع اسمیلہ چلے گئے، جہاں کئی سالوں قبل ہی صدیق حسن رحمہ اللہ کی تحریک پر مولانا رحمہ اللہ کے خسر اپنی پوری فیملی کے ساتھ جمینی سے منتقل ہو کر آباد ہو گئے تھے۔

چونکہ مذکورہ صورت حال کے پیش نظر ان کے پاس رہائش کے لئے کوئی مکان نہیں رہ گیا تھا اس لئے اپنے بچوں کو وہیں چھوڑ کر بنگال چلے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد واپسی ہوئی اور اپنے بچوں کو ہمراہ لے گئے۔ اسی طرح کئی برسوں تک وہاں گزارا۔ بعد میں حالات قدرے بہتر ہوئے اور بنگال میں ملازمت کے دوران ہی اپنے خسر اور ساس وغیرہ کے مشورے سے اسمیلہ کے قریب ہی موضع اوسانی فیروز میں کچھ زمین اور ایک باغ کی خریداری کی اور کچھ وقفہ کے بعد مذکورہ گاؤں ہی میں اپنا ذاتی مکان بھی تعمیر کرایا اور وہیں مستقل طور پر آباد ہو گئے جو تا ہنوز باقی ہے۔

زہد و ورع: مولانا رحمہ اللہ کافی متدین اور شرع کے پابند تھے۔ فرائض و واجبات اور دیگر اسلامی احکام و مسائل کا حد درجہ التزام کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کو زندگی ہی میں نمونہ سلف کا خطاب دے دیا گیا تھا۔

جامعہ سراج العلوم کی جامع مسجد میں آپ ہی امامت کا فریضہ انجام دیتے تھے، خصوصاً صلاۃ فجر میں قرآنی آیات ایسے سوز و گداز کے انداز و لہجہ میں پڑھتے تھے کہ بڑی بڑی سورتیں بھی مختصر معلوم ہوتی تھیں۔ دوران قرأت معانی و مفاہیم کے اعتبار سے آواز بلند اور پست ہو جایا کرتی تھی، جس سے رقت و خوف کا ایک سماں قائم ہو جاتا تھا اور سخت سے سخت دل انسان بھی اشکبار ہو جایا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ بونڈیہار اور اس کے اطراف و اکناف میں زبردست قحط پڑا۔ صلاۃ استسقاء پڑھانے کے لئے مدرسہ کے مہتمم جناب مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ نے انہیں آگے بڑھایا۔ اس موقع پر مولانا رحمہ اللہ نے جیسے ہی دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا، چلچلاتی ہوئی دھوپ و گرمی آہستہ آہستہ کم ہونے لگی اور پورا آسمان گھنگھور کٹھاؤں سے ایسا بوجھل ہوا کہ ہر چہار جانب اندھیرا چھا گیا اور ابھی دعاؤں کا سلسلہ ختم نہیں ہوا تھا کہ بارانِ رحمت کا نزول شروع ہو گیا اور اتنی زبردست موسلا دھار بارش ہوئی کہ دیکھتے ہی دیکھتے ندی، نالے سب بھر گئے اور چند ہی دنوں کے بعد ہر طرف سوکھے ہوئے پودے لہلہاٹھے اور اس سال بڑی اچھی فصل ہوئی۔

مولانا موصوف کی دعاؤں کی قبولیت اس قدر معروف ہوئی کہ اس کے بعد جب بھی بارش کی کمی محسوس کی جاتی، قحط سالی سے فصلیں سوکھنے لگتیں تو لوگ کہتے کہ مولانا سے دعا کرو، قحط دور ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کو شرف قبولیت عطا کر کے انہیں جنت الفردوس میں داخل فرمائے، آمین۔

شادی اور اولاد و احفاد: مولانا رحمہ اللہ کی شادی اکبر پور جمینی، یوپی کی متوطنہ فاطمہ الزہراء (ان کے والدین غیر مسلم تھے، اسی

حالت میں ان کی اور ایک بھائی کی ولادت ہوئی تھی۔ ابھی یہ چھوٹے ہی تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اس کے کچھ دنوں کے بعد ان کی ماں نے اسی کفر کی حالت میں اپنے ایک اہم مشرب سے دوسری شادی کر لی اور ان دونوں بچوں کو ہمراہ رکھا، بعد میں دونوں میاں بیوی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ انہیں کے ساتھ ہی یہ بھائی بہن بھی مسلمان ہو گئے۔ ان کے اخیافی والد نے اپنا اسلامی نام دین محمد، بیوی کا نام رقیہ، بچے کا نام عبدالسلام اور بچی کا نام فاطمہ الزہراء رکھا۔ اسلام لانے کے بعد دو بچے اور ایک بچی مزید پیدا ہوئے جن کا نام بالترتیب محمد یوسف، اسماء خاتون اور عبدالسبحان رکھا جن کی کفالت و نگہداشت اور تعلیم و تربیت کے معاملہ میں مولانا رحمہ اللہ نے بڑا کلیدی کردار ادا کیا۔ انہوں نے بنگال میں اپنی ملازمت کے دوران اپنی اہلیہ کے سگے بھائی

عبدالسلام صاحب کا داخلہ مدرسہ شمس الہدیٰ دلال پور میں کرا دیا اور وہاں انہوں نے ادنیٰ سے لے کر فضیلت تک کی تعلیم حاصل کر کے سند فراغت حاصل کی۔ اسی طرح انہوں نے محمد یوسف اور اسماء کو بھی دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کی مکمل کوشش کی لیکن ان کا یہ خواب ثمرندہ تعبیر نہ ہو سکا۔) نامی خاتون سے ہوئی۔ ان سے بالترتیب محمد عرفان، عبدالرحمن، عبید اللہ، عارفہ خاتون، حمیرہ خاتون، عبید الرحمن، نانمہ خاتون، محمد احمد پر مشتمل پانچ بیٹے اور تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ ان میں دو بیٹے محمد عرفان اور عبدالرحمن کی بارہ اور دس سالوں کی عمر میں ایک بیٹی عارفہ خاتون کی بارہ سال کی عمر میں وفات ہوگئی۔ باقی تین بیٹے اور دو بیٹیاں باحیات ہیں۔

مولانا کی کنیت ”ابوالعرفان“ ان کے بڑے بیٹے محمد عرفان کی طرف منسوب ہے۔

مذکورہ تین باحیات لڑکوں میں ڈاکٹر عبید اللہ صاحب علیگ کی شادی حکیم عبید اللہ رحمہ اللہ کشمیری متوطن رائے بریلی رحمہ اللہ کے بھائی حکیم عبید الرحمن صاحب موضع دودھونیا، سدھارتھ نگر یوپی کی لڑکی سے ہوئی ہے اور ان سے صرف ایک بچی پیدا ہوئی جو شادی شدہ ہے۔ مولانا عبید الرحمن صاحب سلفی کی شادی تلسی پور، بلرام پور یوپی میں ابوطالب صاحب کی بچی سے ہوئی ہے جن سے ایک بچہ اور پانچ بچیاں ہیں اور محمد احمد کی شادی اکبر پور جمینی، سدھارتھ نگر، یوپی کے محمد صالح صاحب کی لڑکی سے ہوئی ہے، جن سے چار لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں۔

موجودہ دونوں لڑکیوں میں حمیرہ کا عقد نکاح مولانا عبدالرحمن صاحب سلفی ساکن اکبر پور جمینی سے ہوا ہے۔ ان سے دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں، جب کہ نانمہ کی شادی کواپور، بلرام پور، یوپی کے مولانا محمد بیچلی رحمہ اللہ سے ہوئی تھی۔ افسوس کہ ان کا جوانی ہی میں انتقال ہو گیا۔ ان کے یہاں ایک لڑکا اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں جن میں بالترتیب لڑکا دوسرے نمبر پر ہے اور اس کی عمر تا وقت تحریر تقریباً آٹھ سال ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اہلیہ اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے اور اپنے خزانہ غیب سے ان یتیموں کی کفالت کے اسباب و وسائل کی فراہمی کرے، آمین۔

اس طرح مولانا رحمہ اللہ کی موجودہ اولاد و اتحاد کی کل تعداد ۳۲ افراد پر مشتمل ہے۔

معاشی حالات: والد رحمہ اللہ کے دور میں انتقال مکانی کے سبب معاشی حالت کوئی بہتر نہ تھی اور حقیقت تو یہ ہے کہ طلب عقبی کی فکر میں اس طرف کوئی خاص توجہ بھی نہیں تھی، اس لئے مولانا رحمہ اللہ کے طالب علمی کا دور معاشی تنگی کا رہا۔ ادھر فراغت کے بعد تقسیم ملک کا عظیم سانحہ پیش آنے کی وجہ سے ابتدائی تدریسی ایام میں بھی اقتصادی پوزیشن بد حالی ہی کا شکار رہی۔ بنگال قیام کے دوران اس میں کچھ سدھار آنا شروع ہوا تو اسی اثناء میں گھریلو زمین و جائیداد کے بٹوارہ کے وقت آپ کے جذبہ ایثار و قربانی سے سرچھپانے تک کی جگہ نہ رہی۔ چند سالوں تک یوں ہی گزرا، اس کے بعد حالات بتدریج بہتر ہونے لگے اور آپ نے نہایت احتیاط و کفایت شعاری سے کام لے کر زمین و جائیداد خریدنا شروع کی اور اس سلسلہ میں قدرے اطمینان کے بعد مکان بھی تعمیر کر لیا۔ ابھی مالی حالات مستحکم نہ ہوئے تھے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت اور ان کی شادی و بیاہ کے مسائل پر مشتمل مصارف کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ پھر کیا تھا کسی طرح زندگی کی گاڑی آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ آخر کار وہ وقت منتظر آ پہنچا کہ بچے آپ کا سہارا بن سکیں۔ آپ کے بڑے لڑکے عبید اللہ صاحب جامعہ اثریہ مونا تھ بھنجن یوپی سے فراغت کے بعد طبیبہ کالج المسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے طب کی تکمیل کے بعد پریکٹس کرنے لگے اور عبید الرحمن نے جامعہ سلفیہ بنارس

سے فضیلت کرنے کے بعد ممبئی کے ایک تاجر کے یہاں ملازمت اختیار کر لی اور وہاں چند سال گزارنے کے بعد ملازمت ہی کی غرض سے سعودی چلے گئے، جہاں بعد میں انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی محمد احمد کو بھی بلا لیا جو ایک طویل عرصہ سے وہاں رہ رہے ہیں۔

تینوں بچوں کے برسر روزگار ہو جانے کی وجہ سے مولانا رحمہ اللہ کے بڑھاپے کے دور میں ان کی معاشی حالت کافی بہتر ہو گئی تھی، انہوں نے اپنے وطن اوسانی سے جنوب دوکلو میٹر کی دوری پر واقع ایک اچھے محل وقوع اور مرکزی مقام پر لیب سڑک ایک قطعہ اراضی خرید رکھی تھی، اس پر وسیع وعریض ایک خوبصورت دمنزلہ بلڈنگ تعمیر کی، زمین وجائیداد میں اضافہ کیا، مذکورہ بازار ہی میں ایک دوسری عمارت بنوائی۔ مزید پلاسٹس خریدے اور تلسی پور میں بھی ایک مکان تعمیر کیا۔ اس طرح خوشحالی اور ترقی کی راہوں پر رواں دواں رہے۔

پسندیدہ علمی شخصیات: مولانا رحمہ اللہ چونکہ دینی فکر و مزاج کے تھے اس لئے وہ علماء اور علمی شخصیات کے نہایت قدر داں تھے، بالخصوص ان عظیم ہستیوں کے کافی مداح تھے، جن کے افکار و نظریات دین صحیح اور اس کی تعمیر و ترجمانی کے سلسلے میں کتاب و سنت کی تعلیمات پر مبنی سلف صالحین کے منہج کے مطابق ہیں۔ اس تعلق سے قدیم و جدید علماء میں وہ جن شخصیات سے ان کے ٹھوس دینی مناہج، علمی کمالات اور ہمہ جہتی اسلامی خدمات کی بنیاد پر زیادہ متاثر تھے انہیں درج ذیل دو ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

متقدمین علماء: حافظ ابن حجر عسقلانی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، شیخ الاسلام علامہ ابن قیم الجوزیہ شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب نجدی اور شیخ الحدیث عبدالرحمن مبارکپوری رحمہم اللہ۔

معاصرین علماء: شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ، شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ، سعودی عرب، شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ، شیخ محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ، پاکستان، مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی رحمہ اللہ، مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھی، مولانا عبداللہ سعیدی جمہوری رحمہ اللہ، مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ، بونڈی بہار، مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ دہلی، مولانا عبدالقدوس صاحب رحمہ اللہ ٹکریا، مولانا ناریس الاحرار ندوی رحمہ اللہ اور شیخ الحدیث عظیم اللہ منوی رحمہ اللہ۔

بونڈی بہار سے علاحدگی کے بعد کا دور: جامعہ سراج العلوم بونڈی بہار چھوڑ دینے کے بعد تعلیمی و تربیتی اور انتظامی میدانوں میں آپ کی قابل قدر خدمات کے پیش نظر مختلف اسلامی درس گاہوں کے صدور، نظماء اور ذمہ داران کی طرف سے تعلیم و تربیت اور انتظامات کی ذمہ داریاں سنبھالنے کی پیشکش کی گئی، لیکن چونکہ آپ نے اپنی زندگی کو آخری دم تک مذکورہ ادارہ کے لئے وقف کر دیا تھا، اس لئے اس سے علاحدگی کے بعد کسی دوسری جگہ جانے کے لئے تیار نہ ہوئے اور وطن میں قیام پذیر رہ کر علاقہ کی مختلف مساجد میں دروس و حدیث اور خطبات جمعہ کے ذریعہ دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتے رہے، اور آپ کا یہ دعوتی سلسلہ آپ کی وفات سے تقریباً ایک سال قبل تک جاری رہا۔

اسی دوران آپ نے کھوڑارے بازار میں واقع اپنے قائم کردہ اسلامی درس گاہ ”مدرسہ انوار العلوم“ کی تعمیر و ترقی کے لئے بھی بھرپور جدوجہد کی جس کے نتیجے میں مدرسہ کی عمارت تعمیر ہوئی، مزید اس کی دوسری منزل کی پوری دیواریں تیار ہوئیں، مدرسین اور طلبہ و طالبات کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا اور مدرسہ کے ذرائع آمدنی کے لئے حلقہ بھی وسیع ہوا۔

ایوارڈ: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے زیر اہتمام بتاریخ ۱۳، ۱۴، ۱۵ مارچ ۲۰۰۴ء بمقام پاکوٹ، چھارکھنڈ کتاب و سنت کی دعوت اور انسانیت کے موجودہ مسائل کے موضوع پر منعقدہ اس کی اٹھائیسویں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے موقع پر تعلیم و تربیت، دعوت و ارشاد، تصنیف و تالیف، ترجمہ و تحقیق، علمی اور رفاہی میدانوں میں نمایاں کارکردگی کی بنیاد پر ملک کے سترہ نامور علماء کرام کو جمعیت کی جانب سے توصیفی اسناد اور تشجیحی رقوم پر مشتمل ایوارڈ دیا گیا تھا۔ ان فیضیاب اہم شخصیتوں میں مولانا رحمہ اللہ بھی شامل تھے، بلکہ ترتیب میں آپ کا نام چھٹے نمبر پر تھا۔

بیماری اور وفات: مولانا رحمہ اللہ گزشتہ ۳۵ سالوں سے ذیابیطیس جیسی خطرناک مہلک بیماری میں مبتلا تھے، ان کی عمر بھی تقریباً ۹۶ سال کی ہو چکی تھی، ضعف اور کبرسنی کی وجہ سے مذکورہ بیماری نے مزید کئی بیماریوں کو جنم دے دیا تھا، جن سے قوت بینائی، قوت سامعہ بلکہ حواس خمسہ کافی متاثر ہو چکے تھے۔ ایک سال قبل فالج کا حملہ بھی ہوا تھا، جس کا علاج بھی جاری تھا، خصوصاً آخر الذکر بیماری لاحق ہو جانے سے کافی نقاہت و کمزوری محسوس کرنے لگے تھے، اس لئے بیچ وقتہ صلوات کی ادائیگی کے لئے مسجد جانے سے مجبور تھے، البتہ انہیں متعینہ اوقات پر ہی بڑے اہتمام کے ساتھ گھر میں ادا کرتے تھے۔ جمعہ کے دن مسجد جانے کے لئے بے قرار رہتے تھے اس لئے ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے کسی سواری کے ذریعہ انہیں مسجد لے جایا جاتا تھا۔ بحمد اللہ آخری وقت تک وہ صاحب فراش نہ ہوئے، ٹوائلٹ وغیرہ خود چلے جایا کرتے تھے۔ چونکہ کھوڑارے بازار میں واقع اسی گھر میں ان کے بڑے صاحب زادہ ڈاکٹر عبید اللہ صاحب اثری علیگ کا مطب ہے، جہاں ہمیشہ وہ رہتے ہیں ان کے بقول مولانا رحمہ اللہ چونکہ ان کے ساتھ ہی رہتے تھے، اس لئے ان کی صحت، علاج و معالجہ اور ان کے کھانے پینے پر خاص توجہ رکھی جا رہی تھی۔ گھر میں رہنے کی وجہ سے جب بھی اکتاہٹ محسوس کرتے اس وقت دواخانہ سے باہر کبھی چوکی پر خود ہی آکر بیٹھ جایا کرتے تھے۔ اس طرح وہ کافی افاقتہ محسوس کر رہے تھے۔ اسی دوران مورخہ ۷ مارچ ۲۰۱۰ء کو اچانک ان کی طبیعت بگڑ گئی۔ اسی دن علاج کے لئے انہیں بستی لے جایا گیا وہاں سے واپسی کے بعد اطباء کے مشوروں سے انہیں گھر پر رکھا گیا اور علاج چلتا رہا۔ درمیان میں ایک دن گزرنے کے بعد ۹ مارچ ۲۰۱۰ء کی شب میں ۳ بجے ان کی صحت مزید بگڑ گئی اور ۹ مارچ ۲۰۱۰ء بروز منگل ہی کو بوقت ۱۲ بجے دن بمقام کھوڑارے بازار، بلرام پور یوپی، ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

صلاة جنازہ پڑھانے سے متعلق مولانا رحمہ اللہ کی کوئی وصیت نہیں تھی، البتہ ان کے صاحب زادگان مولانا عبید الرحمن صاحب سلفی اور محمد احمد صاحب جوان دنوں سعودی عرب میں ملازمت کر رہے ہیں، انہوں نے مولانا کی وفات کی خبر سنتے ہی اپنے بڑے بھائی ڈاکٹر عبید اللہ صاحب علیگ کو تاکید کی کہ مولانا عبدالسلام صاحب رحمانی ریکٹر جامعہ سراج العلوم بونڈی بہار ہی صلاة جنازہ پڑھائیں، چنانچہ انہیں کے حسب منشا مورخہ ۱۰ مارچ بروز بدھ بوقت ساڑھے دس بجے دن مولانا رحمانی صاحب رحمہ اللہ نے ان کی صلاة جنازہ پڑھائی اور آپ کی آخری وصیت کے مطابق موضع ڈال ڈیہہ کے قبرستان میں آپ کے والدین کے جوار میں، آپ کے اہل خانہ، رشتہ داروں، شاگردوں، ساتھیوں اور عقیدت مندوں پر مشتمل تقریباً دو ہزار سو گواروں نے چشم نم آپ کو ہمیشہ کے لئے

سپر د خاک کر کے مولائے حقیقی کے حوالہ کر دیا۔ اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه وابد له داراً خيراً من داره وأهلاً خيراً من اهله وادخله الجنة وأعد له من عذاب القبر وعذاب النار۔

وصیت: مولانا رحمہ اللہ تقریباً چالیس سال تک جامعہ سراج العلوم بونڈیہار سے منسلک رہے اور تعمیر و ترقی میں انہوں نے بھرپور حصہ لیا۔ اس دوران اگر کہیں جانا ہوتا تو وہاں بھی اس کی فکر انہیں دامن گیر رہتی تھی۔ ادارہ سے اپنی حد درجہ اپنائیت اور لگاؤ کی بنیاد پر انہوں نے اپنے آپ کو اس کی خدمت کے لئے تاحیات وقف کر دیا تھا، اس لئے ان کی دلی خواہش تھی کہ مرنے کے بعد بھی اس ادارہ سے قریب ہی رہیں، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی ہی میں جامعہ کے ذمہ داران سے اپنی برزخی خواب گاہ کے لئے چند گز زمین کا مطالبہ کرتے ہوئے اس ادارہ کے جوار میں اپنی تدفین سے متعلق وصیت کی تھی جسے بنظر تحسین دیکھا گیا اور ان کے انتقال کے موقع پر جب اس تعلق سے اس ادارہ کے وکیل الجامعہ جناب مولانا عبدالسلام رحمانی صاحب رحمہ اللہ نے مولانا رحمہ اللہ کے صاحب زادہ ڈاکٹر عبید اللہ صاحب علیگ سے بذریعہ فون گفتگو کی تو انہوں نے کہا کہ والد صاحب کی آخری خواہش یہی تھی کہ ان کو ان کے والد کے پہلو میں دفن کیا جائے، چنانچہ اس پر عمل کیا گیا۔

مولانا کے علمی اور معنوی جانشین: مولانا نے اسلامی خطوط پر اپنے بچوں کی تربیت کی اور ان کے دو بیٹے اسلامی درس گاہ سے فارغ بھی ہوئے، لیکن انہوں نے اپنا راستہ تبدیل کر لیا، اس لئے حقیقت تو یہ ہے کہ ان کا کوئی علمی جانشین نہیں ہے البتہ تدین و تقویٰ میں ان کی اولاد ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کر رہی ہے۔

آخری خواہش: اپنی زندگی میں تمام بچوں اور بچیوں کی شادیوں سے فراغت حاصل کر لی تھی۔ ادھر معاشی حالت بھی مضبوط ہو گئی تھی اور بچے مزید ترقی کی راہ پر رواں دواں تھے، اس لئے ان کی کوئی دنیاوی خواہش باقی نہیں رہ گئی تھی بلکہ انہیں فکر آخرت ہمیشہ لاحق رہتی تھی۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں دنیا سے بالکل بیزار ہو چکے تھے اور ہر ملنے جلنے والے سے یہی خواہش ظاہر کرتے تھے کہ میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے پاس جلد بلا لے۔ میں موت کے پیغام کا منتظر ہوں، میرا دل اسی سلسلہ میں معلق ہے کہ پتہ نہیں کب وقت اجل آئے۔

خاتمہ بالخیر: آخر کار نظام قدرت ”کل نفس ذائقة الموت“ کے تحت ان کی یہ خواہش پوری ہوئی اور ڈاکٹر صاحب کے بقول کلمہ لا الہ الا اللہ کا ورد کرتے ہوئے اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ سقی اللہ ثراہ وجعل الجنة مثواہ۔

ہے دعائے غم زدہ بندے کی نگرانی رہے
حشر کے جملہ مراحل میں بھی آسانی رہے
حکم سے حاضر ہے بندہ اب ترا تیرے حضور
جنت الفردوس میں تیری نگہبانی رہے

(شائع شدہ ماہنامہ التبیان ممی، جون ۲۰۱۸ء)



استاذ گرامی مولانا محمد حنیف فیضی مدنیؒ مغربی چمپارن بہار

سابق استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

ولادت ۱۹۵۱ء۔ وفات ۲۰۱۲ء

عبدالحکیم عبدالمعجود المدنی

جامعہ سلفیہ بنارس میں دوران طالب علمی جن تین اساتذہ کرام کو مدینہ یونیورسٹی سے فراغت کے بعد تقرری ملی، ان میں معروف محقق استاذ گرامی ڈاکٹر عبدالرحمن فریوائی، امیر جماعت استاذ محترم شیخ اصغر علی امام مہدی سلفی اور تیسرے صاحب ترجمہ استاذ مکرم مولانا محمد حنیف فیضی رحمہ اللہ تھے۔ بھرا بدن، درمیانہ قدم، میانہ چال، متانت و سنجیدگی سے بھرپور چہرہ اور انتہائی باوقار لب و لہجہ، وقت کی پابندی کے ساتھ ساتھ بڑے صاحب مطالعہ اور وسیع علم اور تدریس کا بھرپور ہنر اور ملکہ چنانچہ ٹھیٹھ اور سخت سمجھی جانے والی درسی کتابیں آپ ہی جیسے اصحاب علم فن کے حصے میں آیا کرتی تھیں۔ تفسیر بیضاوی، بدایۃ المجتہد، امتناع العقول جیسی مشکل ترین سمجھی جانے والی کتابوں کی تدریس کے ساتھ آپ فرائض اور علم المیراث کے بھی ماہر مانے جاتے تھے اور السراجی بھی آپ کے نام سے جدول الحصاص میں آویزاں کر دی جاتی تھی۔ جو بھی دیا گیا اور جس فن کو ہاتھ لگا یا حق درس ادا کر دیا۔ اور جب کسی مضمون اور عنوان پر قلم اٹھایا تو تحقیق و توفیق کے ساتھ بھرپور انداز میں اسے قاری کے لئے مفید بنایا۔ صاحب دیوان گلشن پر آپ کے قسط وار مضامین کافی پسند کئے گئے۔ جامعہ اسلامیہ فیض عام منو میں دس سال اور جامعہ سلفیہ بنارس جیسی مرکزی درس گاہ میں ۲۱ سالوں کا طویل تدریسی سفر طے کرتے ہوئے علم و عمل کا یہ گوہر نایاب منو کی سرزمین میں غروب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، مجھے بھی جامعہ سلفیہ میں آپ کی شاگردی کا شرف ملا۔ رب العالمین غریق رحمت فرمائے۔ ذیل کے سطور آپ کی حیات و خدمات پر مشتمل ہدیہ قارئین ہے۔

نام و نسب: مولانا حنیف فیضی مدنی بن عبدالرشید

تاریخ پیدائش: یکم جنوری ۱۹۵۱ء

وطن: مظہر یا گاؤں، نرکٹیا گنج، مغربی چمپارن، بہار، انڈیا

تعلیمی مراحل: ۱۔ ابتدائی تعلیم مقامی مکتب میں مولانا ناندیر عالم چمپارنی (متوفی ۱۹۹۳ء) سے حاصل کی۔ ۲۔ اس کے بعد

۱۹۶۰ء میں قائم شدہ مدرسہ منظر العلوم واقع بلیرام پور مغربی چمپارن میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے داخل ہوئے اور دو سال تک یہاں کے اساتذہ کرام بالخصوص مولانا منظور الحق بلیرامپوری (متوفی ۱۹۶۲ء) سے کسب فیض کیا۔ آپ کے رفقاء درس میں ہمارے

استاذ گرامی مولانا احمد مجتبیٰ مدنی اور دوسرے ساتھی مولانا محمد ادریس تھے۔ ۳۔ ۱۹۶۲ء میں جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو میں جماعت ادنیٰ میں داخلہ ہو گیا اور پھر یہیں پوری یکسوئی سے ۱۹۶۹ء تک مختلف اساطین علم و فن سے فیضیاب ہوتے رہے۔ ۴۔ ۱۹۶۹ء میں جامعہ فیض عام مئو سے فراغت حاصل کی۔ ۵۔ اس کے بعد ناظم مولانا محمد احمد صاحب مئو متوفی (۱۹۸۲ء) کے مشورے اور خرچ پر دارالعلوم دیوبند گئے اور وہاں منطق و فلسفہ کی تعلیم حاصل کی اور واپس فیض عام تدریس سے وابستہ ہو گئے۔ ۶۔ فیض عام میں تدریس کے دوران عالم اسلام کی عظیم یونیورسٹی جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ کی کوشش کرتے رہے یہاں تک کہ دس سال کی ایک طویل مدت تک جدوجہد کے بعد ۱۹۸۰ء میں منظوری مل گئی۔ وہاں آپ نے لیسانس و کلیتہ کی ڈگری حاصل کی اور اچھے نمبرات سے کامیاب ہوئے۔ اس سلسلے میں مولانا خود رقم طراز ہیں کہ میں نے ۱۹۷۷ء میں جب مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ کے لئے کوشش شروع کی تو آپ سے توصیه کا طالب ہوا لیکن کامیاب نہ ہو سکا، کیونکہ اس وقت توصیه نہ لکھتے تھے بہر حال میں نے اپنی کوشش جاری رکھی بفضلہ تعالیٰ داخلہ ہو گیا اور منظوری کا لیٹر بھی آ گیا لیکن بد قسمتی سے ویزہ اور ٹکٹ نہیں لگا، جس کی وجہ سے اس وقت میں نہیں جاسکا پھر دوسرے سال کوشش جاری رکھی، کامیابی نہیں ہوئی، اسی طرح مسلسل تین سال گزر گئے پھر چوتھے سال وہاں جانا نصیب ہوا۔ (ماہنامہ محدث شیخ الحدیث نمبر جنوری و فروری ۱۹۹۷ء)، ۷۔ اس کے بعد المعهد العالی مکہ مکرمہ میں ماجسٹر میں داخل ہوئے اور اچھے نمبرات سے آپ نے وہاں سے ماجسٹر کی تکمیل کی۔ ۱۹۸۸ء میں آپ واپس ہندوستان آئے اور جامعہ سلفیہ سے منسلک ہو گئے۔ ۸۔ عربی فارسی بورڈ الہ آباد سے عالم وغیرہ کے امتحانات بھی اچھے نمبرات سے پاس کئے تھے۔

مشاہیر اساتذہ: آپ کے اساتذہ کرام میں قابل ذکر نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ مولانا نذیر احمد چمپارنی (متوفی ۱۹۹۳ء) تلمیذ مولانا ابوالقاسم سیف بناری و مولانا منیر احمد خاں بناری، ۲۔ مولانا منظور الحق بلیرامپوری متوفی ۱۹۷۲ء، ۳۔ مولانا محمد احمد ناظم صاحب مئو (متوفی ۱۹۸۲ء)، ۴۔ مولانا مفتی حبیب الرحمن فیضی (متوفی ۱۹۹۶ء)، ۵۔ مولانا شمس الحق سلفی (متوفی ۱۹۸۶ء)، ۶۔ مولانا ضعی الرحمن مبارکپوری (متوفی ۲۰۰۶ء)، ۷۔ مولانا محمد الاعظمی تادم تحریر باحیات ہیں، ۸۔ قاری عبدالسبحان صاحب مئو۔

سند اجازہ: شیخ الحدیث عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ سے آپ کے گہرے مراسم تھے اور ہر موقع پر آپ شیخ صاحب سے استفادہ کی بھرپور کوشش کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ۱۹۸۸/۷/۳۰ء کو شیخ صاحب سے حدیث میں سند اجازہ حاصل کی، اور اس کے بعد ۱۹۹۸/۷/۷ء کو مد (پیمانہ) کی سند سے بھی سرفراز ہوئے۔ (محدث شیخ الحدیث نمبر)۔

مشاہیر تلامذہ: آپ نے جامعہ فیض عام مئو اور جامعہ سلفیہ بنارس جیسی جماعت کی عظیم درسگاہوں میں برسوں تدریسی خدمات انجام دیئے ہیں اس لئے بلاشبہ آپ کے شاگردان و تلامذہ کی ایک لمبی تعداد ہو گئی۔ ذیل میں چند قابل ذکر اسمائے گرامی درج ہیں۔

۱۔ مولانا شفاء اللہ فیضی، ۲۔ مولانا محمد خالد فیضی، ۳۔ مولانا مسعود عالم فیضی، ۴۔ مولانا شفاق سجاد تیبی، ۵۔ مولانا ارشد امان اللہ سلفی، ۶۔ مولانا ابوالقاسم اثری، ۷۔ خاکسار راقم عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی، ۸۔ مولانا مطیع اللہ حقیق اللہ مدنی، ۹۔ مولانا عبد الجبار

انعام اللہ سلفی، ۱۰۔ عبدالسلام شکیل احمد سلفی مدنی، ۱۱۔ مولانا زبیر احمد عبدالعزیز المدنی وغیرہم کثیر۔

تدریسی ودعوتی خدمات: ۱۔ جامعہ فیض عام منوں سے فراغت کے بعد دسمبر ۱۹۷۰ء سے ۱۹۸۰ء یعنی دس سال تک آپ مادر علمی میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے، اس کے بعد اعلیٰ تعلیم اور بحث و تحقیق میں مہارت کے لئے مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ چلے گئے۔
۲۔ مدینہ یونیورسٹی اور المعہد العالی مکہ مکرمہ سے فراغت کے بعد جون ۱۹۸۸ء میں آپ رابطہ عالم اسلامی کے ابتعاث پر جامعہ سلفیہ بنارس تدریس سے منسلک ہو گئے اور مسلسل ۲۱ سالوں تک تشنگان علم و عرفان کو فیض پہنچاتے رہے اور جولائی ۲۰۰۹ء تک آپ وہاں تدریس سے منسلک رہے۔

۳۔ جامعہ سلفیہ بنارس میں فرائض، اصول فقہ، تفسیر بیضاوی اور موطا امام مالک اور سنن ابی داؤد جیسی اہم ترین کتابیں زیر درس رہا کرتی تھیں۔

۴۔ جامعہ سلفیہ کی عالی شان مسجد اور اس کے علاوہ شہر بنارس کی دیگر مساجد اہل حدیث میں آپ خطبات جمعہ بھی دیا کرتے تھے۔
۵۔ کئی سالوں تک جامعہ کے شعبہ افتاء سے بھی وابستہ رہے اور مختلف مسائل و احکام پر علمی و فقہی انداز میں فتاویٰ لکھتے رہے۔
۶۔ جامعہ سلفیہ میں منتہی طلباء کے مقالات کی نگرانی اور تربیت پر مامور تھے اور یہ کام بڑی محنت اور اصول پسندی سے انجام دیا کرتے تھے۔

۷۔ ملکی سطح پر منعقد ہونے والی کانفرنسوں اور سیمیناروں میں بھی مدعو کئے جاتے اور قیمتی و تحقیقی مقالات سے سامعین کو مستفید کیا کرتے تھے۔

۸۔ جہاں کھنڈ کے مختلف علاقے بالخصوص چھوٹا ناگپور اور سنھتال و پرگنہ کے علاقوں میں مختلف موسم میں دعوتی دورے کیا کرتے تھے اور بسا اوقات ان علاقوں میں توحید و سنت کی دعوت پہنچانے کے لئے پیدل بھی سفر کیا کرتے تھے۔

تصنیفی خدمات: آپ ایک بہترین محقق اور کہنہ مشق قلم کار تھے۔ جماعت کے مختلف جرائد و مجلات میں آپ کے علمی مضامین شائع ہوتے رہتے تھے۔ خاص طور پر ماہنامہ محدث بنارس میں آپ ہمیشہ کچھ نہ کچھ تحریر فرمایا کرتے تھے۔ میرے مطالعہ کی حد تک آپ کے بیشتر مضامین محدثین کی سیرت اور جماعت کے اہم علماء کی سوانح و خدمات پر مشتمل ہیں۔ ذیل میں اہم مضامین اور تصنیفات درج کئے جا رہے ہیں، تاکہ اہل علم اور طلباء کے لئے زاہد راہ بن سکیں۔

۱۔ مولانا منظور الحق بلیرامپوری جھمکاوی حیات و خدمات

۲۔ علامہ البانی کی کتاب مناسک الحج والعمرة کا اردو ترجمہ ۴۰ صفحات۔

۳۔ بیمہ (انشورنس) اور اس کی شرعی حیثیت (مقالہ شائع شدہ پا کوڑ کانفرنس علمی و فقہی مقالات)

۴۔ محدث عصر علامہ ابوالحسن عبید اللہ رحمانی مبارکپوری (مقالہ شائع شدہ شیخ الحدیث نمبر محدث بنارس)

۵۔ مصنف دیوان گلشن ہدایت پر کئی قسطوں میں مضامین (شائع شدہ محدث بنارس ۲۰۰۲ء و بعد کے شمارے)

اخلاق و اوصاف: ۱۔ مولانا انتہائی سنجیدہ اور صاف ستھری طبیعت کے مالک تھے۔ ۲۔ تدریس کی صلاحیتوں سے قدرت نے مالامال فرمایا تھا، بلا مطالعہ اور بلا تحقیق و تدقیق کے پڑھانے کے عادی نہ تھے۔ ۳۔ جو بھی ذمہ داری لیتے بڑی تندھی اور امانت داری سے ادا کرتے اور کسی قسم کی کوتاہی گوارا نہ فرماتے۔ آپ کی وفات پر اسٹاذ محترم مولانا عزیز عمر سلفی حفظہ اللہ نوائے اسلام میں رقمطراز ہیں کہ: ”مولانا مرحوم کی شخصیت مکمل علمی تھی مگر وہ نہایت ہی سادہ مزاج اور متواضع تھے، طلبہ کو پڑھانے سے پہلے اسباق کی بھرپور تیاری کرتے۔ عبارتوں کو جب تک خود سمجھ نہیں لیتے اس وقت تک مسند درس پر نہیں بیٹھتے، یہاں تک کہ عبارت فہمی کے لئے چھوٹے بڑے اساتذہ ان سے مراجعت فرماتے، ان کے اس مزاج نے انہیں مثالی بنا دیا تھا۔ آپ کی وفات حسرت آیات سے جماعت اہل حدیث اپنے ایک جید اور نیک عالم دین سے محروم ہو گئی“

ماہنامہ محدث بنارس کی خبر وفات میں ادارہ رقمطراز ہے کہ جامعہ سلفیہ میں آپ نے تقریباً ۲۱ سال تدریس کی خدمات انجام دی۔ اور اہم و بڑی کتابیں آپ کے زیر تدریس رہیں، طلبہ آپ کے طرز تدریس سے مطمئن اور خوش رہا کرتے تھے۔ آپ ہر کتاب کو بہت ہی محنت سے پڑھاتے تھے اور اساتذہ کے درمیان آپ محترم و محبوب تھے۔ آپ کی موجودگی عموماً اساتذہ کی مجلسوں کو خوش گوار اور بسا اوقات تہقہہ زار بنا دیتی، بیماری کی وجہ سے جامعہ سے جانے کے بعد آپ کی عدم موجودگی کا احساس برابر ہوتا رہا۔

بیماری اور وفات: آپ کافی دنوں سے مریض رہا کرتے تھے، ہمارے دوران طالب علمی میں بھی آپ کو نسیان و ذہول کا عارضہ لاحق تھا۔ ۲۰۰۹ء تک جامعہ سلفیہ میں رہے اور بنارس قیام کے آخری ایام میں زیادہ بیمار رہنے لگے، علاج و معالجہ چلتا رہا، بالآخر کمزوری اور نقاہت کی وجہ سے تدریس سے مستعفی ہو گئے اور اپنے بڑے لڑکے کے عطاء اللہ کے پاس چلے گئے اور چند سالوں تک یہیں صاحب فراش رہے یہاں تک کہ ۱۷ مئی ۲۰۱۲ء مطابق ۲۵ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۳ھ کو وقت موعود آ پہنچا اور جمعرات رات تین بجے روح قفصِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی نماز جنازہ اور تدفین منونا تھہ بھنجن یوپی میں ہوئی، نماز جنازہ مولانا صغیر احمد فیضی مدرس جامعہ اسلامیہ فیض عام نے پڑھائی اور اس طرح تدریس و دعوت کا یہ درخشندہ ستارہ مطلع ہند سے غروب ہو گیا اللہم اغفر لہ وارحمہ واسکنہ الفردوس الاعلیٰ۔

مراجع: (۱) ماہنامہ محدث بنارس شیخ الحدیث نمبر جنوری و فروری ۱۹۹۷ء، (۲) ماہنامہ نوائے اسلام دہلی جولائی ۲۰۱۲ء، (۳) ماہنامہ محدث بنارس جون ۲۰۱۲ء (خبر وفات مختصراً)، (۴) مضمون مولانا محمد حنیف فیضی مدنی حیات اور نقوش عمل و اشفاق سجاد سلفی بہار (۵) جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات مولانا محمد مستقیم سلفی ص ۲۳۵-۲۳۶، (۶) فقہی و علمی مقالات ۲۸ ویں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس پاکوڑ، مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند ص ۳۰۔

(شائع شدہ صوت الاسلام ممبئی فروری ۲۰۱۹ء)



حضرت مولانا قرۃ العین فائق الملوی انصاری

کچھ یادیں کچھ باتیں

وفات فروری ۲۰۱۴ء

فواز عبدالعزیز مبارکپوری

ریسرچ اسکالر، جواہر لال نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

مشرقی یوپی کا ضلع اعظم گڑھ اپنی مردم خیزی، شادابی اور ہمہ جہت دینی، علمی اور سماجی خدمات کے لئے نہایت معروف ہے، اسی بابرکت ضلع کی جن چند بستوں نے ادھر ڈیڑھ دو صدی سے پوری دنیا میں علمی و تمدنی جلوے بکھیر رکھے ہیں، ان میں سرفہرست مبارک پور بھی ہے۔ جس نے حدیث اور علوم حدیث و دیگر علوم اسلامیہ کی بے لوث خدمت کر کے ایک خاص وصف اور امتیاز پیدا کیا ہے۔ اسی مبارک پور سے متصل نہایت قدیم سلفی بستی ”ملو“ بھی ہے، اس بستی سے حضرت مولانا عبداللہ جھاؤالہ آبادی، حضرت مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری، حضرت مولانا ابوالقاسم سیف بناری، حضرت مولانا حکیم عبدالنجیر صادق پوری، قائد جماعت حضرت مولانا عبدالوہاب آروی وغیرہم جیسے عمائدین سلفیت کو خصوصی تعلق اور اعتماد رہا ہے، آج بھی یہ بستی اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر رواں دواں ہے۔ آج سے پچاس ساٹھ برس قبل جب آمدورفت کے وسائل کمیاب اور مشکل تھے، تب بھی ملو کو بیشتر علمائے جماعت، عمائدین و قائدین جمعیت کو میزبانی کا شرف حاصل ہے۔ اس چھوٹی بستی کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے تالیسی اجلاس میں یہاں کے پانچ افراد نے شہر آ رہ پہنچ کر اس کے افتتاحی اجلاس میں شریک ہو کر اپنی جماعتی بیداری، ہمدردی اور حمیت کو پیش کیا تھا۔ آج بھی ضلع اعظم گڑھ اور پاس پڑوس میں جو بھی سلفی بزم آراستہ کی جاتی ہے اس میں ”ملو“ کا کردار نمایاں رہتا ہے۔ اس بستی سے حضرت مولانا ابو محمد عبدالحق الملوی حضرت میاں صاحب دہلوی کے شاگرد اور تلبیس ابلیس کے مترجم، ان کے چھوٹے بھائی قاری حمید الدین الملوی، استاذ العلماء حضرت مولانا نذیر احمد رحمانی الملوی (۱۹۶۵ء)، مولانا احمد اللہ الملوی (شاگرد مولانا عبدالحق فرنگی محل لکھنوی وفات: ۱۹ فروری ۱۹۶۸ء / ۱۳۸۸ھ) عبقری دوراں حضرت مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی، حضرت مولانا مطیع اللہ رحمانی الملوی اور مولانا حافظ اقبال احمد عمری (عربی کے گم نام ادیب اور صاحب دیوان شاعر) مولانا ہلال احمد الملوی مدنی، ڈاکٹر شعیب خان (پاکستان کے پہلے وزیر خزانہ اور اسلامک ڈیولپمنٹ بینک کے سابق ڈائریکٹر) جیسی یگانہ روزگار شخصیات پیدا ہوئیں ہیں۔ جو اپنی ذات میں انجمن اور علم فن کا ایک جہاں آباد کئے ہوئے تھے۔ آج بھی یہ بستی استاذ الاساتذہ حضرت مولانا نور العین سلفی الملوی، مولانا مظہر الحق مدنی، حافظ عبدالرحمن مدنی الملوی وغیرہم کی علمی، دعوتی اور سماجی خدمات سے معمور اور قدم بہ قدم تسلسل کو برقرار رکھے

ہوئے ہے۔ انہیں سنہری کڑیوں میں سے ایک سنہری کڑی مشہور عالم دین، باوقار مدرس، بے باک داعی و خطیب اور ادیب و شاعر استاذ الاساتذہ حضرت مولانا قرۃ العین فائق الملوی بھی ہیں۔ آپ کی خدمات گو بہت طویل نہیں ہیں، لیکن جو بھی ہیں اور جیسی بھی ہیں بے حد وقیح اور گراں قدر ہیں۔

نام و نسب: قرۃ العین بن عبدالواحد بن حافظ عبدالرشید بن عبدالعظیم ”فائق“، تخلص تھا، جو آپ کے بڑے تایا مولانا عبداللہ رحمانی الملوی کا بھی تخلص تھا۔ آپ کے آباء واجداد اجداد اجداد میں آباد برہمن تھے۔ جب مشرف بہ اسلام ہوئے تو محمد آباد جو املو سے چند میل کے فاصلے پر ہے اور اب ضلع منوٹا تھ بھنجن کا ایک حصہ ہے منتقل ہوئے، وہاں پر بھی جب عرصہ حیات تنگ کیا گیا، تب مجبوراً ”املو“ منتقل ہو کر آباد ہو گئے۔ یہاں پر آ کر انہیں ہر طرح کا تعاون، استقرار اور پھلنے پھولنے کے مواقع میسر آئے۔ اب یہ خاندان املو اور لوہیا کی حدود سے نکل کر ہندوستان کے مختلف خطوں میں آباد ہے اور اپنی دینی و دنیاوی وجاہتوں کیلئے نہایت معروف ہے۔

خاندانی پس منظر: آپ کے والد معمولی پڑھے لکھے، پارچہ باف مگر دین دار، حوصلہ مند اور غیور انسان تھے، ۱۹۹۴ء میں ایک طویل علالت کے بعد وفات پائی۔ آپ کے دادا حافظ عبدالرشید نہایت شہ زور، نڈر اور بہادر تھے۔ سلفیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، وہ جماعتی سرگرمیوں میں پیش پیش رہتے تھے، مبارک پور میں کئی نازک موقعوں پر آپ کی ہمت و جرأت اور بروقت موجودگی سے جماعت اہل حدیث کو فروغ و استحکام حاصل ہوا ہے۔ آپ کے بڑے تایا حضرت مولانا عبداللہ فائق رحمانی الملوی دارالحدیث رحمانیہ دہلی (فراغت: ۱۹۴۲ء۔ وفات: ۱۳۶۲ھ۔ ۱۹۴۳ء) کے ممتاز فضلاء میں سے تھے، فراغت کے فوراً بعد مدرسہ احمدیہ سلفیہ در بھنگہ میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز کئے گئے تھے، سال بھی گزرنے نہیں پایا تھا کہ تعطیلات میں گھر تشریف لائے، اسی درمیان ہیضہ کی وبا پھوٹ پڑی اور قضاء کر گئے۔ چھوٹے تایا مولوی عبدالاحد بھی دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے درجہ چہارم یا پنجم میں زیر تعلیم تھے کہ دق و سل نے پکڑ لیا اور انتقال کر گئے۔ دونوں حضرات بالخصوص مولوی عبدالاحد کی ذہانت، سنجیدگی، جودت طبع اور سعادت مندی کی تعریف بارہا حضرت شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری، میرے نانا ماسٹر محمد حسن الملوی اور مولانا قرۃ العین سے سنا۔ ان دونوں سے بڑی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔ دیگر نمایاں بزرگوں میں جن سے آپ بہت متاثر تھے اور برابری محفلوں میں تذکرہ کرتے رہتے تھے، ولی صفت نانا محترم حافظ عبدالخالق الملوی، میاں جی محمد سکی اور پھوپھی زاد بھائی حاجی محمد ایوب الملوی تھے۔ مولانا پیدائشی طور پر دبلے پتلے اور نحیف انسان تھے، مگر عزم و ارادے میں آخر تک آہنی اور فولادی رہے، جس بات کو ٹھان لیتے، اسے پورا کر کے ہی دم لیتے تھے۔

ولادت: آپ کی ولادت باسعادت ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹۳۸ء املو کے ایک معروف، دین دار اور غیرت مند سلفی خاندان میں ہوئی۔ کچھ ہی دن گزرے تھے کہ والدہ ماجدہ کا سایہ شفقت سر سے اٹھ گیا۔ پھر آپ نے پھوپھی (والدہ ماجدہ حاجی محمد ایوب و ماسٹر محمد حسن الملوی) کے آغوش میں تربیت پائی اور ان ہی کے زیر سایہ رہ کر پروان چڑھے۔ مولانا اپنے بھائی اور بہنوں میں سب سے بڑے تھے۔ ایک بہن وفات پا چکی ہیں، سردست تین بھائی اور تین بہنیں موجود ہیں۔

تعلیم و تربیت: ابتدائی تعلیم مدرسہ انوار العلوم ملو میں درجہ تین تک حاصل کی۔ پھر عربی و اسلامی علوم و فنون کی تحصیل کی طرف متوجہ ہوئے، اس کے لئے سب سے پہلے مدرسہ فیض عام منونا تھہ بھجن کا قصد کیا جہاں تیسری جماعت تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔ صحت کی ناہمواری اور خرابی کی وجہ سے مدرسہ فیض عام کو چھوڑ کر مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور میں داخلہ لیا۔ یہاں پر دو سال رہے، پھر مزید علمی تشنگی بھگانے کے لئے جامعہ رحمانیہ بنارس میں داخلہ لیا۔ یہاں پر دو سال کی مختصر مدت میں مختلف اساتذہ سے اپنا دامن بھرتے رہے۔ یہیں پر رہ کر آپ نے مولوی، عالم کے امتحانات عربی فارسی مدرسہ بورڈ سے پاس کئے۔ یہاں پر بھی صحت کی خرابی اور گھر کے نامساعد حالات آڑے آئے اور تعلیم کو ترک کرنا پڑا۔ بالآخر پھوچھی زاد بھائی حاجی محمد ایوب ملوی کی تشبیح پر، دوبارہ مدرسہ فیض عام منونا تھہ بھجن میں داخلہ لے کر فراغت کی سند حاصل کی۔ رفقائے درس و دیگر احباب میں استاذ گرامی جناب ڈاکٹر حافظ مقتدی حسن ازہری، مولانا صافی الرحمن مبارکپوری، مولانا عبدالحمید رحمانی، قاری محمد زبیر مبارکپوری، مولانا عزیز الرب فیضی (بھوارہ، مدھوبنی) مولانا مظہر احسن ازہری وغیرہم ہیں۔ فراغت کے بعد آپ بھی جامعہ ازہر مصر جانے کے لئے پر عزم اور شدید خواہش رکھتے تھے، لیکن گھر کے نامساعد حالات نے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے سے باز رکھا۔

مشفق اساتذہ: مدرسہ فیض عام: (۱) حضرت مولانا محمد احمد ناظم منوی (۲) حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمن فیضی (۳) حضرت مولانا عظیم اللہ منوی (۴) حضرت مولانا شمس الحق سلفی (۵) حضرت مولانا عبدالرحمن نحوی (۶) حضرت مولانا عبدالمعید بنارس (۷) عم گرامی حضرت مولانا عبدالرحمن رحمانی مبارک پوری حفظہ اللہ و مدظلہ۔

مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور: (۱) حضرت مولانا مفتی محمد یسین قاسمی مبارکپوری (۲) مولانا محمد یحییٰ رسول پوری (۳) مولانا زین العابدین معروفی (سابق صدر شعبہ تخصص فی الحدیث مظاہر العلوم) (۴) مولانا عبدالمنان قاسمی باسو پوری • جامعہ رحمانیہ بنارس: (۱) حضرت مولانا نذیر احمد رحمانی ملوی (۲) حضرت مولانا حکیم بشیر احمد رحمانی مبارکپوری، مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی وغیرہم۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد مولانا مجیب اللہ ندوی کے قائم کردہ جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ سے استاذ فوقانیہ کی حیثیت سے دو سال وابستہ رہے، آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس نوگڑھ ۱۹۶۲ء کے بعد جب مرکزی دارالعلوم جامعہ سلفیہ بنارس کا قیام عمل میں آیا، اور جامعہ رحمانیہ بنارس کے اساتذہ مرکزی دارالعلوم میں منتقل ہو گئے، تو آپ حضرت شیخ الحدیث مبارک پوری کی ایما پر جامعہ رحمانیہ بنارس منتقل ہو کر درس و تدریس کے فرائض انجام دینے لگے۔ جہاں آپ ۱۹۶۶ء سے لے کر ۱۹۶۹ء تک سرگرم عمل رہے۔ پھر یہاں پر حالات کچھ اس طرح سے پیش آئے کہ دل برداشتہ استعفاء دے کر گھر چلے آئے، مبارک پور میں اسٹیشنری کی ایک دوکان کھول کر تجارت میں مصروف ہو گئے اور ملازمت کرنے کا خیال دل سے نکال ہی دیا۔ درس و تدریس اور دعوت و تبلیغ کا کام ترجیحی طور پر انجام دیتے رہے، لیکن بلا معاوضہ جو کچھ دوکان سے حاصل ہوتا، اسی پر تاحیات قانع اور صابر و شاکر رہے۔

مبارکپور میں واپس آنے کے بعد جماعتی درد اور کسک نے آپ کو چین اور اطمینان سے نہیں بیٹھنے دیا، بلکہ آپ کی تحریک و کوشش

سے مدرسہ دارالتعلیم مبارک پور میں عربی شعبہ کا باضابطہ قیام عمل میں آیا۔ بھم اللہ آپ اور استاذ الاساتذہ حضرت مولانا نور العین سلفی املوی کی مضبوط رفاقت، انتھک محنت اور حکمت عملی سے یہ شعبہ دوڑ پڑا، اور آج بھی رواں دواں اور اپنے مقاصد میں کامیاب ہے۔ پھر آپ ہی کی کوشش و تحریک سے مدرسہ اسلامیہ انوار العلوم املوی میں بھی عربی شعبہ کا قیام عمل میں لایا گیا، ایک مدت تک آپ مبارک پور سے جہاں آپ نے مکان بنوا کر مستقل رہائش کر لی، بسا اوقات صبح پیدل املو جاتے اور دس بجے تک سبق پڑھا کر دکان پر واپس آجاتے۔ آگے چل کر جب تجارتی مصروفیات بڑھ گئیں، تو آپ نے تدریسی خدمات سے سبکدوشی حاصل کر کے یکسوئی اختیار کر لی۔

تلامذہ اور مستفیدین: مختلف اوقات میں آپ سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد خاصی ہے، جو ملک و بیرون ملک میں کلیدی عہدوں پر فائز ہیں اور اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں: ڈاکٹر جاوید اعظمی بناری، شیخ شاہد جنید بناری، ڈاکٹر عبدالرحمن فریوئی، شیخ عبداللہ سعود بناری، ڈاکٹر محمد ابراہیم بناری، شیخ عبداللہ طیب بناری، ڈاکٹر اختر جمال بناری، شیخ کفایت اللہ مدنی، شیخ ابوالقاسم فاروقی، شیخ محمد عزیز شمس، شیخ محمد صالح مدنی بناری، مقامی شاگردوں میں والد محترم ڈاکٹر عبدالعزیز عبید اللہ مبارکپوری، ڈاکٹر رضاء اللہ محمد ادریس مبارکپوری، مولانا عبدالکبیر مبارکپوری، محترمہ میمونہ محمد ادریس، مولانا مظہر الحق مدنی املوی، حافظ عبدالرحمن املوی مدنی، مولانا ابوالکلام مدنی لوہیاوی (مقیم حیدرآباد)، مولانا حفظ الرحمن مدنی (مقیم امارات متحدہ)، حافظ نعیم الرحمن مدنی لوہیاوی وغیرہم ہیں۔ شنیدہ ہے کہ ندوۃ العلماء کے بعض اساتذہ بھی آپ سے استفادہ کرنے والوں میں سے ہیں۔

آپ کو افہام و تفہیم، مشکل مسائل اور پیچیدہ عبارتوں کی تحلیل و تجزیہ، تفسیر، حدیث، نحو، صرف، ادب اور بلاغت کی کتابیں پڑھانے میں ید طولی اور مہارت حاصل تھی، صرف کتابوں کی مثال پر اکتفاء نہیں کرتے تھے، بلکہ قرآن کریم و احادیث نبویہ سے مثالیں تلاش کر کے پیش کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کہنے لگے کہ ”قرآن کریم کی تلاوت کے ساتھ ساتھ اس میں غور و فکر اور تدبر سے بیک وقت کئی مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ میں جب جامعہ رحمانیہ بنارس میں شذالعرف پڑھاتا تھا تو روزانہ قرآن کریم تلاوت کرنے کے ساتھ متعلقہ نحوی و صرفی مسائل استنباط کر کے پوری تیاری کے ساتھ کلاس میں جاتا تھا“، استحضار اور برجستگی کا یہ عالم تھا کہ بعض مرکزی اداروں میں ہدایہ اور بخاری پڑھانے والے سینئر اساتذہ بھی حل طلب مشکل مقامات کے لئے پابندی سے رجوع کرتے تھے۔ وہ ہمارے مدارس سے منطق و فلسفہ نکالے جانے سے کبیدہ خاطر رہا کرتے تھے، کہتے تھے کہ: اس سے ذہن و دماغ کے دریچے کھلتے ہیں اور ذہن میں مسائل کی ترتیب میں بہت مدد ملتی ہے وغیرہ وغیرہ جب کہا جاتا کہ اب پڑھانے والے بھی نہ رہے، اور پڑھنے والوں کا رجحان بھی جدید علوم بالخصوص سائنس کی طرف زیادہ ہے، کہتے: تب علوم اسلامیہ کے لئے اس کی اہمیت و ضرورت برقرار رہے گی!

ایک مرتبہ کہنے لگے کہ بعض اساتذہ ابتدائی کتابیں پڑھانے میں بھی بڑی لمبی چوڑی تقریر کرتے ہیں، جس سے طالب علم کا ذہن الجھ کر رہ جاتا ہے۔ نتیجتاً وہ گھبرا کر گھر بیٹھ جاتے ہیں اور دینی تعلیم سے متنفر ہو جاتا ہے۔ ہمیشہ استاذ کو بچوں کی ذہنی استعداد اور صلاحیت کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ اب مقامی لوگوں میں دن بہ دن دینی تعلیم کے حصول میں کمی اور عوام کی دوری نظر آتی ہے۔ اگرچہ آپ نے رسمی درس و تدریس سے علیحدگی اختیار کر لی تھی، لیکن گھر اور دوکان کا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھا، بازار میں ہمہ وقت

موجودگی، چہرہ پر تبسم اور شادابی نے عوام کو ان کا گرویدہ بنا دیا تھا، کسی کے دل میں کوئی خلش ہوئی کہ ”کتاب والے مولوی صاحب“ کی دوکان پر جادھم کا! بے شمار لوگ حاضر ہو کر اپنی گھٹیاں سلجھاتے، کبھی کوئی حدیث نبوی کا درس لے رہا ہے، کوئی کسی ادبی شہ پارہ کی تشریح سے محظوظ ہو رہا ہے، کوئی کسی معاملے میں مشورہ چاہتا ہے، کبھی کوئی کسی مرکزی ادارے میں داخلہ کی تیاری میں معاونت یا کسی خاص سبکٹ میں رہنمائی کا طالب ہے، مختصراً شام کو آپ کی دوکان اکثر و بیشتر علمی و ادبی نکتوں کی مختصر مگر پر رونق بزم اور مختلف سیاسی و سماجی مباحثوں کی آماجگاہ اور منبع بن جاتی تھی۔ بڑے بڑے منصوبے بھی وہیں بیٹھ کر تیار کئے جاتے تھے۔ انہیں رو بہ عمل لانے کے لئے دستے بھی وہیں سے روانہ کئے جاتے تھے۔

صحافتی خدمات: آپ نے زمانہ طالب علمی ہی سے مضامین لکھنا شروع کر دیا تھا، اسی دور میں جب غالباً فیض عام مئو میں زیر تعلیم تھے کہ ایک مضمون قرآن کریم کے تعلق سے تحریر فرمایا، جو اس زمانہ میں ”معارف“، دارالمصنفین اعظم گڑھ میں شائع ہوا، جو پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا گیا، آگے چل کر یہی تحریر جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ میں درس و تدریس سے وابستگی اور تعارف کا ذریعہ بنی۔ اسی طرح جب استاذ گرامی جناب ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری جامعہ ازہر مصر سے پڑھ کر واپس ہندوستان تشریف لائے، تو ان کے اشارے اور فرمائش پر متعدد مضامین کا ترجمہ کیا، جو مختلف مجلات و جرائد میں چھپتے رہے۔

مولانا ایک بہترین قلم کار تھے، مختصر سے وقت میں آپ نے الاسلام، ترجمان اور اہل حدیث دہلی کے ذریعہ اہل علم کی توجہ اپنی تحریروں کی جانب مبذول کرائی تھی، لیکن جلد ہی اس دائرہ سے نکل کر عافیت کی راہ لے لی۔ پھر بھی بسا اوقات تسکین خاطر کے لئے روزنامہ ’آواز ملک‘ یا کسی اور مجلے میں کوئی اصلاحی یا دعوتی مضمون دے دیا کرتے تھے۔ لیکن جب بربریت اور درندگی کے شکار ہوئے، تو اس بساط کو بھی لپیٹنے پر مجبور کر دیئے گئے۔ چھوٹے چھوٹے جملے اور آسان پیرائے، ان کی تحریر اور انشاء کی خوبیاں ہیں۔

اگر کوئی طالب علم اپنی ناپختہ تحریر کو لے کر اصلاح کی غرض سے حاضر ہوتا، بڑے انبساط اور فرحت سے گل اور بوٹے ٹانک کر اس کی کاوش کی تحسین اور اس کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے، ایسے باذوق طالبان علوم نبوت کو اردو زبان و ادب میں مہارت اور تحریر میں رعنائی، دلکشی اور پختگی کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریروں پر پڑھنے کی بڑی تاکید کرتے تھے۔ کوئی بھی سنجیدہ طالب علم ان کی دوکان یا گھر پر چلا جائے، اس کی علمی، مادی اور اخلاقی تعاون میں بخل یا تکاسل کا مظاہرہ نہیں کیا، جو بھی بن پڑا اور جہاں تک ہوسکا، اس کی ترقی کے لئے کوشش کی۔

دعوتی و تبلیغی خدمات اور ضلعی جمعیت اہل حدیث کے حوالے سے خدمات: گاؤں کے باحیات بزرگوں کے مطابق آپ زمانہ طالب علمی ہی سے تحریر و تقریر دونوں میں پیش پیش رہتے تھے، گاؤں اور پاس پڑوس کے دیہاتوں میں جمعہ کا خطبہ دینا، خوشی و غمی کے مختلف مناسبات میں گھروں میں جا کر خواتین کے درمیان تقریریں کرنا وغیرہ وغیرہ۔ انہیں سرگرمیوں کے پیش نظر، جب آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس نو گڑھ منعقدہ ۱۹۶۲ء کے بعد جب جماعت کا از سر نو تنظیمی سلسلہ قائم جماعت حضرت مولانا عبدالوہاب آروی، حضرت شیخ الحدیث مبارکپوری اور حضرت مولانا ندیر احمد رحمانی کی نگرانی اور اشراف میں شروع ہوا تب حضرات شیخین کی ایماء

اور خواہش پر آپ کو نوعمری ہی میں ضلعی جمعیت اہل حدیث اعظم گڈھ کا ناظم مقرر کیا گیا، جماعتی سرگرمیوں کو آگے بڑھانے اور اس میں تیزی لانے کے لئے ضلعی جمعیت کی جانب سے ایک مبلغ کی تقرری کو منظوری کروایا، ضلعی جمعیت کا صدر دفتر منوانا تھہ بھجن میں قائم کیا اور مقامی دفتر کو املو میں رکھا گیا۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرات شیخین نے جن توقعات، امید اور اعتماد کے ساتھ مولانا کو مقامی جماعت کی تنظیمی اور دعوتی ذمہ داریوں کو سونپا تھا، مولانا نے اس کردار کو تاحیات نبھانے اور ان کی توقعات پر کھرا اترنے کی کوشش فرمائی۔ یہ سعی محمود کس حد تک اور کہاں تک کامیاب رہی ہے؟ اس کا فیصلہ آنے والا جماعت کا مورخ کرے گا؟ مقامی طور پر تنظیمی اور دعوتی امور میں مولانا قرۃ العین املوی نے معاصر علماء اہل حدیث مبارکپور جو ہندو بیرون ہند میں منتشر اور مختلف شعبوں میں سرگرم ہیں کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا ہے۔ کوئی اپنی ذمہ داری کو نبھائے یا علاحدہ کنارہ کش رہے، مولانا جمعیت کے پروگراموں میں وہاں موجود ہی نہیں بلکہ پیش پیش رہتے تھے۔ ضلعی جمعیت اہل حدیث کے پچاس سالہ مختصر سفر پر غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اب تک ضلعی جمعیت ان ہی دنوں میں متحرک اور فعال رہی ہے، جن دنوں میں مولانا متحرک اور ہشاش بشاش رہے ہیں۔ مولانا اگر بیمار ہیں یا اپنے مقدموں اور ذاتی الجھنوں میں گرفتار ہیں، تب تب جمعیت کی کارکردگی سست بلکہ بسا اوقات معطل بھی رہی ہے۔

آپ جملہ دینی اور دعوتی تقریبات میں بھرپور حصہ لیتے تھے۔ اعظم گڈھ میں منعقد ہونے والے جلسوں میں آپ کی حصہ داری اور شرکت کو ضروری ہی نہیں کامیابی کی ضمانت اور زینہ تصور کیا جاتا تھا۔ ۲۰۰۳ء میں آپ کو صوبائی جمعیت اہل حدیث مشرقی یوپی کا نائب امیر منتخب کیا گیا، اس کے بعد ضلعی جمعیت اہل حدیث اعظم گڈھ کو اپنے رفیق کار مولانا عبدالحمید اصلاحی حفظہ اللہ کے ساتھ مل کر از سر نو منظم کیا، اس کی سرگرمیوں اور دائرہ کار کو وسعت دی، ایک نیا لائحہ عمل اور پروگرام مرتب کیا۔ مختلف مقامات کے دورے کر کے وہاں پر اکائی اور یونٹ قائم کر کے ضلعی جمعیت کا انتخاب کروایا۔ اس کے بعد جماعتی بیداری کی ایک لہر پیدا ہو چلی، تادم تحریر ضلع اعظم گڈھ میں ہر ماہ کم از کم دو تین دعوتی پروگرام ضرور ہوتے ہیں۔ قرب و جوار میں تقریباً پابندی سے خطبہ جمعہ کے لئے دعاۃ جاتے ہیں اور دور دراز مقامات کے لئے مہینہ میں کم از کم ایک بار اجتماعی طور سے لوگ جاتے ہیں، ملاقاتیں کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ مولانا ہی کی تحریک اور مشورے پر مختلف سلفی مجالس پندرہ روزہ ترجمان، نوائے اسلام وغیرہ کی ڈیڑھ درجن کا پیاں منگوا کر ضلع کے مختلف مقامات پر احباب جماعت میں حسب توفیق تقسیم کیا جاتا ہے۔ اگرچہ ضلع کے جغرافیائی طول و عرض کے اعتبار سے یہ تعداد نا کافی اور بہت کم ہے، لیکن پھر بھی غنیمت اور دیگر جمعیت کے لئے نمونہ اور اسوہ ہے۔

۱۹۶۸ء میں ریاستی مشرقی جمعیت اہل حدیث اتر پردیش کا صوبائی اجلاس ”املو“ میں منعقد ہوا تھا، جس میں علامہ ربیع ہادی مدخلی، شیخ صالح عراقی سابق اساتذہ جامعہ سلفیہ بنارس و جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، خطیب الاسلام حضرت مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈا نگری و دیگر عمائدین جماعت نے شرکت فرمائی تھی۔ اس کے محرک اور روح رواں مولانا قرۃ العین صاحب ہی تھے، آپ ہی کی شب و روز محنتوں سے یہ اجلاس کامیابی سے ہم کنار ہو سکا تھا۔ اس کانفرنس کا شمار صوبائی جمعیت کی نہایت کامیاب اور تاریخ ساز کانفرنسوں

میں ہوتا ہے۔ اس کے بعد بھی آپ ہی کی کوششوں اور تحریک سے املو اور اطراف و جوانب میں متعدد کامیاب اور تاریخ ساز اجلاس منعقد ہوئے۔ جب تک مولانا کے سرپرست پھوپھی زاد بھائی حاجی محمد ایوب املوی (وفات: ۱۹۸۴ء) باحیات رہے، انہیں دینی جلسوں اور پروگراموں کے انعقاد و دیگر ضروری انتظامات کے سلسلہ میں بڑی آزادی اور بے فکری حاصل رہی۔ حاجی صاحب مرحوم بذات خود اس دیار میں دعوت اہل حدیث کے بڑے جیالوں میں سے تھے، جمعیت جماعت کے لئے ہمہ وقت تیار اور ہر دم تازہ پابہ رکاب والی کیفیت سے سرشار تھے۔

ہمارے ہوش میں اسی طرح کا ایک اور دور روزہ اجلاس عام ”املو“ میں ۱۹۹۶ء یا ۱۹۹۷ء میں بڑے دھوم دھام سے منعقد کروایا تھا، جس میں حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز عمری، حضرت مولانا عبدالسمیع جعفری پٹنہ، حضرت مولانا عبدالحمید رحمانی دہلی، حضرت مولانا عبدالشکور اثری وغیرہم نے شرکت کی تھی۔ ایک عرصہ سے پھر اس طرح کا دور بارہ اجلاس کرانے کی ضرورت محسوس کر رہے تھے، اس کا اظہار خاکسار سے کئی بار کیا، اب مولانا کی صحت بھی تنہا بیٹا اٹھانے کی اجازت نہیں دے رہی تھی، یہاں کی اقتصادی زبوں حالی، مخلص رجال کار کی قلت، مولانا کے ارادوں میں دیوار بنی رہیں۔ مولانا بڑے سے بڑے مجمع کو کنٹرول کرنے اور رخ پھیرنے میں بڑے چابک دست تھے۔ جب تک صحت نے ساتھ دیا، جلسوں میں انا و ننگ جیسی مشکل ذمہ داری آپ ہی کے سر ہوتی تھی۔

ان ہی جماعتی سرگرمیوں اور نشاطات کا نتیجہ یہ ہے کہ اب ان بستوں میں بھی جماعت کے افراد نظر آرہے ہیں جہاں کبھی اہل حدیث نہیں ہوتے تھے یا جہاں کبھی اہل حدیث ہوا کرتے تھے، وہاں پر بھی لوگ دوبارہ جمعیت سے وابستہ ہوئے۔ اس بیداری میں مملکت تو حیدرآباد عرب کے شعبہ جالیات سے وابستہ احباب جماعت کی دعوتی کوششوں کا عمل دخل زیادہ ہے۔ مولانا املوی پیرانہ سالی اور ضعف و نقاہت کے باوجود ہر پروگرام میں بڑی دلچسپی سے شرکت فرماتے تھے۔ وہاں پر موجود اپنے سے چھوٹوں کو اپنے طویل دعوتی تجربات کی روشنی میں راہ نمائی کرتے، ان کی حوصلہ افزائی فرماتے اور آئندہ کا لائحہ عمل طے کرتے۔

ابھی چند ماہ قبل گولواں نصیر پور ضلع اعظم گڑھ میں منعقد ہونے والے ایک اجلاس میں کمزوری اور علالت کے باوجود شرکت فرمائی، اس جلسہ میں حضرت مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی، مولانا انصار زبیر محمدی، شیخ مقصود الحسن فیضی وغیرہم نے خطاب فرمایا تھا۔ ازاول تا آخر مقررین کی تقاریر سے محفوظ ہوتے رہے۔ یہ آخری اجلاس تھا جس میں مولانا نے شرکت کی تھی۔ سیاسی طور پر مولانا کانگریس سے مدتوں جڑے رہے، اسی طرح جمعیت العلماء سے بھی وابستہ رہے، مدتوں املو میں ان کا آبائی گھر جمعیت العلماء کا دفتر بھی رہا، لیکن جب ایک مخصوص جماعت اور فرد واحد کی شناخت بن گئی تو اس سے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے لگاؤ اور سرگرمیوں سے دلچسپی: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی سرگرمیوں سے بے حد لگاؤ اور دلچسپی تھی، جب کبھی خاکسار دہلی سے گھر جاتا، پہلی فرصت میں استاذ گرامی شیخ اصغر علی سلفی صاحب حفظہ اللہ کی خریداری اور جماعتی سرگرمیوں کی خبر لیتے۔ کہتے تھے کہ ”مرکزی جمعیت اہل حدیث سے ہمارا رشتہ باپ دادا کا ہے“ ہمارے گاؤں ’املو‘ سے حضرت مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری کی خصوصی دعوت پر آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے تالیسی اجلاس ۱۹۰۶ء منعقدہ شہر آرہ میں

پانچ لوگ شریک ہوئے تھے“ (یہ بات مد نظر رہے کہ حضرت مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری نے بارہا ”املو“ کو شرف قدم سے نوازا تھا) مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے بعض پروگراموں میں شرکت کے لئے دہلی بھی تشریف لائے۔ صوبائی جمعیت اہل حدیث لکھنؤ کے پروگراموں اور میٹنگوں میں جب تک صحت نے ساتھ دیا، بڑی پابندی سے شرکت کرتے تھے۔ پاکوڑا اجلاس میں پورے ایک قافلہ کے ساتھ شریک ہوئے تھے۔

اعظم گڈھ کی اہل حدیث بستوں کے دورے: آپ نے دوبارہ ۷۰ اور ۸۰ کی دہائی میں متحدہ ضلع اعظم گڈھ کے ایک ایک گاؤں کا مکمل سروے کیا تھا۔ کن کن بستوں میں جماعت کا وجود ہے؟ کہاں کہاں جماعت کا وجود تھا اور اب افراد جماعت ناپید ہیں؟ سرکردہ افراد! سمٹنے کے اسباب اور وجوہات؟ وغیرہ وغیرہ پورا مواد ان کے ذہن و دماغ میں مستحضر رہتا تھا۔ اس سلسلے میں وہ کہتے تھے کہ ”ہمارے ضلع اعظم گڈھ میں اہل حدیث اتنے ہی قدیم اور پرانے ہیں جتنا کہ یہاں اسلام اور مسلمان ہیں۔ سالار سید مسعود غازی کے ہمراہ آنے والے مجاہدین بھی اہل حدیث تھے، بہرائچ کی طرف کوچ کرتے ہوئے مبارک پور سے چند میل دور بلریا گنج سے متصل ”بھگت پور“ نامی بستی میں چند دنوں کے لئے پڑاؤ ڈالا تھا، انہوں نے چند حضرات کو دعوت و تبلیغ کے لئے یہاں چھوڑ دیا تھا، اس وقت سے لے کر تادم تحریر وہ خاندان اہل حدیث منہج و اصول کا پابند ہے اور اس سعادت کو اپنے لئے سرمایہ افتخار بھی تصور کرتا ہے“ اس کے لئے وہ باقاعدہ بعض تاریخی کتابوں کا حوالہ بھی دیتے تھے۔

مقامی جماعتی تاریخ کے بارے میں بھی وہ مرجع اور سند کی حیثیت رکھتے تھے۔ خاکسار نے جب کبھی کسی جماعتی معاملہ یا واقعہ میں توثیق کے لئے ان سے رجوع کیا، انہوں نے کسی نہ کسی گوشے کی طرف اشارہ کر کے میری محدود معلومات میں اضافے کا باعث اور حیرت و استعجاب کا موجب بنے، وہیں کبھی کبھی بعض مورخین کی خیانتوں اور مسلکی ترجیحات کی طرف اشارہ کر کے شاد کام فرمایا۔ اسی طرح قرب و جوار کے اضلاع جون پور، غازی پور، دیوریا میں اہل حدیث بستوں اور اشخاص کے بارے میں بھی وافر معتبر معلومات رکھتے تھے۔

آپ کو ضلع اعظم گڈھ میں سلفیوں کی گھٹی ہوئی تعداد کے سلسلہ میں نہایت قلق اور تشویش رہتی تھی۔ اس کا تذکرہ محفلوں اور مجلسوں میں برابر کرتے رہتے تھے، اس کے تدارک کے لئے موثر تجاویز اور اقدامات بھی کرتے تھے، مدرسہ دارالعلوم مبارک پور اور مدرسہ اسلامیہ انوار العلوم املو میں عربی شعبہ کا افتتاح بھی اسی غرض کے تحت کروایا تھا کہ وہ مقامی بچے جو باہر جا کر تعلیم حاصل کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے، ان کے لئے مقامی طور پر دروازہ کھلا رہے، اسی طرح مبلغین اور جمعہ پڑھانے والوں کی قلت کی شکایت بھی نہیں رہے گی۔

خطبات جمعہ: آپ کو جماعتی و دعوتی سرگرمیوں کو اس وقت ایک نئی جہت، شناخت اور وقار اعتبار ملا، جب آپ کو ۱۹۸۴ء میں جامع مسجد حافظ خدا بخش غلہ منڈی مبارک پور کا امام صلاۃ جمعہ مقرر کیا گیا، آپ کے خطبوں اور تقاریر کی دھوم مچ گئی۔ سننے والوں میں غیر جماعتی سنجیدہ اور باذوق حضرات کی اچھی خاصی تعداد ہمہ تن گوش رہتی تھی۔ اس سے قبل اعظم گڈھ کی مختلف بستوں میں

جا کر خطبہ جمعہ دیتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے خطبوں کی جدت، اثر آفرینی اور سحر طرازی آج بھی سامعین کے دلوں پر مثبت ہے، اس کا تذکرہ بھی برابر کیا جاتا ہے۔ نہ جانے کتنے شکوک و شبہات اور تذبذب کے شکار حضرات کو راہ راست پر لائے، ان کے ایمان کی دولت عظمیٰ اور آخرت کو سنوارا۔ اس مبارک سلسلہ کو پیرانہ سالی اور ضعف و نقاہت کی وجہ سے ۲۰۰۴ء میں بند کرنا پڑا۔ جامع مسجد حافظ خدا بخش مبارک پوری میں خطابت کا یہ زریں دور تھا، اسی دور میں مسجد کی جدید تعمیر بھی ہوئی۔ جس سے مزید مصلیوں کی گنجائش پیدا ہوئی اور اس میں دعوتی پروگراموں کے امکانات روشن ہوئے۔

مولانا جمعہ کے خطبوں کے لئے باقاعدہ اور بھرپور تیاری کرتے تھے۔ ضرورت پڑنے پر مواد یا احادیث کریمہ کی تحقیق کے لئے ہمارے گھر تشریف لاتے۔ حافظہ بڑا قوی اور مضبوط پایا تھا۔ کبھی کبھی تاکید کے لئے آتے، کہتے کہ ”دوران درس فلاں استاد نے یہ بات فلاں حدیث کے حوالے سے بتائی تھی، ذرا مراجعہ اور تحقیق کر لوں“، بھرپور اطمینان اور تحقیق کے بعد ہی خطبہ دیتے تھے۔ مشاہدہ بھی وسیع اور عمیق تھا، زندگی کے تلخ و شیریں تجربات، حساس دل اور پختہ شعور نے اسے مزید نکھار دیا تھا۔ انداز سادہ مگر دل نشیں اور موثر ہوتا تھا، بھاری بھر کم الفاظ کے استعمال سے گریز کرتے تھے، وقت کی پابندی کا خاص خیال رکھتے تھے، مسلکی ترجیحات و تنقیحات کو بھی بڑی خوبصورتی اور بردباری سے پیش کرتے تھے، بلکہ کبھی کبھی تو سامعین کے درمیان آپ کے خطبہ جمعہ پر مباحثوں کے دروازے کھل جاتے تھے، مولانا کیلئے یہ موقع بڑا خوش گوار اور مسرت آمیز ہوتا تھا۔ بڑی متانت اور سنجیدگی سے، اپنے دلائل اور معلومات کی روشنی میں مسائل کو مطمئن کرتے تھے۔ ضرورت پڑنے پر بلا تفریق مراتب رجوع کرنے اور پوچھنے میں عاریا جھک محسوس نہیں کرتے تھے۔

ان کے دور خطابت میں سامعین میں دینی مسائل اور معلومات کے تئیں جو بیداری اور دلچسپی ملاحظہ میں آئی، بعد میں آنے والے حاضرین کے یہاں وہ لگن اور حرارت نہیں پائی جاتی۔ وہ آتش فشانہ اور شعلہ نوائی کے سخت مخالف تھے، اس طرز اور اسلوب کو سلفی دعوت کے لئے نہایت ضرور رساں تصور کرتے تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ سامعین بسا اوقات خطبہ کی اگلی قسط کا انتظار بڑی شدت اور بے چینی سے کرتے تھے، فوت ہو جانے پر اپنے ملال اور حسرت و افسوس کا اظہار بھی کرتے ہوئے نظر آئے۔

مولانا مردم ساز اور مردم شناس تھے، اللہ تعالیٰ نے ذہانت و فطانت اور گلشن فانی گفتار کے جوہر سے وافر مقدار میں نوازا بھی تھا۔ اشخاص و افراد سے کام لینے کے ہنر سے بخوبی واقف تھے۔ ان کی شدید خواہش ہوتی تھی کہ نوجوان آگے بڑھ کر ذمہ داریوں کو سنبھالیں، یہی نہیں بلکہ مناسب موقع اور محل کے لحاظ سے خدمت کے مواقع بہم پہنچاتے رہتے تھے اور نہایت خاموشی کیساتھ تربیت اور رہنمائی کے مدارج طے کراتے۔ وہ جس محفل میں موجود رہتے، حاضرین پر گھنے بادل کی طرح چھائے رہتے اور اپنی ظرافتوں اور بذلہ سنجیوں سے مجلس کو باندھے رکھتے تھے۔ وہ ایک بہترین مدبر اور منصوبہ ساز تھے، وہ چاہتے تو کوئی مدرسہ یا ادارہ قائم کر کے اپنے متعلقین کا مستقبل سنوار سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے جماعتی مفادات کو ہمیشہ مقدم رکھا، کبھی بھی مالی منفعت یا کسی طرح کے ذاتی مفاد کو ترجیح نہیں دیا۔

ابتلاء اور آزمائش: مولانا اپنے پچاس پچپن سالہ طویل دعوتی سفر میں متعدد پڑاؤ اور نشیب و فراز سے گزرے، وہ اپنے جرات مندانه اقدامات کے لئے نہایت مشہور تھے۔ وہ کبھی کسی سے مرعوب نہیں ہوئے، انہیں اپنے علم پر اعتماد اور بھروسہ تھا، ان کی تحقیق

اور دانش میں کتاب و سنت کی روشنی میں جو درست نظر آیا اسے اعتبار اور اولیت حاصل تھی۔ وہ سماج سے جڑے ہوئے آدمی تھے، مفاسد اور خرابیوں پر نظر رکھتے تھے، برابر لوگوں کو اس کی طرف توجہ دلاتے بھی رہتے تھے، یہی وجہ ہے کہ تاحیات معتبور رہے اور اس کی بھاری قیمت چکاتے رہے، انہیں کبھی اس کی پرواہ بھی نہیں رہی۔ ہاں اپنے ہر اقدام میں خیر کے پہلو کو ملحوظ رکھتے تھے۔ اسی طرح جس بات کو وہ حق جانتے اور سمجھتے تھے، اسی پر اٹل اور ڈٹے رہتے تھے۔ اس راہ میں آپ کو مختلف پریشانیوں، اذیتوں اور تکالیف کا سامنا بھی کرنا پڑا۔

روزنامہ ”آواز ملک“ بنارس ۱۹۹۰ء میں محرم الحرام کے حوالہ سے شائع آپ کے ایک مضمون کو لے کر ایک خاص فرقہ کے لوگوں نے دکان پر جا کر آپ کو اور آپ کے بڑے بیٹے احتشام الرحمن پر جان لیوا حملہ کر دیا اور اس وقت تک زد و کوب کرتے رہے جب تک کہ انہیں یہ یقین نہیں ہو گیا کہ اب یہ زندہ نہیں ہیں۔ لیکن خالق الموت والحیاء کا نوشتہ کچھ اور تھا، زندگی اور حیات کا رشتہ ابھی باقی تھا، حزبیت اور شعوبیت کا یہ نگانا چہرہ کی کڑا کے کی ٹھنڈی اور روز جمعہ کی مبارک ساعتوں میں انجام دیا گیا تھا، مولانا خطبہ جمعہ کی تیاریوں میں منہمک تھے، دیکھتے ہی دیکھتے تعصب و عناد کی بھینٹ چڑھادئے گئے۔

جماعت اہل حدیث مبارک پور کی تاریخ میں یہ بے حد نازک موڑ اور شاید پہلی بار شدید آزمائش کا موقع تھا، جس نے بھی سنا دم بخود اور اس شرم ناک مذہبی اور بزدلانہ حرکت پر ششدر اور دنگ رہ گیا۔ سب سے پہلے آپ کو اعظم گڈھ صدر اسپتال میں لے جایا گیا، حالت بے حد نازک اور تشویش ناک تھی، ڈاکٹروں نے وہاں سے میڈیکل کالج بنارس ہندو یونیورسٹی بنارس ریفر کر دیا۔ مہینوں وہاں زیر علاج رہے۔ ہاتھ کی وہ رگ کٹ گئی تھی جس سے اس کی حرکت اور عمل معطل ہو گئی، بنارس کے ڈاکٹروں نے اس کو الگ کرنے کا فیصلہ سنا دیا تھا، آپ نے اللہ رب العزت سے لو لگائے رکھا اور ہمت نہیں ہاری، اس کے علاج کے لئے ممبئی کا رخ کیا، جہاں جے جے اسپتال میں آپ کا کامیاب آپریشن ہوا، رو بہ صحت ہونے اور معمولات پر آنے میں سالوں لگ گئے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ جو مقدمات اور ان میں پیشی اور حاضریوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوا اور تادم تحریر جاری ہے، وہ آپ اور آپ کے متعلقین کیلئے ذہنی کرب، اذیت اور زیر باری کا باعث رہا، ہر ماہ دو سے تین پیشیوں کا اوسط رہا، لیکن آپ نے نہایت خاموشی اور وقار سے جس صبر و استقلال اور پائے ثبات کے ساتھ ان سب کا سامنا کیا، وہ آپ ہی کا حصہ تھا، کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں لائے۔ مبارک پور میں ۲۰۰۰ء میں جب دوبارہ شیعہ دیوبندی فساد ہوا، تو اس میں بھی آپ کو اور بڑے بیٹے احتشام الرحمن کو بلا تصور نامزد کیا گیا۔ مولانا کو گھر سے عین مغرب کی نماز سے قبل گرفتار کیا گیا۔ کئی ماہ کی قید و بند اور مسلسل صعوبتوں کے بعد کسی طرح سے ضمانت پر جیل سے رہائی ملی۔ انہی متواتر پریشانیوں اور پے در پے آزار و الجھنوں نے مولانا کو ضعیف و ناتواں کر دیا تھا۔

شعر و شاعری: معاصر علماء اہل حدیث مبارک پور میں آپ کو یہ خاص وصف اور امتیاز حاصل تھا کہ دینی ذخیرے پر گہری نظر کے ساتھ ساتھ، ادب اور شعر و شاعری گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ حضرت فائق انصاری املوی بسیار گوارا اور کہنہ مشق شاعر تھے، غزل، حمد، نعت اور نظم ہر صنف میں یکساں دسترس حاصل تھی۔ نہایت سلیس اور مؤثر پیرائے میں نازک اور لطیف استعارات کے ساتھ اپنے

خیالات کو نظم کرتے ہیں۔ اصلاحی اور قومی مضامین کو بھی با محاورہ زبان میں ڈھالا ہے البتہ جب سے جامع مسجد حافظ خدا بخش کی خطابت اور امامت صلاۃ جمعہ سو نپی گئی، تب سے غزل کے کوچے سے راہ و رسم منقطع کر لی۔

راقم نے جب سے ہوش سنبھالا اپنے بزرگ نانا کو کسی مشاعرے میں شرکت کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ان کے کلام کو پیش کرنے والے متعدد شعراء پیش پیش رہتے تھے۔ حضرت فائق الملوی کا منظوم سرمایہ ضخیم تھا۔ نام و نمود اور شہرت سے گریز تھا، اس لئے جمع کرنے اور شائع کرنے کا خیال اور اہتمام کبھی نہیں کیا، اس معاملے میں بڑے لاپرواہ واقع ہوئے۔ مقامی شعراء میں متعدد حضرات کا شعری سرمایہ آپ ہی کے مرہون منت ہے۔ جو بھی حاضر ہوا، بامراد ہی لوٹا، اسی دریا دلی اور سخاوت کے چلتے آپ کی برسوں کی محنت ”واردات دل“ کو کوئی بے رحمی سے اڑالے گیا اور مولانا اس کی جرأت رندانہ کو نظر انداز کرتے رہے۔ ابھی بھی جو سرمایہ گھر پر موجود ہے کم از کم ایک دیوان تیار ہو سکتا ہے۔ اسی طرح آپ کے تایا مولانا عبداللہ فائق رحمانی کا دیوان بھی ماضی قریب تک موجود تھا، اب اس کا بھی سراغ نہیں ملتا۔

آپ نہ صرف معتبر شاعر تھے، بلکہ علاقہ کے مسلم الثبوت استاذ الشعراء قرار پائے، عربی زبان و قواعد پر عبور اور فارسی ذخیرے سے واقفیت اور علوم دینیہ پر گہری نظر اور دسترس نے ایک خاص امتیاز پیدا کر دیا تھا۔ مبارک پورا اور اطراف و جوانب کی متعدد نسلیں آپ کے دامن تربیت سے وابستہ رہ کر فکر و نظر کے زاویوں کی اصلاح اور ان کے فیضان نظر سے اپنے شعری ریاض کو صیقل کیا ہے۔ ان میں سے مہتاب پیامی، مرزا ارشد بیگ منا وغیرہم سرفہرست ہیں۔ مبارک پور کی ادبی اور شعری محفلوں میں برپا ہونے والی لفظی موشگافیوں اور ادبی معرکوں میں اکثر و بیشتر آپ کا قول فیصل ہوتا تھا۔

آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس پا کوڑا اجلاس کے لئے جاتے ہوئے راستہ میں قلم بند کی گئی تاثراتی نظم کے چند اشعار

ملاحظہ فرمائیں:

گل	ولالہ	وہابی	ہو گئے	ہیں
مئے	وساغر	حجازی	ہو گئے	ہیں
نہ	چھیڑوں	ذکر	گذرے	مشغلوں کا
نگاہ	ودل	نمازی	ہو گئے	ہیں
خدا	رکھے	میرے	گھر	کو سلامت
میرے	بھائی	فسادی	ہو گئے	ہیں
رموز	شرع	سے	نا آشنا	لوگ
غزالی	اور	رازی	ہو گئے	ہیں
ہمارے	شہر	میں	قاضی	کے فتوے
میاں	فائق	رکابی	ہو گئے	ہیں

مزید۔ ملاحظہ فرمائیں:

ہر ایک لفظ نے مفہوم کھودیا اپنا؟
فضائے علم و ادب ہوگئی معتبر کیسے؟

ایک غزل کے اشعار ملاحظہ ہوں:

شعلہ کہیں کہیں پہ ہے منظر غبار کا
چہرہ ہوا ہے وحشی ہمارے دیار کا
آزادی چمن کو زمانہ ہوا مگر
دامن ہے تار تار ابھی تک بہار کا
کشکول ہاتھ میں لئے پھرتے ہیں شہر شہر
یہ المیہ ہے کل کے ہر اک تاجدار کا
انسان اپنے فعل پہ پچھتائے گا ضرور
اترے گا جب کبھی بھی نشہ اقتدار کا
شامل ہے جب زمانے کی فطرت میں انقلاب
کب تک چلے گا زور کسی زور دار کا
کس طرح سے فساد کی افواہ گرم ہو
یہ مشغلہ ہے آج کل لیل و نہار کا
دیدہ وروں کے شہر میں کچھ بے ضمیر لوگ
پتلا جلا رہے ہیں میرے شاہ کار کا
دینے چلا ہوں ارض وطن کو لہو کا دان
دیکھیں گے لوگ پھر وہی نقشہ بہار کا
فائق یہ دیکھنا ہے قیادت کی بھیڑ میں
کس کو ہے کتنا پاس چمن کے وقار کا

اور یہ بھی پڑھیں

دل بیتاب کی سوغات کچھ اچھی نہیں لگتی
وطن والوں کی میری بات کچھ اچھی نہیں لگتی

تیری تلوار پر تو دشمنوں کا خون چھلکتا تھا
تیرے اشکوں کی یہ برسات کچھ اچھی نہیں لگتی
تیرے قدموں کے ٹھوکر میں تو رقصاں صبح روشن تھی
سراگندہ یہ تیری رات کچھ اچھی نہیں لگتی
مذاق سر فروشی جن کی فطرت ہے زمانے کی
انہیں تشریح امکانات کچھ اچھی نہیں لگتی
جو بن جاتی ہے آخر کار وجہ خود گرفتاری
مجھے نادان تیری بات کچھ اچھی نہیں لگتی
جو در پردہ دروغ شب ظلمت کی پیالی ہو
وہی بزم تجلیات کچھ اچھی نہیں لگتی
بدل ڈالے جو لوگ مقصد آیات قرآنی
مجھے وہ سعی تشریحات کچھ اچھی نہیں لگتی
عملہائے محمد کی نہ جس میں حکمرانی ہو
فقیہ شہر کی طرف وہ بات کچھ اچھی نہیں لگتی
نہ قائم رہ سکے جس سے مقام و منصب سنت
مجھے وہ طرز تاویلات کچھ اچھی نہیں لگتی

مولانا بے حد اصولی اور پابند شریعت انسان تھے۔ معاملات دنیاوی ہوں یا دینی ہر ایک میں شریعت کو مقدم رکھتے تھے۔ لین دین کو بہت صاف اور شفاف رکھتے تھے۔ شاید اسی سبب بیوپاریوں کو بھی مولانا پر بڑا اعتماد، اعتبار اور یقین تھا۔ ابتدائی زندگی مشکلات اور عسرت سے بھری پڑی تھی، لیکن ہمیشہ صابر، شاکر اور قناعت پسند رہے۔ جب خوشحالی نے دستک دی، تب بھی قدم قدم پر اعتدال اور قناعت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ معمولات کے بڑے سخت پابند تھے، مولانا رات میں سویرے سو جاتے تھے، آخری پہر میں اٹھ کر تہجد پڑھتے اور دعا و مناجات میں مصروف ہو جاتے۔ فجر کی نماز کے بعد تلاوت وغیرہ سے فراغت کے بعد آٹھ بجے تک لازماً دوکان پہنچ جاتے تھے، جہاں شام تک حصول رزق میں مصروف رہتے۔ جب تک صحت نے ساتھ دیا، روز تینوں دوکانوں پر جا کر صورت حال کا جائزہ لیتے تھے۔

مولانا اپنے رشتہ دار، محلہ والے اور پڑوسیوں کا بے حد خیال رکھتے تھے۔ گھر پر خاص طور پر ہدایت کر رکھی تھی کہ کوئی بھی ضرورت مند خالی ہاتھ اور بھوکا نہ جائے۔ کچھ ڈھیٹھ اور بے شرم اس کا ناجائز فائدہ بھی اٹھاتے تھے، پھر بھی ان کی دل جوئی

اور خاطر مدارات کرتے۔ لوگوں کی خدمت اور رہنمائی ان کی زندگی کا نصب العین تھا۔ دل میں مسلک سلف کے لئے بے حد تڑپ تھی، اس کی ترویج و اشاعت کے لئے ہمہ وقت تیار بیٹھے رہتے تھے۔ اس کی خاطر بسا اوقات ہونے والے تجارتی نقصانات کو بھی پس پشت ڈال دیتے تھے۔

بائیں ہمہ مولانا ایک انسان تھے، غلطیوں اور لغزشوں کے مرتکب تھے۔ مرض الموت میں جو بھی عیادت اور مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوتا، اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کے لئے معافی ضرور مانگتے۔ ادھر دو تین سال سے مختلف عوارض یکے بعد دیگرے کئی بار حملہ آور ہوئے، جس سے وہ رو بہ صحت ہو جاتے تھے اور معمولات کے مطابق روزمرہ کی زندگی اور مصروفیات میں اسی رفتار سے مشغول بھی ہو جاتے تھے، لیکن وہ کچھ بجھے بجھے اور خاموش سے رہنے لگے تھے، کہاں محفل نشینی اور کہاں یہ عزلت و خاموشی اور گوشہ نشینی!! جس سے اندازہ ہو گیا تھا کہ اب یہ شمع بھی خاموش ہونا چاہتی ہے۔ بالآخر وقت موعود آ پہنچا یکم ربیع الآخر ۱۴۳۵ھ مطابق ۲ فروری ۲۰۱۴ء بروز اتوار، شام پانچ بج کر دس منٹ پر سلفیت کے اس شیدائی اور علم بردار نے ہمیشہ کے لئے آنکھیں موند لیں۔ باوجودیکہ مولانا پر بیماری کا شدید حملہ تھا اور انہیں بھی یہ معلوم ہو گیا تھا کہ اس سے جانبری نہیں ہوگی، جس صبر و ضبط اور تحمل و سکون کا مظاہرہ کیا، وہ آپ کی عظیم ایمانی طاقت اور یقین کی علامت تھی، جب کہ بالعموم کینسر کے مریض درد کش دواؤں اور انجکشن کے سہارے رکھے جاتے ہیں۔ مولانا کی حالت اوروں سے بالکل الگ اور یکسر مختلف تھی، اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔

اگلے روز ”شام کو پنچہ“ قبرستان میں ۲ بجے نماز جنازہ ادا کی گئی، مولانا کوئی بھاری بھر کم شخصیت اور عالمی شہرت کے حامل عالم دین نہ تھے، بلکہ سیدھے سادھے متواضع بزرگ تھے، ایک محدود دائرہ میں رہ کر، مختصر سے لائحہ عمل اور مشن کے ساتھ پوری زندگی گزار دی تھی، وہ سماج سے جڑے ہوئے ہر ایک کے کام آنے والے انسان تھے۔ ان کا جنازہ مبارک پور کی تاریخ میں بڑا مشہور جنازہ تھا۔ مبارک پور جو بجائے خود مختلف مذاہب و مسالک اور رنگارنگ ثقافتوں کا جیتا جاگتا نمونہ اور سرچشمہ بھی ہے، بلا کسی بھید بھاؤ کے ہر ایک طبقہ اور مسلک نے بھرپور پروانہ دار نمائندگی دی، مبارک پور کی تاریخ میں پہلی بار کسی اہل حدیث عالم دین کے جنازہ میں مقامی باشندے بڑی کثرت سے صف بستہ نظر آئے۔ یہ امنڈتا ہوا عوامی سیلاب اور ازدہام ان کی مقبولیت اور محبوبیت کی واضح دلیل ہے۔ دلوں پر یہ حکمرانی اور گرویدگی ہر کسی کے حصہ میں نہیں آتی۔

حضرت مولانا قرة العین فائق الملوی نے جس میدان اور کوچہ میں ہاتھ ڈالا، بہت ہی جلد اپنی وہی اور آفاقی صلاحیتوں کے بدولت اپنی ہنروری اور زرخیزی کا لوہا منوایا، اس کا اعتراف و اقرار ان کے معاصرین کو بھی ہے۔ لیکن ان کو مبارک پور اور ضلع اعظم گڑھ کی سطح پر سلفی دعوت و تبلیغ کے میدان میں بھاری خلا نظر آیا، ان بڑھتے ہوئے فاصلوں اور بکھراؤ سے ہونے والے عظیم نقصانات، کچھ تو ان کی آنکھوں کے سامنے کے تھے، یا ماضی قریب کے رنجور واقعات و حوادث تھے۔

پھر وہ حالات کی نزاکت اور سخت ضرورت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے انہی دوریوں کو قربت میں بدلنے کی تگ و دو میں لگ گئے اور انہی تقاضوں کی تکمیل میں تن من سے جٹ گئے، یہ کام مولانا کے تجارتی مصروفیات کے ہم مزاج اور ان کی افتاد طبع کے موافق بھی

تھا، اسی راہ کو مولانا کی طویل رفاقت بھی نصیب ہوئی، اسی میں ان کو اپنی توانائیوں کو لٹانے کا میدان بھی ہاتھ آیا، ان شاء اللہ تعالیٰ مشرقی اتر پردیش کی سلفی تاریخ میں دعوت و عمل کے یہ تابندہ نقوش ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ جملہ خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے، درجات کی بلندی، رفیع سینات کا درجہ بنائے اور ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق بخشے آمین۔ مولانا فائق انصاری کی وفات سے مبارک پور میں علمی اور ادبی روایات و اقدا ر کے ایک زریں عہد اور روشن باب کا خاتمہ ہو گیا۔ یہاں کی شعری محفلیں سونی اور ادبی اقدار و روایات حسرت خوردہ اور سوگوار ہیں، اور اس سے بڑھ کر مقامی جماعت اہل حدیث اور سلفی کارواں کے لئے عظیم خسارہ ہے۔

پسماندگان: مولانا کے پسماندگان میں بیوہ کے علاوہ پانچ لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں، جن کے نام بالترتیب یہ ہیں: احتشام الرحمن، مولانا انعام الرحمن، منہاج الرحمن، مولوی وہاج الرحمن، انتخاب الرحمن، بشری، فوزیہ، صوفیہ ادیب اور فریدہ سعاد ہیں۔ ان میں مولانا انعام الرحمن، اور صوفیہ ادیب پوسٹ گریجویٹ اور سرکاری صیغہ تدریس سے منسلک ہیں۔ سب سے چھوٹے صاحب زادے انتخاب الرحمن علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے گریجویٹیشن فائنل کر چکے ہیں، مزید اعلیٰ تعلیم کے لئے پر عزم اور کوششوں کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ بقیہ حضرات تجارت سے جڑے ہوئے ہیں۔ مولانا انعام الرحمن انصاری سے بجا طور پر امید کی جا رہی ہے کہ وہ اپنے والد کی روایتوں کی پاس داری کریں گے۔

مولانا اپنے ۷۶ سالہ اعمال ناموں کو سمیٹ کر اپنے خالق و مالک کے دربار میں حاضر ہو چکے ہیں، جہاں ہر ایک انسان کو جانا طے ہے، ان کے لئے دعائے مغفرت، ذکر خیر اور چھوڑے ہوئے مشن کو آگے بڑھاتے رہنا ہی بہترین خراج عقیدت اور تسکین کا باعث ہوگا۔ { وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ } (سورة الحشر: ۱۰)

(جریدہ ترجمان دہلی ۳۱-۱۶/اکتوبر ۲۰۱۵ء)





مایہ ناز سلفی عالم شیخ عبدالقادر شیبیہ الحمد رحمہ اللہ رحمۃ واسعة

سابق استاذ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

وفات ۲۷ مئی ۲۰۱۹ء

عبدالحکیم عبدالمجود المدنی

عالم اسلام کی ایک معتبر علمی شخصیت اور نہایت عبقری استاذ شیخ عبدالقادر شیبیہ الحمد تھے جو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے پروفیسر اور سعودی عرب کے مختلف اداروں سے وابستہ رہ چکے تھے۔ اصلاً آپ مصر کے رہنے والے تھے وہیں پرورش ہوئی اور تعلیم و تربیت مکمل کی۔ ازہر سے فراغت کے بعد سعودی عرب کے شہر بریدہ میں تدریس سے وابستہ ہو گئے اور دھیرے دھیرے آپ کے علم و عمل اور علمی و تدریسی خدمات کی وجہ سے آپ کو سعودی نیشنلٹی حاصل ہو گئی۔ اور پھر اہل عالم پر اس طرح چمکے کہ چمکتے رہ گئے۔ منہج، عقیدہ کی صلابت، دعوت سلف اور مسلک محدثین کا فروغ آپ کا طرہ امتیاز تھا، اور یہی وجہ تھی کہ جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم بنارس کے قیام کے بعد ۲۱ مارچ ۱۹۶۶ء میں افتتاح تعلیم کے موقع پر آپ کو شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے اپنا نائب بنا کر بنارس بھیجا تھا۔ اور آپ کے مبارک ہاتھوں سے ہی جامعہ میں تعلیم و تدریس کا آغاز ہوا اور اس طرح یہ ادارہ ان بزرگوں کے حسین خوابوں کا حسین مرکز بن کر آج پورے آب و تاب کے ساتھ ہمارے مابین جلوہ فگن ہے۔ اللہ اس کو سرسبز و شاداب رکھے۔ آمین۔ آپ کی وفات پر ذیل میں آپ کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔

نام و نسب: عبدالقادر بن شیبیہ الحمد بن یوسف شیبیہ الہلالی المصری۔ آپ کا قبیلہ بنی ہلال کے نام سے شہرت یافتہ ہے۔ تاریخ پیدائش: مصر کے معروف شہر کفر الزیات میں آپ کی پیدائش ۲۸ فروری ۱۹۲۱ء مطابق ۲ جمادی الآخرہ ۱۳۳۹ھ کو قبیلہ بنی ہلول میں ہوئی۔

تعلیم و تربیت: ۱۹۲۷ء میں ابتدائی تعلیم کے لئے بستی کے مکتب سے آغاز کیا اور پھر جامعہ ازہر سے وابستہ رہ کر ابتدائی اور ثانوی تعلیم حاصل کی اور یہیں سے کلیۃ الشریعہ کی تکمیل بھی کی اور ۱۳۷۴ھ میں شہادۃ کلیۃ یعنی لیسانس سے سرفراز کئے گئے۔ ۲۔ حسن اتفاق جامع ازہر میں اسی سال عالمیت کا کورس (جو اس زمانے میں دکتورہ کے برابر ہوا کرتا تھا) شروع ہوا جس میں مصر کے تین سوطلباء شریک ہوئے مگر صرف تین کو کامیابی ملی۔ اس میں ایک ہمارے ممدوح شیخ عبدالقادر شیبیہ الحمد بھی تھے۔

تدریسی خدمات: ● آپ مصر میں جمانۃ انصار السنۃ کے مشرقی زون کے صدر تھے، اور مصر ہی میں تدریس پر مامور تھے۔ بعض دیہی علاقوں اور دیگر جگہوں میں آپ نے دس سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ اسی درمیان سعودی عرب کے شہر ”بریدہ“ میں واقع ”معہد بریدہ

العلمی، میں تدریس کے لئے تقرری ہوئی اور آپ مصر سے سعودی عرب منتقل ہو گئے اور مسلسل تین سال (صفر ۱۳۷۶ھ سے لے کر ۱۳۷۸ھ تک) یہاں سے وابستہ رہے، یہاں آپ کے تلامذہ میں مشہور سعودی عالم شیخ صالح الفوزان اور شیخ عبدالرحمن العجلان وغیرہم ہیں۔

● ۱۳۷۹ھ میں آپ کی تقرری ریاض میں کلیۃ الشریعۃ واللغة العربیہ میں ہوئی یہاں آپ دو سال تک تفسیر، اصول فقہ، اور حدیث کی کتاب سبل السلام وغیرہ پڑھاتے رہے۔ ۱۳۸۱ھ میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کا قیام عمل میں آیا اور اس کے پہلے رئیس شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ مفتی عام مقرر ہوئے اور انہوں نے جامعہ میں بطور نائب رئیس شیخ ابن باز رحمہ اللہ کو مقرر فرمایا۔ شیخ ابن باز جب نائب رئیس مقرر ہوئے تو چونکہ آپ کا تعلق بھی ریاض کے کلیۃ الشریعۃ سے تھا اس لئے آپ نے صدر جامعہ اسلامیہ سے گزارش کی کلیۃ الشریعہ ریاض کے دوامیہ ناز مدرسین کو جامعہ اسلامیہ میں تدریس کے لئے مقرر کیا جائے ان میں ایک شیخ محمد الامین الشنقیطی تھے اور دوسرے ہمارے صاحب ترجمہ شیخ عبدالقادر شبیبیہ الحمد تھے۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے دونوں اصحاب علم جامعہ اسلامیہ میں تدریس کے لئے مقرر ہو گئے۔ چنانچہ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۲ھ سے لے کر ۱۴۰۰ھ تک مسلسل آپ جامعہ اسلامیہ سے وابستہ رہے۔ اخیر میں دراسات علیا میں تدریس کے لئے بھی آپ کو منتخب کیا گیا۔

● ۱۴۰۰ھ میں آپ کو جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ ریاض کے خصوصی دعوتی شعبہ المعہد العالمی للدعوة الاسلامیہ میں مندوب بنا کر بھیجا گیا۔ آپ وہیں قیام پذیر ہوئے اور تدریس سے رٹائرمنٹ کے بعد ریاض ہی کو آپ نے مسکن بنا لیا۔ ● دوران تدریس جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ مسجد نبوی میں بھی آپ کے دروس کے حلقے مسلسل کئی سالوں تک منعقد ہوتے رہے اور ہزاروں طلباء نے اس سے بھرپور فیض اٹھایا۔ ● رمضان ۱۴۰۶ھ اور ۱۴۰۸ھ میں آپ کو مسجد نبوی میں تہجد کی نماز پڑھانے اور مصلیان حرم کی امامت کا بھی شرف حاصل ہے۔ ● ۲۱ مارچ ۱۹۶۶ء مطابق ۲۷ ربیٰ قعدہ ۱۳۸۵ھ بروز دوشنبہ کو (جامعہ سلفیہ) مرکزی دارالعلوم بنارس کے افتتاح کے موقع پر شیخ ابن باز رحمہ اللہ کی نیابت میں آپ کے ہاتھوں پر تعلیم کا آغاز ہوا۔

مشاہیر تلامذہ: آپ کے مشاہیر تلامذہ میں (۱) شیخ صالح الفوزان (۲) شیخ عبدالرحمن العجلان (۳) شیخ عبداللہ الغانم اور (۴) شیخ صالح اللحید ان جیسے کبار اہل علم شامل ہیں۔

تصنیفی خدمات: آپ کی بے شمار کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، جن میں سے اہم ترین درج ذیل ہیں۔

۱- حقوق المرأة فی الاسلام (۲) الادیان والفرق والمذاهب المعاصرة (۳) امتاع العقول بروضة الأصول (۴) اثبات القیاس فی الشریعۃ والرد علی منکرہ (۵) من المذاهب الهدامة (۶) تحقیقات عن لیلة القدر (۷) القصص الحق فی سیرة سید الخلق (۸) قصص الانبیاء (۹) تہذیب التفسیر و تجرید التأویل مما لحق بہ من الأباطیل۔ ۶ مجلد۔ (۱۰) فقہ الاسلام فی شرح بلوغ المرام (۱۱) تحقیق فتح الباری شرح صحیح البخاری (۱۲) تحقیق رسالہ تجرید التوحید المفید للمقریزی۔

اولاد: شیخ محترم کی متعدد بیویوں سے کل چھ بیٹے اور چھ بیٹیاں ہیں اور ان میں ایک ڈاکٹر محمد عبدالقادر شبیبیہ الحمد ہیں جو فی الوقت مدینہ منورہ میں محکمہ عدل (کورٹ سے) وابستہ ہیں اور انتظامی امور کے رئیس اور ذمہ دار ہیں۔

وفات: علم و عمل کا یہ روشن ستارہ بالآخر ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۴۰ھ ۲۰۱۹ء کو ریاض شہر میں اللہ کو پیارا ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ وتغمدہ بواسع رحمۃ۔ نماز جنازہ عصر کی نماز کے بعد جامعۃ الملک خالد ریاض میں ادا کی گئی اور مقبرہ الشمال میں تدفین عمل میں آئی۔ (موقع الشیخ عبدالقادر شبیبیہ الحمد ویکیپیڈیا یا دیگر مواقع)



جزیرے یادوں کے

(بعض اساطین عرب علماء کی ایک دلچسپ داستان)

بموقع وفات شیخ عبدالقادر شبیبۃ الحمد رحمہ اللہ

مولانا حفیظ الرحمن اعظمی عمری

سننے میں آیا اور خبروں میں پڑھا کہ ہمارے ایک ناقابل فراموش استاذ شیخ عبدالقادر شبیبۃ الحمد (پیدائش: ۲۸ فروری ۱۹۲۱ء،

مصر) کا انتقال ہو گیا۔ انا اللہ۔۔۔۔۔

شیخ نے طویل مدت تک جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں تدریسی فرائض انجام دیے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ سے مستفید ہونے والے دس بیس ہزار طلبہ آسانی سے آپ کو فراموش نہیں کر سکیں گے۔

ہمارے دور میں طلبہ مختلف ذہنوں اور صلاحیتوں کے مالک تھے۔ جامعہ میں داخلہ کا اعلان اکتوبر ۱۹۶۱ء میں ہوا۔ جامعہ نیا تھا۔ قواعد و ضوابط زیر غور تھے۔ نصابِ تعلیم تجربے کے دور سے گزر رہا تھا۔ اساتذہ کچھ مشہور زمانہ تھے اور کچھ گم نام، لیکن مدینۃ الرسول کا نام ہر مسلمان کے کان میں رس گھول رہا تھا۔ کیا طلبہ کیا اساتذہ، سب کے دل کھینچنے لگے اور طاقت پر واز نہ ہونے کے باوجود شوق کے پروں سے اڑ کر جانے کے لئے سب پرتولنے لگے۔ داخلہ محدود تھے۔ پھر بھی ساٹھ ملکوں سے ڈھائی سو پروانے حرم نبوی کی شمع کے گرد منڈلانے پہنچ گئے۔ سو کو کلیہ میں داخلہ ملا۔ بقیہ ثانویہ میں لے لیے گئے۔ کوئی باقاعدہ عمارتیں تو نہیں تھیں۔ احاطہ لوق و دق تھا۔ شاید وہاں پولیس چوکی تھی۔ ان کے مراتب کے لحاظ سے چھوٹی بڑی چھاؤنیاں تھیں۔ بہت معمولی درود یوار کی ایک ہی انداز کی، ایک ہی منزلہ عمارتیں، کچھ کلاس روم بنائی گئیں، کچھ دفاتر کے کام آگئیں۔ باقی جونچ رہیں وہ طلبہ کی رہائش گاہ بن گئیں۔ بڑی عجلت اور روروی میں یہ کام اور اقدام عمل میں آ گیا۔ بادشاہوں کے مزاجوں کے بدلنے میں دیر نہیں لگتی۔ شایان شان عمارتوں کا انتظام کیا جاتا تو پتا نہیں معاملہ کیا سے کیا ہو جاتا۔

سعود بن عبدالعزیز (وفات: ۲۳ فروری ۱۹۶۹ء) بادشاہ تھے۔ اہل علم اور خصوصاً شیخ عبدالعزیز بن باز (۱۹۱۰ء-۱۹۹۹ء) کے قدردان تھے۔ شیخ کی ہر تجویز کا ان کے پاس ایک مقام تھا۔ زبان سے بات نکلی، ہاں کہہ دی۔ علمی دنیا کی جانی مانی شخصیتوں کی شوریٰ کمیٹی بنالی۔ صلاحیت و لیاقت اور اسناد سے قطع نظر صالحیت اور طہارت و تقویٰ سے متصف اہل اللہ کو مناصب تدریس سونپ دیے گئے۔ چشم زدن میں زن سے کام شروع ہو گیا۔ کلیہ کے سوطلبہ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے پچاس پچاس کی دو کلاسیں بنادی گئیں۔ عقیدہ شیخ ابن باز کے پاس، تفسیر شیخ امین شفقیطیؒ، حدیث شیخ ناصر الدین البانیؒ، فقہ شیخ عبدالحسن العباد، تاریخ ابوالعزیز رمضان، ادب شیخ محمد الجذب، قواعد شیخ عطیہ محمد سالم، باقی اور بھی کئی ایک مضامین تھے سیرت، اصول فقہ، حاضر العالم الاسلامی وغیرہ وغیرہ، یہ سب

شیخ شہیدۃ الحمد کے حوالے ہو گئے، یا خود وہ آگے بڑھ کر آگئے۔

لوگ سمجھیں نہ سمجھیں مگر شیخ ہرن مولیٰ ضرور تھے۔ حافظہ غضب کا تھا۔ زبان و بیان پر حیرت انگیز ملکہ تھا۔ ہر موضوع پر اپنی فصیح اللسانی اور قادر الکلامی سے طلبہ کو مرعوب کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے تھے۔ جیسا کہ شروع میں لکھ آیا ہوں کہ پڑھنے والے طلبہ ہی نہیں، اساتذہ بھی تھے، جو اپنا کام مدینہ کے نام پر قربان کر کے چلے آئے تھے، شیخ سے خوب الجھتے، آگے بڑھنے نہیں دیتے۔ سوالات سے پریشان کرتے، مراجع و مصادر کی فہرست مانگتے۔ ایک عراقی ساتھی علی بن خلف بحث پر اتر آئے اور یہاں تک کہہ دیا کہ ”حاضر العالم الاسلامی کی ابجد سے بھی آپ واقف نہیں ہیں، ہم آپ سے یہ موضوع نہیں پڑھیں گے“ ساتھی دنگ رہ گئے، روکنے ٹوکنے کی کسی کو ہمت نہیں ہوئی۔ شیخ کی انا کو زبردست ٹھیس لگی۔ غیظ و غضب کے ہیجان میں طالب علم کو نہ صرف کلاس سے باہر کر دیا، بلکہ قسم کھالی کہ یہ میرے درس میں کبھی نہیں شریک رہے گا۔ بات اوپر تک گئی۔ شیخ بن باز نے رئیس المرافقین کو نمائندہ بنا کر بھیجا کہ غصہ تھوک کر گستاخ طالب علم کو معافی دے دیں۔ شیخ شہیدۃ الحمد رئیس المرافقین پر برس پڑے تو انہوں نے کہا ”میں نے اپنی بات آپ کے گوش گزار نہیں کی ہے، یہ شیخ بن باز کا حکم ہے، جسے آپ نظر انداز نہیں کر سکتے“ شیخ غضب میں آپ سے باہر تھے۔ جواب دیا ”شیخ بن باز تو کیا عبدالکریم قاسم بھی سفارش لائے تو میں اسے معاف کرنے والا نہیں ہوں“

یاد رہے کہ ان دنوں عبدالکریم قاسم ملک عراق کے سرخ و سپید کے مالک اور ڈکٹیٹر حکمران تھے۔ شاہی خاندان کے تمام افراد بشمول نوجوان بادشاہ، ان کی ماں اور بھائی بہن سب کو ایک فوجی انقلاب میں غالباً ۱۹۶۰ء میں بھون کر رکھ دیا تھا۔ اقتدار کے نشے میں تین سال بھی مکمل نہیں ہوئے کہ عبدالسلام عارف نے ان کے اقتدار ہی کا نہیں، زندگی کا بھی خاتمہ کر دیا تھا۔ ہم نے یہ عبرت ناک منظر ٹی وی میں دیکھا اور ریڈیو پر سنا کی فوجی عدالت نے عبدالکریم قاسم کے مظالم کا تذکرہ کر کے فیصلہ سنا دیا کہ تمہیں سزائے موت دی جاتی ہے اور تین گولیوں سے تمہاری جان کا خاتمہ کیا جائے۔ اللہ تمہاری روح پر رحم فرمائے۔ نَحْكَمْ عَلَيْكَ بِالْاَعْدَاءِ وَذَلِكَ رَمِيًا بِالرَّصَاصِ الثَّلَاثِ، رَحِمَ اللَّهُ رَوْحَكَ۔

ملک کے اخبارت نے واقعے کی روداد لکھتے ہوئے فرمان الہی سے استشہاد پیش کیا: (وَ كَذَلِكَ نُؤَيِّدُ بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ) (الانعام: ۱۲۹) ”اور (دیکھو) اس طرح ہم بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کر دیتے ہیں۔ ان کی اس کمائی کی وجہ سے، جو وہ (اپنی بد عملیوں کی وجہ سے) حاصل کرتے رہتے ہیں۔“

ہمارے قاری علی خلف کا انجام جاننا چاہتے ہوں تو عرض ہے کہ ان کی گستاخیوں کی ایک طویل فہرست تھی۔ اختتام سال کے آخری دن آگئے تو اس بے چارے ناخلف کے اخراج کا فیصلہ ہو گیا۔

شیخ عبدالقادر کو کسی بھی موضوع پر بولنے میں کوئی تکلف اور تامل نہیں ہوتا۔ اعتماد کے ساتھ بولتے اور بے تکان بولتے۔ یادداشت ماشاء اللہ ایسی کہ رسول اللہ ﷺ اور دیگر اکابر صحابہ کی سوانح سنانے آتے تو سانس لیے بغیر حسب نسب کو آخری جدا مگر تک پہنچا کر ہی دم لیتے۔ طلبہ کی اکثریت آپ کی مداح اور معترف تھی، مگر کچھ پتا نہیں کیوں خار کھائے بیٹھے تھے اور کسی طرح آپ کو زک

دینے اور لا جواب کرنے کی سوچتے رہتے۔ مشکل سوالات ڈھونڈ ڈھونڈ کر لاتے کہ شیخ کہیں تو اپنی کم مائیگی کا اعتراف کر لیں۔ واقعی اگر ایسا کوئی پیچیدہ سوال ہوتا تو شیخ باران دیدہ استاذ تھے۔ ذرا بھی نہیں گھبراتے۔ سوال کرنے والے کی جی بھر کر تعریف کرتے۔ سوال کی اہمیت و معنویت کا اعتراف کرتے ہوئے فرماتے کہ میں پہلے آپ لوگوں سے جان لینا چاہتا ہوں کہ آپ کا مطالعہ اور مشاہدہ کیا کہتا ہے۔ ہر ایک سے سوال کر کے جواب کا موقع دیتے، یہاں تک کہ گھنٹہ ختم ہو جاتا۔ رات بھر پتا نہیں کہ کس لائبریری میں جاتے اور نفس مسئلہ کو کتنی کتابوں میں کھنگالتے کہ دوسرے دن کسی کا کوئی سوال اور اشکال باقی نہیں رہتا۔ موضوع پر دھواں دھار تقریر ہو جاتی۔

ایک ایک فصل میں پچاس پچاس طلبہ ہوتے۔ شیخ سب کو جانتے اور سمجھتے تھے۔ بولنے والوں سے زیادہ خاموش رہنے والوں پر گہری نظر تھی۔ کلاس میں اپنا رعب داب اور طنطنہ جمائے رکھتے، جیسے کسی کو کوئی حیثیت ہی نہیں دے رہے ہیں، لیکن باہر شہر اور مسجد میں سامنا ہوتا تو خندہ پیشانی اور متبسم چہرے سے پیش آتے۔ خیر و عافیت دریافت کرنے میں پہل فرماتے۔ طلبہ ان کے بارے میں کیا کہتے، کیا سوچتے اور کیسے تبصرے کرتے ہیں، یہ سب جاننے کی انہیں کرید ہوتی۔ کلاس سے مختلف اس ملاقات میں طلبہ بھی کھل کر کہی ان کہی باتیں ان کے گوش گزار کر دیتے اور اپنی یادداشت کے خانے میں انہیں محفوظ رکھ کر وقت ضرورت تنبیہ کرتے۔

۲۱ مارچ ۱۹۶۶ء کو مرکزی دارالعلوم جامعہ سلفیہ بنارس کا افتتاح علمی شان و شوکت کے ساتھ عمل میں آیا۔ ذمے دار حضرات کی دلی خواہش تھی کہ ساتھ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن بازؒ کے مبارک ہاتھوں سے یہ تقریب انجام پائے۔ شیخ محترم کی علمی، عملی، اصلاحی، دعوتی اور رفاہی خدمات کی انجام دہی کے لئے دن رات کے چومیس گھنٹے بھی ناکافی لگتے تھے۔ ایسے میں بھلا سفر آپ کے لئے ممکن کیسے ہوتا۔ آپ نے اپنے اور جامعہ اسلامیہ کے نمائندے کے طور پر شیخ عبدالقادر شیبہ الحمد کو روانہ فرمایا۔ موصوف سفیر سعودی برائے ہند شیخ محمد الشیبلی کے ساتھ بنارس پہنچے۔ استقبال کرنے والوں کا ہجوم امند پڑا۔ جس شان اور طمطراق کے ساتھ یہ دونوں شیوخ تشریف فرما ہوئے، بنارس کے تمام باشندوں کے لئے یہ منظر یادگار بن گیا۔ شیخ نے مجھے پہچان کر خیر و عافیت دریافت فرمائی، اور میں نے شیخ کے کم سن بچوں یوسف، محمد وغیرہ جو کبھی آپ کے ساتھ مسجد مدرسہ آجاتے تھے، ان کا حال احوال پوچھا۔ آپ مسرور ہوئے۔ افتتاحی تقریب میں صحیح بخاری کی پہلی حدیث گھن گرج کے ساتھ پڑھ کر جو عالمانہ اور حکیمانہ خطاب تسلسل اور روانی کے ساتھ فرمایا، وہ عوام کے ساتھ خواص اور اہل علم کو بھی بہت متاثر کیا۔

آپ کے درس میں ہم نے پورے چار سال گزارے۔ 'استفادہ کیا' یہ کہنے کی جسارت نہیں کر رہا ہوں۔ استفادہ کیسے ہوتے تو خود بھی کوئی نقش چھوڑ جانے کے لائق ہو گئے ہوتے۔ چار سال گزارنے کے باوجود شیخ کے احترام اور ہماری مرعوبیت کا حال یہ تھا کہ آپ کی ذاتی زندگی کے بارے میں ہماری معلومات صفر ہیں۔ بہر حال! آپ سعودی الاصل اور سعودی النسل نہیں تھے۔ تعلیم کہاں حاصل کی، کیا کیا پڑھا، اور کس کس سے پڑھا، یہ بھی نہیں جان سکے۔ اساتذہ کا علمی رعب ہی کچھ ایسا بھاری بھر کم تھا کہ ان سے قریب ہوتے ہوئے بھی ذاتی سوالات پوچھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔

تفسیر کے استاذ شیخ محمد امین شہنقیطی صاحب اضواء البیان کے درس میں بھی ہم چار سال شریک رہے۔ شیخ منکسر المزاج تھے۔

پھر بھی آپ سے ڈرے ڈرے سہمے سہمے رہتے تھے۔ شیخ کا درس کیا تھا، سمندر کو کوزے میں سمو دیتا تھا۔ تفسیر اور عربی زبان و قواعد کی کوئی بحث آپ کی دسترس سے باہر نہیں تھی۔

ایک واقعہ سن لیجئے: بیرونی دنیا کی ایک علمی شخصیت کلاسوں کے باہر باہر سرسری گزر رہی تھی شیخ کی کلاس سے قریب ہوئے تو قدم رک گئے۔ کرشمہ دامن دل می کند کہ جائیں جاست۔ درس ختم ہوا تو اجازت سے اندر آئے اور کہنے لگے ”آپ تفسیر کرتے ہیں تو ابن عباسؓ لگتے ہیں، نحوی مسائل بتاتے ہیں تو سیبویہ معلوم ہوتے ہیں، بلاغت میں جرجانی کا عکس ہے، مسائل کے استنباط میں مذہب اربعہ کے اساطین ائمہ کی یادگار ہیں“ وغیرہ وغیرہ۔ کیا میں جان سکتا ہوں کہ تفسیر کی شہادۃ (سرٹیفکیٹ) آپ نے کہاں سے حاصل کی؟“ شیخ برامان گئے۔ اپنے قصور علم کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا:

ماعدی شہادۃ غیر شہادۃ ان لا اله الا الله وان محمد رسول الله۔ میرے پاس صرف ایک ہی شہادت ہے، کلمہ طیبہ کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں“

شیخ شنفیلی کے نزدیک ہم چار سال رہے۔ کبھی آپ کو کسی کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا، اور نہ آپ کی جیب میں کبھی کوئی قلم یا کاغذ ہی نظر آیا۔ سارے خوشہ چین حقیقت تک پہنچنے کی بجائے یہی اندازہ لگاتے تھے کہ علوم و فتویٰ کے یہ سارے سمندر صرف آپ کے دماغ میں موج زن ہیں۔

شیخ شہیدۃ الحمد اور شیخ شنفیلی کے ماسوا ہم نے شیخ عبدالحسن بن حمد العباد البدر حفظہ اللہ کی مجلس درس میں بھی چار سال گزارے۔ شیخ موصوف علم و عمل، طہارت و تقویٰ اور تواضع و انکساری میں اپنی مثال آپ ہیں۔ آپ سے مل کر سلف صالحین کی سیرت و سوانح کے اوراق روشنی بکھیرنے لگتے ہیں۔ حق گوئی اور بے باکی میں ہمیشہ آپ کی زبان صدق شمشیر بے نیام رہی اور ہے۔ اللہ آپ کی عمر دراز فرمائے۔ جامعہ اسلامیہ میں کئی علوم و فنون پڑھائے۔ کچھ مدت نائب الرئیس بھی رہے۔ حرم نبوی میں سنن ابوداؤد، جامع ترمذی اور دیگر کتب حدیث کے درس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں پڑھتے آئے ہیں کہ ”ما ترک العبد صدیقاً قوله الحق“ ”عمرؓ کی حق گوئی کی وجہ سے ان کا کوئی دوست باقی نہیں رہا“، شیخ عباد بھی اسی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے راستے کے راہی ہیں۔ اس لئے آپ سے اپنے بھی خفا اور بے گانے بھی ناراض ہیں۔

مارچ ۲۰۱۸ء میں میرے عزیز ابنائے جامعہ دارالسلام عمر آباد نے اپنے ایک روایتی اور تاریخی اجلاس میں مدعو کیا تو اجلاس کی ایک ایک خوبی اور خصوصیت کی یادوں اور عمرہ و زیارت کی سعادت اور شیخ موصوف کی خصوصی ملاقات و شفقت حاصل سفر حرمین رہی۔ میرے طلبہ حیران رہ گئے کہ شیخ نے میری ایک ایک بات یاد رکھی تھی کہ میں کلاس میں کہاں بیٹھتا تھا اور میرے اڑوس پڑوس کے ساتھی کون کون تھے۔ اس تعلق خاطر کو دیکھ کر آپ کے لائق صاحب زادے ڈاکٹر عبدالرزاق البدر حفظہ اللہ، جن کی علمی شہرت مملکت میں مسلم ہے، پر تکلف و دعوت سے اعزاز بخشا۔

ایک عجیب بات جو اس سے پہلے عرب میں دیکھی نہیں گئی تھی، خودستانی کا ڈرنہ ہو تو عرض کر دوں کہ کھانے سے فراغت کے بعد

دکٲور نے مجھ سے پوچھا: جوتے کہاں اتارے ہیں؟ میں گھبرا گیا کہ کسی قابلِ اعتراض جگہ تو میں نے جوتے نہیں اتار دیئے۔ نشانِ دہی کی تو اپنے ہاتھوں میں لیے مجھے پہنانے کے لئے آئے۔ شیخ زادے کا یہ اعزاز مجھے شرم سے پانی پانی کر گیا۔ یہ اصل میں میرا اعزاز نہیں، آپ کے والد محترم نے مجھے ذرا محبت دی تو سوچا ہوگا کہ ایسے کی خدمت والد کے احترام و اطاعت ہی کے حساب میں شمار ہوگی۔ علمائے نجد میں بھی سوچ بچار کے انداز کتنے انوکھے اور نرالے ہیں۔ اللہ دکٲور کی قدر و منزلت اور مراتب بلند فرمائے۔

مدینہ منورہ میں سعودی ابنائے قدیم کے اس رنگ برنگے گونا گوں پروگرام سے دل جھوم اٹھا تھا۔ قلم کو تاثرات تحریر کرنے کی تحریک ہو رہی تھی، مگر ایک بات میں نے محسوس کی کہ ہر کام امنگ اور ڈھنگ سے بھرپور تھا۔ اسٹیج پر ترتیب سے تین نسلوں کے نمائندوں کی نشست کا اہتمام تھا۔ استاذ الاساتذہ حضرت ابوالبلیان حماد صاحب حفظہ اللہ کے داہنے پہلو میں مجھے جگہ دی گئی اور عظیم مصنف دکٲور ضیاء الرحمن اعظمی عمری رحفظہ اللہ سے میری داہنی کرسی کو رونق بخشی جا رہی تھی۔ جامعہ کی روایت کے مطابق ہر کام بروقت، ہر پروگرام نسق و مرتب، طعام، قیام، نیام، انعام، کھیل، تفریح، کسی میں کوئی بے ترتیبی نہیں۔ سعودیہ کے ہر گوشے سے، بلکہ باہر بحرین وغیرہ سے بھی ابنائے جامعہ کی بڑی تعداد بصد شوق و اہتمام ہمدن گوش تھی۔ ہر ایک کی عمر، صحت اور مصروفیت کے لحاظ سے تقسیم کار اور آرام و راحت کی پوری گنجائش رکھی گئی تھی۔

ایک بات تکلیف دہ تھی کہ جمعیت کے عہدے داران اور ان کے معاونین نے آرام قربان کیا ہوا تھا۔ دوڑ دھوپ اور خدمت و محنت ہی سے وہ لطف اندوز اور طاقت و ہمت مجتمع کر رہے تھے۔ اب میں ایک سال بعد لکھنے جا رہا ہوں۔ اس وقت لکھتا تو ہر بات تازہ اور خوش بودار تھی۔ تاخیر کا باعث یہ خیال بنا کہ آج کی نئی نسل، اس کی خوبی کہیے یا خامی، تعریف و تحسین سے سرسری گزر جاتی ہے، اور یقین کم کرتی ہے۔ تنقید و تعریض کا مریج مسالہ زبان کو چٹھارے دیتا ہے۔ اس لئے خیال کیا تھا کہ بد نظمی، بے قاعدگی، بے ترتیبی وغیرہ سے متعلق کچھ مواد جمع کر لوں تو رواد مکمل کر لوں۔ تلاشِ بسیار کے باوجود اپنی جستجو میں کامیاب نہ ہو سکا۔ یہ بھی ہمارے ابنائے قدیم ہی کا تصور ہے کہ خامی اور کمی کے بغیر تنقید اور اعتراض کے مواقع سے دامن بچا کر اتنے بڑے مجمع کو اکٹھا کر کے ایک ایسا اجلاس منعقد کر لیا اس کی یادیں دل و دماغ میں ان مٹ بن گئیں۔ جمعیت کے امیر و ناظم پرویز عمری اور اسحاق عمری وغیرہ اپنی تمام تر مصروفیات کو ملتوی کر کے سائے کی طرح شب و روز خدمت گزار رہے، اور محبتیں نچھاور کرتے رہے۔ دعاؤں کے مرکز میں رہ کر بھی یہ احساس ہو رہا تھا کہ ان کے اکرام و احترام کے مقابلے میں میری دعائیں کم زور پڑ رہی ہیں۔ عمری مولفین کی مطبوعات و مخطوطات کے لئے ”عمر لائبریری“ کے وسیع و عریض ہال کے ایک گوشہٴ جمال کو مختص کر دینے کی تجویز و تحریک بڑی خوش آئند ہے۔ منافست و مسابقت کا جذبہ پیدا ہو جائے تو ابنائے قدیم کی نگارشات کو عمر لائبریری میں نمایاں اور شایان شان مقام ضرور حاصل رہے گا، ان شاء اللہ۔

دماغ پر زور ڈال کر یادوں کو سمیٹتے اور سمیٹنے کی کوشش کرتا ہوں تو اتنا ہی یاد آتا ہے کہ جامعہ اسلامیہ میں ہم نے دسیوں اساتذہ سے پڑھا، مگر مکمل چار سال صرف انہیں تین اساتذہ، شیخ شنفیطی، شیخ شبیبیۃ الحمد اور شیخ عبدالمحسن عباد حفظہ اللہ کے اطراف ہی یادوں کا طواف جاری ہے۔ میرے ہندستانی ساتھیوں میں جو چار سالوں تک حقِ رفاقت ادا کرتے ہوئے ہم سبق رہے، اور جون ۱۹۶۵ء میں

سند فراغت دور اول میں حاصل کئے، ان میں اب میرے علاوہ صرف دو ساتھی بقید حیات ہیں۔ اللہ ان کی عمر اور جہود و مساعی میں خیر و برکت نصیب فرمائے۔ ایک شیخ عبدالرحمن عبید اللہ مبارکپوری اور دوسرے ڈاکٹر مزمل حسین صدیقی، جن کی آواز مغرب کی وادیوں میں گونجتی رہتی ہے۔

شیخ ناصر الدین البانی سے حدیث، اسانید اور مصطلح کے اسباق پڑھے، وہ صرف تین سال تک، چوتھے سال شیخ مستعفی ہو کر دمشق، شام واپس ہو گئے۔ شیخ جیسا مصروف انسان اور وقت کا قدر دان آنکھوں نے نہیں دیکھا۔ ملاقات کی خواہش کرتے تو دو شنبہ کی عصر کا وقت بتاتے، کیوں کہ اس روز حرم نبوی کی کتب خانہ ”مکتبہ شیخ الاسلام عارف حکمت“ کے لئے چھٹی رہتی تھی۔ شیخ کی باتیں، یادیں بہت ہیں۔ ہر ماہ ایک دو بار آپ کی قیادت و اشراف میں طلبہ کے ساتھ آپ کا رحلہ ہوتا تھا۔ دن رات قریب رہ کر آپ کی ایک ایک نیکی، خوبی، جفاکشی اور طلبہ سے آپ کی محبت و ہمدردی کی زندہ مثالیں دلوں میں نقش ہو جاتی تھیں۔ آپ البانیہ یورپ کے باشندے تھے۔ سرخ گال، سفید بال، نیلی آنکھیں، صحت و ہمت سے بھرپور تند منہ جسم، بڑی جیبوں والا گردن سے پنڈلی تک کوٹ، جس میں چھوٹی موٹی کئی ایک کتابوں کا وزن۔ رحلہ میں ریت اور صحرا میں جہاں بھی، جیسی بھی جگہ مل جاتی آرام سے بیٹھ جاتے۔ رات آتی لیٹ جاتے۔ سجدوں میں پیشانی خاک آلود ہو جاتی تو اس کا بھی ایک حسین منظر کھڑا کرتا۔ طلبہ کو فرش خاک میں اٹھنے بیٹھنے میں کچھ تکلیف ہوتا تو ناصر السنہ حدیث رسول ﷺ سنانے لگتے: ایاک والتنعم، فان عباد الله ليسوا بالمتنعمين۔ (احمد، بیہقی، حسن) ”اللہ کے بندو! عیش و عشرت کے مظاہر سے بچو۔ اللہ کے محبوب ناز و نعم کے دل دادہ نہیں ہوتے۔“

شیخ محترم کی دو باتیں ذکر کیے بغیر موصوف کا تذکرہ ختم نہیں ہوگا۔ آپ کا وجود علمی سرمایہ ہی نہیں عمل و اخلاق کا سراپا تھا۔ بہت ساری پسند و نصائح میں ایک بات یہ بھی فرماتے کہ حالات جیسے بھی ہوں، مومن کو شکوہ کی جگہ شکر ہی کا پہلو تلاش کرتے رہنا چاہیے۔ طلبہ نے پوچھا بھی: کیا یہ ہر حالت میں ممکن ہے؟ فرمایا: تجربہ کر کے دیکھو۔ بات آئی گئی۔ ایک رات جامعہ کے لکچر ہال میں طلبہ اساتذہ سب تھے۔ کیمپس کے باہر وادی عقیق کے پل پر زوردار دھماکے کی آواز آئی۔ گھبرا کے سب دوڑے۔ دیکھا تو شیخ البانی کے صاحب زادے عبدالصوور کی کار حادثے کا شکار ہو گئی تھی۔ کار کا حال ابتر تھا۔ لڑکے کا حال بہتر تھا۔ مصاحبین نے شیخ سے افسوس کا اظہار کیا تو آپ نے اپنی پرانی بات دہرائی کہ ”شکر کا پہلو دیکھو، بچہ ہر طرح محفوظ ہے، اللہ کا بڑا شکر ہے“ ساتھیوں میں ایک نے پوچھا ہی لیا کہ بچہ بھی ختم ہو جاتا تو شکر کا پہلو کہاں؟ سوال سخت بھی تھا اور نامعقول بھی، مگر شیخ کا فوری جواب سنئے۔ فرمایا: ”بچے کو بھی کچھ ہو جاتا تو میں شکر یہ ہی ادا کرتا کہ لکچر ہال میں میرے تین بچے تھے، صرف ایک کے ساتھ حادثہ ہوا اور دو کو اللہ نے بچالیا۔۔۔۔۔ ایمان و عمل کا یہ نمونہ اور فکر و نظر کا یہ احساس و انداز کتنے اہل علم کی زندگیوں میں جھلکتا اور چھلکتا ہوگا۔“

تین سال کی بھرپور اور ناقابل فراموش خدمات کے بعد شیخ دمشق واپس جا رہے تھے۔ ہم لوگ رخصت کرنے گئے۔ وہی مانوس و متبسم چہرہ۔ حزن و ملال اور فکر مال کا کوئی اثر نہیں۔ پوچھا: واپس پہنچ کر کیا کریں گے؟ فرمایا: وہی جو یہاں آنے سے پہلے کرتا تھا۔ آنے سے پہلے کیا کرتے تھے؟ فرمایا: ”گھڑی کی میری ایک چھوٹی دوکان ہے، سویرے پہنچ جاتا ہوں، دو تین گھڑیاں آ جاتی ہیں

تو مرمت کر کے پیسے گھر بھیج دیتا ہوں اور دمشق کی مشہور زمانہ مخطوطات کی لائبریری ”مکتبہ ظاہریہ“ کا رخ کرتا ہوں۔ ہمیں یاد آیا کہ جامعہ آنے سے پہلے آپ کی مؤلفات میں آپ کے نام کے ساتھ ”الساعاتی“ لکھا رہتا تھا۔ یعنی گھڑی ساز۔ (ساز کہاں، صرف مرمت اور درست کرنے والے)

جامعہ اسلامیہ میں جن لوگوں نے شیخ کی زندگی دیکھی، وہ سوچ بھی نہیں سکتے۔ وسیع و عریض مکان کے مکین، چچماتی کار کے مالک و مسافر، ضرورت مند طلبہ کے مادی اور علمی معاون و مددگار، سب چھوڑ چھاڑ کر بازار دمشق کی ایک گم نام دکان میں گھڑی مرمت کر کے آل اولاد کو روزگار میسر کرنے جا رہے ہیں۔ توکل و استغنا کی شان زبان و بیان سے نہیں، چہرے مہرے سے بھی عیاں تھی۔ جامعہ چھوڑنے کے اندرونی اسباب کچھ بھی رہے ہوں۔ اخباروں نے اشاروں میں لکھا:

انه خالف الامام احمد وشیخ الاسلام ابن تیمیة فی ثلاثین مسئلة۔ انہوں نے امام احمد اور شیخ الاسلام سے تیس مسائل میں اختلاف کیا“

حقیقت کا علم اللہ بہتر جانتا تھا۔ علاحدگی کے بعد بھی جامعہ کے ذمے داران سے آپ کے مراسم و روابط تھے اور آمد و رفت کا سلسلہ تھا۔ شیخ البانی کی ایک کتاب ”حجاب المرأة المسلمة“ سے سعودی علماء کو اختلاف تھا، لیکن وقت بدلاتوان کی رائے بھی بدل گئی، دارالافتاء کی طرف سے افریقہ میں ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کرنے کے لئے یہ کتاب ہمارے پاس آئی۔

چوتھے سال ہمیں حدیث پڑھانے کے لئے جو استاذ تشریف لائے وہ مشہور زمانہ حافظ محمد گوندلوی پاکستانی رحمہ اللہ تھے۔ شیخ موصوف کو علمی و مذہبی دنیا کا ہر خوشہ چیں جانتا، مانتا، پہچانتا اور آپ کے علم و فضل کے تذکرے میں رطب اللسان رہتا تھا۔ تقسیم پاکستان سے پہلے آپ جامعہ دارالسلام عمر آباد میں حدیث کے لائق و قابل استاذ رہ چکے تھے۔ مدینہ منورہ میں حافظ صاحب نے ہمیں حدیث (بلوغ المرام) اور اسانید میں ترمذی کا درس دیا۔ آپ کی سماعت و بصارت متاثر ہو چکی تھی۔ وہاں نظام درس میں بولنے سے زیادہ دیکھنے اور سننے کی ضرورت پڑتی ہے۔ آپ کو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ صرف بولنے، سمجھانے اور پڑھانے کی بات ہوتی تو دریا کی روانی بھی پانی مانگتی۔ زندگی میں صحیح بخاری کا درس اہل علم کے آگے اتنی بار دیا کہ ”حافظ حدیث“ کہلانے لگے تھے۔ مسجد نبوی میں مغرب بعد آپ کا درس بخاری ہوتا تو اکثر اساتذہ اور اہل علم کا مجمع ہمہ تن گوش ہو جاتا۔ ایک سال مکمل کر کے آپ پاکستان واپس ہو گئے۔ حافظ احسان الہی ظہیر بھی تیسرے سال آپ کے شاگرد رہے اور اسانید میں ابوداؤد کا درس لیا۔ بعد میں شیخ کے داماد بھی ہو گئے اور قدردانی کے ساتھ بہت مستفید ہوئے۔

شیخ موصوف عالم باعمل تھے، زہد و تقویٰ میں سلف صالح کی مثال تھے۔ پاکیزہ زبان میں اللہ تعالیٰ نے ایسی بے مثال تاثیر عنایت فرمائی تھی کہ پریشان حال، پراگندہ بال انسان آپ کی مجلس میں سکون و اطمینان کی دولت سے مالا مال ہو کر نہال ہو جاتا تھا۔ معلوم نہیں ایسے مسیحا نفس اور پاکیزہ نفوس سے دنیا خالی کیوں ہوتی جا رہی ہے۔ سچ فرمایا صادق مصدوق نے کہ اللہ قیامت کے قریب علم کو نہیں، اہل علم کو اٹھالے گا۔

شیخ ابن باز سے بھی ہم نے ایک سال پڑھا۔ عقیدہ طحاویہ کا درس آپ کے ذمے تھا۔ قاری حضرات واقف ہیں کہ شیخ کو اللہ نے

نور بصارت کی جگہ نور بصیرت سے سرفراز فرمایا تھا۔ نااہل اور بے ادب طلبہ شیخ کے علم و فضل اور مقام و مرتبے سے ناواقف تھے۔ چنانچہ آپ کے درس میں ادھر ادھر کی کتابیں اور اخبارات و رسائل لا کر مطالعہ کرتے رہتے۔ شیخ عباد، شیخ عطیہ وغیرہ نے بڑے دکھ اور فسوس کے ساتھ طلبہ کو متنبہ کیا۔ بتایا کہ شیخ کا درس اتنا نایاب ہوتا ہے کہ بادشاہ اور شہزادے تک سننے کے لئے بے تاب رہتے ہیں۔ لیکن فطرت ہی میں کجی ہو تو ادب و ادیب کر ہی کیا سکتے ہیں۔ چارونا چار شیخ کو تدریس سے رک جانا پڑا اور محرومی ہمارا مقدر بن گئی۔ کچھ نادانوں کی حماقت و شرارت نے زندگی بھر کے لئے حسرت و ندامت ہماری جھولی میں ڈال دی۔

بعض نابینا حضرات کے حافظے کی کرامات ہم نے دیکھی اور سنی، لیکن شیخ بن باڑ کی یادداشت نقش فی الحجر سے بھی اوپر کی کوئی کرامت تھی۔ کلاسوں کا آپ دورہ فرماتے۔ لائق اساتذہ کے دروس غور سے سماعت فرماتے۔ کوئی بات خلاف حقیقت ہوتی تو نظر ثانی کی طرف توجہ دلاتے۔ استاذ بغور دیکھنے کے بعد وہی بات دہراتے تو شیخ کا اعتماد ملاحظہ ہو، فرماتے: ”ممکن ہے طباعت میں غلطی ہوگئی ہو، کتاب کا دوسرا ایڈیشن دیکھ لیا جائے“۔ لائبریری سے منگایا جاتا تو شیخ کی یادداشت ہی کی تائید ہوتی۔ کیا لوگ تھے کہ آج ایسوں کو دیکھنے کے لئے آنکھیں ترستیاں ہیں اور کان سننے کو تڑپتے ہیں۔

شیخ ابوالعزیز رمضان سے دو سال ہم نے تاریخ پڑھی۔ بات مختصر کرتے ہوئے کہ ایک حکایت پر اکتفا کروں گا۔ ہم نجفی ساتھی آپ کے گھر جمع تھے۔ خبریں سننے کے لئے ریڈیو کھولا تھا۔ مصر میں ان دنوں عرب قومیت کا جادو سرچڑھ کر بول رہا تھا۔ خبر شروع ہوئی تو عرب قومیت کے نعروں کی گرج گونج رہی تھی۔ بار بار کہا جا رہا تھا العزیز للعرب۔ شیخ رمضان نے ہم سب بجمیوں کے چہروں کو دیکھا اور ہماری تسلی کے لئے کوئی تقریر نہیں کی۔ صرف ایک آیت پڑھی۔

(وَلَا يَجْزِيكَ قَوْلُهُمْ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا) (یونس: ۶۵) ”ان کی بات آپ کو دکھی نہ کرے۔ عزت تو تمام کی تمام اللہ کے لئے ہے“ شیخ گھنٹے بھر کی تقریر کرتے تو بھی ہمارے دلوں پر وہ اثر نہ ہوتا، جو اس آیت کے صرف ایک حصے سے حاصل ہوگئی۔

مولانا عبدالغفار حسن رحمانی پالن پوری نے جامعہ میں کئی سال نیک نامی اور کامیابی کے ساتھ تدریسی فرائض انجام دیئے۔ ہم نے دو سال ان سے مصطلح کا سبق پڑھا۔ خوش اخلاق، ملنسار مزاج تھا۔ ان کی اولاد ہماری دوست تھی۔ اس لئے ہمارے ساتھ بھی آپ کا معاملہ اپنے بچوں ہی کا سا تھا۔ خصوصاً ڈاکٹر صہیب حسن کلاس میں ایک سال پیچھے تھے، لیکن میرے بڑے اچھے اور سچے دوست تھے۔ افریقہ، کینیا میں رہے تو ہماری مراسلت بھی رہی۔ لندن گئے، بڑا کام کیا، نام پایا۔ علماء کونسل کے صدر بن گئے۔ اولاد کو اعلیٰ تعلیم سے آراستہ کیا۔ مصروف زندگی میں ہماری یادیں شاید بھلا دیں۔ اللہ مسرور اور شاد کام رکھے۔

شیخ محمد گوندلوی اور شیخ عبدالغفار حسن کو جامعہ لانے کے لئے شیخ عبدالقادر شبیبہ الحمد نے ہی پاکستان کا سفر کیا تھا۔ مولانا ناظم ندوی نے بھی ایک سال ہمیں بلاغت پڑھائی۔ زبان عربی پر دسترس تھی۔ مولانا نے سید سلیمان ندوی کے ”خطبات مدارس“ کا عربی میں ترجمہ کیا۔ ہمارے ساتھی منزل حسین صاحب ان کے خادم خاص تھے۔ شیوخ نے ایک مرتبہ پوچھا کیا یہ آپ کے بیٹے ہیں؟ برجستہ جواب دیا۔ کاہنہ ہو۔ شیوخ بہت محظوظ ہوئے۔

اساتذہ تو اور بھی آتے جاتے رہے۔ سلیمان اشقر، عبدالوہاب البناء، عبدالحق محروس، سلیم شہر اب، ہر ایک کی کوئی نہ کوئی بات اور یادماغ میں محفوظ ہے لیکن گفتگو کا سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔ بات سے بات نکلتی چلی گئی اب ملاقات کو ختم کر دینا ہی بہتر ہے۔

شیخ شہیدۃ الحمد کی اللہ بال بال مغفرت فرمائے، جن کی وفات کی خبر سن کر باسی کڑی میں اُبال آیا۔ معلومات چوں کہ کم تھیں، حکایت لذیذ تھی، چنداں ادھر ادھر سے چندہ کر کے جامعہ اسلامیہ کی ایک تاریخ سپرد قلم کر رہا ہوں۔ شیخ کی وفات ۲۷ مئی ۲۰۱۹ء کو ریاض میں ہوئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ تلامذہ آپ کے ان گنت ہیں، جن میں شیخ عبدالرحمن عجلان اور شیخ صالح الفوزان جیسے نامور بھی شامل ہیں۔

جامعہ شروع ہوئی تو عالم اسلام کی کئی نامور علمی شخصیات اس کی مجلس استشاری کی رکن رہیں۔ سال میں دو مرتبہ رجب اور ذی الحج میں سب جمع ہوتے تھے۔ ڈاکٹر محمد لقمان سلفی، ڈاکٹر مزمل حسین صدیقی، ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی وغیرہم کے ساتھ ہم ملاقاتوں کے مواقع تلاش کر لیتے تھے۔ نج کی گفتگو میں یہ حضرات تبصرے فرماتے تھے۔ ان کا ایک ایک جملہ یا حملہ بھی ٹانگ دیتا ہوں، تاکہ ان کے نقطہ نظر اور انداز فکر کی ترجمانی ہو سکے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے فرمایا: ”اتنے بھاری بجٹ سے یہ لوگ صرف ڈھائی سو طلبہ کو تعلیم دیتے ہیں۔ مجھے یہ رقم دے دی جائے تو علی گڑھ کی طرح ایک مسلم یونیورسٹی قائم کر دوں گا“

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے فرمایا: ”اس یونیورسٹی کو مدینہ میں نہیں ہونا چاہیے تھا۔ طلبہ بہر حال طلبہ ہوتے ہیں۔ ان کی لا اُبابی زندگی سے حرم نبوی کا تقدس و تبرک پامال ہوگا“

مولانا سید داؤد غزنویؒ کا تبصرہ تھا: ”دیکھ لینا، مجلس استشاری کے یہ مختلف انجیال حضرات جامعہ کے طے شدہ مقصد و منہج پر کام ہونے نہیں دیں گے۔“

عراق و شام کے نمائندوں کا طنز و طعنہ بھی ملاحظہ فرمائیے کہتے ہیں: ”جامعہ کے لئے تو قابل اساتذہ مشکل ہیں، کیوں کہ اس کی تین شرطوں پر کم لوگ اتریں گے۔ یعنی مسلمان ہو، سلفی ہو، باریش ہو“

شام کے ڈاکٹر مصطفیٰ زرقاء نے چوٹ کی کہ ”ترتیب الٹ دی جائے تو صحیح ہوگی، یعنی پہلی شرط باریش، دوسری سلفی، اور تیسری مسلمان“

عجم کے تین مفکرین اسلام لائق احترام بزرگان دین نے دل کی آواز اور درد کا اظہار فرمایا اور عرب علماء کے تبصرے میں طنز و حسد کے تیر و نشتر ہی نمایاں نظر آئیں گے۔ سچ ہے، زبان پر وہی آتا ہے جو دل و دماغ میں پکتا ہے۔۔۔

(راہ اعتدال عمر آباد، جولائی ۲۰۱۹ء)





باب پنجم

مرحومین علمائے اہل حدیث و اعیان جماعت

۲۰۱۸/۲۰۱۹ء

مولانا سید محمد مصطفیٰ رحمانی قاسمی جے نگر، بلرام پور، یوپی

وفات ۳ فروری ۲۰۱۸ء

مولانا عبد المنان سلفی

دعوتی حلقوں پر یہ خبر بجلی بن کر گری کہ جماعت کے معمر اور بزرگ عالم دین مولانا سید محمد مصطفیٰ رحمانی قاسمی مختصر علالت کے بعد کم و بیش ۹۴ سال کی عمر میں ۳ فروری ۲۰۱۸ء کی شام کو دارفانی سے رحلت فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا سید محمد مصطفیٰ رحمہ اللہ نے علم و عمل سے بھرپور طویل زندگی گذاری اس طرح وہ ان خوش نصیب علماء کی فہرست میں شامل ہو گئے جنہیں اللہ تعالیٰ نے دعوت و تدریس اور اصلاح و تبلیغ جیسے مبارک اور نیک اعمال کا بڑا موقعہ عطا فرمایا، ایک حدیث میں ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ سے لوگوں میں اچھے اور افضل انسان کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے بڑا مختصر اور جامع جواب مرحمت فرمایا کہ ”من طال عمرہ وحسن عملہ“ یعنی وہ شخص لوگوں میں افضل اور بہتر ہے جسے لمبی عمر کے ساتھ اعمال صالحہ کی توفیق بھی ملی، مولانا کے بارے میں ہمیں حسن ظن ہے کہ وہ ان شاء اللہ اس حدیث کا مصداق ہوں گے۔

مولانا کا اصلی اور آبائی وطن ضلع سدھارتھ نگر (سابق ضلع بستی) یوپی، بھارت کا مردم خیز اور مشہور گاؤں ششہنیاں ہے جسے شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی، مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی اور مولانا عبدالکریم ندوی رحمہم اللہ کا مرزبوم ہونے کا شرف حاصل ہے، مولانا کا خانوادہ خود علم و فضل اور دین داری کے لحاظ سے علاقہ میں معروف اور ممتاز تھا، مولانا کے والد مولانا سید اولاد حسین رحمہ اللہ بھی ایک باعمل اور بزرگ عالم تھے، اسی علمی اور دینی خاندان میں مولانا کی ولادت ششہنیاں کے اندر ۱۹۲۴ء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنے عم محترم اور علاقہ کے معروف و مستند، مجاہد اور بے باک عالم دین مولانا سید عابد علی رحمہ اللہ سے حاصل کی، مولانا سید عابد علی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے فیض یافتہ تھے، جہاں انہوں نے میاں سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے تلمیذ مولانا حفیظ اللہ بندوی اعظمی سے کسب فیض کیا تھا اور فراغت کے بعد اضلاع بستی و گونڈہ کے مواضعات اوزرہوا اور امہوا (کونڈراگرانٹ) کے خطوں میں تدریس و دعوت کی موثر خدمت انجام دینے کے بعد میرے گاؤں انتری بازار میں ان کا ورود مسعود ہوا اور پھر موصوف وہیں مستقل طور پر سکونت پذیر ہو گئے، مولانا سید عابد علی رحمہ اللہ ہی کے ذریعہ مدرسہ دارالہدیٰ یوسف پور میں آیا اور میرے دادا مولانا محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ سمیت متعدد علماء کو ان سے شرف تلمذ حاصل ہوا اور ان کی مخلصانہ کوششوں سے میری بستی انتری بازار اور آس پاس کے مواضعات میں شرک و بدعات کا نہ صرف زور ٹوٹا بلکہ بڑی حد تک ان کا خاتمہ بھی ہو گیا۔

مولانا محمد مصطفیٰ رحمہ اللہ نے فارسی اور ابتدائی عربی کی تعلیم مدرسہ دارالہدیٰ یوسف پور میں حاصل کی، اور اس کے بعد دہلی کا رخ کیا اور معروف سلفی مرکز تعلیم ”دارالحدیث رحمانیہ“ میں داخل ہو کر یہاں کے نامور اساتذہ سے پانچ سالوں تک کسب فیض کرتے

رہے، اسی دوران ۱۹۴۷ء میں ملک کی آزادی کے ساتھ اس کی تقسیم کا سانحہ پیش آیا اور دہلی اجڑنے کے ساتھ دارالحدیث رحمانیہ بھی ویران ہو گیا، اور اس کے متولیوں پاکستان چلے گئے، اس لئے مولانا رحمانیہ سے اپنی تعلیم مکمل کرنے سے محروم رہ گئے، دارالحدیث رحمانیہ کے اساتذہ میں شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی مبارکپوری، جامع معقولات و منقولات مولانا نذیر احمد ملوی، مولانا عبدالغفار حسن رحمانی اور مولانا عبدالغفور جیراج پوری قابل ذکر ہیں۔

۱۹۴۷ء کے فسادات کے بعد جب ملک کے حالات کسی قدر معمول پر آئے تو مولانا نے تعلیم کی تکمیل کے لئے دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا اور دو سال وہاں رہ کر فراغت حاصل کی، پھر حدیث کی تعلیم کے لئے مزید دو سال مظاہر العلوم سہارنپور میں گزار دیا۔ ۱۹۵۵ء سے مولانا نے عملی زندگی کا آغاز کیا اور مختلف مقامات پر تدریسی و دعوتی فرائض انجام دیتے ہوئے ضلع بلرام پور کے گاؤں جے نگر اپنے جے نگر اپنے اور ۱۹۵۹ء میں وہیں مستقل طور پر آباد ہو گئے۔

مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی رحمہ اللہ بڑے عابد و زاہد اور سیدھے سادے عالم تھے، ظاہری کروفر سے ہمیشہ دور رہے، حق بات بلا خوف لومۃ لائم کہہ دیا کرتے تھے، اپنے اس پورے خطہ میں گھوم گھوم کر دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیا اور میرے اپنے خیال میں اس خطہ کی اصلاح میں معروف عالم دین مولانا اظہر شاہ بہاری رحمہ اللہ کے بعد ان کی دعوتی کاوشوں کا بڑا رول ہے، کوپور سے شمال کی جانب جنگل کے کنارے اور نیپال سے متصل متعدد مواضع بالخصوص لکھوری اور بھونی وغیرہ سے مولانا کا بڑا گہرا تعلق تھا، یہاں کے چودھری خاندان کے لوگ مولانا کی بڑی عزت کرتے تھے، اور اپنی ہر چھوٹی بڑی تقریبات میں مولانا کو دینی سربراہ کی حیثیت سے بلاتے اور ان کی دعائیں لیتے۔ ان کے رخصت ہونے سے علاقہ ایک مخلص داعی سے محروم ہو گیا۔

مولانا کی نماز جنازہ ۴ فروری ۲۰۱۸ء بروز اتوار ان کے گاؤں جے نگر (کوپور) میں ادا کی گئی، برادر گرامی مولانا شہاب الدین مدنی حفظہ اللہ (ناظم اعلیٰ صوبائی جمعیت اہل حدیث مشرقی یوپی) اپنے اہل خانہ اور بچوں کے ساتھ لکھنؤ سے تشریف لائے، میں نے بھی مولانا وصی اللہ مدنی اور اپنے بچوں عزیزان سعود اختر سلفی اور اسعد سلمہما کے ساتھ جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی اور اس موقع پر مولانا کی خدمات کے تعلق سے قبل نماز جنازہ کچھ عرض کیا، نماز جنازہ بزرگ عالم دین اور مولانا کے سہمی مولانا محمد احمد عرف ضامن علی بستوی حفظہ اللہ نے پڑھائی، علماء، طلبہ اور عوام و خواص کے ایک بہت بڑے اجتماع نے جنازہ میں شریک ہو کر مولانا کے لئے دعاء مغفرت کی۔ اللہ تعالیٰ مولانا کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس ان کا ٹھکانہ بنائے، آمین۔

مولانا کے جنازہ میں شریک ہوتے ہوئے اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ ہماری اگلی صفیں آہستہ آہستہ خالی ہو رہی ہیں اور ان کی جگہ لینے والوں کا دور دور تک اتہ پتہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ غیب سے اس دعوتی خلا کو بھر دے اور ملت و جماعت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین۔

(السراج حجنڈانگر، مارچ ۲۰۱۸ء)



عم محترم جناب مولانا محمد ادریس شمشی جھارکھنڈی کی رحلت

وفات: ۳ مارچ ۲۰۱۸ء

مولانا عبدالستار سلفی

صوبہ جھارکھنڈ کے ضلع جامتاڑا دیوگرہ گریڈیہہ کے دینی و دعوتی حلقوں میں یہ خبر رنج و غم کے ساتھ سنی جائے گی کہ عم محترم جناب مولانا محمد ادریس شمشی ۷۴ سال کی عمر میں مختصر علالت کے بعد ۳ مارچ بروز ہفتہ ساڑھے چار بجے صبح اس دارفانی سے دار بقا کی طرف رحلت فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ جنازہ اور تدفین چار بجے شام کو عمل میں آئی، جنازہ میں علاقے کے علماء، اہل علم طلبہ، عوام جماعتی و غیر جماعتی رشتہ داروں کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی جنازہ کی نماز مولانا کے صاحبزادے عزیز مولا ناعبدالحمید عالیاوی سلمہ نے پڑھائی۔

مولانا محمد ادریس کی پیدائش موضع کروا ضلع جامتاڑا جھارکھنڈ میں ۲۱ جنوری ۱۹۶۶ء کو ایک عالم دین کے گھر ہوئی۔ مولانا کا خانوادہ علم و فضل اور دین داری کے لحاظ سے علاقہ میں معروف اور ممتاز تھا، آپ کے والد ماجد جناب مولانا محمد حاتم (وفات ۱۹۷۳ء) ایک عالم دین اور داعی الی اللہ تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی پھر مدرسہ اسلامیہ مدھوپور ضلع دیوگرہ میں وسطانیہ سوم میں داخلہ لیا، یہاں آپ نے پانچ سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد فوقانیہ پاس کیا بعد ازاں ۱۹۶۲ء میں مدرسہ شمس الہدی پٹنہ میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۶ء میں فاصل حدیث کی ڈگری حاصل کی اور وطن لوٹ آئے۔ فراغت کے بعد جمیاری بازار ضلع بردوان بنگال میں امامت و خطابت سے دعوت و تبلیغ کا آغاز کیا کچھ ماہ وہاں رہنے کے بعد مدرسہ ندوۃ الاصلاح عبداللہ نگر پھکبندی میں بحیثیت استاذ بحال ہوئے۔ مولانا نے چونکہ بہار بورڈ سے ملحق ادارہ شمس الہدی سے فراغت کی تعلیم حاصل کی تھی اس لئے آپ کو بھی ٹیچر ٹریننگ کا موقع مل گیا۔ ۱۹۷۱ء میں ٹریننگ مکمل کی اور ۱۹۷۲ء میں نالابلاک ضلع جامتاڑا میں سرکاری ٹیچر کی حیثیت سے بحال ہو گئے۔ ۱۹۸۰ء میں وہاں سے ٹرانسفر ہو کر برآباد ضلع دیوگرہ چلے آئے اور یہیں سے چند سال قبل ریٹائر بھی ہوئے ریٹائر کے بعد کچھ دنوں تک آپ آسنسول ویسٹ بنگال کی اہل حدیث مسجد شمشی بازار میں امام و خطیب رہے۔ آپ ایک اچھے مقرر اور خطیب تھے۔

جہاں بھی رہے دعوت و تبلیغ کا کام نہیں چھوڑا۔ جب والد صاحب پر فالج کا حملہ ہوا تو آپ ۱۹۶۹ء میں عید گاہ کے امام و خطیب بنائے گئے اور گیارہ سال تک اس منصب جلیلہ پر فائز رہے۔ اس کے علاوہ آپ مختلف جگہوں میں رہنے کے باوجود جب گاؤں میں ہوتے تو آپ ہی امام و خطیب ہوتے بعد میں موضع برآباد کے باشندوں نے آپ کو عید گاہ کا مستقل امام و خطیب مقرر کر دیا تھا اور تاحیات عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقع پر امامت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ گاؤں میں اکثر لوگ منکرین حدیث سے متاثر تھے لیکن مولانا کی ثبات قدمی اور حکمت عملی نے سب کو صحیح منہج سے وابستہ کر دیا۔ خدا بخشہ بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔ آمین۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ (مولانا عبدالستار

□□□

سلفی، امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث دہلی) (جریدہ ترجمان ۳۰-۱۶ اپریل ۲۰۱۸ء)

مولانا زین العابدین ریاضی رسولپور، سدھارتھ نگر

وفات ۷ مارچ ۲۰۱۸ء

عبدالحکیم عبدالمعجود المدنی

نام و نسب: مولانا زین العابدین بن حقیق اللہ ریاضی بستوی

ولادت: آپ کی ولادت یکم اگست ۱۹۳۱ء بمقام رسول پور، ڈومریا گنج ضلع بستوی (حال سدھارتھ نگر) یوپی میں ہوئی۔

تعلیمی مراحل: (۱) ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم کے پاس اور گاؤں کے مکتب میں درجہ چہارم تک ہوئی۔ (۲) درجہ آٹھ تک ڈومریا گنج ڈل اسکول میں تعلیم حاصل کی یہ عصری اسکول ہے۔ (۳) عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم دو سال تک اپنے ہی علاقے کے مشہور ادارہ مدرسہ قاسم العلوم ریواں میں پائی۔ (۴) اس کے بعد دو سال مدرسہ مظہر العلوم اوسان کوئیاں ضلع بستوی میں تعلیم حاصل کرتے رہے جو علاقے کے مشہور مدارس میں سے ایک تھا۔ (۵) اعلیٰ تعلیم کے لئے صاحب تحفہ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ کے قائم کردہ ادارہ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار ضلع گونڈہ یوپی میں داخلے کے لئے گئے اور یہاں سے وابستہ ہو کر دو سال تک عربی و دینی علوم کی تعلیم حاصل کر کے چوتھی جماعت یعنی ثانویہ کی تکمیل کی۔ (۶) عالمیت کی تعلیم کے لئے جماعت کی مشہور درسگاہ جامعہ دارالحدیث اثریہ منوٹشریف لے گئے اور یہاں بھی چھٹی جماعت تک تعلیم حاصل کی گویا عالمیت کی تکمیل ہوئی۔ (۷) دورہ حدیث اور فضیلت کے لئے دہلی میں واقع مدرسہ ریاض العلوم وارد ہوئے اور یہیں پر تکمیل کر کے شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی کے پاس سے سند فراغت حاصل کی یہ غالباً ۱۹۵۸ء کا زمانہ تھا۔

مشاہیر اساتذہ: آپ کے اساتذہ کا بھی تک تفصیلی علم نہ ہو سکا ہے سر دست یہ کہا جاسکتا ہے کہ شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی دہلی میں آپ کے سب سے مایہ ناز استاذ تھے، بقیہ منو، بونڈیہار وغیرہ جیسے عظیم اداروں کے اس وقت کے اساطین علم اور کہنہ مشق مدرسین رہے ہونگے۔

تلامذہ: آپ کے تلامذہ کی بھی کوئی تفصیل دستیاب نہیں ہے۔ البتہ مکتب کی تعلیم و تدریس کے دوران مولانا عبدالواحد انور یوسفی (نوڈھوا) مقیم حال کوکن نے اپنے ایک مضمون میں اپنی شاگردی کی صراحت کی ہے۔

دینی خدمات: (۱) فراغت کے بعد ۱۹۵۸ء میں موضع چپوا ضلع کیونجھراڑیہ میں تدریس کے لئے عازم سفر ہوئے اور وہاں پہنچ کر مدرسہ دارالہدی سے وابستہ ہو گئے۔ یہاں قریب دو سال رہے اس کے بعد وہیں موضع جیت گڑھ کے مدرسہ میں چلے گئے اور وہاں ایک سال تک درس و تدریس کے علاوہ امامت و خطابت اور دعوت و اصلاح کے کام پر لگے رہے۔ بعدہ مستعفی ہو کر وطن واپس آ گئے۔

(۲) ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۹ء تک تقریباً سات سال مدرسہ انوار العلوم، موضع نوڈھوا (سعد اللہ نگر) ضلع گونڈہ سے وابستہ رہے

اور تدریس و تبلیغ کے ساتھ اصلاح و تربیت کی ذمہ داریاں باحسن طریق انجام دیتے رہے۔

(۳) کچھ دنوں تک مدرسہ مفتاح العلوم نگر یا میں رہے اور اس کے بعد اپنے گاؤں کے مدرسہ مصباح العلوم رسول پور سے وابستہ ہو گئے اور چھ سال تک مدرسہ میں تعلیم و تدریس کے ساتھ مسجد و محراب کی ذمہ داریاں بھی سنبھالتے رہے۔

(۴) ۱۹۷۵ء میں آپ بحیثیت صدر مدرس مدرسہ اتحاد ملت اٹو بازار ضلع سدھارتھ نگر وارد ہوئے اور پھر یہیں عمر عزیز کا بقیہ عرصہ گزار دیا۔ یہاں کے انتظامی امور وغیرہ سب آپ کے ہاتھ میں تھے، آپ کی نگرانی میں ادارہ نے کافی ترقی کی اور سینکڑوں طلباء فیض یاب ہوئے۔ وفات ۲۰۱۸ء سے چند سال قبل مختلف عوارض کے پیش نظر گھر آ گئے اور آخری وقت تک دوا علاج جاری رہا۔ ۲۹ سال تک آپ اتحاد ملت میں پرنسپل اور مہتمم کی حیثیت سے رہے، درس و تدریس کے علاوہ آپ کے خطبات جمعہ یہاں کافی اہمیت کے حامل تھے۔ دور دراز سے لوگ محض خطبہ سننے آیا کرتے تھے۔ تدریس میں مہارت تامہ کا اعتراف تو پورے علاقے کے اہل علم کیا کرتے ہیں۔

(۵) اٹو میں تدریس کے دوران آپ نے تصنیف و تالیف کا کام بھی شروع کیا اور کچھ کتابیں بھی منظر عام پر آئیں۔ جن میں (۱) زاد آخرت اردو صفحات ۱۵۰ (۲) معجزات النبی (اردو) (یا اعجاز رسالت) قابل ذکر ہیں۔

اخلاق و اوصاف: ہمارے استاذ گرامی شیخ عبدالمنان سلفی مدیر ماہنامہ السراج جھنڈانگر قنبر تھے۔ ”مولانا زین العابدین رحمہ اللہ کا شمار اپنے علاقہ کے بزرگ اور وضع دار علماء میں ہوتا تھا۔ لوگ ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔ طلبہ کی تربیت کا انداز نہایت اچھا تھا۔ ہر ایک کے ساتھ شفقت سے پیش آتے، علماء کے قدردان اور بڑے مہمان نواز تھے، زندگی کا بڑا حصہ جامعہ اتحاد ملت اٹو بازار ضلع سدھارتھ نگر کی خدمت میں گزار دیا۔ موصوف وہاں کے صدر مدرس تھے مگر سارے انتظامی امور انہیں کے ہاتھ میں تھے۔ ان کی نگرانی میں اٹو کے اس ادارہ نے بڑی ترقی کی اور یہاں عربی کی ابتدائی جماعتوں کے ساتھ شعبہ تحفیظ بھی قائم ہوا۔ اتحاد ملت کی جامع مسجد کو علاقہ میں مرکزیت حاصل رہی۔ مولانا نے یہاں سے سیکڑوں طلبہ کو تیار کر کے اعلیٰ تعلیم کے لئے جامعہ سلفیہ بنارس اور جماعت کے دیگر بڑے اداروں میں بھیجا اور انہیں باصلاحیت عالم دین بنانے میں اپنی توانائیاں صرف کیں۔ (ماہنامہ السراج مارچ ۲۰۱۸ء ص: ۳۸)

وفات: مولانا کافی دنوں سے ذیابیطیس اور بلڈ پریشر وغیرہ کے مریض تھے اس لئے وفات سے قبل اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو کر اٹو سے اپنے گھر رسول پور چلے گئے اور وہیں چند سال گزار کر ۷ مارچ ۲۰۱۸ء کو سوسے عقیبی چل پڑے۔ نماز جنازہ ۸ مارچ کو رسول پور میں ادا کی گئی جس میں علماء طلباء اور اہل علم کے علاوہ ایک جم غفیر شریک تھی۔ پسماندگان میں دو صاحبزادے مولانا شرف الدین سلفی اور مولانا ریاض الدین مدنی ہیں۔ رب العالمین غریق رحمت فرمائے۔

مراجع: (۱) علمائے اہل حدیث ہند اور ان کی تصنیفی خدمات / مولانا محمد مستقیم سلفی ص ۱۵۸

(۲) مضمون مرسلہ مولانا عبدالواحد انور یوسفی، سونس

(۳) ماہنامہ السراج مارچ ۲۰۱۸ء (۴) جریدہ ترجمان ۱۵-۱۱/۱۱ اپریل ۲۰۱۸ء



مولانا محمد اسماعیل اثری کشمیری کا انتقال پر ملال

وفات ۱۳ مارچ ۲۰۱۸ء

عزیز عمر سلفی

وادی کشمیر کے ایک دیدہ ور عالم دین مولانا محمد اسماعیل اثری کشمیری عرف استاذ الاساتذہ ۶۶ سال کی عمر میں ۱۳ مارچ ۲۰۱۸ء کی شب میں حیات مستعار پوری کر کے اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا محمد اسماعیل اثری آفتاب تازہ کی مانند وادی کشمیر میں طلوع ہوئے۔ انہوں نے سالوں تک گھر سے باہر نہ کر دہلی، منو، مبارکپور میں علمی تشنگی بجھائی۔ ۱۹۷۸ء میں مر بیان جماعت کی خواہش پر الکلیہ السلفیہ سرینگر کی آبیاری کے لئے پابند ہو گئے۔ اپنی خداداد صلاحیت اور کوششوں سے طلباء میں علمی صلاحیت، ذوق مطالعہ، پڑھنے پڑھانے اور لکھنے کا ہنر جگا دیا۔ طلباء ماہر اساتذہ بن گئے اور کئی ایک مضبوط قلم کار بن گئے اور کئی ایک دعوت و اصلاح کے میدان میں علمی و فکری دولت سے مالا مال ہو گئے۔

وہ اکیلے ہی چلے تھے جانب منزل مگر

لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

آج ان کے تلامذہ میں بڑے بڑے علماء کے علاوہ ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے والوں کی تعداد بھی درجنوں میں ہے۔ ان کی چھل سالہ تدریسی علمی، ادبی اور دعوتی خدمات مشعل نور کی طرح دکھائی دیتی ہیں۔ مولانا اسماعیل اثری مرحوم کی شخصیت وادی کشمیر میں حیات سرمدی کی حیثیت رکھتی ہے۔ کاش ان کی خدمات کو جس قدر خراج پیش کیا جائے بجا ہے۔ مرحوم درجنوں کتابوں کے مرتب و مؤلف تھے جن میں بیشتر شائع ہو چکی ہیں۔

(نوائے اسلام دہلی، اپریل ۲۰۱۸ء)

□□□

مولانا محمد جعفر سلفی پڑریا، نیپال

وفات ۱۵ مارچ ۲۰۱۸ء

مولانا عبدالمنان سلفی

تعلیمی اور دعوتی حلقوں میں یہ خبر بڑے رنج و غم کے ساتھ سنی گئی کہ ملک نیپال کے کہنہ مشفق مدرس اور مخلص داعی مولانا محمد جعفر سلفی ۱۵ مارچ ۲۰۱۸ء بروز جمعرات اپنی زندگی کی ۵۴ بہاریں دیکھنے کے بعد دل کا دورہ پڑنے کے سبب اچانک رحلت فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

یہ خبر جس نے سنی اسے اول وہلہ میں یقین نہ آیا، بھلے چنگے اور چست و تندرست مولانا محمد جعفر سلفی جو پوری تندہی اور احساس ذمہ داری کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے رہے تھے اچانک داغ مفارقت دے جائیں گے، کسی نے اس کا تصور تک نہ کیا تھا، ان کی

بیماری کا دورانیہ ایک گھنٹہ سے بھی کم و بیش تھا، مولانا جامعہ فرقانیہ بھینس کنڈہ میں تدریسی و دعوتی فرائض کی انجام دہی پر مامور تھے، معمول کے مطابق مولانا نے صلاۃ فجر کی امامت کرائی، اس کے بعد مسجد میں درس دیا، پھر چائے ناشتہ کے بعد دو گھنٹیاں پڑھائیں اور تیسری گھنٹی کا درس جاری تھا کہ اچانک سینے میں شدید درد کا احساس ہوا اور انہیں قریبی طبی مرکز علی گڑھ والے جایا گیا، جہاں ڈاکٹر نے کچھ دوائیں دیں اور کسی بڑے ہاسپٹل میں لے جانے کا مشورہ دیا، اسی دوران دوبارہ ہارٹ اٹیک ہوا اور مولانا گر گئے اور چند لمحوں میں ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، مولانا جعفر سلفی رحمہ اللہ ایک منجھے ہوئے مدرس، حق گوداعی اور بے لوث مبلغ تھے، دعوت و تبلیغ کا فریضہ ہمہ وقت انجام دیتے تھے، انکار منکران کا امتیازی وصف تھا، موصوف حق بات برملا کہنے میں اپنی مثال آپ تھے، خطبات جمعہ کے علاوہ علاقہ کی مساجد میں پابندی کے ساتھ درس کا اہتمام فرماتے اور دعوتی جلسوں اور پروگراموں میں بھی موثر و عظیم کہتے۔ مولانا کی خودنوشت کے مطابق ان کی پیدائش نیپال کے کمبئی سے متصل پڑیا ضلع روپن دیہی میں یکم فروری ۱۹۶۳ء کو ہوئی، ابتدائی تعلیم گاؤں کے مدرسہ فیض الاسلام السلفیہ میں حاصل کی، پھر آپ مدرسہ شمس العلوم ہرنام پور تشریف لے گئے اور کم و بیش ڈھائی سال رہ کر جماعت کے معروف عالم دین، مناظر اور شاعر مولانا عبدالحمید حامد الانصاری انجم جمال اثری رحمہ اللہ سے کسب فیض کیا، ۱۹۷۵ء میں جامعہ سراج العلوم جھنڈا انگر حاضر ہوئے اور دو سال رہ کر جماعت ثالثہ تک تعلیم مکمل کی، ۱۹۷۷ء میں مدرسہ شمس العلوم سمرا ضلع سدھارتھ نگر پہنچ کر مناظر اسلام مولانا عبدالحمید المنظر رحمہ اللہ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا اور جماعت رابعہ تک تعلیم مکمل کی، پھر ۱۹۷۸ء میں مادر علمی جامعہ سلفیہ بنارس میں عالیت سال اول میں داخلہ لیا اور چار سال رہ کر ۱۹۸۳ء کے آغاز میں عالیت کی سند حاصل کی، آپ کے اساتذہ میں مولانا حامد الانصاری انجم، والد محترم مفتی عبدالحنان فیضی، مولانا رحمت اللہ اثری، مولانا عبدالعلیم ماہر، مولانا عبدالحمید المنظر، مولانا عبدالوحید رحمانی، مولانا محمد رئیس ندوی، مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمہم اللہ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

۱۹۸۴ء میں مدرسہ ریاض العلوم دہلی سے وابستہ ہو کر تدریسی و دعوتی زندگی کا آغاز کیا، ۱۹۸۷ء میں مہاراشٹر کا رخ کیا اور رائے گڑھ میں دو سال امامت و خطابت کے فرائض انجام دئے، وہاں سے مسجد اہل حدیث جری مری ممبئی تشریف لائے اور دو ہی سال یہاں بھی مذکورہ فرائض انجام دئے، ۱۹۹۲ء اور ۱۹۹۳ء میں دو سال تک جامعہ رحمانیہ کاندیولی میں مدرس مقرر ہوئے اور دعوتی خدمات کی انجام دہی کے ساتھ وہاں سے نکلنے والے ماہنامہ ”صوت الاسلام“ کے نائب مدیر بنائے گئے، ۱۹۹۳ء میں کسب معاش کے لئے سعودی عرب گئے اور ۱۹۹۸ء تک وہاں مقیم رہے، اس کے بعد جامعہ محمدیہ بھیرہوا میں ڈھائی سال تدریسی خدمات انجام دیں، پھر آپ کو جامعہ فرقانیہ بھینس کنڈہ ضلع کپل وستو میں تدریسی خدمات کا موقع ملا، یہاں آپ نے بچوں کے ساتھ بچیوں کی تعلیم و تربیت کا فریضہ حسن و خوبی سے انجام دیا، مدرسہ اعمار للبنات میں اونچی کتابیں بالخصوص صحیحین کی تدریس انہیں کے ذمہ تھی، ذمہ داران مدرسہ ان کے اخلاق و کردار اور پُر خلوص محنت سے بڑے متاثر اور ان کے بڑے قدردان تھے، ان کے اچانک رخصت ہو جانے سے جامعہ فرقانیہ اور مدرسہ اعمار دونوں کو زبردست جھٹکا لگا ہے اور انہیں ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے، ساتھ ہی ملت و جماعت ایک مخلص داعی، بے باک مبلغ اور کہنہ مشق مدرس سے بھی محروم ہو گئی۔

ان کی نماز جنازہ ۱۶ مارچ ۲۰۱۸ء بروز جمعہ صبح ۱۰ بجے ان کے مادر علمی مدرسہ فیض الاسلام پڑیا کے وسیع گراؤنڈ میں پڑھی گئی، جس میں علماء طلباء اور عوام و خواص کی ایک بہت بڑی تعداد نے شریک ہو کر ان کے لئے دعاء مغفرت کی، جامعہ سراج العلوم

السلفیہ، جھنڈانگر سے راقم (عبدالمنان سلفی) کے علاوہ شیخ الجامعہ مولانا خورشید احمد سلفی، نائب شیخ الجامعہ مولانا عبدالرشید مدنی، ڈاکٹر عبدالغنی القونی، مولانا شفیع اللہ مدنی، مولانا وصی اللہ مدنی، مولانا محمد اسلم مدنی، مولانا انیس الرحمن مدنی، مولانا پرویز مدنی، مولانا خالد رشید سراجی، مولانا تاج الدین سراجی، مولانا قمر اعظم سراجی، مولانا عتیق الرحمن سراجی اور ماسٹر عبدالحمید وغیرہم نے جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی اور ان کے بیٹوں سے اظہار تعزیت کیا، پسماندگان میں ان کی بیوہ کے علاوہ ۳ بیٹے اور چھ بیٹیاں ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو صبر جمیل کی توفیق بخشے، مولانا کی بال بال مغفرت فرمائے اور ان کی تمام تر علمی، اور دعوتی خدمات کو ان کی مغفرت اور رفع درجات کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

(ماہنامہ السراج اپریل ۲۰۱۸ء)



معروف عالم دین مولانا محمد جعفر سلفی کے انتقال پر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا تعزیتی پیغام

نئی دہلی: ۲۶ مارچ ۲۰۱۸ء۔ نیپال کے معروف عالم دین مولانا محمد جعفر سلفی کا انتقال نہایت افسوس ناک اور ملت کا بڑا خسارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا کو بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔ وہ نیک، خوش اخلاق، جری اور غیور عالم دین تھے۔ آپ جامعہ سلفیہ کے فارغ التحصیل اور میرے ہم سبق تھے۔ جمعیت و جماعت سے بہت محبت کرتے تھے۔ مرکزی جمعیت کے زیر اہتمام چونتیسویں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس میں شرکت کا ارادہ تھا لیکن خرابی صحت کی وجہ سے نہیں آسکے۔ آپ کہنہ مشق واعظ اور مدرس تھے۔ ان حقائق و احساسات کا اظہار مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے اخبار کے نام جاری ایک بیان میں کیا۔

پریس ریلیز کے مطابق مولانا نے کچھ دنوں تک جامعہ ریاض العلوم دہلی اور جامعہ رحمانیہ کاندیولی ممبئی میں بھی درس و تدریس کا فریضہ انجام دیا اور ایک مدت تک جری مری کی مسجد میں امامت و خطابت سے وابستہ رہے۔ اور آخری ایام میں بھینس کنڈہ نیپال میں لڑکیوں کے مدرسہ سے وابستہ ہو کر درس و تدریس اور علاقے میں تعلیم و اصلاح کا کام انجام دے رہے تھے۔ ان کا انتقال مورخہ ۱۵ مارچ ۲۰۱۸ء کو حرکت قلب بند ہو جانے سے ہو گیا۔ پسماندگان میں بیوہ، تین بیٹے اور چھ بیٹیاں ہیں۔ پریس ریلیز کے مطابق مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر و دیگر ذمہ داران نے مولانا کے ورثاء سے قلبی تعزیت کرتے ہوئے مرحوم کی مغفرت و بلندی درجات کی دعا کی ہے۔

(جریدہ ترجمان ۱۵-۱۷ اپریل ۲۰۱۸ء)



شیخ محمد توحید بن حافظ جلیل احمد فیضی پرتاپ گڑھ

وفات ۱۰ اپریل ۲۰۱۸ء

محمد طیب جلیل احمد فیضی پرتاپ گڑھی

حافظ محمد توحید فیضی ہمارے بزرگ و محترم قاری نجم الحسن فیضی حفظہ اللہ کے داماد تھے، انتہائی خلیق، ملنسار اور خوش الحان قاری تھے، کبھی کبھار کانڈیولی میں منعقد ہونے والی بڑی کانفرنسوں میں تلاوت قرآن کے لئے آں موصوف کو میں مدعو کر لیتا تھا، اور وہ بالکل بے باکی سے اپنے خوبصورت آواز میں سہا باندھ کر سامعین کا دل جیت لیتے تھے۔ کافی دنوں تک ہم لوگوں کے گرد و پیش رہے، قسمت نے وفا کی سعودی عرب ملازمت کے لئے چلے گئے اور کچھ سالوں کے بعد وہیں عرش والے کا بلاوا آگیا انا اللہ وانا الیہ راجعون، مولانا غریق رحمت فرمائے۔ ذیل کے سطور ان کے بھائی حافظ طیب فیضی نے ترتیب دیئے ہیں شکر ہے کے ساتھ شامل اشاعت ہیں۔ (مولانا عبدالحکیم مدنی)

تاریخ پیدائش: ۹ اپریل بروز جمعہ ۱۹۸۲ء ہے، آپ کی پیدائش آپ کے آبائی گاؤں موضع تلیا، ہی ضلع پرتاپ گڑھ میں ہوئی۔ ہم تین بھائی اور ایک بہن ہیں (۱) محمد طیب فیضی (۲) محمد توحید فیضی (۳) محمد طاہر فیضی، برادر محترم ہم تینوں بھائیوں میں دوسرے نمبر پر تھے، اللہ نے آپ کو بہت ہی بااخلاق خوش مزاج و ملنسار بنایا تھا، آپ سے ملاقات کرنے والا ہر شخص آپ کا دوست ہو جایا کرتا تھا۔

ابتدائی تعلیم: ہم تینوں بھائیوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والدین سے حاصل کی، کیونکہ والد محترم ایک اچھے حافظ قرآن ہیں اور والدہ محترمہ بھی ایک بڑے دینی ادارہ سے تعلیم یافتہ ہیں، اس لئے والدین نے گھر سے ہی ہماری تعلیم و تربیت کی شروعات کی، پہلے ہمیں ناظرہ قرآن پڑھایا اور پھر حفظ بھی گھر ہی میں شروع کر دیا مگر وقت کے ساتھ حالات بھی بدلتے رہے اسی دوران والدین نے ممبئی آنے کا فیصلہ کیا اور چند ہی دنوں بعد ہم سب شہر ممبئی آ گئے۔

یہاں پہنچ کر والدین نے ہماری حفظ کی تعلیم کو پائے تکمیل تک پہنچانے کے لئے سب سے پہلے جامعہ رحمانیہ کانڈیولی ممبئی کا انتخاب کیا، یہاں ہم نے دو سال تک حفظ کی تعلیم حاصل کی یہاں میرے بھائی کے سب سے پہلے استاد ہیں فضیلۃ الشیخ قاری رحم علی حفظہ اللہ جو ہمارے ہم علاقہ و ہم وطن بھی ہیں، آپ نے ان سے تقریباً نصف قرآن کریم حفظ کر لیا تھا، اس کے بعد والد محترم نے ہمیں یہاں سے ہٹا کر ممبئی کے ہی ایک دوسرے مدرسہ میں ہمارا داخلہ کر دیا، پھر بعض وجوہات کی بنا پر ہم تینوں بھائیوں کا ایک ساتھ مدرسہ تعلیم الدین سون پور جھوڑا، پرتاپ گڑھ میں داخلہ کرایا، یہاں ہم دونوں بھائیوں نے ایک ساتھ ایک ہی استاذ کے پاس اپنے قرآن کریم کے بقیہ حصہ کو حفظ کیا۔ ہم تینوں بھائیوں میں سب سے پہلے جس نے قرآن کریم کو حفظ کیا ہے وہ ہیں شیخ محمد توحید فیضی آپ

نے ۱۹۹۵ء کو پورا قرآن کریم حفظ کر لیا تھا اور اسی سال رمضان المبارک کے مہینہ میں آپ نے شہر پرتاپ گڑھ کی ایک مسجد میں تراویح کی نماز بھی پڑھائی، اس وقت برادر محترم کی عمر تیرہ سال تھی۔

حصولِ تعلیم کے لئے سفر: حفظ کی تعلیم سے فراغت کے بعد والد محترم نے عربی کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ۱۹۹۶ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کی ایک شاخ مدرسہ ضیاء العلوم تکیہ کلاں رائے بریلی میں داخلہ کرایا، برادر محترم نے یہاں چار سالہ عرصہ گزار کر جماعت رابعہ تک تعلیم حاصل کی، اللہ نے آپ کو بڑی ذہانت سے بھی نوازا تھا۔ ۱۹۹۹ء تک ہم دونوں بھائی ایک ساتھ مدرسہ ضیاء العلوم میں تعلیم حاصل کرتے رہے، اس وقت ہم لوگ حنفی المسلك تھے مگر ہمارے سگے خالو فضیلۃ الشیخ جناب قاری نجم الحسن فیضی حفظہ اللہ جو میرے چھوٹے بھائی محمد توحید فیضی کے سر بھی ہیں ہمیشہ ہم لوگوں کو حق کی تلقین کرتے رہتے تھے، خصوصاً قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کے مطالعہ کا شوق دلایا کرتے تھے، اور ہمیشہ ہماری دینی بھلائی کے بارے میں فکر مند رہا کرتے تھے انہوں نے ہمیں ۲۰۰۰ء میں کسی سلفی ادارہ میں داخلہ لینے کا مشورہ دیا، ابتداً آپ کی بات بڑی عجیب سی لگی مگر ادباً ہم آپ کی بات کا انکار نہ کر سکے اور آپ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے والد محترم نے ہم دونوں بھائیوں کا ایک ساتھ جامعہ اسلامیہ فیض عام منوناتھ بھنجن میں داخلہ کرا دیا۔ ہم دونوں بھائیوں نے ایک ساتھ ۲۰۰۱ء میں سند عالمیت حاصل کی اور پھر ۲۰۰۳ء میں سند فضیلت حاصل کی اور جامعہ سے فارغ ہو گئے۔

تعلیمی و تدریسی خدمات: برادر محترم شیخ محمد توحید فیضی نے جامعہ سے فراغت کے بعد تجوید و قرأت پڑھنے کا فیصلہ کیا تو والد محترم نے ان کا داخلہ مدرسہ عربیہ انوار العلوم قصبہ منوآئمہ الہ آباد میں ہندوستان کے مشہور و معروف قاری جناب قاری رحمت اللہ صاحب کے پاس کرا دیا، یہاں برادر محترم نے دو سال تک روایت حفص پڑھا، اس دوران برادر محترم قصبہ منوآئمہ محلہ کورٹ کی ایک اہل حدیث مسجد میں امامت و خطابت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے حتیٰ کہ قرأت کی تعلیم مکمل ہو گئی مگر امامت و خطابت کا یہ سلسلہ بدستور جاری و ساری رہا۔

اس کے بعد برادر محترم ممبئی آئے اور ۲۰۰۵ء سے لے کر ۲۰۱۱ء تک مسجد دارالسلام کاندیولی ممبئی میں بحیثیت امام و خطیب اپنے فرائض انجام دیتے رہے، آپ وقت کے بڑے پابند تھے کبھی ناغہ نہیں کرتے تھے الایہ کہ کوئی عذر شرعی ہو، اسی طرح وعدے کے بھی بڑے پختہ تھے کبھی کسی سے وعدہ خلافی نہیں کرتے تھے، مسجد میں مکتب کی بھی تعلیم ہوتی ہے اس لئے امام کے علاوہ چھ لوگ اور رہتے ہیں جو ان کے ساتھ پڑھایا کرتے تھے، وہ لوگ آج بھی موجود ہیں ان کا بیان ہے کہ ہم چھ سال ان کے ساتھ رہے ہیں لیکن کسی معاملہ میں ہم نے ان کو اختلاف کرتے نہیں پایا ہے، کبھی کسی معاملہ میں ہم لوگوں کے درمیان آپس میں نا اتفاقی نہیں ہوئی اگر کوئی چیز ناگوار ہوتی تو اس سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے تھے مگر اختلاف نہیں کرتے تھے۔

انہوں نے ۲۰۱۱ء میں سعودی عرب جانے کا فیصلہ کیا تو رب العالمین نے ان کے لئے سارے راستے آسان کر دیئے اور وہ باسانی سعودی عرب پہنچ گئے الحمد للہ! وہاں پہنچ کر ابتداء میں ایک مسجد میں بطور نائب امام و موزن متعین ہوئے اور یہاں کی طرح وہاں

بھی آپ نے بڑی ایمانداری و امانت داری کا ثبوت دیا، آپ کے طرز عمل سے آپ کے مسجد کے امام محمد احمد الحضیمی بڑے متاثر ہوئے اور انہوں نے آپ کو مکتب دعوتہ الجمعہ میں بھی لگوا دیا انہیں اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے آمین۔

دینی خدمات: برادر محترم چار سالوں سے مسجد کی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ دعوتی ذمہ داری بھی نبھا رہے تھے، مختلف مقامات پر آپ کے دروس ہوا کرتے تھے، اسی طرح نماز جمعہ کے بعد آپ امام کے عربی خطبہ کا ترجمہ بھی کیا کرتے تھے، اور جو غیر مسلمین سعودی عرب جاتے ہیں، کام کے سلسلہ میں ان کے درمیان بھی آپ دعوت و تبلیغ کا کام کیا کرتے تھے۔

ابھی پچھلے رمضان المبارک کے مہینہ یعنی ۲۰۱۷ء میں آپ نے ایک غیر مسلم کو کلمہ پڑھا کر مسلمان بنایا تھا جس کا ویڈیو آج بھی یوٹیوب پر موجود ہے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ سعودی عرب میں آپ کی پوری زندگی کا حاصل صرف دعوت و تبلیغ رہا ہے۔

وفات: جس دن آپ کا اکیڈنٹ ہوا ہے اس دن بھی آپ ایک جگہ جمعہ کا خطبہ دینے جا رہے تھے جہاں تقریباً پانچ سو سے زائد لوگ جمعہ کی نماز ادا کرتے ہیں، مگر رب العالمین کو وہاں تک آپ کا پہنچنا منظور نہیں تھا، اچانک آپ کی کار ایک حادثہ کا شکار ہو کر پلٹ گئی اور آپ بری طرح زخمی ہو گئے، ساری چوٹیں آپ کے سر اور چہرہ پر تھیں، بقیہ جسم کا اکثر حصہ سلامت تھا۔

اس موقع پر مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث یاد آتی ہے جو سنن ترمذی کے اندر بسند صحیح مروی ہے عن مطرب بن عکامس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا قضی اللہ لعبد ان يموت بارض جعل له اليها حاجقه رواه الترمذی۔ حضرت مطرب بن عکامس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے لئے موت کا کسی زمین میں فیصلہ کر دیتا ہے تو اس کے لئے اس زمین میں کوئی حاجت بنا دیتا ہے اور وہ شخص وہاں جاتا ہے تو موت اسے آ کر پکڑ لیتی ہے۔ میرے چھوٹے بھائی شیخ محمد توحید فیضی کی موت کے لئے اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ہی سرزمین عرب کو مقدر کر رکھا تھا، اللہ کے فیصلہ کو کون ٹال سکتا ہے۔ چنانچہ ۷ اپریل بروز جمعہ ۲۰۱۸ء کو گھر سے جمعہ کے خطبہ کے ارادے سے نکلے، اچانک راستہ میں آپ کی گاڑی کا اکیڈنٹ ہو گیا اور گاڑی پلٹ گئی، چہرہ اور سر میں سخت چوٹیں آئیں جس وقت آپ کو زخمی حالت میں زمین سے اٹھایا جا رہا تھا اس وقت آپ اپنی زبان سے کلمہ شہادت پڑھ رہے تھے۔ آپ کو اٹھانے والوں نے اس بات کی گواہی دی ہے کہ ہم نے اپنے کانوں سے انہیں کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے سنا ہے، اور یہی کلمہ شہادت آپ کی زندگی کا آخری کلام ثابت ہوا اور اس کے بعد آپ کی طبیعت اور بگڑتی چلی گئی اور آپ کو علاج کے لئے شہر جمعہ سے ریاض کے امام عبدالرحمن الفیصل اسپتال منتقل کر دیا گیا جہاں چار دنوں تک آپ کا علاج چلتا رہا، وفات سے ایک روز قبل امید کی ایک ہلکی سی کرن نظر آئی ایسا لگا اب آپ بہت جلد رو بہ صحت ہو جائیں گے اہل خانہ، رور و کررب العالمین کے دربار میں دعائیں کر رہے تھے کہ الہی تو انہیں جلد صحت یاب کر دے یہاں والدین کا صدمہ سے دل پھٹا جا رہا تھا، قوت برداشت جواب دے رہی تھی مگر ان سب کے باوجود میرے بوڑھے والدین اپنے جوان بیٹے کی واپسی کے منتظر بیٹھے تھے اور ہر وقت و ہر لمحہ اللہ سے ایک ہی دعا کیا کرتے تھے پروردگار موت و حیات کا اور صحت و تندرستی کا مالک تو ہی ہے تو میرے بچے کو دوبارہ صحت یاب کر دے، ہم لوگوں کا صدمہ سے برا حال تھا لوگوں کا آنا جانا لگا ہوا تھا، لوگ تسلی دے رہے تھے کہ اطمینان رکھئے، ان شاء اللہ شیخ محمد توحید جلد صحت یاب ہو جائیں گے، اب اخیر میں وہ دن بھی آپ پہنچا جس نے ایک بارگی ہم سب کو غموں

سے نڈھال کر دیا، ہمتوں کو پست کر دیا گھر میں غموں کے بادل منڈلانے لگے میں ابھی ظہر کی نماز کے لے با وضو ہو کر اذان کا انتظار کرتے گھر میں بیٹھا تھا کہ اچانک موبائل کی گھنٹی بجی دیکھا تو میرے بہنوئی شیخ کلیم ابن مقصود الحسن فیضی کا فون تھا جو ابتداء سے برابر پل پل کی خبر دے رہے تھے، بڑی پر امید سی فون اٹھایا کہ برادر محترم کی اچھی صحت کی خبر ملے گی مگر اللہ کے فیصلہ کو کون ٹال سکتا ہے قضاء و قدر پورا ہو چکا تھا۔

شیخ نے تو پہلے ہماری خیریت دریافت کیا اور اس کے بعد صرف اتنا کہا کہ اللہ نے اپنی امانت واپس لے لی ہے، اب شیخ محمد توحید فیضی اس دنیا میں نہیں رہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون برادر محترم شیخ محمد توحید فیضی نے سرزمین عرب کے اندر ہمیشہ ہمیش کے لئے اپنی آنکھیں بند کر لی ہیں اتنا سننا تھا کہ آنکھیں اشک بار ہو گئیں دل بے اتنا مغموم ہو گیا ایسا لگا کہ جسم بے جان سا ہو کر رہ گیا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں چونکہ میں اس وقت ممبئی میں تھا مجھے پتہ نہیں تھا کہ گاؤں میں والدین کو خبر ہو گئی ہے یا نہیں، بعد نماز ظہر میں نے والدین کو فون کیا تو گھر پر بھی غم و الم کا ماحول تھا کسی میں بات کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

قارئین کرام: آپ تصور کر سکتے ہیں کہ جب بوڑھے ماں باپ کے سامنے جوان بیٹے کا جنازہ اٹھتا ہے تو ان کے دلوں پر کیا گزرتی ہوگی اس کا صحیح اندازہ وہی لگا سکتا ہے جو ان حالات سے گزر چکا ہے، بڑی مشکل سے ایک دو باتیں ہوئیں اور فون کٹ گیا، وہیں پر ان کی نماز جنازہ بھی ادا کی گئی اور ہمیشہ ہمیش کے لئے وہیں انہیں سپرد خاک بھی کر دیا گیا۔

آپ ۱۰ اپریل بروز منگل ۲۰۱۸ء کو سعودی عرب کے وقت کے مطابق صبح ۱۰ بجکر ۴ منٹ پر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ آپ کی نماز جنازہ الحمد للہ تین مرتبہ ادا کی گئی بڑی تعداد میں مرد و خواتین آپ کے جنازہ میں شریک رہے۔

۱۰ اپریل بروز منگل صبح ۱۰ بج کر ۴ منٹ پر انتقال ہوا۔ اور ۱۲ اپریل بروز جمعرات ۲۰۱۸ء بعد نماز عصر تدفین میں آئی۔ جس وقت برادر محترم شیخ محمد توحید فیضی کا انتقال ہوا ہے اس وقت ان کے اہل و عیال ان کے ساتھ سعودی عرب میں ہی مقیم تھے ان کے پسماندگان میں ایک بیٹا جو تقریباً گیارہ سال کا ہے جس کا نام محمد عدنان ہے اور دو بیٹیاں ہیں جن میں ایک کی عمر تقریباً چھ سال ہے اور دوسری بیٹی کی عمر تقریباً ڈیڑھ سال ہے، بڑی بیٹی کا نام ذکر کی ہے اور چھوٹی بیٹی کا نام یسری ہے ان کے علاوہ ان کی اہلیہ ہیں جو فضیلۃ الشیخ جناب قاری نجم الحسن فیضی حفظہ اللہ کی دوسرے نمبر کی بیٹی ہیں اور ان کے علاوہ مرحوم کے والدین بھی ابھی باحیات ہیں اور ان کے علاوہ مرحوم کے دو بھائی اور ایک بہن ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ مرحوم کے بچوں کی حفاظت فرمائے مستقبل میں انہیں تمام مشکلات سے بھی محفوظ رکھے۔ آمین۔

اب اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دل کی گہرائیوں سے دعاء ہے کہ اے الہ العالمین تو میرے مرحوم بھائی پر اپنی رحمت خاصہ نازل فرما اور ان کی لغزشوں و کوتاہیوں کو معاف فرما، اور ان کی قبر کو کشادہ و منور کر دے، انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرما، اور انہیں ہم لوگوں کے لئے میدانِ محشر میں سفارش کرنے والا بنا آمین اور پسماندگان کو صبر جمیل و اجر عظیم عطا فرما خصوصاً میرے والدین اور ان کے اہل و عیال کو۔ آمین یا رب العالمین۔ (مرسلہ بذریعہ میل)



مولانا عبدالوہاب خلیجی رحمہ اللہ

ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

وفات ۱۳/اپریل ۲۰۱۸ء

عبدالحکیم عبدالعزیز المدنی

انا لله وانا اليه راجعون انتہائی دکھ کے ساتھ یہ اطلاع دی جا رہی ہے کہ جماعت کی معروف شخصیت حضرت مولانا عبدالوہاب خلیجی سابق ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کافی دنوں سے علیل رہنے کے بعد آج بتاریخ ۱۳/اپریل ۲۰۱۸ء بروز جمعہ قریباً شام ۴ بجے ۶۳ سال کی عمر میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اللہم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ۔

آپ ۴ جنوری ۱۹۵۶ء کو مالیر کوٹلہ پنجاب میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ عربی تعلیم مدرسہ سبل السلام پھانک جیش خان دہلی اور اس کے بعد جامعہ رحمانیہ بنارس اور پھر دارالحدیث مدینہ منورہ اور وہاں سے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں مکمل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا عبدالصمد رحمانی، مولانا فضل الرحمن رحمہ اللہ، مولانا عزیز احمد ندوی، مولانا عبدالسلام رحمانی، مولانا امر اللہ رحمانی، شیخ عمر فلائٹ اور شیخ عبدالصمد لکاتب وغیرہم قابل ذکر ہیں۔ فراغت کے بعد ۱۹۸۴ء میں آپ مرکزی جمعیت کے نائب ناظم منتخب ہوئے۔ مولانا عبدالسلام رحمانی ناظم اعلیٰ تھے، اور مولانا عبدالوحید سلفی صدر جمعیت تھے۔ پھر ۱۹۸۷ء میں قائم مقام ناظم اعلیٰ بنے۔ اس کے بعد ۲۷ مئی ۱۹۹۰ء کے انتخاب میں مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کو امیر اور آپ کو ناظم عمومی منتخب کیا گیا، اور اس طرح ۱۳/اکتوبر ۲۰۰۱ء تک آپ ناظم رہے۔ اور کل ۱۷ سال تک مرکزی جمعیت سے وابستہ رہے، آپ کے دورِ نظامت میں ”حرمت حریم شریفین کنونشن“ بڑے تزک و احتشام سے منعقد ہوئی اور کل ہند پیمانے پر حفظ قرآن و احادیث کے مسابقتی کی شروعات کی گئی جو آج تک جاری و ساری ہے، جریدہ ترجمان کو ہفت روزہ کرنے کے ساتھ ہندی زبان میں ایک ماہنامہ ”اصلاح سماج“ کے نام سے جاری کیا گیا، نیز عالمی سطح پر جماعت کا تعارف ہوا، آپ بین الاقوامی سطح پر مختلف عالمی تنظیموں کے عہدوں پر رہے، مالیر کوٹلہ میں معہد الامام ثناء اللہ امرتسری کے تاسیس و قیام کے علاوہ خاص طور پر جامعہ سلفیہ بنارس کی مجلس منتظمہ، عالمی اسلامی کونسل لندن، اسلامی ایشین کونسل سری لنکا، مسلم پرسنل لاء بورڈ اور مسلم مجلس مشاورت اور کئی بڑے اداروں کے برسوں رکن رکین رہے۔ آل انڈیا ملی کونسل کے کافی عرصوں تک معاون سکریٹری بھی رہے، ملکی اور جماعتی سطح پر آپ کی ہمہ جہت علمی و دعوتی و ملی خدمات کافی اہم ہیں، الدار العلمیہ نامی اشاعتی ادارہ قائم کر کے بڑی اہم علمی کتابیں بھی آپ نے شائع کی تھیں، اللہ مرحوم کی خدمات کو قبول فرمائے، آپ کی نماز جنازہ پٹودی ہاؤس میں شیخ صلاح الدین مقبول مدنی حفظہ اللہ اور سیدی پورہ میں آپ کے فرزند محمد خلیجی نے پڑھائی، اور ۱۳/اپریل ۲۰۱۸ء صبح ۸ بجے ایک پرہجوم مجمع میں ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں شیدی پورہ قبرستان میں انتہائی پرہیزگار آنکھوں سے سپرد خاک کیا گیا۔ خدا رحمت کنڈا ایس عاشقان پاک طینت را، اللہ سے دعا ہے کہ آپ کی غزشتوں کو معاف فرمائے، اور کروٹ کروٹ جنت میں جگہ عطا فرمائے، پسماندگان اور پوری جماعت کو صبر جمیل کی توفیق دے آمین۔

□□□

آہ! مولانا عبدالوہاب خلیجی رحمہ اللہ

شیخ عبدالمعید مدنی (علی گڑھ)

مولانا عبدالوہاب خلیجی صاحب ہمارے درمیان نہیں رہے، کل تک وہ اپنے وجود کے اثرات اچھے خاصے حلقے میں بکھیرے ہوئے تھے۔ آج وہ داربرزخ کی طرف منتقل ہوئے ہیں۔

اس بے وفادنی میں کون کس کا ہوتا ہے۔ آج ان کی اولاد جس کرب سے گزر رہی ہے۔ اس کو وہی جانتی ہے۔ وہ جمعیت کے لمبی مدت تک قائد تھے۔ ملت اسلامیہ کے ہر حلقے میں وہ متعارف تھے مگر بیماری سے لے کر وفات تک جس طرح وہ لوگوں کی بے اعتنائی کے شکار رہے، دکھ کی بات ہے۔ آج کے نفاق، کبر، فسق و فجور اور حرام خوری کے دور میں اعتنائی اور بے اعتنائی بے معنی چیز ہے۔ مگر جن کے ساتھ کی دہائیوں کی عملی مراقت ہوان سے خوشی و غم میں شرکت کی خواہش ہوتی ہے۔

قبرستان سب سے بڑا وعظ ہے۔ جس کو اس سے وعظ نہ مل سکے اس کو کسی دوسرے سے نصیحت نہیں مل سکتی۔ عبرت کی بات یہ تھی کہ آخری منزل تک ساتھ وہی تھے جس سے تنظیمی مت بھیدا اور اختلاف تھا۔ یہ دیکھ کر دل بھرا آیا کہ جماعتی رشتہ جب آخری منزل تک قائم رہ سکتا ہے تو کیوں نہ اس کو اچھے ڈھنگ سے استوار کیا جائے۔ اس سلسلے میں موجودہ ذمہ دار تنظیم سے گزارش بھی کی گئی۔

اس غمناک سانحے پر خلیجی صاحب کے گھر والے مواسات اور ہمدردی کے سخت مستحق ہیں۔ خلیجی صاحب نے بھرپور زندگی گزاری۔ تین دھے تک وہ ملک اور بیرون ملک رواں دواں تھے۔ انہوں نے ملکی و عالمی سطح پر جماعت و ملت کی نمائندگی کی۔ جماعت و ملت کے مسائل میں کافی حساس تھے۔ جماعتوں، تنظیموں اور اداروں کے مخصوص رویوں کے برعکس ملی مسائل میں ان کا موقف غیر جانبدارانہ ہوتا تھا۔ یہ ان کا ایسا وصف تھا جس میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ ہندوستان میں ہر اس اسٹیج کو انہوں نے رونق بخشی جس سے دین و ملت کی آبیاری ہو سکے۔ جس اسٹیج پر وہ گئے موثر ثابت ہوئے حالانکہ اسٹیجوں کے آقا بن بیٹھنے والے کبھی دوسروں کو موثر بننے نہیں دیتے۔

خلیجی صاحب نے مدرسہ سبل السلام دلی میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ مولانا عبدالصمد رحمانی شاگرد سلطان العلماء مولانا نذیر احمد رحمانی رحمہم اللہ نے ان کے اوپر زبردست چھاپ چھوڑی۔ یہ حقیقت ہے کہ ان سے جس نے بھی تعلیم حاصل کی ان سے مسلک اور جماعت کے متعلق خاص طور پر متاثر ہوا۔ دوسرے مرحلے میں انہوں نے جامعہ رحمانیہ بنارس میں داخلہ لیا۔ وہیں سے وہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی شاخ دارالحدیث میں داخلہ پا گئے اور بی اے تک کی تعلیم جامعہ میں مکمل کی۔ مدینہ منورہ میں تعلیمی نسبت سے ان کو کم و بیش دس سال سے زیادہ رہنے کا موقع ملا۔ اس دوران ان کو علماء مشائخ سے ملنے جلنے اور تعلقات استوار کرنے کے زیادہ مواقع میسر آئے۔

انہوں نے وہاں اداروں کو کام کرتے اور منظم ڈھنگ سے چلتے دیکھا۔ ہندوستان لوٹ کر آئے تو جمعیت کو اچھے نہج پر منظم کرنے

کی کوشش کی۔ انہوں نے تنظیمی ڈھانچے کو از سر نو استوار کیا۔ ان سے پہلے جمعیت ایک اکائی تھی۔ انہوں نے مختلف شعبے بنائے۔ کل ہند پیمانے پر اسے منظم کیا۔ دستور تیار کیا۔ جمعیت کے بیچنی دھڑے کو جوڑا۔ ترجمان کو ہفت روزہ بنایا۔ مکتبہ ترجمان کو فعال اور متحرک بنایا۔ ویلفیئر کا کام بھی جمعیت کے اسٹیج سے، دیگر جمعیت کے ساتھ بھرپور تعامل اور تعاون کی ابتدا انہوں نے کی۔ ان کا المیہ یہ تھا کہ ان کو محنتی کارکن اور سمجھ دار ساتھی نہیں ملے۔ اوپر سے ان کے ہاتھ کھلے نہیں تھے۔ بزرگوں کی قید و بندش تھی۔ انسان کی خود اپنی طبعی افتاد ہوتی ہے۔ اپنے میلانات و رجحانات ہوتے ہیں جن سے وہ دست بردار نہیں ہو سکتا۔ یہ سارے روانا رو اور جود ہوتے ہیں جو انسان کی کامیابی ناکامی کا سبب ہوتے ہیں۔ تنظیم کے تعطل، انتشار اور عدم دستوریت کے تسلسل کو توڑا اور اسے نئی راہ دکھانے کی بھرپور کوشش کی۔ کامیابی ناکامی صرف ان کی ذات سے وابستہ نہیں تھی۔ پوری جماعت اگر شعور اور عمل کا ثبوت دیتی تو کامیابی ضرور حاصل ہوتی۔

ایک اہم بات، کانفرنسوں کا مختلف سطحوں پر سلسلہ بھی ان کے ہی دور میں منظم ڈھنگ سے شروع ہوا۔ آج جب میں ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچتا ہوں مجھے صاف نظر آتا ہے کہ وہ ایک مظلوم شخص تھے۔ انہوں نے اہل حدیث کمپلیکس کا بہترین پروجیکٹ اور نقشہ تیار کیا تھا اور اس کو ردعمل لانے کی خاص جہت سے منظوری بھی مل گئی تھی لیکن تخریب پسندی نے اس کو روک دیا۔ خلجی صاحب یہ سارا داغ دل پر لے کر گئے۔

خلجی صاحب کا دور نظامت بسا غنیمت تھا اس دور میں جمعیت سے شرفاء جڑے تھے۔ جمعیت کو ایک مقام حاصل تھا۔ انتشار و خلفشار سے دوچار نہ تھی۔ خلجی صاحب کا ذہنی شاکہ جمعیت کو چلانے کا تھا۔ اس کے لئے ان کے اندر یکسوئی تھی انہماک تھا۔ لیکن مختلف آقا بیٹوں اور استحصالیوں نے ان کو بے بس کر دیا۔ تنظیم کی قیادت سے الگ ہونے کے بعد جیسے ان کے لئے کوئی ایجنڈا رہا ہی نہیں گیا تھا۔ تنظیم کے سلسلے میں ان کے اندر اتنا شدید انہماک تھا کہ وہ خود کو اس سے جدا ہونا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ یہ ان کے لئے ایک سانحہ بن گیا۔ اور پھر بعد کے اخطا طو و بکھراؤ نے بھی ان کو درد دیا۔

انہوں نے نوکری کے بجائے تجارت کو اپنی معیشت بنایا تھا، مکتبہ الدار العلمیہ ان کا علمی تجارتی مکتبہ تھا۔ انہوں نے چھوٹی بڑی کئی درجن کتابیں شائع کیں۔ انہوں نے سالوں ڈائری شائع کی۔ مکتبہ کامیاب جا رہا تھا لیکن کاموں میں انہماک نے کما حقہ اس کی طرف توجہ سے باز رکھنا نیز رابطہ عالم اسلامی میں دو ایک بڑی ہیمنٹ رک گئی اور مکہ میں کتابوں کے جس خزان میں کتابوں اسٹور ہوتی تھیں وہ تلف ہو گیا اور ان کی کتابوں کا سارا ذخیرہ ضائع ہو گیا، اس طرح الدار العلمیہ کلی طور پر بند ہو گیا۔ اس کی وجہ سے خلجی صاحب کو کافی ہارڈ شپ بھی جھیلنی پڑی۔ لیکن مجال ہے کسی کے سامنے اف بھی کیا ہو۔

خلجی صاحب ایک سیر چشم اور حوصلے والے انسان تھے۔ انہوں نے پریشان کن حالات میں بھی بڑکپن اور معیار کو نہیں چھوڑا۔ وہ خوئے و فوار کھتے تھے۔ تعلق بناتے تھے اور اس کو نبھانا جانتے تھے۔ ایسے بھی واقعات ہیں کہ جیب خالی ہے پھر بھی رسم و فانی ہے۔ انسان قطرے سے پیدا ہوا انسانی سمندر میں قطرہ ہی رہتا ہے۔ اس کے لئے بہتر ہے کہ قطرہ خالص رہے۔ گہر ہونے تک اس

یہ کیا کیا بیت جاتی ہے، بڑی غمناک انسانی داستان ہے۔

آج کے دور نفاق و فتن میں انسان اپنوں کی چھری سے روز زح ہوتا ہے۔ اور چلانے کی بھی اجازت نہیں ہوتی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سچائی اور کردار کا ستھرا پن وقت کا سب سے بڑا امتحان ہے۔ اور عموماً اس امتحان میں سب فیل ہو جاتے ہیں۔ اللہ ان کی لغزشوں کو درگزر کرے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین (نور توحید جھنڈا نگر)



مولانا عبدالوہاب خلجی کا سانحہ ارتحال ایک عظیم دینی، جماعتی و ملی خسارہ

مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی

دہلی ۱۳ اپریل ۲۰۱۸ء مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی پریس ریلیز کے مطابق جماعت اہل حدیث کے ایک فعال و متحرک قائد اور ملی و سماجی حلقوں میں حرکت و عمل کے لئے معروف و مشہور شخصیت، نامور عالم دین اور سابق ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب خلجی طویل علالت کے بعد آج پونے چار بجے بصر ۶۳ سال دارفانی سے دار بقا کی طرف رحلت فرما گئے۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون۔

پریس ریلیز کے مطابق آپ کے انتقال کی خبر سے جماعتی و ملی حلقوں میں صف ماتم بچھ گئی ہے اور ہر چہرہ مغموم نظر آ رہا ہے۔ موصوف کے انتقال کی خبر جنگل کی آگ کی طرح نہ صرف اندرون ملک بلکہ بیرون ملک آناً فاناً پھیل گئی۔ بلاشبہ ان کی وفات سے ملی و جماعتی حلقوں میں ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جس کا پرہونا بظاہر مشکل نظر آتا ہے۔

مولانا عبدالوہاب خلجی ۴ جنوری ۱۹۵۶ء کو پنجاب کے مشہور و معروف شہر مالیر کوٹلہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مالیر کوٹلہ ہی میں حاصل کی۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے حصول کی غرض سے دہلی کے لئے عازم سفر ہوئے اور مدرسہ سبل السلام (پھاٹک حبش خاں) دہلی میں داخلہ لیا اور یہاں کچھ عرصہ تعلیم حاصل کی۔ دہلی سے جامعہ رحمانیہ بنارس کے لئے رخت سفر باندھا اور وہاں داخلہ لیا۔ وہاں کچھ عرصہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدینہ منورہ کا رخ کیا اور مدرسہ دارالحدیث اور پھر جامعہ اسلامیہ سے فراغت حاصل کی۔

آپ کے اساتذہ میں مولانا عبدالصمد رحمانی، مولانا فضل الرحمن بن رحم اللہ، مولانا عزیز احمد ندوی، مولانا عبدالسلام رحمانی، مولانا امر اللہ رحمانی، شیخ عمر محمد فلاتہ اور شیخ عبدالصمد اکاتب کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

جماعتی اور تنظیمی ذوق و شوق کی بنیاد پر جامعہ اسلامیہ سے فراغت کے بعد ہی جماعت سے وابستہ ہو گئے اور مولانا عبدالوحید سلفی کے دور امارت میں جب کہ مولانا عبدالسلام رحمانی ناظم اعلیٰ تھے موصوف نائب ناظم کے عہدے پر فائز ہوئے۔ پھر ۱۹۸۷ء میں قائم مقام ناظم اعلیٰ بنے۔ حضرت مولانا عبدالوحید سلفی کے انتقال کے بعد ۲۷ مئی ۱۹۹۰ء کو مولانا مختار احمد ندوی صاحب امیر اور آپ ناظم عمومی منتخب ہوئے۔ چنانچہ ۱۷ مئی ۱۹۹۰ء سے ۱۳ اکتوبر ۲۰۰۱ء تک مرکزی جمعیت کے ناظم عمومی کے جلیل القدر

عہدہ پرفائزر ہے، اس طرح آپ لگ بھگ ۱۷ سال تک مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے نائب ناظم، قائم مقام ناظم اعلیٰ اور ناظم عمومی کے عہدوں پرفائزر ہے۔

آپ کے دورنظامت میں متعدد اہم اجلاس اور کانفرنسیں ہوئیں اور کئی اہم مسابقتی ہوئے جن میں ”حرمت حرمین شریفین“، کانفرنس ”کل ہند مسابقتی حفظ حدیث شریف“ اور ”کل ہند مسابقتی حفظ و تجوید قرآن کریم“ جیسے اہم دینی پروگرام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ”حالات حاضرہ پر علماء اہل حدیث کانفرنس“ منعقد کی اور اس موقع پر علماء اہل حدیث کی خدمات پر مشتمل ایک یادگاری مجلہ ”دفنش فکر و عمل“ شائع کیا۔ آپ کے دورنظامت میں ”صوت الاسلام“ لائبریری قائم ہوئی۔ پندرہ روزہ جریدہ ترجمان ہفت روزہ شائع ہوا۔ ہندی داں طبقہ کے لئے ماہنامہ ”اصلاح سماج“ کا اجراء عمل میں آیا۔ بیرون ملک مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کو متعارف کرایا۔ اس سلسلے میں ملک و بیرون ملک کے بے شمار دینی و دعوتی دورے کئے۔ ناظم عمومی کی حیثیت سے آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

پریس ریلیز کے مطابق مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے علاوہ بھی آپ دیگر اسلامی اداروں اور تنظیموں سے وابستہ رہے۔ چنانچہ آپ جامعہ سلفیہ بنارس کی مجلس انتظامیہ، عالمی اسلامی کونسل لندن کی مجلس عاملہ، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ اور کل ہند مسلم مجلس مشاورت کے رکن نیز آل انڈیا ملی کونسل کے نائب صدر رہے۔

آپ نے اپنا ایک علمی اور تحقیقی ادارہ ”المدار العلمیہ“ کے نام سے قائم کیا جس سے مختلف زبانوں میں سو سے زائد بیش بہا علمی اور تحقیقی کتابیں شائع ہوئیں اور عالمی سطح پر اس کی ایک پہچان قائم ہوئی۔ موصوف کا شمار جماعت کے انتہائی سرگرم و فعال قائدین میں ہوتا ہے۔ کئی سال قبل فالج کا حملہ ہوا جس سے ان کی سرگرمیاں سرد پڑ گئیں، کسی قدر افاقہ ہوا تو پھر ملی و سماجی کاموں میں حصہ لینے لگے لیکن گزشتہ ماہ پھر فالج کا حملہ ہوا اور کلی طور پر صاحب فراش ہو گئے۔ ہسپتال میں عیادت کے وقت ان کی حالت دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ اللہ کی رحمتوں پر یقین کامل رکھنے کے باوجود طبیعت حوصلہ افزا نہیں ہے۔ گزشتہ دنوں پنت ہسپتال دہلی میں زیر علاج ہی تھے کہ دل کا دورہ پڑا اور آرٹیمس ہسپتال گڑگاؤں میں علاج کی غرض سے منتقل کیا گیا لیکن طبیعت سنبھل نہ سکی اور ڈاکٹروں نے گھر پر ہی رکھنے کا مشورہ دیا، جہاں آج تقریباً پونے چار بجے دن اس دارفانی سے کوچ کر گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں کو نیکیوں میں بدل دے، جماعتی و ملی خدمات کو شرف قبولیت بخشے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور پسماندگان خصوصاً ان کی اہلیہ محترمہ جو شریک حیات کے ساتھ شریک دعوت رہیں، ان کے صاحبزادگان محمد و عبید اور صاحبزادیوں نیز جملہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین یا رب العالمین۔

(ترجمان ۱۵ مئی ۲۰۱۸ء)



معروف دانشور و ادیب اور نامور دینی و علمی خانوادہ کے سپوت پروفیسر زہیر انور کا انتقال

شیخ اصغر علی امام مہدی سلفی

وفات، مئی ۲۰۱۸ء

دہلی: ۲۱ مئی ۲۰۱۸ء معروف دانشور و ادیب، معروف دینی و علمی خانوادہ کے سپوت اور جوہر لعل نہرو یونیورسٹی دہلی کے سابق استاد پروفیسر زہیر انور کا انتقال قابل رنج و افسوس اور تعلیمی و تربیتی میدان کا بڑا خسارہ ہے۔ تواضع و خاکساری، اسلامی وضع قطع اور آداب و شعائر کا پاس و لحاظ، احکام شریعت کی پابندی ان کی پہچان تھی۔ وہ اعلیٰ اخلاق و کردار سے متصف تھے۔ سماجی آدمی تھے اور اصلاح ذات البین میں آگے آگے رہتے تھے۔ اور حقیقی معنوں میں نامور علمی و دینی خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔ ان خیالات و تاثرات کا اظہار مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے اخبار کے نام جاری ایک بیان میں کیا۔

اخباری بیان کے مطابق پروفیسر زہیر انور ادھر کچھ دنوں سے علیل تھے۔ گذشتہ کل بوقت ظہر دہلی کے ایس ہاسپٹل میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ جہاں سے جنازہ کوراجو پارک خان پور سینک فارم لایا گیا۔ پریس ریلیز کے مطابق بعد نماز عشاء و تراویح مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے نماز جنازہ پڑھائی جس میں ایک جم غفیر نے شرکت کی۔ محترم جناب احمد صاحب ایڈوکیٹ اور دیگر رشتہ داروں کی معیت میں جنازہ ساکیت قبرستان میں لے جایا گیا۔ وہاں بھی دوبارہ نماز جنازہ پڑھی گئی۔ پروفیسر زہیر انور معروف عالم دین، سابق شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ بنارس مولانا شمس الحق سلفی رحمہ اللہ کے صاحبزادے اور معروف محقق ڈاکٹر عزیز شمس کے بڑے بھائی تھے۔ اور آپ کے دیگر تمام برادران ذی علم ہندو بیرون ہند کی بڑی یونیورسٹیوں سے فارغ التحصیل ہیں۔ آپ کے عم مکرم مولانا عین الحق سلفی سابق شیخ الحدیث دارالعلوم احمدیہ سلفیہ در بھنگہ ہندوستان کی بڑی علمی شخصیت تھی اور آپ کے تمام چچا زاد بھائی بھی بڑے ذی علم اور مختلف کالجوں اور جامعات میں درس و تدریس کا مشغلہ اپنائے ہوئے ہیں۔ اور آپ کی اہلیہ محترمہ بھی تعلیمی اور تربیتی امور سے جڑی ہوئی تھیں۔ آپ کی کوئی اولاد تو نہیں ہے۔ لیکن آپ دونوں کی روحانی اور علمی اولاد کی بڑی تعداد ملک کے کونے کونے میں پھیلی ہوئی ہے۔

خدا بخشنے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

آپ کی اعلیٰ تعلیم علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ہوئی تھی۔ جوہر لعل نہرو یونیورسٹی کے شعبہ جغرافیہ میں پروفیسر رہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد سے راجو پارک خان پور سینک فارم کے پاس اقامت پذیر تھے۔ آپ شعر و شاعری کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے اور اس میں طبع آزمائی بھی کرتے تھے۔ اہل علم سے ان کا خاص تعلق تھا اور آپ عصری تعلیم سے منسلک اور اس کے ماہر ہونے کے باوجود دینی تعلیم حاصل کرنے والے نونہالوں سے محبت کرتے تھے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند اور جماعت کی تعمیر و ترقی کو سن کر بہت خوش ہوتے تھے۔ آپ کے پسماندگان اور عزیزوں کی بہت بڑی تعداد ہے۔ پسماندگان میں ڈاکٹر عزیز شمس اور دیگر برادران کے علاوہ آپ کی اہلیہ محترمہ بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور تمام پسماندگان خصوصاً آپ کی اہلیہ اور بھائی عزیز شمس وغیرہم کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

□□□

(جریدہ ترجمان - ۱۵ - ۱۶ جون ۲۰۰۸ء)

امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث راجستھان عبدالرحمن خلجی کا سانحہ ارتحال عظیم جماعتی و ملی خسارہ

وفات مئی ۲۰۱۸ء

شیخ اصغر علی امام مہدی سلفی

دہلی، ۲۲ مئی ۲۰۱۸ء۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی اور ناظم عمومی مولانا محمد ہارون سنابلی نیز ناظم مالیات جناب وکیل پرویز اور دیگر ذمہ داران جمعیت نے اپنے ایک مشترکہ اخباری بیان میں صوبائی جمعیت اہل حدیث راجستھان کے امیر جناب عبدالرحمن خلجی صاحب کے سانحہ ارتحال پر اپنے شدید رنج و غم کا اظہار کیا ہے جو گزشتہ کل شام ساڑھے سات بجے وطن مالوف جو دھپور میں طویل علالت کے بعد بصر باسٹھ سال اس دارفانی سے رحلت فرما گئے۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون۔

امیر محترم نے اخباری بیان میں فرمایا کہ موصوف مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی مرکزی مجلس شوریٰ و عاملہ کے رکن اور تقریباً ایک دہائی سے صوبائی جمعیت اہل حدیث راجستھان کے امیر تھے۔ اس سے قبل وہ پانچ سال نائب امیر کے عہدے پر بھی فائز رہے، انہوں نے اپنے دور امارت میں صوبائی جمعیت کو کافی متحرک بنا دیا تھا اور اس کے پلیٹ فارم سے تعلیمی، دعوتی و سماجی خدمات کا علم بلند کئے ہوئے تھے۔ جو دھپور میں مدرسہ دارالعلوم اہل حدیث کے رکن تھے۔ وہ ایک متحرک اور فعال رہنما تھے۔ وہ کافی دنوں سے گلے کے کینسر کے مرض میں مبتلا تھے لیکن اس کے باوجود جماعتی و سماجی کاموں کے لئے ہمہ وقت فکرمند اور حسب استطاعت جمعیت کے امور کو انجام دیتے تھے۔ مولانا آزاد یونیورسٹی جو دھپور کے چند فعال ذمہ داران و اراکین میں سے تھے اور اس کے تعلیمی مشن کو یونیورسٹی تک پہنچانے میں چند ذمہ داران کے ساتھ آپ کی شمولیت و کارکردگی لائق تحسین و صد آفرین تھی۔ محترم بھائی شبیر خلجی اور عتیق احمد صاحبان کے دست راست اور یونیورسٹی کے تمام اہم معاملات میں ایک دوسرے کے معاون و معتمد تھے۔

امیر محترم نے مزید فرمایا کہ پروفیسر اختر الواسع کو یونیورسٹی کے وائس چانسلر کی حیثیت سے جو دھپور بلانے کی جب تجویز آئی تو انہوں نے مرکزی جمعیت کے ذمہ داروں کو مشورہ میں ساتھ رکھا اور اس سلسلہ میں تائید اور گراں قدر مشورے پر ہمیشہ شکر یہ ادا کرتے تھے۔ ان کی وفات سے نہ صرف جمعیت اہل حدیث نے ایک فعال رہنما کھو دیا ہے بلکہ ملک و ملت کا بھی بڑا خسارہ ہوا ہے۔ وہ بلا لحاظ مسلک و مشرب ہر خاص و عام میں مقبول تھے یہی وجہ ہے کہ جب رات تقریباً ڈیڑھ بجے نماز جنازہ ادا کی گئی تو اس میں جم غفیر نے شرکت کی۔

پریس ریلیز کے مطابق پسماندگان میں بیوہ کے علاوہ تین بیٹے اقبال، رضوان، عبداللہ اور دو بیٹیاں اور پورا بھرا پڑا کنبہ ہے۔ ذمہ داران جمعیت نے ان کے پسماندگان و متعلقین نیز جملہ سوگواران سے اظہار تعزیت کیا ہے اور ان کے لئے مغفرت اور بلندی درجات کی دعا کی ہے۔

(جریدہ ترجمان ۱/۱۵ جون ۲۰۱۸ء)



استاذ محترم مولانا مختار احمد مدنی رحمہ اللہ سدھارتھ نگر

حیات و خدمات کے چند اہم گوشے

وفات ۱۱ جون ۲۰۱۸ء

مولانا عبد المنان سلفی

استاذ محترم مولانا مختار احمد مدنی رحمہ اللہ کم و بیش ایک مہینہ انیس دن کی مختصر علالت کے بعد ہمیں سوگوار چھوڑ کر ۱۱ جون ۲۰۱۸ء کو داغ مفارقت دے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، مرض الموت میں مبتلا ہونے سے پہلے اللہ کے فضل و کرم سے وہ قابل رشک حد تک صحت مند اور چاق و چوبند تھے اور بلڈ پریشر کے عارضہ کے باوجود پوری ذمہ داری کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے رہے تھے اور اپنے گھر بڑھنی چورہا سے خطیب الاسلام کمپلیکس تک کم و بیش دو کلو میٹر کا سفر وہ سائیکل سے طے کرتے تھے، بہ ظاہر قبض اور درد شکم کا معمولی عارضہ ایک مہلک مرض کا پیش خیمہ ثابت ہوگا اس کا کسی نے تصور تک نہ کیا تھا، مگر ان کا وقت موعود آ گیا اور ممبئی میں اپنی شریک حیات اور تمام اولاد و احفاد اور اعزہ اور اقرباء کی موجودگی میں رحلت فرما گئے، اللہ تعالیٰ استاذ محترم کی مغفرت فرمائے۔ ان کی نیکیوں کو رفع درجات کا ذریعہ بنائے اور تمام نسبی و روحانی پیمانندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ (آمین)

اس مختصر مضمون میں استاذ محترم کی زندگی کے اہم گوشوں اور ان کی طویل تدریسی و دعوتی خدمات کے بعض پہلوؤں پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالنے کی کوشش کی جا رہی ہے، یہ معلومات مولانا کے بڑے صاحب زادے برادر عبد الرحمن اور مولانا کے ۴۲ رسالہ یار غار، مونس و غمگسار، ہم راز اور قابل اعتماد رفیق محترم مولانا عبد الرشید مدنی حفظہ اللہ کی فراہم کردہ ہیں جب کہ بعض کا تعلق خود راقم کی ذاتی مشاہدات اور احساسات سے ہے۔

نام و نسب: مولانا کا نام مختار احمد اور والد صاحب کا نام الحاج محمد یونس ہے، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے فراغت کے سبب مدنی نسبت فرماتے تھے، جب کہ جامعہ اسلامیہ جانے سے پہلے مرکزی دارالعلوم بنارس سے فراغت کی بنیاد پر نام کے آخر میں مرکزی لکھتے تھے۔ آپ کے والد ماجد الحاج محمد یونس رحمہ اللہ دین پسند، خوش اخلاق اور سیدھے سادے مسلمان تھے۔

وطن اور ولادت: آپ کا آبائی وطن اٹوا اور بڑھنی کے درمیان شاہراہ عام پر واقع ایک گاؤں جھکھیاں ہے جو مناظر اسلام مولانا عبد الباقی منظر اور مولانا عبد العظیم ماہر بستوی کی مردم خیز بستی ”سمرا“ سے متصل ہے، اسی جھکھیاں کے ایک کھاتے پیتے، خوشحال اور دین دار گھرانے میں مولانا کی ولادت کاغذات کے مطابق ۳۱ مارچ ۱۹۴۸ء کو ہوئی۔ آپ کا خاندان اپنی شرافت اور دین داری کے سبب علاقہ میں مشہور و معروف اور محترم تھا۔

تعلیم و تربیت: مولانا کے بچپن میں غالباً جھکھیاں میں کوئی مکتب یا مدرسہ نہ تھا، اس لئے ابتدائی تعلیم آپ نے قریب میں واقع بستی خان کوٹ سمری کے پرائمری اسکول میں مکمل کی، پھر آپ کو درس گاہ اسلامیہ اکرا میں داخل کیا گیا جہاں آپ نے متوسطہ کی تعلیم حاصل کی

اور ابتدائی فارسی و عربی زبان اور قواعد صرف و نحو کی تعلیم مولانا عبدالشکور دور صدیقی اور منشی عابد علی (بیت نار) جیسے نامور اساتذہ سے پائی، انہیں دنوں ملکہیا ضلع سدھارتھ نگر کے بزرگ، باعمل اور متبع سنت عالم دین اور مولانا کے رشتہ دار مولانا محب اللہ رحمانی رحمہ اللہ منوآئمہ ضلع الہ آباد میں تدریسی فریضہ انجام دے رہے تھے، چنانچہ مولانا ان کے ہمراہ منوآئمہ تشریف لے گئے اور وہاں مولانا محب اللہ رحمانی کے علاوہ مولانا شفیع اللہ رحمانی (ملکہیا) وغیرہ سے صرف و نحو اور عربی زبان و ادب اور ترجمہ قرآن کریم وغیرہ کی تعلیم حاصل کی، پھر وہیں سے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے جذبہ سے جامعہ رحمانیہ بنارس میں داخلہ لیا جہاں معروف مدرس و مربی اور بیدار مغز مصنف و مورخ مولانا نذیر احمد ملوی رحمانی رحمہ اللہ کا مسند درس بچھا ہوا تھا، یہ مولانا ملوی کی بیماری کا زمانہ تھا اور انہیں دنوں جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم کی تاسیس کے بعد وہاں تعلیم کا افتتاح ہونے والا تھا، چنانچہ مولانا نے جامعہ رحمانیہ میں جماعت رابعہ و خامسہ کی تکمیل کی اور مولانا ملوی سے بھی کسب فیض کا موقع ملا۔

پھر جب ۱۹۶۶ء میں جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم کا تعلیمی افتتاح ہو گیا اور عالمیت و فضیلت کی تعلیم جامعہ رحمانیہ کے بجائے وہاں ہونے لگی تو موصوف جامعہ سلفیہ منتقل ہو گئے اور غالباً عالمیت سال دوم میں داخل ہوئے اور وہاں پانچ سال گزار کر عالمیت و فضیلت کی تعلیم مکمل کی اور ۱۹۷۱ء میں فارغ التحصیل ہوئے، جامعہ سلفیہ میں آپ نے جن نامور اساتذہ سے کسب فیض کیا ان میں شیخ الحدیث مولانا شمس الحق سلفی، مولانا عبدالمعید بنارس، مولانا عظیم اللہ منوآئمہ، مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی، ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری اور شیخ الجامعہ مولانا عبدالوحید رحمانی رحمہم اللہ قابل ذکر ہیں۔ جامعہ سلفیہ میں مولانا کے رفقاء درس میں ڈاکٹر صغیر احمد شکرنگری (استاد جامعہ الامام محمد بن سعود ریاض) مولانا محمد عیسیٰ سلفی شکرنگری (استاذ جامعہ سلفیہ) مولانا محمد ثناء اللہ سلفی نیپال (سابق مبلغ جامعہ سلفیہ) اور مولانا عبید الرحمن سلفی (انٹری بازار) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

زمانہ طالب علمی میں مولانا مختار احمد مدنی اپنی ذہانت و فطانت اور تحریر و تقریر میں دلچسپی کے سبب طلبہ میں نمایاں اور ممتاز تھے اور ”ندوة الطلبة“ کی مختلف ذمہ داریوں کی انجام دہی کے لئے اساتذہ کی جانب سے وہ منتخب ہوتے رہے، چنانچہ اس دور میں طلبہ کا سالانہ مجلہ ”المنار“ کا ایک شمارہ مولانا کی ادارت میں منصہ شہود پر آیا تھا۔

تدریسی زندگی کا آغاز: ۱۹۷۱ء میں جامعہ سلفیہ بنارس سے فراغت کے بعد خطیب الاسلام علامہ عبدالرؤف رحمانی حیفنڈا نگری رحمہ اللہ نے ایک ماہر جوہری کی طرح آپ کی صلاحیتوں کو بھانپ لیا اور موصوف کو اپنے یہاں تدریس کے لئے منتخب فرمایا، یہ جامعہ کی تاریخ کا سنہری دور تھا، والد محترم مولانا عبدالرحمن فیضی رحمہ اللہ کے علاوہ ڈاکٹر محفوظ الرحمن مدنی، مولانا قطب اللہ ندوی رحمانی، مولانا محمد مستقیم سلفی استاد جامعہ سلفیہ بنارس، اور دیگر نامور اساتذہ سراج العلوم میں تدریس کا فریضہ انجام دے رہے تھے، مولانا نے ان نامور اساتذہ کے ساتھ دو سالوں تک سراج العلوم میں تدریس کا فریضہ انجام دیا، ان دنوں یہاں جماعت خامسہ یا سادسہ تک تعلیم ہوتی تھی، ۱۹۷۲ء کے اندر سراج العلوم میں مجھے بھی مولانا سے میزان و منشعب پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

۷۴-۱۹۷۳ء کے تعلیمی سال میں والد محترم مولانا عبدالرحمن فیضی جامعہ سلفیہ بنارس کے ناظم مولانا عبدالوحید سلفی رحمہ اللہ کی دعوت پر بطور مدرس جامعہ سلفیہ تشریف لے گئے، جب کہ استاذ محترم کی تقرری اسی سال جامعہ رحمانیہ بنارس کے ناظم مولانا عبدالقدوس نسیم بنارس رحمہ اللہ کے انتخاب پر جامعہ رحمانیہ میں ہوئی جہاں آپ ۱۹۷۹ء تک تدریسی فریضہ انجام دیتے رہے، مولانا کے جامعہ رحمانیہ

بنارس تشریف لے جانے کے ایک سال بعد میں بھی جامعہ رحمانیہ کی جماعت ثالثہ میں داخل ہوا اور مولانا عزیز احمد ندوی رحمہ اللہ، مولانا امر اللہ رحمانی اور مولانا شاہد جنید سلفی بناری حفظہما اللہ وغیرہ سمیت مولانا مختار احمد مدنی رحمہ اللہ سے بھی استفادہ کا موقع ملا، جب میں جامعہ رحمانیہ میں داخل ہوا مجھے عربی عبارتوں کی ترکیب بالکل نہیں آتی تھی، حالانکہ میں مادر علمی درسگاہ اسلامیہ اکراہ کے اندر جماعت ثانیہ میں شرح مائتہ عامل پڑھ چکا تھا اور اس کے باب اول کی ترکیب بھی زبانی رٹ لی تھی، مگر نہ ترکیب کا مطلب سمجھا تھا اور نہ اس کے طریقہ سے واقفیت ہو سکی تھی، جماعت ثالثہ میں مولانا ہمیں القراءۃ الرشیدہ جلد ثانی اور معلم الانشاء پڑھاتے تھے، مولانا عبارت کے ترجمہ و تشریح کے ساتھ قواعد صرف و نحو کا اجراء بھی کراتے تھے اور وزانہ بالاتزام کسی ایک جملہ کی ترکیب بہ طور ہوم ورک ہمیں دیتے تھے اور اگلے دن سختی کے ساتھ باری باری سب سے ترکیب کراتے، اس طرح شرح مائتہ عامل میں جو ترکیب ہمیں سمجھ میں نہ آ سکی تھی وہ تھوڑے دنوں بعد القراءۃ الرشیدہ پڑھتے ہوئے سمجھ میں آنے لگی اور ہم فعل، فاعل، مفعول، موصوف، صفت، مضاف و مضاف الیہ، موصول، صلہ، ذوالحال، حال، تمیز، تمیز وغیرہ پہچان گئے، پھر ہمارے لئے ترکیب آسان ہو گئی جس سے عبارت فہمی میں بھی سہولت ہو گئی، یہ مولانا کا مجھ پر بہ طور خاص احسان ہے، اس کا تذکرہ میں بسا اوقات دوران درس طلبہ سے بھی کرتا رہتا ہوں، اللہ مولانا کو جزائے خیر دے۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ: جامعہ رحمانیہ میں تدریس کے دوران مولانا کا داخلہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں ہو گیا، اور موصوف ۱۹۷۹ء میں جب میں جامعہ سلفیہ میں زیر تعلیم تھا طلب علم کے لئے مدینہ تشریف لے گئے، حسن اتفاق اسی سال سراج العلوم کے سابق شیخ الجامعہ اور موجودہ مدیر الامتحانات مولانا عبدالرشید مدنی کا بھی داخلہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ یونیورسٹی میں ہو گیا، یہ دونوں حضرات باصلاحیت، اصول پسند، فرض شناس اور خدا ترس عالم تھے اور مزاج میں یکسانیت تھی اس لئے دونوں جامعہ اسلامیہ مدینہ کے زمانہ طالب علمی میں ہم نوالہ وہم پیالہ دوست بن گئے، اور ۴۲ رسال کی اس طویل رفاقت میں ان دونوں نے رسم و فانیہ میں کبھی کوئی کوتاہی نہ کی، ایسی قابل رشک دوستی کی مثال شاید بہت کم ملے، یہ دونوں باہم ایک دوسرے کا غایت درجہ احترام اور لحاظ بھی کرتے تھے، استاد محترم رحمہ اللہ چونکہ مولانا عبدالرشید مدنی صاحب سے عمر میں بڑے تھے اس لئے وہ کبھی کبھار اپنے دیرینہ رفیق سے ہنسی مذاق بھی کر لیتے تھے مگر مولانا عبدالرشید مدنی حفظہ اللہ مسکرا کر رہ جاتے اور کبھی جواب نہ دیتے۔

بہر حال مولانا نے اپنے یار غار کے ساتھ چار سال مدینہ میں گزار کر بی اے کا کورس مکمل کیا اور دونوں نے ایک ساتھ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ سے نیپال کے لئے اپنا تعاقد کرانے میں بھی کامیابی حاصل کی۔

جامعہ سراج العلوم سے دوبارہ وابستگی: خطیب الاسلام علامہ عبدالرؤف رحمانی جھنڈا نگری رحمہ اللہ ان دنوں رابطہ کی مجلس تاسیسی کے رکن منتخب ہو چکے تھے اور رابطہ کی میٹنگوں میں وہ پابندی کے ساتھ شرکت فرماتے تھے، جب یہ دونوں رفقاء جامعہ اسلامیہ سے فارغ ہو رہے تھے، حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ نے ان دونوں کا انتخاب اپنے جامعہ کے لئے کر لیا تھا کہ جامعہ اسلامیہ جانے سے پہلے یہ دونوں سراج العلوم میں تدریسی خدمات انجام دے چکے تھے اور ان کی صلاحیت و صالحیت سے موصوف بخوبی واقف تھے، بہر حال جامعہ اسلامیہ سے فراغت اور رابطہ سے تعاقد کے بعد مولانا صفر ۲۰۰۲ھ مطابق دسمبر ۱۹۸۱ء میں ایک مدرس اور داعی کی حیثیت سے قدیم و عظیم تعلیمی و دعوتی مرکز جامعہ سراج العلوم سے وابستہ ہوئے اور تادم واپسیں کم و بیش ۷۳ برسوں تک اس سے مربوط

رہ کر تدریسی، دعوتی اور انتظامی خدمات انجام دیتے رہے۔

مولانا بنیادی طور سے جامعہ کے مدرس اور نیپال کے داعی تھے، موصوف نے یہ دونوں فرائض بہت ذمہ داری اور خوش اسلوبی سے انجام دئے اور ذمہ داران کو ہمیشہ اپنی حسن کارکردگی سے متاثر کیا، مولانا نے اس طویل عرصہ میں مختلف علوم و فنون کی اہم کتابوں کا درس دیا، آخری کئی سالوں سے موصوف عالمیت اور فضیلت کے درجات کی اہم کتابیں پڑھاتے تھے، جن میں تفسیر فتح القدر، مؤطا امام مالک اور جامع ترمذی قابل ذکر ہیں، طلبہ میں عبارت فہمی کی صلاحیت پیدا کرنے اور انہیں عربی تراکیب سے روشناس کرانے کے لئے موصوف ساہا سال سے شرح مائتہ عامل بھی پڑھاتے تھے۔ مولانا ایک فرض شناس استاد تھے، بلاوجہ کبھی غیر حاضری نہ کرتے، وقت پر کلاس میں پہنچتے اور پوری تیاری اور مطالعہ کے ساتھ درس دیتے، مولانا کا قیام بڑھنی میں ہوتا تھا، ان کے زیر درس کتابوں کا ایک نسخہ بالعموم بڑھنی چوراہے کی جامع مسجد اہل حدیث میں رکھا رہتا تھا جہاں موصوف بالعموم بعد نماز عصر ان کا مطالعہ کرتے تھے، اور طلبہ کو اپنے علم سے سیراب کرتے تھے۔ ماہر فن مدرس ہونے کے ساتھ موصوف ایک کامیاب اور مشفق مربی بھی تھے اور طلبہ کی اصلاح و تربیت کے لئے ہمیشہ ان پر نظر رکھتے، انہیں اپنی قیمتی نصیحتوں سے نوازتے۔

مولانا کی آواز بہت شیریں اور اچھی تھی، قرآن کریم کی تلاوت تجوید کی رعایت کے ساتھ کرتے تھے کہ سماں بندھ جاتا تھا، جامعہ سے اپنی تدریس کے پہلے دور میں بالعموم جہری نمازوں کی امامت کراتے تھے، پھر جب آپ بڑھنی میں رہنے لگے تو وہاں کی جامع مسجد میں بھی امامت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ استاد محترم یوں تو میدان تدریس کے شہسوار تھے اور جلسہ جلوس کے آدمی نہ تھے، تاہم بسا اوقات دعوتی جلسوں میں شرکت فرماتے اور بالعموم صدارت کرتے اور دلنشین انداز میں خطاب بھی فرماتے، ان کی تقریر نہایت موثر اور ”از دل ریز و بردل خیزد“ کی مصداق ہوتی تھی، جمعہ کے خطبات بالعموم بڑھنی چوراہے کی مسجد میں دیتے، بسا اوقات نیپال و ہند کی دوسری بستوں میں بھی تشریف لے جاتے، کبھی کبھار اگر میں سفر پر ہوتا تو جامعہ کی جامع مسجد میں خطبہ جمعہ کے لئے مولانا سے درخواست کر کے جاتا اور مولانا بہ تکلف اس کے لئے تیار ہوتے اور لوگوں کو مستفید فرماتے۔

والد محترم مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ جب اپنی بیماری کے سبب شیخ الجامعہ کے منصب سے مستعفی ہو گئے تو خطیب الاسلام جھنڈا نگری رحمہ اللہ نے موصوف کو شیخ الجامعہ مقرر فرمایا اور آپ نے کئی سالوں تک یہ اہم ذمہ داری نبھائی، خطیب الاسلام علامہ جھنڈا نگری کی وفات کے بعد رابطہ عالم اسلامی کے ذمہ داران نے موصوف کو نیپال میں رابطہ کے دعاۃ کا مشرف عام مقرر کر دیا، اور موصوف تادم واپس اس ذمہ داری کو نہایت خیر و خوبی، خوش اسلوبی اور ذمہ داری کے ساتھ نبھاتے رہے، رابطہ کے سارے دعاۃ مولانا کے حسن اخلاق اور خیر خواہانہ رویہ سے بہت مطمئن اور خوش رہے، مولانا نے کبھی کسی کو یہ احساس نہ ہونے دیا کہ وہ ان کے ذمہ دار اور مشرف ہیں، گذشتہ پندرہ برسوں تک وہ جمعیتہ طلبہ کے مربی بھی رہے اور اپنے معاونین اساتذہ کے ساتھ طلبہ کی تقریری و تحریری صلاحیتوں کو نکھارنے کے لئے کوشاں رہے، جمعیت و جماعت سے بھی دلچسپی رکھتے تھے اور حتی المقدور اس کے پروگراموں میں شرکت فرماتے، ساہا سال سے جمعیت اہل حدیث حلقہ بڑھنی کے امیر رہے، ضلع جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر کی مجلس عاملہ و شوری کے رکن بھی تھے اور اکثر اس کی میٹنگوں اور پروگراموں میں شرکت فرماتے اور مفید مشوروں سے نوازتے۔

اوصاف و شمائل: استاد محترم رحمہ اللہ گونا گوں خوبیوں اور کمالات سے آراستہ تھے، موصوف نہایت با اصول، فرض سناس، مہمان نواز، کشادہ دست، خوش اخلاق، نظافت پسند اور خوش پوشاک تھے۔ ان کے کپڑے، ٹوپی، جوتے، چپل کتابیں نہایت صاف و شفاف اور داغ دھبوں سے پاک ہوتی تھیں، یہاں تک کہ ان کی سائیکل بھی صاف ستھری رہتی اور ہر وقت چم چماتی رہتی، آواز بڑی نرم اور شیریں تھی، گفتگو کرتے تو لگتا تھا موتیاں جھڑ رہی ہیں، مہمان نوازی میں بھی ممتاز تھے، اگر کوئی ان کے مکان اور دوکان کے سامنے گذرتا اور مولانا باہر کرسی پر تشریف فرما ہوتے تو اسے روکتے اور مٹھائی اور چائے پانی سے ضیافت کئے بغیر نہ جانے دیتے، الحمد للہ یہ صفت مولانا کے بیٹوں میں بھی ہے، ان خوبیوں کے ساتھ استاد محترم حق گو بھی تھے اور حق کا اظہار بلا خوف لومہ لائم پوری جرأت سے کر دیا کرتے تھے اور کبھی لگی لپٹی بات نہ کرتے، ہر معاملہ میں وہ غایت درجہ محتاط رہتے تھے، اور کوئی بھی کام یا بات بغیر سوچے سمجھے نہ کرتے، یہاں تک کہ اگر کسی کاغذ پر دستخط کرنا ہوتا تو قلم ہاتھ میں لے کر وہ مضمون کئی بار پڑھتے اور پوچھتے کہ سب ٹھیک ہے نہ؟ اور جب مکمل اطمینان ہو جاتا تبھی دستخط فرماتے، اہم امور میں اس وقت تک فیصلہ نہ کرتے جب تک اپنے یار غار، مونس و غمخوار اور ہم راز مولانا عبدالرشید مدنی سے استصواب نہ کر لیتے، جب وہ اشارہ دے دیتے تب اس کام کو انجام دیتے، خطیب الاسلام رحمہ اللہ کے دور نظامت میں وہ ان کا غایت درجہ احترام کرتے تھے اور ان کے حکم کو بخوشی بجالاتے، پھر موجودہ ناظم جامعہ مولانا شمیم احمد ندوی حفظہ اللہ کا بھی بڑا لحاظ رکھتے تھے اور ذمہ دار کی حیثیت سے ان کے حکم کی تعمیل بلا جھجک کرتے، محترم ناظم جامعہ صاحب بھی ان کے بڑے قدر دان تھے اور ان کی بزرگی اور ورع و تقویٰ کے سبب ان کا غایت درجہ احترام فرماتے تھے، جب بھی جامعہ کی تعمیر و ترقی کے لئے سینئر اور ذمہ دار اساتذہ کی میٹنگ طلب کرتے تو مولانا کا نام سرفہرست رکھتے، موصوف جامعہ کی تعلیمی کمیٹی کے معزز رکن بھی رہے، فطری طور پر وہ نرم مزاج اور حد درجہ شفیق تھے اور ہم خوردوں اور تلامذہ پر خصوصی نظر عنایت رکھتے تھے، موصوف جامعہ کے ان اساتذہ میں سے تھے جن سے والد محترم رحمہ اللہ کو بڑی انسیت تھی، والد رحمہ اللہ کی بیماری کے ایام میں جب موصوف ملاقات کے لئے آئے تو والد صاحب فرماتے کہ ”مولانا آپ کو دیکھ کر مجھے بڑا سکون ملتا ہے اور بے حد خوشی ہوتی ہے“

یہ بات شاید کم لوگوں کو معلوم ہے کہ مولانا غریب و نادار طلبہ کو نظر میں رکھتے تھے اور اپنی جیب خاص سے گاہے گاہے ان کی مدد کرتے رہتے تھے، غریب اور نیک طلبہ کو خود سے قریب رکھتے اور ہر موقع پر ان کی حوصلہ افزائی فرماتے، اللہ تعالیٰ مولانا کو اس کا بدلہ عطا فرمائے۔

مولانا کی فرض شناسی کے تعلق یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جن دنوں موصوف ممبئی کے اسماعیلہ ہاسپٹل میں زیر علاج تھے اور انہیں اپنے مرض کی سنگینی کا علم نہ تھا ایک بار مجھ سے فون پر بات کرتے ہوئے مولانا نے بڑے عزم و حوصلہ سے فرمایا کہ ”شیخ! میں جلد ہی جامعہ میں لوٹ کر آؤں گا اور آپ لوگوں کے درمیان ان شاء اللہ ابھی رہوں گا“، ناظم جامعہ مولانا شمیم احمد ندوی حفظہ اللہ سے گفتگو کرتے ہوئے بھی انہوں نے اسی قسم کی بات کی، اپنے یار غار اور دیرینہ رفیق مولانا عبدالرشید مدنی، جو جامعہ میں مدیر الامتحانات کے منصب پر فائز ہیں، ان سے فون پر بات کرتے ہوئے امتحان سالانہ کے لئے اپنی زیر درس کتابوں کے لئے سوالات بنانے کی ہدایت فرمائی اور فرمایا کہ فلاں اور فلاں سے میری کتابوں کے پرچے سیٹ کرالیں، گویا مرض الموت میں بھی انہیں اپنی ذمہ داری کا پورا احساس تھا اور ایک طرح بستر مرگ سے وہ اپنی فکر مندی کا اظہار فرماتے رہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا کی قبر کو نور سے بھر دے اور ان پر اپنی رحمت کی برکھا برسائے۔

اولاد و احفاد: اللہ نے آپ کو دو بیٹیوں اور چھ بیٹوں سے نوازا تھا، اولاد میں بہن صبیحہ خاتون سب سے بڑی ہیں، ان کے بعد بالترتیب عزیزان عبدالرحمن، عطاء الرحمن، رضاء الرحمن، شفاء الرحمن سلفی، سعدیہ خاتون، حفظ الرحمن اور ضیاء الرحمن ہیں۔ سارے بیٹے اور بیٹیاں شادی شدہ اور بال بچوں والے ہیں، مولانا نے تمام بچوں کو دینی و شرعی تعلیم سے آراستہ کیا، اور سارے بیٹوں کو تجارت سے وابستہ کر دیا، اولاد کو دونوں بیٹے بڑھنی میں اور باقی بیٹے ممبئی میں تجارت کے ذریعہ باعزت روزی کما رہے ہیں، استاذ محترم کی تربیت کے نتیجے میں ماشاء اللہ سب دین پسند اور نہایت سعادت مند ہیں۔ اللہ سب کو خوش رکھے۔

بیماری اور وفات: زندگی کی تقریباً ساٹھ بہاریں دیکھنے تک استاذ محترم رحمہ اللہ کی صحت قابل رشک حد تک بہتر رہی، البتہ ادھر چند برسوں سے عمر کے تقاضے کے مطابق گھٹنوں میں درد وغیرہ کا سلسلہ رہا کرتا تھا، مگر مولانا چلتے پھرتے تھے اور اپنے فرائض پوری مستعدی کے ساتھ انجام دیتے تھے، ایک سال قبل مٹانہ میں تکلیف ہوئی اور ڈاکٹر کے مشورہ سے موصوف نے ممبئی میں لیزر کے ذریعہ پروسیٹیٹ کا آپریشن کرا لیا، بلڈ پریشر کی دوا بھی وہ لیتے تھے، مگر اچانک موصوف ایک مہلک اور موذی مرض کا شکار ہو گئے، مرض کی سن گن پاتے ہی بہتر علاج کے لئے ان کے بیٹے انہیں بلاتا خیر ممبئی لے گئے اور اسماعیلیہ ہاسپٹل میں داخل کیا، موصوف کے بیٹوں، بیٹیوں، پوتوں اور دیگر عزیزوں نے علاج و معالجہ اور خدمت میں کوئی کسر نہ چھوڑی، برادران عبدالرحمن و عطاء الرحمن بڑھنی میں اپنی ہارڈ ویئر اور اسپیر پارٹس کی دوکانیں چھوڑ کر ممبئی چلے گئے اور مولانا کی خدمت میں لگے رہے، باقی بھائیوں نے بھی مولانا کی ہر ممکن خدمت کی، اللہ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔ بالآخر ۱۱ جون ۲۰۱۸ء بروز منگل مولانا کا وقت موعود آ پہنچا، برادر عزیز عبدالرحمن نے ۱۱ بجے دن کو فون کے ذریعہ والد محترم کی وفات کی خبر سسکتے ہوئے دی، چونکہ مولانا کے تمام بیٹے بیٹیاں اور اعزہ واقارب ممبئی میں تھے اس لئے اہل خانہ نے وہیں مولانا کی تدفین کا فیصلہ کیا، اور اسی دن بعد نماز عصر مسجد دارالسلام ممبئی میں امیر صوبائی جمعیت اہلحدیث ممبئی مولانا عبدالسلام سلفی حفظہ اللہ کی اقتدا میں نماز جنازہ ادا کی گئی، جس میں بڑی تعداد میں علماء کرام، ان کے اعزہ واقرباء، تلامذہ اور عام مسلمانوں نے شرکت کی اور ممبرا کے قبرستان میں انہیں سپرد خاک کر دیا گیا۔

مولانا کی وفات بلاشبہ پوری ملت و جماعت کے لئے ناقابل تلافی خسارہ ہے، مگر آپ کے رخصت ہو جانے سے جامعہ سراج العلوم میں جو خلا پیدا ہوا ہے اور یہاں کی ایک باوقار مسند تدریس جو سونی ہوئی ہے اس کی بھرپائی یقیناً بہت مشکل ہے۔ اللہ غیب سے جامعہ کو استاذ محترم کا نعم البدل عطا فرمائے آمین۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کی بال بال مغفرت فرمائے، اعلیٰ علیین میں جگہ دے، ان کی خدمات کو رفع درجات ذریعہ بنائے اور تمام پسماندگان خصوصاً بیمار اور عمر دراز شریک حیات اور تمام اولاد و احفاد و اعزہ واقرباء و تلامذہ کو صبر جمیل کی توفیق بخشے، آمین۔

(السراج حفضڈانگر۔ جون و جولائی ۲۰۱۸ء)



آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

مولانا مختار احمد مدنی سدھارتھ نگر / سابق شیخ الجامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر

وفات ۱۱ جون ۲۰۱۸ء

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

بڑے ہی رنج و غم کے ساتھ اطلاع دی جا رہی ہے کہ جماعت کی ایک بزرگ شخصیت اور جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال کے سینئر استاد، سابق شیخ الجامعہ مولانا مختار احمد مدنی آج بتاریخ ۱۱ جون ۲۰۱۸ء بروز سوموار صبح دس بجے ممبر اکوسہ ممبئی میں عمر کی ستر بہاریں گزارنے کے بعد اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا کا آبائی وطن جھکھپیاں (سمر) ضلع سدھارتھ نگر ہے، مگر برسوں سے بڑھنی بس اسٹاپ پر اپنے بچوں کے ساتھ رہائش پذیر تھے۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ سے فارغ تھے اور کچھ سالوں جامعہ سلفیہ بنارس میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد مستقل طور پر جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال میں تدریس سے وابستہ ہو گئے تھے۔ اور عمر کے آخری لمحہ تک بڑی پابندی اور اخلاص سے تعلیم و تدریس کی ذمہ داریوں کو انجام دیتے رہے۔ شگفتہ مزاجی، بذلہ سنجی، اور قول و قرار کی پاسداری، تواضع و ملنساری آپ کی پہچان تھی، ہمیشہ ہنستے مسکراتے اور اپنائیت و خلوص کا جذبہ پیہم لئے اپنے متعلقین و اعزہ و احباب سے ملاقات کے لئے جیسے منتظر رہا کرتے ہوں، پورے علاقے میں دعوت و تبلیغ اور حق گوئی و بے باکی کے تعلق سے آپ منظور خاص و عام تھے، دعوتی اجلاس، شادی و بیاہ کی محفلوں میں آپ کی شرکت اکثر و بیشتر دیکھنے میں نظر آتی تھی، بڑھنی نیپال کے سرحدی علاقوں میں آپ عوام و خواص میں بے حد مقبول اور ہر دل عزیز تھے، ماہ اپریل ۲۰۱۸ء کے ابتداء میں اچانک طبیعت بگڑی اور گورکھ پور لکھنؤ طبی تشخیص کے بعد فوراً ممبئی لائے گئے اور آپ کے جوان سال بچوں نے پوری تندہی سے عمدہ علاج و معالجہ کی کوشش کی مگر کسے معلوم تھا کہ اتنی جلدی مولانا ہم سب کو چھوڑ کر چلے جائیں گے، آپ کا انتقال جماعت و جمعیت اور پورے علاقے بالخصوص جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر کے ذمہ داران، اساتذہ طلبہ اور آپ کے سینکڑوں شاگردان کے لئے ایک سوہان روح ہے مگر قضا و قدر کے فیصلے بڑے عجیب ہوتے ہیں پوری عمر سدھارتھ نگر کے علاقے میں گزر گئی اور آخری وقت میں قضاء بمبئی لے چلی، اور یہیں روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، فانا للہ وانا الیہ راجعون، اللہ سے دعا ہے کہ مولیٰ آپ کو غریق رحمت کرے اور آپ کی مغفرت فرمائے۔ جنت الفردوس میں آپ کو اعلیٰ مقام عطا کرے، اور آپ کے پسماندگان اور اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے، اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ وادخلہ الفردوس آمین۔ تقبل یارب العالمین

□□□

عرب یمینی علمی خاندان کے چشم و چراغ رافع عبدالرحمن عرب کا سانحہ ارتحال

شیخ اصغر علی امام مہدی سلفی

وفات ۱۷ جولائی ۲۰۱۸ء

جولائی ۲۰۱۸ء۔ دہلی ۲ جولائی ۲۰۱۸ء مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے اخبار کے نام جاری ایک بیان میں ضلعی جمعیت اہل حدیث بھوپال کے سابق امیر اور مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی مجلس شوریٰ کے رکن نیز سابق کارکن صدر دفتر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند جناب محمد رافع عبدالرحمن عرب کے سانحہ ارتحال پر اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے جو یکم جولائی ۲۰۱۸ء کو بعد عصر شہر بھوپال میں مختصر علالت کے بعد عمر ۸۸ سال انتقال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف کا تعلق ہندوستان میں مقیم علامہ خلیل عرب و علامہ محسن یمانی کے مشہور یمینی علمی خانوادہ سے تھا جس کی پیش بہا علمی و دینی خدمات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ ایک بہت ہی متواضع و مخلص انسان تھے۔ دین کی خدمت کا جذبہ رکھتے تھے اور بھلائی کے کاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہتے۔ موصوف صوبائی جمعیت اہل حدیث مدھیہ پردیش کے مؤسسین میں سے تھے۔ وہ ایک عرصہ تک ضلعی جمعیت اہل حدیث بھوپال کے امیر اور مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔ دیگر ملی تنظیموں کی سرگرمیوں میں بھی وہ دلچسپی سے حصہ لیتے تھے۔ تعمیر ملت نامی ادارے کے صدر کے عہدے پر بھی فائز رہے۔ اصول و ضوابط کے بہت ہی پابند تھے۔ وہ جب بھوپال میونسپل کارپوریشن کے ڈپٹی کمشنر کے عہدے پر رہتے ہوئے ملازمت سے ریٹائر ہوئے تو انہیں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے صدر دفتر میں آفس سکرٹری کے عہدے کے لئے پیش کش کی گئی جسے انہوں نے جماعت کی خدمت کے جذبے سے بخوشی قبول فرمایا اور دفتر کو منظم کرنے میں پوری دلجمعی سے کام کیا لیکن چند سال خدمات انجام دینے کے بعد کچھ گھریلو مجبوریوں کے تحت وہ واپس بھوپال تشریف لے گئے اور بقیہ زندگی وہیں گزاری۔ پریس ریلیز کے مطابق پسماندگان میں ایک لڑکا اور چار لڑکیاں ہیں۔ نماز جنازہ و تدفین گیارہ بجے شب عمل میں آئی۔

اخباری بیان کے مطابق امیر محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی، ناظم عمومی مولانا محمد ہارون سنابلی، ناظم مالیات الحاج وکیل پرویز و امیر صوبائی جمعیت مدھیہ پردیش مولانا عبدالقدوس عمری و دیگر ذمہ داران نیز کارکنان نے موصوف کے پسماندگان و متعلقین سے قلبی تعزیت کی ہے۔ اور وہ دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائے، حسنات کو شرف قبولیت بخشے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے نیز پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

(جریدہ ترجمان ۳۱-۱۶-جولائی ۲۰۱۸ء)



مولانا وجیہ الدین فیضی رحمہ اللہ، سدھارتھ نگر کی وفات

وفات جولائی ۲۰۱۸ء

مولانا محمد رحمانی

۱۲ جولائی ۲۰۱۸ء بروز جمعرات مولانا وجیہ الدین فیضی، ریاضی رات تقریباً ۱۱ بجے ۴۵ سال کی عمر میں اس دارفانی سے کوچ کر گئے۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ شوگر کے ساتھ دمہ اور تقریباً چار سال سے کڈنی کے بھی مریض تھے۔ آپ کا آبائی وطن کول پور گرانٹ ٹولہ (میںہوا) ضلع سدھارتھ نگر، یوپی ہے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم معہد مفتاح العلوم بھٹ پرا، ضلع سدھارتھ نگر میں ہوئی، اس کے بعد آپ فیض عام مہونا تھ بھجن چلے گئے اور وہیں سے سند فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد آپ کچھ دنوں تک موضع ترکواں ضلع مہراج گنج، یوپی، ایک سال اکرہرا، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی اس کے بعد گلہریا نیپال میں کچھ دنوں تک بحیثیت مدرس رہے۔ وہاں سے آپ دہلی چلے آئے اور ابوالکلام آزاد اسلامک اوپیننگ سنٹر، نئی دہلی کے آرگن ”التوعیہ“ میں ڈھائی سال تک کام کیا۔ اس کے بعد آپ ملک سعودیہ نیورسٹی، ریاض، سعودیہ عربیہ پڑھنے چلے گئے اور وہاں آپ نے پانچ سال تک تعلیم حاصل کی۔ پھر وہیں پر جالیات میں بارہ سال تک دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد آپ ہندوستان چلے آئے اور اپنے آبائی وطن ہی میں کلیہ نورہ للبنات کی ذمہ داری اپنے ہاتھوں میں لے لی اور آخری عمر تک آپ اس کی دیکھ بھال کرتے رہے، نیز جب تک آپ کی صحت ٹھیک رہی، گاؤں کی مسجد میں خطبہ جمعہ اور دروس کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ آپ کی صلاۃ جنازہ آپ کے آبائی وطن ہی میں آپ کے بھتیجے مولانا عبدالباسط سنابلی مدرس معہد عثمان بن عفان لتحفیظ وتجوید القرآن الکریم، جوگابائی، نئی دہلی نے پڑھائی۔

آپ عالم باعمل تھے، دینی اور سماجی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ پسماندگان میں آپ نے اہلیہ، پانچ بیٹے اور تین بیٹیاں چھوڑیں۔ اللہ تعالیٰ موصوف کے حسنات کو قبول کرے، لغزشوں کو درگزر فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ آمین۔

(التبیان دہلی اگست ۲۰۱۸ء)



مولانا عبدالسلام مدنی رحمہ اللہ

جامعہ سلفیہ کے ایک موقر استاذ اور فن حدیث کے شناور

وفات ۱۶ جولائی ۲۰۱۸ء

مولانا محمد اسلم مبارک پوری

مولانا عبدالسلام صاحب مدنی رحمہ اللہ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس (الہند) کے موقر اساتذہ میں سے تھے۔ آپ پچھلے ماہ ۱۶ جولائی ۲۰۱۸ء مطابق ۳۰/۳۰ ذی قعدہ ۱۴۳۹ھ، بروز سوموار، مختصر علالت کے بعد اس جہاں آب و گل سے ہمیشہ کے لئے چل بسے۔ آپ علم حدیث کے شناور اور روشن چراغ تھے۔ آپ کے انتقال سے مسند درس و تدریس سونی ہوگئی۔ اللہم اغفر لہ ارحمہ وادخلہ فی الفردوس الاعلیٰ۔

یہ دنیا فانی ہے۔ یہاں جو آیا ہے اسے آخرت کے لئے رخت سفر باندھنا ہے۔ کوئی ہمیشہ کے لئے اس جہاں فانی میں نہیں آیا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے کسی کے لئے دوام بخشا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو اولو العزم خیر رسل میں سے ہیں، ان کے لئے بھی رب قدیر نے ہمیشگی اور دوام نہیں بنایا ہے تو ہمارے لئے دوام اور ہمیشگی کیسے ہو سکتی ہے؟

اس جہاں سے رخصت ہونے والوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے جانے سے پوری قوم غم و الم کی تصویر بن جاتی ہے اور ہر کس و ناکس کے چہرے پر افسردگی کے آثار نظر آتے ہیں۔ انہی میں سے حضرت مولانا عبدالسلام مدنی رحمہ اللہ کی شخصیت بھی ہے۔ آپ نے اپنی پوری زندگی درس و تدریس کی وادی کو سیراب کرتے ہوئے گزار دی ہے۔ جامعہ رحمانیہ مدن پورہ، بنارس سے عالمیت کی سند حاصل کرنے کے بعد عالم اسلام کی مشہور درسگاہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں حصول تعلیم کے لئے عازم ہوئے۔ مدینہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں چار سال (۱۳۸۶ھ مطابق ۱۹۶۶ء تا ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹۷۰ء) تک ماہر اساتذہ سے کسب فیض کے بعد لیسانس (بی، اے) کی ڈگری سے سرفراز ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ جامعہ رحمانیہ سے آپ نے اعزازی سند حاصل کی تھی، کیونکہ ابھی مرحلہ عالمیت ہی میں تھے کہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ کا پروانہ مل گیا، شیخ عبدالسلام مدنی رحمہ اللہ نے خود نوشت سوانح میں لکھا ہے کہ انہوں نے کچھ دن فضیلت سال اول تک کی تعلیم حاصل کی اور جامعہ رحمانیہ میں ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۶ء تک حصول علم میں مصروف رہے۔

جس سال مولانا عبدالسلام مدنی رحمہ اللہ کا جامعہ اسلامیہ میں داخلہ ہوا اسی سال ڈاکٹر عبدالرحمن لیشی اور ڈاکٹر وصی اللہ بن محمد عباس حفظہما اللہ کا بھی داخلہ ہوا۔ محترم شیخ عبدالقادر شبلیہ الحمد نے داخلہ کی منظوری دی اور داخلہ کی کارروائی کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ سفر کا پورا خرچ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) نے برداشت کیا اور مدینہ سے فراغت کے بعد مادر علمی جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) میں تدریسی خدمات انجام دینے کی تاکید کی گئی۔ اسی تاکید کی وفاداری کرتے ہوئے مولانا عبدالسلام مدنی رحمہ اللہ اور ڈاکٹر عبدالرحمن لیشی

حفظ اللہ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس تشریف لائے تھے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس حفظہ اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ اور ہی مقدر کر رکھا تھا۔ ان کے عہد و پیمان پر تقدیر غالب آگئی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ) آپ محنت، کاوش اور علم و شعور سے مزین تھے۔ جہد مسلسل آپ کی زندگی کا جزو تھا۔ آپ کے شاگردان آپ کی محنت کا اعتراف کھلے دل سے کرتے ہیں۔ بے لاگ محنت اور شب و روز کی سعی پیہم نے آپ کو اساتذہ کے درمیان وقار بخشا اور انفرادی شان کا مالک بنا دیا۔ آپ اصول کے پکے تھے اور مشکل حالات میں بھی اپنے اصولوں سے منحرف نہیں ہوتے تھے اور نہ کوئی سمجھوتہ کرتے تھے۔

آپ کلیۃ الدعویہ اصول الدین سے فارغ التحصیل تھے۔ مگر آپ کو فن حدیث میں جو درک تھا وہ غیر معمولی تھا۔ جامعہ سلفیہ میں مشکوٰۃ المصابیح جلد ثانی، صحیح بخاری جلد اول، صحیح مسلم جلد اول، سنن النسائی جلد ثانی اور اصول حدیث کی معتبر کتاب نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر اور الباعث الحثیث یکے بعد دیگرے پڑھاتے رہے اور علم و فن کے گوہر لٹاتے رہے۔ راقم الحروف کو نہ آپ سے شرف تلمذ ہے اور نہ آپ کی صحبت سے فیض یاب ہے۔ جامعہ میں جس وقت تدریسی خدمات کے لئے آیا اس وقت مولانا عبدالسلام صاحب مدنی رحمہ اللہ سبک دوش ہو کر اپنے وطن لوٹ چکے تھے، بلکہ میری تقرری آپ ہی کی جگہ ہوئی ہے۔ آپ کے زیر درس کتاب سنن النسائی آپ کے جانے کے بعد میرے نصیب میں آئی۔

جن طلبہ نے آپ سے کسب فیض کیا ہے ان کے مطابق آپ کو تدریس اور عبارت فہمی کا ملکہ تھا۔ آپ کا درس حشو و زوائد سے پاک ہوتا تھا۔ بالخصوص اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری کی تدریس کا انداز نرالا اور پیارا تھا۔ سب سے پہلے حدیث پاک کی خواندگی ہوتی تھی۔ اس کے بعد اسناد پر بحث ہوتی تھی مبہم اور کنیت والے راویوں کی وضاحت کرتے۔ استدلال پر زور صرف کرتے۔ فقہی اقوال اور ائمہ کرام کے خیالات کی طرف ہاتھ پاؤں مارنے کے بجائے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بالواسطہ استدلال کرتے اور مسائل کا استنباط کرتے۔ طلبہ کو براہ راست حدیث سے استنباط کرنے پر بھارتے۔ کبھی کبھی حدیث سے ایسے مسائل مستنبط کرتے جو انفرادی شان لیے ہوتے تھے۔ علماء کہتے ہیں کہ صحیح بخاری میں سب سے اہم چیز فقہ البخاری فی تراجم ہے۔ استاد محترم اس پر خاص توجہ دیتے اور اختلافات میں جائے بغیر صحیح مفہوم کی رہنمائی کرتے۔ علاوہ ازیں حدیث کے مشکل اور غریب الفاظ اور اعراب کی بقدر ضرورت اصلاح کرتے۔ اگر کوئی ایسا مسئلہ آجاتا جو ماہہ النزاع ہوتا تو آپ اس کے مالہ و ما علیہ کو بیان کرتے اور اخیر میں اپنا محاکمہ پیش کرتے جو اپنے اندر اجتہادی اور بسا اوقات انفرادی شان لیے ہوئے ہوتا تھا۔ کبھی کبھی دروس میں ان مسائل پر بحث چھڑ جاتی جن میں آپ کو مخصوص درک اور تجربہ تھا تو ان پر خوب عمدہ بحث کرتے اور مخالف کے دلائل پر تنقید کرتے اور گھنٹی ختم ہونے کا احساس تک نہیں ہوتا تھا۔

مولانا کئی خوبیوں کے مالک تھے۔ ایک خوبی یہ تھی کہ اپنی رائے کا اظہار جرات مندانہ طور پر کرتے تھے اور اس میں کسی طرح کی مدہانت کو قبول نہیں کرتے تھے۔ ایک دوسری اہم خوبی یہ تھی کہ مطالعہ کیے بغیر درس نہیں دیتے تھے اور نہ تیقن کے بغیر کوئی مسئلہ بتاتے تھے۔ جس دن مطالعہ نہیں کرتے بلا کسی جھجک بیان کر دیتے تھے کہ آج مطالعہ نہیں کر پایا ہوں اس لئے درس نہیں ہوگا۔ آپ طلبہ کا خیال رکھتے۔ گھنٹی ختم ہونے سے پانچ منٹ پہلے درس روک دیتے تاکہ درس کے متعلق جو اشکال ہو اس کا تشفی بخش جواب دیا جائے اور مسئلہ کو مفتوح کر کے ذہن نشین کر دیا جائے۔

مولانا عبدالسلام صاحب مدنی رحمہ اللہ درس و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ گاہے گاہے کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے تھے۔ زیر درس جو کتابیں رہتی تھیں ان کا نوٹ تیار کرتے تھے۔ دھیرے دھیرے یہ نوٹ حاشیہ کی شکل میں شائع ہو کر منصفہ شہود پر آیا۔ یہ حاشیے عموماً آپ کا حاصل مطالعہ ہیں اور منتقدین علماء کی تحریروں کا نچوڑ۔ آپ نے جن کتابوں پر حاشیہ آرائی کی ہے ان میں سنن النسائی جلد ثانی کا حاشیہ بنام التعلیق المنتقی، مشکوٰۃ المصابیح جلد ثانی کا حاشیہ، بنام التعلیق الملیح لکھ کر علم حدیث کی خدمت میں گراں قدر اضافہ کیا۔ اصول حدیث میں نزہۃ النظر پر حاشیہ اور تعلیق لکھی جس پر علمائے عرب و عجم سے داد تحسین حاصل کی۔ ان کے علاوہ مختلف اوقات میں چند مقالات اور مضامین حوالہ قرطاس کیا۔ ماہنامہ ”محدث“ میں درس حدیث کا کالم آپ ہی کے قلم کا فیض ہے جو ”درس حدیث“ کے نام سے مطبوع ہے۔ شنیدہ کہ مولانا مدنی رحمہ اللہ نے صحیح بخاری، جلد اول اور صحیح مسلم، جلد اول پر بھی مختصر حاشیہ لکھا ہے جو مطبوع نہیں ہے۔ امید ہے کہ آپ کے علمی وارثین اس کو منصفہ شہود پر لانے کی کوشش کریں گے۔

مولانا عبدالسلام مدنی رحمہ اللہ نے دعوت و تبلیغ کے میدان کو بھی زینت بخشی اور اسے اپنے خون جگر سے سینچا۔ درس میں حاضری اور جلسوں میں شرکت کے ذریعہ آپ نے قال اللہ وقال الرسول کی صدائے دل نواز سے قلوب و اذہان کو منور کیا اور ان موضوعات کو اپنی گفتگو کا حصہ بنایا جو سماج اور معاشرہ کی اصلاح میں موثر کردار ادا کر سکیں۔ آپ کی تقریر مدلل اور مبرہن ہوا کرتی تھی۔ انداز نا صحا نہ تھا۔ نہ اس میں سختی تھی جو دلوں کو ناگوار گزرے اور نہ ہی کڑک اور تڑپ تھی جو قلوب کو بے زار کر دے، بلکہ سلجھے سلجھائے انداز کی تقریر تھی۔ تقریر کا یہی انداز جس میں مقرر اپنی بات کہہ لے اور سامع اسے سمجھ جائے، قابل تعریف ہوتا ہے۔

مولانا ممدوح ۷ فروری ۱۹۴۴ء کو موضع ٹکریا ضلع سدھارتھ نگر میں پیدا ہوئے۔ اجمد کی تعلیم گاؤں کے مکتب مفتاح العلوم میں ہوئی۔ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار ضلع بلرام پور میں ۱۹۵۲ء سے ۱۹۶۰ء تک رہ کر ابتدائی اور ثانویہ کی تعلیم مکمل کی۔ اس کے بعد دو سال فارسی زبان سیکھی۔ پھر جامعہ رحمانیہ مدن پورہ میں داخل درس ہوئے اور یہاں تفسیر، علوم تفسیر، حدیث، علوم حدیث، فقہ، اصول فقہ، نحو، صرف، عربی ادب اور دیگر علوم متداولہ کے حصول کے لئے ماہر اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ درس نظامی کے علاوہ عربی فارسی بورڈ الہ آباد سے مختلف زمانہ میں ’مولوی، عالم، فاضل ادب عربی، کی ڈگری حاصل کی۔ آپ نے پوری تعلیم میں جن اساتذہ سے خوشہ چینی کی ان میں علامہ مولانا نذیر احمد رحمانی الملوی، مولانا عبدالغفار حسن رحمانی، مولانا اقبال احمد رحمانی، مولانا محمد عابد رحمانی، علامہ ڈاکٹر تقی الدین الہلالی، علامہ محمد امین شمشقیطی مولف اضواء البیان فی تفسیر القرآن بالقرآن، شیخ ممدوح فخری، شامی رحمہم اللہ تعالیٰ اور علامہ شیخ عبدالحسن العباد حفظہ اللہ قابل ذکر ہیں۔ یہی وہ اساطین علم و فن ہیں جن کی نگرانی میں اور سایہ تربیت میں مولانا عبدالسلام مدنی رحمہ اللہ کون حدیث میں حذاقت و مہارت اور گہرائی حاصل ہوئی۔

شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی مبارک پوری رحمہ اللہ سے شاگردی کی نسبت اس اعتبار سے ہے کہ آپ کو ان سے اجازت حدیث کی سند حاصل کرنے کا شرف حاصل ہے۔ شیخ الحدیث رحمہ اللہ، جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) کے تاحین حیات صدر تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ ماہ دو ماہ بعد جامعہ ضرورت شریف لاتے تھے اور جامعہ کے حالات کو بچشم خود دیکھتے تھے اور کلاس روم میں جا جا کر طریقہ تدریس کا معائنہ کرتے تھے۔

استاد کو درس کی تیاری اور پڑھانے کے متعلق ضروری ہدایتیں کرتے تھے۔ بقول مولانا محمد مستقیم صاحب اس کا بہت فائدہ ہوتا تھا۔ شیخ الحدیث مبارک پوری جب جامعہ تشریف لاتے تو مولانا عبدالسلام مدنی رحمہ اللہ آپ کی دل و جان سے خدمت کرتے تھے اور اسے اپنا اخلاقی فریضہ سمجھتے تھے۔ یہی خدمت گزاری شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے قربت اور اعتماد کا ذریعہ بنی۔ حدیث کے متعلق مولانا مدنی رحمہ اللہ کے ذہن میں جو بھی اعتراضات اور اشکالات تھے یا حدیث کا معنی اور مفہوم متعین کرنے میں جو کچھ تردد تھا، شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے سامنے پیش کرتے اور تفسیحی بخش جواب سے محفوظ ہوتے۔ اس طرح مولانا عبدالسلام صاحب مدنی رحمہ اللہ کو عمل حدیث کی باریکیوں کے فہم و ادراک کا ملکہ پیدا ہوا جس کا فائدہ بعد میں یہ ہوا کہ مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح کی پروف ریڈنگ آپ کے حصہ میں آئی۔ شروع میں تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ کام تو بہت مشکل لگ رہا تھا، مگر دھیرے دھیرے آسان ہوتا گیا اور مولانا مدنی رحمہ اللہ پر شیخ الحدیث مبارک پوری رحمہ اللہ کا اعتماد بڑھتا گیا۔ مولانا کی تبحر علمی اور ژرف نگاہی میں اس پہلو کو طاق نسیاں نہیں کیا جاسکتا ہے، بلکہ اس کا کردار آپ کے استنباط میں دیکھا جاسکتا ہے۔

بیالیس (۴۲) سالہ تدریسی خدمات کے دوران آپ سے علم دین اخذ کرنے والوں کی تعداد چھٹا شمار سے باہر ہے۔ ذیل میں چند مستفیدین کے اسمائے گرامی ذکر کیے جاتے ہیں: ڈاکٹر رضاء اللہ محمد ادریس صاحب مدنی، سابق شیخ الجامعہ، جامعہ سلفیہ بنارس (رحمہ اللہ) مولانا عبداللہ صاحب مدنی جھنڈا انگری (رحمہ اللہ) مولانا عبداللہ سعود صاحب سلفی، ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ بنارس، مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی، امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، مولانا صلاح الدین مقبول احمد صاحب مدنی (دہلی)، مولانا عزیز شمس صاحب (مکہ مکرمہ) مولانا شہاب اللہ جنگ بہادر مدنی (شارجہ) ڈاکٹر عبدالقیوم محمد شفیع صاحب مدنی (مقیم حال قطر) مولانا احسن جمیل صاحب مدنی (بنارس) مولانا شبیر احمد صاحب مدنی (اٹوا بازار) ڈاکٹر بدر الزماں صاحب مدنی (نیپال) مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی (ناظم تعلیمات سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی، دہلی) ڈاکٹر عبید الرحمن مدنی (تلوی)، مولانا عبدالکحیم عبدالمعجود مدنی (ممبئی)، مولانا عبداللہ سلفی عمر پوری، مولانا مشتاق احمد کریمی (بہار) مولانا عزیز الرحمن مبارک پوری رحمہ اللہ، مولانا مظہر الحق عبدالشکور مدنی، مولانا محمد حسن سلفی ملوی، مولانا ازہر عبدالرحمن رحمانی، مولانا صہیب حسن مدنی مبارک پوری، مولانا راشد حسن سلفی مبارک پوری اور حافظ ناصر الدین مبارک پوری وغیرہم۔ الحمد للہ اس وقت جامعہ سلفیہ کا نصف تدریسی عملہ مولانا محترم کے شاگردوں پر مشتمل ہے۔ جن میں مولانا نعیم الدین صاحب مدنی سابق شیخ الجامعہ، مولانا محمد یونس صاحب مدنی، موجودہ شیخ الجامعہ، مولانا عبدالقیوم مدنی، مولانا سعید میسور مدنی، ڈاکٹر عبدالصبور مدنی، ڈاکٹر عبدالحکیم مدنی، مولانا محمد یوسف محمد عمر مدنی، مولانا سیف الرحمن مدنی، مولانا نور الہدیٰ سلفی، مولانا محمد ایوب سلفی، مولانا طاہر حسین سلفی) حفظہم اللہ تعالیٰ ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ استاد محترم رحمہ اللہ کی لغزشوں کو دامنِ عفو میں جگہ دے۔ ان پر رحم فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین (بذریعہ میل)

نوٹ: استاذ گرامی شیخ عبدالسلام مدنیؒ کی خودنوشت سوانح سالنامہ تاریخ اہل حدیث، جلد اول میں شائع ہو چکی ہے۔ قارئین مزید استفادہ کے لئے وہاں رجوع فرمائیں۔



پیکرِ جرأت و ہمت، شہرِ پونہ میں سلفیت کے بے باک سپاہی الحاج عبدالصمد بن نواب علی چودھریؒ

وفات اگست ۲۰۱۸ء

محمد عاطف سنابلی (مبئی)

صوبہ مہاراشٹر میں شہر پونہ کئی اعتبار سے کافی مشہور و معروف اور کافی اہمیت کا حامل ہے، مہاراشٹر کا ایک وسیع و عریض، خوشحال و خوبصورت صنعتی شہر ہے، مہاراشٹر کی معیشت تقریباً اسی شہر پر منحصر ہے، الحمد للہ مسلمان بھی ایک اچھی تعداد میں آباد و مقیم ہیں اور کاروبار سے منسلک ہیں، کئی مسلم تعلیمی اور دینی ادارے اعظم کیمپس جیسے سرگرم عمل ہیں، کئی مسجدیں آباد ہیں، لیکن سلفیوں اور اہل حدیثوں کی کوئی دانشگاهِ تعلیم و تربیت اور مرکزِ عبادت و دعوت موجود نہیں تھا، جہاں سلفیان پونہ جمع ہو کر سنت و صواب کی روشنی میں اپنی اپنی عبادتیں انجام دے سکیں، اور سکون و اطمینان کے ساتھ جمعہ و جماعت کا فریضہ انجام دے سکیں۔

انہیں حالات میں اللہ کی مرضی و مشیت سے ضلع سدھارتھ نگر کے اجگرا گاؤں کے چودھری خانوادہ کے کچھ لوگ جن میں محسن جماعت عالیجناب الحاج عبدالشکور چودھری صاحب حفظہ اللہ و عافاہ کے والد گرامی محمد عباس بن نواب علی چودھری اور آپ کے خسر اور چچا عالیجناب عبدالصمد چودھری رحمہم اللہ جمیعاً نے مبئی کے ایک علاقہ سے تجارت اور کاروبار کی غرض سے پونہ کا رخ کیا اور یہاں آنے کے بعد الحمد للہ کاروباری اور تجارتی دنیا میں کافی کامیاب ہوئے، اللہ نے خوب برکت اور فراوانی دی۔ جناب حاجی عباس صاحب رحمہم اللہ کے ساتھ آپ کے چھوٹے بھائی الحاج عبدالصمد چودھری (عرف ملا سیٹھ) صاحب بھی ساتھ تھے، جو کافی حوصلہ مند، جواں عزم، جرأت و ہمت کا پیکر اور نہایت ہی باغیرت اور باحمیت سلفی المسلمک اور سخت اہل حدیث تھے، شہر پونہ کی سلفی اور اہل حدیثوں کی تاریخ میں جن کا نام سنہرے اور جلی حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے، موصوف رحمہم اللہ نے پونہ، کڈل واڑی، مورواڑی میں منہج سلف اور مسلک اہل حدیث کے فروغ و استحکام اور ترویج و اشاعت میں کافی اہم رول اور نمایاں کردار ادا کیا ہے، اور بے مثال قربانیاں دی ہیں۔

دین سے وابستگی اور خدمت دین کی ایسی لگن اور تڑپ تھی کہ ہمہ وقت کتاب و سنت کے فروغ و استحکام کے لئے کمر بستہ رہتے، یہی وجہ ہے کہ معاصر علماء عظام ان کے پاکیزہ جذبات و خدمات جلیلہ کو بے انتہا قدر و تحسین کی نگاہ سے دیکھتے تھے، ان کے گرویدہ تھے اور بسا اوقات برسر عام ان کے اظہار و اعتراف پر مجبور ہو جاتے تھے، ۱۹۹۹ء کے ایک اجلاس کے موقع پر اپنے خطاب عام میں موصوف سے متعلق جماعت اہل حدیث کے ممتاز و معروف عالم دین، غیور جماعت، کاروان توحید و سنت کے ایک مایہ ناز سپوت

اور بے باک ترجمان علامہ عبدالحمید بن عبدالجبار رحمانی رحمہ اللہ نے کہا تھا۔

”کہ اللہ جل شانہ نے شہر پونہ میں اہل حدیثیت، سلفیت اور دین صحیح کا ایسا شجر ثمر آور لگایا ہے جو کافی پھلدار ہے اور اس کے اثرات و نتائج پورے ملک میں دکھائی دے رہے ہیں اور اس کے ذریعہ پورے ملک میں منہج سلف اور مسلک صحابہ کی کافی نشوونما ہو رہی ہے فذلہ الحمد“

یہ سچ اور حق ہے کہ پونہ میں رہتے ہوئے صرف پونہ ہی میں نہیں بلکہ پورے ملک میں بہتیرے دینی اداروں، تعلیمی و تربیتی دانشگاهوں سے قلبی تعلق رکھا، جڑے رہے، اور فیض پہنچاتے رہے، جمعیت و جماعت سے منسلک اور وابستہ علماء کا بھرپور تعاون اور سپورٹ کرتے رہے، ان کا حوصلہ بڑھاتے رہے، الحمد للہ آج ان کے خانوادہ اور خاندان کے سپوت اور دین پسند احباب ان کے مشن کے سچے جانشین ہیں اور ان کی وراثت کو سنبھالے ہوئے ہیں، مسلک و ملت کی خدمات کا کام بڑے پیمانے پر انجام دے رہے ہیں، بڑی فراخ دلی اور کشادہ دلی سے جماعت اور ملت کے مشن میں پیش پیش رہتے ہیں، کاروان توحید و سنت سے منسلک علماء، دعا اور جماعتی و دینی کار کو آگے بڑھانے والے، درد مندی کے ساتھ توحید و سنت اور مسلک سلف کی تبلیغ و تعلیم کا کام کرنے والوں کا بھرپور تعاون کرتے رہتے ہیں، بالخصوص محسن جماعت عالیجناب الحاج عبدالشکور چودھری صاحب (رئیس پونہ)، عالیجناب ذکر اللہ چودھری صاحب، عالیجناب حبیب اللہ چودھری اور الحاج عبدالصمد چودھری رحمہ اللہ کے فرزند ان جناب شمس اللہ چودھری، وغیرہ (حفظہم اللہ) دین و دعوت کے کام میں پیش پیش رہتے ہیں۔ اللہ کریم سبھوں کو سلامت اور شاداب و آباد رکھے۔

اسی خانوادہ کے ایک روشن چراغ اور پونہ شہر میں سلفیت اور اہل حدیثیت کا چراغ جلانے اور روشن رکھنے والے الحاج عبدالصمد چودھری صاحب (عرف ملا سیٹھ) ہیں جن کی مختصر دینی، ملی اور جماعتی خدمات نیز ان کا مختصر سوانحی خاکہ پیش خدمت ہے، رب کریم تمام جماعتی احباب، غیرت و حمیت کے ساتھ کتاب و سنت اور توحید و اتباع کے فروغ کے اس مشن کا کام کرنے والوں کو ہمت اور حوصلہ دے۔

نام: الحاج عبدالصمد چودھری (جھنکن) بن نواب علی چودھری

پیدائش: سن ۱۹۳۱ء۔ حاجی عبدالصمد صاحب کہا کرتے تھے کہ ۱۹۳۷ء میں ملک جب آزاد ہوا تو اس وقت میں چھ برس کا تھا۔

مقام پیدائش: مقام وپوسٹ اجگرا، ڈومریا گنج، سدھارتھ نگر یوپی۔

پونہ کی طرف روانگی: عالیجناب الحاج ذکر اللہ صاحب نے بتایا کہ محسن جماعت الحاج عبدالشکور چودھری صاحب کے والد گرامی جناب محمد عباس بن نواب علی چودھری انہیں اپنے ساتھ گاؤں سے بغرض تجارت ممبئی لے کر آئے اور انہوں نے اپنے بڑے بھائی کے ساتھ تجارت اور کاروبار میں کافی محنت کی، ان کے ساتھ لگے رہے، اس کے بعد اللہ کی مشیت و مرضی اور رب کریم کا فیصلہ کہ ممبئی سے پونہ کا رخ کرنا پڑا، اور ۱۹۷۱ء میں تجارت کی غرض سے ممبئی سے پونہ کا رخ کیا اور مورواڑی میں لکی اسٹیل کے نام سے دوکان شروع کی، محنت و مشقت کے بعد تجارت میں کامیابی ملی، کاروبار میں اللہ نے کافی برکت اور فراوانی عطا فرمائی، تجارتی فکر مندی کے ساتھ ساتھ اس بات کے لئے بھی ہمیشہ فکر مند رہے کہ ہمارے ساتھ پونہ میں ہماری اپنی قوم اور جماعت و مسلک کے لوگ بھی آباد ہوں، اور اس بات کی کسک

پیدا ہوگئی، اس لئے جو بھی زمین خریدتے، اپنے لوگوں کو بیچ کر اس پر آباد کر دیتے۔

مورواڑی میں مدرسہ و مسجد عمر بن خطاب کا قیام:

پونہ پہنچنے اور آباد ہونے نیز کچھ احباب جماعت اور دیگر لوگوں کو آباد کرانے کے بعد مسلکی اور منہجی غیرت و حمیت کے باعث خالص سلفی مرکز عبادت و دعوت کی کمی اور نہ ہونے کا شدید احساس ہوا، اور یہ سوچنے لگے کہ مسلک سلف اور اہل حدیثوں کی کوئی دینی اور روحانی مرکز، عبادت گاہ اور تعلیم و تربیت کی کوئی دانشگاه اور دعوت و تبلیغ کا کوئی سنٹر نظر نہیں آ رہا ہے، پھر اس کے بعد ہارنہ ماننے والی لگن پیدا ہوگئی کہ کاروبار اور تجارتی ترقی کے ساتھ سلفی دعوت اور سلفی منہج کے باحمیت، باغیرت جیالے اہل حدیث کے سچے سپوت اس بات کے لئے فکر مند اور کوشاں رہے کہ اہل حدیث مسلک کا کوئی مرکز قائم ہو، تو حید و سنت اور قرآن و حدیث کی دعوت کا کوئی چراغ روشن کریں جہاں سے شرک و بدعات کی تاریکیاں ختم ہوں اور ضلالت و گمراہی کا فور ہو، ہم سب سنت و شریعت کے مطابق اپنی عبادتیں انجام دے سکیں، اس کے لئے جناب عبدالصمد چودھری صاحب جناب محمد عباس چودھری اور جناب احسان اللہ چودھری کو ابھارتے رہے، تحریک دیتے رہے بالآخر اللہ نے مراد پوری کردی اور محنتیں اور کوششیں رنگ لائیں الحمد للہ ایک بابرکت شروعات ہوئی، ۱۹۷۹ء میں اس کاموثر و پائیدار مخلصانہ آغاز ہوا اور تو حید و سنت کے شمع فروزاں کی شکل میں ۱۹۹۱ء میں باقاعدہ مدرسہ و مسجد عمر بن خطاب کے نام سے جماعت کے معروف عالم اور مشہور داعی مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کے بدست ایک سلفی مرکز قائم ہوا، فذلہ الحمد۔

جس کی برکت سے نتیجہ میں دیکھتے دیکھتے کئی مسجدیں، تعلیمی اور تربیتی ادارے قائم ہو گئے اور دعوت دین اور قوم و ملت کی خدمت کا کام انجام دینے لگے۔

الحمد للہ آج یہ مسجد ایک عظیم الشان مسجد اور عالیشان خوبصورت عمارت کی شکل میں تمام سہولیات سے مزین و آراستہ مرکز کی شکل میں موجود ہے اور دین کی دعوت و تبلیغ، تعلیم و تربیت، تزکیہ و تطہیر، خطبات جمعہ، ماہانہ و ہفتہ واری دروس کا کام منظم انداز میں چل رہا ہے۔

اپنے دور میں آبائی وطن گاؤں کے مدرسہ بیت العلوم کی مکمل کفالت کی ذمہ داری:

آبائی وطن اجگرا سدھارتھ نگر میں گاؤں کے مدرسہ بیت العلوم کی مکمل ذمہ داری جہاں آج الحمد للہ باصلاحیت اور قابل اساتذہ اور معلمین کی نگرانی میں شعبہ حفظ کی تعلیم کا تمام سہولیات اور بچوں کی تمام کفالت کے ساتھ بہترین بندوبست ہے اور مدرسہ کی ایک عالیشان بلڈنگ اور عمارت ہے، پورے علاقہ، قرب و جوار اور دروازے کے بچے بھی فیضیاب ہو رہے ہیں، ان کے خاندان کے لوگ آج اس کی دیکھ کر رہے ہیں اور جملہ اخراجات برداشت کرتے ہیں، اللہ سب کی کوششوں کو قبول فرمائے۔

پوار بستی میں جامع مسجد اہل حدیث کے قیام میں کوشش اور مسلسل تحریک:

آپ کے خاندان کے تمام افراد کی مشترکہ کوششوں سے جامع مسجد اہل حدیث، پوار بستی کا قیام ۱۹۹۰ء میں عمل میں آیا، جہاں مسجد کی ایک عالیشان عمارت اور عظیم الشان بلڈنگ کے ساتھ ایک وسیع و عریض کیمپس میں المنار اردو ہائی اسکول قوم کے نونہالوں کو دینی ماحول میں عصری تعلیم و تربیت سے آراستہ کر رہا ہے، اسی سے متصل تمام خاندان والوں نے مل کر ۲۰۰۳ء میں مدرسہ الفرقان للتحقیظ

القرآن الکریم کے نام سے ایک شعبہ تحفیظ بھی قائم کیا، جس میں آپ بھی پیش پیش رہے۔ الحمد للہ ادارہ روز بروز ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

کدل واڑی (چودھری کاٹھا) پر جامع مسجد ابو بکر صدیق کا قیام:

الحاج عبدالصمد چودھری رحمہ اللہ نے ایک نئی آبادی بسائی، جس کا نام چودھری نگر پڑ گیا، وہیں ایک وزن کاٹھا نصب کروایا جو چودھری کاٹھا کے نام سے مشہور ہے، وہیں پر الحمد للہ ایک عالیشان مسجد بھی بنوائی، جس کا نام مسجد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رکھا، جو اپنے قیام کے اول دن سے اپنا کردار بحسن و خوبی ادا کر رہی ہے، یومیہ، ہفتہ واری اور ماہانہ دروس، ماہانہ اور مختلف اجتماعات اور خطبات جمعہ وغیرہ سے مسلک سلف کی تبلیغ و اشاعت میں سرگرم عمل ہے۔ الحمد للہ۔

موتی گنج میں مسجد، مدرسہ (اسکول) اور شعبہ تحفیظ کا قیام:

پونہ میں رہتے ہوئے صرف پونہ کے حوالے سے فکر مند نہیں رہے، بلکہ اپنے آبائی وطن اور اس علاقہ کی تعلیمی اور دینی حالت پر درد مندانہ اور فکر مندانہ نگاہ تھی، اسی فکر مندی اور لگن کا نتیجہ تھا کہ موتی گنج پور اہل حدیثوں اور سلفیوں کا گڑھ ہے، اطراف کے زیادہ تر گاؤں میں اہل حدیثوں کی آبادی ہے، سن ۱۹۸۶ء میں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی، اس کے بعد جامعہ اسلامیہ خیر العلوم، ڈومریا گنج کے ذمہ داران کے مشورہ اور رائے سے ایک اسکول اور شعبہ تحفیظ قائم کیا، جو الحمد للہ آج بھی ایک مرکز دین اور دانش گاہ علم کی شکل میں قائم و دائم ہے اور اس کی گراں قدر خدمات جلیلہ جاری اور ساری ہیں اور پورا علاقہ اس سے فیضیاب ہو رہا ہے۔

موشی روڈ میں قبرستان کے لئے جگہ کی تعیین میں دلچسپی اور کوشش:

ان تمام خدمات جلیلہ اور دینی لگن کا نتیجہ تھی کہ ہمہ وقت یہ حسرت و آرزو ذہن میں رہتی کہ اہل حدیثوں کا ایک اپنا قبرستان ہو، الحمد للہ تمام خانوادہ اور خاندان نے مل کر ۲۰۰۵ء میں موشی روڈ پر قبرستان کے لئے جگہ مختص اور متعین کر دی اللہ ان تمام کوششوں کو قبول فرمائے، صدقہ جاریہ بنائے، رفع درجات کا سامان بنائے، موصوف کو جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے۔۔

وفات اور نماز جنازہ:

اس طرح شہر پونہ میں اہل حدیث کی بنیاد ڈالنے اور اسے تقویت دینے والا تاریخ اہل حدیث کا یہ بے باک سپاہی، مرد مجاہد روشن اور نمایاں خدمات انجام دے کر یکم اگست ۲۰۱۸ء بروز بدھ بوقت صبح ۱۰ بجے دار فنا سے دار بقا کو کوچ کر گیا ان اللہ وانا الیہ راجعون۔

نماز جنازہ اور تدفین موشی روڈ قبرستان میں انجام پائی، ایک تخمینہ کے مطابق نماز جنازہ میں تین ہزار سے زائد افراد شریک صلاۃ و دعا رہے۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ۔



مولانا عبدالرحمن ریاضیؒ اگیا

وفات ۲/ اگست ۲۰۱۸ء

مولانا شریف اللہ سلفی

موضع اگیانز ڈاٹو ابازار سدھارتھ نگر کے ہمارے عزیز اور دوست کاتب مولانا عبدالرحمن یوسف ریاضی مقيم اوکھلانی دہلی بتاریخ ۲/ اگست ۲۰۱۸ء، بروز جمعرات، رات ڈھائی بجے ایک طویل علالت کے بعد ۴۵ سال کی عمر میں اللہ کو پیارے ہو گئے، اللہم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ۔

ابتدائی تعلیم گاؤں اور اوزرہوا میں حاصل کرنے کے بعد جامعہ ریاض العلوم سے فراغت حاصل کی، اور اس کے بعد دہلی میں ہی حصول رزق کے لئے قیام پذیر ہو گئے، اچھے کاتب اور خوش نویس تھے، جماعت کے اہل علم اور اداروں سے بڑی وابستگی رکھتے تھے، اور ہر کسی کے کام آنا ان کا شیوہ تھا، ایک عرصہ تک ریاض العلوم اور مرکزی جمعیت وغیرہ سے بھی وابستہ رہے، کتابوں کی طباعت، شہادات کی تصدیق اور دیگر امور بھی انجام دیا کرتے تھے، نوائے اسلام دہلی، ندوۃ السنۃ ڈاٹو ابازار اور دیگر جماعتی اداروں سے گہرا ربط تھا، اللہ نے بڑا حوصلہ عطا کر رکھا تھا، سماجی اور ملی شخصیات سے بھی گہرا تعلق رکھا کرتے تھے، مجھ ناچیز سے برسوں سے یارانہ اور آنا جانا تھا، بڑی خندہ پیشانی سے ملتے اور خوش دلی سے ہر کام میں رہنمائی و مدد کے لئے تیار رہتے، میں نے کبھی انہیں تھکتے یا کسی بھی چھوٹے بڑے کام سے پیچھے ہٹتے نہیں دیکھا، ہمیشہ جذبہ جواں اور عزم رواں لئے رواں دواں رہتے، ادھر کافی دنوں سے بیمار پڑے، یرقان سے شروعات ہوئی اور لیور کینسر تک پہنچ کر چند ہی مہینوں میں جان لیوا ثابت ہوئی، بالآخر ۲/ اگست رات میں راہی ملک بقا ہو چلے اور اللہ کو پیارے ہو گئے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون، اللہ سے دعا ہے کہ مرحوم کی لغزشوں کو معاف فرمائے، اور جنت میں جگہ عطا کرے، اہل خانہ، بیوی بچے اور تمام لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ اللہم اغفرلہ وأکرّم نزلہ واسکنہ الفردوس۔ ذیل میں مولانا شریف اللہ صاحب سلفی کا تفصیلی مضمون ملاحظہ کریں۔

ہلکا سا نولارنگ مگر بہتر نقوش، جاذب نظر جس سے شرافت کا پتہ چلتا تھا، مسکراتا چہرہ جو دوستی کا پیغامبر تھا، چوڑی پیشانی جو ذہانت کا غماز تھی، عقاب زنگاہیں جو حصول مقاصد کے لئے بے چین رہتی تھیں، مضبوط سینہ جس میں غم دوراں کو سمیٹنے کی قابل تقلید حد تک صلاحیت تھی، کشادہ دل جس میں سمندر کی گہرائی تھی اور شکوہ و شکایت کی کوئی جگہ نہیں تھی، قدرے پستہ قد اور نحیف جسم (اسٹیل باڈی) مگر ہمالیہ کا بوجھ اٹھانے کی طاقت تھی، ہر ایک سے خندہ پیشانی سے ملنا، ہر وقت رواں دواں اور خوش و خرم رہنا جس کی فطرت ثانیہ تھی۔ اور جو ذات بچپن ہی سے ہر کام میں اپنی حصہ داری ضروری سمجھتی تھی، وہ تھے ہمارے عزیز مکرّم مولانا عبدالرحمن ریاضی رحمہ اللہ تعالیٰ بن محمد یوسف حفظہ اللہ جن کو آج رحمہ اللہ لکھتے اور کہتے کلیجہ منہ کو آجاتا ہے، اور قلم بھی کانپنے لگتا ہے، یوں تو موت ہر ذی روح

کو آنی ہے مگر جواں سالی میں ان کی موت ہر ایک کو تڑپا گئی، ان کے کم سن بچوں کو یتیم اور وفادار شریک حیات کو عین جوانی میں بیوگی کی چادر اوڑھنے پر مجبور ہونا پڑا۔ بیمار اور کمزور والدین اپنے جواں سال اور لائق سپوت کی موت کس طرح برداشت کریں گے؟ اس کا تصور ہی جان لیوا ہے۔ مگر قضا و قدر کو کون ٹال سکتا ہے، الہی فیصلہ اور اس کی حکمتیں ہی الگ ہیں، ان کے آگے سر تسلیم خم ہے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

نام و نسب: عبدالرحمن بن محمد یوسف بن محمد ابراہیم بن چنوبن دیانت بن حُبہ۔

ولادت: نیپال سرحد سے متصل شمال مشرق میں واقع ضلع سدھارتھ نگر کی ایک مشہور تحصیل ہے ”اٹوا“ اس تحصیل کے پورب بانسی روڈ کے قریب چار کلومیٹر کی دوری پر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے ”اگیا“ جو کسانوں کی آبادی پر مشتمل ہے۔ اسی بستی کے ایک معروف معزز، دیندار، غیرت مند اور ذی علم گھرانے میں ۱۵ اکتوبر ۱۹۷۴ء میں آپ نے آنکھیں کھولیں۔ اور اپنے وجود سے گھر اور خاندان کو روشن کر گئے۔

تعلیم و تربیت: عزیز مکرم رحمہ اللہ جب مکتب میں جانے کے لائق ہوئے تو خاندان کے دستور کے مطابق گاؤں کے قریب مشہور ادارہ ”دارالتوحید“ مینا عید گاہ میں بٹھایا گیا۔ جہاں حافظ رضاء اللہ جیسے مخلص، تجربہ کار اور ماہر درسیات استاد موجود تھے۔ جو ابتدائی درجات کے پڑھانے کا بہت اچھا تجربہ رکھتے تھے۔ مگر آپ کی طبیعت نہیں جمی اور آپ ”اونزھوا“ ضلع بلرام پور چلے گئے۔ جہاں آپ کی بڑی پھوپھی رہتی تھیں جو آپ کو بہت زیادہ پیار کرتی تھیں، اسی طرح آپ کے پھوپھی زاد بھائی وغیرہ بھی بہت خیال رکھتے تھے۔ وہاں آپ نے پرائمری درجات اور عربی اول اچھے نمبرات سے پاس کیا۔ مزید اونچی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ”جامعہ عالیہ عربیہ“ منو کا انتخاب کیا، کیونکہ ان دنوں میں جامعہ عالیہ عربیہ میں بحیثیت مدرس موجود تھا۔ وہاں آپ نے دوسری جماعت (عربی دوم) میں داخلہ لیا اور مسلسل چار سال وہاں کے ماہرین فن اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ اور ۱۹۹۰ء میں دہلی کا رخ کیا۔ اور دہلی کے مشہور ادارہ جامعہ یاض العلوم میں داخلہ لیا اور عالم و فاضل کی معنوی ڈگری سے سرفراز ہوئے۔ عزیز مکرم کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ خاندان بلکہ گاؤں کے دوسرے سند یافتہ مولانا ہیں۔ جب کہ اس وقت تک اس فہرست میں صرف خاکسار راقم کا نام تھا۔ اور اس وقت تو خاندان کے تقریباً سبھی بچے بچیاں بچھ اللہ عالم و فاضل، اور بی اے، ایم اے بھی ہیں۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

اخلاق و عادات: آپ بہت اونچے اخلاق کے حامل تھے، ہنس مکھ اور ملنسار تھے، مسکراتے ہوئے ہر ایک سے ملنا آپ کی فطرت تھی، خلاف مزاج بات ہونے پر بھی ہنس کر ٹال جاتے، صاف دل کے مالک تھے، میں نے آپ کے یہاں کسی کے خلاف کینہ یا بغض و عناد نہیں پایا۔ جامعہ عالیہ عربیہ میں دوران تعلیم آپ کی کوئی شکایت نہیں آئی، چونکہ ہاسٹل کانگراں ہونے کی وجہ سے طلبہ کی معمولی معمولی بات کی بھی شکایت آتی تھی۔

دہلی آپ کا مسکن تھا، میں جب بھی دہلی جاتا، واپس آنے کے وقت تک چمٹے رہتے، میری موجودگی میں کچھ ایسے بھی لوگ ملے جو بڑی سختی سے پیش آئے مگر ایسے موڑ پر بھی آپ نے اپنی فطری ادا کو نہیں چھوڑا۔ اور مسکرا کر جواب اس طرح دیتے کہ سامنے والا خاموش ہو جاتا۔ یہ بہت ہی اونچے اخلاق اور اللہ والے کی پہچان ہے۔

مولانا عبدالمنان سلفی ایڈیٹر ماہنامہ ”السراج“ جھنڈا نگر نیپال، آپ کے اخلاق کریمانہ پر بات کرتے ہوئے بطور شہادت بتلا رہے ہیں اور ”ماہنامہ السراج“ میں نقل بھی کیا ہے کہ ایک بار ان کے تجدید تعاقب کی ضرورت پیش آگئی، انہوں نے اتنے تزکیات متعلقہ ادارہ میں بھیجوادئے کہ ذمہ داران حیرت زدہ رہ گئے۔ اتفاقاً ایک ذمہ دار سے میری ملاقات ہوگئی اور وہ پوچھ بیٹھے کہ شیخ! یہ عبدالرحمن کون ہے؟ جس کی تائید و تصدیق دسیوں معتبر اداروں اور فاضل علماء نے کی ہے۔ میں نے مختصراً عرض کیا کہ عبدالرحمن سراپا فیض، ایسی شخصیت کا نام ہے جس کا احسان مند تقریباً ہندو نیپال کا ہر ادارہ اور ہر عالم دین ہے۔ (ماہنامہ السراج اگست ۲۰۱۸ء/۳۶)

آپ کے اونچے اخلاق پر فائز ہونے کی یہ ایک دلیل ہے۔ اس طرح کے دسیوں اقوال علماء کرام کی جانب سے دوران تعزیت آئے۔ سعودی سفارتخانہ کے ایک اہم اور باوقار شخصیت شیخ نور الہدی حفظہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ”مولوی عبدالرحمن صاحب قابل اعتماد اور ایماندار تھے۔ انہیں جو بھی ذمہ داری دی جاتی اسے اچھی طرح اور ایمانداری سے ادا کرتے تھے۔“

یہ حقیقت ہے کہ جو شخص آپ سے ایک مرتبہ مل لیتا وہ پھر آپ کو نہیں بھول پاتا، آپ کا مسکن تو شاہین باغ تھا مگر عموماً آپ سے ملاقات دفتر جمعیت اہل حدیث ہند، دفتر نوائے اسلام یا محترم محمد اسحاق صاحب کے چائے خانہ پر ہوتی۔

میرا اپنا مشاہدہ ہے کہ جب بھی کوئی فون کرتا اور پوچھتا کہ آپ کہاں ہیں تو آپ صاف صاف بتلا دیتے کہ فلاں جگہ ہیں۔ تاکہ آنے والے شخص کو پریشانی نہ ہو۔ یہ ایک ایماندار شخص کی علامت ہے۔

عام طور سے لوگ خاندانی نزاع میں الجھے رہتے ہیں، مگر اپنی رائے دے کر خاموش ہو جاتے۔ چونکہ آپ تعلقات استوار کرنے میں ماہر تھے، اس لئے کسی بھی فرد سے کہیں بھی ملنے سے جھجکتے نہیں تھے اور بلا کسی تردد کے ملاقات کر لیتے تھے۔

ایک مرتبہ منو آئے، میری اپنی ضرورت کے تحت محترم ڈی ایم صاحب سے ملاقات ضروری تھی، آپ نے فوراً فون کیا، معلوم ہوا کہ ڈی ایم صاحب کسی فنکشن میں ہیں۔ وہاں پہنچے، تقریب ختم ہوتے ہی بلا کسی رکاوٹ کے ڈی ایم صاحب کے پاس پہنچ گئے، اور کھڑے کھڑے ایک منٹ کا وقت لے کر اپنی پوری بات کہہ گئے۔ ڈی ایم صاحب نے غور سے سنا اور اسے حل کرنے کی یقین دہانی کرائی۔ اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں جہاں آپ نے دوسروں کی مدد کی اور اپنے اچھے اخلاق کا ثبوت دیا۔

فکر معاش اور رفاہی امور: تعلیم کی تکمیل کے بعد دہلی میں ہی رہ کر فن خطاطی کو ذریعہ معاش بنایا۔ اور اس نئی دنیا میں قدم رکھا مگر یہ پیشہ آپ کو اس نہیں آیا۔ اور اسے خیر باد کہا۔ اس کے بعد ”جامعہ السید نذیر حسین“ دہلی میں درس و تدریس کا فریضہ انجام دینے لگے۔ مگر قید و بند کی اس زندگی پر آپ کی سیماب صفت طبیعت قانع نہیں ہوئی۔ اور کیوں ہوتی جب کہ اللہ تعالیٰ آپ سے ایسا کام لینا چاہتا تھا جس سے ایک مخلوق استفادہ کرے، اور ”خیر الناس من یتنفع الناس“ کا حقیقی مصداق بنے، اور ہوا بھی یہی۔ شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ نے مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کی تعمیری خدمات پر تعریف کرتے ہوئے کہا تھا ”آپ نے وہ کام کیا ہے جو ہمارے اسلاف نے نہیں کیا“ اسی طرح میں بھی یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ ”عزیز مکرم نے فرد سے لے کر جمعیت و جماعت اور اسکول و مدارس کے لئے جو کچھ کیا ہے اسے ذی علم اور باصلاحیت شخصیات بھی کرنے سے قاصر ہیں۔“

عزیز مکرم کی زندگی کا بنیادی مقصد ہی رفاہی کام تھا۔ وہ بلا تفریق ہر ایک کے کام آتے تھے، نیپال اور ہندوستان کے دور دراز اور مختلف صوبوں کے ذمہ داران مدارس اپنے اپنے مسائل لے کر آتے اور آپ ہر مسئلہ اپنی فطری صلاحیت اور متعلقہ اداروں سے مضبوط تعلقات کی بنیاد پر حل کر کے ہی دم لیتے تھے۔ سیکڑوں سعودی افاضل ان کے رہن منت ہیں۔ مشکل سے مشکل کام کے لئے بھی آپ نے یہ نہیں کہا ”یہ کام نہیں ہوگا“ اسی وجہ سے آپ کو ”حل مشکلات“ کہا جاتا تھا۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند دہلی، نوائے اسلام دہلی، ندوۃ السنہ اٹوا، سدھارتھ نگر اور جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈا نگر نیپال کے آپ باقاعدہ مندوب تھے، ان اداروں کے امور کو ترجیحی بنیاد پر انجام دیتے تھے۔

بلاشبہ آپ کی وفات گھر و خاندان ہی نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ کا خسارہ ہے۔ یوں تو اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور مسبب الاسباب ہے مگر مستقبل قریب میں آپ کا کوئی بدل نہیں دکھائی پڑتا ہے۔

مرض اور وفات: رمضان سے دو مہینہ یا اس سے کچھ پہلے آپ کو پیلیا کی شکایت ہوئی۔ حملہ کے ڈاکٹروں سے علاج لیتے رہے، افاقہ نہ ہونے پر مجید یہ ہاسپٹل گئے، وہاں چیک اپ (جانچ) کے بعد مرض کی خطرناکی کا احساس ہوا کہ پت کی تھیلی میں کینسر پنپ رہا ہے اس لئے مجید یہ کے ڈاکٹر نے فوراً ایس ریفر کر دیا، وہاں جانچ کے بعد کینسر کی تحقیق ہو گئی، اس لئے ڈاکٹر نے فوری آپریشن کی تاریخ متعین کر دی، مگر ”ما قدر اللہ کان“ اس تاریخ پر کسی وجہ سے آپریشن نہیں ہو سکا۔ اور جب دوبارہ تاریخ لی گئی تو اب ایک مہینہ سے بھی زیادہ کی تاریخ ملی، اس درمیان مرض بہت تیزی سے بڑھ گیا اور جب دوبارہ ایس میں جانچ ہوئی تو ڈاکٹر نے آپریشن سے انکار کر دیا۔ اور دوائیں دے کر واپس بھیج دیا۔ آپ کی بیماری کی پوری تفصیل مجھے عزیز القدر ارشد سلمہ سے ملتی رہی جو دہلی ہی میں مقیم ہیں۔ جو برابر ابطے میں رہتے تھے۔ ویسے میں بھی براہ راست گفتگو کرتا رہا اور جب جب میں نے فون کیا اور بیماری کا معقول علاج کرنے کے لئے کہا تو اس کا جواب یہی دیتے رہے ”چچا جان کوئی خاص بات نہیں ہے، پت کی تھیلی کا منہ بند ہو گیا ہے، آپریشن ہو جائے گا سب ٹھیک ہو جائے گا ان شاء اللہ آپ لوگ زیادہ پریشان نہ ہوں۔“

رمضان کے پہلے عشرہ میں میں نے ۳/۴ مرتبہ ملاقات کیا۔ اور برابر علاج کے لئے تاکید کرتا رہا مگر میری طرح ہر ملاقاتی کو یہی تاثر دیتے رہے کہ کوئی خاص بات نہیں ہے، میں جلد صحتیاب ہو جاؤں گا، ان شاء اللہ۔ اخیر تک آپ کو اپنی صحتیابی کا مکمل یقین تھا اور دوسری جانب مرض کی سنگینی کا احساس بھی نہیں تھا۔

آپ کے چھوٹے بھائی عزیزم شیخ زین اللہ مدنی حفظہ اللہ سعودی جالیات میں موظف ہیں۔ آپ کی بیماری کی خبر سے کافی رنجیدہ تھے اور چھٹی لے کر دہلی آئے، لوگوں کی ہدایت پر آپ کے علاج کے لئے لکھنؤ اور ہماچل پردیش سے ایسی دوائیں لائے جس سے کئی لوگ صحتیاب ہو چکے تھے، مگر عزیز مکرم کے لئے بے اثر ثابت ہوئیں۔ سچ ہے ”لکل داء دواء إلا السام“ موت کے علاوہ ہر مرض کی دوا (موجود) ہے اور دوا بھی اسی وقت اثر کرتی ہے، جب اللہ تعالیٰ شفا بخشا ہے، ورنہ نہیں، ہمارے عزیز کے متعلق یہی ہوا، مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

عزیز مکرم شیخ زین اللہ مدنی قدرے افاقہ ہونے پر والد محترم سے ملاقات کی غرض سے گھر (اگیا) آگئے چونکہ والد صاحب کومہ میں تھے اس لئے چند ایام گھر گزار کر اپنی والدہ کو ساتھ لے کر یکم اگست ۲۰۱۸ء کو دہلی کے لئے روانہ ہو گئے۔ ۲ اگست کو دہلی پہنچے، اور رات ۱۲ بجے تک گھر کے سبھی افراد یکجا بیٹھ کر مختلف موضوع پر گفتگو کرتے رہے اور کچھ ہدایات بھی دیں، ۱۲ بجے عزیز

مکرم مولانا عبدالرحمن رحمہ اللہ نے خود کہا: آپ لوگ سفر سے آئے ہیں تھکے ماندے ہیں جانیے آرام کیجئے۔ تھوڑی دیر بعد سب لوگ اپنے اپنے ٹھکانے چلے گئے۔ یہ کہہ کر کہ آپ کو بھی آرام کی ضرورت ہے اس لئے ہم لوگ جا رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد عزیز مکرم کی اہلیہ محترمہ آپ کو نزع کی حالت میں دیکھ کر گھبرا گئیں۔ اور لوگوں کو آواز دے کر بلانے لگیں، جب تک لوگ آتے آپ خود دائمی آرام کے لئے دنیا میں نہ جاگنے والی نیند سو گئے۔ رات کے تقریباً ڈھائی بجے تھے اپنے پیچھے بھرا پڑا خاندان، چھوٹے چھوٹے معصوم بچے بیمار اہلیہ، کومہ میں رہنے والے والد محترم اور بے شمار مخلص احباب کو روتا بلکتا چھوڑ گئے۔ اسی وقت سے آپ کو آبائی گاؤں ”اگیا“ لانے کے لئے تیاری شروع ہو گئی عزیز القدر مولانا ارشد سلمہ، عزیز مکرم مولانا محمد مستقیم سلمہ، عزیزم شیخ زین اللہ مدنی اور دیگر احباب مخلصین نے سواری کا انتظام کیا اور صبح سویرے تقریباً ساڑھے چھ بجے دہلی سے چل کر شام چھ بجے کے قریب ”اگیا“ پہنچ گئے۔ بعد نماز مغرب جنازہ و تدفین ہوئی۔ خراب موسم اور بارش کے باوجود علماء اور خواص کی معتد بہ تعداد موجود تھی، اس سے آپ کی محبوبیت اور ہر دل عزیز کی بات حق الیقین کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے قبر کو کشادہ کرے، بال بال مغفرت فرمائے، بشری لغزشوں کو معاف فرمائے، جنت الفردوس میں اونچا مقام عطا کرے۔ ان کے کمن معصوم بچوں، اہلیہ محترمہ کی حفاظت کا غیب سے انتظام فرمادے اور مجبور، بیمار والدین اور تمام محسنین اور مخلص احباب کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین۔

اولاد و احفاد: عزیز مکرم مولانا عبدالرحمن ریاضی رحمہ اللہ اپنے ۳ بھائیوں میں دوسرے نمبر پر تھے۔ بڑے بھائی عزیزم عبداللہ سلمہ ہیں جو گھر رہ کر کھیتی باری کرتے ہیں، دوسرے اور سب سے چھوٹے بھائی شیخ زین اللہ مدنی ہیں جو جالیات سعودی عرب میں موظف ہیں۔ یہ دونوں حضرات صاحب اولاد ہیں اور اپنی زندگی جی رہے ہیں۔ عزیز مکرم رحمہ اللہ کی پانچ اولاد تین بیٹیاں، اور دو بیٹے ہیں۔ بڑی بچی کی عمر تقریباً ۱۱ سال ہے اور سب سے چھوٹے صاحبزادے ۳ اگست ۲۰۱۸ء کو وفات کے دن صرف ۲۲ دن کے تھے۔ آپ کے والدین بقید حیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے۔ آپ کی والدہ تو قدرے بہتر ہیں اور چل پھرتی ہیں لیکن والد محترم کافی دنوں سے بیمار ہیں اور آج کل کومہ میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں شفاء کامل و عاجل عطا فرمائے۔ ان کا سایہ تادیر ان یتیم بچوں پر رکھے، غیب سے ان کی کفالت کا انتظام فرمادے۔ اور ملت اسلامیہ کو ان کا بدل عطا کرے۔ آمین۔

سوچتا ہوں جب اچانک کوئی بجھتا ہے چراغ
زندگی، یہ زندگی کیا زندگی کچھ بھی نہیں



سانحہ ارتحال مولانا ولی محمد صاحب بھوپال

وفات ۲۹ اگست ۲۰۱۸ء

آج مورخہ ۲۹ اگست ۲۰۱۸ء بروز بدھ بوقت نماز عصر جناب مولانا ولی محمد صاحب رحمانی بستوی کا انتقال ہو گیا، مولانا کی ولادت اتر پردیش کے ضلع سدھارتھ نگر کے موضع ”بڈھی خاص“ میں ۱۹۳۸ء میں ہوئی تھی۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے منشی عظمت اللہ صاحب سے درجہ دوم تک حاصل کیا۔ اور قرآن مجید کی تعلیم اپنے نانا عبدالرحمن سے مکمل کی۔ وہاں چار سال تک تعلیم پانے کے بعد مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال چلے گئے۔ پھر وہاں سے جامعہ رحمانیہ بنارس میں دو سال تک چوتھی اور پانچویں کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد پھر دوبارہ جھنڈا نگر نیپال واپس آ کر چھٹی اور ساتویں کی تعلیم حاصل کی۔ بعدہ ریاض العلوم دہلی میں داخلہ لیا اور ۱۹۵۸ء میں فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد مدرسہ ”چشمہ صمد“ منوائے آباد میں آ کر مسند درس پر جلوہ افروز ہوئے، دو سال تک مدرسہ چشمہ صمد میں درس دیا۔ پھر وہاں سے خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی کے طلب پر جھنڈا نگر آ گئے اور کچھ سالوں تک تدریس سے وابستہ رہے پھر وہاں سے ۱۹۶۵ء میں گجرات کے ”سمی“ علاقہ میں دو سال تک امامت و خطابت کا فریضہ انجام دیا۔ اس کے بعد ۱۹۶۷ء میں احمد آباد آ گئے اور مسلسل آٹھ سال تک امامت و خطابت سے جڑے رہے۔ پھر وہاں سے مدھیہ پردیش کے بھوپال میں سکونت اختیار کر لی۔ اس کے بعد ۱۹۸۲ء میں ممبئی کے وکرولی مسجد محمدی میں ایک سال تک امامت و خطابت کرنے کے بعد ممبئی سے بھوپال واپس آ گئے اور یہاں پر تقریباً دس سال تک امامت و خطابت کے ساتھ درس و تدریس کا بھی فریضہ انجام دیتے رہے لیکن چند وجوہات کی بنا پر آگرہ چلے گئے۔ وہاں پر مدرسہ قاسم العلوم کنگولی نائی کی منڈی میں درس و تدریس کے ساتھ ساتھ امامت و خطابت سے وابستہ ہو گئے۔ پھر وہاں سے واپس بھوپال آئے اور جامع مسجد اہل حدیث نیوکباڑ خانہ میں اپنی پرانی جگہ پر دوبارہ امامت و خطابت کے ساتھ درس و تدریس کا فریضہ انجام دینے لگے۔ اور ۲۰۰۷ء میں سکدوش ہو گئے۔ ۲۰۰۹ء سے ۲۰۱۰ء تک مدرسہ آسیہ گرلس پبلک اسکول بسکوہر سدھارتھ نگر میں بھی درس و تدریس کا فریضہ انجام دیا ہے۔ آپ نے اپنے ٹھوس علمی پروگرام کی بنیاد پر چند کتابیں تالیف کی۔ جو عوام میں مفت تقسیم کی گئیں۔

۱۔ صلاۃ خیر الوری، ۲۔ شجۃ ایمان، ۳۔ حسن یوسف صدیق، ۴۔ احادیث خیر الوری بروایات ابی ہریرۃ، ۵۔ احادیث سید الکونین۔ دو حصے مکمل لکھ چکے تھے اور تیسرا حصہ لکھ ہی رہے تھے کہ داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون) فی الحال اس کتاب کی کمپوزنگ چل رہی ہے۔ جامع مسجد اہل حدیث بھوپال کا قیام و سنگ بنیاد آپ کی موجودگی میں ہوا، آپ کی زندگی میں بہت سے نشیب و فراز آئے مگر آپ نے سب کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ موصوف علم حدیث اور خاص طور پر علم فرائض کے ماہر تھے۔ گلستاں بوستاں کے اشعار آپ کو از بر تھے، جو دوران تقریر زینت بنتے تھے۔ مہمان نوازی کا بہت شوق تھا۔ علماء کے بہت قدر داں تھے، حلال و حرام کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔ بے پناہ علمی صلاحیت کے مالک تھے۔ برے لوگوں کی صحبت کو ہمیشہ ناپسند کیا، ۸۰ سال کی عمر پر کرا داغ مفارقت دے گئے۔

پسماندگان میں تین لڑکے اور تین لڑکیاں باحیات ہیں۔ نیز تین لڑکیوں کا آپ کی زندگی میں انتقال ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی جملہ خدمات کو قبول فرمائے، نیکیوں کو نجات کا ذریعہ بنائے ان کی لغزشوں کو درگزر فرما کر جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)۔

(مراسلہ از فرزند شیخ، بھوپال)

□□□

معلم قرآن حافظ وقاری عبدالحکیم فیضی رحمہ اللہ

استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

وفات: ۱۱ ستمبر ۲۰۱۸ء

مولانا عبدالمنان سلفی

ماد علمی جامعہ سلفیہ بنارس کے باوقار استاد اور وہاں شعبہ تحفیظ کے سابق سربراہ جناب حافظ وقاری عبدالحکیم فیضی رحمہ اللہ ۱۱ ستمبر ۲۰۱۸ء بروز منگل بوقت صبح ۱۰ بج کر ۳۰ منٹ قدرے طویل علالت کے بعد جھنڈانگر میں رحلت فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ قاری عبدالحکیم فیضی ایک فرض شناس، باوقار، ہر دل عزیز اصول پسند اور مشفق استاد کے ساتھ نہایت خوش اخلاق، مہمان نواز، ظاہر و باطن کے اُجلے، صاف گو انسان اور نہایت محتاط زندگی گزارنے والے مرد مومن تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں گونا گوں اوصاف حمیدہ سے متصف فرمایا تھا اور بڑی سعادتوں سے نوازا تھا، ان کی سب بڑی سعادت یہ تھی کہ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ قرآن مقدس پڑھنے پڑھانے میں گذرا اور وہ بجا طور پر حدیث نبویؐ ”خیر کم من تعلمہ القرآن وعلیہ“ کا مصداق بنے، اللہ تعالیٰ ان کی اس قرآنی خدمت کو قبول فرمائے اور اسے ان کے رفیع درجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

حافظ عبدالحکیم فیضی رحمہ اللہ کا آبائی وطن مشہور مردم خیز اہل حدیث بستی شکرنگر، ضلع بلرام پور (سابق گونڈہ) ہے، وہیں ان کی پیدائش ۱۹۲۶ء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم مدرسہ نصرۃ السلام شکرنگر میں پائی، پھر مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار تشریف لے گئے اور ۱۳ سال کی عمر میں حفظ قرآن کی تکمیل کی سعادت حاصل کی، عربی تعلیم کے لئے کچھ دنوں جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر سے بھی فیضیاب ہوئے اور مدرسہ فیض عام سے فراغت حاصل کی۔

حافظ عبدالحکیم فیضی رحمہ اللہ کا جھنڈانگر کے معروف اہل اللہ بزرگ میاں محمد زکریا رحمہ اللہ کے خانوادہ سے مصاہرت کا رشتہ تھا اور موصوف حضرت میاں صاحب کے بڑے صاحبزادے مولانا ابوالبرکات رحمانی رحمہ اللہ کے سب سے بڑے داماد تھے، اس خاندان سے میرا بھی پرانا رشتہ ہے، میری ایک خالہ میاں صاحب کے دوسرے صاحبزادے منشی عبدالنواب سے منسوب تھیں اور میری سب سے بڑی پھوپھی میاں صاحب کے تیسرے فرزند مولانا عبدالوہاب ریاضی کے عقد میں تھیں، پھر بعد میں مجھے مولانا ریاضی کی دامادی کا شرف حاصل ہوا، اس طرح حافظ عبدالحکیم فیضی رحمہ اللہ رشتہ میں میرے ہم زلف ہو گئے، گو کہ عمر میں ہم دونوں کے مابین کم و بیش چودہ پندرہ سال کا تفاوت تھا، اس رشتہ کی بنیاد پر ہم سب بلکہ جھنڈانگر کے اکثر لوگ حافظ صاحب کو احتراماً ”بھائی جان“ کہا کرتے تھے اور وہ اسی عربی لقب سے جانے جاتے تھے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد غالباً موصوف نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز جھنڈانگر و بڑھنی سے متصل اہل حدیث بستی ملگھیا سے

کیا، جہاں آپ نے کئی سالوں تک روایتی طریقہ سے ہٹ کر بالکل منفرد انداز میں بچوں کی تعلیم و تربیت کا فریضہ انجام دیا، کچھ دنوں تک آپ نے کھنڈیلہ راجستھان میں بھی تعلیم دی، دو تین مہینہ جھنڈانگر کے شعبہ تحفیظ میں بھی آپ نے خدمت انجام دی، اور بعد میں کئی سال گورکھپور کے قصبہ بھٹ سے متصل سکھنی گاؤں میں کئی سالوں تک تعلیم دی، اور پھر ۱۹۷۷ء سے لے کر ایک سال قبل تک تقریباً چالیس برس کا طویل عرصہ موصوف نے جامعہ سلفیہ بنارس کے شعبہ تحفیظ میں تدریس کا بے مثال فریضہ انجام دینے میں صرف کیا، اس دوران ہزاروں حفاظ و قراء کو فارغ کیا اور اپنے اخلاص اور حسن اخلاق کے گہرے نقوش ان میں ثبت کئے، جامعہ سلفیہ بنارس کی خدمت کے اس طویل دورانیہ میں موصوف نے اپنی فرض شناسی، حسن اخلاق اور تدریس میں بے مثال دلچسپی کے سبب وہاں کے ذمہ داران اور اساتذہ کو متاثر کیا اور سبھی ان کے قدر داں ہو گئے، اس پورے دور میں ماسٹر احمد حسین بستوی اور مولانا حکیم محمد عیسیٰ سلفی جو حافظ صاحب کے ہم زلف بھی ہیں اور جامعہ میں مدرس بھی ان کے ساتھ طویل مخلصانہ رفاقت رہی۔

حافظ عبدالحکیم فیضی گونا گوں خوبیوں کے مالک اور حسن اخلاق کا پیکر تھے، ایک بار ان سے جس کی ملاقات ہو جاتی وہ موصوف کا گرویدہ ہو جاتا تھا، ہنستے مسکراتے چہرے سے ملتے اور حسب مراتب ہر ایک کی قدر کرتے، مہمان نوازی میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے، گھر کے علاوہ جامعہ سلفیہ بنارس میں بھی ان کی سخاوت کا دریا بہتا رہتا تھا، فجر کی نماز کے بعد اپنے کمرہ میں خود چائے بناتے اور اس کے لوازمات کے ساتھ متعدد اساتذہ کی ضیافت کرتے، اگر کوئی مہمان ہوتا تو کھانا ہوٹل سے منگوا لیتے یا سالن وغیرہ خود تیار کرتے، بڑے نستعلیق، نظافت پسند، سلیقہ مند اور باذوق انسان تھے، کپڑے، ٹوپی اور جوتے چیل وغیرہ موسم کے لحاظ سے پہنتے جو ہمیشہ صاف شفاف رہتے تھے۔

حافظ صاحب کے تعلقات اپنی جماعت کے اکثر بڑے علماء سے تھے، اسی طرح جہاں انہوں نے پڑھایا ہے وہاں کے لوگوں سے بھی مستقل رابطہ رکھتے، ان کے یہاں آتے جاتے، اپنے خاص شاگردوں سے بھی خصوصی تعلق رکھتے تھے انہیں اپنے یہاں تقریبات میں مدعو کرتے اور کبھی کبھار ان کے یہاں خود جاتے، میری دانست کے مطابق مدنی پورہ بنارس، رہٹی ضلع جون پور، جیراج پور اعظم گڑھ اور بھدوہی وغیرہ سے ان کا بڑا گہرا تعلق تھا، جہاں ان کے عقیدت مندوں اور مجبین کا ایک بڑا حلقہ تھا۔ ان کی تربیت کا انداز بڑا اچھوتا تھا، بڑی شفقت سے طلبہ کی تربیت فرماتے تھے، اس لئے طلبہ ان کا غایت درجہ احترام کرتے تھے۔

حافظ صاحب کا ایک نمایاں وصف یہ تھا کہ وہ نہایت صاف گو تھے، لگی لپیٹ بات نہ خود کرتے نہ اسے سننا پسند کرتے تھے، بلکہ سلیقہ مندی سے غلط کو غلط کہہ دیتے تھے، اور اس معاملہ میں انہیں کسی کی پرواہ نہ ہوتی، جامعہ سلفیہ بنارس کے ذمہ داران و اساتذہ کی میٹنگوں میں جب اکثر اساتذہ چپی سادھے بیٹھے رہتے تھے تو موصوف جامعہ کے مفاد کے پیش نظر اپنا موقف پوری ایمانی جرأت کے ساتھ پیش کرتے اور چونکہ ان کا رویہ مخلصانہ ہوتا تھا اس لئے ذمہ داران بھی کبھی برانہ ماننے، بلکہ ان کی رائے کو بسا اوقات قبول بھی کرتے، حافظ صاحب ان خوبیوں کے ساتھ ایک اچھے منتظم بھی تھے، اس لئے جامعہ سلفیہ کے اکثر چھوٹے بڑے پروگراموں میں انہیں مہمانوں کے استقبال اور ضیافت کی ذمہ داری دی جاتی اور وہ اپنی ٹیم کے ساتھ یہ فریضہ خوش اسلوبی کے ساتھ انجام بھی دیتے۔

حافظ صاحب مجود قاری تھے، اس لئے ہندو نیپال میں حفظ قرآن و تجوید کے ملک گیر مسابقات میں وہ حکم کے طور پر مدعو کئے جاتے تھے، موصوف صرف ”حافظ جی“ نہیں تھے، وہ ایک مستند عالم، اچھے خطیب و واعظ بھی تھے اور بڑی سنجیدہ تقریر کرتے تھے، لکھنے کا بھی ہنر جانتے تھے، لیکن اس جانب توجہ نہیں فرما سکے، بہت پہلے ان کا کتا بچہ سیرت ابراہیمی پر شائع ہوا تھا جس کا عنوان تھا ”اور ابراہیم خلیل ہو گئے“۔

عملی زندگی میں قدم رکھنے کے بعد وہ جھنڈانگر میں آباد ہو گئے اور یہیں کے ہو رہے، ایک محتاط اندازہ کے مطابق چالیس پینتالیس سال وہ جامعہ سراج العلوم کے مختلف رہائشی مکانات میں بہ طور کرایہ دار رہے، اور ایک زمانہ تک انہیں سرچھپانے کے لئے مکان بنانے کا موقعہ نہ ملا، تقریباً دس سال پہلے انہوں نے اپنے ہم زلف حاجی عبدالصبور انصاری کے تعاون سے انہیں کے پڑوس میں ایک زمین حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی اور پھر تنگے جمع کر کے اس پر اپنا آشیانہ بنا لیا اور سالوں کا ان کا خواب شرمندہ تعبیر ہو گیا، اور پھر اپنے اسی مکان میں انہوں نے آخری سانس لی۔

تقریباً ایک سال پہلے بنارس میں انہیں دل کا دورہ پڑا، اور وہاں فوری طور پر علاج ہوا اور کچھ افاقہ کے بعد گھر آ گئے، پھر انہیں لکھنؤ لاری کارڈیا لوجی لے جایا گیا اور وہاں کا علاج چلتا رہا اور اتنا افاقہ ہوا کہ وہ مسجد تک آنے جانے لگے، ناگپور سے انہوں نے کچھ دوائیں لیں مگر صورت حال یہ ہو گئی کہ ۔

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

آخری ایک مہینہ میں کافی کمزور ہو گئے تھے اور خود سے اٹھنا بیٹھنا بھی ممکن نہ تھا، ان کے بچوں نے پوری توجہ کے ساتھ خدمت کی، مگر وقت موعود آ پہنچا اور ایک باغ و بہار اور سراپا فیض شخصیت ہمارے درمیان سے رخصت ہو گئی، نماز جنازہ میں علماء اور عوام کا بڑا اثر و حاکم تھا، جامعہ سلفیہ سے شیخ اسعد اعظمی، مکتبہ سلفیہ کے ذمہ دار مولانا معین الدین سلفی، حفظ کے تقریباً تمام اساتذہ اور بنارس کے کئی حضرات کے علاوہ مولانا عبدالشکور اثری اپنی سنگین بیماری کے باوجود شریک جنازہ ہوئے، حافظ صاحب کے دیرینہ رفیق ماسٹر احمد حسین بستوی سابق استاد جامعہ سلفیہ اور ان کے ہم زلف مولانا محمد عیسیٰ سلفی صاحبان نے بھی جنازہ میں شرکت کی، ان کے علاوہ ہندو نیپال کے اضلاع سدھارتھ نگر، بلرام پور، کپل و ستوور و پندرہ بیہی کے مدارس کے ذمہ دارن اور اساتذہ و طلبہ نے بڑی تعداد میں شرکت کی، نماز جنازہ ۱۲ ستمبر بروز بدھ بوقت ۹ بجے صبح ان کے بیٹے مولوی عبدالعلی عالیاوی سلمہ اللہ نے پڑھائی اور جھنڈانگر کے قبرستان میں آسودہ خواب ہوئے، ان کے پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ ان کے بیٹے حافظ عبدالولی، مولوی عبدالعلی، حافظ عبدالقوی، عبدالحئی، عبدالعلیم اور حافظ عبدالآخر کے علاوہ بیٹیوں، پوتے، پوتیوں اور نواسے نواسیوں سے بھرا پراخاندان ہے، اللہ سب کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور حافظ صاحب کی مغفرت فرمائے۔ (آمین) اللھم اغفرلہ وارحمہ واعف عنہ واکرم نزلہ وادخلہ الفردوس الاعلیٰ من الجنة وأمطر علیہ شأبیب رحمتک یا أرحم الراحمین۔



مشہور مقری حافظ عبدالحکیم فیضی رحمہ اللہ

وفات ستمبر ۲۰۱۸ء

عبدالحکیم عبدالمعجود المدنی

بڑے دکھ کی بات ہے کہ آج ۱۱ ستمبر بروز سوموار ۱۱ بجے دن کو جماعت اور جامعہ سلفیہ بنارس کے ایک عظیم و قدیم استاذ اور مشہور قاری و حافظ جناب عبدالحکیم فیضی، جھنڈانگری ہم سے رخصت ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، اللہ غریق رحمت فرمائے اور کروٹ کروٹ جنت میں جگہ عطا فرمائے آمین۔ موصوف کئی نسلوں کے مربی، محفظ اور معلم قرآن تھے اور برسوں سے مرکزی دارالعلوم بنارس میں خدمات انجام دے رہے تھے، کئی دہائیوں پہلے غالباً بنارس سے قبل آپ نے کئی سالوں تک ہمارے آبائی وطن موضع ملکہیا سدھارتھ نگر میں واقع مدرسہ بحر العلوم میں بھی تدریسی خدمات انجام دی ہیں، ہمارے خاندان کے آج ۵۰ سے اوپر عمر والے اکثر افراد کو آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہوگا، مسلسل آپ کا ہمارے یہاں آنا جانا تھا، خاص طور پر ابا مرحوم سے بے حد گہرے روابط تھے، جس کی وجہ سے ہم لوگ جامعہ سلفیہ میں آپ کی ہی سرپرستی و نگرانی میں تعلیم حاصل کرتے تھے، انتہائی سنجیدہ، باوقار، نفاست پسند، خوش گفتار اور خوش اخلاق، متدین و ایماندار، اور مخلصانہ و ہمدردانہ طبیعت کے مالک تھے، جہاں بھی رہے علماء و طلباء کے بے حد قدردان رہے اور پوری شان و شوکت اور مومنانہ طرز زندگی کا نمونہ بنے رہے، ٹرین کا سفر ہو یا چھٹیوں کا موسم یا جامعہ سلفیہ کے تعلیمی مراحل ہر جگہ اور ہر آن آپ ہمیشہ اپنی مشفقانہ طبیعت سے ہمارے دلوں کو جیت لیا کرتے تھے، جھنڈانگری اور بڑھنی کا بازار ہو یا سراج العلوم کا وسیع صحن یا بڑھنی کا پرانا اسٹیشن اور پلیٹ فارم یا پھر بنارس کے مشہور اہل حدیث محلات ہر جگہ اپنے خوب رو اور وجیہ چہرے اور خوبصورت نفیس لباس اور حلیہ و صحت مند و توانا جسم سے پہچان لئے جایا کرتے تھے، ہمیشہ ہم طلبہ کو آپ نے اخلاص، محبت اور تعلیم میں محنت و جدوجہد کی نصیحت کی، اور خیر و بھلائی کی زندگی گزارنے اور اس پر پابندی سے جینے اور مرنے کی وصیت فرمائی، جب بھی ملے اول آن میں نام گاؤں سے پہچان لیتے، اور ہمیشہ گاؤں خاندان اور قرب و جوار کے لوگوں کو ایسے پوچھتے جیسے کہ سب کے نام و نسب اور پتے نوک زبان پر ہوں، جامعہ سلفیہ بنارس کے علاوہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے مسابقہ حفظ قرآن میں اکثر و بیشتر لجنہ التحکیم میں مدعو کئے جاتے، انتہائی زندہ دل اور حساس طبیعت کے مالک تھے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابھی بنارس سے جھنڈانگری بڑھنی پہنچے ہیں اور اسٹیشن و مال گودام روڈ، سے پوری آن بان سے اپنے گھر جا رہے ہیں۔ مگر موت سے کس کو رستگاری ہے، کافی سالوں سے عارضہ قلب کے شکار ہو گئے تھے، علاج و معالجہ چل رہا تھا، پچھلے سال گھر پر عیادت کا موقع ملا تھا، بلا چائے پئے جانے پر بصد ہو گئے، اور کوئی عذر و معذرت کام نہ آئی، ادھر دو تین دنوں سے پھر طبیعت کی ناسازی کی خبریں مل رہی تھیں، کسے پیتے تھا کہ پھر ملاقات نہ ہوگی، بہر حال وقت موعود آ پہنچا اور بلا آخر آج صبح ۱۱ بجے اللہ کو پیارے ہو گئے، اللہم اغفر له وارحمہ وأسکنہ الفردوس۔

پسماندگان میں آپ کے بچے عزیزان گرامی عبدالعلی، عبدالقوی و دیگر افراد خانہ، آپ کے داماد مولانا ریاض سلفی اوزہوا، جھنڈانگری اور قرب و جوار کے آپ کے تمام محبین اور جملہ شاگردان اور سب رشتہ داروں کو اللہ صبر و سکون عطا فرمائے اور حافظ صاحب کی مغفرت فرمائے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ آمین تقبل یارب العالمین۔

□□□

آہ! ڈاکٹر عبدالریان انصاری، پنجاب

وفات ۱۵ ستمبر ۲۰۱۸ء

منصور عالم کار گزار ناظم اعلیٰ صوبائی جمعیت اہل حدیث پنجاب
ڈاکٹر عبدالریان انصاری صاحب رحمہ اللہ سابق ناظم و سابق امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث پنجاب ان
غیور، بے باک اور صریح موقف و شان بان والے آدمی تھے جو کسی سے مرعوب ہونا نہیں جانتے تھے، جمعیت
و جماعت کی بھلائی و بہی خواہی ہمیشہ پیش نظر رہتی تھی، دینی و جماعتی معاملے میں ادنیٰ ہیر پھیر نہ جانتے تھے اور نہ
ہی اسے برداشت کرتے تھے۔ دین کے نام پر سیاست اور جماعت کی ہمدردی کے نام پر جتنی لغویات
اور لالیعنیات بکے اور کہے جاتے تھے، ان سے سخت نفرت فرماتے تھے۔ زمینی آدمی تھے اور جماعت و ملت کو
سمجھتے تھے اور اس میں گہری جانکاری و دلچسپی رکھنے کی وجہ سے حقائق اور سچائیوں پر نظر تھی۔ اس لئے ان
سر پھروں اور زبانی جمع خرچ کرتے رہنے والے مصلحین و مفسدین کو یہی نہیں کہہ سکتے تھے بلکہ ان کو منہ توڑ
اور مسکت جواب دیتے تھے۔ ان کے بعض بہت قریبی جن کو قلم پکڑنے کا قدرے شعور آ گیا ہے اور بعض عالمی
منظمات و جمعیات و اقوام پر ادھر ادھر سے کچھ جمع کر دینے کا گریس لہنے کو اپنی علمی و فکری معراج کی انتہا مانتے
ہیں، ان کے بارے میں فرماتے تھے کہ ان اقوام و جماعت کی جن سازشوں کا تذکرہ ہمارے بعض عزیز کرتے
ہیں، لگتا ہے وہ ان ہتھکنڈوں کو بلا وجہ جماعت و جمعیت اور شخصیات کے لئے استعمال کرنا ضروری سمجھتے ہیں،
اس لئے ان کو مسکت اور کرار جواب دے کر راحت محسوس کرتے تھے۔ نصیحت بھی فرماتے تھے اور تعصبات
کے بدبودار ملعون ہونے کی وجہ سے بچنے کی تعلیم و تلقین فرماتے تھے۔

شکر نگر کی زرخیز مگر غضب انگیز بستی کے معزز باشندے ہونے کے باوجود مسائل کو خوب پرکھ کر سنجیدہ
موقف اختیار کرتے اور اسی میں جماعت و جمعیت اور منہج کتاب و سنت کی بھلائی سمجھتے تھے۔ ان سلبیات سے
کو سوں دور و نفور تھے جو آج کل مصلح نما مفسدوں، عالم نما جہلا اور خیر خواہ نما بدخواہوں سے آئے دن سرزد
ہوتے رہتے ہیں۔ ہر تعمیر میں تخریب فرمائی کہ اس کا وجود ختم ہو کر رہ جائے آج ناقدین کا شیوہ بنتا جا رہا ہے۔
گویا وہ ناقد و مصلح نہیں تخریب کار اور فسادی ہوں۔ ایسے وقت میں ڈاکٹر صاحب جیسے لوگوں کی کیا اہمیت
و ضرورت تھی وہ کام کرنے اور کرانے والے ہی جانتے ہیں۔ وہ یہی نہیں کہ جمعیت کے کاموں میں دست و بازو
بنتے تھے بلکہ معاون و مددگار کے ساتھ ہتھیار اور تلوار برسر گردن اشرار بھی رہتے تھے۔ جماعت و جمعیت کے

کاموں سے انتہائی دلچسپی، لگن اور محنت کے ساتھ ساتھ دونوں ہاتھوں سے خرچ بھی کرتے تھے۔ وہ اس بات کے حق دار و سزاوار ہیں کہ ”اذ کرو احسان موتا کھ“ کے پیش نظر بھی ان کے متعلقین ان کے سلسلے میں لکھیں۔ خوشی ہے کہ عزیز مکرم جناب منصور عالم صاحب کار گزار ناظم صوبائی جمعیت اہل حدیث پنجاب نے اپنے مضمون میں ان کی زندگی کے کئی اہم گوشوں پر مختصراً روشنی ڈالی ہے، جسے ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے۔ الغرض خدا بخشنے بڑی ہی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔ اللہ مغفرت فرمائے، پسماندگان خصوصاً صاحبزادگان انور انصاری صاحب اور اکمل انصاری صاحب اور صاحبزادی کو ان کے لئے صدقہ جاریہ بنائے اور جماعت و جمعیت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین اللہم اغفر لہ وارحمہ واعف عنہ (ادارہ ترجمان)



ڈاکٹر عبدالدیان رحمہ اللہ سے میری پہلی ملاقات قریباً ۱۵ سال پہلے ہوئی تھی۔ جب ان کا ٹرانسفر جھٹ گاؤں میں ہوا تھا۔ جو مالیر کوٹلہ سے ۲۰ کلومیٹر فاصلے پر ہے۔ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ جمعۃ المبارک کی نماز کے لئے اکثر جامع مسجد اہل حدیث تشریف لاتے تھے، اور بہت سے لوگوں سے ملاقات بھی ہو جاتی تھی۔ جماعت و جمعیت کے لوگوں سے بڑے پرتپاک سے ملتے تھے۔ چونکہ میری دواؤں کی دوکان ہے وہ ہمیشہ نماز جمعہ کے بعد اپنی اور اپنے اہل خانہ کی دوائیں مجھ سے ہی خریدتے تھے۔ انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ یہاں آنے سے پہلے ان کی بائی پاس سرجری ہو چکی ہے اور اکثر ان کی دوائیں بھی اسی تعلق سے ہوتی تھیں۔

ڈاکٹر عبدالدیان انصاری رحمہ اللہ کا آبائی وطن شکر نگر ضلع بلرام پور صوبہ اتر پردیش تھا۔ آپ نے ابتدائی دینی اور دنیاوی تعلیم گاؤں میں ہی حاصل کی اور انٹر کی تعلیم کے لئے بلرام پور چلے گئے اور آپ نے بی یو ایم ایس کی ڈگری طبیہ کالج پٹنہ بہار سے امتیازی نمبروں سے حاصل کی۔ ڈاکٹر عبدالدیان انصاری رحمہ اللہ پہلی مرتبہ پنجاب میں اپنی نوکری کے سلسلے میں ہی آئے تھے اور ان کا تقرر میڈیکل آفیسر یونانی کے طور پر ہو گیا۔ بعد ازاں پنجاب گورنمنٹ کی شرائط کے مطابق پنجابی مضمون دسویں جماعت کے اسٹینڈرڈ کا پاس کیا۔ اور اس طرح آپ پنجاب سرکار کے صحت محکمہ کے مستقل موظف ہو گئے۔

ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ایسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو خرافات، بدعات اور دنیاوی رسموں سے کوسوں دور تھا۔ آپ میں دین اور شریعت کی صحیح تصویر عام لوگوں تک پہنچانے کی تڑپ تھی۔ بدعات کے آپ سخت خلاف تھے۔ ہمیشہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راہ مستقیم پر چلنے کی تلقین کرتے تھے۔ جن پر چلنے پر ہی ایک سچے و پکے مسلمان کو منزل مل سکتی ہے۔

آپ نے پنجابی کا دسویں جماعت کا مضمون پاس کیا تھا۔ اس لئے آپ پنجابی زبان بہت اچھی طرح بولتے تھے اور پنجابی گورکھی لپی میں لکھ بھی لیتے تھے۔ آپ نے قرآن شریف کے پنجابی ترجمے کی پروف ریڈنگ کی۔ آپ نے سلفی العقیدہ پنجابی زبان میں نماز کے کتابچے اور بہت سی دوسری مستند کتابوں کی پروف ریڈنگ اور ایڈیٹنگ کی۔ ان سب کتابوں کو عالم اسلام کے معروف اشاعتی ادارے دارالسلام ریاض، سعودی عربیہ نے شائع کیا۔ اللہ آپ کو اس کام کے لئے صدقہ جاریہ کا حصہ ضرور بنائے گا۔ ان شاء اللہ۔

ڈاکٹر عبدالدیوان انصاری رحمہ اللہ نے ۲۰۰۳ء میں ریٹائرمنٹ کے بعد مالیر کوٹلہ کو ہی اپنا مسکن بنایا۔ ڈاکٹر صاحب کی قابلیت اور اہلیت کو دیکھتے ہوئے آپ کو پہلے جمعیت اہل حدیث پنجاب کا ناظم اعلیٰ بنایا گیا۔ اس ذمہ داری کو انہوں نے بڑے ہی احسن طریقے سے نبھایا۔ آپ نے معاشرے کے سبھی لوگوں کو جمعیت اہل حدیث پنجاب کا فارم بھر کر ممبر بنایا۔ اور اسلامی تنظیموں میں کام کرنے کی ترغیب دلائی اور ان کی افادیت اور اہمیت کو لوگوں کے سامنے رکھا۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے اسلامی لٹریچر منگوا کر لوگوں میں مفت تقسیم کئے۔ تاکہ لوگوں میں دین کے تئیں بیداری پیدا ہو اور سماج میں لوگوں کے پیدا کردہ رسومات و خرافات سے امت مسلمہ بچے۔ پنجاب میں اردو نہ جاننے والوں کے لئے قرآن شریف پنجابی ترجمے کے ساتھ مفت تقسیم کئے، نماز کی مختصر کتابیں گورکھی رسم الخط میں شائع کیں جو مفت تقسیم کی گئیں۔

ڈاکٹر عبدالدیوان انصاری رحمہ اللہ بہت ہی آسان اور سادہ زبان میں لکھتے تھے ان کی تحریر میں روانی اور سلاست موجود تھی اور ان کی زبان میں شگفتگی اور چاشنی بدرجہ اتم موجود تھی۔ پڑھنے والا ان کے خط اور تحریر کو پڑھ کر لطف اندوز ہوتا تھا۔ گرچہ وہ شاعر اور ادیب نہیں تھے۔ پھر بھی ان کی بیسویں صدی کے شاعر اکبر الہ آبادی کے مزاحیہ اشعار، ڈاکٹر علامہ اقبال کے فکر انگیز اشعار اور کبیر کے دوہے زبانی یاد تھے۔ اکثر ہم لوگوں کو وہ بر محل شعر سنا کر مخطوظ کیا کرتے تھے۔

ڈاکٹر عبدالدیوان انصاری رحمہ اللہ آخری دنوں میں جماعت اہل حدیث پنجاب کے امیر تھے۔ پچھلے کچھ عرصے سے وہ متواتر بیمار چلے آ رہے تھے۔ کئی ڈاکٹروں اور معالجوں کے مشورے کے بعد بھی طبیعت سنبھل نہیں رہی تھی۔ ناساز طبیعت ہوتے ہوئے بھی وہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی میٹنگوں اور پروگراموں میں تواتر سے شامل ہوتے تھے۔ آپ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی مجلس شوریٰ اور مجلس عاملہ دونوں کے ممبر تھے۔ مرکز میں آپ کی علمیت اور دوراندیشی کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اور اکثر ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے مختلف امور پر مشورہ بھی طلب کیا جاتا تھا۔ ان سب باتوں سے ان کی قدر و منزلت کا پتہ چلتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اپنی بیماری کی پریشانی کو تو برداشت کر رہے تھے اور ساتھ ہی وہ جمعیت اہل حدیث پنجاب کے کار کے بارے میں بھی فکر مند رہتے تھے۔ انہوں نے اپنے انتقال سے دو مہینے قبل اپنا استعفیٰ مجھے بھیج دیا تھا۔ اور دوسری طرف جمعیت اہل حدیث پنجاب کی میقات بھی پوری ہونے والی تھی۔

آخر موت پر کس کا زور ہے۔ اپنی طویل علالت کے بعد ڈاکٹر صاحب ۱۵ ستمبر ۲۰۱۸ء بعد دو پہر تین بجے اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون، انتقال کے وقت ان کی عمر تقریباً ۶۸ سال تھی۔ آپ ۱۵ فروری ۲۰۰۷ء کو اپنے محکمہ سے ریٹائر ہوئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے پسماندگان میں بیوہ کے علاوہ بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ جمعیت اہل حدیث پنجاب غم کی اس گھڑی میں پسماندگان، متعلقین اور سوگواران سے اظہار تعزیت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی لغزشوں کو معاف کرے اور ان کے درجات بلند کرے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ اور جملہ ارکان و لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

(جریدہ ترجمان ۱۵-۱۸ ستمبر ۲۰۱۸ء)



مدرسہ احمدیہ سلفیہ آرہ کے ناظم اعلیٰ جناب ضیاء الحسن صاحب کا انتقال پرملا

وفات اکتوبر ۲۰۱۸ء

شیخ اصغر علی امام مہدی سلفی

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے جاری ایک اخباری بیان کے مطابق مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے ہندوستان کی قدیم ترین دینی و تعلیمی درسگاہ احمدیہ سلفیہ آرہ بھوجپور، بہار کے ناظم اعلیٰ جناب ضیاء الحسن صاحب کے انتقال پر گہرے رنج و افسوس کا اظہار کیا ہے اور ان کی موت کو قوم و ملت کا بڑا خسارہ قرار دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ضیاء الحسن صاحب جن کا انتقال پرملا کل شام آٹھ بجے عمر ۸۰ سال ہو گیا، اپنی خاندانی وجاہت، انتظامی قابلیت اور علمی ترقی کی وجہ سے خاص و عام میں کافی معروف و مشہور تھے اور معززین شہر میں شمار ہوتے تھے۔ آپ جین کالج آرہ میں فزکس کے ڈیپارٹمنٹ کے پھر کتاب و سنت کی نشر و اشاعت اور دینی تعلیم و تربیت کے فروغ کی طرف متوجہ ہوئے۔ مدرسہ احمدیہ سلفیہ آرہ جو کہ ہندوستان کی قدیم ترین دینی تعلیمی اقامتی درسگاہ اور بزرگوں کی یادگار ہے۔ جس کی بنیاد یکتائے روزگار علامہ محدث ابو محمد ابراہیم آروی رحمہ اللہ نے ڈالی تھی اور جہاں اہم علمی اور تاریخی سالانہ اجتماع ”مذاکرہ علمیہ“ کا آغاز کیا تھا جس میں ہندوستان کے اکابر علماء و دانشوران شریک ہوتے تھے اور اس شرکت کو اپنے لئے سرمایہ امتیاز اور علم و ثقافت کی اعلیٰ سند گردانتے تھے اور اسی تاریخی تعلیمی دعوتی مرکز میں ۱۹۰۶ء کو سلفیان ہند کی متحدہ مرکزی تنظیم مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند (آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس) کا قیام عمل میں آیا تھا، اور اسی تاریخی مذاکرہ علمیہ میں مرکزی تنظیم مرکزی جمعیت کی سالانہ رپورٹ پیش کی جاتی تھی۔ مرحوم ضیاء الحسن صاحب نے تقریباً پچاس سال قبل اس مدرسہ کی نشاۃ ثانیہ کے لئے اس حال میں کوشش کی جب ادارہ مکمل طور پر دست برد زمانہ کا شکار ہو چکا تھا، اس کا نام و نشان تک مٹ چکا تھا اور یگانہ زمانہ اور عالم میں روزگار اور یادگار اور منتخب و مختاریہ مرکز علم و عمل قصہ پارینہ بن چکا تھا۔ مرحوم نے اسے زندہ و پائندہ بنا دیا۔ اور تعمیر و ترقی کی راہ پر توفیق الہی گامزن کر دیا۔ جو ان سب کے لئے صدقہ جاریہ بھی ہے اور یادگار بھی، اللہ اسے دن دوئی رات چوگنی ترقیات سے نوازے۔ آمین۔ مرحوم تادم واپس اس کی تعمیر و ترقی میں لگے رہے اور ان کے دست راست و ہمد و ہمراز نور علی آروی نوجوانی سے ہی ان کے شانہ بشانہ کھڑے رہے۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ اس کی تعمیر و ترقی کے لئے مرحوم ضیاء الحسن صاحب کے زیر سایہ وزیر قیادت منتظم کار مہتمم، اور اول دستہ اور ہدی خواں بنے رہے۔ بلاشبہ مدرسہ احمدیہ سلفیہ آرہ آپ کے لئے ”او علم ینتفع بہ“ کے مصداق صدقہ جاریہ ہے۔ جس میں سینکڑوں طالبان علوم نبوت کتاب و سنت کا علم حاصل کر رہے ہیں۔ امیر محترم نے مزید کہا کہ ضیاء الحسن صاحب کی دینی وابستگی اور دینی علم سے رغبت ہی کا اثر تھا کہ انہوں نے اپنے بچوں کو عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم و تربیت سے آراستہ کرایا۔ سب نیک ہیں۔ آپ کے فرزند ارجمند مولانا ابونا ناصر

رضاء الحسن سلفی ومدنی صدر مدرسہ احمدیہ سلفیہ آ رہ و حال مقیم دینی مرکزی دارالعلوم جامعہ سلفیہ بنارس پھر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے فارغ التحصیل ہوئے جو دین و ملت کی عظیم خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اور اپنے اسلاف کی یادگار کتاب و سنت کے علمبردار اور اپنے والد محترم کے ذریعہ نشاۃ ثانیہ سے دوچار کئے ہوئے ادارہ کی تعمیر و ترقی میں شب و روز کوشاں ہیں۔

امیر محترم نے کہا کہ جناب ضیاء الحسن صاحب کے مجھ سے ذاتی روابط تھے اور وہ مجھ سے حسن عقیدت رکھتے تھے۔ افسوس کہ ان دنوں انگلستان میں پڑا ہوا ہوں اور ان کے انتقال کی خبر تاخیر سے موصول ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کی خدمات کو قبول کرے، ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائے، ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے، پسماندگان خصوصاً صاحبزادگان اور صاحبزادی کو صبر جمیل کی توفیق ارزانی فرمائے اور مدرسہ احمدیہ سلفیہ اور اس کے ذمہ داران، اساتذہ اور طلباء اور جماعت و ملت کو ان کا نعم البدل عطا کرے۔ آمین۔ پسماندگان میں بیوہ کے علاوہ پانچ صاحبزادے مولانا رضاء الحسن سلفی، محبوب الحسن، عین الحسن، منیر الحسن، ثناء الحسن اور ایک بیٹی اور پوتے پوتیاں ہیں۔ نماز جنازہ آج بعد نماز ظہر آپ کے صاحبزادے مولانا رضاء الحسن سلفی نے پڑھائی اور قبرستان روضہ محلہ آ رہ میں تدفین عمل میں آئی۔ (جریدہ ترجمان ۱۵-۱۸ نومبر ۲۰۱۸ء)



مولانا عبدالحفیظ سنابلی رحمہ اللہ سدھارتھ نگر

وفات نومبر ۲۰۱۸ء

مولانا جمیل احمد سنابلی

ابوالکلام آزاد اسلامک اوپیننگ سنٹر، نئی دہلی کے اعلیٰ تعلیمی ادارہ جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی کے ایک ہونہار فارغ التحصیل مولانا عبدالحفیظ بن محمد یونس سنابلی تقریباً ۴۳ سال کی عمر میں اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

عبدالحفیظ صاحب کا تعلق ضلع سدھارتھ نگر، یوپی کے مشہور گاؤں ٹکریا سے تھا، ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ کے مدارس سے حاصل کرنے کے بعد جامعہ اسلامیہ سنابل کا رخ کیا اور یہیں سے ۱۹۹۶ء میں سند فضیلت حاصل کی نیز آپ نے جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی سے ڈپلومہ، ایڈوانس ڈپلومہ اور دہلی یونیورسٹی سے عربی میں ایم۔ اے۔ کیا بعد ازاں ایم۔ اے۔ انگلش میں داخلہ لیا لیکن خرابی صحت کی وجہ سے اسے مکمل نہ کر سکے۔ ۱۹۹۹ء سے ۲۰۰۸ء تک موضع ہٹوا، الہ آباد میں تدریسی خدمات انجام دیں، ۲۰۰۹ء سے ۲۰۱۴ء تک سعودی سفارت خانہ، نئی دہلی کے ملحق ثقافتی اور اس کے بعد ۲۰۱۸ء تک عراقی سفارت خانہ، نئی دہلی میں کام کیا۔ عبدالحفیظ صاحب رحمہ اللہ متین، سنجیدہ، ملنسار، خوش طبع، مخلص اور باوقار شخصیت کے حامل تھے، اہل علم اور حلقہ احباب میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

موصوف کی طبیعت ۲۰۱۶ء سے ہی خراب چل رہی تھی۔ اس دوران ہولی فیمیلی ہاسپٹل، نئی دہلی، پنت ہاسپٹل، نئی دہلی میں زیر علاج رہے اور پھر ایمس ہاسپٹل، نئی دہلی میں علاج کے دوران مختلف اوقات میں ان کے لیور کے پانچ آپریشن ہوئے، آخری آپریشن ۱۴ اگست ۲۰۱۸ء کو ہوا جس کے بعد طبیعت بگڑتی چلی گئی اور بالآخر ۱۲ نومبر بروز پیر بعد صلاۃ مغرب ۶ بج کر ۲۰ منٹ پر انتقال

کر گئے۔ اگلے دن بعد صلاۃ ظہر جامعہ اسلامیہ سنابل کے وسیع میدان میں ان کی صلاۃ جنازہ ادا کی گئی۔ صلاۃ جنازہ ان کے چچازاد بھائی مولانا عبدالشکور صاحب رحمانی حفظہ اللہ نے پڑھائی۔

پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ تین بیٹے اور دو بیٹیاں، والدہ، چار بھائی اور تین بہنیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ سارے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازے اور بچوں کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور عبدالحفیظ صاحب رحمہ اللہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین ۱۲ نومبر کو بعد صلاۃ عصر سنٹر کے صدر مولانا محمد رحمانی سنابل مدنی حفظہ اللہ اپنے بعض رفقاء کار کے ساتھ عبدالحفیظ صاحب کی عیادت کے لئے ان کے گھر گئے، عیادت کے بعد واپس اپنے گھر پہنچے ہی تھے کہ انتقال کی خبر ملی۔ صدر محترم اور ادارہ کے دیگر ذمہ داران پسماندگان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ (التبیین نومبر ۲۰۱۸ء)



شیخ الحدیث مولانا مشتاق احمد قاسمی، بنگال

وفات نومبر ۲۰۱۸ء

اصغر علی امام مہدی سلفی

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے جاری ایک اخباری بیان کے مطابق مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے معروف عالم دین، اردو، ہندی اور بنگلہ کے خطیب اور مغربی بنگال کے قدیم تعلیمی و تربیتی ادارہ جامعہ اسلامیہ اصلاح المؤمنین سعید پور، دلیل پور، مالہ مغربی بنگال کے شیخ الحدیث مولانا مشتاق احمد قاسمی کے انتقال پر ملال پر گہرے رنج و غم کا افسوس کیا ہے اور ان کی موت کو علمی دنیا کا بڑا خسارہ قرار دیا ہے۔

انہوں نے کہا کہ مولانا مشتاق احمد قاسمی کو اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔ انہوں نے بتیس سالوں تک جامعہ اسلامیہ اصلاح المؤمنین مالہ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے خدمات انجام دی۔ وہ نئی نسل کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ اصلاح معاشرہ اور ردِ قادیانیت میں مصروف رہے۔ مورخہ ۱۷ نومبر ۲۰۱۸ء کو بعارضہ کینسر بصر ۵۶ سال مالک حقیقی سے جا ملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ گذشتہ کل بعد نماز ظہر تہیز و تکفین عمل میں آئی۔ جنازے میں ہزاروں لوگوں نے شرکت کی۔ پسماندگان میں والد، بیوہ، تین لڑکے اور پانچ بیٹیاں ہیں۔ امیر محترم نے افسوس جتاتے ہوئے کہا کہ مرحوم کے چھوٹے حقیقی بھائی مولانا محمد اکرام سلفی کا ایک سال قبل ہی انتقال ہو گیا تھا۔ جو ایک جواں سال متحرک عالم دین تھے اور جماعت و جمعیت اور خیر کے کاموں میں آگے آگے رہتے تھے، وہ میرے ہونہار شاگردوں میں سے ایک پیارے شاگرد تھے، اس لئے ان خانوادے سے میرا ذاتی طور پر تعلق و ہمدردی کا معاملہ رہا۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، خدمات کو قبول کرے، لغزشوں سے درگزر فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے، پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور جامعہ اسلامیہ اصلاح المؤمنین مالہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین۔

(جریدہ ترجمان ۱۵-۱۸ دسمبر ۲۰۱۸ء)



استاد محترم حافظ قاری مولانا عبداللہ فیضی مٹو کا سانحہ ارتحال

وفات ۱۱ دسمبر ۲۰۱۸ء

مولانا فیضان اشرف مٹو

برصغیر ہندوستان کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں لاتعداد مدارس قائم ہیں اور ان مدارس سے لاتعداد علماء فضلاء، حفاظ اور قراء پیدا ہو رہے ہیں اور کتاب و سنت کی آبیاری میں مشغول ہیں، کہیں کسی کے درس و تدریس میں مہارت کا ڈنک بج رہا ہے کہیں وعظ و تذکیر کی محفلیں جھی ہوئی ہیں اور کہیں کسی کے تصنیف و تالیف کے ہنگامے جاری ہیں گویا ہر کوئی علوم دینیہ حاصل کرنے کے بعد اس کی تبلیغ و اشاعت میں مشغول و مصروف ہے اور حق تعالیٰ نے جس کو جتنی زندگی دی ہے، وہ اسے خدمت دین میں لگا رہا ہے اور اپنی محدود زندگی گزار کر اس دار فانی سے کوچ کر رہا ہے اب تک میں نے جن اساتذہ کرام سے کسب فیض کیا ہے ان میں ۱۰ اساتذہ اس دار فانی سے کوچ کر چکے ہیں۔

۱۔ حافظ وقاری بشیر، مٹو (۲۰۰۳ء) ۲۔ ماسٹر اقبال جاوید، مٹو (۲۰۱۱ء) ۳۔ مولانا شمس البشر فیضی، مٹو (۲۰۱۳ء) ۴۔ مولانا اشفاق احمد مدنی، سدھارتھ نگر (۲۰۱۳ء) ۵۔ قاری عزیز اللہ مظاہری، مٹو (۲۰۱۳ء) ۶۔ علامہ رئیس الاحرار ندوی، بھٹیہا سدھارتھ نگر، یوپی (۲۰۰۹ء) ۷۔ ڈاکٹر حافظ مقتدی حسن ازہری، مٹو (۲۰۰۹ء) ۸۔ مولانا محمد حنیف فیضی مدنی، مغربی چمپارن، ۹۔ مولانا عبدالسلام مدنی، ٹکریا، سدھارتھ نگر، یوپی (۲۰۱۸ء) ۱۰۔ حافظ قاری مولانا محفوظ الرحمن مفتاحی، مٹو (۲۰۱۳ء)۔

اول الذکر پانچ اساتذہ کرام جامعہ عالیہ عربیہ مٹو کے اور موخر الذکر چار اساتذہ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کے اور ایک جامعہ مفتاح العلوم مٹو کے استاذ تھے، اللہ تعالیٰ ان اساتذہ کی قبروں کو نور سے بھر دے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

سب سے زیادہ صدمہ اس وقت ہوا جب ایک خوش مزاج اور ہمیشہ خنداں و فرحان رہنے والے استاذ صرف ۴۴ سال کی عمر میں موت کی آغوش میں چلے گئے اور اپنے متعلقین، احباب و رفقاء، اساتذہ، تلامذہ، اور اعزہ اور اقارب کو غم و اندوہ کے اتھاہ سمندر میں غرقاب چھوڑ گئے، مگر اس کو کیا کہیے!!! موت کا قانون ہمہ گیر ہے اس سے کوئی مستثنیٰ نہیں اور حسب فرمان الہی تمام مخلوقات کو (كُلُّ مَنْ عَلَيٰهَا فَاَن) ایک نہ ایک دن فنا ہو جانا ہے اور (كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ) ”ہر سانس لینے والے کو موت کا مزہ چکھنا ہے“۔

موت کے قانون کا پابند قانون حیات

موت کی زد میں بہر لحظہ ہے پوری کائنات

ہر چند کہ تقلید شخصی اسلامی روح کے منافی ہے مگر شخصیت فراموشی اور بڑوں کا احترام و اکرام نہ کرنا اسلامی اقدار کی پامالی ہے، اس

کے لئے علمائے دین اور صلحائے امت کا تذکرہ ضروری ہے تاکہ ان کے علم و عمل اور سیرت و کردار سے عبرت حاصل کر کے ہمیں سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق حاصل ہو اور ہم بھی ملک و قوم میں رشد و ہدایت کا کام کر سکیں اسی جذبہ نے راقم السطور کو ہمیں کیا کہ اپنے استاذ محترم کی حیات و خدمات کو جیٹہ تحریر میں لا کر اڈکڑوا تھائیں مَوْتًا كُمْ ”جانے والوں کا اچھے انداز میں تذکرہ کرو“ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو عملی جامہ پہنائیں۔

اور ہمیں معلوم ہے کہ سوانح نگاری اور تذکرہ نویسی کے لئے انتہائی محنت، قلبی تعلق، والہانہ وابستگی اور معلومات کی فراوانی سب کچھ ضروری ہے، صاحب تذکرہ سے عقیدت کے بغیر اس کا سوانحی خاکہ وجود میں نہیں آسکتا ہے۔ چونکہ استاذ محترم کا تعلق بنگال سے ہے اس لئے ان کے گھریلو حالات کے بارے میں بہت زیادہ معلومات نہیں، چند یادداشت جو میں نے زمانہ طالب علمی میں حافظ صاحب سے حاصل کی تھی اسی کو مختصراً سپرد قسط اس کر رہا ہوں، ع:

کہاں میں اور کہاں یہ راستے پیچیدہ پیچیدہ

تاریخ و مقام پیدائش: حافظ قاری مولانا عبداللہ فیضی رحمۃ اللہ علیہ صوبہ مغربی بنگال کے ایک مشہور ضلع مرشد آباد کے علاقہ راتوری (ڈائیں) میں ۲۵ مئی ۱۹۷۶ء کو پیدا ہوئے تھے، آپ کے والد کا نام عبدالستار اور دادا کا نام دوست محمد ہے، آپ کا آبائی پیشہ کھیتی باڑی ہے۔

تعلیم و تربیت: ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد علم و ادب کی سرزمین مونیاتھ بھجن تشریف لائے، سب سے پہلے مدرسہ دارالعلوم مونیاتھ شعبہ تحفیظ القرآن میں داخلہ لے کر اپنے سینے کو کلام الہی سے معمور کیا، وہیں سے حد و تجوید کی تعلیم حاصل کی، بعد ازاں قرآن و حدیث، فقہ اور عربی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے جامعہ اسلامیہ فیض عام مونیاتھ میں داخلہ لیا اور وہیں سے عالمیت اور فضیلت کی تعلیم مکمل کر کے ۲۰۰۱ء میں فراغت حاصل کی اس کے معاً بعد جامعہ محمدیہ کھید پورہ میں شعبہ تحفیظ القرآن میں مدرس مقرر ہو گئے۔ درس نظامیہ کے علاوہ آپ نے عربی فارسی الہ آباد بورڈ سے منشی، کامل، مولوی، عالم، فاضل، دینیات، فاضل ادب، فاضل طب اور فاضل معقولات کی ڈگریاں حاصل کیں۔

جامعہ محمدیہ مونیاتھ میں تدریس کے ایام میں ہی جامعہ مفتاح العلوم مونیاتھ کے بہت ہی معتبر استاذ حافظ وقاری، مولانا مفتی محفوظ الرحمن مفتاحی شاہی امام سے قرأت سبعہ کی تعلیم حاصل کی۔

اساتذہ کرام: آپ نے جامعہ اسلامیہ فیض عام کے جن مایہ ناز اساتذہ کرام سے تعلیم و تربیت پائی تھی ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: ۱۔ مولانا مفتی محفوظ الرحمن فیضی سابق شیخ الحدیث و شیخ الجامعہ، ۲۔ حافظ قاری مولانا نثار احمد فیضی، ۳۔ مولانا عبدالحمید فیضی ریاضی، ۴۔ مولانا عبدالغنی فیضی سلفی سابق شیخ الحدیث و شیخ الجامعہ، ۵۔ مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم عالی مدنی، ۶۔ مولانا مظہر علی فیضی مدنی شیخ الحدیث و شیخ الجامعہ، ۷۔ مولانا شکیل احمد اثری مدنی (م ۲۰۰۸ء)، مولانا نسیم اختر فیضی، ۸۔ مولانا حماد الرحمن سلفی ریاضی، ۹۔ مولانا زین العابدین فیضی سلفی، ۱۰۔ مولانا ابوسعید فیضی ریاضی حفظہم اللہ تعالیٰ وغیرہ۔ اللہ رب العالمین ان تمام اساتذہ کرام کا ہم پر

تادیر سایہ قائم رکھے اور ان کے علم سے ہم سب کو زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنے کی توفیق بخشے، آمین۔

ہم سبق علماء: آپ نے جامعہ اسلامیہ فیض عام مؤویں جن کے ساتھ کسب فیض کیا تھا ان میں سے مونا تھ بھجن کے علماء کرام کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ ۱۔ مولانا جمیل احمد فیضی، ۲۔ مولانا ماسٹر جاوید فیضی، ۳۔ مولانا محمد شعیب فیضی، ۴۔ مولانا شکیل احمد فیضی، ۵۔ مولانا فیاض احمد فیضی، ۶۔ مولانا مجاہد الاسلام فیضی بہار (متعلم جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ) حفظہم اللہ۔ اول الذکر صرف دوسا تھیوں کو اپنے مادر علمی کا مدرس بننے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ ان کے علاوہ یو پی، بہار، بنگال کے کئی ایک مولانا آپ کے رفیق درس تھے جن کے بارے میں معلومات نہیں ہو سکی۔

حافظ صاحب بحیثیت مدرس: آپ کی خوش قسمتی تھی کہ جس سال فارغ ہوئے اسی سال آپ کو جامعہ محمدیہ کھید و پورہ مؤویں شعبہ حفظ کا استاذ مقرر کر دیا گیا، اس وقت سے لے کر وفات تک معہد زید بن ثابت لتحفیظ القرآن الکریم کے عمید کے فرائض انجام دیتے رہے، ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔

جامعہ محمدیہ سے متصل مسجد پر ”معہد زید بن ثابت رضی اللہ عنہ لتحفیظ القرآن الکریم“ ہے اسی میں حافظ علیہ الرحمہ پڑھاتے تھے، اسی میں حافظ قاری مولانا ابوالفیض فیضی حفظہ اللہ بھی مدرس ہیں، دونوں آمنے سامنے بیٹھتے تھے اور ہم طلباء دونوں کے یمن و شمال حلقہ بنا کر بیٹھتے تھے، دونوں اساتذہ پہلے تمام طلباء کے اسباق باری باری سنتے تھے پھر سبق پارہ اور پھر آموختہ سنتے تھے قرآن سنانے میں ہم لوگ بھولتے یا غلطی کرتے تو وہاں لال چپی لگواتے تھے تاکہ دوبارہ غلطی نہ ہو، اس کے علاوہ اپنے شاگردوں کو جبراً نفل نماز پڑھوا کر تراویح اور فرض نمازوں کی امامت کرنے کی عادت ڈالتے تھے اور یہ بات واضح رہے کہ حفظ قرآن کے لئے اساتذہ اور طلبہ دونوں کے لئے دوہری محنت کی ضرورت پڑتی ہے، من جدّ وجد۔

آموختہ سننے کے بعد حافظ صاحب شعبہ عربی کے آخری جماعت کے طلبہ کو ایک گھنٹی مشق قرأت کرانے چلے جاتے پھر واپس آ کر تجوید کی کتاب پڑھاتے تھے۔ آپ کی محنت کا نتیجہ ہے کہ میں نے آپ کو روزانہ ایک پاؤ سبق اور آدھا پارہ آموختہ سنا کر چھ مہینہ میں مکمل حفظ قرآن کی سعادت حاصل کر لی تھی۔

تلامذہ: آپ نے اپنے پیچھے شاگردوں کا ایک ہجوم چھوڑا ہے جن کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہوگی، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صرف مؤویں کے ان طلباء کے اسمائے گرامی ذکر کروں جو میرے ہم عصر تھے: ۱۔ حافظ مولانا محمد عارف سلفی (داعی مہاراشٹر)، ۲۔ حافظ انور جمال اثری، ۳۔ حافظ مولانا عباس نوشاد عالی (متعلم شبلی نیشنل کالج اعظم گڑھ) ۴۔ حافظ قاری راشد جمال (متعلم جامعہ اسلامیہ دریا آباد)، ۵۔ حافظ محمد شعیب (سعودی عرب)، ۶۔ حافظ محمد آصف (قطر)، ۷۔ حافظ اختر (کیرالا)، ۸۔ حافظ قاری محمد آصف (کیرالا)، ۹۔ حافظ محمد حماد، ۱۰۔ حافظ مولانا فیصل فیضی (حیدرآباد)، ۱۱۔ حافظہ نعمہ خاتون وغیرہ۔ ان کے علاوہ بہار بنگال کے طلبہ کی کثیر تعداد ہے جن کے اسماء یاد نہیں ہیں۔

امامت و خطابت: حافظ صاحب نے فیض عام کے زمانہ طالب علمی ہی سے امامت شروع کر دی تھی، مؤویں جامعہ فیض عام

کے قریب عادل ہوٹل کے سامنے ”سبحانی مسجد“ میں پنج وقتہ پابندی سے امامت کرتے تھے، جامعہ محمدیہ سے منسلک ہونے کے بعد کھیدوپورہ محمدیہ کی مسجد میں امامت کرتے تھے، اس کے علاوہ حافظ ہونے کے بعد سے صرف پچھلے سال کو چھوڑ کر بلا ناغہ ہر سال تراویح کے فرائض چینی اور کیرالا وغیرہ میں انجام دیتے رہے ہیں، آپ منو کی مختلف مساجد میں گاہے بگاہے جمعہ کے خطبے بھی دیتے تھے، ایک خطبہ میں نے محمدیہ کی بڑی والی مسجد میں ”توکل“ کے موضوع پر سنا ہے خطاب کا انداز موثر اور ناصحانہ تھا۔ پہلے شہری جمعیت اہل حدیث کے ہفتہ واری پروگرام میں بھی شرکت کرتے تھے اور آپ کی تلاوت سے جلسے کا آغاز ہوتا تھا۔

معمولات زندگی: جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ آپ شعبہ حفظ کے استاذ اور ہاسٹل کے نگران تھے کلی طور پر شعبہ حفظ کی ذمہ داری آپ ہی کے سر پر تھی، صبح سے دوپہر تک تو طلباء کے سینوں میں کلام الہی اتارنے میں مصروف رہتے اس کے علاوہ طلباء کے داخلے کی کارروائی کرنا، ہاسٹل کی ذمہ داری کما حقہ ادا کرنا، طلباء کے رہن سہن، آنے جانے اور نمازوں میں حاضری وغیرہ دیکھنا پھر گھر کی ضروریات پوری کرنے کے لئے عصر بعد کھیدوپورہ سے پیدل چل کر مرزا ہادی پورہ جاتے اور گھر یلو ضروریات کے سامان لے کر پھر پیدل ہی مغرب سے پہلے پہلے آنے کی کوشش کرتے تھے اس کے علاوہ منو کے دوسرے اداروں میں سالانہ انعامی مسابقت کے موقع پر بحیثیت حکم اور امتحن بلائے جاتے تھے، آپ کے حسن اخلاق، پابند شریعت اور وجیہ شکل و صورت سے لوگ بے حد متاثر تھے اور لوگ آپ سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے، بیمار اور آسیب زدہ لوگ آپ کے پاس آتے تھے اور دعا کراتے تھے اور ان کی دعا سے لوگوں کو بڑی راحت اور شفا ملتی تھی۔

حافظ صاحب سے میرے روابط: فضیلت کرنے کے بعد ۲۰۰۹ء میں، میں نے جامعہ محمدیہ میں داخلہ لیا تھا آپ نے میرا داخلہ اپنے ہی پاس لیا تھا اسی وقت سے بحیثیت استاذ شاگرد تعلق قائم رہا، فراغت کے بعد موبائل کے ذریعہ ہر ہفتہ علیک سلیمک رہتا تھا، اپنی چھٹیوں میں بالمصافحہ ملاقات کرنے کے لئے مدرسہ ضرور جایا کرتا تھا اور آپ فارغین طلباء کی اسناد پر مجھ سے نام، پتہ اور نتیجہ وغیرہ کتابت کرواتے تھے، ۲۰۱۰ء میں کل ہند مرکزی جمعیت اہل حدیث کے مسابقتی میں شرکت کے لئے مدرسہ کی طرف سے مجھے بھیجا تھا، مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ للبنات منو کے سالانہ انعامی مسابقت میں ہم دونوں حکم کے فرائض بھی انجام دیے چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم دونوں نے کیرالا کے مختلف اضلاع کالی کٹ، مالا پورم، کنور، اور تلشیری وغیرہ میں تراویح پڑھائی ہے وہاں ملاقات کے وقت ایک ساتھ مارکیٹنگ کرتے، سمندر کا نظارہ کرتے اور وہاں کے طرح طرح کے کھان پان اور حالات پر تبصرہ کرتے تھے۔

حافظ صاحب کی زندگی: اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ حافظ صاحب کا آبائی وطن بنگال ہے مولانا شمیم احمد انصاری عمری (شیخ الجامعہ محمدیہ منو) کے بقول: ”حافظ صاحب بہت چھوٹے تھے تبھی منو آئے تھے ایک غریب گھرانے کے فرد تھے منو میں سبحانی مسجد پر امامت کرتے تھے، وہیں سے آپ کی قرأت سن کر فراغت کے بعد ہم لوگ اپنے ادارے میں لائے تھے“

زمانہ طالب علمی میں اور مدرس ہونے کے بعد شادی ہونے تک مدرسہ کے مطبخ ہی کے کھانے پر اکتفا کرتے تھے، زمانہ طالب علمی میں ہاسٹل ہی میں رہتے تھے اور مدرس ہونے کے بعد بھی محمدیہ ہی کے ہاسٹل میں رہتے تھے، جب مہمان خانہ بنا تو مہمان خانہ

میں رہنے لگے، شادی ہونے کے بعد جامعہ محمدیہ کی پرانی بلڈنگ جس میں اس وقت بچیوں کی تعلیم ہوتی ہے اپنی اہلیہ کے ساتھ رہنے لگے تھے جب آپ ۲۰۰۷ء میں مدرسہ ایجوکیشن بورڈ اتر پردیش کی طرف سے آپ کو درجات عالیہ کا مدرس منظور کر لیا گیا اور سرکار سے ایڈ ملنے لگی تو آپ کی تنگی اور پریشانی دور ہوگئی اور محلہ کھید پورہ سے متصل ایک وسیع زمین خرید کر بڑا مکان تعمیر کرایا جس میں آپ اپنی بیوی بچوں کے ساتھ رہنے لگے اور گاہے بگاہے آپ کے والدین، بھائی بہن اور دیگر رشتہ دار آکر رہتے تھے، اور سب کو عزت سے رکھتے تھے۔

آپ توسط اور اعتدال کو پسند فرماتے تھے، بخالت اور اسراف دونوں سے گریز کرتے تھے، کھانے پینے اور لباس میں بھی آپ معتدل رہتے تھے عموماً شلووار اور کرتا زیب تن کرتے تھے اور سفید گول ٹوپی پہنتے تھے جو نہ بہت اونچی ہوتی اور نہ بالکل سر سے چپکی، کپڑا نہ بہت معمولی ہوتا اور نہ ہی بہت مہنگا کبھی کبھی مخمل کی جناح کیپ بھی پہنتے تھے جاڑے کے موسم میں گول اون کی ٹوپی صدری اور کبھی جیکٹ بھی پہنتے تھے، آپ کی داڑھی لمبی اور گھنی تھی جس میں گاہے گاہے کنگھی کرتے تھے اور اس کی خاطر جیب میں کنگھی رکھتے تھے اور عطر کی شیشی بھی رکھ کر استعمال کرتے تھے، حسن کردار کے ساتھ ساتھ حسن خلق کی حامل بھی تھے، مخاطب کی زبان میں گفتگو کرتے تھے اردو والوں کے ساتھ اردو بولتے اور بنگلہ والوں کے ساتھ بنگالی بولتے تھے۔

آپ کا قدر میاں چہرہ بالکل صاف شفاف، گندمی رنگ کا تھا بڑے بڑے بال اور داڑھی کافی لمبی، گھنی اور کالی تھی مدرسہ میں سب سے بڑی داڑھی آپ ہی کی تھی، چہرے سے نورانیت ٹپکتی تھی اور حدیث نبوی ﷺ ”ولو ان تلقی أحماک بوجه طلق“ پر عمل کرتے ہوئے اپنا ہویا غیر سب سے مسکراتے ہوئے ملتے تھے، اور بات میں ادب و شائستگی ہوتی تھی۔

اورڈاکٹروں کے بقول ”۲۵ ہزار میں ایک کیس ایسا ہوتا ہے“ حافظ صاحب کی بڑی والی ہی کڈنی خراب ہوگئی تھی ڈائلیسس کا سلسلہ بنارس میں چلتا تھا جب کچھ طبیعت ٹھیک ہو جاتی تو تدریسی خدمات انجام دینے لگتے ادھر مہینہ پہلے جب بیماری کی وجہ سے چلنے سے معذور ہو گئے تو اپنے شاگرد اور بہنوئی حافظ مولانا فیصل فیضی کو اپنی جگہ پڑھانے کے لئے عارضی طور پر متعین کر دیا تھا، جب سے بیماری کی خبر ملی تھی بذریعہ فون خیریت پوچھتا رہتا تھا اور چار مرتبہ آپ کے گھر جا کر خیر خیریت لیا، آخری ملاقات آپ سے ۲۵ نومبر ۲۰۱۸ء کو اپنے ایک دوست اور ماموں زاد بھائی حافظ عارف سلمہ کی شادی کے موقع پر میں گیا تھا حافظ عارف کا گھر آپ کے پڑوس ہی میں ہے، اسی دن آپ سے آخری ملاقات آپ کے گھر پر ہوئی تھی، اس وقت بالکل نحیف ہو چکے تھے اٹھنے بیٹھنے سے بھی قاصر ہو چکے تھے اپنے بھائیوں کے سہارے ٹیک لگائے بیٹھے تھے اور بار بار مجھ سے صحت یابی کے لئے دعاؤں کی درخواست کر رہے تھے اور جب تک بیمار رہے جامعہ محمدیہ کے اساتذہ عیادت کے لئے ان کے گھر برابر جاتے رہے، خیریت لیتے، تسلی دیتے، جو بنتا مشورہ دیتے اور صحت یابی کی دعائیں کرتے آخر وقت میں ایسی کیفیت ہوگئی تھی کہ جو بیان کرنے سے باہر ہے، بالآخر ۱۱ دسمبر بروز منگل بعد صلاۃ مغرب جب میں اپنا واٹ شاپ کھولا تو ”حفاظ گروپ“ پر خبر ملی کہ حافظ عبداللہ فیضی فاطمہ ہاسپٹل میں انتقال کر گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اگلے دن ۱۲ دسمبر ۲۰۱۸ء بروز بدھ ایک بج کر دس منٹ پر قبرستان پچھم کھید پورہ میں آپ کے ہم سبق، شاگرد اور حقیقی بہنوئی حافظ قاری مولانا تفضل حق فیضی کی امامت میں نماز جنازہ اور تدفین عمل میں لائی گئی جس میں مؤ کے علماء طلباء اور خواص نے کافی

تعداد میں شرکت کی۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ حافظ صاحب اور مولانا تفضل حق دونوں کی فراغت جامعہ فیض عام سے ایک ہی ساتھ ہوئی ہے، فراغت کے بعد دونوں حضرات جامعہ محمدیہ آئے، حافظ صاحب بحیثیت استاذ اور مولانا تفضل حق بحیثیت شاگرد حفظ کرنے آئے تھے اور حافظ صاحب ہی کے پاس انہوں نے حفظ کیا تھا اور یہیں سے حافظ صاحب نے اپنی بہن سے رشتہ کی بات چلائی اور شادی بھی کر دی۔ استاذ محترم کے انتقال کے وقت میں لکھنؤ میں تھا جنازہ میں شرکت سے قاصر رہا لیکن میں اپنے استاذ محترم کے لئے ہمیشہ دعا کرتا رہوں گا۔ (اللہم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه واکرم نزلہ ووسع مدخلہ وادخلہ الجنة واعذہ من عذاب القبر وعذاب النار)

شادی اور اولاد: حافظ صاحب کی شادی مغربی بنگال کے ضلع بیربھوم میں محترم نجیب الرحمن صاحب کی دختر نیک اختر محترمہ منیرہ حقانی سے ہوئی جو اس وقت زیر تعلیم تھیں اور منوآ کر ”کلیہ خدیجۃ الکبریٰ“ میں عالمیت کی تعلیم حاصل کی اللہ نے آپ کو ایک لڑکی رباب عبداللہ اور دو لڑکے رشاد عبداللہ اور زیاد عبداللہ سے نوازا ہے جو باحیات ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بیچاری بیوہ اور اس کے بچوں کی حفاظت فرمائے اور پرورش کا راستہ آسان کر دے، آمین۔ اس کے علاوہ حافظ صاحب نے اپنے پیچھے بزرگ والدین، چار بھائی۔ ۱۔ کتاب الشیخ، ۲۔ مولانا ربیع الاسلام فیضی، ۳۔ مولانا عارف شیخ، ۴۔ مولانا شریف شیخ اور تین بہنوں کو چھوڑا ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔

اخلاق و کردار: حافظ علیہ الرحمہ بلند اخلاق کے عالم دین تھے، عمدہ ترین عادات و اطوار کے مالک تھے، تقویٰ شعار، نہایت متواضع اور ملنسار تھے، علماء طلباء سے بدرجہ غایت محبت رکھتے اور سب کی مہمان نوازی کرتے تھے اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ”وتقرا السلام علی من عرفتم ومن لم تعرف“ پر عمل کرتے ہوئے راستہ گزرتے تو سب سے سلام کرتے تھے، نرم کلام اور شیریں گفتار تھے چہرے پر ہمیشہ تبسم رہتا تھا، زمانہ طالب علمی میں طلباء کو تنبیہ کے دوران کبھی غلط الفاظ استعمال کرتے ہوئے میں نے نہیں سنا البتہ کبھی کبھی اسباق یاد نہ ہونے پر ڈسک سے تیلی چھڑی نکالتے تھے لیکن معمولی سزا دیتے تھے، آپ کے اندر خشیت الہی کا غلبہ تھا جس سال ہم لوگ فارغ ہوئے تھے نانا محترم مولانا اعظمی حفظہ اللہ (سابق شیخ الحدیث و شیخ الجامعہ عالیہ عربیہ منو) نے محمدیہ کی دوسری منزل پر بڑے والے ہال میں جس میں ناظرہ قرآن والے بچے پڑھتے ہیں، ہم فارغ ہونے والے طلباء کو تقریباً ایک گھنٹہ ”قرآن کی فضیلت اور حفاظت کا مقام و مرتبہ“ کے عنوان پر درس دیا تھا، اس درس کو سن کر حافظ صاحب رو پڑے تھے۔

ایک مرتبہ میں اور مولانا سفیان مدنی (شیخ الجامعہ اثریہ دار الحدیث منو) کھید پورہ بندہ پر بات کر رہے تھے اسی دوران حافظ صاحب کا گزر رہا مولانا نے فوراً کہا ”حافظ صاحب ہمارے علاقے میں سب سے متقی آدمی ہیں“

آپ فرض نمازوں کے علاوہ سنن و نوافل کا بھی اہتمام کرتے تھے، تہجد بھی پڑھتے تھے جیسا کہ مولانا عزیز الرحمن سلفی (استاذ جامعہ محمدیہ منو) نے بتایا کہ ”ایک مرتبہ رات میں سالانہ جلسہ اور تقسیم اسناد کے موقع پر حافظ صاحب کی ضرورت پڑی تلاش بسیار کے بعد مدرسہ کے اس کمرے میں جس میں پہلے رہتے تھے صلاۃ تہجد پڑھتے ہوئے ملے“۔ ۲۷ نومبر ۲۰۱۸ء کو استاد محترم قاری نثار احمد

صاحب فیضی کی عیادت کے لئے ان کے گھر گیا تھا اور حافظ صاحب کی بیماری کا تذکرہ کیا تو استاذ محترم نے کہا کہ ”ہاں عبداللہ تو میرا ہی شاگرد ہے، زمانہ طالب علمی ہی سے شریف بن کر رہا ہے اور بنگال کے طلباء کی یہ خوبی ہے کہ فراغت کے بعد داڑھی بالکل چھوڑ دیتے ہیں اور وہاں کے لوگ ۴۰ رسال بعد تہجد گزار بن جاتے ہیں، رات تین بجے مسجدوں میں آنا شروع ہو جاتے ہیں“ اللہ تعالیٰ ہم گناہ گاروں کو بھی تہجد گزار بننے کی توفیق بخشے۔ آمین

آپ کی شفقت کا ایک واقعہ: یہ بات حفظ کرنے والے ہر طالب علم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ قرآن حفظ کرنے میں بڑی محنت درکار ہوتی ہے، صبح سے دوپہر تک پڑھتے پڑھتے بھوک ستانے لگتی تو منوں کے ہم دو تین طلبہ چپکے سے اٹھ کر مطبخ میں جا کر باورچی سے کہتے کہ حافظ صاحب نے بھیجا ہے اور کہا ہے کہ مطبخ سے کھانا کھا کے آؤ جب کئی مرتبہ ہو گیا اور کئی طلبہ اس کام میں شرکت کرنے لگے تو بالآخر حافظ صاحب سے باورچی سوال کر بیٹھا اور ہم لوگ پکڑے گئے، شیخ الجامعہ تک بات پہنچی شیخ الجامعہ نے ہم لوگوں کے مقامی طلباء ہونے اور مطبخ کا کھانا کھانے کی وجہ پوچھی؟ جب ہم لوگوں سے جواب بن نہ پڑا، تو حافظ صاحب نے بڑی شفقت سے فرمایا کھانا صرف بیرونی طلبہ کے لئے بنتا ہے مقامی لوگوں کے لئے نہیں، لہذا آپ لوگ اب ایسا نہ کریں باہر کچھ کھالیا کریں!! جب کئی سالوں بعد مجھے اس غلطی کا احساس ہوا تو ایک حساب سے مدرسہ میں پیسہ ادا کر دیا۔

آخری بات: موت ضرور آئے گی کسی بھی ذی روح کو اس سے چھٹکارا نہیں ہے، اسی طرح لوگوں میں کسی کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ اس کی موت کب اور کہاں آئے گی اور نہ تو کوئی دوسرے کے بارے میں بتا سکتا ہے اگر کوئی بتانے کا دعویٰ کرے تو جھوٹا ہے، جانکنی کے وقت آدمی پر کیا گزرتی ہے ایسی تکلیفوں سے دوچار ہوتا ہے باہر سے اسے کوئی محسوس نہیں کر سکتا اور اس پریشانی کو ہر شخص کو جھیلنا ہے۔ لہذا آئیے ہم عہد کریں کہ اپنی باقی ماندہ زندگی کو نیک کاموں میں صرف کریں گے اور اس سے پہلے کہ ہمارا حساب لیا جائے ہم خود اپنا محاسبہ کرتے رہیں۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے استاذ، قرآن کے حافظ، قرآن کے قاری، قرآن کے خادم، قرآن و سنت کے عالم باعمل کے گناہوں کو معاف فرمائے، ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے، ان کی مغفرت فرمائے، ان کی قبروں کو نور سے بھر دے، ان کی تدریسی خدمات کو ان کے لئے صدقہ جاریہ بنائے، ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین (ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم و صلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و علی آلہ و صحبہ اجمعین)

(ترجمان دہلی ۳۰-۱۶ ستمبر ۲۰۱۹)



مولانا عبداللہ سعیدیؒ ہرہٹہ بلرام پور

وفات ۲۰ دسمبر ۲۰۱۸ء

آہ! مولانا ابوالقاسم سیف بناری کے شاگرد مولانا عبداللہ سعیدی نہ رہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انتہائی دکھ کے ساتھ یہ خبر دی جا رہی ہے کہ جماعت کی بزرگ ہستی اور مولانا سیف بناری کے آخری شاگردوں میں سے ایک ممتاز شاگرد حضرت مولانا عبداللہ سعیدی موضع ہرہٹہ تلسی پور ضلع بلرام پور یوپی آج بتاریخ ۲۰ دسمبر ۲۰۱۸ء جمعرات کی درمیانی شب میں زندگی کی ۹۸ بہاریں گزار کر اس دارفانی سے دارالبقاء کی طرف کوچ فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وأسکنہ الفردوس الاعلیٰ۔

ابھی ماہ ستمبر میں ماہنامہ صوت الاسلام ممبئی میں مرحوم کی سوانح اور خدمات شائع کرنے کا مجھے شرف ملا ہی تھا کہ ماہ دسمبر میں آپ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئی و بڑھنی سدھارتھ نگر کے ریکارڈ کے مطابق آپ ۵ جنوری سن ۱۹۲۰ء کو اپنے آبائی وطن ہرہٹہ میں پیدا ہوئے، آپ ہرہٹہ کے مشہور اہل حدیث خاندان ”خاندان خرم خاں“ کے چشم و چراغ تھے، ابتدائی تعلیم اپنے آبائی گاؤں میں حاصل کی، اس کے بعد عربی و فارسی کی تعلیم کے لئے مدرسہ مدینۃ العلوم، رسولی بارہ بنکی، بعدہ ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۳ء تک ندوۃ العلماء لکھنؤ میں اور ۱۹۴۴ء سے ۱۹۴۶ء تک جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں حاصل کی۔ تکمیل صحیحین کے لئے مدرسہ سعیدیہ دارانگر بنارس میں مولانا ابوالقاسم سیف بناری کے پاس حاضر ہوئے اور وہیں سے ۱۹۴۸ء میں فراغت حاصل کی۔ گویا کہ آپ شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے بیک واسطہ شاگرد تھے۔ فراغت کے بعد دو سال گھریلو کاروبار میں مشغولیت رہے، بسکو ہر بازار سے تدریس کی شروعات کی، ۱۹۵۳ء میں جب آپ کی ایماء و ترغیب پر گاؤں میں مدرسہ ضیاء العلوم ہرہٹہ کا قیام عمل میں آیا تو اس کے صدر مدرس منتخب کئے گئے، چالیس سال تک صدر مدرس رہے، اور ۱۵ سالوں تک مدرسے کے ناظم اعلیٰ رہے، پورے علاقے میں دینی تعلیم اور منہج سلف کے فروغ میں آپ کا کردار بڑا روشن اور طویل ہے۔ اپنے آبائی گاؤں ہرہٹہ میں کم و بیش چالیس سال کے طویل عرصے تک بالاتفاق امامت، خطابت اور عیدین کی نمازیں پڑھاتے رہے۔ نصف صدی سے زائد عرصے تک علم و عمل کی روشنی بکھیرنے والا یہ آفتاب چند سالوں سے صاحب فراش رہتے ہوئے آج عمر کی ۹۸ بہاریں گزار کر راہی ملک بقا ہوگا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے پسماندگان میں پانچ بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ بیٹوں میں حافظ عبدالقوی اثری، مولانا شفیق الرحمن فیضی، ہمارے دوست مولانا عطاء الرحمن مدنی سعیدی، حفظ الرحمن اور ضیاء الرحمن نذیری ہیں۔ اور اسی خاندان کے چشم و چراغ معروف قلم کار مولانا عبدالرؤف ندوی، اور مولانا زبیر احمد عبدالعجود مدنی، اور معروف سماجی کارکن محمد ظفر محمدی وغیرہم ہیں۔ اللہ تعالیٰ پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کی مغفرت فرمائے، اور کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے، آمین۔ نماز جنازہ ۲۰ دسمبر بروز جمعرات بعد نماز ظہر آبائی گاؤں ہرہٹہ میں ادا کی گئی۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ واسکنہ الفردوس وتغمدہ بواسع رحمة۔ آمین تقبل یا رب العالمین۔

نوٹ: آپ کی سوانح پر تفصیلی مضمون کے لئے سالنامہ تاریخ اہل حدیث جلد دوم کی طرف رجوع کریں۔

بقیۃ السلف مولانا ڈاکٹر جلال الدین رحمانی رحمہ اللہ/سدھارتھ نگر

وفات ۲۹ جنوری ۲۰۱۹ء

مولانا عبدالمنان سلفی، جھنڈا نگر

علمی و دعوتی حلقوں میں یہ خبر بڑے دکھ کے ساتھ سنی گئی کہ بزرگ عالم دین بقیۃ السلف مولانا ڈاکٹر جلال الدین رحمانی موتی پوری رحمہ اللہ نے علم و عمل سے بھرپور طویل زندگی گزار کر ۸۵ برس کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا جلال الدین رحمانی رحمہ اللہ جامع المعقولات و المنقولات علامہ نذیر احمد ملوی رحمہ اللہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، بڑے ذہین و فطین اور مختلف فنون میں درک رکھنے والے عالم دین تھے، ظاہری کروفر سے دور رہ کر خاموشی سے تدریسی و دعوتی فرائض انجام دئے اور نامور تلامذہ کی ایک اچھی خاصی ٹیم تیار کر کے دنیا سے رخصت ہوئے جو ان کے لئے ان شاء اللہ صدقہ جاریہ ہوں گے۔ مولانا جلال الدین رحمانی رحمہ اللہ کے حالات زندگی پر چند سطور موصوف کے شاگرد رشید اور جماعتی تاریخ پر نظر رکھنے والے اپنے بزرگ دوست مولانا مطیع اللہ سلفی کی بذریعہ فون فراہم کردہ بنیادی معلومات کی روشنی میں لکھنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ مولانا ڈاکٹر ابو فضل جلال الدین رحمانی رحمہ اللہ کا تعلق ضلع سدھارتھ نگر (سابق ضلع بستی) کے خطہ نوگڑھ میں دھان کی کاشت کے لئے معروف مٹکا علاقہ میں مدھو بنیا چوراہا سے مغرب کی جانب ایک مسلم بستی موتی پور برڈ پور نمبر ۱۳ سے تھا، وہیں مولانا کی ولادت یکم جولائی ۱۹۳۴ء کو ہوئی۔

ابتدائی تعلیم گاؤں کے مدرسہ دارالسلام موتی پور، مکتب اسلامیہ مہدیہ اور بیسک اسکول نوگڑھ میں حاصل کی، فارسی کی ابتدائی کتابیں دارالعلوم ششہنیاں میں مفکر اسلام مولانا عبدالجلیل رحمانی، مولانا محمد زماں رحمانی، مولانا عبدالقدوس ٹکریاوی اور مولانا عبدالشکور دور صدیقی رحمہم اللہ جیسے نابغہ روزگار اساتذہ سے پڑھیں۔ عربی کے ابتدائی درجات جماعت ثالثہ تک دارالہدی یوسف پور میں ایک فاضل استاد مولانا عبدالاحد (پریناوالے) اور مولانا عبدالرحمن جمینی سے حاصل کیں۔

۱۹۵۲ء میں مدرسہ فیض عام مونا تھ بھجن تشریف لے گئے اور ناظم مولانا محمد احمد، مولانا عبداللہ شائق مٹوی، مفتی حبیب الرحمن فیضی اور حکیم محمد سلیمان جیسے اساتذہ فن سے کسب فیض کیا، دو سال بعد ۱۹۵۴ء میں مولانا احمد ملوی رحمہ اللہ کی خدمت میں جامعہ رحمانیہ بنارس پہنچے اور وہاں مولانا ملوی کے علاوہ مولانا فضل الرحمن اعظمی، مفتی عبدالعزیز عمری اور مولانا عبدالوحید رحمانی (شیخ الجامعہ) وغیرہم سے اکتساب فیض کر کے ۱۹۵۹ء میں فراغت حاصل کی، جامعہ رحمانیہ بنارس سے فراغت کے بعد آپ کے دل میں جامعہ ازہر جانے کا شوق پیدا ہوا، اس مقصد سے موصوف نے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا رخ کیا جہاں اس وقت کے ناظم مولانا محمد عرفان خاں ندوی نے انہیں بغیر امتحان کے داخل کر لیا، موصوف نے ندوہ میں مولانا عبدالحفیظ بلیاوی، مولانا سید محمد رابع حسنی اور مولانا

سعید الرحمن اعظمی وغیرہ سے کسب فیض بھی کیا اور اپنی صلاحیت اور قابلیت کا سکہ بھی ندوہ میں بٹھا دیا، ابھی چھ مہینہ ہی گذرا تھا کہ آپ اپنے بھائی محمد یونس کے ایما پر ندوہ سے گھر آ گئے، مگر گھر بیٹھے نہ رہے بلکہ اپنی علمی تشنگی بجھانے کے لئے آپ دوبارہ بنارس مولانا ملوی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور مولانا سے خصوصی استفادہ کرنے لگے۔

بنارس سے واپس آنے کے بعد آپ ضلع بدایوں کے ایک گاؤں بھوانی پور کھلی تشریف لے گئے جہاں موصوف نے بچوں کی تعلیم کے ساتھ دعوت کا ٹھوس کام کیا اور محض آٹھ مہینہ کی محنت سے اسی (۸۰) گھرانوں کو موحد اہل حدیث بنانے میں کامیاب ہو گئے۔

۸ مہینہ بعد آپ اپنے وطن لوٹ آئے اور مادر علمی دارالہدیٰ یوسف پور میں صدر المدرسین مقرر ہوئے، چار سال کے دوران موصوف نے ادارہ کو ترقی دی اور منتظمین کو اعتماد میں لے کر مولانا محمد ابراہیم رحمانی، مولانا مجیب اللہ فیضی اور مولانا محمد ادریس قاسمی جیسے اساتذہ کی تقرری کرائی اور اپنے ذاتی اثر و رسوخ سے مدرسہ کو بورڈ سے ملحق کرانے میں کامیابی حاصل کی، ابھی ادارہ شاہراہ ترقی پر گامزن ہی ہوا تھا کہ بعض منتظمین کے آمرانہ و تحکمانہ رویہ سے دل برداشتہ ہو کر یہ کہتے ہوئے کہ ”لعنت ہزار بار بکار ملازمت“ مدرسہ کو خیر باد کہہ دیا۔ مولانا ایک متمول اور رئیس گھرانہ کے چشم و چراغ تھے، ان کے بڑے بھائی حاجی محمد یونس رحمہ اللہ کا ممبئی میں اچھا کاروبار تھا، یوسف پور چھوڑنے کے بعد انہوں نے مولانا سے کہا کہ مدرسوں کے منتظمین کے عام رویہ سے آپ کا خود دارانہ مزاج میل نہیں کھا سکتا اس لئے آپ مدرسوں میں ملازمت نہیں کر پائیں گے۔ چنانچہ اپنے بڑے بھائی کے مشورہ پر آپ نے حکیم اجمل خاں طبیبہ کالج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں بی، یو، ایم، ایس، میں داخلہ لے لیا اور ۱۹۷۰ء میں اس کا کورس مکمل کر کے ڈاکٹر بن گئے اور اپنے اس علم سے بھی لوگوں کو فیضیاب کرتے رہے، علی گڑھ سے واپسی کے بعد موصوف اپنے گاؤں کے مدرسہ دارالسلام کی تعمیر و ترقی میں لگ گئے، اس درمیان موصوف نے دو سال یوسف پور میں بہ حیثیت شیخ الحدیث خدمات انجام دیں، نیز دارالعلوم ششہنیاں میں بھی کچھ دنوں آپ نے اپنا فیض جاری رکھا، آپ کے گاؤں میں جب نسواں مدرسہ قائم ہو گیا تو حدیث کی تمام کتابیں آپ آخری دم تک پڑھاتے رہے۔ اس طویل تدریسی دورانیہ میں آپ سے مستفید ہونے والے علماء کی ایک طویل فہرست ہے جن میں چند ممتاز تلامذہ یہ ہیں، ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس مفتی حرم، ڈاکٹر حشمت اللہ (بھوانی پور کھلی بدایوں) ڈاکٹر عبدالوہاب خلیل الرحمن صدیقی، مولانا ابوالکلام احمد، مولانا اقبال احمد سلفی موتی پوری، مولانا خورشید احمد سلفی اور مولانا مطیع اللہ سلفی وغیرہم۔

۲۸ اور ۲۹ جنوری ۲۰۱۹ء کی درمیانی شب میں مختصر علالت کے بعد آپ کا انتقال ہوا، نماز جنازہ ۲۹ جنوری کو بعد نماز عصر استاد مکرم نمونہ سلف مولانا محمد ابراہیم رحمانی حفظہ اللہ کی افتاء میں ادا کی گئی، نماز جنازہ میں علماء، طلبہ اور عامۃ المسلمین کا بڑا ہجوم تھا، ضلعی جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر اور مدارس کے اساتذہ و ذمہ داران، مولانا کے تلامذہ اور علاقہ کے عام مسلمانوں نے جنازہ میں حاضر ہو کر مولانا کے لئے دعاء مغفرت کی، جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر کے اکثر اساتذہ نے بھی جنازہ و تدفین میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ یقیناً مولانا کی وفات تعلیمی و دعوتی حلقوں کے لئے بہت بڑا خسارہ ہے، آپ بلاشبہ بزرگوں کی نشانیوں میں سے تھے، پوری زندگی اللہ فی اللہ تعلیم و دعوت سے وابستہ رہے، انہیں نہ صلہ کی آرزو تھی اور نہ ستائش کی تمنا، ایسے بے لوث لوگ اب عنقا ہو چکے ہیں، اللہ تعالیٰ

مولانا کی خدمات کو رفع درجات کا ذریعہ بنائے اور ان کی بال بال مغفرت فرمائے۔ (آمین) (ماہنامہ السراج جھنڈا نگر، فروری ۲۰۱۹ء)
 (مولانا کی تفصیلی سوانح و خدمات کے لئے دیکھئے شیخ مطیع اللہ مرکزی کا مضمون شائع شدہ محدث بنارس جنوری، فروری ۲۰۱۹ء،
 و بعد اور کاروان سلف از مولانا عبد الرؤف ندوی ۵/۱۰۶)



معروف عالم دین استاذ الاساتذہ مولانا ڈاکٹر جلال الدین رحمانی کا انتقال

شیخ اصغر علی امام مہدی سلفی

دہلی: ۲۸ جنوری ۲۰۱۹ء مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے معروف عالم دین، استاذ الاساتذہ مولانا ڈاکٹر جلال الدین رحمانی صاحب کے انتقال پر گہرے رنج و افسوس کا اظہار کیا ہے اور ان کی موت کو علمی دنیا کا بڑا خسارہ قرار دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی کتاب و سنت کی تعلیم و تدریس اور نشر و اشاعت کے لئے وقف کر دی تھی۔ وہ ایک جید عالم دین اور کامیاب داعی و مصلح تھے۔

پریس ریلیز کے مطابق مولانا کی پیدائش یکم جولائی ۱۹۳۴ء کو موضع موتی پور، نوگڑھ ضلع سدھارتھ نگر، یوپی میں ہوئی تھی۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم مدرسہ دارالسلام موتی پور اور مکتب اسلامیہ مہدیاں میں حاصل کی۔ پھر عربی کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے دارالعلوم ششہنیاں میں داخلہ لیا، وہاں سے جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور، پھر وہاں سے مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے مدرسہ فیض عام مٹونا تھہ بھنجن میں داخلہ لیا۔ فضیلت کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے جامعہ رحمانیہ مدینہ منورہ بنارس کا قصد کیا جہاں جملہ علوم و فنون کی تکمیل کر کے سند اجازہ حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا نذیر احمد رحمانی ملوی، مولانا فضل الرحمن عمری، منوی، مولانا عبدالعزیز عمری منوی، مولانا عبدالوحید رحمانی قابل ذکر ہیں۔ فراغت کے بعد سہواں ضلع بدایوں کے قریب ایک موضع ”بھوانی پور کھلی“ کے مدرسہ میں تدریسی خدمت انجام دی۔ اس دوران دعوتی سلسلہ کو بھی جاری رکھا۔ پھر دارالہدیٰ یوسف پور ”شیوپتی نگر“ کے تعلیمی و تنظیمی امور سے جڑ گئے، یہاں چار سال رہے۔ پھر طب یونانی کا پانچ سالہ کورس (بی، بیو، ایم، ایس) طبیہ کالج علی گڑھ سے مکمل کیا اور موضع ہی کے مدرسہ ”دارالسلام“ موتی پور میں بحیثیت ناظم مدرسہ و مدرس فریضہ کی انجام دہی میں مصروف تھے اور طبابت کے ذریعہ جڑ کر خدمت خلق انجام دیتے تھے۔ آج شب بعمر ۸۴ سال ان کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، خدمات کو قبول کرے، جنت الفردوس کا مکین بنائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین۔
 مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے جملہ ذمہ داران و کارکنان نے بھی مولانا کے انتقال پر گہرے رنج و افسوس کا اظہار کیا ہے۔ اور ان کی مغفرت اور بلندی درجات کے لئے دعا گو ہیں۔

(ترجمان دہلی ۱۵-۱۷ فروری ۲۰۱۹ء)



حافظ محمد اسحاق صاحب راجستھان

(خازن مرکز محمد یحییٰ صاحب حفظہ اللہ کو صدمہ)

وفات فروری ۲۰۱۹ء

مولانا محمد رحمانی

۴ فروری ۲۰۱۹ء بروز سوموار ابوالکلام آزاد اسلامک اوکیٹنگ سنٹر، نئی دہلی کے خازن محترم جناب یحییٰ صاحب کے والد حافظ محمد اسحاق صاحب تقریباً ۷۶ سال کی عمر میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کا نام و نسب اس طرح ہے حافظ محمد اسحاق بن حاجی محمد اسماعیل بن چاند محمد۔ آپ کا تعلق ڈیڈوانہ راجستھان کے رامیر الوگھرانے سے تھا لیکن آپ کی ولادت ۱۹۴۲ء میں سرانے خلیل صدر بازار دہلی میں ہوئی۔ آپ نے ۱۹۶۷ء میں پان منڈی صدر بازار سے اپنا کاروبار شروع کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس میں برکت عطا فرمائی۔ دنیاوی نعمتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر دینی جذبہ اور دینی حمیت وغیرت بھی رکھی تھی اسی وجہ سے دینی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور دین کے خدمت کے لئے ہمیشہ اپنے آپ کو وقف رکھتے تھے۔ ناریل والی مسجد صدر بازار میں صلاۃ تراویح میں کئی برسوں تک قرآن سناتے رہے اور جب آپ کے صاحبزادے محمد بارون حافظ قرآن ہو گئے تو بھی وہ سامع کی حیثیت سے جبرہتے تھے۔

۱۹۹۱ء میں آپ کے والد محترم نے مصطفیٰ آباد میں ۲۵۰ گز زمین مسجد کے لئے وقف کی تھی اور اس پر مسجد بھی تعمیر کرائی۔ ناریل والی مسجد اور اس مسجد دونوں کا انتظام و انصرام اور نگرانی آخری دم تک نبھاتے رہے۔ آپ نے ناریل والی مسجد میں حفظ کا شعبہ بھی قائم کیا اور گھر گھر جا کر بچوں کو حفظ کے لئے بلاتے اور اسکی ترغیب دیتے۔ محمدی مسجد مصطفیٰ آباد میں بھی درس قرآن کا مدرسہ قائم کیا۔ تعلیم و تعلم سے اتنی رغبت تھی کہ اپنی زندگی کے آخری دن بھی آپ نے صلاۃ مغرب کے بعد بچوں کو تعلیم دی، آپ صوم و صلاۃ کے پابند نہایت ہی متواضع اور ملنسار تھے۔ دینی مجلسوں اور شخصیات سے آپ کا گہرا ربط تھا۔ علماء دین سے بہت گرمجوشی سے ملتے تھے اور ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔ ابوالکلام آزاد اسلامک اوکیٹنگ سنٹر، نئی دہلی کے بانی و تاحیات صدر محترم مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ سے آپ کے تعلقات اور دوستی ۴۰ سال سے زائد عرصہ پر محیط تھی۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سارے علماء و فضلاء سے آپ کے گہرے تعلقات تاحیات رہے۔

آپ کی صلاۃ جنازہ اسی دن بعد صلاۃ عشاء سنٹر کے صدر محترم جناب مولانا محمد رحمانی سنابلی مدنی حفظہ اللہ نے پڑھائی اور خواجہ باقی باللہ قبرستان میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ آپ نے پسماندگان میں ۶ بیٹے اور ۵ بیٹیوں کو چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے حسنات کو قبول فرما کر آپ کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازے۔ آمین۔ (النبیان مارچ ۲۰۱۹ء)



معروف عالم دین مولانا محی الدین عمری کیرالا کا انتقال پر ملال

وفات ۲۷ مارچ ۲۰۱۹ء

شیخ اصغر علی امام مہدی سلفی

دہلی، ۲۸ مارچ ۲۰۱۹ء۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے سرپرست و سابق نائب امیر، جمعیت العلماء کیرالا کے امیر اور ندوۃ المجاہدین کیرالا کی مجلس عاملہ کے رکن معروف عالم دین مولانا محی الدین عمری کے انتقال پر گہرے رنج و افسوس کا اظہار کیا ہے اور ان کی موت کو قوم و ملت اور جماعت کا بڑا خسارہ قرار دیا ہے۔

امیر محترم نے اپنے بیان میں فرمایا کہ مولانا محی الدین عمری ایک باخلاق اور متواضع عالم دین تھے۔ انہوں نے کیرالا میں دین و جماعت کی گراں قدر خدمات انجام دیں اور ایک بھرپور زندگی گزار کر بے عمر ۸۵ سال کل مورخہ ۲۷ مارچ ۲۰۱۹ء بعد نماز عصر داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا محی الدین عمری علم فرائض کے ماہر و معلم معروف عالم دین شیخ عبدالصمد اکاتب مہاجر مدنی کے برادر خرد تھے۔ ان کی پیدائش ۲۷ ستمبر ۱۹۳۴ء کو مالاپورم کیرالا کے معروف دینی و علمی خانوادے میں ہوئی۔ حصول تعلیم کے بعد کلیۃ الانصار کیرالا میں دس سالوں تک تدریس کے فرائض انجام دیے، پھر گورنمنٹ کالج میں مدرس ہوئے، اس دوران دعوت و اصلاح کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے، کئی کتابیں تصنیف اور ترجمے کیے۔ شبان ندوۃ المجاہدین کے امیر بھی رہے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے بہت زیادہ لگاؤ تھا اور اس کے کار سے کافی دلچسپی رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کو مرکزی جمعیت کے نائب امیر کے منصب جلیلہ پر فائز کیا گیا تھا۔ وہ پاؤڈر کی عظیم تاریخی کانفرنس میں کیرالا کی ایک بڑی جمعیت کے ساتھ شریک ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ متعدد پروگراموں اور میٹنگوں میں بھی تشریف لاتے رہے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند علم، اہل علم اور مراکز علم کی تشبیح اور تعمیر وترقی کے لئے ان کی خدمات کے اعتراف و قدر دانی کے طور پر ایوارڈ بھی دیتی ہے۔ اسی طرح شعراء، ادباء، نقباء اور مختلف میدانوں کی اہم شخصیات کو بھی اس ایوارڈ سے نوازتی رہی ہے۔ مولانا موصوف کی گراں قدر اور ہمہ جہت خدمات کو مد نظر رکھتے ہوئے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند ماضی میں ان کو اپنے اس ایوارڈ سے بھی نواز چکی ہے، جس کے مولانا بجا طور پر مستحق تھے۔ مولانا کا مقام و مرتبہ اولیٰ اللہیت و صلاحیت کیرالا کی پوری جماعت میں معروف و مسلم تھی۔ کتاب و سنت کے بانمیرت داعی تھے۔ پیرانہ سالی میں بھی مفوضہ ذمہ داریوں کو اپنی طاقت سے زیادہ ادا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ملیالم کے علاوہ اردو اور عربی بھی جانتے تھے۔ مولانا کے چلے جانے سے وہاں بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔ کچھ عرصہ ہوا کہ وہاں کی ایک عظیم شخصیت، داعی، مبلغ و مناظر اور ندوۃ المجاہدین کے ناظم مولانا عبدالقادر صاحب انتقال فرما چکے ہیں۔ آج گیارہ بجے دن میں کیرالا میں مولانا کی تدفین عمل میں آئی۔ پسماندگان میں بیوہ، تین بیٹے، پانچ بیٹیاں اور متعدد پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں ہیں۔ جب کہ ہزاروں، لاکھوں ان کے متعلقین و مستفیدین سوگواروں میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کی خدمات کو قبول کرے، جنت الفردوس کا مکین بنائے، جمعیت و جماعت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ پریس ریلیز کے مطابق مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے جملہ ذمہ داران و کارکنان نے مولانا کی وفات پر رنج و افسوس کا اظہار کیا ہے اور پسماندگان سے قلبی تعزیت کی اور ان کی بلندی درجات کے لئے دعا گو ہیں۔

□□□

(جریدہ ترجمان مارچ ۲۰۱۹ء)

صوبائی جمعیت اہل حدیث آندھرا پردیش کے سابق امیر محمد عبدالرحمن فاروقی کا سانحہ ارتحال عظیم جماعتی خسارہ

وفات مئی ۲۰۱۹ء

شیخ اصغر علی امام مہدی سلفی

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے اپنے ایک اخباری بیان میں سابق امیر شہری جمعیت اہل حدیث حیدرآباد و سکند آباد و سابق امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث آندھرا پردیش عبدالرحمن فاروقی کے سانحہ ارتحال پر اپنے شدید رنج و غم کا اظہار کیا ہے جو گزشتہ رات گیارہ بجے اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون۔

امیر محترم نے اخباری بیان میں کہا کہ ان کی وفات سے جماعت ایک عظیم شخصیت سے محروم ہو گئی ہے۔ موصوف ایک مدرس تھے لیکن مطالعہ بہت وسیع تھا جس کی بدولت علماء کے طبقے میں شمار ہونے لگے انہوں نے اپنے علم سے بے شمار لوگوں کو مستفیض فرمایا اور دعوت دین کی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ آپ ایک انتہائی مخلص، ہمدرد، حق گو اور بے باک انسان تھے۔ انگریزی وارد زبان پر عبور رکھتے تھے، شیریں کلامی، خلوص و محبت، ہمدردی بے لوث دینی خدمات انجام دینے والی عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ وہ ایک بہترین مقرر و مصنف بھی تھے۔ انہوں نے دو دہائی تک مسجد اہل حدیث چوراماشیر آباد میں خطبہ جمعہ کی عظیم ذمہ داری ادا کی۔ ان کے خطبات سے ہزاروں لوگ مستفید ہوتے رہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کی حسنات کو قبول فرمائے اور لغزشوں سے درگزر فرماتے ہوئے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ پسماندگان میں اہلیہ چار بیٹے اور چار بیٹیاں متعدد پوتے پوتیاں اور نو اسے نواسیاں ہیں۔

امیر محترم کے علاوہ دیگر تمام ذمہ داران و کارکنان جمعیت نے ان کے پسماندگان و متعلقین نیز جملہ سوگواران سے اظہار تعزیت کیا ہے اور ان کے لئے مغفرت اور بلندی درجات کی دعا کی ہے۔

(ترجمان دہلی ۱۵-۱۶ جون ۲۰۱۹ء)



مولانا محمد اسرائیل ندویؒ ہریانہ

وفات جولائی ۲۰۱۹ء

عبدالحکیم عبدالمعجود المدنی

بڑے ہی رنج و غم کے ساتھ یہ خبر دی جا رہی ہے کہ جماعت اہل حدیث ہند کی ایک بزرگ اور معتبر شخصیت، میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ سے بیک واسطہ اجازہ حدیث اور سند عالی کے حامل، معروف عالم دین شیخ الحدیث مولانا حکیم محمد اسرائیل سلفی ندوی جھانڈہ، ہریانہ، ۲ جولائی ۲۰۱۹ء بروز منگل صبح سویرے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون

آپ کا شمار عصر حاضر کے ان علماء میں ہوتا تھا جنہیں روایت حدیث میں مشاہیر اساتذہ و مشائخ سے سند اجازہ حاصل ہے خاص طور پر عرب و عجم کے استاذ شیخ الکل فی الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی متوفی ۱۹۰۲ء سے بدو واسطہ اور بیک واسطہ بھی آپ کو سند عالی کا عظیم اعزاز حاصل تھا۔ اس لئے بیماری کے آخری ایام میں بھی عرب و عجم کے شائقین حدیث آپ کی خدمت میں یہ اعزاز لینے اور سند عالی حاصل کرنے کے لئے میلوں کا سفر طے کر کے آیا کرتے تھے اور کبھی کبھی خود آپ کو دیار عرب میں بلا کر سند حدیث اور مجلس سماع منعقد کر کے اس سعادت مندی سے بہرہ اندوز ہوتے تھے۔ اجازہ حدیث کے حوالے سے آپ کے بے شمار عربی تلامذہ بھی ہیں جنہوں نے آپ سے حدیث کا سماع کر کے یہ شرف حاصل کیا ہے۔ ذیل میں چند سطور آپ کی حیات و خدمات کے متعلق درج ہیں امید کہ قارئین کے لئے باعث استفادہ ہوں گے۔

نام و نسب: مولانا حکیم محمد اسرائیل سلفی ندوی بن حاجی محمد ابراہیم بن عبدالحلیم بن دریا بن دھن سنکھ بن نعمت بن نظام
ولادت و خاندانی پس منظر: آپ کی ولادت مئی ۱۹۳۴ء صفر ۱۳۵۳ھ کو ہریانہ کے مشہور گاؤں رنیالہ خور دھانڈہ میں ہوئی۔ بعض اہل علم نے سن ولادت ۱۹۲۴ء لکھا ہے جو درست نہیں ہے۔ جیسا کہ آپ کے بعض شاگردوں نے تحریر فرمایا ہے۔ اور خود صاحب ترجمہ نے صراحت کی ہے۔

آپ کے والد حاجی محمد ابراہیم (متوفی ۲۶ جولائی ۱۹۸۴ء) انتہائی صالح، نیک اور پرہیزگار آدمی تھے۔ اور اپنے علاقے کے زمینداروں میں سے تھے۔ علماء کی صحبتوں کا اثر تھا کہ آپ نے ہونہار بیٹے کو علم حدیث کی راہ پر لگایا اور کامیابی ملی۔ سنت صحیحہ پر عمل کے شیدا تھے۔ اور بڑی سختی سے اس پر عمل کرنے کے لئے اہل خانہ، اقارب و احباب کو دعوت دیتے تھے۔ ہونہار بیٹے کی بعض تصنیف کردہ کتابوں میں آپ کا مشورہ بے حد کارگر تھا۔ خاص طور پر ایک ہاتھ سے مصافحہ والی کتاب ”التحفة الحسنی فی اثبات سنیۃ المصافحۃ بالید الیمنی“ اور دیہات میں جمعہ سے متعلق کتاب ”نور الہدیٰ فی فرضیۃ الجمعیۃ علی اہل القری“ کی تالیف میں آپ کا اہم رول تھا۔ میاں صاحب کے آخری دور کے شاگرد مولانا عبدالحکیم زیوری بلند شہری تقسیم ہند کے بعد آپ کے پاس ہی

اقامت گزریں تھے اور وہیں جھانڈہ میں کئی سالوں تک امامت و خطابت کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے۔

تعلیم و تربیت: ۱۔ ابتدائی، پرائمری اور مڈل تک ہندی اردو کی تعلیم آبائی گاؤں جھانڈہ، شکر اوہ اور کوٹ میں حاصل کی۔

۲۔ ناظرہ قرآن میاں جی مہر اللہ اور مولانا داؤد دراز سے۔ اور عم پارہ کی تعلیم گاؤں کے بزرگ حافظ نور محمد سے پائی۔

۳۔ جامعہ سلفیہ شکر اوہ، میوات میں عربی و فارسی کی تعلیم مولانا داؤد دراز دہلوی اور مولانا عبد الجبار شکر اوہی سے حاصل کی، خاص

طور پر نحو، صرف، گلستا، دبستاں، اور عربی ادب وغیرہ کی تعلیم سے یہاں بہرہ ور ہوئے۔

۴۔ مزید تعلیم کے لئے دہلی گئے اور مدرسہ عبد الرب صاحب میں داخلہ لیا یہاں پر مولانا محمد شفیع دیوبندی اور مولانا محبوب الہی

سے حدیث کی بعض کتابیں پڑھی اور شعبان ۱۳۸۵ھ کو فارغ التحصیل ہوئے۔

۵۔ ۱۹۵۶ء میں اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا رخ کیا یہاں ندوہ کے مایہ ناز اساتذہ سے کئی سالوں تک علم

حاصل کیا اور یہیں سے ۱۹۶۰ء میں فارغ التحصیل ہوئے یہاں آپ کے ساتھیوں میں مولانا رئیس الاحرار ندوی بھی تھے۔

۶۔ دہلی میں مولانا سید تقریب سہسوانی کی خدمت میں کئی سال تک رہے اور خوب استفادہ کیا۔

مشاہیر اساتذہ: ۱۔ میاں جی مہر اللہ ۲۔ حافظ نور محمد ۳۔ مولانا داؤد دراز دہلوی ۴۔ مولانا عبد الجبار شکر اوہی ۵۔ مولانا محمد رابع

ندوی ۶۔ مولانا عبد الماجد ندوی ۷۔ مفتی مولانا ظہور احمد ۸۔ مولانا محمد اسحاق ندوی ۹۔ مولانا ابو العرفان ندوی ۱۰۔ مولانا عبد الحفیظ

بلیاوی ۱۱۔ مولانا محمد اویس ندوی ۱۲۔ مولانا محمد شفیع دیوبندی ۱۳۔ مولانا محبوب الہی دیوبندی ۱۴۔ مولانا حکیم عبد الشکور شکر اوہی (طب

کی تعلیم) ۱۵۔ مولانا عبد الحکیم زیوری بلند شہری (آپ سے تقسیم ہند کے بعد جھانڈہ میں تعلیم حاصل کی) ۱۶۔ مولانا سید تقریب احمد

سہسوانی ۱۷۔ مولانا منظور احمد نعمانی ۱۸۔ مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی سے استفادہ کیا ہے، باقاعدہ درس نہیں لیا ہے۔

سند اجازہ حدیث: مولانا محمد اسرائیل سلفی ندوی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ کی سند میاں سید زید حسین محدث دہلوی کی سند

حدیث تک بدو واسطہ اور بیک واسطہ بھی پہنچتی ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ بیک واسطہ: مولانا عبد الحکیم بن الہی بخش زیوری بلند شہری (متوفی ۱۹۷۲ء / ۱۳۹۲ھ) کی سند سے جو کہ میاں صاحب کے

آخری دور کے شاگردوں میں سے ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد مولانا نے کئی سال جھانڈہ میں امامت و خطابت کا فریضہ بھی انجام دیا ہے اور

مولانا اسرائیل ندوی کے والد محترم کے پاس اکثر و بیشتر قیام بھی رہا ہے۔ اور مکتوب سند اجازہ بھی آپ کی طرف سے مولانا اسرائیل

ندوی کو حاصل ہے۔ آپ نے مولانا کو صحاح ستہ اور موطا امام مالک کے اطراف سنائے اور سند اجازہ سے سرفراز ہوئے۔

۲۔ بدو واسطہ: مولانا عبد الجبار شکر اوہی (متوفی ۱۹۸۵ء) کی سند سے جو بواسطہ مولانا عبد الوہاب صدری (متوفی ۱۳۵۷ھ)

اور بواسطہ شیخ الحدیث احمد اللہ پرتا گنڈھی (متوفی ۱۹۴۳ء) میاں صاحب تک پہنچتی ہے آپ سے مشکوٰۃ، بلوغ المرام، اور صحاح ستہ

پڑھی۔ اس کے علاوہ آپ کو دہلی کے مدرسہ عبد الرب میں مولانا محمد شفیع دیوبندی سے صحیح بخاری و ترمذی اور مولانا محبوب الہی دیوبندی

سے بھی صحیح مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کے درس لینے کا بھی موقع ملا ہے اور ان دونوں کی سند بالترتیب مولانا محمود الحسن اور مولانا عبد

- الغنی قاسمیؒ کے واسطے سے مولانا محمد قاسم نانوتوی تک اور ان سے بیک واسطہ شاہ اسحاق تک پہنچتی ہے۔
- چھو دو خدمات: ۱-** فراغت کے بعد ۱۹۶۱ء میں جامعہ سلفیہ شکر اہ میوات سے وابستہ ہو گئے اور تقریباً ۱۹۹۰ء تک جڑے رہے یہاں آپ شیخ الحدیث کے بلند مقام پر فائز تھے، کم وبیش ۲۵ سالوں تک آپ نے صحیح بخاری وغیرہ کا درس دیا ہے۔
- ۲-** جماعتی لگاؤ اور علمی صلاحیتوں کے پیش نظر آپ کو تدریس کے دوران ہی جمعیت اہل حدیث ہریانہ کا ناظم مقرر کر دیا گیا۔ چنانچہ آپ نے اپنی انتھک محنتوں سے جماعت کو جوڑا اور دعوتی کاموں کو منظم کیا۔ بالخصوص آپ کے استاذ مولانا عبدالجبار شکر اوی کے بعد تو یہ ذمہ داریاں اور بڑھ گئیں۔ ۱۹۸۶ء سے ۲۰۱۸ء تک آپ وہاں کی جماعت کے امیر رہے۔
- ۳-** استاد عالی مقام مولانا عبدالجبار شکر اوی کے ۱۹۸۵ء میں انتقال کے بعد آپ نے افتاء کی بھی ذمہ داری سنبھالی اور کتاب و سنت کی روشنی میں عوام و خواص کی رہنمائی فرماتے رہے، یہ کام جماعت کی نگرانی میں تاحیات آپ نے انجام دیا ہے۔ اللہ قبول فرمائے۔
- ۴-** اپنے گاؤں جھانڈہ کے علاوہ رنیالہ خورد میں ۱۹۹۳ء میں مدرسہ محمدیہ میوات للبنین والبنات قائم کیا جسے مولانا مختار احمد ندویؒ نے تعمیر کرایا تھا۔ آج بھی وہ مدرسہ جاری و ساری ہے اور اس کی دیکھ ریکھ آپ کے فرزند مولوی ثناء اللہ کرتے ہیں۔
- ۵-** الدر السلفیہ بمبئی کے قیام کے بعد کچھ مہینوں تک مولانا مختار احمد ندویؒ کی نگرانی میں ڈاکٹر عبدالعلی ازہری وغیرہ کے بعد شعب الایمان للبیہقی کی تخریج پر بھی آپ نے کام کیا تھا جو ۱۶ ویں جلد سے ۲۰ ویں جلد تک ہے۔
- ۶-** کویت، بحرین، سعودی عرب اور قطر وغیرہ میں سماع حدیث اور اجازہ کی مجلسوں میں اہل عرب کی دعوت پر شریک ہو کر ہزاروں طلباء کو حدیث پڑھانے کا شرف بھی آپ کو حاصل ہے، ایک مجلس میں تو دو ہزار عربی طلباء شریک تھے۔
- تالیفات و تحقیقات:** مولانا ایک بلند پایہ قلم کار اور محقق تھے عربی، اردو اور فارسی زبانوں پر عبور تھا۔ آپ کے گہر بار قلم سے کئی اہم علمی و تحقیقی کتابیں اشاعت پذیر ہو کر مقبول خاص و عام ہو چکی ہیں۔ ذیل میں ان کتابوں کی فہرست ملاحظہ فرمائیں:
- عربی کتابیں جن کی آپ نے تخریج و تحقیق یا تصنیف کی ہے۔ ۱-** تحفۃ الانام فی تخریج جزء القراءۃ خلف الامام للبجاری (مطبوع) ۲- تذکرۃ الشیخ الامام السید نذیر حسین الحدیث الدہلوی (مطبوع) ۳- تصحیح جامع شعب الایمان للبیہقی ۱۶ سے ۲۰ جلد (مطبوع) ۴- تخریج احادیث زوائد صحیح ابن حبان (غیر مطبوع) ۵- التعليقات السلفیہ علی جامع الترمذی (غیر مطبوع) ۶- التعليقات علی تقریب التہذیب (غیر مطبوع) ۷- تخریج احادیث مختصر الخلافات للبیہقی (غیر مطبوع)
- اردو کتابیں: ۸-** التحفۃ الحسنی فی اثبات سنیۃ المصاحفہ بالید الیسینی ۹- نور الہدی فی فرضیۃ الجمعۃ علی اہل القری ۱۰- الہدایۃ الکاملۃ، ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک ہونے کا ثبوت ۱۱- ایک مجلس کی تین طلاق قرآن و حدیث کی روشنی میں ۱۲- فرضیت فاتحہ خلف الامام، ایک حنفی مولوی کے اشتہار کا جواب ۱۳- نماز میں سورہ فاتحہ کی فرضیت ۱۴- ایک مجلس کی تین طلاق کا سرسری جائزہ ۱۵- مقتدی کے ذمہ سورہ فاتحہ کی فرضیت قرآن و حدیث کی روشنی میں ۱۶- مسئلہ رفع الیدین پر تحقیقی نظر امین اوکاڑوی کے جواب میں ۱۷- رکوع میں ملنے سے رکعت نہیں ہوتی ۱۸- تراجم علمائے اہل حدیث میوات ۱۹- امام کے پیچھے مقتدی پر سورہ فاتحہ کی فرضیت

۲۰- قرأت فاتحہ خلف امام کی فرضیت صحیح بخاری کی روشنی میں (دیوبندی عالم فخر الدین کے جواب میں)، ۲۱- طلاق قرآن وحدیث کی روشنی میں، ۲۲- البینات الی مافی نجات النیاز من الاتهامات، ۲۳- حنفیہ کے بارہ انعامی مسائل کے تحقیقی جوابات، ۲۳- اردو جزء القراءة کی تصحیح وتعلیق، ۲۴- نماز میں سورہ فاتحہ کی فرضیت (ہندی)، ۲۵- تحریک جہاد میں اہل حدیث اور علمائے دیوبند کا کردار (الحمد للہ یہ ساری کتابیں مطبوع ہیں۔)

مشاہیر تلامذہ: آپ کے وہ تلامذہ جنہوں نے جامعہ سلفیہ شکر اوہ اور مدرسہ محمدیہ میں تعلیم حاصل کی ہے ان کی تعداد بھی بے شمار ہے ان میں چند مشاہیر درج ذیل ہیں:

۱- مولانا عبدالرحمن سلفی موجودہ ناظم صوبائی جمعیت، ہریانہ ۲- مولانا محمد ایوب عمری ۳- مولانا عبدالمنان سلفی (مرکزی جمعیت) ۴- مولانا علی محمد مدنی (مالیگاؤں) ۵- مولانا نواب سلفی ہریانہ ۶- د- اسحاق ابراہیم (ریاض) ۷- حافظ محمد الیاس (ریاض) ۸- مولانا محمد صدیق سلفی (شکراوہ) ۹- مولانا محمد فاروق ندوی (شکراوہ) اور ان کے علاوہ بے شمار شاگرد و تلامذہ ہیں جنہوں نے آپ سے کسب فیض کیا ہے۔

وہ تلامذہ اور شاغفین حدیث جنہوں نے آپ سے سند اجازہ حاصل کیا ہے ان کی تعداد تو کئی ہزار سے بھی متجاوز ہے خاص طور سے آخری عمر میں آپ اجازہ حدیث کی بڑی بڑی مجلسوں میں خلیجی ممالک میں بلائے جاتے تھے اور باضابطہ ہزاروں کی تعداد میں طلباء شریک مجلس ہو کر صحاح ستہ اور دیگر کتابوں کو پڑھتے اور سنتے تھے، مجلس سماع اور قراءت دونوں ہوتی تھی اور پھر آپ سے سند اجازہ پا کر سعادت مندی محسوس کرتے تھے۔ ان میں چند نام درج ذیل ہیں: ۱- د- فضل الرحمن مدنی مالیگاؤں ۲- د- عبدالرحمن فریوائی ۳- شیخ محمد زیاد تکلہ (ریاض) ۴- شیخ فلاح خالد مطیری (کویت) ۵- محمد بن ناصر العجمی (کویت) ۶- حمد بن فلاح المطیری ۷- د- محمد هشام الطاہری ۸- شیخ انس بن عبدالرحمن العقیل ۹- درطہر الازہر خذیری ۱۰- شیخ محمد سلیمان الجیلانی ۱۱- شیخ عبداللہ حسین العیسیٰ وغیرہم کثیر۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے آپ کی کتاب - تذکرۃ السید نذیر حسین - صفحہ ۱۶)

ازدواجی زندگی اور اولاد: آپ کی شادی مئی ۱۹۵۲ء میں ”راولکا گاؤں“ میں رحیمی بنت خیراتی سے ہوئی مگر مشیت الہی کے بموجب تین چار سالوں کے بعد ۱۹۵۶ء میں یہ اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ بعد میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد ۱۹۶۰ء میں آپ کی دوسری شادی ریشمی بنت نبی خان، ساکن کھڑکھڑی سے ہوئی۔ چار بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ بیوی کا بھی آپ سے پہلے ہی انتقال ہو چکا ہے۔

بیٹوں میں بالترتیب: ۱- مولوی عطاء اللہ ۲- مولوی ثناء اللہ ۳- حکیم عبید اللہ ۴- احمد اللہ ہیں۔

نی الوقت مولانا ثناء اللہ آپ کے علمی اور انتظامی کاموں کو دیکھتے ہیں۔ اللہ انہیں صبر جمیل عطا فرمائے اور شیخ کے علمی کاموں کو سنبھالنے اور آگے بڑھانے کی سعادت عطا فرمائے۔ آمین۔

وفات حسرت آیات: عمر طبعی اور کمزوری و بڑھاپے کی پریشانیوں کی وجہ سے کافی علیل چل رہے تھے۔ نوح کے علاقے میں کسی ہاسپٹل میں ایڈمٹ کرائے گئے تھے۔ موت کا وقت مقدر ہے بالآخر ۲ جولائی بروز منگل صبح سویرے اللہ کو پیارے ہو گئے۔

اور ایک پرہجوم مجمع میں اشکبار آنکھوں کے ساتھ جماعت کے ذمہ داران، علماء، طلباء اور عوام الناس کی موجودگی میں عصر کی نماز کے بعد اپنے آبائی وطن جھانڈہ کے عوامی قبرستان میں سپرد خاک کئے گئے۔ نماز جنازہ آپ کی وصیت کے مطابق جماعت کے محقق عالم اور کاتب شیخ صلاح الدین مقبول مدنی نے پڑھائی۔ امیر محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی اور مولانا محمد رحمانی کے علاوہ دہلی، میرٹھ اور اطراف و اکناف سے ایک بڑی تعداد جنازے میں حاضر تھی۔ نغمہ اللہ بوسع رحمته واسکنہ فسیح جناتہ۔ آمین

مراجع و مصادر: ۱۔ ریکارڈ مرکز تاریخ اہل حدیث و انسائیکلو پیڈیا بڑھنی، سدھارتھ نگر۔ ۲۔ مولانا مرحوم کی کتاب تحفۃ الانام فی تخریج جزء القراءۃ خلف الامام ۳۔ تذکرۃ السید نذیر حسین المحدث الدہلوی ۴۔ محمد زید تکتہ کے عربی مضامین ۵۔ افادات مولانا عزیز عمر سلفی، نوائے اسلام، شیخ عبد المعید مدنی (علیگڑھ) عبد المنان سلفی (مرکزی جمعیت)، خالد حنیف صدیقی (دہلی) ۶۔ گلستان حدیث مولانا اسحاق بھٹی۔



مولانا محمد اسرار ایل ندوی رحمہ اللہ

کے گھر بار قلم سے تصنیف کردہ

ایک تاریخی کتاب

تراجم علمائے اہل حدیث میوات

ضرور پڑھیں

مولانا عبدالرشید عمری ادھونی آندھرا پردیش جواری رحمت میں

وفات اگست ۲۰۱۹ء

محمد رفیع کلوری عمری

یہ خبر دکھ کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ جامعہ کے قدیم ترین فرزند اور دور اول کی یادگار مولانا عبدالرشید عمری ادھونی کا طویل علالت کے بعد یکم اگست ۲۰۱۹ء کو انتقال ہو گیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا کی ولادت ۱۲ دسمبر ۱۹۲۴ء کو ادھونی، ضلع کرنول میں ہوئی تھی۔ عمر کی ساتویں منزل میں تھے والد محترم کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والدہ ماجدہ نے زندگی کے سرد گرم حالات کا تنہا مقابلہ کرتے ہوئے ان کی پرورش کی۔ مولانا کے والد اگرچہ زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے، لیکن توحید و سنت کا گہرا شعور رکھتے تھے اور اہل علم کے بڑے قدردان اور خدمت گزار تھے۔ ان کی دلی تمنا تھی کہ ان کا چشم و چراغ عالم دین بن کر دین و ملت کی بے لوث خدمت کرے، اور وہ بار بار اس کا اظہار کیا کرتے تھے۔ ان کی ناگہانی وفات کے بعد مولانا کی والدہ محترمہ نے ان کی تمنا پوری کر دی۔

۱۹۳۳ء میں عبدالرشید صاحب کا داخلہ جامعہ کی پہلی جماعت میں ہوا۔ جن پاک نفس اساتذہ سے آپ نے شرف تلمذ حاصل کیا ان میں جامعہ کے ناظم اول مولانا فضل اللہ، شیخ الحدیث مولانا محمد نعمان اعظمی، شیخ الادب علامہ شاکرناطی، شیخ التفسیر مولانا عبید الرحمن عاقل رحمانی، مولانا محمد عطاء اللہ سلفی، مولانا سید صبغۃ اللہ مختاری، مولانا حافظ عبدالواجد عمری، مولانا عبدالسبحان اعظمی اور انگریزی کے استاذ مولانا حبیب خان سروش عمری قابل ذکر ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں:

”یہ میرے وہ محترم اساتذہ تھے جنہوں نے مجھے باپ کی سی شفقت عطا کی، ہمیشہ اپنائیت اور محبت سے پیش آئے اور میری تعلیم و تربیت کے معاملے میں روحانی باپ کا حق ادا کیا۔“

جامعہ سے آپ کی فراغت ۱۹۴۱ء میں ہوئی شیخ التفسیر مولانا سید عبدالکبیر صاحب عمری، ممتاز قلم کار مولانا محمد شعیب صاحب عمری، مولانا محمد اسحاق عمری، (فرزند شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل)، مولانا عبدالرحمن خاں پتنگری عمری، مولانا قاری عبید اللہ عمری، اور مولانا عبدالشکور سگری عمری، آپ کے ہم سبق تھے۔ آخر الذکر دونوں نابینا تھے۔

جامعہ سے فراغت کے بعد آپ نے جامعہ محمدیہ عربیہ رائیڈرگ میں چھ ماہ تدریسی خدمت انجام دی۔ پھر بعض عزیزوں کے اصرار پر مدرسہ تعلیم القرآن سکر، ضلع گلبرگہ میں بحیثیت ناظم اور استاذ ساڑھے تین سال تک خدمت کرتے رہے۔ عمر آباد کے تعلیمی دور میں مدراس یونیورسٹی سے افضل العلماء اور منشی فاضل کے امتحانات نکال لیے تھے۔ اس بنیاد پر آپ کا تقرر سرکاری مدرس کے طور پر ”میونسپل ہائر سکول، ادھونی“ میں ہوا۔ استاذ سے ترقی پا کر صدر مدرس بنے اور کئی سال خدمت انجام دینے کے بعد ۱۹۸۳ء

میں وظیفہ یاب ہو گئے۔

جب تک صحت نے ساتھ دیا مولانا اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ دین و ملت کی خدمت بڑی توجہ اور خلوص سے انجام دیتے رہے۔ چنانچہ مسجد فتح دروازہ ادھونی میں پورے پچاس سال امام و خطیب کی حیثیت سے بلا معاوضہ خدمت انجام دی۔ مولانا فرماتے ہیں:

”یہی میرے اساتذہ کرام کی تعلیم و تربیت اور نصیحت تھی کہ جہاں بھی رہوں میں اپنے علم و عمل سے دین و ملت کو فائدہ پہنچاتا رہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نے اپنے اساتذہ کرام کی کم از کم ایک نصیحت پر عمل کیا“

مولانا کی ایک تابندہ خدمت نوجوانوں کی دینی تعلیم و تربیت ہے۔ اپنے پچاس سالہ دورِ خدمت میں آپ نے اس طرف بڑی توجہ دی۔ مسلک و مشرب کے فرق کے بغیر عوام و خواص سے آپ نے وسیع تعلقات رکھے۔ دینی معاملات میں آپ کی شخصیت شہر ادھونی میں مرجع کی حیثیت رکھتی تھی۔

مولانا نے صحیح مسلم شیخ الحدیث مولانا محمد نعمان اعظمی علیہ الرحمٰن سے پڑھی تھی، جو حضرت میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگرد تھے۔ چند سال پہلے جب اہل علم کو معلوم ہوا کہ آپ کے پاس سندِ عالی ہے، تو عرب و عجم کے قدر دان آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور سند حدیث حاصل کرتے رہے۔

مولانا نے بڑی طویل عمر پائی اور دین و ملت کی خدمت سے معمور زندگی گزاری۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۹۵ سال تھی۔ آپ کی قابل رشک زندگی پر یہ حدیث صادق آتی ہے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے: خیر الناس من طال عمره وحسن عمله۔ (سنن ترمذی)

”تم میں بہترین آدمی وہ ہے جس کی عمر لمبی اور جس کا عمل بہترین ہو“

اللہ تعالیٰ غریقِ رحمت کرے اور چادرِ مغفرت میں ڈھانپ لے۔

(راہِ اعتدال عمر آباد ستمبر ۲۰۱۹ء)



ڈاکٹر سلمان راغب بن شاد عباسی بنارس کا سانحہ ارتحال

وفات ۲۹ اکتوبر ۲۰۱۹ء

شیخ اصغر علی امام مہدی سلفی

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے اپنے ایک اخباری بیان میں بنارس کے مشہور شاعر و صاحب قلم ڈاکٹر سلمان راغب بن شاد عباسی کے سانحہ ارتحال پر اپنے شدید رنج و غم کا اظہار کیا ہے جو آج دو پہر دو بجے بنارس میں طویل علالت کے بعد بصر پچپن سال اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

امیر محترم نے اخباری بیان میں کہا ہے کہ ان کی وفات سے جماعت و ملت اپنے ایک قابل قدر سپوت سے محروم ہو گئی ہے۔ موصوف نے بی ایچ یو سے اردو ادب میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ وہ زرنگار سوسائٹی کے ذمہ دار تھے جس کے توسط سے وہ اپنے تمام دینی و ادبی پروگرام منعقد کرتے تھے۔ المنار پبلک اسکول زیر نگرانی جامعہ سلفیہ بنارس کے نگران و انچارج کے علاوہ الاحد پبلک اسکول کے بھی ذمہ دار تھے۔ بنارس میں مولانا آزاد اپن یونیورسٹی کا جو سینٹر ہے وہ اس کے بھی نگران تھے۔ حال ہی میں یو پی اردو اکیڈمی نے انہیں ان کی خدمات کے لئے صحافتی ایوارڈ سے نوازا تھا۔ ان کا شمار شرفاء بنارس میں ہوتا تھا جب کہ ان کے جد امجد حافظ عباس اپنے تقویٰ و طہارت کے لئے مشہور اور جماعتی و ملی خدمت کے لئے ہمیشہ وقف رہے۔ شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ اور ان کے خاندان کے ساتھ ان کا تعلق دلگاہ و بہت گہرا تھا۔ ان کے ساتھ ادب و احترام کا ایسا رویہ رکھنے والے ان کے جیسے بہت کم لوگ ملے۔ اہل علم سے ادب و احترام کا رویہ اس خاندان کے کا طرہ امتیاز اور مہمان نوازی ان کی پہچان ہے۔ جس کی بنا پر ہم جیسے خوردوں کو بھی انہوں نے جماعتی غیرت و حمیت اور ملی ہمدردی کے پیش نظر ہمیشہ قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا۔ سلمان راغب عظیم خاندان کے چشم و چراغ اور اپنے خاندان کی روایات و اقدار کے امین تھے۔ ادبی و صحافتی دنیا میں بھی اس طریقہ سے وہ اپنے والد کی علمی میراث کو زندہ رکھنے اور خاص طور پر شعر و ادب اور اصلاحی و ادبی کتابوں کی نشر و اشاعت میں سرگرم رہے۔ اہل علم سے ان کے روابط بہت اچھے تھے۔ للہ فی اللہ جامعہ سلفیہ بنارس کی حقیقی خدمت نیز تعمیر و ترقی میں فکری و عملی طور پر جتنی بھی مساہمت ہو سکتی تھی برابر کرتے تھے۔ جامعہ و جمعیت کو اپنی حیثیت و جاہ نیز اپنے سنجیدہ رویے سے فیض پہنچاتے رہے۔ حافظ عباس والیاس دارحمہ اللہ جامعہ سلفیہ کے پروگراموں میں دعوت نامہ کے انتظار میں بیٹھے نہیں رہتے تھے۔ بلکہ وہ جامعہ سے اپنے قلبی لگاؤ کے باعث ہمیشہ پابندی سے شریک ہوتے تھے اور ہمہ وقت اس کی خدمت کے لئے وقف رہتے تھے۔ ناظم جامعہ مولانا عبدالوحید سلفی اور شیخ الجامعہ مولانا عبدالوحید رحمانی ان کے بڑے قدر دان تھے اور یہ دونوں بھی ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ ڈاکٹر سلمان جمعیت و جماعت کے لئے ہمیشہ فکر مند رہتے تھے، وہ فون پر حالات معلوم کرتے رہتے اور ہمیشہ خدمت کی پیش کش کرتے رہتے۔ انکے والد ماجد ابوالقاسم شاد

عباسی فکر و فن، شاعری، اور علم و ادب کے شوقین و رمزشناس ہیں۔ بڑھاپے میں اس صدمہ عظیم سے دوچار ہیں۔ ہم ان کے غم میں شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کی حسنات کو قبول فرمائے اور لغزشوں سے درگزر فرماتے ہوئے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ پس ماندگان میں والد محترم ابوالقاسم شاد عباسی، بیوہ اور تین لڑکے ہیں۔

(ترجمان ۳۰-۱۶ نومبر ۲۰۱۹ء)



حافظ محمد ظہور الحق السلفی راٹیسہ

وفات: ۲ نومبر ۲۰۱۹ء

محمد حفیظ الرحمن

انتہائی رنج و ملال کے ساتھ یہ خبر دی جا رہی ہے کہ جمعیت اہل حدیث جھوم پورہ کے سابق صدر اور جامعہ مصباح العلوم جھوم پورہ کے پہلے ناظم جناب حافظ محمد ظہور الحق السلفی تقریباً سو سال کی عمر میں گزشتہ ۲ نومبر ۲۰۱۹ء بروز سنچر رات ۱۰ بجے انتقال کر گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ دوسرے روز صوبائی امیر الشیخ طہ سعید خالد المدنی حفظہ اللہ کی امامت میں ایک جم غفیر نے نماز جنازہ ادا کی اور جماعت کی قبرستان میں انہیں سپرد خاک کیا۔ نماز جنازہ میں مقامی جمعیت جھوم پورہ کے علاوہ ضلع کیوچھرو گھوسدا، یونٹ اور کیندرہ پاڑا کی جمعیتوں سے بھی افراد جماعت شریک تھے۔

موصوف علیہ الرحمۃ نمونہ سلف، انتہائی متواضع اور علم و عمل کے پیکر تھے اور متعدد بار حج بیت اللہ کی سعادت بھی حاصل کئے۔ دینی و ملی خدمات کے ساتھ حکمت (علاج) بھی کرتے تھے۔ اور اڑیشہ سے متصل جھارکھنڈ کے علاقہ جنت گڑھ میں ایک لمبے عرصے تک تدریسی خدمات انجام دیئے۔ پس ماندگان میں اولاد و احفاد کے ساتھ شاگردوں کی ایک طویل فہرست ہے۔ اللہ تعالیٰ حافظ صاحب موصوف کی مغفرت فرمائے اور جملہ لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین (شریک غم: محمد حفیظ الرحمن، امیر جمعیت اہل حدیث جھوم پورہ و صدر جامعہ مصباح العلوم، جھوم پورہ، اڑیشہ)

(ترجمان ۳۰-۱۶ نومبر ۲۰۱۹ء)



مدرسہ عربیہ ہدایت العلوم چمن پور، مکرانہ، راجستھان کے بانی جناب فقیر محمد رانڈر کا سانحہ ارتحال

وفات: ۶ نومبر ۲۰۱۹ء

شیخ اصغر علی امام مہدی سلفی

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے جاری ایک اخباری بیان میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی مجلس عاملہ و شوروی کے رکن رکین، صوبائی جمعیت اہل حدیث راجستھان کے ناظم اعلیٰ، راجستھان کے معروف ماربل مائنس مالک و تاجر اور ملک و ملت اور جمعیت و جماعت کی نہایت مخلص و غیور، مخیر اور ذمہ دار شخصیت جناب عبدالحفیظ صاحب رانڈر کے والد ماجد اور مدرسہ عربیہ سلفیہ ہدایت العلوم چمن پور، مکرانہ، راجستھان کے بانی جناب فقیر محمد رانڈر صاحب کے سانحہ ارتحال پر اپنے شدید رنج و غم کا اظہار کیا ہے جو کل مورخہ ۶ نومبر ۲۰۱۹ء کو شام سات بجے وطن مالوف مکرانہ راجستھان میں طویل علالت کے بعد بصر ۹ سال اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

امیر محترم نے کہا کہ مرحوم نہایت ہی نیک، پرہیزگار، خصائل حمیدہ اور اخلاق عالیہ سے متصف، صوم و صلاۃ کے پابند اور نہایت ہی مخلص و غیور اہل حدیث تھے۔ سخاوت و فیاضی ان کا امتیاز تھا اور مدارس و مساجد اور دیگر مستحقین کی امداد کے لئے ان کا ہاتھ ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ جماعتی و ملی کار سے کافی دلچسپی رکھتے تھے اور دینی کاموں کے علاوہ سماجی خدمات کی انجام دہی میں لگے رہتے تھے۔ علاقہ کے چند باحیثیت لوگوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ علماء نواز تھے اور ان کی ضیافت کرتے تھے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ذمہ داران خصوصاً مجھ ناچیز سے بڑی محبت کرتے تھے اور جب بھی مکرانہ حاضری ہوتی تو بڑے خلوص سے ملتے، پر تپاک استقبال کرتے اور پر تکلف ضیافت فرماتے تھے۔ انہوں نے اپنی اولاد و احفاد کی صحیح اسلامی تربیت فرمائی جس کا نتیجہ ہے کہ جناب عبدالحفیظ صاحب سمیت ان کے تمام صاحبزادے اور صاحبزادیاں نیک، شریف اور دیندار ہیں اور دین و ملت اور جماعت کے کاموں میں پیش پیش رہتے ہیں۔ مرحوم اپنے لگائے ہوئے چمن مدرسہ عربیہ ہدایت العلوم مکرانہ جس کے روح رواں جناب عبدالحفیظ صاحب ہیں کی تعمیر و ترقی کے لئے ہمیشہ فکر مند رہتے اور وہاں تعلیم و تربیت میں بہتری لانے کے لئے ہمیشہ مشورے دیتے رہتے تھے۔ اساتذہ و طلباء آپ کے اخلاق کریمانہ سے بے حد متاثر تھے اس لئے ان کی موت پر ان کا غمزدہ ہونا ایک فطری امر ہے۔ اسی طرح مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا تعمیراتی کام جو اہل حدیث منزل جامع مسجد، دہلی میں پایہ تکمیل تک پہنچنے والا ہے اس کے لئے انہوں نے نہ صرف یہ کہ سنگ مرمر کے ذریعہ تعاون فرمایا بلکہ وہ اس کی تکمیل کے لئے بہت فکر مند بھی تھے اور اپنے فرزند ارجمند جناب عبدالحفیظ صاحب کو دیگر جماعتی اور ملی کاموں کی طرح اس کی بھی ترغیب دیتے رہتے تھے۔ ان کی تجہیز و تدفین کل ہی رات ۱۱ بجے آبائی قبرستان مکرانہ میں عمل میں آئی۔ پسماندگان میں چھ صاحبزادے جناب عبدالحفیظ صاحب، جناب عبداللطیف صاحب، جناب محمد صدیق صاحب، جناب معین الدین صاحب، جناب کلام الدین صاحب، چار صاحبزادیاں، تین درجن سے زائد پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں ہیں جن میں بڑے پوتے عبدالرحیم جامعہ اسلامیہ مدینہ

منورہ کے فیض یافتہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے، ان کی خدمات کو قبول فرمائے، جنت الفردوس کا ملین بنائے۔ پسماندگان خصوصاً عبدالحفیظ صاحب، ان کے بھائیوں، بہنوں اور دیگر اہل خانہ کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور جمعیت و جماعت کو ان کا نعم البدل عطا کرے۔ آمین۔ (ترجمان ۳۰-۱۶ نومبر ۲۰۰۹ء)



مبارکپور کی معروف سماجی و ملی شخصیت الحاج عبدالرقيب کا انتقال پر ملال

وفات: ۹ نومبر ۲۰۱۹ء

شیخ اصغر علی امام مہدی سلفی

۹ نومبر ۲۰۱۹ء مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے جاری ایک اخباری بیان میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے مولانا عبدالسلام مبارکپوری کے پوتے، شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ مبارکپوری کے برادر زاد، جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال کے موقر استاذ مولانا فضل حق مدنی کے والد گرامی اور جامعہ عربیہ دارالتعلیم پورہ صوفی مبارکپور کے استاذ مولانا عتیق الرحمن سلفی کے بڑے بھائی اور مبارکپور کی معروف شخصیت جناب الحاج عبدالرقيب کے انتقال پر گہرے رنج و افسوس کا اظہار کیا ہے۔

امیر محترم نے فرمایا کہ الحاج عبدالرقيب صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔ وہ شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ مبارکپوری کے زیر تربیت پلے بڑھے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اوپر شیخ الحدیث کی تربیت کے گہرے نقوش پائے جاتے تھے۔ وہ بڑے خوش مزاج و ملنسار اور صوم و صلوة کے پابند تھے۔ نیک نفسی، تقویٰ، شرافت اور عبادت و ریاضت ان کی زندگی کا نمایاں وصف تھا۔ علماء نواز تھے اور علماء کی مجالس میں بڑے شوق اور رغبت سے بیٹھتے تھے۔ مجھ ناچیز سے بھی بڑی محبت سے پیش آتے تھے اور میں مبارک پور حاضری کے موقع پر ان کی شفقت و محبت سے فیض یاب ہوتا تھا۔ وہ ملی و سماجی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے اور اپنے اعلیٰ اخلاق و کردار کی وجہ سے قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ گذشتہ شب بارہ بجے طویل علالت کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ اور آج بعد نماز ظہر آبائی وطن مبارک پور میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔ اہل حدیث کمپلیکس اوکھلا، نئی دہلی میں بھی ان کے پوتوں کی موجودگی میں نماز جنازہ غائبانہ ادا کی گئی۔ پسماندگان میں چار صاحبزادے مولانا فضل حق مدنی، الحاج محب الحق، الحاج شمس الحق اور الحاج فیاض الحق، ایک صاحبزادی فاضلہ اور پوتے پوتیوں اور نواسیوں پر مشتمل ایک بڑا خاندان ہے۔ بڑے صاحبزادے مولانا فضل حق سلفی مدنی جو نیپال کے معروف مرکزی تعلیمی و تربیتی ادارہ ام الجامعات جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈا نگر کے سینئر استاذ ہیں، اخلاق، دین داری اور طہارت و پاکیزگی میں ممتاز ہیں اور افتاد مولانا صہیب حسن مدنی، حافظ راشد حسن سلفی، حافظ حامد حسن سلفی، حافظ حمید حسن سلفی، حافظ خیب حسن سلفی، حافظ جمود حسن، ڈاکٹر ضیاء الحق وغیرہ سب عالم و فاضل ہیں۔ صاحب تصنیف ہیں اور دینی و تعلیمی خدمات سے جڑے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ جنت الفردوس کا ملین بنائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین۔ (ترجمان ۳۰-۱۶ نومبر ۲۰۱۹ء)



جناب ریاض رب صاحب کلکتہ کی وفات

وفات: ۱۳ نومبر ۲۰۱۹ء

مولانا محمد رحمانی

۱۳ نومبر ۲۰۱۹ء بروز بدھ رات سوا آٹھ بجے کلکتہ کے معروف تاجر جناب ریاض رب صاحب رحمہ اللہ کی وفات ہوگئی۔ مارچ ۲۰۱۳ء میں ان کی اہلیہ فوت ہوگئی تھیں جس کا ان کو بڑا صدمہ تھا۔ وفات سے چند ماہ قبل ماہ اپریل ہی میں انہوں نے دوسری شادی کی تھی وہ اپنے خاندان کے باقی افراد میں سب سے بڑے تھے اور مختلف خاندانی و تجارتی معاملات کے ذمہ دار بھی تھے۔ خاندان کا کوئی بھی مسئلہ وہی حل کیا کرتے تھے۔ موصوف کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ علماء کے بڑے قدردان تھے۔ کلکتہ میں جماعت کا کوئی بھی عالم آنے والا ہو تو وہ اس کے استقبال سے لے کر تمام چیزوں کی ذمہ داری اٹھانے کا پورا بندوبست کرتے تھے، علماء کے محاضرات کی ترتیب، ان کے دروس معروف شخصیات سے ان کی ملاقاتوں کا بندوبست اور اگر ان کا تعلق مدارس اسلامیہ سے ہے تو اہل خیر حضرات سے تعاون کے حصول کے امکانات پیدا کرنا ان کا خاص وصف تھا۔ اپنے دولت خانہ پر علماء کے اعزاز میں مختلف افراد کو جمع کرنا، ان کی دعوتیں کرنا اور رہائش کی مجلس میں بھی علمی مسائل کی فضا بنانا اور دروس وغیرہ کا اہتمام کرنا ان کا خاص مشغلہ تھا۔

جولائی ۲۰۱۹ء میں انہیں پینکیر یا کینسر ہوا، اس کے پہلے رمضان المبارک ہی سے وہ پیٹ کی تکلیف محسوس کرتے تھے، دیکھتے ہی دیکھتے کینسر نے خطرناک شکل اختیار کر لی اور ساری کوششوں کے باوجود وہ شفایاب نہ ہو سکے۔ وہ بیماری کے ایام میں مسلسل دعاؤں اور شرعی مسائل کے لئے بذریعہ فون رابطہ کرتے تھے، ان کو کسی نے کینسر کے علاج کے لئے کسی بابا سے رجوع کرنے کی صلاح دی لیکن وہ فوراً انکار کر بیٹھے اور فون پر مجھ سے اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو بھی کی اور غیر شرعی طریقہ کا ذکر کر کے اس سے اپنی بے زاری کا اظہار بھی کیا، اور اللہ کے فضل سے شدید تکلیف کے ماحول میں بھی شرک باللہ سے محفوظ رہے۔

وہ چڑے کے بڑے تاجروں میں سے تھے، ملک میں چل رہی غلط پالیسیوں کے نتیجے میں ان کی تجارت بھی مندی کی بھینٹ چڑھ گئی لیکن انہوں نے حوصلہ نہیں ہارا اور ڈٹ کر اپنے پیشہ سے جڑے رہے۔ وہ جون ۲۰۰۱ء سے تا وفات ابوالکلام آزاد اسلامک اوپننگ سنٹر، نئی دہلی کی جنرل باڈی کے ممبر بھی رہے، صوم و صلاۃ اور نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا ان کا خاصہ تھا اور یہ صفت ان کے بچوں میں بھی بڑی حد تک موجود ہے۔ موصوف سے بڑی ایک بہن تھیں، ان کے بعد بڑے بھائی فیاض رب نیز چھوٹے بھائیوں میں نیاز رب، ممتاز رب اور ضیاء رب ہیں اور نیاز رب کے بعد تین بہنیں بھی ہیں، اولاد میں بالترتیب سالم، دو بیٹیاں پھر طارق اور عمر سلمہم اللہ ہیں نیز دوسری بیوی (بیوہ) بھی ہیں۔ موصوف کی صلاۃ جنازہ دوسرے دن ۱۴ نومبر بروز جمعرات صلاۃ ظہر کے بعد گھر سے متصل غلام رسول مسجد میں ادا کی گئی، ان کے بھائیوں اور بچوں نے صلاۃ جنازہ پڑھانے کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی تھی اور تقریباً صلاۃ عصر سے قبل گوبرا قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

(التبیان دہلی دسمبر ۲۰۱۹ء)

□□□

آہ! الحاج عبدالرشید صاحب، مالیر کوٹلہ، پنجاب

وفات: ۲۱ نومبر ۲۰۱۹ء

شیخ اصغر علی امام مہدی السلفی

دہلی: ۲۲ نومبر ۲۰۱۹ء مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے جاری ایک اخباری بیان میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی حفظہ اللہ نے صوبائی جمعیت اہل حدیث پنجاب کے سابق امیر، مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے سابق رکن مجلس عاملہ و شوری، جامعہ سلفیہ بنارس کے سابق نائب صدر و رکن مجلس منظمہ معروف تاجر و صنعت کار، غیور و مخیر اور مقتدر و معتبر جماعتی و ملی شخصیت الحاج عبدالرشید صاحب کے انتقال پر ملال پر گہرے رنج و افسوس کا اظہار کیا ہے اور ان کی موت کو ملک و ملت، جماعت اور انسانیت کا بڑا خسارہ قرار دیا ہے۔

انہوں نے کہا کہ الحاج عبدالرشید صاحب جن کا کل مورخہ ۲۱ نومبر ۲۰۱۹ء کو شب کے گیارہ بجے آبائی وطن مالیر کوٹلہ میں عمر ۹۲ سال انتقال ہو گیا، نہایت ہی نیک، پرہیزگار، اور خصائل حمیدہ سے متصف، پابند شرع اور نہایت ہی مخلص و غیور اور نامور اہل حدیث بلکہ پنجاب میں اہل حدیث اور مسلمانوں کی پہچان تھے۔ سخاوت و فیاضی ان کا امتیاز تھا اور مدارس و مساجد اور دیگر مستحقین کی امداد کے لئے ان کا ہاتھ ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ آپ بہت سی انجمنوں اور سوسائٹیوں کے سرپرست، عہدیدار اور رکن تھے۔ جماعتی کار سے کافی دلچسپی رکھتے تھے۔ علماء نواز تھے اور ان کی ضیافت کرتے تھے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ذمہ داران خصوصاً مجھ ناچیز سے بڑی محبت کرتے تھے اور جب مالیر کوٹلہ حاضری ہوتی تو بڑے خلوص سے ملتے، پر تپاک استقبال کرتے اور امکان اور اصرار کی حد تک اپنے یہاں قیام پر مجبور کرتے تھے۔ جمعیت و جماعت کے لئے مفید مشورے دیتے تھے۔ اور اس پیرانہ سالی میں بھی جمعیت و جماعت کی خبر بذات خود فون کر کے معلوم کرتے تھے اور مرکز کی متنوع دینی، علمی، تحقیقی، دعوتی، نشریاتی، تعمیراتی، رفاہی اور قومی و ملی سرگرمیوں کے بارے میں اچھی خبر سن کر خوش ہوتے تھے، خصوصاً جمعیت کی طرف سے نئی کتابوں کی طباعت پر خوشی کے اظہار کے ساتھ ساتھ کتابوں کے نسخے طلب کرتے اور تعریف و توصیف کے ساتھ ڈھیر ساری دعائیں دیتے تھے۔ اور اپنی اولاد و اتحاد کو بھی دینی اور جماعتی کاموں کی ترغیب دلاتے رہتے تھے۔

امیر محترم نے کہا کہ اہل حدیث منزل کے کاغذی منتقلی کے سلسلے میں الحاج عبدالرشید صاحب نے مخلصانہ کوششیں صرف کیں اور اس سلسلہ میں انہوں نے کئی مرتبہ عازم سفر ممبئی وغیرہ ہونے کے لئے کمر کسا اور اس قضیہ کو پائے تکمیل تک پہنچانے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے۔ آپ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی مجلس عاملہ اور شوری کی میٹنگوں میں بلا ناغہ اہتمام سے شریک ہوتے تھے۔ اور بہت

صاف گوئی سے جمعیت کی تعمیر و ترقی کے لئے مخلصانہ مشورہ دینے کے ساتھ ساتھ کسی کی طرف سے بھی ادنیٰ ریشہ دوانی، الزام تراشی و پروپیگنڈوں کو کبھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں حزم و جزم پر مبنی ان کے مواقف بارہا خصوصاً میٹنگوں کے دوران دیکھنے کو ملتے رہے۔ وہ کسی کی پرواہ کیے بغیر جمعیت کے کارناموں پر بیجا نکتہ چینی اور حاسدانہ پروپیگنڈوں اور اعتراضات کرنے والوں پر غصہ ہوتے تھے اور اپنے مسکت جواب سے بڑے بڑوں کی مطلب براری اور تذلیل و تلبیس کا پردہ چاک کر دیتے تھے، وہ بہت سارے لوگوں کی نفسیات سے بخوبی واقف تھے۔ جمعیت کی موجودہ ترقی اور استحکام میں ان کی ہمت افزائی کا بڑا دخل ہے۔ وہ غلط پروپیگنڈا کرنے والوں کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ امیر محترم نے مزید کہا کہ ادھر بہت دنوں سے مرحوم کی شدید خواہش اور تمنا تھی کہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے سرپرست اور سابق امیر محترم جناب حافظ محمد بیگی دہلوی حفظہ اللہ صاحب سے ان کی ملاقات ہو اور دوسری یہ کہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے دنوں عظیم تعمیراتی پروجیکٹوں خصوصاً اہل حدیث منزل جس کی تعمیر کی خبر سن کر بہت خوش تھے، کا معائنہ کریں لیکن پیرانہ سالی کے سبب نیز امروز و فردا میں ان کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔ البتہ اس کے اجر و ثواب سے ان شاء اللہ محفوظ و ماجور ہوتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے، ان کی خدمات کو قبول فرمائے، جنت الفردوس کا مکین بنائے۔ پسماندگان خصوصاً صاحبزادوں ساجد رشید، بلال رشید، طلحہ رشید، یاسر رشید، سہیل رشید، اور ہارون رشید اکلوتی صاحبزادی، داماد محمد اویس صاحب، پوتے پوتیوں اور نواسوں نواسیوں اور دیگر اہل خانہ کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور جمعیت و جماعت کو ان کا نعم البدل عطا کرے۔ آمین۔

پریس ریلیز کے مطابق ان کی تجہیز و تدفین آج ۱۱ بجے دن آبائی قبرستان اجاڈ و تکیہ مالیر کوٹلہ میں عمل میں آئی، اہل حدیث کمپلیکس دہلی میں بعد نماز جمعہ نماز جنازہ غائبانہ کا اہتمام ہوا اور بنگال میں گاجول کی عظیم جامع مسجد میں بھی امیر محترم کے زیر امامت نماز جنازہ غائبانہ ادا کی گئی۔ اللہم اغفر لہ وارحمہ۔

(ترجمان ۱۵-۱۹ دسمبر ۲۰۱۹ء)



بھدوہی کی ممتاز و مقتدر شخصیت اور معروف شاعر و تاجر

جناب الحاج شرافت حسین وزیری کا انتقال

(وفات: ۲۹ نومبر ۲۰۱۹ء)

شیخ اصغر علی امام مہدی السلفی

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے جاری ایک اخباری بیان میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی حفظہ اللہ نے بھدوہی کی ممتاز و مقتدر دینی، ملی و سماجی شخصیت، معروف شاعر و ادیب اور مشہور قالمین تاجر جناب الحاج شرافت حسین وزیری کے انتقال پر گہرے رنج و افسوس کا اظہار کیا ہے اور ان کی موت کو بڑا دینی، علمی، ادبی، قومی، ملی اور جماعتی خسارہ قرار دیا ہے۔

انہوں نے فرمایا کہ جناب الحاج شرافت حسین وزیری صاحب جن کا گذشتہ شب دو بجے دہلی کے ایس ہاسپٹل میں ۸۷ سال انتقال ہو گیا، نہایت ہی نیک، دیندار، پرہیزگار اور خصائل حمیدہ سے متصف، پابند شرع اور نہایت ہی مخلص و غیور، نامور اہل حدیث اور بھدوہی کے معروف دینی و تجارتی خاندان وزیری کے سرپرست تھے۔ دعاء و اذکار کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے اور حسب مراتب عزیزوں، رشتہ داروں، دوست و احباب اور علماء کرام اور عوام و خواص کے لئے بالالتزام و باہتمام دعائیں کرتے تھے۔ ایسے وقت میں جب کہ عام لوگوں کی غفلت کا عالم یہ ہے کہ اپنی ذات تک کو فراموش کر دیا ہے اور اپنے لیے بھی دعا کی توفیق نہیں ملتی چہ جائیکہ اپنے خویش و اقارب، دوست و احباب اور عوام و خواص کے لئے دعا کریں، شرافت حسین وزیری کی شخصیت اس حوالے سے غنیمت و ممتاز تھی۔

امیر محترم نے فرمایا کہ الحاج شرافت حسین وزیری صاحب اردو زبان و ادب کے ماہر، عروضی، قادر الکلام اور کہنہ مشق شاعر تھے۔ رونق تخلص فرماتے تھے، ان کا مجموعہ کلام ”احساس کی خوشبو“ شائع ہو چکا ہے۔ پاکیزہ تصورات و خیالات اور اسلامیات میں ڈوبی ہوئی نظمیں کہتے تھے، خصوصاً نعت گوئی کی باریکی و نزاکت کو نبھاتے تھے۔ عقیدہ کی پختگی اور مقام رسالت سے واقفیت و وارستگی کی وجہ سے کبھی بھی افراط و تفریط اور غلو کا شکار نہیں ہوئے۔ ان کی نعتیں محبت رسول کا حقیقی آئینہ دار ہوتی تھیں۔

انہوں نے مزید کہا کہ یوں تو نیا بازار بھدوہی اور چہار بنگلہ خصوصاً وزیری خاندان اپنے متنوع دینی مزاج، اخلاقی برتاؤ، سماجی خدمات، تجارتی امتیازات، خاندانی رکھ رکھاؤ، قومی و ملی یکجہتی وغیرہ خصوصیات کی وجہ سے اپنے جدا مجد کے زمانہ ہی سے بہت ہی ممتاز گردانا جاتا ہے لیکن شرافت وزیری صاحب کی زندگی کی مختلف خصوصیات انفرادیت کی شکل اختیار کر گئی تھیں۔ آپ کے بڑے بھائی

جناب اشفاق وزیری مرحوم جہاں اپنی ذات میں ایک انجمن تھے وہاں جماعت خصوصاً جمعیت کے سلسلے میں آپ کی کوشش اور فکر مندیاں لائق تعریف و تحسین تھیں۔ جمعیت کے پلیٹ فارم سے جو موجودہ ہمہ جہت کارنامے انجام پائے ہیں اور اس کی ایک طرح سے جو نشاۃ ثانیہ ہوئی ہے اس میں اشفاق وزیری صاحب اور دیگر مخلصین کا ذمہ داران خصوصاً مجھ ناچیز ”امیر جمعیت“ کے ساتھ جس طرح کا پر خلوص تعاون اور جدوجہد تھی وہ لائق ستائش ہے۔ شرافت وزیری صاحب بھی آخری عمر میں جماعتی کار سے کافی دلچسپی رکھتے تھے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ذمہ داران خصوصاً مجھ ناچیز سے بڑی محبت کرتے تھے اور دعاؤں میں یاد رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنی آل و اولاد کی دینی تربیت فرمائی، یہی وجہ ہے کہ سب اپنی اعلیٰ تعلیمی و تجارتی اور منصبی مصروفیات کے باوجود دینی دلی کاموں میں پیش پیش رہتے ہیں۔ الحاج شرافت وزیری صاحب ادھر کچھ دنوں سے صاحب فراش تھے ان کا علاج مختلف پرائیویٹ ہسپتالوں کے علاوہ ایمس میں ہوا، اس دوران آپ کے تمام ہی فرزندگان، بھتیجے، خویش واقارب اور دوست و احباب مکمل طور سے تیمارداری میں لگے رہے۔ لیکن موت کا وقت متعین ہے آج ۳۰ نومبر کو اللہ کے پیارے ہو گئے۔ اور سہ پہر بذریعہ ہوائی جہاز ان کو آبائی وطن بھدوہی لے جایا گیا جہاں آج ہی بعد نماز عشاء ان کی تجہیز و تدفین عمل میں آئے گی۔ ان شاء اللہ۔ پسماندگان میں نو بیٹے جناب ارشد وزیری، جناب نجی وزیری حج دہلی ہائی کورٹ، جناب فرحت وزیری، جناب عشرت وزیری، جناب انتخاب وزیری، جناب فیروز وزیری، جناب فضل وزیری، جناب انیس وزیری، جناب ضیاء وزیری، اکلوتی بیٹی، بھتیجے اور متعدد پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے، ان کی خدمات کو قبول فرمائے، جنت الفردوس کا مکین بنائے۔ پسماندگان خصوصاً صاحبزادے جناب ارشد وزیری صاحب اور ان کے دیگر آٹھ بھائیوں، اکلوتی بیٹی، داماد، بھتیجوں، دیگر اہل خانہ اور پورے خاندان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور جمعیت و جماعت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین۔

(ترجمان دہلی ۳۱-۱۶/دسمبر ۲۰۱۹ء)



مولانا عبدالحفیظ سلفی بسکوہری

وفات ۳۰ نومبر ۲۰۱۹ء

شیخ عبدالمعید مدنی

پچاس سال کا تعلق انسیت اور یگانگت آج صبح پانچ بجے اس وقت ختم ہوگئی جب انھوں نے آخری سانس لی۔ آج جب پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں یادوں کی ایک برات سامنے آکھڑی ہوتی ہے۔ انسان ممتاز فصیح اللسان بلیغ البیان ہو کر بھی ان حالات و ظروف کو بیان کرنے پر قدرت نہیں رکھتا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو ودیعت ہوتے ہیں اور انسان لمحہ لمحہ سانس سانس جیتا ہے۔ وہ سب ماضی کی امانت بن جاتے ہیں۔ تقدیر کے فیصلے ہوتے ہیں اور خیر و شر کر اما کاتبین کے ریکارڈ کا حصہ۔ خاندان میں جس پیڑھی کے ہم ہیں وہ چوتھا لپیر ہے مولانا دوسرے لپیر کے فرد تھے اس میں تین حضرات تھے ڈاکٹر محمد اجمل ندوی، جمیل احمد اور مولانا۔ تینوں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ تیسرے لپیر میں عبدالوحید اور مقبول احمد بھی راہی عالم ارواح ہو گئے۔ پہلا لپیر انوار الحق صاحب اور ڈاکٹر خلیل احمد کا ہے اول الذکر نے شاید آزادی سے قبل لکھنؤ یونیورسٹی سے گریجویشن کیا۔ خلیل صاحب نے فیض عام ندوہ بمبئی یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی اور مسلم یونیورسٹی سے عربی میں پی ایچ ڈی کی۔ اس لپیر کے لوگ باحیات ہیں چوتھے لپیر میں ڈاکٹر محمد اقبال، ہیں اور خاکسار راقم ہے۔ مولانا ہمارے سب سے بڑے، سگے چچا محمد اسرائیل کے پوتے اور سب سے بڑے چچیرے بھائی عبدالاحد کے بیٹے تھے۔ مولانا کے ابا جان کل سات بھائی تھے۔ انکی ولادت اندازاً ۱۹۲۶ یا ۱۹۲۷ء میں آبائی گاؤں چوٹھوا میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں ہوئی۔ عربی درجات کی ابتدائی کتابیں مدرسہ محمدیہ بسکوہر میں مولانا عبداللہ پسر کبیر مولانا عبدالغفور بسکوہری سے پڑھیں۔ بسکوہر سے بونڈھیار گئے اور مدرسہ سراج العلوم میں داخلہ لیا۔ جب جامعہ سلفیہ میں تعلیم شروع ہوئی تو ۱۹۶۶ میں مولانا محمد عابد رحمانی صاحب کی رہنمائی میں اپنے چار ساتھیوں کے ساتھ وہاں پہنچے اور وہاں داخلہ ملا۔ بات یوں ہے جامعہ کو استاد کی ضرورت تھی مولانا رحمانیہ میں پڑھ و پڑھا چکے تھے۔ خسروان بنارس انھیں جانتے تھے۔ استاد محترم اس وقت سراج العلوم میں مدرس تھے۔ جامعہ کے ذمہ داروں نے مولانا محمد اقبال رحمانی سے انھیں اپنے مدرسے سے ریلیز کرنے کو کہا۔ مولانا کو ریلیز کر دیا گیا مگر اس گزارش کے ساتھ کہ مدرسے کے پانچ منتہی طلباء کو جامعہ میں داخلہ ملے۔ وہ پانچ طلباء تھے۔ عبدالحفیظ (چوٹھوا) عبداللہ (کونڈو) سمیع اللہ (سریا) محمد الیاس (گورا بھاری) محمد عیسیٰ (شکر نگر) ۱۹۶۹/۷۰... کے تعلیمی سال میں انھوں نے مرکزی دارالعلوم (اب جامعہ سلفیہ) سے فضیلت سال دوم کی تکمیل کی۔

اسی سال وہ ہمیں اور اقبال کو اپنے ساتھ بنارس لے گئے اور ہم دونوں کو جامعہ رحمانیہ میں داخلہ ملا۔ داخلہ پہلے سے طے تھا ابا حضور (حکیم مولانا محمد اسحاق رحمانی) نے مولانا عزیز احمد ندوی سے پہلے ہی میرے اور اقبال کے داخلے کے متعلق بات کر لی تھی۔

مولانا ندوی ان کا اتنا احترام کرتے تھے کہ انکار کی گنجائش ہی نہ تھی۔ جامعہ سے فراغت کے بعد انھوں نے ایک سال موتی پور (مضافات تلسی پور) میں پڑھایا۔ دو ایک سال انھوں نے جمعیت اہلحدیث ضلع گونڈہ کے دفتر واقع تلسی پور میں قائم مکتب میں پڑھایا (دفتر تلسی پور میں نئی بستی، پولیس لائن کے پاس تھا۔ اس وقت پورے ہندوستان میں جمعیت کے پاس ایسا دفتر نہیں تھا۔ چار کمرے بنے تھے لائبریری تھی۔ مکتب تھا آفس تھی دعوتی دورے ہوتے تھے۔ ضلع کے اسٹر سے زیادہ مکاتب اسلامیہ دفتر کی نگرانی میں چلتے تھے مسجد کی بنیاد مولانا عبدالغفور بسکوہری کے ہاتھوں سے ۱۹۷۶ء میں رکھوائی گئی تھی۔ چار پانچ آدمیوں کا اسٹاف کام کرتا تھا ۱۹۷۲ء سے میرا وہاں آنا جانا تھا۔ پھر کچھ فسادی ملاؤں نے اس کو کوڑیوں میں بیچ دیا (عاملہمہ اللہ بما یرحمہم) وہاں سے مولانا کوئلہ باسنا نیپال میں چلے گئے۔ اور چند سال وہاں پڑھایا۔ ۱۹۷۵ء میں جب میں جامعہ سلفیہ میں عالم رابع میں تھا انھیں کھریا نواں ضلع اورنگ آباد بہار جانے کا بندوبست کیا۔ وہاں وہ سات سال سے زیادہ رہے۔ کھریا نواں اہل حدیث بستی ہے بلکہ اسے قصبہ کہتے۔ وہاں کے اہلحدیثوں کی قیادت ڈاکٹر شوکت حیات کے ہاتھ میں تھی۔ انتہائی نفیس آدمی۔ ایسا باوقار مہذب اور شائستہ انسان میں نے اپنی زندگی میں کم دیکھا ہے۔ کھریا نواں میں انھوں نے اتنی دلجمعی سے کام کیا اور ڈاکٹر صاحب نے اتنا تعاون کیا کہ پوری بستی میں دینی بہار آگئی بچہ بچہ ان سے وابستہ و خوش۔ بڑوں کی بات ہی کیا؟ کئی لڑکوں نے وہاں سے آکر جامعہ سلفیہ میں دینی تعلیم حاصل کی۔ ایسا لگتا تھا جیسے مسجد اور مدرسے میں نورانیت چھا گئی ہے۔ میرا بھی وہاں دو بار جانا ہوا۔ وہاں کی مسجد میں خطبہ بھی دیا۔ ۱۹۸۲ء کے اخیر میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں میں نے تعلیم مکمل کی اور جامعہ سلفیہ میں مدرس لگ گیا ۱۹۸۳ء میں میں نے انھیں بنارس بلا لیا۔ اس وقت مشرقی یوپی کے امیر مولانا عبدالسلام مدنی تھے ان سے رائے مشورہ ہوا مولانا مستقیم اور مولانا عزیز الرحمن سے رائے مشورہ ہوا دونوں مولانا کے خاص احباب میں سے تھے سب کی تصدیق سے بات آگے بڑھی بات دربار عالی میں گئی۔ مولانا کی شرط تھی کہ اہل و عیال کے ساتھ رہوں گا۔ رہائش گاہ شرط اولیٰ ہے۔ شرط مان لی گئی مولانا بچوں کے ساتھ کھریا نواں سے آگئے اور مشرقی یوپی کی نظامت سنبھال لی۔ انور صاحب نائب ناظم ہوا کرتے تھے اور عبدالرشید سلمہ کے ابا جان مولانا عبدالودود صاحب آفس سکرٹری۔ (اگر مجھ سے غلطی ہو رہی ہو تو رشید سلمہ درست کر دیں) مولانا جب تک ناظم رہے۔ بہت اسموٹھی کام ہوتا تھا۔ ان کے دور میں ۱۹۸۵ء میں بھدوہی میں دوروزہ صوبائی کانفرنس ہوئی۔ دعوتی کاموں میں تیزی آئی۔ ۱۹۸۵ء کے اخیر میں میں نے جامعہ سلفیہ چھوڑ دیا۔ دم گھٹتا تھا میرا۔ میرے جانے کے کچھ دنوں بعد مولانا نے بھی بنارس چھوڑ دیا۔ نظامت سے استعفیٰ دے دیا۔ انھوں نے مجھے استعفیٰ دینے کا سبب بتایا۔ تفصیل میں جائے بغیر بس دو لفظ۔ مولانا رہائش گاہ کی شرط پر آئے تھے۔ چند سالوں کے بعد حکم آنے لگا رہائش گاہ خالی کرو۔ مولانا ابھی لیت و لعل میں تھے کہ دربار عالی سے غنڈوں کی بھی دھمکی آئی مکان خالی کر دو ورنہ سامان سڑک پر پھینکو ادیس گے مولانا کو شاک لگا بوری بستر باندھا اور گھر آگئے اور طے کر لیا اب نوکری نہیں کریں گے۔ ہمارے گھرانے میں چا پلوسی نہیں ہے کھرا کھرا حساب ہے ایمان داری محنت اور خودداری پہچان ہے۔ ہمارے گھرانے نے کتنوں کو پالا ہے اور لٹ لٹ گئے ہیں اپنی داستاں بڑی لمبی ہے کیا چھیڑوں اسے آخرت کے لئے سینے میں چھپا رکھا ہے احمقوں کو میرے متعلق سب الٹا نظر آتا ہے۔ مولانا نے استعفیٰ کا سبب بتایا بہت دکھ ہوا۔ میں نے ”جمعیت اہلحدیث ایک جائزہ“ کے عنوان سے ایک مضمون لکھا جو ”نوائے اسلام“ کے

۱۹۸۵ء کے کسی شمارے میں چھپا تھا۔ اس میں چند جملے آقاؤں کے متعلق اشارتا آگئے تھے اس پر یہ بوکھلا اٹھے۔ میرا کیا گاڑتے۔ میں کب خود ساختہ آقاؤں کو خاطر میں لاتا ہوں۔ اس کا صلہ عزیز عمر سلفی اور عبدالواجد کو ملا دونوں دربار عالی کے گھر سے اور جامعہ سلفیہ سے بھگائے گئے۔ اور جب خیرات بٹورنے میں نوائے اسلام بہت آگے نکل گیا تو صاحب زادے چاہ رہٹ پہنچنے لگے۔ یہ ہے انکی اوقات۔ مولانا بنارس سے واپس آکر اپنے آبائی پیشہ تجارت میں لگ گئے اور چند سالوں میں کافی ترقی کر لی۔ جب اولاد بمبئی میں سٹل ہوگئی تو انھوں نے کاروبار تجارت بند کر دیا اور دینی رجحان کے سبب تدریس میں آگئے آخری چند سالوں میں میرے کہنے پر جیتا پور میں اقصی جو نیر ہائی اسکول میں بچوں کو قرآن کریم اور دینیات پڑھاتے تھے بنیادی طور پر ان کو دینی تربیت اور رہنمائی ابا حضور سے ملی۔ انکے خاص اساتذہ میں ہیں مولانا محمد اقبال رحمانی، مولانا محمد عابد رحمانی، مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی، مولانا عبد الوحید رحمانی، مولانا عبد المعید بناری اور مولانا شمش الحق سلفی۔

مولانا انتہائی محنتی بے ریا اور مخلص انسان تھے وقار اور سادگی ان کی پہچان تھی۔ وہ معاملہ کے بہت صاف ستھرے تھے۔ ایسا انسان لازماً حساس ہوتا ہے۔ آدمی جب محنتی ہو بے لاگ ہو کام میں کو چرنہ ہو تو کیوں کسی سے دے گا؟ لالچی ذلیل اٹھائی گیرے اور نیچ منافق جوڑ توڑ کرنے والے منافق اور مکھن باز ہوتے ہیں۔ مولانا باہمی اکرام اور محبت کے آدمی تھے۔ وہ دکھ سے لینے دکھ نہ دینے کے اصول کے قائل تھے۔ دین سے انکا لگاؤ بہت مضبوط تھا۔ زمانے تک انھوں نے خطابت کی۔ دعوت کا کام وسعت بھرا انھوں نے ہمیشہ کیا۔ کتابوں کے عاشق تھے۔ دعوتی کتابیں بانٹنے کے وہ ایک طرح سے دیوانہ تھے۔ تقریباً پندرہ سال میں انھیں دعوتی کتابیں دلی سے بھیجتا رہا کچھ سالوں سے مکتبہ دارالہدی کے مالک عزیزم شہاب الدین اور میں مشترکہ طور پر انھیں کتابیں بھیجتے رہے وہ ایک ایک نسخہ پوری ذمہ داری سے دور دور تک پہنچاتے تھے۔ گاؤں گھر اور اعضاء میں سلسلہ وار کتابیں پہنچاتے۔ میرے رسالے الاحسان کو اور میری تصنیفات کو خاص طور پر بڑے اہتمام سے لوگوں کو دیتے۔ یہ سب للہ فی اللہ۔ بعض چھوٹی موٹی چیزیں جو ان کو پسند تھیں انھیں خود چھپوا کر تقسیم کیا۔

مولانا تین بھائی دو بہنوں میں سب سے بڑے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو چھ بچوں اور دو بچیوں سے نوازا۔ سب کی شادی ہو چکی ہے اور سب ویل سٹلڈ ہیں مولانا خاندان رشتہ داروں اور احباب میں ہر دل عزیز تھے رب کریم سے دعا ہے کہ انھیں اپنے عفو و مغفرت سے شاد کام کرے انھیں اپنی رضا بخشے اور سبھی پیمانگان کو صبر عطا کرے آمین یا رب العالمین۔



باب ششم



موجودین علمائے اہل حدیث و اعمیان جماعت

۲۰۱۸ء / ۲۰۱۹ء

مولانا شفیع اللہ رحمانی / حفظہ اللہ ملکہیا، سدھارتھ نگر

ولادت: ۱۹۳۰ء

خالد حنیف صدیقی

مولانا شفیع اللہ رحمانی ہمارے بڑے والد چچا زین اللہ کے بڑے لڑکے ہیں۔ جامعہ رحمانیہ بنارس کے قابل فارغین و لائق فائق تلامذہ میں سے ہیں، ایک طویل تدریسی اور تعلیمی خدمات کے ساتھ بہترین قلم کار اور شاعر خوش الحان بھی ہیں۔ اور ماہر فرائض مولانا عبدالرحمن بجواوی، مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی اور خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف جھنڈا انگری وغیرہم جسے اساطین علم و معرفت کی شاگردی کا آپ کو شرف بھی حاصل ہے۔ ذیل کے سطور میں سوانحی خدمات اور تعارف کا ایک مختصر خاکہ پیش ہے جسے مولانا خالد حنیف صدیقی صاحب نے ہمارے وطن جا کر مولانا سے بذریعہ انٹریو مرتب فرمایا ہے۔ موصوف کے شکر یہ کے ساتھ یہ نامہ حوالہ قرطاس ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزء (عبدالکلیم مدنی)



مولانا شفیع اللہ بن زین اللہ بن بشیر احمد

نام:

ملکہیا، پوسٹ ڈھکھری، تھانہ ڈھروا، ضلع سدھارتھ نگر۔ اتر پردیش

مقام پیدائش:

۱۹۳۰ء (کاغذات میں ۱۹۳۶ء)

تاریخ پیدائش:

ابتدائی تعلیم: گاؤں ہی کے مدرسہ بحر العلوم میں قرآن مجید ناظرہ اور ابتدائی اردو فارسی کی تعلیم درجہ پنجم تک حاصل کی۔ گاؤں کی تعلیم مکمل کر کے مدرسہ سراج العلوم جھنڈا انگری میں داخلہ لیا، وہاں کے اساتذہ میں مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈا انگری، مولانا عبدالرحمن بجواوی، مولانا عبدالشکور دور صدیقی، مولانا محمد زماں رحمانی، مولانا عبدالصبور رحمانی، اکبر، اور میاں محمد زکریا قابل ذکر ہیں۔ یہاں کی تعلیم مکمل کر کے دارالعلوم ششہنیاں میں داخلہ لیا اور جماعت رابعہ و خامسہ تک تعلیم کی تکمیل کی۔ یہاں کے اساتذہ میں مولانا عبدالجلیل رحمانی، عبدالشکور دور صدیقی، منشی رحم اللہ صاحب بستوی، وغیرہم قابل ذکر ہیں۔ پھر جامعہ رحمانیہ بنارس میں داخلہ لے کر فضیلت کی سند حاصل کی۔ شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد ملوی سے سنن ترمذی، سنن ابوداؤد، صحیحین، مولانا عبدالعزیز منوی سے تلخیص المفتاح اور سراجی، مولانا فضل الرحمن سے متنبی، دیوان حماسہ، مولانا عبید اللہ (درجنگہ، بہار) سے نحو صرف اور ابو عبیدہ عبدالمعید بناری سے فارسی وغیرہ کتب کی تعلیم حاصل کر کے ۱۹۵۳ء میں سند فراغت حاصل کی۔ درس و تعلیم کا سلسلہ سراج العلوم جھنڈا انگری سے شروع کیا۔ اونچی مسجد کانپور میں امامت و تدریس سے وابستہ رہے۔ پھر مسجد اہل حدیث مالیر کوٹلہ میں بھی (امامت و تدریس) سے جڑے رہے۔ جامعہ ریاض العلوم دہلی (۱۹۸۰-۱۹۸۱ء) میں درس و تعلیم کا فریضہ

انجام دیا۔ یہاں کے دیگر اساتذہ میں شیخ الحدیث مولانا امان اللہ فیضی (چندن بارہ بہار) مولانا شکر اللہ ٹکریا (سدھارتھ نگر) مولانا عبدالعلیم ماہر سمرا (سدھارتھ نگر، یوپی) مولانا قطب اللہ ندوی (سدھارتھ نگر، یوپی) مولانا عبدالرشید ازہری (مولانا عبدالسلام بستوی کے پسر کبیر) قابل ذکر ہیں۔

۱۹۸۱ء کے نصف میں مدرسہ میاں صاحب میں تشریف لائے اور مدرسہ کے تعلیمی سلسلہ کا آغاز کیا۔ یہاں آپ نے دو سال درس و تعلیم کا فریضہ انجام دیا۔ آپ کے ساتھ مولانا ابوالکلام احمد بھی تھے۔ رمضان المبارک میں مستعفی ہو کر وطن واپس چلے آئے، اور بعد رمضان المبارک ۱۹۸۳ء میں مدرسہ دارالتوحید مینا عید گاہ (ضلع سدھارتھ نگر، یوپی) میں تدریسی فریضہ انجام دیا۔ ایک سال مدرسہ مدینۃ العلوم لہرن بازار (ضلع سدھارتھ نگر، یوپی) دو سال جامعۃ الصالحات، تلسی پور (حال ضلع بلرام پور) رہے۔ (غالباً اسی درمیان جامعہ اسلامیہ دریاباد میں بھی چند سالوں تک تدریس سے وابستہ رہے۔) (عبدالکحیم) اس کے بعد مولانا صلاح الدین مقبول صاحب کے قائم کردہ نسواں ادارہ ”معجد الصالحات“ اوڑھو سے وابستہ ہوئے۔ یہاں آپ نے ۲۲ سال تک طالبات مدرسہ کو تعلیم دی۔ مسلسل ۶۲ سال تک مدارس اسلامیہ سے وابستہ رہ کر درس و تعلیم کا فریضہ انجام دیا، جو اپنے آپ میں ایک مثال ہے۔ ۱۹۱۷ء میں مستعفی ہو کر گھر پر آرام فرما رہے ہیں۔ اس پیرانہ سالی میں بھی اچھے خاصے تندرست اور صحت مند ہیں۔

(مذکورہ سطور کی اشاعت کے موقع پر خبر لگی کہ مولانا سخت علیل ہو چکے ہیں، دسمبر ۲۰۱۹ء کی ٹھنڈک نے آپ کو فالج زدہ کر دیا ہے۔ ابھی صاحب فراموش ہیں، مولائے کریم صحت عاجلہ و شفا کے کاملہ عطا فرمائے اور آپ کی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین۔) (عبدالکحیم)

(بذریعہ انٹرویو)



مولانا عبدالرحمن بن عبید اللہ رحمانی مبارکپوری / حفظہ اللہ

ولادت: ۵ جولائی ۱۹۳۵ء

جمع و ترتیب: نواز عبدالعزیز مبارکپوری

نام و نسب: عبدالرحمن بن عبید اللہ (۱۳۲۷ھ - ۱۴۱۳ھ، ۱۹۰۹ء - ۱۹۹۳ء) بن عبدالسلام (۱۲۸۹ھ / ۱۳۲۴ھ) بن خان محمد (۱۲۵۸ھ / ۱۳۲۷ھ) بن امان اللہ بن حسام الدین (شہادت برصوبہ سرحد ۱۲۴۴ھ)، کنیت ابو زہیر ہے۔

والدہ مکرمہ کا نام حکیمہ خانم بنت محمد اکبر ہے، جو حضرت مولانا عبدالصمد حسین آبادی شارح سنن ابن ماجہ کی چھوٹی بہن تھیں، ان کا انتقال بروز منگل ۸ جون ۱۹۹۸ء تین بجے شب میں ہوا۔

ولادت: آپ کی ولادت یکم رجب ۱۳۵۴ھ مطابق ۵ جولائی ۱۹۳۵ء بروز شنبہ بوقت نماز فجر ہوئی، تمام بھائی بہنوں میں

چھٹے نمبر پر ہیں۔

ابتدائی تعلیم و تربیت: قرآن کریم اور ابتدائی دینیات کی تعلیم والدہ ماجدہ اور بڑی بہن صفیہ (وفات ۱۹۵۶ء) سے پائی، ایک ختم قرآن مجید کے بعد تیسواں پارہ حفظ، صلوة محمدی (حضرت مولانا محمد جونا گڑھی) نبیوں کے قصے (خواجہ عبدالحی فاروقی) اور اسلامی عقائد بھی انہیں سے حفظ کیا، پھر مدرسہ دارالتعلیم مبارک پور میں داخل کئے گئے جہاں پرائمری درجات ۱۹۴۷ء - ۱۹۴۸ء میں پاس کیا۔ عربی تعلیم: عربی تعلیم کا آغاز ۱۹۴۸ء میں مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور سے ہوا، پھر ۱۹۴۹ء میں مدرسہ فیض عام منوناتھ بھنجن پہنچے۔ جہاں دوسری جماعت سے لے کر پانچویں تک تحصیل علم میں منہمک رہے، ۱۹۵۴ء میں جامعہ رحمانیہ بنارس کا رخ کیا، جہاں ۱۹۵۶ء میں عالمیت کی سند سے نوازے گئے۔

اساتذہ: گھر پر والد مکرم سے عربی اور فارسی کی ابتدائی کتابیں والدہ مکرمہ سے قرآن کریم اور بڑی بہن صفیہ سے نماز کی تعلیم، ادعیہ مسنونہ۔ مدرسہ دارالتعلیم مبارک پور: مولانا حکیم محمد اصغر مبارکپوری سے فارسی کی پہلی، گلستاں، بوستاں، اخلاق محسنی وغیرہ، منشی محمد احسن صاحب سے پرائمری درجات چہارم تک کہ اس وقت پرائمری درجات درجہ چہارم تک ہی ہوتے تھے۔ مدرسہ فیض عام منوناتھ بھنجن: حضرت مولانا محمد احمد ناظم منوی سے کافیہ اور ہدایۃ النحو، حضرت مولانا عبدالرحمن نحوی، دیوان الحماسہ (باب الحماسۃ، مختصر المعانی، سلم العلوم فی المنطق اور توضیح تلوح فی اصول الفقہ اور حضرت مولانا حکیم محمد سلیمان منوی سے، تلخیص المفتاح، مشکوٰۃ المصابیح اور فقہ۔ حضرت مولانا عبداللہ شائق منوی سے اصول فقہ (نور الانوار تا بحث امر ختم) اور عربی ادب (دیوان متنبی)۔ حضرت مولانا جمیل احمد منوی سے قطبی فی علم المنطق۔ حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمن اعظمی (۱۹۹۶ء) سے بلوغ المرام۔ قاری عبدالسبحان منوی صاحب سے فصول اکبری۔ حضرت مولانا عظیم اللہ منوی سے بعد صلوة مغرب تا عشاء خارج از مدرسہ۔

مدرسۃ الاصلاح سرائے میر: یہاں آپ تقریباً چھ ماہ رہے ہوں گے، طبعی مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے درمیان میں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ حضرت مولانا نظام الدین اصلاحی حفظہ اللہ وبارک فی عمرہ سے جمیرۃ خطب العرب، ترجمہ قرآن مجید اور انشاء۔ حضرت مولانا اختر احسن اصلاحی سے المفصل للمختصری۔ حضرت مولانا صغیر احمد اصلاحیے مختصر القدری، چند ابواب۔ حضرت مولانا سلطان احمد اصلاحیے موطا امام مالک چند ابواب۔

جامعہ رحمانیہ بنارس: حضرت مولانا نذیر احمد بن شیخ عبدالشکور ملوی رحمانی (۱۹۰۶ء-۱۹۶۵ء) سے صحیح بخاری و مسلم، حجۃ اللہ البالغۃ جلد اول، ہدایۃ الحکمۃ، مسلم الثبوت، تفسیر الجلالین، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر اور تاریخ الفخری۔ حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز بن مولانا ابوالقاسم عمری (۱۳۴۰ھ-۱۴۲۶ھ/۱۹۲۲ء-۲۰۰۵ء) سے سنن ابوداؤد، جامع امام ترمذی، موطا امام مالک، مدارک التنزیل، تفسیر امام بیضاوی، اتقان فی علوم القرآن، سراجی فی علم الفرائض، حجۃ اللہ البالغۃ جلد ثانی، شرح عقائد نسفی، ہدیہ سعیدیہ اور رشیدیہ۔ حضرت مولانا فضل الرحمن بن مولانا محمد نعمان عمری مٹوئی سے ہدایہ (آخری دونوں جلدیں) انشاء، ادب عربی، دیوان الحماسۃ، السبع المعلقات اور ابومنصور الثعالبی کی احسن مسمعت۔ حضرت مولانا عبدالجبار حریری (۱۳۱۲ھ-۱۳۹۲ھ/۱۸۹۴ء-۱۹۷۲ء) سے ابن الحاجب کی شافیہ اور مختصری کی المفصل (بعد صلاۃ عصر تا مغرب)۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ: ۱۹۶۲ء میں جب جامعہ اسلامیہ مدینہ کا قیام ہوا تو ہندوستان سے آپ کے نام کی بھی ترشح کی گئی۔ وہاں کلیۃ الشریعہ میں داخلہ ملا، پوری دلجمعی کے ساتھ تحصیل علم میں منہمک ہو گئے، جامعہ کے ابتدائی ایام تھے، عالم اسلام کی چندہ اور اپنے فن کے نہایت قابل اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

امام شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز (۱۳۳۰ھ-۱۴۲۰ھ/۱۹۱۰ء-۱۹۹۹ء) سے بلوغ المرام مع سبل السلام۔ امام شیخ ناصر الدین الالبانی (۱۳۳۳ھ-۱۴۲۰ھ/۱۹۱۴ء-۱۹۹۹ء) سے بلوغ المرام مع سبل السلام۔ مفسر قرآن علامہ محمد الامین الشنقیطی (۱۳۲۵ھ-۱۳۹۳ھ/۱۹۰۵ء-۱۹۷۴ء) سے تفسیر اور اصول فقہ۔ علامہ حافظ محمد گوندلوی (۱۳۱۵ھ-۱۸۹۷ء/۱۴۰۵ھ-۱۹۸۹ء) سے مادۃ الاسانید جامع ترمذی۔ شیخ عبدالحسن بن حمد العباد (ولادت: ۱۳۵۳ھ) سے المقنع، ہدایۃ المجتہد، شرح العقیدۃ الطحاویۃ۔ شیخ عبدالغفار حسن رحمانی (۱۳۳۱ھ/۱۵/۹-۱۳۳۱ھ/۲۰/۷-۱۹۱۳ء-۱۴۲۸ھ/۲۲/۳-۲۰۰۷ء) سے مصطلح الحدیث۔ شیخ محمد الجذب (۱۹۰۷ء/۱۹۹۹ء) سے اصول تربیت اور تعلیم۔ شیخ محمد ناظم ندوی (۱۳۳۳ھ-۱۴۲۱ھ/۱۹۱۴ء-۲۰۰۰ء) سے بلاغت، شیخ محمد سلیمان الاشقر (۱۹۳۰ء/۲۰۰۹ء) سے نحو۔ محمد بن ابراہیم شقرۃ (۱۹۳۴ء-۲۰۰۹ء) سے نحو۔ شیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد (ولادت ۱۹۲۱ء) سے نحو، قواعد اور اصول فقہ۔ شیخ عطیہ سالم (۱۳۴۸ھ-۱۴۲۰ھ/۱۹۲۷ء-۱۹۹۹ء) سے ادب عربی، انشاء، اور اصول الدعوتہ والارشاد۔ شیخ قاضی عبداللطیفیے اصول القضاء فی الاسلام۔ وغیرہ جیسی کتابیں پڑھیں۔

استفادہ: شیخ محمد بن ناصر العبودی حفظہ اللہ: سابق امین عام جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ۔

اجازات حدیث: والد گرامی حضرت شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری، حضرت مولانا نذیر احمد رحمانی ملوی اور حضرت مولانا ظہیر الدین اثری رحمانی (۱۹۲۰ء-۲۰۱۷ء) رحمہم اللہ تعالیٰ۔

بعض رفقاء درس: بنارس کے رفقاء میں مولانا محمد ایوب ندوی رحمانی مقیم ممبئی، مولوی محمد صالح رحمانی (ہندسی سی تیل) مونا تھ بھجن، مولانا ثناء اللہ رحمانی بونڈی بہار، مدرسۃ الاصلاح کے رفقاء میں حضرت مولانا ضیاء الدین اصلاحی دارالمصنفین، مدینہ کے رفقاء میں مفتی پنجاب مولانا فضیل الرحمن ہلالی عثمانی، ڈاکٹر قتی الدین ندوی فردوسی پٹنہ، شیخ سراج الرحمن قاضی، شیخ حفیظ الرحمن عمری مدنی، خالد شاکر ناطلی عمری، منزل صدیقی، احمد عبدالرحمن ملیاری، شیخ احمد عبدالصمد الشنقیطی، شیخ عبدالرحمن عبدالخالق (مصری) مقیم کویت، شیخ عبدالرحمن الحکواتی (سیریا)، علامہ ڈاکٹر ربیع ہادی مدخلی، شیخ جابر محمد مدخلی، شیخ علی محمد مدخلی، شیخ محمد عبدالرحمن العامودی، شیخ مصلح بن سلمی الرادوی، شیخ احمد محمد صالح اور سرکمال الدین سودانی قابل ذکر ہیں۔ حفظ اللہ الاحیاء ورحم من افضی الی ربہ وغفرلہ واسکنہ فسیح جناتہ۔

درس و تدریس: جامعہ رحمانیہ بنارس سے فضیلت کے فوراً بعد ۱۹۵۶ء سے لے کر ۱۹۶۰ء چار سال تک، مدرسہ فیض عام مونا تھ بھجن میں بھی پڑھانے کا موقع ملا، جامع ترمذی، بلوغ المرام، شرح وقایہ، دیوان حماسہ، دیوان منتہی، تہذیب، مشکوٰۃ المصابیح وغیرہ جیسی کتابیں پڑھانے کے لئے ملیں، پھر دو سال تک والد صاحب کے ساتھ تکام کرتے رہے، مدینہ سے فراغت کے بعد چار سال تک روڈیشیا میں دعوت و تبلیغ کے فرائض انجام دیتے رہے، ۱۹۷۱ء میں ہندوستان واپس آئے تو والد گرامی کی معاونت کے علاوہ مدرسہ عربیہ دارالتعلیم میں نظامت کے ساتھ ساتھ مختلف اوقات میں تدریسی فرائض بھی انجام دیتے رہے، یہ سلسلہ ۱۹۹۹ء میں موقوف ہوا۔

معروف تلامذہ: حضرت مولانا صفی الرحمن مبارکپوری، ڈاکٹر حافظ مقتدی حسن ازہری، ڈاکٹر حافظ عبدالعلی ازہری، حضرت مولانا مظہر احسن ازہری، حضرت مولانا عبدالحمید رحمانی، مولانا ناعل محمد بستوی دہلوی، حضرت مولانا مفتی عزیز الرب فیضی بھوارہ، قاری محمد زبیر مبارکپوری، مولانا قرة العین فائق املوی (۱۹۳۸ء - ۲۰۱۳ء) مولانا محمد بیگی فیضی، حافظ نصر اللہ جون پوری، (وفات ۲۰۱۸ء) کاتب سطور کو بھی عم گرامی حفظہ اللہ وبارک فی عمرہ سے مشکوٰۃ المصابیح جلد اول، تحفۃ اہل الفکر فی مصطلح اہل الاثر اور سراجی پڑھنے کا شرف حاصل ہے۔

دعوت و تبلیغ: فراغت کے بعد ہی سے مختلف مساجد میں خطبات جمعہ اور قرب وجوار کے دیہاتوں میں دعوت و ارشاد کا سلسلہ شروع کر دیا تھا، ایک لمبی مدت تک جامع مسجد حافظ خدا بخش غلہ منڈی اور جامع مسجد اہلحدیث اسلام پورہ مبارک پور کے خطیب بھی رہے ہیں، پیرانہ سالی کی وجہ سے اب یہ سلسلہ موقوف ہے۔

جب مدینہ پہنچے وہاں پر بھی اللہ تعالیٰ نے ساحتہ الشیخ عبداللہ بن حمید سابق رئیس شئون الحرمین و سابق ممبر سپریم علماء کمیٹی مملکت سعودی عرب کے زیر ہدایت مسجد حرام مکہ میں ہندوستانی حجاج کو بعد صلاۃ مغرب تا صلاۃ عشاء اور بعد صلاۃ فجر تا وقت اشراق درس دینے اور رہنمائی کا زریں موقع نصیب ہوا، اسی طرح رابطہ عالم اسلامی اپنے یہاں بعد صلاۃ عشاء منعقد ہونے والے مختلف محاضرات اور لکچرز کا فوری ترجمہ کرنے کی خدمات حاصل کرتی رہی، اسی موقع پر بیت اللہ شریف میں داخلہ اور اس میں دو رکعت نماز ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

اسی طرح جب روڈیشیا میں برسر عمل تھے تو وہاں پر بھی دعوت کا سلسلہ جاری رکھا تھا جس کے مفید اثرات آج بھی محسوس کئے جاتے ہیں۔ وطن واپس آنے پر یہ سلسلہ اور دراز ہو گیا، دعوت و ارشاد اور اصلاح ذات البین کے لئے ملک کے مختلف مقامات کا سفر کیا،

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند اور جامعہ سلفیہ بنارس کے مختلف پروگراموں میں برابر شامل ہوتے رہے ہیں، آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس منعقدہ نوگڑھ ۱۹۶۳ء سے لے کر اب تک ہونے والی تمام تاریخ ساز کانفرنسوں میں شرکت کا شرف حاصل ہے، عمر کا ایک معتد بہ حصہ سفر میں ہی گزرا ہے، آج بھی درازی عمر کے باوجود قرب و جوار کے جلسوں میں برابر شریک ہوتے ہیں، وہ ان چند گنے چنے اعیان جماعت میں سے ہیں، جنہوں نے جماعت اور جمعیت کے مختلف ادوار کا پچشم خود نہ صرف مشاہدہ کیا ہے بلکہ اس کے اتار چڑھاؤ کے عینی شاہد ہیں، عروج و زوال کے بہتیرے مناظر کو بہت قریب سے دیکھا ہے اور جانا ہے۔ انہیں گونا گوں خدمات کے پیش نظر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس پا کوڑ میں مختلف اہل علم کے ساتھ آپ کو بھی ایوارڈ سے نوازا ہے۔

مناصب و ذمہ داریاں: درس و تدریس کے ساتھ ساتھ مختلف علمی اور دعوتی ذمہ داریوں کو بھی نبھانے کی کوشش کرتے رہے۔

- ممبر مجلس عاملہ و شوریٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند۔ ● ممبر مجلس شوریٰ صوبائی جمعیت اہل حدیث مشرقی یوپی، لکھنؤ۔
- ممبر مجلس منظمہ جامعہ سلفیہ بنارس۔ ● ممبر مجلس تاسیسی و عاملہ دینی تعلیمی کونسل لکھنؤ۔ ● ممبر مجلس عاملہ ملت اسکول مبارک پور۔
- سابق ممبر ادارہ اصلاح المساجد ممبئی۔ ● سابق ناظم مدرسہ عربیہ دارالتعلیم مبارکپور، ساڑھے سترہ سال (۱۹۸۷-۲۰۰۲ء) ● بانی ناظم جامعۃ المعارف الاسلامیہ مبارک پور۔ ● سرپرست جامعہ سراج العلوم کنڈو، بونڈیہار، ضلع بلرام پور۔

اسی طرح مبارکپور کی متعدد اہل حدیث مساجد کے متولی اور نگران ہیں، قرب و جوار کی متعدد اہل حدیث مساجد آپ کے توسط سے اصلاح المساجد و دیگر اہل خیر کے تعاون سے تعمیر ہوئی ہیں۔

کانفرنس اور سیمینار میں شرکت: ملک و بیرون ملک متعدد کانفرنس اور سیمینار میں شرکت کا موقع ملا ہے جن میں قابل ذکر عالمی سیرت کانفرنس، دوحہ قطر ہے، اس عالمی کانفرنس میں جو مقالہ پیش فرمایا تھا، اس کو جامعہ سلفیہ بنارس نے اپنے مؤتمر علمی کے زیریں موقع پر صوت الجامعہ کے نمبر میں طبع کر دیا ہے۔

ایک مجلس کی تین طلاق منعقدہ ۲۰۱۲/۵/۶ نومبر ۱۹۷۳ء احمد آباد: اس علمی سیمینار میں سابق امیر جماعت حضرت مولانا مختار احمد ندوی کے ساتھ جماعت اہل حدیث کی نمائندگی فرماتے ہوئے شریک ہوئے تھے، بعد میں جملہ مقالات ”مجموعہ مقالات علمیہ: ایک مجلس کی تین طلاق“ کے نام سے کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا تھا، پاکستان میں یہ کتاب حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کے مقدمہ کے ساتھ طبع ہو چکی ہے، اس میں آپ کا مقالہ ص: ۹۷ سے لے کر ۱۱۳ تک مطبوع ہے، جامعہ سلفیہ بنارس میں منعقد ہونے والی کانفرنس اور علمی سیمینار میں برابر شریک رہے ہیں۔

صدر مجلس استقبالیہ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس منعقدہ ۲۰۱۲ء نئی دہلی

صدر مجلس استقبالیہ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس منعقدہ ۲۰۱۶ء نئی دہلی

صدر مجلس استقبالیہ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس منعقدہ ۲۰۱۸ء نئی دہلی

تحقیق و تصنیف: تحفۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر: یہ رسالہ پہلے مرعاۃ المفاتیح کے مقدمہ کے طور پر لکھا گیا تھا۔ اہمیت و افادیت اور متعدد اہل علم کے ایماء پر الگ ایک مستقل رسالہ کی شکل میں شائع کیا گیا، متعدد مدارس کے نصاب میں داخل بھی ہے۔ ● خطبات

محمدی: حضرت مولانا محمد جونا گڑھی، مراجعہ و تدقیق، یہ نسخہ حضرت مولانا مختار احمد ندوی کے اہتمام سے برابر دارالمعارف ممبئی سے چھپتا رہا ہے۔ • مایجب ان یعرفہ المسلم: سماحۃ الشیخ عبداللہ عبدالغنی خیاط سابق امام و خطیب مسجد حرام مکہ و سابق ممبر سپریم علماء کمیٹی سعودی عرب (اردو ترجمہ) • ارکان الاسلام: سماحۃ الشیخ عبداللہ عبدالغنی خیاط سابق امام و خطیب مسجد حرام مکہ و سابق ممبر سپریم علماء کمیٹی مملکت سعودی عرب (اردو ترجمہ) • اخبار عمر و اخبار عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما): شیخ علی طنطاوی و شیخ ناجی طنطاوی، سوانح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اردو ترجمہ از صفحہ ۵۵ تا صفحہ ۵۹۵۔

اسی طرح مجلہ حضارۃ الاسلام، مجلہ التریبۃ الاسلامیہ (الکرخ بغداد) اور مجلہ التمدن الاسلامی میں شائع ہونے والے بہت سارے مضامین کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ جو اخبار اہل حدیث، دہلی اور ترجمان دہلی میں چھپتا رہا ہے۔

ازدواجی زندگی: آپ کی شادی بڑے ماموں حضرت مولانا عبدالصمد حسین آبادی شارح سنن ابن ماجہ کی بڑی صاحبزادی عائشہ سے (۱۹۳۵ء-۱۶/۶/۲۰۱۲ء) ہوئی تھی، تین بچے اور چار بیٹیاں ہیں:

۱۔ زہیر (پیدائش ۲۸/رجب/۱۳۸۵ھ) جامعہ اسلامیہ مدینہ سے گریجویٹ ہیں۔ معہ اعداد الائمہ والدعاۃ رابطہ عالم اسلامی مکہ سے دو سالہ کورس بھی کیا ہے، مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ للبنات جھنڈانگر، جامعہ ابو ہریرہ الاسلامیہ لال گوپال گنج الہ آباد میں پڑھانے کے بعد مدرسہ احیاء السنۃ بجر ڈیہہ، بنارس میں مسند درس پرفائز ہیں۔

۲۔ ازہر (پیدائش: ۱۱/۱۳/۱۳۸۷ھ مطابق ۲/۶/۱۹۶۷ء): جامعہ سلفیہ، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے گریجویٹیشن اور جامعۃ الملک سعود، ریاض سے تعلیم و تربیت میں ڈپلومہ کے بعد کچھ دن جامعہ محمدیہ، بنگلور میں درس و تدریس سے وابستہ رہے، پھر سعودی عرب کے شہر بریدہ میں شعبہ دعوت و تبلیغ (جالیات) میں کام کرنے کا موقع ملا، فی الحال جامعہ ابو ہریرہ الاسلامیہ لال گوپال گنج الہ آباد میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، ایک مدت تک شیخ الجامعہ بھی رہے ہیں۔

۳۔ اجمل (پیدائش ۱۸/۹/۱۳۸۹ھ مطابق ۲۹/۱۱/۱۹۶۹ء) جامعہ سلفیہ جامعہ اسلامیہ مدینہ کے فارغ التحصیل ہیں اور سعودی عرب کے شہر الایساح میں شعبہ جالیات سے جڑے ہوئے ہیں۔

۴۔ زرینہ (پیدائش ۶/۹/۱۳۷۵ھ مطابق ۱۸/۴/۱۹۶۵ء)

۵۔ امیمہ (پیدائش ۱۵/۲/۱۳۸۲ھ مطابق ۱۸/۷/۱۹۶۲ء)

۶۔ ثمامہ (پیدائش ۲۴/۴/۱۳۹۲ھ مطابق ۷/۶/۱۹۷۲ء)

۷۔ عطیہ (پیدائش ۲۴/۸/۱۳۹۴ھ مطابق ۱۲/۹/۱۹۷۴ء): کلیہ فاطمۃ الزہراء الاسلامیہ للبنات منوناتھ بھنجن کی فاضلہ ہیں۔

(ماخوذ از: کاروان سلف حصہ پنجم ص: ۱۴۱-۱۵۰)



استاذ گرامی عم محترم مولانا احسان اللہ رحمانی / حفظہ اللہ ملکہیا سدھارتھ نگر استاذ کلیہ عائشہ صدیقہ جھنڈانگر

ولادت: ۱۹۴۰ء

مولانا عبدالحکیم عبدالمعجود مدنی ہمارے خاندانی چچا اور مکتب کے مربی اور استاذ مولانا احسان اللہ رحمانی / حفظہ اللہ حلقہ بڑھنی ضلع سدھارتھ نگر کی ایک معروف علمی شخصیت ہیں جنہوں نے عمر عزیز کا دو تہائی حصہ درس و تدریس اور تعلیم و تربیت میں گزار دیا ہے۔ اور فی الوقت مملکت نیپال کی عظیم نسواں درسگاہ کلیہ عائشہ صدیقہ شاخ جامعہ سراج العلوم، جھنڈانگر میں ایک طویل عرصے سے بچیوں کی تعلیم و تربیت پر مامور ہیں۔ آپ جامعہ رحمانیہ بنارس کے فارغ التحصیل اور فخر جماعت جامع المعقول والمنقول مولانا نذیر احمد رحمانی ملوی رحمہ اللہ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ اور تعلیم و تدریس کے ایک طویل تجربے کے ساتھ کم و بیش ۱۵ سالوں تک خطیب الاسلام مولانا عبد الرؤف جھنڈانگری رحمہ اللہ کے ساتھ ان کے عظیم الشان تصنیفی کاموں میں معاون رہے ہیں۔ خاص طور پر ایمان و عمل کے مسودات کی ترتیب اور حوالہ جات کی درستگی میں آپ کا اہم کردار رہا ہے۔ جامعہ رحمانیہ بنارس سے ۱۹۶۴ء میں فراغت کے بعد سے لے کر آج تک تعلیم و تدریس سے جڑے ہیں۔ ایک بہترین محرر اور مدرس کے ساتھ اچھے خطیب بھی ہیں۔ جھنڈانگر کے مشہور نسواں ادارہ کلیہ عائشہ میں دیگر عربی کتابوں کے ساتھ صحیح بخاری ج ۲ بھی آپ کے زیر تدریس ہے۔

مرکز تاریخ اہل حدیث کے اہم ترین منصوبے ”تذکرہ علمائے موجودین“ کے تحت میں نے چچا محترم سے گزارش کی کہ احوال واقعی تحریر فرمادیں۔ چنانچہ آپ نے اپنے قلم سے ”سرگذشت“ کے عنوان سے درج ذیل تحریر مجھے عطا کی۔ چچا محترم کے شکریہ کے ساتھ اسے ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے۔ اللہ آپ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور آپ کی خدمات کو ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین

اپنی سرگذشت

منظور	ہے	گزارش	احوال	واقعی
کچھ	اپنی	نمائش	تمنا	مجھے
		کی	نہیں	

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على رسوله الامين محمد وعلى آله وصحبه اجمعين وبعد!
محترم قارئین! عزیز مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی سلمہ کی فرمائش پر اپنی سوانح کے بارے میں چند سطور حوالہ قرطاس کر رہا ہوں۔ شاید کہ اس میں طالبان علوم نبوت و متلاشیان حق کے لئے کچھ نصیحت و عبرت کا پہلو نظر آجائے جس کو وہ اپنے لئے مشعل راہ بنا سکیں۔ واللہ الموفق

نام و نسب: احسان اللہ بن دین محمد بن گلاب محمد (آگے کا نسب معلوم نہ ہو سکا)

خاندانی پس منظر: اصل میں میرا خاندان ”گوما ترولہ“ سے متعلق ہے وہاں سے چند افراد حالات کے تحت ہجرت کر کے اوزہوا بلرام پور میں آئے، پہلے تولوگ بڑی جہالت اور بدعات و خرافات میں مبتلا تھے اب بھی گوما کے باقی ماندہ افراد بریلویت اور بدعات و غلط عقائد کے شکار ہیں، جو حضرات اوزہوا وارد ہوئے انہیں اچھا دینی ماحول ملا، وہ دھیرے دھیرے پختہ اہل حدیث اور سلفی مسلک کے پیرو ہو گئے، توحید ان کے رگ و پے میں رچ بس گئی، وہیں سے دادارحمتہ اللہ علیہ اپنے برادران کے ہمراہ تلاش رزق میں ادھر ادھر پھیل گئے، ایک صاحب بیرواضلع بلرام پور میں اقامت پذیر ہوئے اور ایک صاحب ”سنسری“ سدھارتھ نگر میں آباد ہوئے اور سب کی نسلیں پھیلیں، ہمارے دادارحمتہ اللہ علیہ نے موضع ملگھیا سدھارتھ نگر کو اپنا مسکن بنایا اور زمین داری خریدی، پیشہ کے سب کا شنکار تھے، الحمد للہ یہ خاندان علمی و اقتصادی حالات کے اعتبار سے آج بہتر اور شہرت کا حامل ہے۔ خاندان میں کئی معتبر علمائے دین اور ڈاکٹر ہیں کچھ تو اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں اور کچھ ابھی باحیات ہیں۔ ہمارے والد رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی شریف، صالح، حق گو و حق پرست، خلیق و ملنسار، عابد و زاہد، ایماندار، پکے سچے موحد اور دیانتدار شخص تھے۔ ہلوا رکھ کر کھیتی باڑی کراتے اور نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے، تغمده اللہ بغفرانہ، میں اپنے پانچ بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا ان کی خواہش تھی کہ میں دینی علوم نیز مروجہ عصری علوم سے بھی اپنے آپ کو آراستہ کروں۔

حصول تعلیم: شروع شروع میں قرب و جوار کے اندر دینی مکاتب نہیں تھے، گاؤں میں کوئی خاص مسجد بھی نہیں تھی، خاندان ہی کے ایک صاحب کے چھپر و پھوس کے بنگلہ میں جمعہ پڑھی جاتی تھی کچھ بزرگوں کو احساس ہوا کہ اسی میں بچوں کے لئے تعلیمی سلسلہ بھی جاری کر دیا جائے۔ سخت ضرورت ہے، چنانچہ ہمارے چچیرے بھائی مولانا محب اللہ صاحب کو اس کا مکلف بنایا گیا، آپ نے بڑی محنت و جانفشانی اور سرگرمی سے اس میں دس پانچ بچوں کو تعلیم دینا شروع کر دیا، آہستہ آہستہ قرب و جوار کے مواضعات مصرولیا، جیا بھاری، اور مڑنی کے بھی لڑکے آنے لگے اور علم دین سے اپنے دامن مراد کو بھرنے لگے، میری بھی ابتدائی تعلیم اسی چھپر والے مکتب میں ہوئی مولانا موصوف تہا مدرس تھے مگر اللہ فی اللہ بڑے ہی ذوق و شوق اور لگن کے ساتھ پڑھاتے تھے۔ درد تھا کہ قوم کے بچوں کو ناظرہ قرآن پڑھنا آجائے کچھ دینیات سے متعلق نماز وغیرہ کے بارے میں ضروری مسائل اور دعائیں یاد ہو جائیں۔

گاؤں میں ایک سرکاری پرائمری اسکول بھی چل رہا تھا اس میں بھی نام لکھ کر مستقلاً حصول علم میں لگا رہا، اس طرح ماشاء اللہ دینیات کے ساتھ ساتھ عصری علوم سے بھی آشنا ہوتا رہا، جب درجہ پنجم سرکاری اسکول سے اچھے نمبرات سے پاس کر لیا تو اونچے

درجات میں حصول علم کے لئے جو نیرٹل اسکول ”گھروار“ میں داخلہ لے لیا، وہاں تین سالوں تک عصری علوم کے حصول میں لگا رہا، درجہ ہشتم ”اسکا“ میں بورڈ کا امتحان دے کر اول درجہ سے کامیاب ہوا۔

اب آگے تعلیمی سلسلہ جاری رکھنے کا سوال تھا، میں اپنا نام گاندھی آدرش دیا لے بڑھنی میں لکھوانے والا تھا مگر انہیں ایام میں اتفاق سے ہمارے یہاں اکرہرا کے ایک بزرگ عالم مولانا عظیم اللہ صاحب، مولانا عبدالصبور صاحب رحمانی کے والد محترم تشریف لائے ہوئے تھے، انہوں نے خطبہ جمعہ علم دین کی اہمیت اور اس کی ضرورت کے موضوع پر بہت ہی موثر، بلیغ اور رقت آمیز لہجہ میں دیا اسے سن کر میں بہت متاثر ہوا، میرے دل میں ایک انقلاب پیدا ہو گیا، جس کی وجہ سے میں نے اپنا ارادہ لیکھت بدل دیا اور عزم مصمم کر لیا کہ اب عصری علم کے بجائے دینی تعلیم ہی حاصل کریں گے۔

اتفاق سے ان دنوں ہمارے مشفق چچیرے بھائی استاذ محترم مولانا محب اللہ صاحب منوآئمہ ضلع الہ آباد میں پڑھا رہے تھے وہ گھر پر تشریف لائے ہوئے تھے ان کے بھی ایماء و مشورے پر ان کی معیت میں منوآئمہ جانے کے لئے مزید دو تین ساتھیوں کے ہمراہ پابراکاب ہو گیا، موصوف کے ساتھ منوآئمہ اپنے قلب میں حصول علم کی تمنا لئے ہوئے وارد ہوا اور وہاں کے ”مدرسہ چشمہ صمد“ میں ۱۹۵۶ء میں داخلہ لے لیا۔

گرچہ مولانا مرحوم عربی درجات میں اکیلے ہی مدرس تھے، نیا نیا شعبہ عربی قائم ہوا تھا مگر بڑے ہی ذوق و شوق، جدوجہد اور جان توڑ محنت و مطالعہ کے ساتھ درس دیتے تھے، ادنیٰ سے لے کر ثالثہ تک عربی گرامر، نحو و صرف، ترجمہ قرآن، بلوغ المرآم، عربی ادب وغیرہ کی بڑی ٹھوس اور معیاری تعلیم ہوتی تھی، ناظم مدرسہ محترم الحاج عبدالصمد صاحب اور ان کے بڑے بھائی محترم الحاج عبدالرؤف صاحب بڑے ہی خلیق و شفیق اور طلبہ و علماء نواز شخص تھے۔ شروع شروع کا معاملہ تھا اس زمانہ میں ہم ۱۵-۲۰ ہی طلبہ داخل مطبخ و مدرسہ تھے، ان کی مہربانیوں سے مدرسہ منازل عروج کو بہت آسانی کے ساتھ طے کرتا رہا، کھانے پینے کا بہت اچھا اور اعلیٰ نظم تھا، آج بھی وہ حسین منظر ذہن میں نقش ہے۔ اللہ عزوجل انہیں اور ان کے تمام برادران کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ اور ان کے اس دینی خدمات کو ان کے حق میں صدقہ جاریہ بنائے۔

استاذ محترم برادر مولانا محب اللہ صاحب کا تدریسی اسلوب بڑا ہی نرالا و نفع بخش تھا، جمعرات کے دن برابر آموختہ سنتے اور ہر پندرہ یوم پر برابر امتحان کی طرح ٹیسٹ بھی لیتے جس کی وجہ سے صرف و نحو اور دیگر فنون کے مسائل اکثر ازبر ہو جایا کرتے تھے، پہلے سے ہم تلامذہ منجھے منجھائے اور ٹرینڈ ہوتے جس کی وجہ سے امتحانی پرچے بہت شاندار جاتے، امتحان کا کوئی خوف نہیں رہتا، دل میں اسی طرح ایک مضبوط اعتماد ہوتا کہ ہم کبھی فیل نہ ہوں گے اور الحمد للہ نہ کبھی ناکام ہی رہے۔ جب کہ سالانہ امتحان کے لئے جامعہ رحمانیہ بنارس کے بعض اساتذہ کو برابر مدعو کیا جاتا تھا، کبھی مولانا فضل الرحمن صاحب منو سے تشریف لاتے اور کبھی مولانا مفتی عبدالعزیز صاحب عمری کا ورود مسعود ہوتا اور باقاعدہ پرچہ بنا کر یہ حضرات امتحان لیتے تھے اور اپنے اچھے تاثرات کا اظہار فرماتے تھے۔

سفر بنارس: ”مدرسہ چشمہ صمد“ منوآئمہ الہ آباد سے ثالثہ پاس کر چکے تو مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے دل میں شوق موجزن

ہوا کہ اب شہرہ آفاق ادارہ جامعہ رحمانیہ بنارس میں داخلہ لیا جائے چنانچہ میں اپنے ہم درس مولانا عبدالسمیع مصرولیا کے ہمراہ ۱۹۵۹ء میں بنارس پہنچا، وہاں اس وقت کے ناظم اعلیٰ محترم مولانا عبدالمتین صاحب کوٹھی والے سے مسجد طیب شاہ میں بعد نماز ظہر ملاقات ہوئی موصوف نے احوال و کوائف دریافت کیا، پوچھا کہاں سے پڑھ کر آئے ہو اور کون سی جماعت پڑھ کر آئے ہو کس جماعت میں داخلہ مطلوب ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہم لوگ مدرسہ چشمہ صمد منوآئمہ سے ثالثہ جماعت تک پڑھ کر آئے ہیں رابعہ میں داخلہ چاہتے ہیں، انہوں نے مسجد ہی میں کچھ قواعد اور ترجمہ قرآن پوچھا تسلی بخش جواب مل جانے پر رابعہ میں داخلہ تحریری شکل میں منظور فرمایا مگر جب جامعہ کی درس گاہ میں پہنچا اور محترم ناظم صاحب کا منظور شدہ رقعہ صدر مدرس حضرت الاستاذ مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی کے حوالہ کیا تو انہوں نے دوبارہ ٹیسٹ لیا بہر حال ان کے امتحان میں بھی ہم دونوں کامیاب ہو گئے اور بایں طور رابعہ میں ہم سب کا داخلہ ہو گیا۔

جامعہ رحمانیہ بنارس دراصل ان دنوں رحمانیہ دہلی کا ثانی درجہ رکھتا تھا، گئے چنے ۲۰-۲۵ منتخب طلبہ ہوتے تھے بہت ہی ٹھوس اور معیاری تعلیم آٹھویں جماعت درجہ فضیلت تک کی نامور اور جدید علماء کے ذریعہ ہوتی تھی اس طرح وہاں مسلسل پانچ سالوں تک اس گلشن علمی کا خوشہ چیں رہے۔ منطق، فلسفہ، فقہ، اصول فقہ، حدیث، اصول حدیث، تفسیر و عقائد نیز فن عروض و بلاغت وغیرہ کی مضبوط تعلیم حاصل کی، اس طرح درس نظامیہ پڑھ کر ۱۹۶۳ء میں جامعہ رحمانیہ سے سند فراغت حاصل کر لی، فالحمد للہ علی ذلک حمد اکثر ا۔

جامعہ کے دوران تعلیم ناچیز نے الہ آباد بورڈ سے عالمیت اور فضیلت کی ڈگری بھی حاصل کی۔

قابل ذکر اساتذہ کرام: جامعہ رحمانیہ کے دوران تعلیم میرے نامور اور عبقری اساتذہ حسب ذیل رہے:

۱۔ فخر جماعت جامع المعقول والمنقول حضرت العلامة مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی املوی رحمۃ اللہ علیہ، ۲۔ حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز صاحب اعظمی، ۳۔ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب آزاد رحمانی، ۴۔ ماہر ادب حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب منوی اعظمی، ۵۔ حضرت مولانا عبدالوحید صاحب رحمانی شیخ الجامعہ مرکزی دارالعلوم بنارس۔

میدان عمل بعد از تخرج: چونکہ میری فراغت کے دو سال قبل ہی والد محترم کا انتقال ہو چکا تھا اور مارچ ۱۹۶۳ء میں والدہ محترمہ کا بھی سایہ شفقت سر سے اٹھ چکا تھا، ایسی صورت میں گھر کے حالات اجازت نہیں دے رہے تھے کہ کہیں باہر جا کر تدریسی خدمات انجام دوں، اس لئے بدرجہ مجبوری گاؤں ہی کے کچھ ذمہ داران حضرات کی اصرار و فہمائش پر گاؤں ہی پر تعلیم دینے پر راضی ہو گیا۔ ماشاء اللہ میری وجہ سے مدرسہ کو خوب خوب ترقی ہوئی، درجہ پنجم تک کی تعلیم بہت اچھی اور معیاری ہوتی رہی، اس دور کو لوگ اب تک سراہتے ہیں، اس وقت کے میرے دو شاگرد عزیز مولانا عبدالکیم مدنی اور عزیز مولانا وسیم احمد مدنی اس وقت مرتبہ علیا پرفائز ہیں، ایک صاحب مدینہ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہو کر جامعہ رحمانیہ کا ندیولی مہی میں تدریسی و دعوتی فرائض انجام دے رہے ہیں اور ثانی الذکر مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی کے معروف و مشہور ادارہ جامعہ سنابل میں تدریس و انتظامی امور پرفائز ہیں، اسی طرح میرے دو شاگرد عزیز مڈاکٹر اسماعیل علیگ اور عزیز مڈاکٹر شمیم احمد ڈاکٹر بنے جو دہلی میں قیام پذیر ہیں۔

اس طرح تدریسی سلسلہ میرا کٹیا بھاری، بلرام پور تک بھی دو سالوں تک جاری رہا، وہاں کے مدرسہ سے بھی میرے پڑھائے

ہوئے ڈاکٹر محمد رفیق، ڈاکٹر عزیز محمد اعظم وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ (چچا محترم کئی سالوں تک گاؤں کے مکتب کے ناظم بھی رہے)

نعمت الہیہ کا خصوصی واقعہ: پھر قسمت نے جب یادری کی تو حضرت العلام خطیب الاسلام والہند مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کی طلب پر جامعہ سراج العلوم جھنڈا انگر چلا آیا، کچھ سالوں تک قدرے تدریسی خدمت کے ساتھ ساتھ مولانا کے تحریری کاموں کو انجام دیتا رہا، پھر کاموں کا جب ہجوم ہوا تو مولانا جھنڈا انگری نے اپنے تحریری کاموں میں مستقلاً مجھے لگالیا، ان کے مضامین کو صاف کرنا، خطوط کے جوابات لکھنا، عربی خطوط کو ٹائپ کرنا، مسودات کی پروف ریڈنگ کرنا، مشہور تصنیف ایمان و عمل کے مسودات کو ترتیب دینا اور ان کے حوالہ جات کو درست کرنا وغیرہ وغیرہ کاموں میں مولانا مرحوم کی ہدایات کے مطابق ۱۸-۱۵ سالوں تک منہمک رہا، انہیں ایام ۱۹۸۲ء میں مولانا کی عنایت اور خدا کی مہربانی سے ملک نیپال کے لئے رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ سے مبعوث ہو گیا، اس طرح نیپال کے میدانی اور بعض پہاڑی علاقوں میں دعوتی فریضہ بھی انجام دیتا رہا۔

پھر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے قوی جب زیادہ مضحکل اور کمزور ہو گئے، چلنے پھرنے سے مختلف عوارض کی بنا پر مجبور ہو گئے تو مجھے ۱۹۹۴ء میں کلیہ عائشہ صدیقہ جو جامعہ ہی کی ایک عظیم شاخ ہے جس کی تعمیر ۱۹۸۹ء میں ہوئی ہے، مدرس کی حیثیت سے منتقل کر دیا تب سے تادم تحریر الحمد للہ ۲۵-۲۴ سالوں سے کلیہ عائشہ میں تدریسی فرائض بحسن و خوبی محنت سے انجام دے رہا ہوں، میرے زیر تدریس بخاری ج ۲، مختارات، کتاب التوحید و فرائض وغیرہ ہیں۔

ناظم کلیہ الحاج عبدالرشید خان صاحب کو مجھ پر بڑا اعتماد اور میری کارکردگی سے بہت مطمئن ہیں، کچھ دنوں تک مربی انجمن اور مدیر الامتحان رہا اور اس سال سے صرف ایک ذمہ داری مدیر الامتحان پر مامور ہوا۔

بایں طور بفضل رب تقریباً ۴۲-۴۰ سال سے جامعہ میں آنے کے بعد تحریر، تدریس، دعوتی و دینی خدمت میں لگا ہوا ہوں، رب کائنات سے دعا گو ہوں کہ زندگی کے بقیہ ایام کو بھی اسی طرح مستقل مزاجی اور خلوص کے ساتھ گزار دے، ہمارے والدین، اساتذہ، محسنین، برادران و رفقاء مرحومین حضرات کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ہماری ان چھوٹی موٹی خدمات کو ہمارے لئے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین، تقبل یا رب العالمین۔



مولانا رحمت اللہ جامعی بن شکر اللہ / حفظہ اللہ

تلمیذ مولانا ممتاز علی رحمہ اللہ کر تھی ڈیہہ
برگدوا، پتھرا بازار، ضلع سدھارت نگر یوپی

ولادت: ۱۰ اکتوبر ۱۹۴۰ء

عبدالکحیم عبدالمعجود المدنی

نام و نسب:

مولانا رحمت اللہ جامعی بن شکر اللہ بن ابراہیم خان

تاریخ و مقام پیدائش: آپ کی پیدائش سدھارتھ نگر (بستی) کے مشہور علاقہ پتھرا بازار کے قریب واقع ایک گاؤں برگدوا

سسی میں ۱۰ اکتوبر ۱۹۴۰ء کو ہوئی۔

خاندانی پس منظر: آپ کا خاندان زراعت پیشہ تھا۔ لیکن دین پسندی غالب تھی چنانچہ آپ کے والد نے آپ کو دینی تعلیم کے لئے آمادہ کیا اور اس طرح محنت و مشقت کر کے آپ کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنے اور علاقے کی اہم ترین شخصیت مولانا ممتاز علی رحمہ اللہ کے زیر تربیت پروان چڑھانے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ علاقہ دراصل جماعت کے دواہم بزرگوں کی دعوتی آماجگاہ اور انہیں کے زیر اثر تھا (۱) مولانا ممتاز علی رحمہ اللہ (۲) مولانا عبدالقدوس (ٹکریا) رحمہ اللہ (والد ماجد مولانا عبدالواحد مدنی ڈومریا گنج)۔ چنانچہ ان دونوں کی دعوتی و اصلاحی کاوشوں سے مولانا کا گھرانہ بھی متاثر ہوا اور اس طرح برگدوا اور قرب وجوار میں ایک معلم و داعی کی حیثیت سے آپ کو کام کرنے کی سعادت ملی۔

تعلیمی مراحل: (۱) ابتدائی تعلیم سسی کلاں کے مکتب میں درجہ پنجم تک حاصل کی۔ (۲) درجہ آٹھ تک ہندی کی تعلیم بانسی میں واقع جونیئر ہائی اسکول شینتل گنج میں مکمل کی۔ (۳) علاقے کے مشہور مدرسہ (مدرسہ مظہر العلوم) اوسان کونیاں میں جماعت ادنیٰ میں داخلہ لیا اور جماعت رابعہ تک تعلیم کی تکمیل ہوئی۔ (۴) پانچویں اور چھٹی جماعت کی تعلیم مدرسہ اسلامیہ کھیرٹیا میں حاصل کی۔ ۱۹۵۸ء میں مدرسہ قاسم العلوم ریواں میں جماعت سابعہ میں داخل ہوئے ایک سال تک تعلیم میں لگے رہے۔ (۵) ۱۹۵۹ء میں دہلی گئے اور بلی ماران میں واقع مدرسہ جامع اعظم میں دورہ میں داخل ہوئے، مولانا داؤد راز رحمہ اللہ صحیحین کے مدرس تھے، یہیں پر آپ نے دورہ حدیث کی تکمیل کی اور سند فضیلت سے سرفراز ہوئے، اور اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے جامعی لکھنے لگے۔

فراغت: ۱۹۵۹ء جامع العلوم بلی ماران دہلی۔

مشاہیر اساتذہ: اوسان کونیاں میں (۱) مولانا عبدالقدوس رحمہ اللہ (ٹکریا) (۲) مولانا خلیل رحمانی (ٹکریا)، (۳) مولانا عبدالرحمن نو مسلم (کھیرٹیا) ریواں میں (۴) مولانا ممتاز علی (کر تھی ڈیہہ) (۵) مولانا حسن رضا (امونا) (۶) مولانا سید عبدالاولیٰ ریواں (۷) دہلی میں مولانا داؤد راز دہلوی شارح بخاری (۸) اور مولانا عبدالسلام بستوی شیخ الحدیث سے بھی استفادہ فرمایا۔

مشاہیر تلامذہ: (۱) مولانا عبدالرحمن اثری (قدمڈوا) (۲) مولانا عبدالحمید سنابلی امام مسجد اہل حدیث یادو نگر ساکی نا کہ (۳) مولانا محمد اقبال اثری سابق امام مسجد اہل حدیث ساتیولی وسئی (۴) مولانا حمید اللہ مفتاحی (سسئی خورد) (۵) مولانا محمد مستقیم فیضی برگدوا (۶) مولانا سمیع محمد دھرم پوروا (۷) مولانا حقیق اللہ قاسمی قدمڈوا (۸) عبدالواحد مرحوم سسوا اوران کے تمام بچے بالخصوص (۹) ڈاکٹر عبدالکریم سلفی علیگ مقیم حال حیدرآباد (۱۰) ماسٹر عبدالصبور (سہری بزرگ) (۱۱) مولانا عبدالرحیم سلفی (مدرس رحمانیہ بنارس) (۱۲) مولانا ثار احمد سلفی (سسئی کلاں) (۱۳) مولانا عبدالرحمن عالیاوی (پالا) (۱۴) مولانا جمیل احمد قاسمی (پالا) (۱۵) مولانا جیش محمد قاسمی (پالا) (۱۶) مولانا صراط اللہ قاسمی (دھرمپوروا) (۱۷) مولانا عبدالمنان قاسمی سسوا (۱۸) مولانا شبیر احمد مفتاحی (سسئی خورد) (۱۹) مولانا محمد عمیر قاسمی سسوا۔

تدریسی و دعوتی خدمات: (۱) آپ کا آبائی علاقہ شرک و بدعت و قبر پرستی و تعزیہ داری میں ڈوبا ہوا تھا اور دینی تعلیم سے کوسوں دور تھا چنانچہ اس علاقے میں دینی تعلیم عام کرنے اور توحید و سنت کی آبیاری کے لئے آپ کے استاذ اور علاقے میں تحریک اہل حدیث کی ممتاز شخصیت مولانا ممتاز علی کر تھی ڈیہہ رحمہ اللہ نے آپ کو اپنے گاؤں ہی میں اقامت گزیں ہو کر تعلیم و دعوت کا کام کرنے کا حکم دیا۔ الحمد للہ کام شروع ہو گیا اور مولانا ممتاز علی اور مولانا عبدالقدوس نگر یا کے ساتھ دعوت و تبلیغ کے کام میں لگ گئے۔ اور اپنے مرشد مولانا ممتاز علی کے مشورے پر اپنے پورے علاقے کو علم کی روشنی سے منور کرنے کے لئے گاؤں ہی میں ایک دینی مدرسہ و مکتب بنام جامع العلوم شروع کر دیا۔ بفضلہ سبحانہ اس مکتب کا فیض رفتہ رفتہ ۱۶ گاؤں تک پہنچ گیا اور پورے علاقے سے طلبہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے آنے لگے اور مدرسہ کی تعلیم بھی درجہ ششم تک پہنچ گئی۔ آپ نے اپنی پوری زندگی اپنے علاقے کی اصلاح اور تعلیم کے لئے لگادی۔ آج بجز اللہ پورا علاقہ توحید و سنت کی روشنی سے منور ہے اور دور دور تک کہیں تعزیہ پرستی اور شرک و بدعت کا نام و نشان نہیں ہے۔

قرب و جوار اور اس علاقے کے اکثر لوگ مدرسہ جامع العلوم میں تعلیم حاصل کرنے اور بھر پور فیض اٹھانے کی وجہ سے آپ کے ہی شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں جیسا کہ کئی نام اوپر لکھے جا چکے ہیں (سہری بزرگ سے مٹھول پورا، ڈنڈوا، دھرم پورا وغیرہ)۔ مولانا الحمد للہ بھی باحیات ہیں اور تعلیم و دعوت کے اس عظیم میدان میں اپنے اساتذہ کے نقش قدم پر رواں دواں ہیں اور آج بھی مدرسہ آپ کے مشوروں اور آپ کے ہونہار بچوں کے تعاون سے چل رہا ہے۔ گاؤں کے علاوہ آپ نے سسئی کلاں کے مدرسہ میں بھی چند سالوں تک تعلیم دی ہے اور اس طرح وہیں پڑوس میں واقع ایک گاؤں دھرم پوروا میں باضابطہ ایک دینی مکتب کی بنیاد ڈالی اور کچھ دنوں اس سے بھی وابستہ رہے۔

(۲) آپ کے علاقے میں مولانا ممتاز علی اور مولانا عبدالقدوس نگر یا دعوت و تبلیغ کے لئے آتے تھے۔ آپ نے بھی فراغت کے بعد انہیں بزرگوں کی معیت میں علاقے میں آمد و رفت شروع کر دی، اور بزرگوں کی گھوڑی پر پیچھے سوار ہو کر دعوت و اصلاح کے لئے نکل پڑے۔ خود آپ نے بھر پور فائدہ اٹھایا اور پورے علاقے تک ان علماء کے فیوض کو پہنچانے میں کامیاب ہو گئے۔ جس کے حسین اثرات آج دور دور تک ہر صاحب فکر و نظر کو ضروری دکھائی دیں گے۔

(۳) مولانا حفظہ اللہ اپنے اساتذہ کے نقش قدم پر گامزن رہ کر دعوت و تعلیم کے ساتھ تعمیر مساجد کی طرف بھی توجہ دی۔ علاقے کے مشہور چوراہا ”ٹیڑھی چوراہا“ پر مسجد کا کوئی انتظام نہ تھا۔ آپ کی کوششوں سے یہاں مسجد تعمیر ہوئی اور بجز اللہ جمعہ جماعت قائم و دائم ہے۔

(۴) آپ کے گاؤں کی مسجد بے حد قدیم تھی اور مرور زمانہ کے ساتھ مصلیوں کی کثرت تعداد کی وجہ سے تنگدامنی کا شکایت کر رہی تھی۔ آپ کے بچوں نے والدہ کے نام سے پڑوس کی زمین خرید کر وقف کر دی اور اس طرح مسجد کا توسیعی کام شروع ہو گیا۔ اور بچہ اللہ ایک وسیع و عریض مسجد اہل قریہ کے لئے تیار ہو گئی اور مصلیان سے آباد ہو گئی۔ یہ سب کچھ آنجناب حفظہ اللہ کی نگرانی اور آپ کے مشوروں اور آپ کے بچوں کے حسن تدبیر و انتظام سے ممکن ہو اور پاپہ تکمیل کو پہنچا۔ فللہ الحمد

شادی و اولاد: آپ کی شادی آپ کے استاذ مولانا ممتاز علی کرتھی ڈیہہ کے ایماء پر کرتھی ڈیہہ کی ایک نیک خاتون ثقلین سے ہوئی۔ جن سے چار لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں۔ سبھوں کی شادی ہو چکی ہے اور آپ کی اہلیہ ۳۰ جون ۲۰۱۴ء مطابق ۳ رمضان ۱۴۳۵ھ کو ہی داغ مفارقت دے کر اس دنیا سے رخصت ہو چکی ہیں۔ اللہ مغفرت فرمائے اور مولانا اور بچوں کی حفاظت فرمائے۔ بچوں کے نام بالترتیب یہ ہیں۔

(۱) حبیب الرحمن: ان کی پیدائش ۱۹۶۵ء میں ہوئی، پرورش و پرداخت کرتھی ڈیہہ میں ہوئی، ابتدائی عربی اور اردو کے ساتھ آٹھویں تک ہندی کی تعلیم ہے اور انہیں مولانا ممتاز علی اور مولانا عبدالقدوس ٹکریا سے ملاقات و زیارت کا شرف بھی حاصل ہے۔ کافی دنوں سے ممبئی کاندیولی اسلام کمپاؤنڈ میں تجارت سے جڑے ہوئے تھے، فی الوقت چھوٹے بھائیوں کی خوشحالی و فارغ البالی کی وجہ سے گاؤں پر مقیم ہیں اور والد صاحب کی دیکھ رکھ کے ساتھ ان کی ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے ہیں۔

(۲) فضل الرحمن مفتاحی: یہ بھی عربی تعلیم یافتہ ہیں فی الوقت تجارت پیشہ ہیں اللہ انہیں نیک و نافع عطا فرمائے۔

(۳) عبید الرحمن ریاضی: یہ مولانا کے سب سے ہونہار اور لائق فرزند ہیں آپ کی تاریخ پیدائش ۱۱/۷/۱۹۷۱ء ہے، جامعہ سراج العلوم بونڈی بہار، جامعہ محمدیہ منصورہ مالیر گاؤں سے عربی تعلیم حاصل کرنے کے بعد جامعہ ریاض العلوم دہلی سے ۱۹۹۲ء میں فارغ التحصیل ہوئے ہیں۔ اور فراغت کے بعد سے ہی ٹریول ایجنسی سے وابستہ ہیں۔ اور انتہائی خوشحال اور صاحب ثروت ہونے کے ساتھ دین پسند اور اخلاق مند، جماعت و جمعیت اور منہج و مسلک سے مضبوطی سے جڑے ہیں۔ علماء، ائمہ مساجد اور دعا کے لئے انتہائی مخلص اور بے حد قدر داں ہیں۔

اور ہمیشہ جماعتی اور دینی کاموں میں پیش پیش رہتے ہیں۔ بچہ اللہ ہمارے ساتھ ملک کی اہم ترین کانفرنسوں میں بھی شرکت اور استفادہ کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ اللہ ان کے نیک جذبات کو قائم و دائم فرمائے اور دین و دنیا کی ہر طرح کی بھلائی و ترقی سے ہم کنار فرمائے۔ آمین

(۴) مجیب الرحمن: یہ مولانا کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں پانچویں جماعت تک جامعہ محمدیہ منصورہ میں عربی کی تعلیم پانے کے بعد عصری علوم سے وابستہ ہو گئے اور ایم بی اے کی ڈگری حاصل کی، بچہ اللہ آج اپنے برادر کبیر عبید الرحمن کے ساتھ ان کے قائم کردہ دہلی، ممبئی حیدرآباد وغیرہ کی ٹریول آفسوں کو بڑی کامیابی اور حسن و خوبی کے ساتھ ہینڈل کر رہے ہیں۔ نیک طبیعت اور دین پسند و اخلاق مند ہیں، اللہ تعالیٰ ان سبھوں کی حفاظت فرمائے اور اپنے والد کے نیک کاموں کا سچا وارث و امین بنائے آمین تقبل یارب العالمین۔

نوٹ: یہ مضمون مولانا کی تحریر کردہ سوانحی معلومات اور آپ کے فرزند ان بالخصوص عبید الرحمن صاحب ریاضی سے کئے گئے استفسارات و ٹیلی فون گفتگو کی بنیاد پر ترتیب دیا گیا ہے اور سنین وغیرہ کی توثیق دیگر تاریخی مصادر سے کی گئی ہے۔



مشہور مربی و مدرس استاذ گرامی مولانا امر اللہ بن عبد اللطیف رحمانی / حفظہ اللہ ٹکریا، سدھارتھ نگر سابق مدرس جامعہ سلفیہ بنارس

ولادت: ۲۰ جولائی ۱۹۴۱ء

مولانا عبد الحکیم عبد المعبود مدنی

جامعہ رحمانیہ، جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم بنارس میں ایک صاف ستھری شبیہ کے مالک، علم و عمل کے وصف سے متصف، انتہائی کہنہ مشق اساتذہ کرام کی فہرست میں ایک نام استاذ محترم مولانا امر اللہ رحمانی / حفظہ اللہ کا بھی ہے۔ راقم کو آپ سے مشکوٰۃ المصابیح جلد اول پڑھنے کا شرف حاصل رہا۔ مجھے یاد آتا ہے کہ شیخ محترم ہمیشہ مرعاۃ زیر مطالعہ رکھتے اور شیخ الحدیث کے تحقیقی و علمی بحثوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہم طلباء کو ان کی قیمتی باتوں سے سیراب کرتے تھے۔ عبارت فہمی، دقت نظری اور تشریح احادیث و استنباط مسائل کا مکمل درک ابتداء میں سیکھنے کا ہنر اگر ہمیں کہیں سے ملا تو مشکوٰۃ کے درس میں۔ نہ بہت سختی نہ بہت نرمی، ہمیشہ طلب علم کا جذبہ اور حوصلہ بلند کرنے والی باتیں، ناصحانہ و مشفقانہ کلمات ہی سننے کو ملیں۔ رب العالمین آپ کو اس عظیم خدمت کا پورا پورا بدلہ عنایت فرمائے۔ گذشتہ سال (نومبر ۲۰۱۸ء) ابنائے جامعہ سلفیہ کانفرنس بنارس میں مدتوں بعد ملاقات ہوئی، شاگردوں کا ہجوم طالب علمی کے زمانے کی محبت، ہمدردی اور خیر خواہی کے خوشگوار اثرات طلباء کے حسن ادب اور حسن کلام سے محسوس کئے جا رہے تھے۔ بڑا اچھا لگا اور دل سے دعائیں نکلیں۔ مرکز تاریخ اہل حدیث بڑھنی، سدھارتھ نگر کے عظیم منصوبے میں اپنے اساتذہ کرام کی سوانحی زندگی اور خدمات و جہود کی نشر و اشاعت بھی ہے اور یہ مضمون اسی کا ایک حصہ ہے۔ میں شیخ محترم کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے اپنے فرزند مولانا عبید اللہ کی کے حوالے سے ایک سوانحی تحریر اور معلومات مجھے عنایت کیں، اسی کی روشنی میں اور دیگر معلومات اور شیخ سے استفسارات کے بعد یہ مضمون ہدیہ قارئین ہے۔

سلسلہ نسب: مولانا امر اللہ رحمانی بن عبد اللطیف بن سبراتی بن الہی۔

تاریخ و مقام پیدائش: آپ کی پیدائش ضلع بستی (حال سدھارتھ نگر یوپی) کے مشہور علمی گاؤں موضع ٹکریا پوسٹ کسمبہ میں

۲۰ جولائی ۱۹۴۱ء کو ہوئی۔ یہ گاؤں ڈومریا گنج کے علاقے میں قدیم زمانہ سے اہل علم اور توحید کا مرکز رہا ہے۔

خاندانی پس منظر: آپ کے والد ماجد زراعت پیشہ کسان تھے۔ نیک اور صالح تھے اور والدہ ماجدہ بھی خاندان ہی کی تھیں، اور یہ خانوادہ اپنے علم و عمل اور علماء کی وجہ سے علاقہ میں مشہور و معروف تھا، مولانا خلیل رحمانی اور مولانا عبدالسلام مدنی جیسی عظیم شخصیتیں اسی خاندان سے متعلق تھیں، اول الذکر رشتے میں ماموں اور ثانی الذکر ماموں زاد بھائی کی نسبت رکھتے تھے۔

تعلیم و تربیت: ۱۔ درجہ پگلاں سے پنجم تک مکتبی تعلیم گاؤں کے مدرسہ میں ہوئی۔

۲۔ عربی کی ابتدائی تعلیم علاقہ کے مشہور گاؤں اوسان کوئیاں کے مدرسہ مظہر العلوم میں ہوئی۔ یہ مدرسہ تحریک شہیدین کے منشی مولانا جعفر علی نقوی میر مجھوانے ۱۸۶۲ء میں قائم کیا تھا۔

۳۔ جماعت اولیٰ سے جماعت رابعہ تک جماعت کے مشہور و معروف ادارہ جامعہ سراج العلوم بونڈی بہار میں تعلیم پائی، جو صاحب تحفہ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری کی یادگار ہے۔

۴۔ جماعت خامسہ سے آٹھویں یعنی فراغت تک تعلیم ملک کی مایہ ناز سلفی دانشگاہ جامعہ رحمانیہ بنارس میں حاصل کی اور یہیں سے شعبان ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء میں فراغت بھی ہوئی۔

۵۔ جامعہ رحمانیہ بنارس میں آپ کے ہم سبق ساتھیوں میں جماعت کے مشہور و معروف مورخ اور عالم مولانا عبدالحمید رحمانی، مولانا عزیز الحق عمری، مولانا خالد شفاء اللہ رحمانی وغیرہم جیسے اساطین اہل علم تھے۔

۶۔ عربی و فارسی بورڈ الہ آباد سے عالم اور فاضل ادب و دینیات کے امتحانات بھی آپ نے فرسٹ ڈویژن سے پاس کیا۔

مشاہیر اساتذہ کرام: ۱۔ مکتب کے اساتذہ میں ماسٹر حیات اللہ عرف کالے خاں، کرڑا گرانٹ، ۲۔ منشی محمد رضا صاحب ٹکریاوی، ۳۔ منشی عبدالحکیم صاحب ٹکریاوی، ۴۔ مولانا محمد ادریس صاحب کسھٹا • مدرسہ مظہر العلوم کے اساتذہ میں، ۵۔ مولانا عبدالقدوس صاحب ٹکریاوی، ۶۔ مولانا شکر اللہ صاحب فیضی ٹکریاوی، ۷۔ مولانا عبدالکریم ندوی ششہنیاں، ۸۔ منشی عبدالوہاب صاحب، کرتھی ڈیہہ • بونڈی بہار کے اساتذہ میں ۹۔ نمونہ سلف مولانا محمد اقبال صاحب ایمن رحمانی، ۱۰۔ مولانا عبدالعزیز احمد صاحب ندوی عرف بیت اللہ صاحب، ۱۱۔ مولانا صغیر احمد صاحب کنڈو بونڈی بہار • بنارس کے اساتذہ میں ۱۲۔ جامع المعقول والمنقول مولانا نذیر احمد رحمانی ملوی، ۱۳۔ مولانا محمد یوسف صاحب رحمانی بہرائچی، ۱۴۔ مولانا محمد بشیر صاحب رحمانی مبارکپوری، ۱۵۔ مولانا عبدالعزیز صاحب منوی، ۱۶۔ مولانا فضل الرحمن صاحب منوی، ۱۷۔ مولانا عبدالوحید صاحب رحمانی بنارس (شیخ الجامعہ) جیسے اساطین اہل علم و فضل و ماہرین تعلیم و تدریس تھے۔

سند حدیث: علم حدیث میں آپ کا سلسلہ سند بواسطہ جامع المعقول والمنقول علامہ نذیر احمد رحمانی ملوی سے صاحب تحفہ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری تک پہنچتا ہے اور صاحب تحفہ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور بقیہ سند میاں صاحب کے استاذ شاہ محمد اسحاق اور شاہ عبدالعزیز دہلوی کے واسطہ سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تک پہنچتی ہے۔ اور شاہ صاحب کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مشہور و معروف ہے جس کا تذکرہ شاہ عبدالعزیز دہلوی کی کتاب ”عجالہ نافعہ“ میں دیکھا جاسکتا ہے۔

تدریسی خدمات: ۱- ۱۹۶۲ء میں فراغت کے بعد اپنے استاذ مولانا نذیر احمد الملوئی اور مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری کے توسط سے مدرسہ یوسفیہ تلسی باغ، ناگپور میں تدریس کے لئے تشریف لے گئے اور یہاں ۲ سال تک چوتھی جماعت تک تدریسی فریضہ انجام دیتے رہے۔

۲- ۱۹۶۳ء میں جامعہ رحیمیہ کتلہ ماری وکھڑیا مغربی بنگال سے وابستہ ہو گئے اور سات سالوں تک تدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے یہاں زیر تدریس کتابوں میں تفسیر بیضاوی، حجة اللہ البالغۃ، جیسی اونچی اور ضخیم کتابیں تھیں۔

۳- ۱۹۷۱ء میں اپنے استاذ مولانا محمد اقبال رحمانی کے بلاوے پر اپنے آبائی علاقہ کے مشہور ادارہ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار میں تدریس پر مامور ہوئے اور دو سال تک یہاں خدمت انجام دیتے رہے۔

۴- ۱۹۷۳ء میں جامعہ سلفیہ بنارس کے ناظم اعلیٰ مولانا عبدالوہید سلفی صاحب کی دعوت پر بنارس چلے گئے اور جامعہ رحمانیہ بنارس سے وابستہ ہو گئے، ۱۹۷۳ء سے لے کر ۲۰۰۴ء تک مسلسل تدریس سے وابستہ رہے۔ یوں تو آپ کا تقرر الہ آباد بورڈ سے جامعہ رحمانیہ میں تھا مگر آپ رحمانیہ کے ساتھ جامعہ سلفیہ میں بھی مشکوٰۃ اور دیگر عربی زبان و اسلامی فنون کی تعلیم دیتے رہے۔ آپ کا انداز تدریس بے حد نرالہ اور ذہن و دماغ کو چھونے والا تھا۔ یہیں پر ۱۹۸۹ء میں آپ سے مشکوٰۃ پڑھنے کا مجھ خاکسار کو بھی شرف حاصل ہے۔

۵- ۲۰۰۴ء میں گھریلو حالات، والد صاحب کی بیماری اور بورڈ سے ریٹائرمنٹ کی وجہ سے آپ اپنے وطن اور آبائی گاؤں ٹکریا، سدھارتھ نگر آگئے، گھر پر ہی سکونت کا ارادہ تھا مگر علاقہ کے ایک بااثر اور ماہر تعلیم شخصیت ڈاکٹر عبدالباری خان صاحب نے آپ کی صلاحیتوں کو بھانپ لیا اور اپنے ادارہ کے شعبہ نسواں کلیۃ الطبیات میں بچیوں کی تدریس پر مامور فرما دیا، بنارس سے واپس آنے کے بعد سے ہی آپ تا حال جنوری ۲۰۲۰ء یہیں سے وابستہ ہیں، اور صحیح مسلم جلد اول و ثانی، السراجی فی المیراث، تیسیر مصطلح الحدیث جیسی عظیم کتابیں زیر تدریس ہیں۔ اللہ تعالیٰ مزید خیر و برکت کی توفیق دے اور صحت و عافیت بحال فرمائے۔ آمین۔

۶- آپ کی تدریسی خدمات اس طرح ۱۹۶۲ء سے لے کر تا حال ۲۰۲۰ء تک ۵۷ سالوں پر محیط ہیں اور یہ سلسلہ خیر ابھی جاری و ساری ہے، اللہ قبول فرمائے اور صحت کاملہ کے ساتھ آپ کے علم و عمل سے زیادہ سے زیادہ طلباء و طالبات کو فیض اٹھانے کی توفیق دے۔ آمین۔

دعوتی و تصنیفی خدمات: ۱- تعلیم و تدریس کے ساتھ استاذ محترم جہاں بھی رہے، دعوت و تبلیغ اور اصلاح و تربیت سے بھی جڑے رہے۔ چنانچہ دوران تدریس جامعہ رحمانیہ، بنارس آپ مستقل کہیں نہ کہیں خطبات جمعہ ضرور دیتے رہے ہیں، خاص طور پر مدینہ پورہ بنارس کی مشہور مسجد طیب شاہ میں اکثر و بیشتر آپ کا خطبہ ہوا کرتا تھا، اس کے علاوہ مسجد باگڑلی، مسجد نیمیا، بجر ڈیہہ، سریاں، جلالی پورہ، بھدوہی نی بازار کی مسجد وغیرہ میں بھی خطبہ جمعہ کے لئے جانا ہوا کرتا تھا، آپ کے خطبات انتہائی موثر اور دلپذیر ہوا کرتے تھے۔

۲- بسا اوقات شہر کے بعض مقامات پر منعقد ہونے والے اجلاس اور دعوتی سرگرمیوں میں بھی شرکت کرتے تھے، اور اپنے قیمتی و ناصحانہ کلمات سے عوام و خواص کو فیض یاب کرتے تھے۔

۳- ویسے تو آپ کی سردست تصنیفات کا ہمیں علم نہ ہو سکا البتہ جامعہ سلفیہ کے طلباء کی انجمن ندوۃ الطلبة سے شائع ہونے والے

مجلہ المنار ۲۰۱۳ء میں ایک عدد تصنیف کا ذکر ہے۔ اور وہ ہے ”نثرۃ الدرر ترجمہ بہجۃ النظر“ یہ کتاب بلوغ المرام کے ساتھ داخل نصاب ہوا کرتی ہے۔ استاذ محترم نے ہمیں خبر دی کہ جامعہ اسلامیہ خیر العلوم کے نائب ناظم مولانا فخر الدین ندوی حفظہ اللہ نے اسے چھپوایا ہے۔ اور کلیۃ الطبیات میں فی الوقت داخل نصاب ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

مشاہیر تلامذہ: یوں تو ایک طویل مدت تک ناگپور، مغربی بنگال، بونڈیہار، اور خاص طور پر جامعہ سلفیہ بنارس میں ۳۱ سال تک تدریس کا فریضہ انجام دینے کی وجہ سے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد ہے جو ملک و بیرون ملک خدمات انجام دے رہے ہیں تاہم یہاں چند مشاہیر کے نام درج کئے جا رہے ہیں تاکہ سندر ہے۔

۱۔ مولانا عبدالوہاب خلیجی، سابق ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۔ مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی، امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۳۔ مولانا محمد یونس صاحب مدنی (بنارس)، ۴۔ مولانا عبدالمتین مدنی (بنارس)، ۵۔ مولانا عبدالرحیم مدنی (بنارس)، ۶۔ مولانا عبدالاول سلفی (بنارس)، ۷۔ مولانا حافظ عبید اللہ بن مولانا عبدالوحید سلفی (بنارس)، ۸۔ مولانا محمد انس بن مولانا عبدالوحید رحمانی (بنارس)، ۹۔ مولانا راحت اللہ فاروقی (مالیگاؤں)، ۱۰۔ مولانا عبدالسلام سلفی (ممبئی)، ۱۱۔ مولانا عبدالحفیظ ندوی (ڈومریا گنج)، ۱۲۔ مولانا محمد اسلام مدنی (ڈومریا گنج)، ۱۳۔ مولانا عبدالجلیل انصاری (ممبئی)، ۱۴۔ مولانا عبدالمنان سلفی (جھنڈانگر)، ۱۵۔ مولانا عبدالمعید مدنی، ۱۶۔ مولانا محمد اقبال بسکوہری (مالیگاؤں)، ۱۷۔ مولانا شبیر احمد مدنی (اٹوا)، ۱۸۔ مولانا عبدالمعین مدنی (اٹوا)، ۱۹۔ خاکسار راقم عبدالکیم عبدالعجود مدنی (کاندیلوی، ممبئی)، ۲۰۔ ناگپور کے طلباء میں عبدالجبار ناگپوری اور بنگال کے طلباء میں مولانا عبداللہ نو مسلم مدنی، مولانا جلال الدین، مولانا محمد زکریا اور مولانا شمس الحق وغیرہم قابل ذکر ہیں۔

اولاد و احفاد: آپ کی اہلیہ ۲۰۱۲ء میں ہی اللہ کو پیاری ہو گئیں اللہ مغفرت فرمائے اور بلند درجات عطا کرے۔ اور ان کے بطن سے چار لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔ سب کے سب ماشاء اللہ باحیات ہیں۔

لڑکوں میں: ۱۔ مولانا عبید اللہ کی (مدرس ریاض العلوم دہلی) ۲۔ مولانا وصی اللہ کی (مدرس جامعہ رحمانیہ بنارس) ۳۔ مولانا ولی اللہ کی (مدرس مدرسہ مفتاح العلوم ٹکریا) ۴۔ مولانا کلیم اللہ صاحب جو صاحب تجارت ہیں اور شیخ کے ساتھ ڈومریا گنج میں اقامت پذیر ہیں۔ رب العالمین سے دعا ہے کہ استاذ محترم کے حسنات کو قبول فرمائے اور آپ کے علم و عمل کو دنیا و آخرت کی بھلائی کا ذریعہ بنائے۔ اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو فیض اٹھانے کی سعادت عطا فرمائے۔ آمین۔

مراجع و مصادر: ۱۔ مولانا عبید اللہ کی کا بھیجا ہوا مراسلہ بابت سوانحی معلومات ۲۔ مجلہ المنار ۲۰۱۸ء (بنارس)، ۳۔ شیخ محترم سے پوچھے گئے سوالات و استفسارات، ۴۔ ریکارڈ مرکز تاریخ اہل حدیث بڑھنی بازار، سدھارتھ نگر۔



استاذ گرامی

حضرت مولانا عبدالوہاب حجازی صاحب / حفظہ اللہ سدھارتھ نگر یوپی

سابق استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

(ولادت: ۸ جون ۱۹۴۶ء)

مولانا عبدالحکیم عبدالمعجود مدنی

جامعہ سلفیہ بنارس کے ہمارے اساتذہ میں جن مدرسین کو ملکی شہرت ملی، طلباء و عوام الناس کے بیچ اعتماد ملا ان میں مولانا صفی الرحمن مبارکپوری، ڈاکٹر مقتدی حسن ازھری، مولانا رئیس الاحرار ندوی اور مولانا عبدالسلام مدنی رحمہم اللہ کے پہلو بہ پہلو استاد محترم مولانا عبدالوہاب حجازی کا نام بھی شامل ہے۔ آپ کئی گونا گوں خصوصیات کے ساتھ ایک سنجیدہ اور خاموش طبیعت کے مالک ہیں۔ اور اسی خاموشی اور سنجیدگی میں آپ کا وقار، آپ کی صلاحیت اور آپ کی خدمات و اعمال کی مقبولیت کا راز چھپا ہوا ہے۔ پہلی بار آپ کو جامعہ کی مسجد میں جمعہ کا خطبہ دیتے ہوئے سنا تو طبیعت مچل گئی۔ انتہائی شگفتہ، علمی اور دلائل و حکمت سے پر خطاب آواز و انداز کی دلپذیری و رعنائی دل کی گہرائیوں تک اثر ڈال گئی جو آج تک باقی ہے۔ تدریس و تعلیم، دعوت و تبلیغ کے ساتھ ایک صاف سھترے علمی و تحقیقی ذوق کے حامل اور مسلسل اس راہ میں کچھ نیا کرنے کا عزم و حوصلہ، جس کا نتیجہ ہے کہ ۲۴ سالوں تک ماہنامہ محدث کی شاندار ایڈیٹری کے علاوہ ۲۰ سے زائد کتابیں الگ الگ موضوعات پر آج ہمارے سامنے ہیں۔ اور ملک کی چھوٹی بڑی لائبریری کی زینت ہیں، اور یہ عمل مسلسل آج بھی جاری و ساری ہے۔

سونے پر سہاگہ یہ کہ آپ ایک خوش گلو اور مترنم لب و لہجہ کے ممتاز سلفی شعراء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اور آپ کی اسلامی نظمیں انتہائی معتبر اور مستند مانی جاتی ہیں۔ بعض کو تو اتنی شہرت ملی کی آج انہیں ہر چھوٹی بڑی کانفرنس اور اجتماعات میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھا اور سنا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت عطا فرمائے اور خدمات و حسنات کو قبول فرمائے۔ ذیل میں استاذ محترم کی زندگی اور عمل کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے تاکہ نسل نو کے لئے مشعل راہ ہو۔

نام و نسب: مولانا عبدالوہاب حجازی بن حبیب اللہ بن محمد اشرف بن محمد امیر خان۔

مقام و تاریخ پیدائش: آپ ۸ جون ۱۹۴۶ء کو ضلع بستی حال سدھارتھ نگر کے ایک مشہور و معروف اہل حدیث گاؤں ”کسمبی“

میں پیدا ہوئے جو ڈومریا گنج سے مشرق میں موتی گنج چورہا سے قریب واقع ہے۔

خاندانی پس منظر: آپ کے والد زراعت پیشہ تھے۔ صرف قرآن پڑھنا جانتے تھے، اپنے برادر نسبتی مولانا شکر اللہ فیضی سے

بہت متاثر ہوئے چنانچہ آپ کی تربیت کے گہرے اثرات آپ کی زندگی میں مرتب ہوئے۔ اور آپ کی والدہ ماجدہ انتہائی نیک، دیندار اور صوم و صلاۃ کی پابند تھیں اور ایک دیندار گھرانے کی تربیت یافتہ صالحہ خاتون تھیں، اپنے بھائی بہنوں میں سب سے بڑی تھیں، بھائیوں میں مولانا شکر اللہ فیضی ایک بہن کے علاوہ عمر میں سب سے چھوٹے تھے، چونکہ مجازی صاحب کے نانا بڑے دیندار تھے، اس لئے آپ کے والد اور دادا نانا کی دینداری سے بڑے متاثر تھے، اور اس کے علاوہ مولانا سید ممتاز علی گرتھی ڈیہہ سے بھی عقیدہ و مسلک کے گہرے روابط تھے، جو اصلاً آپ کے گاؤں کسمبھی کے ہی رہنے والے تھے، اسی طرح ایک بزرگ شخصیت مولانا عبدالوہاب بانسویؒ بھی قصبہ بانسی سے آپ کے یہاں آیا کرتے تھے، یہ بڑے نیک بزرگ تھے، غالباً مجازی صاحب کا نام عبدالوہاب کا انتخاب بھی انہیں کے نام پر ہوا تھا۔ دراصل انہیں لوگوں کے دینی حماس اور نیک جذبات اور صحیح عقیدہ و عمل کا گہرا اثر ہے جو آج بھی مجازی صاحب کی خوب میں رچا بسا ہوا نظر آتا ہے۔

● آپ کے دادا محمد اشرف اور پردادا محمد امیر خان دینی تعلیم یافتہ تو نہیں تھے مگر پڑھے لکھے تھے اور اپنے وقت کے اوسط درجہ کے زمیندار تھے۔ اور علاقے میں اچھا اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ حسن اتفاق ایسے خانوادے میں رشتہ داری کی سعادت ملی جس کی وجہ سے پورے خاندان کی کاپی لٹ ہو گئی۔ واقعہ یوں ہے کہ مجازی صاحب کے والد محترم حبیب اللہ کی شادی حاجی حشمت اللہ ٹکریا کی صاحبزادی سے ہوئی اور یہیں سے یہ انقلاب پیدا ہوا اور صالحیت اور دینداری اور علم و عمل سے گہرا لگاؤ بڑھتا گیا۔ حاجی حشمت اللہ جو مجازی صاحب کے نانا ہیں وہ علاقہ گونڈہ و بستی میں تحریک اہلحدیث کی دوسری اہم کڑی ولی جماعت مولانا ممتاز علی گرتھی ڈیہہ کے اہم ترین رفقاء میں سے تھے۔ اور انتہائی نیک، تربیت یافتہ اور شب زندہ دار تھے اور آپ کے والد محمد فاضل مولانا جعفر علی نقوی میرمنشی تحریک شہیدین کے فیض یافتہ تھے۔

● اسی طرح اس خانوادے کے ایک عظیم سپوت جماعت کی بزرگ شخصیت مولانا شکر اللہ فیضی ٹکریا دی آپ کے ماموں تھے۔ اور جماعت و علاقے کے ایک مستند عالم دین مانے جاتے تھے۔ برسوں تدریس و دعوت سے جڑے رہے اور پورے علاقہ کو فیض پہنچاتے رہے۔ گاؤں ٹکریا میں تو آپ کی سرداری و امامت متفق علیہ تھی۔

مجازی صاحب کے دو بھائیوں میں ایک بزرگ عالم مولانا انعام اللہ قاسمی بھی ہیں جو ایک کہنہ مشق مدرس اور ماہر معقولات مانے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ آج بھی آپ کے خاندان و رشتہ داریوں میں کئی اہم ترین علماء میدان عمل میں موجود ہیں جن میں مولانا محمد احمد اثری بن مولانا شکر اللہ جو اب اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں، مولانا عزیز الرحمن سلفی، سابق استاذ جامعہ سلفیہ بنارس، مولانا سعید احمد سلفی پونہ، مولانا جمیل احمد سلفی، مولانا فضل اللہ، ڈاکٹر مختار احمد سلفی، مولانا شمس الرب سلفی پروفیسر مہاراشٹر کالج، وغیرہم کے نام قابل ذکر ہیں۔

تعلیمی مراحل: (۱) ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب کسمبھی اور مدرسہ مظہر العلوم اوسان کوئیاں میں حاصل کی۔ (۲) عربی جماعت اولی و ثانیہ کی تعلیم اپنے ماموں شکر اللہ فیضی کی نگرانی میں مدرسہ مفتاح العلوم ٹکریا میں حاصل کی۔ (۳) ۱۹۶۰ء کے آس پاس

دارالحدیث اثریہ مؤسس جماعت ثالثہ میں داخل ہوئے اور کم و بیش چھ سالوں تک وہاں رہ کر اساطین علم و فضل کی رہنمائی میں تعلیم حاصل کرتے رہے اور ۱۹۶۶ء میں عالمیت مکمل کی۔ (۴) ۱۹۶۶ء میں جامعہ سلفیہ کے تعلیمی افتتاح کے سال بنارس وارد ہوئے اور عالم ثالث میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۷ء میں عالمیت کی سند سے سرفراز کئے گئے۔ (۵) ۱۹۶۶ء تا ۱۹۶۹ء مرکزی دارالعلوم یعنی جامعہ سلفیہ بنارس ہی میں تخصص فی الشریعہ کا کورس مکمل کیا اور یہیں سے ایک اچھے عالم و داعی بن کر ۱۹۶۹ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

مشاہیر اساتذہ: (۱) مولانا صفی الرحمن مبارکپوری (۲) مولانا عبداللہ شائق منوی (۳) مولانا عبدالوحید رحمانی (۴) ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری (۵) ڈاکٹر ربیع ہادی مدخلی (۶) ڈاکٹر صالح العراقی (۷) ڈاکٹر ابوالفتوح مصری (۸) ڈاکٹر ادیس افریقی (۹) ڈاکٹر طیب سویسی (۱۰) ڈاکٹر خلیل خلیفہ فلسطینی (۱۱) مولانا عظیم اللہ منوی (۱۲) مولانا شکر اللہ فیضی (۱۳) مولانا شمس الحق سلفی۔

مشاہیر تلامذہ: (۱) مولانا عبدالمتین مدنی بنارس (۲) مولانا اشفاق الرحمن سلفی بہار (۳) خاکسار عبدالکیم عبدالمعبود مدنی، ممبئی (۴) مولانا آصف اقبال مدنی، کلکتہ (۵) ڈاکٹر فوزان ازہری دہلی (۶) مولانا رضاء الحسن آروی (۷) مولانا احمد سلفی سمرای دہلی (۸) درعبید الرحمن محمد حنیف مدنی تلوی ممبئی (۹) مولانا ہلال ہدایت اللہ سلفی (۱۰) مولانا عبدالمعین مدنی اٹوا بازار (۱۱) درعبداغنی القونی، جھنڈانگر نیپال۔ وغیرہم کثیر

تدریسی و دعوتی خدمات: (۱) ۱۹۶۹ء میں فراغت کے بعد کچھ دنوں تک سہ روزہ دعوت دہلی میں کام کرتے رہے بعدہ جامعہ سلفیہ اکبر پور جمنی میں تدریس سے منسلک ہوئے اور دو سال تک یہاں رہ کر تدریسی خدمات انجام دیں۔

(۲) دعوت و تبلیغ کے جذبہ سے ضلع بریلی کے مشہور اہل حدیث قصبہ دھونرا، ٹانڈہ تشریف لے گئے اور کم و بیش سات سالوں تک وہاں تدریس کے ساتھ دعوت و تبلیغ کا کام بھی بڑے پیمانے پر کرتے رہے، بحمد اللہ اس علاقے میں آپ کی دعوتی خدمات کے گہرے اثرات اور قابل قدر نقوش آج بھی محسوس کئے جاتے ہیں۔

(۳) اگست ۱۹۸۰ء میں آپ کی تقرری ملک کی مرکزی درسگاہ جامعہ سلفیہ بنارس کے شعبہ تصنیف و تالیف میں بحیثیت باحث و محقق ہوئی، دو سال تک ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری کی آفس میں تحقیق و ترجمہ کا کام بھی کرتے رہے، اس دوران آپ نے نواب صدیق حسن خان کی بعض کتابوں کی تحقیق کے ساتھ کتاب الکبائر کا ترجمہ بھی کیا اور نصرانیت پر علامہ ثناء اللہ امرتسری کے تحریر کردہ مقالات کو جمع بھی فرمایا۔ رفتہ رفتہ تحقیق و تالیف کے ساتھ تدریس سے بھی وابستہ کر دیئے گئے، اور اس طرح جامع ترمذی، حجۃ اللہ البالغہ کے علاوہ الفوز الکبیر، تفسیر بیضاوی، تفسیر زنجشیری، مقدمہ ابن خلدون، اور مجموعہ من النظم والشعر جیسی اہم ترین کتابیں زیر تدریس رہنے لگیں۔

مولانا رئیس الاحرار ندوی کی وفات کے بعد صحیح بخاری بھی آپ کے حصہ میں آئی اور دو سالوں تک آپ اس کی تدریس کا بھی فریضہ انجام دیتے رہے اور اس طرح کم و بیش ۳۲ سالوں تک آپ نے جامعہ سلفیہ بنارس میں اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے اور ہزاروں تشنگان علوم آپ سے فیض یاب ہوئے اس طویل فترے میں تدریس کے ساتھ تحقیق و تصنیف کا کام چلتا رہا اور اس طرح متعدد کتابیں آپ کے گہر بار قلم سے منصفہ شہود پر آئیں۔ جولائی ۲۰۱۳ء میں آپ یہاں سے مستعفی ہوئے۔

(۴) جامعہ سلفیہ سے مستعفی ہونے کے بعد ۲۰۱۳ء سے ۲۰۱۴ء تک آپ جامعہ اسلامیہ دریاباد ضلع کبیر نگر یوپی سے وابستہ ہو گئے اور وہاں کم و بیش ایک سال تک تدریسی خدمات انجام دیں پھر آمدورفت کی دقت کی وجہ سے قریب کے ایک مشہور و معروف ادارہ جامعہ خیر العلوم، ڈومریا گنج منتقل ہو گئے۔

(۵) ۲۰۱۵ء سے تاحال (جنوری ۲۰۲۰ء) آپ جامعہ اسلامیہ خیر العلوم ڈومریا گنج سے وابستہ ہیں اور کتب حدیث بالخصوص صحیح بخاری کی تدریس و تعلیم کے ساتھ تصنیف و ترجمہ کے کام میں مصروف ہیں۔ اللہ استاذ محترم کو صحت کاملہ عطا فرمائے اور ملک و جماعت کو آپ سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔

(۶) دوران قیام ضلع بریلی دھونرا ٹانڈا کے علاقے میں سات سالوں تک آپ نے دعوت و تبلیغ سے بھری پر زندگی گزاری ہے اور اپنے پیچھے وہاں بہترین نقوش چھوڑے ہیں۔

(۷) خطابت کے میدان میں آپ کو بنارس آنے کے بعد کافی شہرت ملی، انتہائی دلپذیر اور موثر انداز میں آپ نے بڑے بڑے اجلاس میں خطابات کئے جنہیں بے حد پسند کیا گیا۔ دوران تدریس جامعہ سلفیہ بنارس مسلسل خطبات جمعہ کے ساتھ ساتھ ملک و جماعت کی اہم ترین کانفرنسوں اور سیمیناروں میں آپ کی شرکت رہی۔ شیخ صفی الرحمن مبارکپوری اور ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری کے پہلو پہ پہلو جن اساتذہ جامعہ کو ملک و جماعت کی بڑی کانفرنسوں میں نمائندگی کا موقع ملا ان میں آپ کی شخصیت بھی سرفہرست ہے جن کانفرنسوں اور سیمیناروں میں آپ کو شرکت کا موقع ملا ان میں علوم الحدیث پر منعقد سیمینار علی گڑھ، آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس منو، آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس پاکوڑو دہلی نیز دہشت گردی پر منعقد سیمینار جامعہ احمدیہ سلفیہ درجھنگہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ماہنامہ محدث بنارس کی ادارت اور مختلف خصوصی نمبرات و شماروں کا اجراء: ماہنامہ محدث بنارس، جماعت کا مشہور آرگن اور جامعہ سلفیہ بنارس کا بے باک ترجمان ہے جس کے مدیران بالترتیب مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی ۱۹۷۳ء تا ۱۹۷۶ء اور مولانا صفی الرحمن مبارکپوری ۱۹۸۲ء تا ۱۹۸۸ء رہے مولانا صفی الرحمن مبارکپوری کے مدینہ یونیورسٹی کی طلب پر سیرت اور حدیث میں ریسرچ و تحقیق کے لئے مدینہ منورہ چلے جانے کے بعد حجازی صاحب کو مجلہ کی ادارت کی ذمہ داری سونپ دی گئی۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۸۸ء سے لے کر جولائی ۲۰۱۳ء تک مسلسل آپ ہی اس کے مدیر رہے۔ چوبیس سال کے اس طویل عرصہ تک آپ نے اپنی صحافتی اور قلمی صلاحیتوں سے مجلہ کو بام عروج تک پہنچایا اور اہم ترین عناوین و موضوعات پر تحقیقی و علمی مضامین کے علاوہ کئی قابل قدر خصوصی شمارے بھی اشاعت پذیر ہوئے اور بجز اللہ چوبیس سالہ دوران ادارت میں تحریر کردہ تمام مضامین و مقالات کو درجہ علیا کے ایک ہونہار طالب علم نے اپنے مقالہ میں جمع کیا ہے جو جامعہ سلفیہ میں حصول سند کے لئے تیار کرایا گیا تھا اس کی ایک فوٹو کا پی حجازی صاحب کے پاس محفوظ ہے۔

آپ کی نگرانی و ادارت میں شائع شدہ ماہنامہ محدث بنارس کے خصوصی نمبرات: (۱) موتمر الدعوة والتعليم نمبر ۱۹۸۱ء، یہ شمارہ بھی آپ کی کاوشوں سے مرتب کیا گیا تھا۔ (۲) موسم ثقافتی نمبر ۱۹۸۱ء، یہ شمارہ بھی آپ کی کاوشوں سے مرتب کیا گیا تھا۔ (۳) خلیجی بحران نمبر ۱۹۹۱ء، یہ آپ کے دوران ادارت میں شائع ہوا۔ (۴) مولانا عبدالوحید سلفی نمبر ۱۹۹۱ء، یہ آپ کے دوران ادارت میں

شائع ہوا۔ (۵) بابر مسجد نمبر ۱۹۹۳ء، یہ آپ کے دورادارت میں شائع ہوا۔ (۶) صحافت کانفرنس نمبر ۱۹۹۳ء، یہ آپ کے دورادارت میں شائع ہوا۔ (۷) شیخ الحدیث نمبر ۱۹۹۷ء، یہ آپ کے دورادارت میں شائع ہوا۔ (۸) دررضاء اللہ مبارکپوری نمبر ۲۰۰۳ء، یہ آپ کے دورادارت میں شائع ہوا۔ (۹) شیخ محمد بن عبدالوہاب نمبر ۲۰۱۰ء، یہ آپ کے دوران ادارت میں شائع ہوا۔

شاعرانہ ذوق: استاذ محترم مجازی صاحب ایک بہترین مدرس و قلم کار کے ساتھ عمدہ شاعر بھی ہیں اور اس کے لئے مجازی تخلص اختیار کئے ہوئے ہیں۔ جو سرزمین مجازی کی طرف نسبت کی وجہ سے انتہائی پاکیزہ اور مقدس محسوس ہوتا ہے۔ آپ کی دینی و اسلامی نظمیں ملک کے بڑے بڑے اجلاس و کانفرنسوں میں پڑھی جاتی ہیں۔ اور اگر اسے ترتیب دیا جائے تو ایک اچھا خاصہ دیوان تیار ہو سکتا ہے۔

الحمد للہ استاذ محترم اس کی ترتیب و تدوین میں کوشاں ہیں۔

شاعری کے ساتھ آپ ایک مترنم لب و لہجہ کے بھی مالک ہیں اور کبھی کبھار سامعین اور اہل علم کی فرمائش پر اپنی تخلیق کردہ نظمیں اپنے خوش گلو آواز میں اجلاس و اجتماعات میں پڑھتے ہیں تو ایک سماں سا بندھ جاتا ہے۔ اس سلسلے میں آپ کی ایک نعتیہ نظم ”انوار رسالت سے لوجس نے لگائی ہے“ بہت ہی مشہور ہے اور اسے ملک کے طول و عرض میں منعقد ہونے والے اجتماعات وغیرہ میں بڑے شوق سے پڑھا اور سنا جاتا ہے۔ آپ کے پاس ایک شعری مجموعہ ہے جو ابھی تک منظر عام پر نہ آسکا ہے بلکہ مسودے کی ہی شکل میں آپ کے پاس محفوظ ہے، اس پر ۲۰۰۹ء ہی میں مشہور علمی و ادبی شخصیت استاذ محترم ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری نے ایک جامع مقدمہ بھی لکھا تھا جس میں مجازی صاحب کے شاعرانہ ذوق اور ادبی صلاحیتوں کو کافی سراہا ہے۔ اور اہل علم و طلباء سے اس طرح کے دینی و اسلامی نظموں کو اختیار کرنے اور پڑھنے پڑھانے کی ترغیب دلائی ہے۔ رب العالمین سے دعا ہے کہ مولائے کریم اسے منظر عام پر لانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

تصنیفات و تالیفات: مجازی صاحب کے گہر بار قلم سے کئی اہم تصنیفات اور متعدد کتابوں کے تراجم اور اس کے علاوہ بہترین تحقیقی و علمی کام منصف شہود پر آچکے ہیں جو اہل علم اور طلباء کے ساتھ ساتھ امت کے لئے بے حد مفید ہیں۔ ذیل میں اس کی فہرست پیش ہے:

- ۱۔ عورت اور تعلیم، ۲۔ اسلامی تربیت، ۳۔ حجیت حدیث، ۴۔ سلفی دعوت کے علمی اصول، ۵۔ سلفی دعوت اور ائمہ اربعہ، ۶۔ قیاس
- ایک تقابلی مطالعہ، ۷۔ ماسونیت، ایک تاریخی دستاویز، ۸۔ کتاب الکبائر، ۹۔ کمیونزم اور مذہب، ۱۰۔ جائزۃ الاحوذی فی التعلیقات علی سنن الترمذی، ۱۱۔ اسلامی عقیدہ (۱۶ جزاء) یہ ساری کتابیں جامعہ سلفیہ سے مطبوع ہیں۔ ۱۲۔ آیات نبوت شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے اقوال کی روشنی میں، مطبوع از مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۱۳۔ علمائے اہل حدیث کی حدیثی خدمات، ۱۴۔ علمائے اہل حدیث کی تفسیری خدمات، ۱۵۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی علمی سیرت، ۱۶۔ بعض مقالات کے عربی تراجم جو شیخ الاسلام سے متعلق ہیں، ۱۷۔ چوبیس سالہ ادارت محدث بنارس کے طویل و متوسط مقالات (آخر الذکر ۱۳ سے ۱۷ تک غیر مطبوع ہیں)۔ ۱۸۔ عرب کے دو مدبرین معاویہ کی صف میں، ۱۹۔ مضامین ابوالوفاء (قلمی) ۲۰۔ ترجمہ قرآن، ۲۱۔ اسلامی تحریکات، ۲۲۔ شرح عقیدہ واسطیہ مترجم، ۲۳۔ ضخیم شعری مجموعہ یاد یوان اور، ۲۴۔ قضاء و قدر پر ایمان زیر ترتیب و تالیف ہیں۔ ۲۵۔ اس کے علاوہ ملک کی مختلف علمی

کافر نسوں اور سیمیناروں میں تحریر کردہ متعدد مقالات و مضامین ہیں جو مختلف جرائد و رسائل کی زینت بن چکے ہیں۔

اخلاق و عادات: میں بحیثیت ایک شاگرد کچھ نہ لکھتے ہوئے مفکر جماعت شیخ عبدالمعید مدنی علی گڑھ کے ان کلمات کو درج کر دے رہا ہوں جو مجازی صاحب کے سلسلے میں میرے بھی دل کی آواز ہے۔ شیخ عبدالمعید مدنی صاحب علی گڑھ اپنی ایک واپسی تحریر میں جامعہ سلفیہ کے دو لعل کے عنوان سے رقم طراز ہیں کہ: ”مجازی صاحب وقت کے پابند، صلاۃ و صوم کے پابند، دعوت و تبلیغ کے جذبہ سے سرشار، مسلک و جماعت کا صحیح شعور رکھنے والے، بساط بھر جماعت اور مسلک کے خادم، ریا و نمود سے دور و نفور، تدریس کا حق ادا کرنے والے، مجازی صاحب کی کئی کتابیں جامعہ سے شائع ہوئیں، ماہنامہ محدث کے زمانہ تک مدیر رہے۔ تعلیم و تدریس کو جوڑیں تو زندگی کا بیشتر حصہ جامعہ میں کاٹ دیا۔ وقار و سنجیدگی، زہد و تقویٰ، فکر و فہم سے اللہ نے انہیں نوازا ہے اللہم زد فرد آمین، بڑا ہونے کے لئے آج کے دور میں یہی کافی ہے۔ اصلاً جو سچا ایماندار ہو وہی بڑا ہے۔“

یہ تحریر آپ کے اخلاق و عادات کی صحیح آئینہ دار ہے۔ اللہ شیخ کی حفاظت فرمائے۔

شادی و اولاد: آپ کی شادی آپ کے ماموں مولانا شکر اللہ فیضی کی بڑی صاحبزادی سے ہوئی۔ جن سے ۴ بچے اور پانچ بچیاں ہیں۔ بچوں میں مولانا جاوید احمد سلفی پونہ، مولانا شاہد سلفی عالیاوی پر یوانرائن پور، مولانا عبدالاعلیٰ سلفی اور محمد طارق سلمہم اللہ ہیں۔ جو اپنے اپنے حساب سے تلاش رزق میں مشغول ہیں اور دین و ایمان اور صحیح عقیدے پر قائم و دائم ہیں، رب العالمین انہیں اپنے صالح اور صاحب عزیمت باپ کا سچا جانشین بنائے۔ آمین۔

فی الوقت (جنوری ۲۰۲۰ء) مجازی صاحب جامعہ اسلامیہ خیر العلوم ڈومریا گنج ضلع سدھارتھ نگر میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ دعوتی اور تصنیفی کام بھی جاری ہے۔

رب العالمین سے دعا ہے کہ استاذ محترم کو صحت کاملہ عطا فرمائے اور ملک و جماعت کو آپ سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی توفیق بخشے۔ آمین تقبل یا رب العالمین۔

مراجع و مصادر: (۱) ریکارڈ مرکز تاریخ اہل حدیث بڑھنی سدھارتھ نگر (۱) ذاتی معلومات اور مجازی صاحب سے کئے گئے ٹیلیفونک استفسار (۳) علمائے اہل حدیث ہند اور ان کی تصنیفی خدمات از مولانا محمد مستقیم سلفی ۱۳۵۵ھ- (۴) المنار ۲۰۱۸ء (۵) اساتذہ جامعہ سلفیہ بنارس (۵) علوم الحدیث مطالعہ و تعارف۔ علی گڑھ ص ۱۸۔



صاحب تحقیق و افتاء استاذ گرامی

شیخ احمد مجتبیٰ بن نذیر عالم سلفی مدنی / حفظہ اللہ پورنیہ بہار

سابق استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

(ولادت: ۳ فروری ۱۹۴۹ء)

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

۹۰ کی دہائی سے کچھ پہلے جامعہ سلفیہ بنارس میں جن نام چیں اساتذہ کی تقرری ہوئی ان میں استاذ گرامی ڈاکٹر عبدالرحمن پریوئی، شیخ اصغر علی امام مہدی اور ہمارے صاحب تذکرہ شیخ احمد مجتبیٰ مدنی تھے۔ بڑے پر جوش اور حوصلہ افزاء ماحول میں ہمیں جامعہ کے قدیم کہنہ مشق اساتذہ کے پہلو بہ پہلو مذکورہ اصحاب تحقیق مدنی علماء سے بھرپور استفادہ کا موقع ملا، بالخصوص جامعہ کے بدلتے ہوئے حالات اور تعلیمی ذوق و شوق کی لو کچھ مدہم ہو جانے کے بعد ان حضرات کی آمد اور تقرری اور تدریس سے طلباء کے تحقیقی رجحان کو جلا ملا، تعلیمی ذوق و شوق میں حوصلہ مندی و ترقی پسندی کے ساتھ عربی زبان میں گفتگو و باہمی محاذ کشی کا ایک ماحول بنا، اور فن حدیث وغیرہ میں تحقیق و تخریج کی نئی راہیں کھلیں، اسی راہ تحقیق کے ایک باوقار اور صاحب علم راہی ہمارے مدد و حوصلہ سے مستفاد شیخ احمد مجتبیٰ سلفی مدنی بھی تھے۔ مقررہ نصابی کتابوں کی گھٹیاں عمدہ انداز میں سلجھانے کے ساتھ، مسلک سلف اور اس کے دفاع کا جذبہ فراواں بھی ہمیں آپ سے سیکھنے اور اپنے اندر پیدا کرنے کا کچھ سلیقہ آیا۔ موصوف جہاں فن حدیث و دیگر فنون کے ایک کہنہ مشق معلم تھے وہیں طلبہ کی رگوں میں مسلک سنت کی حمیت اور خدمت کا جذبہ پیدا کرنے والے ایک تجربہ کار مربی بھی تھے، ۱۴ سالوں تک ملک کی مرکزی درس گاہ میں اپنی تحقیقی و علمی صلاحیتوں کے جواہر پارے بکھیر کر دارالدعوة دہلی و بعدہ جامعہ ابی ہریرہ لال گوپال گنج الہ آباد میں خدمت حدیث پر مامور ہوئے، اور آج بھی اسی میدان حق کے ایک فرض شناس مرد مجاہد شمار کئے جاتے ہیں۔ اللہ رب العالمین آپ کی خدمت کو قبول فرمائے۔ ذیل میں آپ کی سوانح نظر قارئین ہے۔

نام و نسب: احمد مجتبیٰ بن نذیر عالم بن صاحب الدین بن چھپسی میاں۔

تاریخ پیدائش: ۳ فروری ۱۹۴۹ء (مدنی ٹولہ) پورنیا، گوسائیں، ضلع مغربی چمپارن، بہار۔

خاندانی پس منظر: (۱) شیخ کے خاندان کے ایک بزرگ ”میاں جھگڑو“ نام کے تھے جو تحریک شہیدین اور مجاہدین کی جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔

(۲) آپ کے پردادا چھپسی میاں، شیر بہار راجہ کنور سنگھ (والی بھوجپور بہار) کے درباری تھے اور اس کے ساتھ ۱۸۵۷ء کی

جنگ آزادی میں شریک تھے، کنور سنگھ کی شکست کے بعد یہ لوگ چمپارن جا بسے اور یہاں پر پورنیاں نام کی ایک بستی کو بسایا اور آباد کیا

اور یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

(۳) آپ کے والد نذیر عالم ایک متمسک عالم دین تھے اور جماعت کے مشاہیر اہل علم بالخصوص مولانا منیر خان بنارس، مولانا عبدالنور مناظر بہار اور فیض عام منو کے سابق ناظم مولانا احمد کے شاگردوں میں سے تھے، نیز مولانا عبدالکریم مسلم صاحب ردیوان گلشن کے نواسے مولانا منظور الحق جھمکاوی ثم بلی رامپوری کے ساتھ ضلع مغربی چمپارن اور اس سے متصل نیپال کے علاقوں میں سلفی دعوت کے فروغ اور مدارس کے قیام میں بڑے اہم کردار کے مالک تھے۔ خاص طور پر مغربی چمپارن کے مشہور جماعتی ادارہ مدرسہ منظر العلوم بلی رامپور کے بانیان میں سے تھے اور پہلے پہلے مدرس اور صدر المدرسین بھی تھے۔ یہ بات یاد رہے کہ یہاں آپ کے شاگردوں میں صاحبزادے احمد مجتبیٰ کے علاوہ مولانا محمد حنیف فیضی مدنی بھی تھے جو برسوں جامعہ سلفیہ کے استاذ رہ چکے ہیں، اور اسی ادارہ میں مرکزی جماعت کے امیر مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے بھی کئی سالوں تک خوشہ چینی کی ہے۔

تعلیمی مراحل: ۱۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد کے ساتھ موضع بہنت پور کے ایک مدرسے میں حاصل کی۔

۲۔ ۱۹۶۳ء تا ۱۹۶۵ء دارالعلوم احمدیہ سلفیہ در بھنگہ میں (متوسط، ثانویہ) کی تعلیم حاصل کی۔

۳۔ ۱۹۶۶ء تا ۱۹۷۰ء دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (عربی پنجم تا ہفتم) میں رہے اور عالمیت کی سند حاصل کی۔ لیکن وہاں درمیان

سال میں اسٹرانگ کی وجہ سے تکمیل نہ کر سکے۔

۴۔ ۱۹۷۱ء میں جامعہ فیض عام منو میں داخل ہوئے اور دورہ حدیث میں داخلہ لیا اور ایک سال تک وہاں اساطین اہل علم سے

تعلیم حاصل کی اور دورہ حدیث کی تکمیل کی۔

۵۔ دسمبر ۱۹۷۱ء تا ۱۹۷۳ء جامعہ سلفیہ بنارس میں رہے، یہاں آپ نے فضیلت کا کورس مکمل کیا اور ۱۹۷۳ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

۶۔ دسمبر ۱۹۷۸ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ تشریف لے گئے یہاں آپ نے لیسانس (B.A.) اور ماجسٹر (M.A.) کی

ڈگری حاصل کی اور ۱۹۸۶ء میں ماجسٹر کی سند سے سرفراز کئے گئے۔ آپ کے ماجسٹر کے رسالہ کا موضوع تھا تحقیق و دراستہ ”الفتح

الساوی فی تخریج احادیث البیضاوی للمناوی“۔

مشاہیر اساتذہ: ۱۔ مولانا عین الحق سلفی، ۲۔ مولانا محمد رئیس ندوی، ۳۔ مولانا محمد عمیس اختر سلفی، ۴۔ مولانا عبدالخالق سلفی،

۵۔ مولانا محمد اکمل اعظمی، ۶۔ مولانا نور عظیم ندوی، ۷۔ مولانا عبدالحفیظ بلیاوی صاحب مصباح اللغات، ۸۔ مولانا عبدالماجد ندوی،

۹۔ مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی، ۱۰۔ مولانا محمد رابع ندوی، ۱۱۔ مولانا محمد عرفان ندوی، ۱۲۔ ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری، ۱۳۔ مولانا

عبدالوحید رحمانی، ۱۴۔ مولانا عبدالحمید رحمانی، ۱۵۔ مولانا عابد رحمانی، ۱۶۔ مولانا آزاد رحمانی، ۱۷۔ مولانا شمس الحق سلفی، ۱۸۔ مولانا

عبدالمعین بنارس، ۱۹۔ شیخ رنج ہادی المدخلی، ۲۰۔ شیخ عبدالحسن العباد، ۲۱۔ شیخ حماد الانصاری، ۲۲۔ ڈاکٹر ضیاء الرحمن اعظمی،

۲۳۔ ڈاکٹر سعدی الہاشمی، ۲۴۔ در عبدالرحیم القشقری، ۲۵۔ در اکرم ضیاء العمری، ۲۶۔ مفتی حبیب الرحمن فیضی منو، ۲۷۔ مولانا قاری

عبدالسبحان منو، ۲۸۔ مولانا جمیل احمد فیضی منو، وغیرہم کثیر۔

مشاہیر تلامذہ: جامعہ سلفیہ بنارس اور دیگر اداروں میں تدریس کی وجہ سے آپ کے شاگردوں کی تعداد بے شمار ہے، چند مشاہیر کے نام درج ذیل ہیں: ۱۔ مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی (دہلی)، ۲۔ مولانا ارشد نعیم الدین سلفی مدنی، بہار، ۳۔ مولانا ریاض احمد سلفی (دہلی)، ۴۔ مولانا عبدالرحمن عبدالغفور مدنی، ۵۔ راقم عبدالکیم عبدالمعجود مدنی، ۶۔ مولانا عبدالعلیم عبدالحفیظ مدنی، ۷۔ مولانا صہیب حسن مبارکپوری، ۸۔ مولانا محمد فاروق سلفی، ۹۔ ڈاکٹر عبدالغنی القونی، ۱۰۔ ڈاکٹر عبدالحکیم بسم اللہ، ۱۱۔ مولانا عبدالسلام شکیل مدنی، (سعودی عرب) ۱۲۔ مولانا محمد اسلم سلفی (بہار)، ۱۳۔ مولانا رحمت اللہ سلفی (بہار) ۱۴۔ مولانا شکیل احمد اثری، بہار، ۱۵۔ مولانا نور الہدیٰ سلفی، مفتی جامعہ سلفیہ بنارس، ۱۶۔ مولانا محمد اشفاق سجاد سلفی وغیرہم کثیر۔

ہم سبق رفقاء: بنارس میں آپ کے ہم سبق رفقاء میں ۱۔ ڈاکٹر عبدالرحمن فریوائی، ۲۔ مولانا عبداللہ زبیری، ۳۔ مولانا ابوالقاسم فاروقی، ۴۔ مولانا عبداللہ طیب مکی وغیرہم تھے۔

تدریسی و دعوتی خدمات: ۱۔ فراغت کے بعد کچھ دنوں تک مدرسہ احیاء السنۃ، بجر ڈیہہ میں درس و تدریس پر مامور ہوئے اور جلد ہی مستعفی ہو کر باؤٹا بیٹی مدراس کے یہاں امام و خطیب مقرر ہو گئے، یہ عرصہ ۱۹۷۳ء سے ۱۹۷۵ء تک ہے۔ ۲۔ ۱۹۷۵ء تا ۱۹۷۸ء مدرسہ منظر العلوم بلی رامپور بہار میں تدریس سے وابستہ رہے یہاں تک کہ جامعہ اسلامیہ سے داخلہ کی منظوری آگئی، اور مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔

۳۔ مدینہ سے لوٹنے کے بعد جنوری ۱۹۸۸ء میں ملک کی مرکزی درسگاہ جامعہ سلفیہ بنارس سے وابستہ ہو گئے، اور ۲۰۰۲ء تک مسلسل چودہ سال تدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

۴۔ جنوری ۲۰۰۲ء میں بنارس سے جماعت کے معروف اسکالر شیخ عبدالرحمن فریوائی کے قائم کردہ ادارہ دارالدعوة دہلی منتقل ہو گئے۔ اور حدیث انسائیکلو پیڈیا پر کام شروع کر دیا۔ اس درمیان حدیث کی کئی کتابیں (خاص طور پر سنن اربعہ ترجمہ و تفسیر کے ساتھ) منظر عام پر آئیں۔ یہاں آپ دہلی میں ۲۰۱۰ء تک کل آٹھ سال رہے۔

۵۔ ۲۰۱۰ء میں ڈاکٹر فریوائی صاحب کے ہی قائم کردہ ادارہ جامعہ ابی ہریرہ لال گوپال گنج الہ آباد میں چلے گئے اور بحمد اللہ تاحال (۲۰۲۰ء تک) حدیث و دیگر فنون کی تدریس کا یہ عمل جلیل اب بھی وہاں انجام دے رہے ہیں۔

۶۔ دوران قیام دہلی جامعہ ملیہ دہلی اور علی گڑھ وغیرہ میں بھی جزوقتی عربی زبان کی تدریس اور درس وغیرہ دیتے رہے۔ ۷۔ آپ تدریس کے ساتھ دعوت و تبلیغ کے بھی کام سے وابستہ ہیں، جمعہ و جماعت اور ملک کے طول و عرض میں منعقد ہونے والے اجتماعات و اجلاس میں شریک رہا کرتے ہیں۔ اللہ قبول فرمائے۔

تصنیفی خدمات: استاذ گرامی شیخ احمد مجتبیٰ درس و تدریس میں مہارت کے ساتھ ایک کہنہ مشق قلم کار، محقق اور مصنف بھی ہیں، ذیل میں آپ کی تحقیقات و تصنیفات کی فہرست درج ہے۔

۱۔ التعليقات السلفية على سنن النسائي، مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کی طبع دوم کی تحقیق و تخریج جو پانچ جلدوں میں ریاض سعودی

میں طبع ہو چکی ہے۔

۲۔ ماجسٹر کارسالہ بعنوان ”تحقیق الفتح السماوی فی تخریج احادیث البیضاوی للمناوی“ مطبوع ریاض سعودی عرب۔ ۳ جلدیں۔

۳۔ تخریج احادیث ”تنویر العینین فی فضیلة الشیخین للشاہ ولی اللہ الدہلوی“ عربی ترجمہ از ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری۔ غیر مطبوع۔

۴۔ تحقیق ودراسہ ”ذکر من یعتد قولہ فی الجرح والتعدیل“ للذہبی۔

۵۔ تخریج ”حسن الصناعتہ فی صلوة التراويح بالجماعۃ“ مولانا ابوالقاسم سیف بناری، مطبوع از جامعہ سلفیہ بنارس۔

۶۔ تحقیق نصوص مختارہ فی الاقتصاد لابن تیمیہ، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی۔

۷۔ آسان طریقہ حج (مطبوع از جامعہ سلفیہ، بنارس)

۸۔ خطا معاف (مطبوع از مدرسہ امام بخاری چمپارن)

۹۔ دارالدعویہ دہلی سے شائع ہونے والی لگ بھگ بیس کتابوں پر مقدمہ یا عرض ناشر۔

۱۰۔ جمعیتہ الامام ابن باز سیتلا، جھارکھنڈ سے شائع ہونے والی ۱۵ کتابوں پر مقدمہ اور یہ کتابیں مطبوع ہیں۔

۱۱۔ سیمینار علی گڑھ مطالعہ علوم الحدیث و دیگر مناسبات پر تحریر کردہ متعدد اہم مقالات و مضامین۔

۱۲۔ تجدید ایمان، قرآن کے حقوق، تعدد ازدواج وغیرہ متعدد کتابوں کا مراجعہ، تصحیح و تقدیم۔ اور آج بھی الحمد للہ یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔

اہم عہدے و مناصب: ۱۔ رئیس مجلس علمی جامعہ ابی ہریرہ، لال گوپال گنج۔ ۲۔ رئیس قسم الافاء و شیخ الحدیث، ۳۔ نائب

رئیس دارالدعویہ، دہلی۔ ۴۔ تاسیس مدرسہ امام بخاری مدنی ٹولہ پورنیہ بہار، ۵۔ تاسیس مدرسہ دارالکتاب والسنتہ، محمد پور چمپارن، ۶۔

تاسیس معہد احیاء السنۃ، مصر ولی چوک، چمپارن، ۷۔ تاسیس جمعیتہ الامام ابن باز سیتلا جھارکھنڈ۔

اولاد و احفاد: آپ نے دو شادیاں کیں پہلی بیوی کوشادی کے بعد ہی کسی وجہ سے طلاق دے دیا، دوسری شادی ۱۹۷۷ء میں

ہوئی اس کے بطن سے ۶ لڑکیاں، ۵ لڑکے ہیں۔

بچوں کے نام بالترتیب عبدالاحد، محمد مدنی، عبداللہ، عبدالواحد، عبدالرحمن ہے۔ سب کے سب تعلیم یافتہ اور برسر روزگار ہیں۔

رب العالمین آپ کی خدمات کو قبول فرمائے۔ اور صحت و عافیت کے ساتھ انہیں جاری رکھنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

مراجع و مصادر: (۱) ریکارڈ، مرکز تاریخ اہل حدیث و اہل حدیث انسائیکلو پیڈیا۔ بڑھنی، سدھارتھ نگر (۲) شیخ کے بھیجے گئے

خودنوشت معلومات اور استفسارات۔ (۳) علوم الحدیث، مطالعہ و تعارف، ص ۲۰۔ (۴) گلستان حدیث، بھٹی صاحب ص ۴۷۰۔

(۵) علمائے اہل حدیث ہند اور ان کی تصنیفی خدمات، مولانا محمد مستقیم سلفی، ص ۶۴۔



استاذ گرامی

مولانا عزیز الرحمن سلفی / حفظہ اللہ ٹکریا، سدھارتھ نگر

سابق استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

(ولادت: ۸ مارچ ۱۹۴۹ء)

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

اسی نوے کے دہے میں جب میراداخلہ جامعہ رحمانیہ بنارس میں ہوا اس وقت سلفیہ کے دروبام میں کئی اساطین اہل علم کا غلغلہ تھا۔ ادیب شہیر ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری، معروف سیرت نگار و مناظر مولانا صفی الرحمن مبارکپوری، شیخ الجامعہ مولانا عبد الوحید رحمانی، بطل جلیل مولانا رئیس الاحرار ندوی، جیسے عباقرہ موجود تھے۔ بڑی رعنائیاں تھیں، رونق بزم سچی تھی۔ رفتہ رفتہ جب شناسائی بڑھی تو بہت سارے اصحاب علم و عرفان کو دیکھنے، ملنے اور ان سے پڑھنے کا موقع ملا۔ جامعہ کے اساتذہ کی فہرست میں ان عباقرہ کے پہلو بہ پہلو اپنی تدریسی صلاحیتوں کا سکہ اگر کسی نے منوار کھا تھا تو ان میں استاذ گرامی مولانا عزیز الرحمن سلفی حفظہ اللہ و تولدہ کا نام سرفہرست رکھا جاسکتا ہے۔ صحیح مسلم کا درس ہو یا عروض و بلاغت کی گھنٹیاں طلباء کو اپنے اسلوب اور مواد سے پر مخلص معلومات سے آشنا کرنے اور گھول کر پلانے کا ہنر رب العالمین نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔ انتہائی سادہ، شیفٹہ اور عام فہم الفاظ میں بڑے بڑے مسائل کی توضیح اور پوری دلجمعی اور چابکدستی سے درس پر کنٹرول جیسی پیش بہا صفات آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ تدریس کا میدان بڑا صبر آزاں اور محنت طلب ہے۔ جامعہ سلفیہ جیسے مرکزی ادارے میں برلینٹ و ذہین طلباء کے بیچ اپنی ہنرمندی اور صلاحیت کا سکہ بٹھانا ہی اپنے آپ میں ایک اعزاز ہے۔ رب العالمین نے یہ اعزاز دیگر اساطین علم و اساتذہ جامعہ کے ساتھ آپ کو بھی عطا کر رکھا تھا۔ کم و بیش ۳۸ سالوں تک آپ نے اس میدان کی ابلہ پائی کی ہے اور ہزاروں طلباء کو اپنے علم و ہنر سے بھرپور فیض پہنچایا ہے۔ رب العالمین شیخ محترم کو صحت و عافیت عطا فرمائے اور آپ کی خدمات کو ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین۔ ذیل میں آپ کی سوانح و خدمات جلیلہ کا مختصر خاکہ ملاحظہ فرمائیں۔

نام و نسب: عزیز الرحمن سلفی بن نصیب اللہ بن جان محمد بن محمد شریف بن فقیر بخش بن لئی بن منشا۔

تاریخ پیدائش: کاغذات کے اعتبار سے ۸ مارچ ۱۹۴۹ء اور آپ کے والد صاحب کے بیان کے مطابق ۱۹۵۲ء۔

خاندانی پس منظر: آپ کے اجداد میں لئی و منشا و بزرگ تھے جن کا تعلق اترو لہ راجہ خاندان سے تھا۔ ان کے آباء و اجداد میں سورج بنس ٹھا کر نامی ایک آدمی تھے جنہوں نے کسی بزرگ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا اور اس طرح بعد کی نسلیں اسلام کی برکت سے مالا مال ہوئیں، یوں تو آپ کا گاؤں ایک علمی اور تاریخی گاؤں مانا جاتا ہے، یہاں جماعت مجاہدین کے قافلے آیا کرتے تھے۔ جماعت

مجاہدین کے میرنشی مولانا جعفر علی نقویؒ، مجھو امیر سے لے کر مولانا اللہ بخش بسکوہریؒ، مولانا محمد جعفر صاحب پنجابیؒ، مولانا شمس فیض آبادیؒ، اور مجرد وقت مولانا ممتاز علی کرٹھی ڈیہہ کے تبلیغی مراکز میں سے ایک اہم مرکز یہ گاؤں ٹکریا بھی تھا یہاں کی خاک سے مولانا عبدالرزاق صاحبؒ، مولانا عبدالغفور صاحبؒ، مولانا عبدالقدوس صاحبؒ، مولانا محمد خلیل رحمانی صاحبؒ، مولانا عبدالسلام مدنی صاحبؒ، رحمہم اللہ! جمعین جیسے عباقرہ پیدا ہوئے۔ اس کے علاوہ جماعت کے عظیم مجاہد داعی مولانا شکر اللہ فیضیؒ بھی اسی گاؤں کے تھے جو آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد اس گاؤں میں دعوت اہل حدیث کے ایک مضبوط ستون کی حیثیت رکھتے تھے اور رشتے میں صاحب ترجمہ استاد مکرم کے سگے ماموں تھے۔

شیخ محترم چونکہ اپنے والد کی اکلوتی اولاد بچے تھے اس لئے والد اور دادا اور ماموں وغیرہم کی بھرپور محبت اور عنایتیں ملی۔ تعلیم و تربیت پر بچپن ہی میں توجہ دی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنی خداداد ذہانت کی وجہ سے یہ ذرہ رفتہ رفتہ علم و عرفان کا آفتاب و ماہتاب بن کر ملک کی مرکزی درس گاہ جامعہ سلفیہ بنارس میں اپنی خوشبوئیں بکھیرنے لگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی کاوشوں کو قبول فرمائے۔ آمین۔

تعلیمی مراحل: (۱) ابتدائی تعلیم انتہائی کم عمری میں گاؤں کے مکتب میں شروع کی اور جلد ہی ”ابرحمت“ کی دوسری کتاب تک پہنچ گئے اور پرائمری پاس کئے بغیر فارسی میں داخل ہو گئے۔ (۲) ۱۹۵۴ء میں جب آپ کے ماموں مولانا شکر اللہ فیضی نے گاؤں میں عربی مدرسہ بنام مفتاح العلوم شروع کیا تو اپنی ذہانت کی وجہ سے فارسی درجات میں داخل کر لئے گئے اور فارسی کے بعد عربی درجات شروع کر دی اور عربی کی پانچویں جماعت تک کی تعلیم یہیں مکمل کی۔ (۳) دارالحدیث اثریہ مؤ میں جماعت سادسہ میں داخلہ لیا اور ایک سال تک رہ کر سادسہ کی تعلیم مکمل کی۔

اس کے بعد جامعہ فیض عام میں داخل ہوئے مگر عید الاضحیٰ کی تعطیل تک صرف دو ماہ ہی تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا اسی دوران جامعہ سلفیہ میں تعلیمی افتتاح کا اعلان ہوا جس کی بنیاد پر بہت سارے طلباء فیض عام سے بنارس چلے گئے۔ مارچ ۱۹۶۶ء کا زمانہ تھا۔ مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی نے امتحان لیا اور آپ کا داخلہ عالم ثالث میں منظور فرمایا اور اس طرح دو سال میں درجہ عالمیت کی تکمیل ہوئی۔ عالمیت کی تکمیل کے بعد فضیلت میں داخل ہوئے جو ”التخصص فی الشریعۃ الاسلامیہ“ کے نام سے فضیلت کورس کی شکل میں چل رہا تھا چنانچہ دو سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد جامعہ سے فارغ التحصیل ہوئے اور ”التخصص فی الشریعۃ“ کی سند ملی۔

(۴) جامعہ سلفیہ بنارس سے سال فراغت ۱۹۶۹ء ہے۔ اسی سال ۳۱ اکتوبر ویکم نومبر کو تقسیم اسناد کا نفرنس ہوئی تھی جس میں جامعہ اسلامیہ مدینہ کے معروف استاذ شیخ عبدالوہاب البنا تشریف لائے تھے اور انہیں کے مبارک ہاتھوں سے سند تفویض کی گئی۔

(۵) دوران تعلیم اور تدریس آپ نے منشی، مولوی، عالم، فاضل دینیات، فاضل ادب کے امتحانات عربی فارسی بورڈ الہ آباد سے اور ادیب ماہر و ادیب کامل کا امتحان جامعہ اردو علی گڑھ سے دیا اور اچھے نمبرات سے پاس ہوئے۔

(۶) دوران تدریس بنارس، جامعۃ الملک سعود ریاض سے ۱۹۸۷ء-۱۹۸۸ء میں تدریس المعلمین کا کورس بھی مکمل کیا اور یہاں کے مختلف الجنسیات اساتذہ سے فیض یاب ہوئے۔

مشاہیر اساتذہ: آپ کے ماموں مولانا شکر اللہ فیضیؒ، ۲۔ مولانا عبداللہ سعیدی جمہویؒ، ۳۔ مولانا محمد احمد اثریؒ، ۴۔ مفتی عبدالعزیز صاحب عمریؒ (منو)، ۵۔ مولانا فیض الرحمن فیضیؒ (منو)، ۶۔ ادیب شہیر مولانا عبداللہ شائق منویؒ، ۷۔ مولانا عبدالمعید صاحب بناریؒ، ۸۔ مولانا عظیم اللہ صاحب منویؒ، ۹۔ مولانا عبدالوحید رحمانی (شیخ الجامعہ)، ۱۰۔ مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی، ۱۱۔ شیخ الحدیث مولانا شمس الحق سلفیؒ، ۱۲۔ مولانا محمد عابد رحمانی، ۱۳۔ ڈاکٹر مقتدی حسن ازہریؒ، ۱۴۔ مولانا امان اللہ فیضیؒ، بہار، ۱۵۔ شیخ صالح العرانی، ۱۶۔ شیخ دربیچ ہادی المدخلی، ۱۷۔ شیخ ہادی الطالبی، ۱۸۔ ماسٹر اعجاز احمد بناری، ۱۹۔ ماسٹر شمس الدین بناری، ۲۰۔ قاری عبدالحمید صاحب جوہوری، ۲۱۔ ماسٹر حمید اللہ صاحب جوہوری اور جامعۃ الملک سعود ریاض میں، ۲۲۔ درابوالفتوح مصری، ۲۳۔ ڈاکٹر راشد سعودی، ۲۴۔ ڈاکٹر احمد الطیب السویسی، ۲۵۔ ڈاکٹر خلیل خلیفہ اردنی، ۲۶۔ زہیر تیوسی، ۲۷۔ رضا تیوسی، ۲۸۔ عبدالخالق سودانی، ۲۹۔ عمر صدیق سودانی، ۳۰۔ ادریس سودانی وغیرہم ہیں۔

رفقائے درس: جامعہ سلفیہ بنارس کے چیدہ رفقاء میں (۱) عالم اسلام کی معروف شخصیت مفتی حرم شیخ وصی اللہ عباس مدنی (۲) درمخفوظ الرحمن مدنی، دبئی (۳) حافظ محمد اسماعیل صاحب منوی (۴) مولانا نور اللہ پراری بیٹول (۵) مولانا محمد یوسف صاحب مرکزی (مالیر کوٹلہ پنجاب)۔ (۶) مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی بنارس (۷) مولانا عبدالوہاب صاحب حجازی جیسے اساطین علم و فن تھے۔ رَحِمَ اللہ الاموات و حفظ الاحیاء منہم۔

تدریسی، تصنیفی و دعوتی خدمات: ۱۔ فراغت کے بعد کچھ دنوں تک جامعہ سلفیہ کی لائبریری میں خدمت پر مامور ہوئے۔

۲۔ فروری ۱۹۷۹ء میں مدرسہ مظہر العلوم اوسان کونیاں پوسٹ اجگرا، سدھارتھ نگر (قدیم بستی) سے وابستہ ہو گئے اور عربی کی پانچویں جماعت تک پڑھانے لگے، یہیں سے آپ کی تدریسی صلاحیتوں کا شہرہ ہوا اور مختلف جامعات و مدارس سے طلب آنے لگے یہاں آپ نے چار سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔

۳۔ ۱۹۷۵ء میں جامعہ انوار العلوم پر ساعدا سدھارتھ نگر میں آ گئے اور یہاں بھی چار سالوں تک تدریس سے وابستہ رہے۔

۴۔ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو جامعہ سلفیہ بنارس میں تقرری ہوئی اور مرکزی دارالعلوم کی پرفیکٹ فضاؤں میں آپ نے ہزاروں شاگردوں کو اپنے علم و ہنر سے فیض یاب کیا ہے۔ خصوصاً صحیح مسلم کا درس بڑا ہی موثر اور نرالہ ہوتا تھا۔ اس کی لذت و چاشنی اور خوشبوئے علم و عرفان آج بھی طلباء کے دلوں میں رچی بسی ہے۔ یہاں کم و بیش آپ نے ۳۸ سالوں تک تدریسی خدمات انجام دیں، آخر میں طبیعت کی ناسازی اور فالج کے حملے کی وجہ سے جامعہ سے مارچ ۲۰۱۵ء میں سبکدوش ہو گئے۔ علاج و معالجہ جاری ہے الحمد للہ افاقہ ہے۔ فی الوقت اپنے مولد و مسکن ٹکریا ضلع سدھارتھ نگر میں قیام فرما ہیں۔ رب العالمین صحت کاملہ عطا فرمائے۔ اور آپ کی خدمات کو ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین۔

مولانا تدریسی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ قلم کے بھی دھنی تھے۔ آپ کے گہر بار قلم سے کئی علمی و تحقیقی کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہیں۔ (۱) جماعت اہل حدیث کی تدریسی خدمات۔ مطبوع از جامعہ سلفیہ بنارس۔ (۲) حکم الدعاء و آدابہا۔

اردو و عربی۔ (۳) امام مسلم اور ان کی صحیح کی خصوصیات۔ غیر مطبوع (۴) تعلیق و تحقیق سیرۃ البخاری (مطبوع) (۵) معاویہ بن ابی سفیانؓ ترجمہ باسٹراک دیگر اساتذہ۔ (۶) ترجمہ نور الیقین فی سیرۃ سید المرسلین (۷) عالم و طاغیہ ترجمہ (۸) تعلیق مختصر الاتقان۔ (۹) شعری مجموعہ بنام ”پرواز“۔

شہر بنارس کی مختلف مساجد میں خطبہ جمعہ کے لئے بھی تشریف لے جاتے تھے کبھی کبھار پروگراموں میں بھی شریک رہتے تھے جمعیت اتحاد ابناء السلفیہ کے تحت تو باضابطہ آپ نے جمعہ کے لئے جو نیورہٹی تک کا سفر کیا ہے۔

مشاہیر تلامذہ: جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم بنارس میں ایک لمبے عرصے تک تعلیم و تدریس کی وجہ سے آپ کے شاگردوں کا احصاء ناممکن ہے۔ ذیل میں چند مشاہیر کے نام درج ہیں: (۱) مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی دہلی، ۲۔ مولانا سعید احمد سلفی (پونہ)، ۳۔ مولانا عبدالمنان سلفی، جھنڈانگر، ۴۔ مولانا عبدالسلام سلفی، ممبئی، ۵۔ مولانا ارشد فہیم الدین سلفی، موٹیہاری بہار، ۶۔ مولانا نسیم خلیل صدیقی (ممبئی)، ۷۔ خاکسار عبدالکیم عبدالمعبود مدنی (ممبئی)، ۸۔ ڈاکٹر فوزان مقتدی حسن ازہری (دہلی)، ۹۔ ڈاکٹر احمد سعید فاروقی (دہلی)، ۱۰۔ مولانا عبدالجبار انعام اللہ سلفی (ممبئی)، ۱۱۔ عبدالسلام شکیل (سعودی عرب) وغیرہم کثیر۔

اولاد و احفاد: آپ کی شادی میمونہ شہناز نامی خاتون سے ہوئی جن کے بطن سے رب العالمین نے پانچ بچیاں اور چار بچے عنایت فرمائے۔ بچیاں۔ ۱۔ عزیزہ شہناز، ۲۔ خورشیدہ شہناز، ۳۔ صبا شہناز، ۴۔ وحیدہ نسیرین شہناز، ان چاروں کی شادی ہو چکی ہے۔ ۵۔ عبیدہ یا سمین شہناز ابھی چھوٹی ہیں۔ اور بچے بالترتیب۔ ۱۔ حافظ عبدالرحمن سلفی، ۲۔ مطیع الرحمن عزیز سلفی ابھی دہلی میں ایک اردو اخبار سے وابستہ ہیں، ۳۔ حافظ سعید الرحمن سلفی، ۴۔ شعیب الرحمن (سب سے چھوٹے ہیں) اور سب کے سب برسر روزگار ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں دین و ایمان پر استقامت نصیب فرمائے۔ آمین۔

مصادر و مراجع: ۱۔ علمائے اہل حدیث ہند اور ان کی تصنیفی خدمات، مولانا محمد مستقیم سلفی

۲۔ مجلہ المنار، ۲۰۱۸ء جامعہ سلفیہ بنارس۔

۳۔ شیخ کا سوانحی مضمون، موضع ٹکریا، میرا مولد میرا مسکن

۴۔ ریکارڈ مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئی و ذاتی معلومات۔

۵۔ شیخ سے کئے گئے استفسارات و توضیحات بذریعہ موبائل۔



مولانا عبدالقدوس مدنی / حفظہ اللہ مالِیگاؤں

ولادت جنوری ۱۹۵۱ء

مولانا عبدالکیم عبدالمعجود المدنی

مولانا عبدالقدوس مدنی جماعت کے ایک نشیط اور فعال مدرس و داعی ہیں جو ۱۹۸۱ء سے لے کر تاحال کم و بیش چالیس سالوں سے ہندوستان کی مشہور درسگار جامعہ محمدیہ مالِیگاؤں میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں اور مہاراشٹر بالخصوص مالِیگاؤں و مضافات میں دعوتی و تبلیغی سلسلہ سے بھی جڑے ہوئے ہیں۔ انتہائی کہنہ مشق، ملنسار اور اپنے عمل اور ڈیوٹی کی پابندی کرنے والے ایک بہترین مربی و معلم ہیں۔ ذیل میں شیخ محترم کی سوانح و خدمات مختصر ادرج ہیں۔

تاریخ پیدائش: آپ کی پیدائش موضع فتح پور پوسٹ بنکے گاؤں ضلع سدھارتھ نگر یوپی میں یکم جنوری ۱۹۵۱ء میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم: (۱) گاؤں کے مدرسہ موضع فتح پور میں ہوئی۔ (۲) جامعہ رحمانیہ بنارس میں عربی کی ابتدائی و ثانوی تعلیم حاصل

کی۔ (۳) جامعہ سلفیہ بنارس سے عالمیت اور فضیلت کی سند حاصل کی۔ سال فراغت ۱۹۷۶ء ہے۔ (۴) ۱۹۷۷ء جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ ہوا اور چار سال لیسانس یعنی بی اے کی تعلیم حاصل کر کے ۱۹۸۱ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

مشہور اساتذہ: (۱) مولانا شمش الحق سلفی (۲) مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی (۳) مولانا عبدالوحید رحمانی شیخ الجامعہ

(۴) مولانا رئیس الاحرار ندوی (۵) مولانا صافی الرحمن مبارکپوری (۶) مولانا انیس الرحمن اعظمی حفظہ اللہ (۷) مولانا عبدالمعید بنارس

(۸) مولانا محمد عبدالرحمانی وغیرہم۔

تدریسی و دعوتی خدمات: (۱) مدینہ منورہ سے فراغت کے بعد ۱۹۸۰ء سے تاحال ۲۰۱۹ء جامعہ محمدیہ منصورہ مالِیگاؤں میں

تدریسی خدمات سے وابستہ ہیں اور حدیث و عقیدہ کے ساتھ دیگر عربی علوم و فنون کی تعلیم پر مامور ہیں۔

(۲) مالِیگاؤں اور اس کے مضافات بالخصوص دھولیہ، ناسک، اورنگ آباد، ایولہ، احمد نگر وغیرہ میں دعوتی کام بھی انجام دیتے ہیں

اور خطبہ جمعہ و دینی پروگراموں میں شریک ہو کر اصلاح عقائد و اعمال فرماتے ہیں۔

(۳) مسجد اہل حدیث موسم پل مالِیگاؤں میں برسوں سے خطابت کا فریضہ بھی انجام دے چکے ہیں۔

(۴) کلیتہ عائنہ صدیقہ منصورہ مالِیگاؤں اور قسم الثانویہ کے عمید بھی رہ چکے ہیں۔

(۵) اپنے آبائی گاؤں فتح پور میں جامع مسجد اہل حدیث کے قیام میں آپ کا کلیدی رول ہے۔

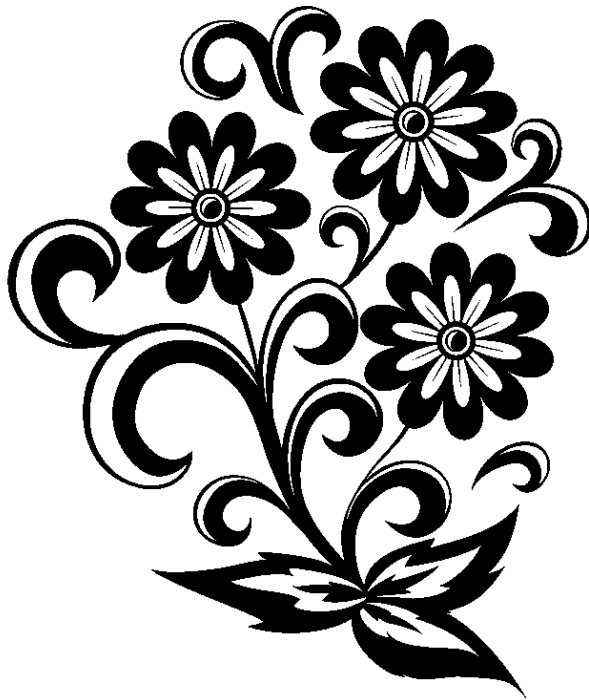
(۶) سند فراغت کے لئے طلباء جامعہ محمدیہ منصورہ مالِیگاؤں کے بعض علمی مقالات کی نگرانی و اشراف بھی آپ کے ذمہ رہا کرتی ہے۔

(۷) ملک کے مختلف علاقوں میں منعقد ہونے والے سیمیناروں میں آپ کی شرکت و حاضری رہا کرتی ہے بالخصوص مالیر گاؤں اور اسی طرح بھساول، اورنگ آباد، احمد نگر، داور واڑی، دہلی اور عمر آباد تک بھی آپ نے جلسوں اور کانفرنسوں میں شرکت کی ہے۔

مشاہیر تلامذہ: (۱) مولانا ارشد مختار محمدی (۲) مولانا ابورضوان محمدی (۳) مولانا ڈاکٹر وسیم الحمدی (۴) مولانا محمد ہارون محمدی (۵) مولانا اظہار بشیر مدنی (۶) مولانا خالد بشیر محمدی (۷) کے عبدالرحمن مدنی (۸) مولانا انیس الرحمن محمدی وغیرہم کثیر اور اس کے علاوہ چالیس سال کے طویل تدریسی عہد میں محمدیہ منصورہ اور کلیتہ عانتشہ سے فارغ ہونے والے طلباء و طالبات۔

بجہ اللہ شیخ محترم ابھی بھی رو بصحت ہیں اور عمر طبعی کو پہنچنے کے بعد بھی اپنے دعوتی و تدریسی مشن میں رواں دواں ہیں، اللہ تعالیٰ خدمات کو قبول فرمائے اور صحت مندی کے ساتھ ایمان پر قائم و دائم رکھے اور امت و جماعت کو آپ سے بھرپور فیضیاب کرے۔ آمین۔

(یہ معلومات مولانا کے بھیجے گئے تحریری افادات سے ماخوذ ہیں)



خانوادہ سعیدی کے گل سرسبداستاد گرامی

مولانا ابوالقاسم فاروقی / حفظہ اللہ پر یوانرائن پور، الہ آباد یوپی

سابق استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

(ولادت: ۲۵ دسمبر ۱۹۵۲ء)

مولانا عبدالحکیم عبدالمعجود مدنی

۹۰ کی دہائی میں میری ثانوی تعلیم کی تکمیل معہدہ التعليم الاسلامی دہلی (حال سنابل) کے بعد جامعہ سلفیہ بنارس میں ہوئی، اس وقت ثانویہ کے لئے جامعہ رحمانیہ اور اس کے بعد درجات عالمیت و فضیلت کے لئے جامعہ سلفیہ میں ناموں کا اندراج ہوتا تھا مگر کیمپس ایک ہی تھا۔ استاذ محترم مولانا عزیز احمد ندوی رحمانیہ کے پرنسپل تھے اور شیخنا الجلیل مولانا عبدالوحید رحمانی شیخ الجامعہ کے عہدہ پرفائز تھے۔ دونوں اپنے منصب پر بالکل فٹ اور ایکدم پرفیکٹ تھے۔ جامعہ رحمانیہ یعنی ثانویہ کے اساتذہ میں ایک نام مولانا ابوالقاسم فاروقی کا تھا جو ہمیں عربی ادب وغیرہ پڑھانے آتے تھے۔ کچھ دنوں جامعہ کے کیمپس میں گزارنے کے بعد جب شناسائی بڑھی اور صرف اول میں استاذ کے ڈیسک کے سامنے زنانے تلمذ رکھ کر جم کر پڑھنے کا موقع ملا اور اپنے اساتذہ و مشائخ سے قربت ہوئی تو ایسا لگا کہ فاروقی صاحب تو صرف ایک نصابی مدرس ہی نہیں بلکہ ایک صاحب مطالعہ، صاحب ذوق، صاحب سخن اردو فارسی اور انگریزی زبانوں پر عبور رکھنے والی مرتجاں مرنج شخصیت ہیں اور ہر موضوع پر مطالعہ اور گفتگو کا ہنر رکھتے ہیں۔ دوران تدریس کبھی کبھار ایسے موضوعات پر گفتگو چھڑ جاتی جس سے ہمارے ذوق تعلیم اور شوق مطالعہ میں مزید اضافہ ہو جاتا اور ہم طلباء کو ایک الگ طرح کی علمی و تحقیقی لذت محسوس ہوتی، الغرض رحمانیہ کے اساتذہ میں ہمارے صاحب ترجمہ استاذ محترم مولانا ابوالقاسم فاروقی کا ہم طلباء کے مابین ایک نام تھا۔ خارجی مطالعہ، اردو ادب اور اخبارات و رسائل تک رسائی، نصابی کتابوں سے نکل کر لائبریری سے استفادہ اور مختلف موضوعات پر اہم ترین کتابیں پڑھنے کا اگر ہمیں ابتدائی ذوق ہو تو اس میں استاذ محترم کا بڑا اہم رول ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بہترین صلہ دنیا و آخرت میں عطا فرمائے۔ آمین اور یہ سب آپ کی علمی استعداد اور وسعت مطالعہ کا ہی نتیجہ تھا کہ آپ کم و بیش چالیس سال تک رحمانیہ و سلفیہ میں تدریس سے وابستہ رہے، اور برسوں جامعہ کے آرگن ماہنامہ محدث بنارس کے ایڈیٹر رہے۔ تاریخ عالم، تاریخ ہند، تاریخ مذاہب بالخصوص جماعت اہل حدیث اور ۱۸۵۷ء کے بعد وہابی مومنٹ کی تاریخ پر آپ کو گہری دسترس حاصل ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ رب العالمین نے آپ کو بہترین قلمی صلاحیت سے مالا مال فرمایا ہے۔ چنانچہ اپنے وسعت مطالعہ اور شگفتہ قلم سے تاریخ کے بکھرے ہوئے اوراق کو الفاظ کا جامہ پہنا کر نہ صرف یہ کہ علمی و تحقیقی مضمون کی شکل دیتے رہے ہیں بلکہ اسے اردو

ادب کا ایک حسین مرقع بھی بنا دیتے ہیں، اس کی بہترین مثال آپ کی متعدد تصانیف کے بعد بھی حال ہی میں آپ کے گہر بار قلم سے منظر عام پر آنے والی ایک معرکہ الآراء کتاب ہے، جو بطل جماعت مولانا ابوالقاسم سیف بناریؒ کی حیات و خدمات پر ایک تاریخی دستاویز کے ساتھ برصغیر میں آزادی سے پہلے جماعت کی تاریخ اور اس کے مدوجزر کی ایک مستند و مکمل داستان بھی ہے۔ ۶۹۶ صفحات پر مشتمل یہ کتاب آپ کے علم و قلم کی رعنائیوں کا ایک طرف حسین شاہکار ہے، تو دوسری طرف ہم طلبہ علوم نبوت کے لئے علم و ادب کا ایک شہ پارہ بھی ہے۔ اسے پڑھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے نہ صرف یہ کہ علم و تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے بلکہ قلم توڑنے کے ساتھ پورا خونِ جگر اس کتاب میں انڈیل دیا ہے۔ اور پوری جماعت پر جو قرض سیف بناریؒ کے تعلق سے باقی تھا اسے کما حقہ ادا کر دیا ہے۔ فجزاہ اللہ خیراً۔

دراصل اس کا حق بھی آپ کو زیادہ تھا، ایک طرف خانوادہ سعیدی و سیف بناری سے خاندانی نسبت، دوسری طرف مولانا مرحوم کی لائبریری سعیدیہ دارانگر سے قربت اور تیسری طرف اس دور کی تاریخ اور تحریک کے مدوجزر سے آپ کی گہری واقفیت، حق محقق اور رسید کے تحت آپ نے اس حق کو قبول کیا اور پوری امانت داری سے اسے پایہ تکمیل تک پہنچا دیا، رب العالمین سے دعا ہے کہ آپ کی خدمات کو ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین۔

ذیل کے سطور میں خاکسار راقم آثم اپنی جمع کردہ معلومات اور استاذ محترم سے استفسارات کے بعد یہ سوانحی خاکہ حوالہ قرطاس کر رہا ہے امید کہ اہل علم اور طلبہ و اساتذہ کے لئے باعث استفادہ ہوگا۔ و ما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔
نام و نسب: مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی سلفی بن مولانا ابوالخیر رحمانی بن ابوبکر بن عظیم اللہ بن الہی بخش بن امام بخش۔
تاریخ پیدائش: ۷ فروری ۱۹۵۳ء ہے، البتہ کاغذات میں ۲۵ دسمبر ۱۹۵۲ء درج ہے۔

خاندانی پس منظر: ضلع پرتاپ گڑھ یوپی میں اہل حدیثوں کی ایک معروف بستی ہے پر یوانرائن نگر، یہی بستی آپ کی جائے پیدائش ہے، آپ کا گھرانہ ایک زمیندار معزز گھرانہ ہے جو شیوخ کا گھرانہ کہلاتا ہے۔ یہ علاقہ کے بائیس گاؤں میں آباد ہیں اور بارہ بائیس کے نام سے مشہور ہیں اور اپنا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروقؓ سے جوڑتے ہیں اور اسی نسبت سے اپنے کو فاروقی کہتے اور لکھتے ہیں۔
 ● آپ کے والد مولانا ابوالخیر فاروقیؒ دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے جماعت سادسہ تک پڑھے ہوئے تھے۔ دورہ حدیث مدرسہ زبیدیہ دہلی سے مکمل کیا تھا۔ اور شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھی اور مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری، مولانا نذیر احمد اموی، مولانا عبدالحلیم ناظم پیغمبر پوری اور خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری رحمہم اللہ جیسے اساطین علم سے آپ کو خوشہ چینی و شرف تلمذ حاصل تھا۔

● مولانا ابوالخیر فاروقیؒ رشتے میں مولانا ابوالقاسم سیف بناری کے داماد تھے۔ مولانا سیف بناری کی سگی بھانجی سے آپ کی شادی ہوئی تھی۔ اور مولانا سیف بناری کے مشورے پر ۱۹۳۶ء میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس سے بطور مبلغ وابستہ ہو گئے تھے اور پورے جوش و خروش سے دعوت و تبلیغ اور توحید و سنت کے احیاء میں مصروف تھے۔ ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۱ء تک ضیاء العلوم مؤامہ میں

تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔ اور ۱۹۴۲ء سے ۱۹۶۲ء تک جامعہ رحمانیہ مدن پورہ بنارس میں بیس سال تک پڑھاتے رہے۔ پھر مستعفی ہو کر وطن چلے گئے اور وہیں مسلک اہل حدیث کے احیاء و فروغ میں لگے رہے اور خاندانی مدرسہ ”مدرسہ محمدیہ“ کی باگ ڈور بھی سنبھالے رہے بالآخر ۶ اپریل ۱۹۸۰ء میں اس دارفانی سے رحلت فرما گئے۔

● آپ کے دادا شیخ ابوبکر صدیق تھے جو اچھے خاصے تعلیم یافتہ تھے۔ عربی فارسی سے خوب واقف تھے زبردست پہلوان تھے۔ والد نے کبھی دنگل میں اترنے کی اجازت نہیں دی، راجہ بھدری کے اے ڈی سی تھے عین عالم شباب میں دماغی توازن بگڑ گیا بالآخر ۱۹۳۷ء میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔

● آپ کے پردادا شیخ عظیم اللہ اور ان کے برادران شیخ عنایت اللہ اور شیخ احسان اللہ وغیرہم تحریک شہیدین سے وابستہ تھے۔ بالخصوص آپ کے علاقے میں مولوی لیاقت علی الہ آبادی متونی ۱۸۹۲ء کے اثر سے وہابی تحریک کی سرگرمیاں عروج پر تھیں اور انہیں اسی پاداش میں انگریزوں نے کالا پانی کی سزا بھی دی تھی، آپ کے پردادا کے ان لوگوں سے گہرے مراسم تھے اور انہیں کے بہترین اثرات سے آپ اور آپ کا گھرانہ کتاب و سنت کا شیدائی بنا تھا۔

● آپ کی والدہ جماعت کے مشہور محدث مولانا محمد سعید بناری کی نواسی اور مولانا ابوالقاسم سیف بناری کی سگی بھانجی تھیں اور اپنے بڑے ماموں اور مولانا سیف بناری ہی کی پروردہ اور تربیت یافتہ تھیں۔

● مولانا خالد شفاء اللہ رحمانی آپ کے بڑے بھائی ہیں۔ ۱۹۶۳ء میں جامعہ رحمانیہ بنارس کے فارغ التحصیل اور اس کے بعد بنارس ہندو یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی ہیں۔ ۱۹۶۷ء تا ۲۰۰۰ء کم و بیش چونتیس سالوں تک جامعہ رحمانیہ بنارس پر انٹرمی کے مدرس رہ چکے ہیں۔

● مذکورہ خاندانی پس منظر سے یہ بات عیاں ہے کہ گھر کا پورا ماحول علمی اور دینی تھا، اسی ماحول میں آپ کی پیدائش ہوئی اور والدہ کی خواہش کے مطابق ان کے بڑے ماموں مولانا ابوالقاسم سیف بناری کے نام پر آپ کا نام بھی محمد ابوالقاسم رکھا گیا۔ اس طرح توحید و سنت اور علم و عمل سے پھر پورا ایک عظیم خاندان میں آپ کی نشوونما ہوئی جس نے آپ کو آج ایک بلند مقام تک پہنچا دیا۔

(خاندانی معلومات اور تفصیل کے لئے دیکھیں۔ استاذ محترم کی مایہ ناز تصنیف: مولانا ابوالقاسم سیف بناری، حیات و خدمات ص ۲۰۱-۵۷۵)

تعلیم و تربیت: (۱) ابتدائی تعلیم اپنے آبائی وطن میں مدرسہ محمدیہ ”مدینۃ العلوم“ میں حاصل کی جسے آپ کے والد مولانا ابوالخیر فاروقی رحمانی نے قائم کیا تھا۔ (۲) فارسی و عربی کی بنیادی و ابتدائی کتابیں اپنے والد محترم سے پڑھیں۔ (۳) ۱۹۶۵ء میں اپنے بھائی مولانا خالد شفاء اللہ رحمانی کے ساتھ مدرسہ سعیدیہ دارنگر، بنارس آگئے، نانا مولانا سیف بناری کا ادارہ تھا اور بھائی صاحب یہیں پر مدرس تھے، متوسطہ ثالثہ تک ٹھوٹھو صرف وغیرہ کتابیں اپنے بھائی صاحب سے چھ ماہ میں پڑھ لیں۔ (۴) ۱۹۶۶ء میں جامعہ رحمانیہ مدنی پورہ بنارس میں داخلہ لیا اور ثانویہ (مولوی رابع) تک تعلیم مکمل کی۔

(۵) ۱۹۶۸ء میں جامعہ سلفیہ بنارس میں داخلہ لیا اور یہیں پر عالمیت و فضیلت کی تکمیل کی اور ۱۹۷۳ء میں فارغ التحصیل ہوئے اور سند فضیلت سے سرفراز کئے گئے۔ (۶) بعد میں بنارس ہندو یونیورسٹی سے بی اے اور ایم اے بھی مکمل کیا، پی ایچ ڈی میں تسجیل

ہو چکی تھی مگر تدریسی مشغولیات کی وجہ سے تکمیل نہ کر سکے۔ آپ کے پی ایچ ڈی کے مقالے کے لئے آپ کے استاد ڈاکٹر محمد حنیف نقوی نے ”علمائے اہل حدیث کی ادبی خدمات“ کا موضوع مقرر کیا تھا مگر وقت نے وفانہ کی اور یہ موضوع تشنہ رہ گیا۔

رفقائے درس: آپ کے جامعہ سلفیہ کے ساتھیوں میں (۱) شیخ احمد مجتبیٰ سلفی (بہار)، ۲۔ ڈاکٹر عبدالرحمن پریوائی، (دہلی)، ۳۔ ڈاکٹر مفصل مدنی (سنابل)، ۴۔ مولانا عبداللہ زبیری (بنارس)، ۵۔ مولانا عبداللہ طیب مکی (بنارس)، ۶۔ مولانا سہیل مدنی (منو) ۷۔ حکیم عبدالرحمان (دہلی)، ۸۔ شیخ نیاز الدین (بنگالی)، ۸۔ شیخ عبداللہ (دیناج پوری، بنگال)، ۹۔ مولانا اقبال احمد سلفی (عالیہ منو)، ۱۰۔ ڈاکٹر عزیز الرحمن جون پوری وغیرہم تھے۔

مشاہیر اساتذہ: آپ کے مشاہیر اساتذہ میں (۱) آپ کے والد محترم مولانا ابوالخیر فاروقی، ۲۔ بھائی مولانا خالد شفاء اللہ رحمانی، ۳۔ مولانا عبدالحمید رحمانی، ۴۔ مولانا محمد عابد رحمانی، ۵۔ مولانا ادریس آزاد رحمانی، ۶۔ شیخ الجامعہ مولانا عبدالوحید رحمانی، ۷۔ مولانا عظیم اللہ صاحب منوئی، ۸۔ مولانا شمس الحق صاحب سلفی، ۹۔ مولانا محمد رئیس ندوی، ۱۰۔ ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری، ۱۱۔ ڈاکٹر عبدالقدوس صاحب، ۱۲۔ ڈاکٹر عبدالعلیم سلفی (اکرہرا)، ۱۳۔ شیخ ربیع ہادی المدخلی، ۱۴۔ شیخ صالح علی الحسن، ۱۵۔ مولانا عبدالمعید بنارس، ۱۶۔ ڈاکٹر محمد حنیف نقوی سہوانی، (بنارس ہندو یونیورسٹی)، (آپ ابن حمد نقوی کے بھائی ہیں اور اردو کے مشہور محقق ہیں)، ۱۷۔ اے کے مکھرجی، ۱۸۔ پروفیسر حکم چند نیر، ۱۹۔ ڈاکٹر قمر جہاں، ۲۰۔ وغیرہم۔ آخر کے چاروں بنارس ہندو یونیورسٹی کے اساتذہ ہیں۔

تصنیفی، صحافتی و تدریسی خدمات: ۱۔ فراغت کے بعد ایک سال کا عرصہ تلاش رزق میں گزر گیا۔ یہاں تک کہ ۱۹۷۵ء میں اپنے آبائی گاؤں والد صاحب کے قائم کردہ مدرسہ محمدیہ مدینۃ العلوم میں تدریس کی ذمہ داری سنبھالی اور ایک سال یہاں سے وابستہ رہے۔ ۲۔ ۱۹۷۶ء میں آپ جامعہ رحمانیہ مدینہ پورہ کے عربی شعبہ سے منسلک ہو گئے (اس وقت رحمانیہ کا عربی شعبہ جامعہ سلفیہ میں ہی چلایا جاتا تھا) اور بحمد اللہ آباد بورڈ سے آپ کی تقرری بھی منظور ہو گئی۔ جب سے لے کر ریٹائرمنٹ کی عمر تک آپ سلفیہ کے دروبام میں تشنگان علوم کتاب و سنت اور شیدائیان زبان و ادب کی تشنگی بجھاتے رہے۔ کئی زبانوں کے آپ ماہر اور کئی اہم ترین موضوعات خاص طور پر تاریخ پر گہری نظر رکھتے ہیں، چالیس سال تک تدریس سے وابستہ رہنے کے بعد اپریل ۲۰۱۶ء میں آپ ریٹائر ہو گئے اور اب بنارس ہی میں اپنے خرید کردہ ذاتی مکان میں رہائش پذیر ہیں۔

۳۔ ۱۹۷۹ء تا ۱۹۸۰ء میں جب آپ کے بھائی مولانا خالد شفاء اللہ رحمانی نے ایک ہفت روزہ ”مسلم رابطہ“ نکالنا شروع کیا تو آپ اس کے نائب ایڈیٹر تھے، مگر افسوس کہ سال بھر نکلنے کے بعد یہ آگے جاری نہ رہ سکا۔

۴۔ ۲۰۱۰ء تا ۲۰۱۳ء آپ جامعہ سلفیہ بنارس سے شائع ہونے والے اردو ماہنامہ محدث کے نائب ایڈیٹر اور ۲۰۱۳ء سے ۲۰۱۶ء تک ایڈیٹر (مدیر) بھی رہ چکے ہیں۔ آپ کے ادارے اور مضامین کافی دلچسپی سے پڑھے جاتے تھے۔

۵۔ کئی کتابوں کے مصنف اور شارح بھی ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ کتاب ازہار العرب۔ مولفہ مولانا محمد السورقی۔ شرح، تحقیق و تعلیق، ۲۔ قبر سے حشر تک (تالیف)، ۳۔ تہذیب و تنقیح ہدایۃ

الحو، ۴۔ بابر مسجد کی تاریخ (زیر ترتیب)، ۵۔ فقہ السیرہ پر ایک مفصل و مبسوط کتاب ”مطالعہ سیرت“ کے نام سے جو چار سو صفحات پر مشتمل ہے۔ (زیر ترتیب)، ۶۔ ترجمہ خصائص التصور الاسلامی للسید قطب بشرکت مولانا عبدالمعید صاحب مدنی علیگری، ۷۔ ابھی آپ کی جماعتی تاریخ پر ایک معرکہ آرا کتاب ”علامہ ابوالقاسم سیف بناری، حیات و خدمات“ ۶۹۶ صفحات پر مشتمل منظر عام پر آچکی ہے۔ جو مولانا کی زندگی پر ایک اہم دستاویز کے ساتھ جماعتی تاریخ کا بھی ایک اہم مرجع ہے۔ ۸۔ اس کے علاوہ متعدد علمی و تحقیقی مضامین ”وہابیت ایک مطالعہ“ کلوننگ (مصنوعی تخلیق)، اسلام اور سائنس اور دیگر متعدد مقالات و مضامین ماہنامہ محدث بنارس، نوائے اسلام (دہلی)، و دیگر جرائد و رسائل میں شائع ہو کر مقبول خاص و عام ہو چکے ہیں۔ ۹۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ، مطبوعہ جامعہ سلفیہ، (حضرت عثمان والے باب کا ترجمہ) ۱۰۔ اردو اصناف ادب میں افسانہ نگاری بھی آپ کا پسندیدہ موضوع رہا ہے، مصطفیٰ لطفی منقلوطی کے متعدد افسانوں کو اردو قالب میں ڈھال کر تحریر کیا تھا مگر شائع نہ کرا سکے۔ ۱۱۔ تاریخی و ادبی مطبوع و غیر مطبوع مضامین کا ایک مجموعہ بنام ”کرم شب تاب“ زیر ترتیب ہے۔ شیخ محترم کی اطلاع کے مطابق نصف سے زیادہ کام ہو چکا ہے۔ ان شاء اللہ العزیز تین چار ماہ میں یہ ادبی مجموعہ شائع ہو جائے گا اور اردو صحافت و تاریخ کے باب میں ایک زریں اضافہ ثابت ہوگا۔

مشاہیر تلامذہ: یوں تو جامعہ رحمانیہ و جامعہ سلفیہ بنارس دونوں میں تدریس کی وجہ سے آپ کے تلامذہ و مستفیدین کی تعداد ہزاروں میں ہوگی مگر یہاں چند قابل ذکر نام درج ہیں۔

۱۔ مولانا محمد آصف مدنی (کلکتہ)، ۲۔ ڈاکٹر فوزان ازہری (دہلی)، ۳۔ خاکسار عبدالحکیم عبدالمعجد مدنی (ممبئی)، ۴۔ آپ کے فرزند ڈاکٹر احمد سعید، دہلی، ۵۔ مولانا رضوان الحسن آروی، ۶۔ مولانا عبدالقیوم کئی، بنارس، ۷۔ مولانا عبدالمتین وارثی، ۸۔ مولانا عبدالرحیم ریاضی، بنارس، ۹۔ مولانا ارشد امان اللہ بہار، ۱۰۔ ڈاکٹر حشر الدین مدنی، ۱۱۔ مولانا عبدالصبور مدنی، ۱۲۔ مولانا صدیق سلفی الہ آبادی، ممبئی، ۱۳۔ مولانا کلیم اللہ جون پوری، ۱۴۔ مولانا مطیع اللہ مدنی (جھنڈا نگر)، ۱۵۔ مولانا عبداللہ الباقی، ۱۶۔ مولانا ہلال ہدایت سلفی، ۱۷۔ مولانا عبدالسلام شکیل، ۱۸۔ صہیب حسن مبارکپوری، ۱۹۔ مولانا طارق اسعد سلفی، ۲۰۔ یاسر اسعد سلفی، ۲۱۔ مولانا خذیب حسن مبارکپوری، ۲۲۔ مولانا ازہر بن اصغر علی امام مہدی، ۲۳۔ مولانا عبداللہ طیب، بنارس وغیرہم کثیر۔

اولاد و احفاد: ۱۹۷۳ء میں آپ کی شادی زرین اختر بنت منشی ثناء اللہ فاروقی، ساکن پریوانرائن پور سے ہوئی، آپ کی اہلیہ دراصل آپ کی خالہ زاد تھیں۔ ان کی ماں اور آپ کی والدہ عم زاد تھیں، پرائمری کے بعد خصوصی طور سے انہوں نے مولانا ابوالخیر فاروقی م ۱۹۸۰ء سے علم دین کی تعلیم حاصل کی، ۱۹۸۱ء میں جامعہ رحمانیہ مدنی پورہ بنارس شعبہ نسواں میں دینیات اور اردو کی معلمہ کے طور پر تقرری ہوئی اور پچیس سال تک یہاں پر عقائد، فقہ، اردو اور دینیات کی تعلیم دیتی رہیں۔ ساتھ میں مدنی پورہ عورتوں کی دینی اجتماعات میں بھی دعوت و ارشاد کا فریضہ انجام دیتی رہیں، ۲۰۰۹ء میں شدید بیماری کی وجہ سے تدریس سے علیحدہ ہونا پڑا، طویل علالت کے بعد ۲۸ مارچ ۲۰۱۲ء کو اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ تدفین پریوانرائن پور، آبائی قبرستان میں ہوئی۔

اولاد میں چار بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ سب سے بڑے صاحبزادے ڈاکٹر احمد سعید ہیں جو جامعہ سلفیہ کے ہمارے ہم سبق

ہیں۔ ۱۹۹۲ء میں فراغت کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی یو ایم ایس اور ایم ڈی کی ڈگری حاصل کی اور فی الوقت سی سی آر یو ایم منسٹری آف ایوش میں ریسرچ آفیسر ہیں۔ دوسرے بیٹے ڈاکٹر فارقلیط ربانی ہیں، ہمدرد دہلی سے نیوروفیزيوتھراپی میں ماسٹر ہیں، فی الوقت سعودی عرب ابہا میں ایک ہاسپٹل سے وابستہ ہیں۔ تیسرے بیٹے ڈاکٹر سعید احمد ہیں، جامعہ سلفیہ سے عالمیت کے بعد دہلی جامعہ ملیہ سے بی اے، ایم اے، ایم فل ہیں اور ابھی حال ہی میں جے این یو دہلی کے پوسٹ گریجویٹ سائنس کے شعبہ اسکول آف ویسٹ ایشیا سے ڈاکٹریٹ یعنی پی ایچ ڈی کر چکے ہیں۔ سب سے چھوٹے بیٹے محمد فاروقی ہیں بی ٹیک کرنے کے بعد کوچین کیرالہ میں برسر روزگار ہیں، تینوں بیٹیوں میں دو گریجویٹ اور ایک پوسٹ گریجویٹ ہے۔ ماشاء اللہ سب کی شادیاں ہو چکی ہیں اور سب اپنے گھر میں خوشحال ہیں۔ رب العالمین سب کو ایمان و عقیدہ پر صحت و عافیت بھری زندگی نصیب فرمائے اور استاذ محترم کے ہمہ جہتی خدمات کو آپ کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین۔

مراجع:

- ۱۔ ریکارڈ مرکز تاریخ اہل حدیث، بڑھنی سدھارتھ نگر۔
- ۲۔ ذاتی معلومات و استفسارات۔
- ۳۔ المنار میگزین، بنارس ۲۰۱۶ء
- ۴۔ علامہ ابوالقاسم سیف بناری، حیات و خدمات از ابوالقاسم فاروقی۔
- ۵۔ علمائے اہل حدیث اور ان کی تصنیفی خدمات از مولانا محمد مستقیم سلفی، ص ۵۰۸۔
- ۶۔ شیخ محترم کے ساتھ واٹس ایپ اور ٹیلیفونک گفتگو سے لی گئی تفصیل۔



مولانا شریف اللہ سلفی / حفظہ اللہ، سدھارتھ نگر یوپی

سابق شیخ الجامعہ جامعہ عالیہ عربیہ منو

ولادت: ۴/۱۰/۱۹۵۴ء

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

آزادی کے بعد جماعت اہل حدیث میں جن شخصیتوں کا نام تدریسی خدمات کے حوالے سے سنہرے حروف میں لکھا جاسکتا ہے ان میں ہمارے صاحب ترجمہ مولانا شریف اللہ سلفی حفظہ اللہ بھی سرفہرست ہیں۔ ہندوستان کی صنعتی شہر بنارس میں واقع مرکزی دارالعلوم سے ۱۹۷۴ء میں فراغت کے بعد سے ہی آج ۲۰۲۰ء تک آپ اس حسین سلسلہ تعلیم و تدریس سے وابستہ ہیں، اور عمر کی قیمتی بہاریں جماعت کے قدیم ترین ادارہ جامعہ عالیہ عربیہ منو میں تدریسی خدمت اور خدمت دین میں لگادی ہیں اور محمد اللہیہ سلسلہ چالیس سالوں کے طویل خدمت کے بعد آج بھی جاری و ساری ہے۔ آپ ایک کہنہ مشق مدرس اور تجربہ کار معلم کے ساتھ انتہائی سنجیدہ قلم کے مالک بھی ہیں۔ اور مختلف علمی و تحقیقی مضامین کے ساتھ کئی کتابیں آپ کے گہر بارقلم سے منظر عام پر آچکی ہیں۔ اللہ آپ کی خدمات کو قبول فرمائے۔ ذیل میں چند سطور آپ کی سوانح و خدمات کے متعلق آپ کے مرسلہ معلومات کی روشنی میں حوالہ فرطاس ہیں۔

نام و نسب: مولانا شریف اللہ سلفی بن محمد قاسم بن چنوبن دیانت بن حبہ

آبائی وطن: آپ کا آبائی گاؤں سدھارتھ نگر ضلع کے مشہور قصبہ اٹوا بازار سے چار کلومیٹر پورب موضع ”اگیا“ ہے۔

تاریخ پیدائش: موضع اگیا میں آپ کی پیدائش ۴/۱۰/۱۹۵۴ء کو ہوئی۔

ابتدائی و اعلیٰ تعلیم: (۱) از پگلاں تا جماعت رابعہ علاقے کے مشہور سلفی درسگاہ مدرسہ دارالتوحید (اتحاد قوم) مینا عیدگاہ میں حاصل کی۔ (۲) ۱۹۶۹ء تا ۱۹۷۴ء عالمیت و فضیلت جامعہ سلفیہ میں مکمل کیا اور ۱۹۷۴ء میں فراغت حاصل کی۔ (۳) نشی، عالم، فاضل ادب، فاضل دینیات کی ڈگری مدرسہ تعلیمی بورڈ لکھنؤ سے حاصل کی۔ (۴) ایم اے اردو آگرہ یونیورسٹی آگرہ سے کیا۔ (۵) تدریس معلمین یعنی ٹیچرس ٹریننگ کاکورس جامعۃ الملک سعود ریاض سے مکمل کیا۔

مشاہیر اساتذہ: آپ کے مشاہیر اساتذہ درج ذیل ہیں ● دارالتوحید مینا عیدگاہ میں: (۱) میاں شوکت علیؒ (۲) مولانا سلیم الدینؒ (۳) ماسٹر عبدالکریمؒ (۴) مولانا کتاب اللہ اطہر مظاہریؒ ● جامعہ سلفیہ بنارس میں: (۵) مولانا عبدالوحید رحمانی شیخ الجامعۃؒ (۶) مولانا عابد حسن رحمانیؒ (۷) مولانا محمد رئیس ندویؒ (۸) مولانا عبدالمعید بناریؒ (۹) مولانا شمس الحق سلفیؒ (۱۰) مولانا محمد ادریس آزاد رحمانیؒ (۱۱) ڈاکٹر مقتدی حسن ازہریؒ (۱۲) مولانا عبدالحمید رحمانیؒ (۱۳) شیخ ربیع ہادی مدخلی حفظہ اللہ (۱۴) شیخ صالح عراقیؒ (۱۵) شیخ علی مشرفؒ (۱۶) شیخ عبداللہ الغنیمان وغیرہم کثیر۔

مشہور تلامذہ: (۱) مولانا رفیق احمد رئیس سلفی، (۲) مولانا عزیز احمد ندوی، (۳) مولانا محمد ابراہیم مدنی، (۴) مولانا ضمیر احمد مدنی، (۵) مولانا محمد صغیر مدنی، (۶) مولانا عبدالسمیع مدنی، (۷) مولانا حافظ اسعد اعظمی، (۸) مولانا عبدالحمید مدنی، (۹) ڈاکٹر اطہر افضال منوی، (۱۰) ڈاکٹر طلحہ فرحان منوی، (۱۱) حماد ظفر آئی اے ایس منو، (۱۲) مولانا شمیم احمد عبدالغفار ریاضی، (۱۳) مولانا انصار زبیر محمدی، (۱۴) مولانا عبداللہ تبریز اعظمی،

(۱۵) مولانا ممتاز احمد سالک بستوی وغیرہم کثیر۔

تدریسی دعوتی و صحافتی خدمات: (۱) دعوت و تبلیغ کے لئے خطبہ جمعہ، دروس قرآن وغیرہ کا سلسلہ ہمیشہ سے آپ نے جاری رکھا، منو وغیرہ کے مختلف علاقوں میں اس کے لئے آپ تشریف لے جاتے رہے اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

(۲) فراغت کے بعد دو سال تک (۱۹۷۴ء تا ۱۹۷۶ء) مدرسہ دارالتوحید مینا عید گاہ سدھارتھ نگر اور اس کے بعد ۱۹۷۶ء تا ۱۹۸۱ء پانچ سال تک جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال میں تدریسی سلسلہ سے وابستہ رہے۔

(۳) ۱۹۸۱ء میں آپ کی تقرری جامعہ عالیہ عربیہ منو میں ہوئی اور زندگی کا بیشتر حصہ ملک کی اس قدیم سلفی درس گاہ میں تدریس میں گزر گیا، آپ وہاں کئی سالوں مدرس رہے، آپ کی عمدہ کارکردگی اور سینئرٹی کو دیکھ کر انتظامیہ نے صدر مدرس شیخ الجامعہ کا عہدہ تفویض کر دیا۔ وہاں ۱۹۹۴ء سے ۲۰۱۵ء تک ۲۰ سالوں تک شیخ الجامعہ اور صدر المدرسین بھی رہے ہیں۔ الہ آباد بورڈ سے ریٹائرڈ منٹ کے بعد اپنے مادر علمی جامعہ دارالتوحید مینا عید گاہ میں بحیثیت مدرس خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ صحت و عافیت عطا فرمائے۔

(۴) ملک کے مختلف جرائد و مجلات اور کانفرنسوں میں مقالات، مضامین اور علمی و تحقیقی بحث ہمیشہ لکھتے رہے ہیں خاص طور پر مجلہ افکار عالیہ میں آپ کے ادارے وغیرہ بے حد مشہور و معروف ہیں۔

(۵) مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی تمام کانفرنسوں اور اسی طرح جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر کی دعوتی کانفرنس، مطالعہ علوم حدیث کانفرنس علی گڑھ وغیرہ میں آپ کی نمایاں شرکت رہی ہے۔

(۶) جامعہ عالیہ عربیہ منو میں تدریس کے ساتھ فتویٰ نویسی کی بھی ذمہ داری کئی سالوں تک انجام دی ہے۔ (۷) فی الحال اپنے آبائی گاؤں اگیا میں والد کے قائم کردہ مکتب کی دیکھ ریکھ خاندان کے مشورے سے بھی انجام دے رہے ہیں۔

تصنیفی خدمات: مولانا موصوف ایک کہنہ مشق مدرس و معلم کے ساتھ بہترین قلم کار اور صاحب تحقیق انشاء پرداز بھی ہیں، آپ کے گہر بار قلم سے کئی کتابیں اب تک منظر عام پر آچکی ہیں جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) مسنون نماز (مطبوع) (۲) مسنون دعائیں (مطبوع) (۳) علل حدیث پر ایک تاریخی و اصولی بحث (زیر طبع) (۴) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے اسلوب (زیر طبع) (۵) سود اور اس کی تباہ کاریاں (زیر طبع) (۶) حیات اقبال (زیر طبع)، (۷) تربیت کے اسلامی اصول (زیر طبع)، (۸) طالبان علوم نبوت کے صفات اور ذمہ داریاں (زیر طبع)، اور اسکے علاوہ کچھ مفید پمفلٹ وغیرہ بھی ہیں۔
اولاد: ۱۹۶۸ء میں آپ کی شادی ماموں زاد بہن سے ہوئی جس کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین بیٹوں اور تین بیٹیوں سے نوازا ہے، سبھی باحیات ہیں اور خوشحال ہیں۔

اولاد کے نام بالترتیب درج ہیں۔ (۱) تسلیم کوثر، (۲) نسرین کوثر (۳) محمد ارشد (۴) ارشاد احمد (۵) شمیمہ کوثر (۶) راشد کمال۔
مراجع و مصاوری: (۱) ریکارڈ مرکز تاریخ اہل حدیث و انسائیکلو پیڈیا اہل حدیث بڑھنی سدھارتھ نگر۔ (۲) شیخ کا تحریر کردہ معلوماتی خاکہ (۳) ذاتی معلومات و استفسارات بذریعہ فون (۴) علوم الحدیث مطالعہ و تعارف (۵) علمائے اہل حدیث ہند اور ان کی تصنیفی خدمات مولانا محمد مستقیم سلفی، ص ۱۷۵۔



صاحب تحقیق و افتاء استاذ گرامی

مولانا علی حسین السلفی (حفظہ اللہ) (جھارکھنڈ)

استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

(ولادت جنوری ۱۹۵۵ء)

مولانا عبدالحکیم عبدالمعجود مدنی

۱۹۹۰ء میں جب میرا داخلہ مدینہ یونیورسٹی میں ہوا اور وہاں کی پرفضا ماحول میں حصول تعلیم کا موقع ملا تو بڑی باریک علمی باتوں سے ہمیں واقفیت حاصل ہوئی۔ دوران طالب علمی کلیتہً الحدیث کے ایک بڑے دکتور نے حدیث کی تین اہم کتابوں کا ذکر فرمایا اور پوچھنے لگے کہ تینوں کے محققین کو کون جانتا ہے؟ ہم نئے نئے تھے اتنی جانکاری بھی نہیں تھی، خیر کسی طالب علم نے جواب نہ دیا تو دکتور صاحب خود گویا ہوئے کہ پہلی کتاب امام مزنی کی تحفۃ الاشراف ہے جس کی تحقیق ہندوستانی عالم شیخ عبدالصمد شرف الدین نے کی ہے، دوسری کتاب امام دارقطنی کی العلل ہے جس کی تحقیق دکتور محفوظ الرحمن زین اللہ الہندی نے کی ہے اور تیسری کتاب امام سخاوی کی فتح المغیث ہے جس کی تحقیق جامعہ سلفیہ بنارس الہند کے استاذ شیخ علی حسین السلفی نے کی ہے اور تینوں کی تحقیقات بہت علمی اور قابل اعتبار ہیں۔ میں چونک سا گیا، سوچا کہ ان میں سے شیخ علی حسین السلفی تو میرے استاذ ہیں، خیر... بے حد خوشی ہوئی اور ہندوستانی ہونے کی وجہ سے ذرا فخر بھی محسوس ہوا، بعد میں طلباء و باحثین کے درمیان بحث و گفتگو پر یہ بات سامنے آئی کہ اہل عرب کے یہاں فتح المغیث کا جو نسخہ زیادہ قابل اعتبار ہے وہ جامعہ سلفیہ بنارس والا ہے، جو فتح المغیث طبعۃ الجامعہ السلفیہ بنارس الہند کے نام سے اہل علم کے مابین مشہور و معروف ہے اور آج میرے لئے یہ فخر کی بات ہے کہ میں اسی معتبر نسخہ کے عظیم محقق استاذ گرامی شیخ علی حسین السلفی کی سوانح اور خدمات قلمبند کر رہا ہوں۔

مجھے یاد آ رہا ہے کہ دوران طالب علمی شیخ محترم منطق و فلسفہ سے لے کر علم حدیث اور دیگر فنون کی بڑی عمدہ تدریس اور خاص طور پر انتہائی شرح و بسط کے ساتھ افہام و تفہیم کے ماحول میں پڑھانے کے لئے مشہور و معروف تھے۔ ہمیشہ درس کے لئے رواں دواں، لائبریری میں بکثرت آمد و رفت، صرف تعلیم و تدریس اور اپنی ذمہ داریوں پر توجہ مرکوز، اور اپنے وسیع مطالعہ سے ہم طلباء کو معلومات کے ذخیروں تک پہنچنے کا گراور ہنر سکھلانے میں آپ کا بڑا اہم رول ہے۔ ساتھ ساتھ وقت کی قدر دانی اور اہمیت کا جو کچھ سلیقہ ہمیں سیکھنے کا موقع ملا، اس میں ہمارے اساطین اساتذہ کے پہلو بہ پہلو آں موصوف کا بڑا دخل ہے۔ رب العالمین آپ کو صحت و عافیت عطا فرمائے اور آپ کی خدمات کو آپ کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین۔

ذیل میں آپ کی مختصر سوانح و خدمات کا خاکہ درج ہے جو دراصل استاذ محترم کے مرحلہ معلومات اور استفسارات کی روشنی میں ترتیب دیا گیا ہے امید کہ اہل علم طلباء و اساتذہ کے لئے مفید اور قابل مطالعہ ہوگا، وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

نام و نسب: ابو جلیلہ علی حسین بن علی جان بن عالم میاں بن پوجن میاں بن وینو میاں اکاشفی السلفی، کاشفی نسبت ہے مدرسہ کاشف العلوم تبلیغی مرکز نظام الدین دہلی کی طرف اور سلفی جامعہ سلفیہ بنارس کی طرف (

تاریخ و مقام پیدائش: آپ کی پیدائش ۲۳ جنوری ۱۹۵۲ء مطابق ۲۰/۷/۱۳ھ کو آبائی وطن بڑا سر شاہ، پوسٹ بیچ محل، ضلع پاکوڑ، صوبہ جھارکھنڈ میں ہوئی، البتہ کاغذات میں تاریخ میلاد یکم جنوری ۱۹۵۵ء درج ہے۔ یہ علاقہ بنگال کے سرحدی علاقہ سے متصل ہے مگر اصلاً صوبہ جھارکھنڈ (قدیم بہار) میں ہے اور اس وجہ سے بعض احباب غلط فہمی کی بنیاد پر آپ کی نسبت بنگال سے جوڑ دیتے ہیں، صحیح یہ ہے کہ آپ جھارکھنڈ (قدیم بہار) سے تعلق رکھتے ہیں۔

خاندانی پس منظر: آپ کا خاندان بڑا سر شاہ میں ایک معزز خاندان تھا۔ اور صاحب ثروت ہونے کے ساتھ دنیوی جاہ و حشم کا مالک تھا البتہ دین سے دوری اور احکام اسلام سے بے توجہی کے شکار ہونے کی وجہ سے تعلیم و تربیت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ کئی دہائیوں قبل مولانا مصلح الدین اعظمی، مولانا عبدالرحمان دلال پوری، مولانا شمس الضحیٰ مرشد آبادی، حاجی رئیس ہرن پورا اور امام الدین، وغیرہم کی کاوشوں سے گاؤں میں مکتب کا قیام عمل میں آیا اور رفتہ رفتہ لوگ تعلیم سے جڑتے گئے اور مکتب کی تعلیم کے بعد کچھ طلبہ کرام ہندوستان کے مختلف اداروں سے فارغ التحصیل ہوئے، دعوت کا کام ہوا اور اس طرح گاؤں میں دینی رجحان کو فروغ حاصل ہوا۔ ایسے ناگفتہ بہ حالات میں مولانا کی ولادت ہوئی اور بڑے ہو کر بھلا اللہ آپ کو بھی قافلہ تعلیم و دعوت سے منسلک ہونے کی توفیق و سعادت حاصل ہوئی۔ اب بھلا اللہ آپ کا پورا گاؤں دعوت کے حسین اثرات سے منور ہے، رب العالمین مزید توفیق بخشے۔

تعلیمی مراحل: (۱) ابتدائی تعلیم آبائی گاؤں بڑا سر شاہ میں ۹ سال کی عمر میں شروع کی اور اس کے بعد راج گاؤں بیر بھوم بنگال میں پندرہ سال کی عمر میں اس کی تکمیل ہوئی۔ (۲) عربی تعلیم مدرسہ دارالعلوم دیوبندہ پاکوڑ میں حاصل کی اور تین سال کی مدت میں یہاں شرح جامی، شرح کافیہ اور مشکوٰۃ تک کی تعلیم ختم کر لی۔ (۳) ۱۹۷۲ء میں اعلیٰ تعلیم کے لئے دہلی نظام الدین میں واقع تبلیغی مرکز کے مدرسہ ”کاشف العلوم“ میں داخل ہوئے اور یہاں چار سال تک تعلیم حاصل کر کے ۱۹۷۶ء میں فارغ التحصیل ہوئے اور اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے کاشفی کہلائے۔ (۴) ۱۹۷۶ء میں سلفیان ہند کے مرکزی درسگاہ جامعہ سلفیہ بنارس میں عالم ثانی میں داخلہ ملا، عالمیت کے بقیہ دو سال اور اس کے بعد فضیلت کے دو سال مکمل کر کے یہیں سے تعلیم پوری کی اور ۱۹۸۱ء میں سند فضیلت سے سرفراز کئے گئے۔

مشاہیر اساتذہ کرام: ● راج گاؤں میں: مولانا علاء الدین صاحب، مولانا عبدالمنان صاحب ● دیوبندہ گاؤں میں: مولانا عبدالرحمن دیوبندی، مولانا نذیر حسین ادھو پڑوی ● دہلی میں: مولانا عبید اللہ بلیاوی، مولانا اظہار الحق کاندھلوی، مولانا محمد الیاس بارہ بنکوی، مولانا شبیر احمد نحوی ● بنارس میں: مولانا شمس الحق سلفی، مولانا محمد رئیس ندوی، مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی، ڈاکٹر مقتدی حسن

ازہری، شیخ الجامعہ مولانا عبدالوحید رحمانی، مولانا عبدالمعید بناری، مولانا عبدالسلام مدنی، ٹکریا، ماسٹر اکبر بناری وغیرہم۔
رفقائے درس: آپ کے بنارس کے ساتھیوں میں۔ (۱) دکتور ابراہیم مدنی (۲) مولانا طیب مدنی (۳) دکتور اسحاق مدنی، کلکتہ (۴) مولانا احسان اللہ سلفی استاذ جامعہ رحمانیہ بنارس وغیرہم قابل ذکر ہیں۔

مشاہیر تلامذہ: جامعہ سلفیہ بنارس میں طویل عرصے سے تعلیمی و تدریسی خدمات سے وابستگی ہی کثرت تلامذہ کی دلیل ہے ذیل میں چند معروف اسماء گرامی درج ہیں: (۱) ڈاکٹر عبدالحکیم مدنی، مدرس جامعہ سلفیہ بنارس (۲) ڈاکٹر عبدالصبور مدنی، مدرس جامعہ سلفیہ بنارس (۳) مولانا نور الہدیٰ (استاذ مفتی جامعہ سلفیہ بنارس) (۴) مولانا عبدالمتین مدنی بناری (۵) ڈاکٹر رحمت اللہ سلفی (بہار) (۶) خاکسار راقم عبدالحکیم عبدالمعجود مدنی ممبئی (۷) مولانا محفوظ الرحمن سلفی (امین المکتبہ المرکزہ بنارس) (۸) ڈاکٹر حشر الدین مدنی (۹) شیخ عبدالسلام شکیل مدنی سعودی عرب (۱۰) مولانا عبدالجبار انعام اللہ سلفی ممبئی (۱۱) ڈاکٹر فوزان ازہری (دہلی) (۱۲) مولانا آصف اقبال مدنی (کلکتہ) وغیرہم کثیر۔

تدریسی و دعوتی خدمات: (۱) استاذ محترم ایام طالب علمی سے دعوتی فکر کے حامل تھے چنانچہ اسی وقت سے آج تک یہ نیک شغل جاری ہے۔ بنارس میں ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری کے ساتھ تبلیغی و اصلاحی پروگرام نیز خطبات جمعہ وغیرہ کا سلسلہ قائم تھا، آج بھی ماشاء اللہ برقرار ہے۔

(۲) فراغت کے بعد ۱۹۸۱ء میں جماعت کی مرکزی درسگاہ جامعہ سلفیہ بنارس میں آپ کی تقرری ہوئی اور تب سے تاحال (جنوری ۲۰۲۰ء) آپ تدریسی خدمات سے جڑے ہوئے ہیں۔ آپ کے زیر تدریس کتابوں میں خاص طور پر صحیح بخاری جیسی عظیم کتاب قابل ذکر ہے۔ آپ انتہائی کہنہ مشق اور صاحب تجربہ اور صاحب علم و عرفان مدرس ہونے کے ساتھ ایک مخلص مربی اور معلم بھی ہیں۔ اللہ صحت و عافیت کے ساتھ عمر دراز عطا فرمائے۔ آپ کی کاوشوں کو ذخیرہ آخرت فرمائے۔ آمین
تصنیفی و تالیفی خدمات: استاذ محترم تدریس و تعلیم کے ساتھ فن تحقیق و ترجمہ کا ایک بلند و معیاری ذوق رکھتے ہیں اور بڑی عرق ریزی سے اس میدان میں رواں دواں ہیں۔ خاص طور پر تحقیقی دنیا میں فتح المغیث کی مثالی و معتبر تحقیق کے لئے آپ کو خاص شہرت حاصل ہے۔ ذیل میں آپ کی تصنیفات، تعریبات اور ترجمہ شدہ کتابوں کی فہرست درج ہے:

(۱) فتح المغیث فی شرح الفیة الحدیث للسخاوی، تحقیق و تعلق، چار جلدوں میں جو دس سال کی طویل محنت کے بعد تیار ہوئی، جامعہ سلفیہ سے مطبوع ہے اور فی الوقت عرب کے متعدد کتب خانوں نے اس کی اشاعت کی ہے۔ کم و بیش دو ہزار صفحات پر مشتمل یہ کتاب فتح المغیث کی تحقیق میں سب سے معتبر و مستند تسلیم کی گئی ہے۔

(۲) العلامہ نواب صدیق حسن خان البہو فالی حیاتہ و آثارہ، یہ تقریباً چار سو سے زائد صفحات پر مشتمل عربی زبان میں نواب صاحب پر ایک تحقیقی کتاب ہے، ابھی غیر مطبوع ہے۔ آپ کے داماد شیخ عبدالمعید، طالب دکتورہ جامعہ اسلامیہ مدینہ کے پاس موجود ہے۔ طباعت کے لئے جدوجہد جاری ہے۔ اللہ آسانی فرمائے۔

(۳) نقض المنطق: مولانا ابوالعاص وحیدی حفظہ اللہ کا مقالہ بزبان اردو ابن تیمیہ کانفرنس میں پیش کیا گیا تھا اس کی تعریف (عربی ترجمہ ہے) جو ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اور مجلہ الجامعۃ السلفیہ بنارس کے خصوصی شمارہ میں شائع شدہ ہے۔

(۴) عنایۃ علماء اہل الحدیث بمسئلۃ التوحید: یہ دراصل ہدایۃ المستفید شرح کتاب التوحید کے اردو مقدمہ کی تعریف ہے۔ مطبوع ہے۔

(۵) اعجاز القرآن مولفہ مولانا مجیب الرحمن بنگلہ دیشی، بزبان بنگلہ کا اردو ترجمہ، بعض طلباء جامعہ سلفیہ کے تعاون و اشتراک سے اور شیخ محترم کی تصحیح سے مطبوع ہے۔

(۶) رسالہ رفع الیدین، (۷) رسالہ آمین بالجہر، (۸) رسالہ نماز جنازہ (۹) منہج سلف، (۱۰) اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے یا عرش و فرش دونوں پر (یہ کتاب دراصل ایک بدعتی ماتریدی کا جواب ہے) (۱۱) سود اسلام کی نظر میں (۱۲) فتاویٰ جو جامعہ سلفیہ کے دارالافتاء کے رجسٹر میں محفوظ ہیں۔

اہم عہدے اور مناصب: (۱) رئیس قسم الافتاء: شیخ محترم تدریس و تحقیق کے ساتھ فتویٰ نویسی اور افتاء سے بھی جڑے ہوئے ہیں، جامعہ کے اہم ترین مفتیان مولانا عابد حسن رحمانی، مولانا رئیس ندوی جیسے عباقرہ سے آپ نے کسب فیض کیا ہے چنانچہ اسی بنا پر جامعہ سلفیہ میں افتاء کے اس اہم منصب پر فائز کئے گئے ہیں۔ (۲) تعلیمی کمیٹی جامعہ سلفیہ بنارس کے بھی آپ ایک رکن ہیں۔

اولاد و احفاد: آپ کورب العالمین نے آٹھ اولاد سے نوازا ہے: چھ بیٹیاں اور دو بیٹے ہیں۔

بیٹیاں بالترتیب: (۱) جمیلہ خاتون (۲) نبیلہ خاتون (۳) فضیلہ خاتون (۴) سعدیہ خاتون (۵) حلیمہ خاتون (۶) علیمہ خاتون اور بیٹے (۱) حافظ عبدالحکیم (۲) عبدالعلیم ہیں۔

ان میں سب سے چھوٹی علیمہ خاتون ہیں، مذکورہ بالا بچیوں میں سے چار شادی شدہ ہیں اور اصحاب اولاد ہیں، رب العزت سبھوں کو دین و ایمان پر استقامت عطا فرمائے۔

مصادر و مراجع: (۱) ریکارڈ مرکز تاریخ اہل حدیث، بڑھنی، سدھارتھ نگر۔

(۲) شیخ کا مرسلہ، سوانحی معلومات و استفسارات۔

(۳) مجلہ المنار، بنارس سال ۲۰۱۷ء



فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر اقبال احمد مدنی بسکوہری / حفظہ اللہ

استاد حدیث جامعہ محمدیہ منصورہ مالیکوٹ

(تاریخ ولادت ۱۰/ اگست ۱۹۵۶ء)

خودنوشت

نام: اقبال احمد محمد اسحاق بسکوہری

ولادت: حسب کاغذات ۱۰/ ۸/ ۱۹۵۶ء

مقام پیدائش: موضع چیونٹھوا، نزد بسکوہر ضلع بلرام پور یوپی

ابتدائی تعلیم: (۱) گاؤں کے مدرسہ سے شروع ہوئی جس کا کوئی نام نہ تھا، بس تعلیم دینا مقصد تھا، بغیر درجہ بندی بغیر امتحان کے تعلیم دی جاتی تھی، ہر جمعرات کو آموختہ ہوتا تھا، ہر کتاب فراٹے کے ساتھ یاد رہتی تھی، نہ کوئی قانون، نہ ضابطہ، ناظم و صدر و اراکین کا کوئی پتہ نہیں پھر یہ مدرسہ کسی وجہ سے بند ہو گیا۔

(۲) کچھ وقفہ بعد ایک رضا خانی مدرسہ (تلوک پور) سکھا ڈیہہ گاؤں میں کچھ دن ابتدائی درجات کی تعلیم ہوئی۔

(۳) اس کے بعد جب درجہ سوم میں تھا تو وہاں سے چھوڑ کر ایک معمولی واقعہ کو بہانہ بنا کر بسکوہر بازار مدرسہ محمدیہ میں آ گیا، یہاں درجہ سوم کی کتابیں مکمل کر کے درجہ ادنیٰ تک کی تعلیم مکمل ہوئی جس میں آمدنامہ، تیسیر المبتدی، فارسی کی پہلی وغیرہ پڑھائی جاتی تھیں۔ (۴) ۱۹۶۳ء میں جب جو اہر لال نہرو کی وفات ہوئی تو میں بسکوہر میں پڑھ رہا تھا ایک اندازہ کے مطابق اسی سال ۱۹۶۳ء میں گاؤں میں مدرسہ محمدیہ کے نام سے دوسرا مدرسہ جاری ہوا، مولانا عبداللہ بن عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ جو بسکوہر کے مدرسہ میں پڑھاتے تھے وہی گاؤں میں مدرسہ رکھے گئے، لہذا گاؤں میں واپس آ گیا، پہلی دوسری جماعت کی تعلیم مکمل ہوئی، (۵) اسی درمیان ۱۹۶۵ء میں جس سال ہندو چین میں لڑائی ہو رہی تھی سرکاری پرائمری اسکول میں درجہ پنجم میں داخلہ لے کر ٹی سی حاصل کیا (۶) اور دوبارہ پھر مدرسہ محمدیہ چیونٹھوا میں تیسری جماعت کی کتابیں شروع ہوئیں۔ (۷) ۷۰-۱۹۶۹ء میں جامعہ رحمانیہ بنارس کا رخ ہوا اور وہاں تیسری جماعت میں داخلہ ملا دو سال کے بعد جامعہ سلفیہ بنارس میں وہاں سے منتقل ہوا اور ۱۹۷۷ء میں وہاں سے تکمیل فضیلت ہوئی۔

(۸) جامعہ سلفیہ سے فراغت حاصل ہونے کے بعد مدرسہ نصرۃ الاسلام شکرنگر میں ایک سال تدریسی خدمات انجام دیا، اسی وقت بورڈ سے عالم کا امتحان دیا تھا کیونکہ جامعہ سلفیہ میں تعلیم کے دوران کسی دوسری جگہ سے امتحان دینا یا تعلیم حاصل کرنا ناقابل معافی جرم تھا اسی موقع سے محترم المقام جناب مولانا عبدالرؤف صاحب ندوی حفظہ اللہ سے ملاقات و شناسائی ہوئی۔

(۹) پھر رب العالمین کے فضل و کرم سے مدینۃ الرسول میں تعلیم حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی، ۱۹۷۹ء میں کلیتہ

الحدیث میں داخلہ ہوا، ۱۹۸۷ء کے درمیان تک وہاں رہنے کی سعادت نصیب ہوئی، ۱۹۸۲ء میں کلیتہ الحدیث سے فارغ ہونے کے بعد درجات علیاء ماجسٹر (MA) میں داخلہ ہو گیا، ۱۹۸۷ء میں ایک سال کے طویل انتظار کے بعد رسالہ کا مناقشہ ہوا آگے داخلہ نہ ہو سکا، اس لئے وطن واپس ہونا پڑا، اور جامعہ محمدیہ منصورہ مالینڈوں میں تدریسی ذمہ داری ادا کرنے کی سعادت ملی، مؤسس جامعہ مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں سے تحریر کردہ تعین کا ورقہ آپ کے بدست ۲۶/۷/۱۹۸۷ء کو ملا اور میں جامعہ محمدیہ مالینڈوں میں مصروف عمل ہو گیا جو آج تک جاری ہے۔

(۱۰) مدینہ منورہ میں کلیتہ الحدیث سے لیسانس (B.A.) کی ڈگری اور درجات علیاء ماجسٹر (M.A.) کی سند ملی، جامعہ محمدیہ تدریس کے درمیان لکھنؤ یونیورسٹی سے دکتورہ (P.H.D.) کی ڈگری حاصل ہوئی۔

اساتذہ کرام: والد محترم حکیم مولانا محمد اسحاق رحمانی رحمہ اللہ تعالیٰ، میاں محمد یونس (بیت ناری) مولانا عبداللہ بن عبدالغفور بسکوہری، منشی مطیع اللہ دھنورہ، مولانا عبدالسیح رحمانی مصرولیا، مولانا عزیز احمد بیت اللہ ندوی بونڈی بہار، مولانا عبدالسلام رحمانی بونڈی بہار (بچی والے) مولانا عبدالسلام طیبی، ڈاکٹر صغیر احمد شکرنگری، شیخ عبدالسلام ابوالسلم مدنی ٹکریا والے، مولانا عبدالرحمن شفیع مدنی پپرگڈی، شیخ رئیس احمد ندوی موضع بھٹیانزد بانسی، مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی املوی، مولانا شمس الحق سلفی بہاری، مولانا عبدالوحید رحمانی بنارس، مولانا ابو عبیدہ عبدالمعید بنارس، مولانا محمد عابد رحمانی کنڈو، مولانا عبدالرحمن فیضی انتری بازار، ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری منوی رحمہم اللہ اجمعین، ہندوستانی اساتذہ کرام ہیں نیز شیخ انیس الرحمن اعظمی حفظہ اللہ تعالیٰ ہیں، محترم المقام عبداللہ الغنیمان حفظہ اللہ نے بنارس میں کتاب التوحید پڑھایا ہے۔ عصری اساتذہ میں ماسٹر فیروز بلیادی، ماسٹر شمس الدین بنارس، ماسٹر اکبر علی بنارس اور ماسٹر منظور احمد ندوی منوی ہیں۔

میرے تعلیم میں نقل مکانی نہ ہونے کے برابر ہے، گاؤں سے سکھا ڈیہ، وہاں سے بسکوہر پھر وہاں سے سیدھے بنارس گیا وہاں سے مدینہ منورہ اس لئے اساتذہ کی تعداد مختصر ہے اور اس وجہ سے اپنے علاقے کے علماء کی معرفت سے بھی محروم رہ گیا۔ مدینہ منورہ میں بہت سارے اساتذہ سے مختلف فنون کا درس لیا ان میں سے اکثر مصری اساتذہ کا نام بھی یاد نہیں رہ گیا، کیونکہ یہ دوسرے کلیات کے اصل مدرس ہوتے تھے ان سے ربط و ضبط نہیں ہو پاتا تھا، کلیتہ الحدیث میں جن اساتذہ سے زیادہ استفادہ کا موقع ملا ان میں: ڈاکٹر ضیاء الرحمن اعظمی، ڈاکٹر سعدی ہاشمی عراقی، ڈاکٹر محمد محمد شریف مصری، نیز ڈاکٹر عبدالفتاح سلامہ مصری، شیخ حبیب اللہ سندھی، ڈاکٹر عثمائی، ڈاکٹر نجم، ڈاکٹر عبدالرحیم قشقری، ڈاکٹر بشیر ترابی سوڈانی، ڈاکٹر بکر دوشین صومالی، ڈاکٹر ربیع ہادی عمیر مدخلی، شیخ عمر فلاتہ امین عام جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ ہیں۔

دراسات علیاء کے اساتذہ میں: شیخ عبدالحسن العباد، شیخ حماد محمد انصاری، ڈاکٹر ربیع ہادی عمیری مدخلی، یہ تینوں سعودی ہیں، ڈاکٹر محمود میرہ شامی، ڈاکٹر اکرم ضیا عمری عراقی ہیں، ڈاکٹر سعدی ہاشمی عراقی، ڈاکٹر ربیع مدخلی حفظہ اللہ کلیتہ سے دراسات میں منتقل ہو چکے تھے، ڈاکٹر ربیع مدخلی حفظہ اللہ ہمارے رسالہ کے مشرف بھی تھے، آپ جامعہ سلفیہ بنارس میں بھی کچھ دن پڑھا چکے تھے لیکن

وہاں ان سے کوئی خاص کتاب پڑھنے کا موقع میسر نہ تھا۔ سب سے زیادہ قربت آپ ہی سے تھی، اسی طرح ڈاکٹر ضیاء الرحمن اور حماد محمد انصاری سے بھی کافی قربت تھی۔ دکتورہ کے رسالے کے مشرف پروفیسر شبیر احمد ندوی قادر آباد نزد ڈومریا گنج کے تھے۔

شیخ الحدیث ابوالحسن عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ، شیخ مکرم محمد اسرائیل ندوی ہریانہ حفظہ اللہ اور محترم المقام ابو محمد عبدالواحد سلفی دہلوی بن العلامہ عبدالوہاب ملتانی رحمہ اللہ امیر غرباء اہل حدیث سے تحریری سدا اجازت اور مولانا شمس الحق سلفی رحمہ اللہ استاذ جامعہ سلفیہ بنارس سے شفوی اجازت روایت حاصل ہے، محترم شیخ عبداللہ جوم حفظہ اللہ شیخ الحدیث دار السلام عمر آباد سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مدنی کی سند بھی حاصل کیا ہے۔

شاگردوں کی تعداد کا علم نہیں ہے جب سے ۱۹۸۷ء سے مالگواؤں آیا ہوں صحیح بخاری پڑھا رہا ہوں، کلیہ عائشہ میں بھی سادس اور فضیلت میں سنن ابی داؤد اور صحیح بخاری کا درس دیا ہے۔ شعبہ تخصص کلیہ عائشہ میں علوم حدیث اور کبھی اللؤلؤء والمرجان پڑھایا ہے، بہت سارے طلبہ عربی رابع سے نکل جاتے ہیں کتنے ایسے ہیں جن کو پڑھایا ہے لیکن کسی وجہ سے ان کی تعلیم یہاں مکمل نہ ہو سکی ان فارغین میں سے بہت سارے سعودیہ عربیہ میں جالیات اور ملک میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں کتنے جو سماجی کام میں ہیں اللہ رب العالمین ان سب شاگردوں اور شاگردات کو اپنے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ (آمین)

عموماً اپنے فن سے متعلق کتابیں ہی پڑھایا ہے، کبھی کبھی دوسرے فن کی کتاب بھی پڑھایا ہے بلوغ المرام، مشکوٰۃ المصابیح، سنن ترمذی، سنن ابوداؤد، صحیح مسلم، صحیح بخاری جرح و تعدیل، تخریج حدیث، علوم حدیث، عربی ادب، سیرت نبوی پڑھانے کا موقع زیادہ ملا ہے، صحیح بخاری، صحیح مسلم، جرح و تعدیل، تخریج حدیث اور علوم حدیث، نحو و صرف فی الحال اپنا مادہ درس ہے۔

جب شکر نگر پڑھا رہا تھا اس وقت زوجہ کی رخصتی ہوئی جن کے بطن سے کل گیارہ اولاد اللہ نے عطا کیا جن میں پانچ ذخیرہ آخرت بنے، موجودہ اولاد مندرجہ ذیل ہیں۔

عبدالرحمن اقبال: جامعہ اسلامیہ میں فی الحال شعبہ عقیدہ میں (PHD) کر رہے ہیں (حافظ، فاضل جامعہ محمدیہ)

سعید اقبال: فضیلت، بارہویں اور طبابت سیکھنے کے بعد ممبر امیں خدمت انجام دے رہے ہیں۔

اسعد اقبال: حافظ، عالمیت، بارہویں اور جامعہ اسلامیہ مدینہ سے کلیہ کرنے کے بعد جامعہ اسلامیہ کوسہ میں مدرس ہیں۔

محمودہ اقبال: شوہر کے ساتھ فی الحال مدینہ منورہ میں ہی رہتی ہیں (حافظ، فاضلہ کلیہ عائشہ)

سعید اقبال: متوسطہ کے بعد فارمیسی میں ابھی ابھی (M. Farma) کی تکمیل ہوئی ہے۔ منفوسہ اقبال: حافظہ کے بعد عربی

سادس میں زیر تعلیم (کلیہ عائشہ مالگواؤں میں) سابق اہلیہ کی وفات کے بعد دوسری نکاح ہوا جن سے:

سعیدہ اقبال: شعبہ حفظ میں طالبہ (کلیہ عائشہ)، مساعدا اقبال: درجہ سوم میں طالب علم (کلیہ عائشہ)، سعود اقبال: درجہ طفلان

میں طالب علم (کلیہ عائشہ)۔

بقیہ سب اللہ کا فضل و کرم ہے۔

وفات: جس دن اللہ نے مقرر کر رکھا ہے اس دن ہو جائے گی۔ جب جس کو اطلاع ملے رب العالمین سے خصوصی دعاؤں میں یاد کر لیں، قارئین کی یہ بہت بڑی مدد ہوگی اللہ ہم سب کی دعاؤں کو قبول فرمائے آمین۔

تصنیف کردہ کتابیں: (۱) تحقیقات بزبان عربی

۱۔ المخزون فی علم الحدیث للزادی۔ ۲۔ کتاب البدر المنیر لابن الملقن (ج: ۱، ۲، ۳) (المطبوع فی ۲۸ مجلد) ۳۔
 ۴۔ من لا یعرف له اسم من أصحاب رسول اللہ ﷺ للزادی۔ ۵۔ من وافق اسمه اسم أبیه للزادی۔ ۶۔ من وافق اسمه کنیة أبیه للزادی۔ ۷۔ نخبة الفکر فی مصطلح أهل الاثر لابن حجر

(۲) تصنیفات بزبان عربی

۸۔ ذیل المخزون، ۹۔ ذیل من وافق اسمه اسم أبیه، ۱۰۔ ذیل من وافق اسمه کنیة أبیه، ۱۱۔ ارشاد النبیل الی الجرح والتعدیل، ۱۲۔ تحفة الخریج الی طرق التخریج، ۱۳۔ قضاء الوطر من قصب السكر (شرح)، ۱۴۔ اجلاء البصر من نزهة النظر (تعلیق و تحقیق)، ۱۵۔ أصول التوفیق بین الاحادیث المتعارضة (غیر مطبوع)، ۱۶۔ التعليق الملیح علی المنشاء الصحیح (صحیح مسلم) الی نهاية الايمان (غیر مطبوع)، ۱۷۔ الفقه المحدثی کتاب الطهارة الجنائز، العیدین، الکسوف والخسوف، الاستسقاء الخوف، الزکاة، الصیام والحج بالاشتراك (غیر مطبوع)، ۱۸۔ السیر الحدیث فی علوم الحدیث: (للتدریس فی کلیة الشریعة)

۱۹۔ العبل الجاری: التعلیق علی صحیح البخاری (فی الحال سجدہ تلاوت میں کام جاری ہے)

اردو کتابیں:

۲۰۔ رسالہ اصول حدیث، ۲۱۔ رہبر تخریج حدیث، ۲۲۔ جرح و تعدیل، ۲۳۔ السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ (تحفہ سلام) ۲۴۔ آسان درس حدیث ۲۵۔ مذکرۃ الادعیة و حفظ الحدیث ۲۶۔ تاریخ تحفظ سنت اور خدمات محدثین ۲۷۔ رہبر توفیق حدیث، ۲۸۔ متعارض حدیثیں (ماخوذ از تاویل مختلف الحدیث)، ۲۹۔ آئے جبرئیل سکھانے دین (غیر مطبوع)، ۳۰۔ مردوزن کی نماز میں فرق اور صحیح طریقہ نماز (غیر مطبوع)۔

رب العالمین شیخ محترم کی خدمات کو قبول فرمائے اور صحت و عافیت کے ساتھ درازی عمر عطا فرمائے آمین۔



ڈاکٹر لیث محمد کی حفظہ اللہ اجگرا، سدھارتھ نگر

ولادت جنوری ۱۹۶۲ء

خودنوشت

نام و نسب: لیث محمد بن لال محمد بن دولت

آبائی وطن: موضع اجگرا، پوسٹ اجگرا، ضلع سدھارتھ نگر (سابق بستی)، یوپی۔ پن کوڈ: 272153

تاریخ پیدائش: کاغذات کے مطابق تاریخ پیدائش ۲۶ جنوری ۱۹۶۲ء ہے مگر حقیقی تاریخ پیدائش غالباً ۱۹۶۰ء ہے۔

خاندانی پس منظر: خاندان بلکہ گاؤں کی پوری مسلم آبادی میں اعلیٰ تعلیم مفقود تھی، بعض ہی افراد پرائمری یا جونیئر یا ہائی اسکول یا مکتب یا عربی کی پہلی یا دوسری جماعت تک پڑھے ہوئے تھے، اس طرح میں بفضلہ تعالیٰ سب سے پہلا فارغ التحصیل عالم ہوا، علاقے کے بعض علماء اسلامک یونیورسٹی مدینہ منورہ سے B.A. اور M.Phil کی ڈگریاں حاصل کر چکے تھے، لیکن اللہ کے فضل و کرم سے سب سے پہلے ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ سے مجھے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

تعلیمی مراحل: (۱) مکتب سے لے کر عربی کی جماعت ثانیہ تک کی تعلیم قدیم جماعتی ادارہ مدرسہ مظہر العلوم اوسان کونیاں میں حاصل کی، ابھی میں درجہ پغلاں ہی میں تھا کہ والد محترم رحمہ اللہ واسکنہ فسیح جناتہ کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گیا، اس کے بعد چچا محترم رحمہ اللہ واسکنہ فسیح جناتہ کے زیر نگرانی اور والدہ ماجدہ رحمہا اللہ واسکنہا فسیح جناتہ کے زیر تربیت تعلیم حاصل کرنے لگا، والدہ پڑھی لکھی تو نہیں تھیں لیکن صوم و صلاۃ کی مکمل پابند اور دیندار تھیں، ہم دو بھائیوں اور ایکیلی بہن کو صلوات کی تلقین کرتی رہتیں اور اس سلسلے میں ہمارا احتساب بھی کرتی تھیں، رات میں بستر پر لیٹتے وقت ان کی پر خلوص و پرسوز دعائیں آج بھی کانوں میں رس گھولتی رہتی ہیں کہ اے اللہ میرے بیٹے کو عالم دین بنانا، میں سمجھتا ہوں کہ اللہ کے فضل و کرم کے بعد والدہ ماجدہ کی دعاؤں کا ثمرہ ہے کہ میں کسی لائق بن سکا۔ گھر اور خاندان میں کوئی رہنمائی کرنے والا نہیں تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے شروع سے لے کر آخر تک مجھ میں مسابقت کا جذبہ ودیعت کر رکھا تھا، اس لئے کلاس میں پہلی پوزیشن، بلکہ اکثر پورے مدرسہ میں پہلی پوزیشن رہتی تھی۔ (۲) جماعت ثالثہ سے جماعت خامسہ تک جامعہ اسلامیہ فیض عام منوناتھ بھجن میں پڑھا وہاں بھی جماعت میں پہلی پوزیشن حاصل ہوتی رہی۔ (۳) جماعت سادسہ سے جماعت ثامنہ تک کی تعلیم جنوبی ہند کی معروف درسگاہ جامعہ دارالسلام عمر آباد میں مکمل کی، اور سند فضیلت حاصل کی، یہاں بھی دوسری تیسری پوزیشن حاصل ہوتی رہی، ہم لوگوں کے حفل التخرج میں عالم اسلام کی مشہور اسلامک یونیورسٹی مدینہ منورہ کے وائس چانسلر عالیجناب ڈاکٹر عبداللہ زائد تشریف لانے والے تھے، مگر قضا و قدر کا فیصلہ کچھ اور تھا، حفل التخرج سے پہلے جلالتہ الملک خالد بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا انتقال ہو گیا۔ بنا بریں وائس چانسلر صاحب کا معذرتی ٹیلی گرام آ گیا۔

دیر آید درست آید: سعودی جامعات میں اعلیٰ تعلیم کے لئے داخلہ سے متعلق جو کچھ میرے ساتھ پیش آیا وہ ”عسی ان

تکرہوا شیئاً و هو خیر لکم“ کی عملی تفسیر تھا، ہوا یوں کہ ۱۹۸۱ء میں ہم لوگوں کی فراغت کے سال اسلامک یونیورسٹی مدینہ کے وائس چانسلر نے یہ وعدہ کیا تھا کہ ہم دارالسلام عمر آباد کے تین طلبہ کو داخلہ دیں گے، نمبرات و عمر کی نئی شرطوں پر ہمارے ساتھیوں میں سے صرف ہم تین ہی ساتھی پورے اتر رہے تھے، میں، عبدالمقیت، فرید الدین، مگر نہ جانے کیوں جامعہ والوں نے اور ساتھیوں کے کاغذات بھیج دیئے تھے، قضا و قدر کے تحت دو شرط والوں کا داخلہ ہوا میرا داخلہ نہ ہو کر ایک تیسرے غیر شرط والے کا داخلہ ہو گیا، بظاہر یہ معاملہ تکلیف دہ اور ناپسندیدہ تھا، لیکن میرے لئے اس میں خیر کے پہلو چھپے تھے، اس کے بعد والے سال میں اتفاق سے مدینہ یونیورسٹی میں ہندوستان سے کسی کا داخلہ نہ ہوا، ان دنوں فراغت کے بعد دو سال گزر جانے پر مدینہ یونیورسٹی میں انقطاع در اسہ کی شرط کی وجہ سے کسی طالب علم کا داخلہ نہیں ہوتا تھا، اس طرح مدینہ یونیورسٹی میں میرا داخلہ نہ ہو سکا، تیسرے سال جامعہ دارالسلام کی جانب سے ام القریٰ یونیورسٹی میں میرے داخلہ کی کوشش ہوئی جو کامیاب رہی اور میرا داخلہ ام القریٰ مکہ مکرمہ میں ہو گیا۔

اس میں میرے لئے جو خیر کا پہلو تھا اس کی تفصیل یہ ہے کہ ان دنوں مدینہ یونیورسٹی میں ہندوستانی طلبہ کے لئے دراسات علیا کا دروازہ مکمل طور پر بند تھا، اس لئے میرے جن ساتھیوں کا وہاں داخلہ ہوا وہ صرف B.A. کر سکے، میرا داخلہ اگرچہ دو سال بعد ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ جیسی متبرک جگہ، جس کے حرم میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ملتا ہے، میں سترہ سال سے زائد عرصہ تک قیام کی سعادت نصیب فرمائی اور ام القریٰ یونیورسٹی سے معہ اللغہ کے تمام الدر اسہ، کلیۃ اللغہ سے B.A., PhD. M.Phil. ڈگریاں حاصل کرنے کا زریں موقعہ عنایت فرمایا، یہ بھی واضح کر دوں کہ اللہ کے فضل و کرم سے میں پہلا ہندوستانی طالب علم تھا جس نے ام القریٰ میں شروع سے آخر تک تمام تعلیمی مراحل کو مکمل کیا تھا، مجھ سے پہلے جن لوگوں نے پی ایچ ڈی کی تھی وہ B.A. مدینہ یونیورسٹی سے کئے ہوئے تھے، ام القریٰ یونیورسٹی کے تمام تعلیمی مراحل میں امتیازی نمبرات اور پوزیشن حاصل ہوتی رہی نیز امتیازی تمنغے بھی ملتے رہے، بالخصوص کلیۃ اللغہ سے جس سال کلیہ میں میری پہلی پوزیشن تھی، یہ مجھ جیسے عجمی طالب علم کے لئے یقیناً اعزاز کی بات تھی۔

تعلیمی مراحل کی ترتیب کے ساتھ قابل ذکر اساتذہ کرام: مدرسہ مظہر العلوم اوسان کونیاں میں مکتب کے اساتذہ میں سے مولانا غیث اللہ صاحب ٹکریا، منشی عبدالوہاب صاحب کر تھی ڈیہہ، ماسٹر محمد ہارون پیر گڈی رحمہم اللہ اور ماسٹر عبدالکیم حفظہ اللہ، عربی درجات کے اساتذہ میں سے ناظم مدرسہ مولانا عبدالقدوس صاحب رحمہم اللہ، قاری ابوالقاسم صاحب، مولانا عزیز الرحمن سلفی صاحب (تینوں کا تعلق ٹکریا سے ہے) مولانا ابوالعاص و حیدی صاحب اہرا ڈیہہ، حال مقیم ڈومریا گنج، حفظہم اللہ قابل ذکر ہیں۔

جامعہ اسلامیہ فیض عام میں قابل ذکر اساتذہ کرام قاری عبدالسبحان رحمہم اللہ منو، مولانا محفوظ الرحمن صاحب فیضی منو، قاری نثار احمد فیضی صاحب منو، مولانا سہیل احمد صاحب مدنی منو، حفظہم اللہ، مولانا محمد حنیف صاحب مدنی رحمہم اللہ، ماسٹر رفیع اللہ صاحب اداری تھے۔ جامعہ دارالسلام عمر آباد میں جن اساتذہ کرام سے شرف تلمذ حاصل ہوا ان کے اسماء گرامی یہ ہیں: مولانا عبدالواجد صاحب رحمانی، مولانا ظہیر الدین رحمانی اثری، مولانا عبدالسبحان اعظمی عمری، مولانا سید امین صاحب عمری، مولانا امین احمد صاحب عمری، مولانا سید عبدالکبیر صاحب عمری، مولانا اطہر حسین صاحب مدنی رحمہم اللہ رحمتہ واسعہ، مولانا حفیظ الرحمن صاحب اعظمی عمری مدنی، مولانا ظفر الحق صاحب عمری، مولانا ابوالبلیان حماد صاحب عمری متعنا اللہ بطول حیاتہم الطیبۃ۔

ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ میں قابل ذکر اساتذہ کے اسماء گرامی یہ ہیں: دکتور سلیمان العائد، دکتور عیاد عید الشیبتی،

دکتر عبداللطیف خلیف (مصر)، دکتر محمد المختار محمد المہدی (مصر)، دکتر عبدالرحمن محمد اسماعیل (مصر)، دکتر عبدالحسن العمیری، دکتر عبدالفتاح البرکاوی (مصر) وغیرہم۔

چند قابل ذکر تلامذہ یہ ہیں: زبیر احمد مدنی ہرہٹہ بلرام پور، محمد ہارون مدنی موڑا ڈیہہ سدھارتھ نگر، فضل الرحمن مدنی کونٹی سدھارتھ نگر، قربان علی مدنی بہار، ابوسعید فیضی پھریندا سدھارتھ نگر، عزیز الرحمن فیضی مالده بنگال، ظہیر احمد فیضی بہار۔

تدریسی خدمات: ۱۹۸۱ء میں جامعہ دارالسلام عمر آباد سے فراغت کے بعد مولانا عبدالغنی سیفی عمری رحمہ اللہ ناظم جامعہ محمدیہ رائیدرگ کے فرزند ارجمند برادر کے عبدالمالک عمری جو اس وقت دارالسلام میں زیر تعلیم تھے وہ مصر ہو گئے کہ والد صاحب کی خواہش ہے کہ آپ رائیدرگ چلیں۔ وہاں تدریس کا معاملہ طے کر کے پھر اپنے وطن جائیں، ان کی حسب خواہش برادر عبدالمالک کے ساتھ جامعہ محمدیہ رائیدرگ پہنچا، تدریس کا معاملہ طے کر کے وطن واپس لوٹا، اس طرح ۸۲-۱۹۸۱ء کے مکمل تعلیمی سال اور ۸۳-۱۹۸۲ء کے تعلیمی سال میں عید الاضحیٰ کے کچھ دنوں بعد تک وہاں تدریسی فریضہ انجام دیا۔

عید الاضحیٰ کی چھٹی میں گھر آیا ہوا تھا، واپسی میں مونا تھ بھنجن ہوتے ہوئے جانا تھا، وہاں استاذ محترم قاری نثار احمد صاحب فیضی، مولانا محفوظ الرحمن صاحب فیضی حفظہما اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی، اساتذہ کرام نے کہا اتنی دور کیوں چلے گئے، یہاں ضرورت ہے چلے آؤ، انہیں حضرات نے بات ناظم اعلیٰ مفتی حبیب الرحمن صاحب فیضی رحمہ اللہ تک پہنچائی، چنانچہ یہ سوچ کر کہ جامعہ فیض عام جماعت کا معروف ترین ادارہ نیز مادر علمی بھی ہے اور رائیدرگ کے بالمقابل وطن سے بہت قریب ہے اس لئے وہاں تدریس کا معاملہ طے کر لیا، ذہن میں یہ بات تھی کہ رائیدرگ والے میری دوری والے مجبوری اور میری اس مصلحت (فیض عام میں ملازمت سرکاری ہو جانے کی امید) کا خیال کرتے ہوئے بطیب خاطر مجھے چھوڑ دیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، میں وہاں پہنچ کر چند ہی دن میں جامعہ اسلامیہ فیض عام واپس آ گیا، اس طرح ۸۳-۱۹۸۲ء والے تعلیمی سال میں عید الاضحیٰ کے بعد سے سال کے آخر تک اور ۸۴-۱۹۸۳ء والے تعلیمی سال میں تقریباً نصف سال تک وہاں تدریسی خدمات انجام دیا، دونوں ہی اداروں میں اونچی جماعتوں تک کی کتابیں زیر تدریس تھیں، اس کے بعد جامعہ ام القرئی مکہ مکرمہ حرسہا اللہ من کید الکائدین وصانہا من کل مکروہ میں داخلہ کی سعادت نصیب ہوئی اور دنیا کے مقدس و تبرک ترین شہر مکہ کی جانب عازم سفر ہو گیا، بفضلہ تعالیٰ وہاں ۸۵-۱۹۸۴ء سے لے کر ۰۲-۲۰۰۱ء کے تعلیمی سال تک، یعنی تقریباً سترہ سال سے زائد طویل عرصہ وہاں رہنے کا شرف حاصل ہوا۔

● ۲۰۰۲ء میں دکتورہ کی تکمیل کے بعد جمعیت ندوۃ السنۃ اٹوار بازار سدھارتھ نگر میں تدریسی فرائض انجام دینے کے لئے آ گیا، اسی سوسائٹی کے ادارہ کلیہ حفصہ اسلامیہ للبنات (جہاں فضیلت تک کی بہترین تعلیم ہوتی ہے) میں تدریسی فرائض انجام دینے لگا، دوسرے ہی سال سوسائٹی کے تمام تعلیمی اداروں کا تعلیمی نگران یا بلفظ دیگر ناظم تعلیمات بنایا گیا، اسی وقت سے ۱۴-۲۰۱۳ء کے نصف تک جیسا کچھ اللہ نے توفیق بخشی اس فریضے کو انجام دیا، نتیجتاً امتحانات کے اصول و ضوابط میں تبدیلی آئی، امتحانات میں بہتری آئی، معیار تعلیم بلند ہوا، اس عرصے کے طلبہ اور اساتذہ اس کے گواہ ہیں ۲۰۱۰ء میں جب جامعۃ الفاروق الاسلامیہ کا قیام عمل میں آیا تو اس کا عمید بنایا گیا، جب تک عمید رہا جامعہ کے نظم و نسق، تعلیم و تربیت میں بجز اللہ کوئی خلل نہیں پایا گیا، ۱۴-۲۰۱۳ء میں نظامت تعلیمات و عمادات سے مستعفی ہونے کے بعد صرف تدریس کا فریضہ انجام دے رہا ہوں۔

تدریس کے اس دوسرے دور میں تقریباً چھ مہینہ کا خلل واقع ہوا ہے، ہوا یوں کہ خرچ کے اضافہ اور راتب کی قلت کے دور سے گذر رہا تھا اسی درمیان سنا کہ وزارت الشئون الاسلامیہ ریاض سے تعاقد ہو سکتا ہے، اس کے لئے ریاض جانا ضروری تھا، میرے کرم فرما فضیلۃ الشیخ عبدالملک مجاہد حفظہ اللہ ڈائریکٹر مکتبہ دارالسلام ریاض نے بڑی کرم فرمائی کی، ویزہ و ٹکٹ بھیج کر اچھی تنخواہ پر دارالسلام میں کام کرنے کے لئے بلالیا، ملازمت کے ساتھ ساتھ وزارت الشئون میں مراجعہ کرتا رہا، اللہ کا فضل و کرم رہا کہ میرے علمی کاموں کو دیکھتے ہوئے یا اللہ جانے کسی اور وجہ سے تحریری امتحان اور انٹرویو دونوں سے مجھے استثناء مل گیا اور تعاقد ہو گیا، جب میں نے شیخ موصوف کو اس کی خبر دی اور عقد کی فوٹو کا پی دکھائی تو بہت خوش ہوئے، کہا آپ اپنے بچوں کے ساتھ وطن میں رہیں یہ بہتر ہے، اس سے پہلے وطن میں رہتے ہوئے آپ نے میرا کام کیا ہے بعد میں بھی ضرورت پڑنے پر کریں گے، چنانچہ ایک اچھے ہوٹل میں وداعی پارٹی دی، حسن کارکردگی پر مشتمل ایک شیلڈ عطا کی، چھ مہینے کی قلیل مدت میں واپسی کا ٹکٹ دے کر دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا، حسب وعدہ واپس آ کر ندوۃ السنہ میں تدریسی فریضہ انجام دینے لگا، یہ ۱۳-۲۰۱۲ء کا واقعہ ہے۔

تالیفات: ۱۔ ماجستر کارسالہ بعنوان ”الاقتصادی اللغوی ومظاہرہ فی العربیہ (غیر مطبوع)

۲۔ تیسیر النحو (عربی): ہدایۃ النحو کی جگہ پڑھانے کے لئے بطور نصابی کتاب میں نے اس کی تالیف کی ہے، کتاب سوالات و تمرینات پر مشتمل ہے، ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ نے اس کے لئے ایک عمدہ مقدمہ لکھا تھا اور اہل مدارس سے اس کو داخل نصاب کرنے کی سفارش کی تھی، بالفعل یہ کتاب بہت سارے مدارس و جامعات میں داخل نصاب ہے، میرے لئے اعزاز و خوشی کی بات ہے کہ مادر علمی جامعہ دارالسلام میں بھی یہ کتاب داخل نصاب ہو چکی ہے، کتاب کے کئی ایڈیشن ندوۃ السنہ سے چھپ چکے ہیں۔

۳۔ تیسیر النحو (اردو): کچھ اداروں بالخصوص نسواں اداروں کا کہنا تھا کہ عربی نسخہ طالبات کے لئے مشکل ہے اس لئے اس کتاب کا اردو ایڈیشن تیار کر دیں، چنانچہ یہ ایڈیشن تیار کیا گیا اور مکتبۃ الفہیم منوناتھ بھجن نے اس کو شائع کیا ہے۔

۴۔ تیسیر قواعد التخفیف والاعلال والادغام: یہ کتاب فن صرف سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے عموماً اور علم الصیغہ و امین الصیغہ پڑھنے اور پڑھانے والوں کے لئے خصوصاً ترتیب دی گئی ہے، اسے مکتبہ نعیمیہ منوناتھ بھجن نے شائع کیا ہے۔

۵۔ البلغۃ فی مفردات اللغۃ: یہ کتاب باکورة الادب کی جگہ پڑھانے کے لئے ترتیب دی گئی ہے، بار بار چھپنے کے باعث باکورة الادب کے بہت سارے کلمات میں تصحیف ہو چکی ہے، اس کے بعض کلمات متروک ہو چکے ہیں، ضرورت کے بہت سارے کلمات اس میں نہیں تھے، انہیں وجہ و اسباب کی بنا پر البلغۃ کو میں نے ایک اچھی ترتیب کے ساتھ مرتب کیا، یہ کتاب بھی بہت سے مدارس و جامعات میں داخل نصاب ہے، اسے ندوۃ السنہ اور بعض دیگر مکتبات نے بھی چھاپا ہے۔

۶۔ تیسیر تصریف الاسماء: ہندوستان کے مدارس میں صرف کی جو کتابیں داخل نصاب ہیں ان میں اکثر و بیشتر کا اہتمام اشتقاق و افعال کے مباحث پر ہوتا ہے، اشتقاق سے ہٹ کر اسماء سے متعلق مباحث بالکل تشہرہ جاتے ہیں، اس تشنگی کو بچھانے کے لئے بعض اداروں میں شذالعرف داخل نصاب ہے، مگر اس کتاب کا معیار بہت اونچا ہے جسے سمجھنا اور ہضم کرنا طلبہ کے لئے مشکل ہوتا ہے، اس لئے اسماء کے مذکورہ مباحث کو آسان اور سہل انداز میں اکٹھا کرنے کے لئے اس کتاب کو ترتیب دیا ہے، کتاب غیر مطبوع ہے، کمپوزنگ کے لئے دی گئی ہے۔

تحقیق و تراجم: ۱۔ دکتور اہ کارسالہ ”الهدایة فی شرح الکفایة للشعبان الأثاری کے ایک جزء کی تحقیق۔

۲۔ مولانا صلاح الدین یوسف کی تفسیر ”احسن البیان“ کا اردو سے عربی ترجمہ، مکتبہ دارالسلام ریاض کے ڈائریکٹر فضیلۃ الشیخ عبدالمالک مجاہد حفظہ اللہ نے اس ترجمہ کا مطالبہ کیا تھا تا کہ اس کو بنیاد بنا کر فرانسسیسی وغیرہ میں ترجمہ کرائیں، عربی ترجمہ پسند آجانے پر اسے عربی میں بھی شائع کرنے کا ارادہ تھا، مگر مطبوع کتابوں کی مارکیٹنگ مدہم پڑ جانے کی وجہ سے غالباً یہ ترجمہ نہ چھپ سکا۔

۳۔ نواب صدیق حسن خان قنوجی کے فارسی فتاویٰ پر مشتمل ضخیم کتاب ”دلیل الطالب علی أرجح المطالب“ کا فارسی سے عربی ترجمہ، شیخ الحدیث علامہ محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ نے جناب ڈاکٹر محمد لقمان سلفی حفظہ اللہ کو اس ترجمہ کے لئے مکلف کیا تھا، مگر عدیم الفرستی کے باعث وہ نہ کر سکے تو انہوں نے مجھ سے اس کا مطالبہ کیا، میں نے ترجمہ کر کے دے دیا تھا، موصوف ڈاکٹر صاحب نے اپنے مکتبہ دارالداعی ریاض سے نصف اول کو آٹھ سو سے زائد صفحات پر مشتمل شائع کیا تھا، چھپے ہوئے نسخے ختم ہو چکے ہیں، اب موصوف ڈاکٹر صاحب پوری کتاب شائع کرنا چاہتے ہیں، اللہ کرے یہ کام جلد مکمل ہو جائے۔

۴۔ نواب صدیق حسن خان قنوجی کی کتاب ”سلسلۃ العسجد فی ذکر مشائخ السند“ کا فارسی سے عربی ترجمہ، فضیلۃ الشیخ فلاح بن خالد المطیری حفظہ اللہ رئیس لجنۃ القارۃ الہندیۃ بالکویت کے خرچ اور فضیلۃ الشیخ عارف جاوید محمدی حفظہ اللہ کی طلب پر یہ ترجمہ مکمل ہوا، مکتبہ نظام یعقوبی الخاصۃ، بحرین نے اس کو شائع کیا ہے۔

۵۔ ڈاکٹر محمد علی الصلابی کی کتاب ”سیرۃ الحسن بن علی رضی اللہ عنہما“ کا عربی سے اردو ترجمہ، اسے ندوہ السنہ نے شائع کیا ہے۔
۶۔ فضیلۃ الشیخ محمد جمیل زینور رحمہ اللہ کی کتاب ”العقیدۃ الاسلامیۃ فی ضوء الكتاب والسنة“ کا عربی سے اردو ترجمہ، جو مکہ مکرمہ میں بارہا چھپا اور مفت تقسیم ہوا۔

۷۔ علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی کتاب ”وجوب الاخذ باحادیث الاحاد فی العقیدۃ کا عربی سے اردو ترجمہ (غیر مطبوع)۔“

۸۔ فضیلۃ الشیخ محمد خلیل مہراں کی کتاب ”الحركة الوهابية“ کا عربی سے اردو ترجمہ (غیر مطبوع)۔

نظر ثانی و مراجعات: ۱۔ مجمع ملک فہد برائے طباعت قرآن مجید، مدینہ منورہ کی جانب سے ”القرآن الکریم و ترجمۃ معانیہ و تفسیرہ الی اللغة الاردیة“ کے عنوان سے مولانا محمد جونا گڑھی رحمہ اللہ کا ترجمہ اور مولانا صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کی جو تفسیر چھپی ہے، اس کے نظر ثانی و مراجعہ میں اگرچہ فضیلۃ الدکتور وصی اللہ بن محمد عباس حفظہ اللہ کے ساتھ فضیلۃ الدکتور اختر جمال لقمان کا نام درج ہے، مگر بالفعل فضیلۃ الدکتور وصی اللہ محمد عباس حفظہ اللہ کے ساتھ نظر ثانی و مراجعہ کا شرف مجھے حاصل رہا۔

۲۔ ۳۔ فضیلۃ الشیخ عارف جاوید محمدی حفظہ اللہ نے پاکستان میں نواب صدیق حسن خان قنوجی سے متعلق ایک اکیڈمی قائم کی ہے، اسی اکیڈمی سے ان کی دو ضخیم کتابوں (۱) ”دلیل الطالب علی أرجح المطالب“، (۲) ”هدایة السائل الی ادلة المسائل“ کا فارسی سے اردو ترجمہ ہوا ہے، شیخ عارف صاحب کی طلب پر دونوں ترجموں پر نظر ثانی و مراجعہ کا شرف مجھے حاصل رہا۔

۴۔ شاگرد رشید زبیر احمد عبدالمعبود مدنی حفظہ اللہ کی تالیف ”تسهیل العوامل شرح مائة عامل بشکل سوال و جواب“ پر

نظر ثانی و مراجعہ۔

مقالات و مضامین: مختلف سیمیناروں اور کانفرنسوں میں شرکت کا موقع ملا، ان میں سے اکثر میں مقالات پڑھنے کا موقع میسر ہوا، حسب ضرورت بعض مجلات میں مضمون لکھے، مذکورہ مقالات و مضامین کی تفصیل باعث طوالت ہوگی اور اسے ذکر کرنا میں مناسب بھی نہیں سمجھتا۔

شادی، اولاد و احفاد: میری شادی خسر محترم سرتاج علی رحمہ اللہ کی بڑی صاحبزادی فاطمہ سے ہوئی، وہ صوم و صلاۃ اور تلاوت قرآن کی پابند ایک نیک خاتون اور خیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ کی مصداق ہیں، گھر کی اقتصادی حالت کو سدھارنے اور میری علمی ترقیوں میں ان کی حکمت عملی اور قربانیوں کا بڑا دخل ہے، اللہ تعالیٰ انہیں مزید نیک بنائے اور جنت الفردوس میں بھی ہماری رفاقت برقرار رکھے، آمین۔

ان کے بطن سے پانچ بچے اور دو بچیاں پیدا ہوئیں: ۱۔ عبدالعظیم، حفظ و عالمیت مکمل کرنے کے بعد جامعہ ملیہ اسلامیہ سے B.A. اور عظیم پریم جی یونیورسٹی بنگلور ڈیپلمنٹل اسٹڈیز میں M.A. میں شریک ہوئے اور پہلی دوسری پوزیشن حاصل کرتے رہے، اب I.A.S. کے لئے کمپیشن کی تیاری کر رہے ہیں، اللہ انہیں کامیابی عطا فرمائے آمین۔ ۲۔ عبدالمجید، خیر العلوم ڈومریا گنج سے حفظ، جامعہ اسلامیہ سنابل دہلی سے عالمیت و فضیلت مکمل کر کے شعبہ حفظ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے، فی الحال M.I. موبائل کمپنی کا اسٹور لے کر تجارت کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی تجارت کو باعث خیر و برکت بنائے۔ آمین۔ ۳۔ عبدالعزیز: جامعہ اسلامیہ سنابل دہلی سے عالمیت و فضیلت کر کے جامعہ ملیہ اسلامیہ سے B.A. کر رہے ہیں، ساتھ ہی ساتھ اسپینی زبان میں ڈپلوما کر رہے ہیں۔ ۴۔ عبدالعلیم: مکتب کی تعلیم کے بعد عصری تعلیم میں لگ گئے، اس سال B.Tech. انجینئرنگ کے آخری سال میں ہیں۔ ۵۔ عبدالحکیم: جامعۃ الفاروق الٹو بازار کے شعبہ حفظ سے حفظ قرآن مکمل کر کے فی الحال جامعہ اسلامیہ سنابل دہلی میں جماعت سادہ میں پڑھ رہے ہیں۔ ۶۔ شبنم: ندوۃ السنہ اٹوا کے ماتحت چلنے والا ادارہ، کلیہ حفصہ اسلامیہ للبنات میں جماعت خامسہ کی طالبہ ہیں، اس کلیہ میں دینیات کی اچھی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم کا بھی نظم ہے، چنانچہ بچیاں جماعت رابعہ میں ہائی اسکول اور جماعت سادہ میں انٹر کا امتحان دیتی ہیں چنانچہ انہوں نے جماعت رابعہ میں ہائی اسکول کا امتحان %80 نمبرات حاصل کر کے پاس کیا ہے۔ ۷۔ صفیہ، یہ بھی مذکورہ کلیہ میں اس سال جماعت رابعہ کی طالبہ ہیں اور اس سال اسکول کا بھی امتحان دیں گی۔

بجملہ اللہ سارے بچے اور بچیاں صوم و صلاۃ کی پابند اور دین پسند ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں مزید دین دار بنائے اور زندگی میں خوشحالی عطا فرمائے آمین۔

ایک شبہ کا ازالہ: اپنے اس سوانحی خاکہ میں میں نے اپنی بعض خوبیوں کا تذکرہ اظہار حقائق و تحدیث نعمت کے طور پر کیا ہے، معاذ اللہ خود نمائی و خود ستائی مقصود نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ان باتوں سے کوسوں دور رکھے، آمین و صلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و علی آلہ و أصحابہ أجمعین۔

(مضمون مرسلہ از شیخ محترم بذریعہ میل)



مولانا اسعد اعظمی حفظہ اللہ۔ مونا تھ بھجن

استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

ولادت ستمبر ۱۹۶۶ء

ہلال ہدایت

ایڈیٹر ماہنامہ الاتحاد، ممبئی

نام و نسب: اسعد اعظمی بن محمد انصاری بن عبدالعلی بن عبداللہ بن سلیم اللہ بن حکیم جمال الدین۔

تاریخ پیدائش: ۱۵ ستمبر ۱۹۶۶ء کو محلہ ڈومن پورہ مٹو میں ہوئی۔

آپ کا تعلق صوبہ اتر پردیش کے مشہور صنعتی شہر مٹو سے ہے جو علم و فضل اور تعلیم و تعلم کے لحاظ سے ایک نمایاں مقام رکھتا ہے، عرصہ دراز سے یہاں کتاب و سنت کی تعلیم کا چرچا رہا ہے، شہر مٹو کے بہت سارے علماء نے شیخ الکل فی الکل سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا اور آپ کے حلقہ درس میں شامل ہو کر علمی تشنگی بجھائی، میاں صاحب کے تلامذہ میں مولانا عبداللہ غازی پوری (صدر اول جمعیت اہل حدیث ہند) مولانا ابوالمعالی محمد علی فیضی، مولانا محمد نعمانی، مولانا حکیم محمد سلیمان بن داؤد وغیرہ مٹو علماء قابل ذکر ہیں انہیں نفوس قدسیہ کی بدولت شہر مونا تھ بھجن میں کتاب و سنت کا پرچم بلند ہوا اور اسلامی تعلیمات کا دور درہ ہوا۔

خاندانی پس منظر: شیخ اسعد اعظمی حفظہ اللہ نے خالص دینی و علمی فضا میں آنکھیں کھولیں اور دینی آغوش میں پرورش و پرداخت پائی، جس میں ابتدا ہی سے علم دوستی، قرآن و حدیث سے والہانہ لگاؤ اور علماء سے خصوصی تعلقات کے جذبات موجود تھے، آپ کی پیدائش ملک کے مشہور صنعتی اور گہوارہ علمی شہر مونا تھ بھجن میں ۱۵ ستمبر ۱۹۶۶ء کو محلہ ڈومن پورہ کساری میں ہوئی۔ اس محلہ سے استاذ الاجیال ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری (سابق صدر جامعہ سلفیہ بنارس)، مولانا مختار احمد ندوی، (سابق امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند و مؤسس جامعہ محمدیہ منصورہ مالیکاؤں) فیض الحسن فضا بن فیضی (معروف سلفی شاعر)، پروفیسر ڈاکٹر نور الحسن انصاری (ادیب)، جیسی غیر معمولی اور مجمع الفحول ہستیوں نے جنم لیا۔

شیخ کے والد محترم مولانا محمد اعظمی صاحب حفظہ اللہ کو علامہ سید نذیر حسین محدث دہلوی کے متعدد شاگردوں سے براہ راست شاگردی کا شرف حاصل ہے، اس طرح صرف ایک واسطے سے آپ کی سند حدیث سید میاں نذیر حسین صاحب سے ملتی ہے، اس شرف کے حامل اس وقت شاز و نادریلیں گے، اس سند عالی کی وجہ سے ملک و بیرون ملک سے لوگ سند اجازہ کے لئے برابر آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ متعدد لوگوں نے حدیث کی کوئی کتاب مکمل بنا کر اجازہ حاصل کی، بیشتر اطراف پڑھ کر سند لیتے ہیں۔

آپ کے جد امجد حکیم جمال الدین صاحب مرحوم نہایت ہی متقی اور پرہیزگار شخص تھے، آپ کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا

جاسکتا ہے کہ جس محلہ میں آپ کا قیام تھا اسے آپ کی طرف منسوب کر کے ”جمال پورہ“ کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔ آپ کے صاحب زادے حاجی عبدالرحمن شہید میاں صاحب دہلوی کے شاگرد تھے، علامہ شبلی نعمانی کے استاد مولانا فیض اللہ منوئی کے ساتھ آپ مدرسہ عالیہ عربیہ کی بنیاد رکھنے میں شانہ بشانہ رہے، لیکن ایک رات غلط فہمی کے سبب گھر لوٹتے وقت غیر مسلموں نے آپ کو شہید کر دیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حاجی عبدالرحمن شہید کے صاحب زادے مولانا محمد نعمان اعظمی مرحوم ایک عظیم المرتبت عالم تھے آپ نے بھی شیخ الکل فی الکل حضرت میاں صاحب سے شاگردی کا شرف حاصل کیا، ۱۹۱۹ء میں جب تحریک خلافت اٹھی تو منوئا تھ بھجن میں بھی خلافت کمیٹی نے قومی عدالت قائم کی، مولانا اس تحریک سے وابستہ رہے، آپ نے تقریباً ربع صدی تک جامعہ دارالسلام عمر آباد میں تدریسی خدمات انجام دیں، آپ کا انتقال بوقت تدریس ہی ۱۹۵۱ء میں ہوا۔

شیخ اسعد اعظمی حفظہ اللہ کے دادا جناب مولانا عبدالعلی بن عبداللہ مرحوم کا شمار ان شخصیتوں میں ہوتا ہے جنہوں نے پوری زندگی خدمت خلق کے لئے وقف کر دی۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا خلیل الرحمن سہارنپوری (صاحب بذل الجہود)، مولانا ابونعمان، مولانا عبداللہ شائق وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ جامعہ محمدیہ کھیدر پورہ منوئی میں آپ نے ایک عرصہ تک تدریسی خدمات انجام دیں، بعد ازاں جامعہ عالیہ عربیہ منوئی میں صدر مدرس کے عہدے پر فائز ہوئے اور تاحیات اس خدمت کو انجام دیتے رہے، آپ ایک مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین داعی و مقرر و خطیب بھی تھے، آپ کی وفات حسرت آیات ۱۹۶۷ء میں ہوئی، اللہم اغفرلہ وارحمہ۔

تعلیمی سفر: شیخ اسعد اعظمی حفظہ نے تعلیمی سفر کا آغاز محلہ ہی کے مدرسہ عالیہ عربیہ سے کیا، کم عمری ہی میں حفظ قرآن مکمل کیا اور پھر ثنائیہ، عالمیت، فضیلت کی اسناد بدرجہ ممتاز حاصل کیں، بعد ازاں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے سعودی عرب کا رخ کیا۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے کلیتہً القرآن سے ۱۴۱۰ھ میں بی اے کیا، جامعۃ الملک سعود ریاض کی قسم اعداد المعلمین سے ہائر ڈپلوما، معہد الائمة والدعاة مکہ مکرمہ سے ایم اے کی ڈگری بدرجہ ممتاز حاصل کیں، علاوہ ازیں لکھنؤ یونیورسٹی سے عربی ادب میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ **درس و تدریس:** تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے تدریسی میدان میں قدم رکھا، جس کی شروعات ۱۹۹۴ء میں جامعہ اشریہ دارالحدیث منوئی سے کی، آپ وہاں تفسیر، حدیث، عقیدہ، ادب، نحو وغیرہ فن کی کتابوں کا درس دیتے رہے، اس دوران جامعہ اشریہ کے میگزین ”آثار“ کی ادارت بھی بہت کامیاب طریقے سے فرمائی۔

جامعہ سلفیہ بنارس میں درس و تدریس کا آغاز: فروری ۲۰۰۳ء میں جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں آپ کی تقرری ہوئی، تادم تحریر آپ اسی ادارہ سے منسلک ہیں، آپ کے زیر درس عربی ادب، انشاء، صحافت، علوم القرآن جیسے اہم فن کی کتابیں ہیں۔ آپ تدریس کے لئے وقت مقررہ پر کلاس میں جلوہ افروز ہوجاتے ہیں، پورے سکون و اطمینان اور پوری تیاری کے ساتھ طلباء کے سامنے فیضان علم کا دریا بہاتے ہیں، آپ کے اندر مستقل مزاجی بدرجہ اتم موجود ہے۔

رازاہائے کامیابی: کسی شخص کے کامیابی کے لئے ناگزیر ہے کہ اس کے اندر رازاہائے کامیابی کے عناصر موجود ہوں ورنہ انسان کتنا ہی بڑا دانشور اور مفکر کیوں نہ ہو اس کو کامیابی ملنا محال ہے، جن میں قابل ذکر وقت کی قدر و قیمت، مستقل مزاجی، نظم و نسق ہیں۔ شیخ ہمیشہ وقت کی پابندی کرتے ہیں، کلاس میں وقت متعینہ پر پہنچتے ہیں، راقم کوشیخ کے زیر نگرانی لگا تار دو سال تک شرف تلمذ حاصل

ہے اور معلوم ہے کہ شیخ کتنا وقت کے پابند ہیں، اور کس درجہ شیخ میں نظم و نسق کی قوت موجود ہے، آپ جو کرنے کا عزم کرتے ہیں الحمد للہ اس کو پائے تکمیل تک پہنچا کر ہی دم لیتے ہیں، کسی کام کو کرنے کا پورا حوصلہ رکھتے ہیں۔ شیخ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ دوران تدریس طلباء کو کس طرح ذہنی یکسوئی حاصل ہو اس کا مکمل ہنر رکھتے ہیں۔

اخلاق و عادات: اخلاق و عادات بنی نوع انسان کا وہ متاع ناگزیر ہے جس کے بغیر ترقی کی راہ پر قدم رکھنا ممکن نہیں، اسلام کی بنیاد اخلاق کریمانہ پر ہی قائم ہے۔ شیخ اخلاق کے پیکر مجسم ہیں، آپ خوش طبع، خوش مزاج، ملنسار ہیں، متانت و سنجیدگی ورثہ میں ملی ہے۔ شیخ کے اندر اپنائیت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے، لمحہ بھر میں کوئی بھی شخص شیخ کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ انہیں صفات کی بنا پر اساتذہ و طلباء کے درمیان یکساں طور پر مقبول ہیں۔ طلباء کو اگر درس یا خارجی مضامین میں کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی ہے اور شیخ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو آپ اس کو تشفی بخش جواب دیتے ہیں یا بسا اوقات طلباء کو مزید مطالعہ کے لئے اصل کتاب کی جانب رہنمائی کر دیتے ہیں تاکہ طلباء کے علم میں گہرائی و گیرائی پیدا ہو۔ راقم بھی وقتاً فوقتاً شیخ کی جانب رجوع کرتا رہا ہے اور عالیت آخر کا مقالہ بعنوان ”اسلام اور جدید معیشت و تجارت“ شیخ کے زیر اشراف مکمل کرنے کا حسین موقع ملا اور صحافت سے متعلق بنیادی سبق وہیں سے حاصل ہوئے۔ اس کے بعد سے راقم کو شیخ سے اور زیادہ روابط ہوئے، دوران مقالہ نویسی جو بھی مشکلات پیش آئیں شیخ سے ملاقات کر کے حل کیا اور پائے تکمیل تک پہنچایا۔ طلباء کو علمی میدان میں ترقی و عروج کے لئے آپ ہمیشہ ہمت بڑھاتے رہتے ہیں، یہی اوصاف شیخ کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہیں۔ شیخ کا ایک قول جسے آپ صحافت کے درس کے دوران اکثر و بیشتر کہا کرتے ہیں کہ ”اغیار سونے (مادہ) کو ترجیح دیتے ہیں اور ہماری مسلم قوم سونے (نیند) کو ترجیح دیتی ہے یہی وجہ ہے کہ مسلم قوم اوروں سے بہت پیچھے ہے“

تصنیف و تالیف: شیخ اسعد اعظمی حفظہ اللہ ایک مضبوط قلم کار ہیں، آپ کے رشحات عربی و اردو زبان میں ملک و بیرون ملک کے مختلف جرائد و مجلات میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ جن کی تعداد ۵۰۰ سے متجاوز ہیں۔ تقریباً ۲۰ کتابوں کے مصنف و مؤلف اور مرتب بھی ہیں، ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ (سابق ریکٹر جامعہ سلفیہ بنارس) کے رحلت کے بعد جامعہ سلفیہ کے عربی مجلہ ”صوت الامۃ“ کی ادارت کی ذمہ داری آپ کو تفویض کی گئی جسے آپ ہنوز بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں۔

آپ کی چند اہم تصانیف درج ذیل ہیں: (۱) تاریخ و تعارف مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی (کتاب کی اہمیت کے پیش نظر مکتبہ الفہیم مؤسسہ اشاعت کے بعد دارابی الطیب گجرانوالہ پاکستان نے بھی اسے شائع کیا، اور مؤرخ جماعت مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ نے اس پر ایک طویل مقدمہ لکھا ہے۔)، ۲۔ رسوم شب برأت: علمائے امت کی نظر میں، ۳۔ تعزیر داری: علمائے امت کی نظر میں، ۴۔ اہل طریقت کے نزدیک شیخ کا مقام و مرتبہ، ۵۔ اہل طریقت کی اصطلاح میں تصور شیخ، ۶۔ مسائل حج و عمرہ برائے خواتین، ۷۔ حضرت عثمان بن عفان: حیات اور محاسن و کمالات، ۸۔ روزہ کے (۱۰۰) مسائل، ۹۔ عہدہ اور منصب کا اسلامی تصور، ۱۰۔ اسلامی آداب و احکام، ۱۱۔ دروس و خطبات، ۱۲۔ اصلاحی جلسوں کی اصلاح کی ضرورت، ۱۳۔ اربعین فی تربیۃ البنات و البنین، ۱۴۔ خمسين برائے خواتین، ۱۵۔ ترجمہ تعلیقات سلفیہ بر تفسیر جلالین، ۱۶۔ تعلیم و تربیت (مجموعہ مقالات) (غیر مطبوع)، ۱۷۔ دعوت حق اور اس کے اصول و ضوابط (غیر مطبوع)، ۱۸۔ احادیث ضعیفہ: صحیح نقطہ نظر (غیر مطبوع)، ۱۹۔ رویت ہلال اور اختلاف مطالع (غیر مطبوع) وغیرہ اس کے علاوہ متعدد کتابوں کی تحقیق بھی کی ہے، مثلاً رد عقائد بدعیہ مولانا نذیر احمد ملوی رحمانی وغیرہ۔

عربی کتابوں کی تعداد دس سے زائد ہے، جس میں شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی مبارکپوری کی حیات و خدمات بھی شامل ہے۔
مواعظ و خطبات: شیخ موصوف کے اندر حالات و کوائف کو بھانپنے اور اس کے مطابق سامعین کو خطاب کرنے کا حاسہ کافی قوی ہے۔ حالات و ظروف اور زمان و مکان کے اعتبار سے خطبات تیار کرنے اور اس کے لئے سماجی و سیاسی اور اسلامی نقطہ نظر کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں۔ زبان میں شیرینی اور دل کو متاثر کرنے والی آواز نے دوسروں سے ممتاز کر دیا ہے۔ دوران خطاب آواز نا بہت زیادہ بلند اور نا ہی مدہم، سنجیدگی کا پیکر اور دل میں گھر کر جانے والی تاثیر سے سامع مسحور ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔

عربی زبان و ادب: عربی زبان و ادب کے حوالے سے اپنی قلم سے شیخ کے بارے میں کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے مانند ہوگا۔ عربی زبان و ادب کا مکمل درک رکھتے ہیں، عربی زبان دانی میں اپنی مثال میں ہیں۔ جیسا کہ مذکور ہے ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ کی وفات کے بعد سے جامعہ سلفیہ بنارس سے شائع ہونے عربی ماہنامہ ”صوت الامۃ“ کی ادارت کی ذمہ داری بحسن و خوبی نبھا رہے ہیں۔ ادارتی صفحات کے مطالعے سے ان کے عربی زبان کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ جامعہ سلفیہ کے اونچے درجات میں عربی ادب کی کتابیں آپ ہی کے سپرد ہیں، معلقات سبع کا درس کیا دیتے ہیں مانو گھول کر پلا دیتے ہیں۔ ایک ایک لفظ کی ایسی تشریح کرتے ہیں کہ طلباء کی تشنگی ختم ہو جاتی ہے۔

عہدہ و مناصب: خطابت کے ذریعہ آپ اصلاح معاشرہ کا کام انجام دے رہے ہیں۔ ملک و بیرون ملک کانفرنسوں و اجلاس اور دعوتی پروگرام میں شریک ہوتے رہتے ہیں، اپنے آبائی وطن منو کی اصلاحی تنظیم ”مجلس ندائے وقت“ سے وابستہ ہیں۔ فی الحال آپ جامعہ سلفیہ میں تدریسی فرائض انجام دہی کے ساتھ جامعہ کے عربی مجلہ صوت الامۃ کے ایڈیٹر ہیں۔ آپ کی انہیں خدمات کو سراہتے ہوئے فروری ۲۰۱۴ء میں رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے تحت ”الہیۃ العالمیۃ للعلماء المسلمین“ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کا ممبر منتخب کیا گیا ہے، اس کے بعد آپ رابطہ عالم اسلامی کی دعوت پر مکہ مکرمہ میں منعقد اجلاس میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ علاوہ ازیں رکن اتحاد اساتذہ و علماء اللغۃ العربیۃ فی الہند ہیں۔ اور اسی طرح آل انڈیا مسلم پرائیوٹ بورڈ کے رکن رہ چکے ہیں۔

کارہائے نمایاں: تعلیم و تدریس کے ساتھ تصنیفی صلاحیت کوٹ کوٹ کر بھری ہے جس کا لوہا عالم عرب نے مانا ہے۔ ۲۰۱۷ء میں عالم عرب کی سب سے بڑی یونیورسٹی جامعۃ الملک سعود ریاض کے اسلامک ڈپارٹمنٹ کی طرف سے معاصر ادیان و عقائد و جماعت پر ایک انسائیکلو پیڈیا تیار کیا گیا، جس پر نظر ثانی کے لئے دنیا بھر سے دس شخصیات کا انتخاب ہوا جس میں سعودی عرب کے وزیر برائے اسلامی امور اور امام حرم بھی شامل تھے، اس کے بعض اجزاء پر نظر ثانی کی ذمہ داری شیخ کو دی گئی۔ الحمد للہ مراجعت کے بعد یہ انسائیکلو پیڈیا شائع ہو چکا ہے۔ اس کی مراجعت میں جس باریک بینی سے شیخ نے کام لیا اس کو یونیورسٹی کے متعدد اساتذہ نے بے پناہ سراہا، نیز انسائیکلو پیڈیا کمیٹی کے نگران ڈاکٹر امیر سعود بن سلمان آل سعود نے بھی آپ کی خدمات کی تعریف فرمائی۔

اسفار: ملک و بیرون ملک ۶۰ سے زائد سیمیناروں اور کانفرنسوں میں شریک ہو چکے ہیں، جن میں کویت، سعودی عرب، قطر، دبئی، نیپال قابل ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، رابطہ عالم اسلامی، مرکز الحجوٹ والتواصل المعرفی ریاض وغیرہ کی متعدد کانفرنسوں میں شرکت کی ہے۔

عکس تحریر مولانا اسعد اعظمی: ”قرآن کریم کے سلسلے میں کیے جانے والے اعتراضات ہوں یا اس کی توہین و استخفاف

کے واقعات، ان کے تعلق سے ہمیں یہ ذہن بنانا ہوگا کہ یہ حق و باطل کی کشمکش کا ہی ایک حصہ ہیں، ان میں صبر و ثبات، اور تحمل و بصیرت کا امتحان بھی ہے اور ہماری غیرت و حمیت اور بیداری کو چیلنج بھی، اس لئے ایسے مواقع و واقعات پر ہم نہ تو خاموش تماشائی بنے رہیں اور بے غیرتی اور بے حسی کا مظاہرہ کریں اور نہ ہی مشتعل ہو کر اور جذبات میں آ کر ایسے اعمال و حرکات کا سہارا لیں جو آگے چل کر ہماری تضحیک کا سبب بنیں۔“

”مشترک خاندان کے تمام افراد کے درمیان بظاہر یکساں سلوک ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ شعوری یا لاشعوری طور پر زیادہ کمانے والے کو کم کمانے والے کے مقابل گھر میں زیادہ عزت و توقیر حاصل ہوتی ہے اور یہ عزت و توقیر اس کی بیوی بچوں تک کو مشتمل ہوتی ہے، اسی طرح مشترک خاندان کی ناگزیر باہمی آویزش اور کشمکش کے نتیجے میں، یا موہوم معاشی مسائل کا ہوا کھڑا کر کے بہت سے نوہمالوں کو ناخواندہ اور جاہل چھوڑ دیا جاتا ہے اور انہیں قبل از وقت کمائی کی مشین کا پرزہ بنا دیا جاتا ہے۔ دوسری طرف یہ نظام بہت سے افراد کی فرضی کفالت کا ذمہ لے کر انہیں جدوجہد کے میدان میں اترنے سے باز رکھتا ہے، اس طرح گھر کے لوگوں میں سے بہتوں کو یہ نظام کمزور کر دیتا ہے اور انہیں ناکارہ اور نااہل بنانے میں مدد کرتا ہے۔“

”قائدین قوم وہی ہیں جو بصیرت اور خدا ترسی کے عنصر سے آراستہ ہوں، جنہیں بحث و جدال کسی قسم کی جانبداری میں نہ مبتلا کرے اور نہ ہی عامۃ الناس کی خواہشات کے سامنے وہ سپردال دیں، یہ تو وہ لوگ ہیں جو نصیحت و خیر خواہی اور حق و صبر کی تلقین میں بھر پور کردار ادا کرتے ہیں، ہر شخص ایسی بصیرت کا مالک نہیں ہوتا جس کے ذریعہ وہ معاملات کی تہ تک پہنچ سکے اور معاملات کی تہ تک پہنچنے والوں میں سے ہر شخص آنے والے خطرات کو دفع کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔“

”جدیدیت اور مغربیت سے متاثر نئی نسل کے ذہن میں مختلف قسم کی جو غلط فہمیاں پرورش پا رہی ہیں انہیں میں سے ایک غلط فہمی شخصی آزادی کے تعلق سے بھی موجود ہے، عام طور سے جب لوگوں کو اسلامی احکام و آداب کو برتنے اور تقویٰ یا تدین کی دعوت دی جاتی ہے تو شیطان اس دعوت سے متنفر کرنے کے لئے لوگوں کے ذہن میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ دینداری نام ہے بے پناہ حدود و قیود کا، اسلامی زندگی عبارت ہے شخصی آزادی سے محرومی کا، اسے اپنا کر آزادانہ زندگی کی پر کیف لذتوں اور رنگینیوں سے ناطہ توڑ لینا بڑی بیوقوفی اور نادانی کا کام ہے، اس لیے تم ہرگز اپنے اختیارات سے دست بردار ہونے کے بارے میں نہ سوچنا، الغرض اس طرح کی چکنی چپڑی باتیں انسان کے ذہن میں شیاطین الجن والانس دونوں ڈالتے ہیں، اور اس قسم کے تصورات کا غلام بن کر ایک بندہ بزمِ عموں خویشت آزادانہ زندگی گزارتا ہے۔“

حقیقت یہ ہے کہ ”آزادی“ کے معنی و مفہوم کو متعین کرنے میں ایسے لوگ زبردست فریب کا شکار ہیں، حالانکہ معمولی غور و فکر سے ایک عام آدمی ’آزادی‘ کی حدود و اربعہ کی تعیین کر سکتا ہے، عام طور سے فریب خوردہ انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ جو چاہے کرے، جیسے چاہے جیے، اس کی مرضی اور منشا کے مطابق ہی اس کا ہر کام ہو، اس کے ارادوں اور خواہشوں کی تکمیل کی راہ میں کوئی چیز آڑے نہ آئے، یہی ہے آزادی اور یہی ہے خود مختاری۔“

(مرسلہ از مضمون نگار ر بذریعہ میل)



مولانا ارشد فہیم الدین مدنی / حفظہ اللہ بہار

ولادت نومبر ۱۹۶۷ء

خودنوشت

نام و نسب اور خاندانی پس منظر: محمد ارشد بن فہیم الدین بن محمد شجاعت بن محمد پردل بن بکا و بنو بن لال محمد بن محمد نعیم بن محمد جنیا بن محمد حافظ بن عبدالکریم۔

آبائی وطن: مقام اموادینہ الشیخ، پوسٹ امواکلاں، وایا پیراہی، ضلع شیوہ بہار۔

تاریخ پیدائش: ۳ نومبر ۱۹۶۷ء

حالیہ رہائش اور پتہ: جامعہ امام ابن تیمیہ مدینہ السلام چندن بارہ ضلع مشرقی چمپارن بہار۔

ابتدائی و اعلیٰ تعلیم: (۱) ابتدائی تعلیم مدرسہ اموادینہ الشیخ ۱۹۷۴ء (۲) متوسطہ جامعہ فیض عام ۱۹۷۶ء (۳) ثانویہ جامعہ

فیض عام منوناتھ بھنجن یو پی ۱۹۷۸ء (۴) عالمیت و فضیلت جامعہ سلفیہ بنارس ۱۹۸۳ء-۱۹۸۵ء (۵) بی اے جامعہ اسلامیہ مدینہ

منورہ ۱۹۹۱ء (۶) ایم اے پٹنہ یونیورسٹی ۲۰۰۶ء (۷) پی ایچ ڈی پٹنہ یونیورسٹی ۲۰۱۱ء۔

جامعہ مدرسہ جہاں سے فراغت حاصل کی: (۱) جامعہ سلفیہ بنارس ۱۹۸۵ء (۲) جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ ۱۹۹۱ء۔

سن فراغت اور تعلیمی لیاقت: دکتورہ مکمل ہے، وسطانیہ سے فاضل فارسی مدرسہ ایجوکیشن بورڈ بہار۔

مشہور اساتذہ: (۱) مولانا محمد داؤد سلفی مہواری (۲) ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری (۳) مولانا عبدالغفار موادی (۴) مولانا عابد

حسن رحمانی (۵) مولانا محفوظ الرحمن فیضی (۶) مولانا عبدالوحید رحمانی (۷) مولانا عبدالمعید بناری (۸) در عبدالعزیز مدینہ منورہ

(۹) مولانا صفی الرحمن مبارکپوری (۱۰) ڈاکٹر ضیاء الرحمن اعظمی (۱۱) مولانا رئیس ندوی (۱۲) مولانا احسن جمیل مدنی (۱۳) قاری

ایوب صاحب مدینہ (۱۴) در حکمت بشیر مدینہ۔

مشہور تلامذہ: (۱) نذیر احمد سراج الحق تیمی (۲) عبدالسبحان شمس الدین تیمی (۳) محمد شید محمد ادریس تیمی (۴) محمد یوسف

ابوطحہ تیمی (۵) خالد انور برکت اللہ تیمی (۶) جواد عالم اعجاز الرحمن تیمی (۷) عبدالواسع واقف الدین تیمی (۸) رفیع اللہ مسعود تیمی

(۹) ذبیح اللہ عبدالرؤف تیمی (۱۰) بشیر الدین محمد ہارون تیمی (۱۱) محمد ابراہیم سجاد تیمی (۱۲) ثناء اللہ صادق تیمی وغیرہم کثیر۔

اہم دعوتی و تدریسی / تصنیفی / صحافتی و دیگر خدمات: تدریسی خدمات (۱) جامعہ سلفیہ سے فراغت کے بعد ڈیڑھ سال جامعہ

سلفیہ جنک پور دھام نیپال میں شیخ الحدیث (۲) جامعہ امام ابن تیمیہ چندن وارڈہ میں ۲ دسمبر ۱۹۹۱ء سے تاہنوز ۲۰۲۰ء جاری ہے۔

(۱) صحیح بخاری، نسائی، ترمذی، نیل الاوطار، سبل السلام، ہدایۃ المجتہد، الباعث الحثیث، طرق التدریس، جیسی کتابیں اور فنون

زیر تدریس ہیں۔

دعوتی خدمات: جامعہ ابن تیمیہ میں نماز ظہر کی امامت، وعظ وارشاد کے ساتھ خطبہ جمعہ، ملک بھر کی کانفرنسوں میں شرکت۔

صحافتی خدمات: مدیر اعلیٰ مجلہ طوبیٰ اور نائب رئیس مجلس ادارت مجلہ الفرقان عربی، شائع کردہ جامعہ ابن تیمیہ۔

تصنیفی خدمات: (۱) شیعہ سنی مفاہمت (۲) اطاعت رسول کی شرعی حیثیت (۳) تعلیم نسواں اور اسلام (۴) ترجمہ فتاویٰ شیخ

ابن باز (۵) فتح المنان تخریج و تحقیق (۶) قیام رمضان اور اعتکاف (۷) الدور الیادی لعلماء المملكة العربیہ السعودیہ فی

بیان ونشر العقیدہ الصحیحہ (۸) مساهمت جامعات ولایة بیہار فی تطویر اللغة العربیہ وآدابها (۹) اہمیتہ التعلیم

الدینی والعصری۔

مقالات کی تعداد سو سے زائد ہے جن میں چند درج ذیل ہیں: (۱) سید نواب صدیق حسن خاں بھوپالی پر علماء کی

تقدیرات اور انکا جائزہ و دیگر۔

اہم مناصب / عہدے / ذمہ داریاں: (۱) مدیر عام الشؤون التعلیمیۃ جامعہ ابن تیمیہ ۱۹۹۲ء-۱۹۹۴ء (۲) وکیل الجامعہ

۱۹۹۴ء-۲۰۰۴ء (۳) نائب رئیس جامعہ، وائس چانسلر ۲۰۰۴ء تا حال (۴) ایڈیٹر ماہنامہ طوبیٰ از ابتداء تا حال (۵) نائب رئیس

مجلس ادارت مجلہ الفرقان از ابتداء تا حال ۲۰۱۶ء (۶) صوبائی جمعیت بہار، نائب امیر اور رکن مجلس شوریٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث

ہند (۷) صدر مدرسہ الامام عبدالعزیز رحیم آبادی مہسول چوک سیتا مڑھی بہار ۲۰۰۹ء سے تا حال۔

اولاد و احفاد: (۱) بیوی شہناز بیگم بنت محمد عبداللہ چندن بارہ۔ (۲) ۳ بچیاں اور ایک لڑکے سب تعلیم یافتہ ہیں۔

علمی و دعوتی اسفار: (۱) ۲۰۱۰ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے عالمی کانفرنس میں شرکت اور مقالہ بعنوان (۱) الدور

الریادی لعلماء المملکہ (۲) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ عربی کی علمی کانفرنس ۲۰۱۱ء اور مقالہ (۳) جامعہ سلفیہ بنارس کی عالمی

کانفرنس حدیث نبوی اور امن عالم ۲۰۱۴ء (۴) وزارة الشؤون الاسلامیہ السعودیہ علمی دورات ۲۰۱۲ء-۲۰۱۳ء-۲۰۱۴ء

۲۰۱۵ء میں شرکت اور مقالات کی خواندگی۔ (۵) صوبائی جمعیت ممبئی کی اسلام اور رواداری کانفرنس میں شرکت اور خطاب۔





مناظرہ مرشد آباد بنگال ۱۸۸۸ء

۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۸ء میں مرشد آباد میں اہل حدیث اور احناف کے مابین ہونے والا مناظرہ

محمد تنزیل صدیقی

ہندوستان کی تاریخ کے چند مشہور ترین اور بڑے مناظروں میں سے ایک تھا۔ مناظرہ وجوب تقلید پر تھا۔ فاتح مناظر علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی نے اس مناظرے کی مکمل روداد لکھی ہے، وہ اس مناظرے کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”پوشیدہ نہ رہے کہ ابتدا اس کی اس طرح ہوئی کہ درمیان مولوی عبدالحق نامی ایک حنفی مذہب اور مولوی ابراہیم نامی ایک اہل حدیث باشندگان ضلع مذکورہ (مرشد آباد) کے اور مسئلہ وجوب تقلید شخصی کے بارے میں مناظرہ ہوا تھا۔ اس مناظرہ میں مولوی عبدالحق حنفی صاحب مغلوب ہوئے اور مزید انصاف پسندی سے سر مجلس کھڑے ہو کر اقرار اپنی مغلوبیت کا کر دیا اور کہا کہ ابھی میں اس مسئلہ کو اس وجہ سے تسلیم نہیں کر سکتا کہ مجھ سے بڑھ کر بڑے بڑے علماء ہیں۔ اس کے لئے میں اہتمام کروں گا اور تمام علماء کو اکٹھا کر کے مناظرہ کراؤں گا۔ اس وقت جو محقق ہوگا تسلیم کروں گا۔ چنانچہ حسب وعدہ انہوں نے مزید صرف ہمت و کوشش کے ساتھ تمام رؤسا اور اکابر اس دیار کو آمادہ کیا اور ہزاروں روپے اکٹھے کیے، اور علمائے دیار و امصار کو طلب کیا اور اہل حدیث کو بھی اپنے اہتمام کی خبر دی تاکہ وہ لوگ بھی آمادہ رہیں“ (روداد مناظرہ مرشد آباد ص ۳)

مولانا ابراہیم خلیل دیب کنڈی مرشد آبادی نے بھی علمائے اہل حدیث کو مناظرے کی کیفیت سے آگاہ کیا اور ان سے مرشد آباد آنے کی استدعا کی۔ بوقت مناظرہ کبار اہل حدیث علماء وہاں مجتمع ہو گئے، جن میں مولانا حافظ ابو محمد ابراہیم آروی، مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری، مولانا محمد منگل کوٹی، مولانا محمد سعید بنارس، مولانا محمد بن کرامت اللہ راجشاہی، مولانا ابو محمد حفاظت اللہ مرشد آبادی وغیرہم شامل تھے۔ تجویز یہی قرار پائی کہ اہل حدیث کی جانب سے مولانا عبدالعزیز مناظر ہوں۔ مناظرے کی خاص بات یہ تھی کہ روز اول سے آخر تک فریق اہل حدیث کی جانب سے فاضل رحیم آبادی واحد مناظر رہے، جب کہ احناف کی طرف سے مناظر بدلتے رہے۔ سب سے پہلے مولوی کریم بخش صاحب سامنے آئے۔ اس کے بعد ملا محمد عارف، مولانا لطف الرحمن بردوانی اور مولوی سعد الدین مناظرہ کرتے رہے حتیٰ کہ اثنائے مناظرہ ہی میں جون پور سے مولانا ہدایت اللہ منطقی جون پوری اور دہلی سے مولانا عبدالحق حتفانی دہلوی کو بلوایا گیا، مگر یہ تمام مناظر فاضل رحیم آبادی کے سامنے بے بس ہی رہے۔ وجوب تقلید کا اثبات بدستور احناف پر قرض ہی رہا۔ اس مناظرے نے فاضل رحیم آبادی کی شہرت کو بام عروج پر پہنچا دیا اور بنگال میں مسلک اہل حدیث کو فروغ اور استحکام حاصل ہوا۔ دوران مناظرہ مولانا رحیم آبادی نے بیش بہا قیمتی نکات پیش کیے جنہوں نے اکابر اہل علم کو بھی متاثر کیا۔ مولانا حافظ محمد صدیق مرولی

منظر پوری لکھتے ہیں۔

”اسی مناظرہ میں حضرت مولانا امام المناظرین نے آیت کریمہ۔ (فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ) کی جو تفسیر کی ہے، اس کی نسبت غالباً مخدومی و مکرمی مولوی نورالحق صاحب وکیل ذکر فرماتے تھے کہ جناب حضرت میاں صاحب موقع مدح میں فرماتے تھے کہ مولوی عبدالعزیز نے اس آیت کی تفسیر ایسی کی ہے کہ متقدمین میں سے کسی نے یہ تفسیر نہیں کی اور امام رازی کو بھی نہ سوجھی۔“ (ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۱۲ مارچ ۱۹۲۰ء)

یہاں یہ امر بھی دل چسپی سے خالی نہیں کہ احناف کی طرف سے پیش ہونے والے مناظر ملا محمد عارف، مولانا لطف الرحمن بردوانی اور مولانا عبدالحق حقانی دہلوی، حضرت شیخ الکل محدث دہلوی سے رشتہ تلمذ رکھتے تھے۔ آخر الذکر مولانا حقانی، فاضل رحیم آبادی کے رفیق درس بھی تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مولانا نے انہیں روداد مناظرہ میں ”پرانے دوست“ کہہ کر یاد کیا ہے۔

مولانا رحیم آبادی نے اس مناظرے کی روداد قلمبند کی تھی، جو ”روداد مناظرہ مرشد آباد“ کے عنوان سے طبع ہوئی۔ یہ روداد کئی مرتبہ طباعت پذیر ہوئی ہے۔ اس کا بنگالی ترجمہ ”صمصام الموحدين“ کے عنوان سے طبع ہوا۔ مولانا سعید بنارس نے بھی ”کیفیت مناظرہ مرشد آباد“ کے عنوان سے اس کی روداد لکھی۔

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (۱) مسلم اہل حدیث گزٹ دہلی، ۸، ۱۹۳۸ء

(۲) اخبار اہل حدیث امرتسر ۱۲ مارچ ۱۹۲۰ء

(۳) ایضاح الطریق صاحب التحقیق۔

(۴) تذکرۃ المناظرین جلد اول، ص ۱۶۴

(۵) روداد مناظرہ مرشد آباد، مطبوعہ ۱۳۰۵ھ

(دبستان نذیریہ محمد تنزیل صدیقی ۱/۶۳۳-۶۳۵)



مولانا محمد داؤد راز دہلویؒ

کی حیات و خدمات پر دستاویزی کتاب کی اشاعت اور باوقار سیمینار

تاریخ ۷ جنوری ۲۰۱۸ء

ایک مستحسن اور قابل تقلید اقدام

(مولانا داؤد راز دہلوی رحمہ اللہ کی حیات و خدمات پر سیمینار کا خاکہ ۲۰۱۰ء ہی میں خاکسار نے مسجد کے ذمہ داران بالخصوص عزیز گرامی سہیل صاحب کے ساتھ بنایا تھا مگر وہ نشستیں گفتن و برخاستن کی نذر ہو گیا۔ برسوں بعد پھر سہیل صاحب کا ہی تقاضہ ہوا تو میں نے بہت ہی زور دے کر یہ مشورہ دیا کہ فوراً اس کام کو کر لیا جائے، اب بہت دیر ہو چکی ہے اور دوسرے یہ کہ جھولا میدان کی کانفرنس سے پہلے اسے زیور طباعت سے آراستہ کر کے اجراء کیا جائے، صرف مقالات کی خواندگی اور جمع کر کے ٹھنڈے بستے میں ڈالنے والا معاملہ نہ ہو، بجز اللہ ایک ماہ تک ہم لوگوں کی شب و روز کی محنتیں رنگ لائیں، میں صبح و شام اپنی دیگر ذمہ داریوں کے ساتھ اس میں لگا رہا اور دیگر احباب و انخوان بھی شریک عمل رہے اور اس طرح یہ مبارک عمل پایہ تکمیل تک پہنچا فیللہ الحمد والمینة۔ عبدالحکیم)



ماضی قریب میں اکابر علماء اہل حدیث کی حیات و خدمات سے متعلق جماعت کے مختلف پلیٹ فارموں سے جو علمی سیمینار اور مذاکرات علمیہ منعقد ہوئے ہیں ان میں سال گذشتہ مارچ کے مہینہ میں ہندوستان کی راجدھانی دہلی کے اندر حضرت شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ، اور اس سال کے بالکل آغاز میں ۷ جنوری ۲۰۱۸ء کو عروس البلاد ممبئی کی قدیم ترین تاریخی جامع مسجد اہل حدیث (بھائی کلہ) مومن پورہ میں ہمہ صفت موصوف عالم دین مولانا محمد داؤد راز دہلوی رحمہ اللہ پر منعقد ہونے والے سیمینار اپنی انفرادیت کے سبب نہایت مفید اور اہم تصور کئے گئے، کہ ان کے ذریعہ جماعت کی ان گراں مایہ شخصیت کی زندگی اور ان کی گونا گوں خدمات کے ایسے بہت سے گوشے منظر عام پر آسکے جو اب تک پردہ خفا میں تھے اور ان شخصیات کی ہمہ جہت خدمات کے حوالے سے بڑی نادر اور انوکھی معلومات سامنے آگئیں جن کے بارے میں کم ہی لوگوں کو کچھ علم تھا، اسی طرح برصغیر میں جماعت کی تابناک تاریخ کے اندر نہایت روشن ابواب کا اضافہ ہو گیا، فالحمد للہ علی ذلک۔ اللہ تعالیٰ ان ہر دو پروگراموں کے منتظمین کو جزائے خیر دے، آمین۔

حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ پر پیش کئے گئے گراں قدر مقالات میں سے بعض تو مستقل کتاب کی حیثیت کے حامل ہیں اور مجموعہ مقالات کی اشاعت سے قبل ہی ان میں کچھ تحقیقی و علمی مقالات مستقل کتاب کی حیثیت سے منظر عام پر آگئے ہیں، امید کہ منتظمین سیمینار اپنے اسلاف سے بے لوث جذباتی وابستگی کے نتیجے میں مجموعہ مقالات کی اشاعت بھی جلد از جلد کرنے میں کامیابی حاصل کریں گے، واللہ الموفق وهو الہادی الی السبیل۔

البتہ مولانا محمد داؤد راز دہلوی رحمہ اللہ پر منعقد سیمینار اس لحاظ سے دیگر تمام سیمیناروں میں منفرد اور ممتاز رہا کہ منتظمین سیمینار کی مخلصانہ سرگرمیوں سے جماعت کے افاضل علماء کرام اور با بصیرت اصحاب قلم کے قیمتی مقالات کی طباعت نہایت اعلیٰ پیمانہ پر سیمینار سے قبل عمل میں آگئی اور ۷ جنوری ۲۰۱۸ء کو سیمینار کی نشست کے اختتام کے بعد اسی تاریخ میں جھولا میدان ممبئی کے اندر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے زیر اہتمام منعقدہ ”پیغام حق کانفرنس“ کی دوسری نشست میں بعد نماز مغرب جماعت کے اکابر علماء کرام کے ہاتھوں اس کا اجراء بھی عمل میں آگیا، اور یہ سب اللہ کے فضل و کرم کے بعد جامع مسجد اہل حدیث مومن پورہ کے ٹرسٹیان کے اخلاص، شب و روز کی بے لوث محنت اور مقصد سے جذباتی وابستگی بالخصوص ہمارے برادر فاضل مولانا عبدالجلیل انصاری مکی حفظہ اللہ کی جنون کی حد تک دلچسپی کا نتیجہ ہے، جنہوں نے اہل علم مقالہ نگاران سے نہ صرف رابطہ کر کے ہر ایک سے راز دہلوی پر مقالہ لکھنے کی درخواست کی، بلکہ وہ اس وقت تک انہیں فون اور واٹس ایپ کے ذریعہ مہمیز کرتے رہے جب تک ان حضرات نے اپنے مقالات ان کی خدمت میں بھیج نہ دیئے، اس سیمینار کی کامیابی اور بروقت مولانا محمد داؤد راز دہلوی پر ضخیم مجموعہ مقالات کی اشاعت اللہ کے فضل کے بعد انہیں کی بے لوث کوششوں کا نتیجہ ہے، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

سیمیناروں اور ان کے لئے لکھے گئے مقالات کے تعلق سے اہل علم کو اس تلخ حقیقت کا بخوبی تجربہ ہے کہ بالعموم خون جگر سے لکھے گئے قیمتی مقالات وقت کی تنگ دامانی کے سبب نہ تو پورے پڑھے جاتے ہیں اور نہ بعد میں ان کی ایک ساتھ اشاعت ہی ہو پاتی ہے، الا ماشاء اللہ۔ ایسے میں اس سیمینار کے مقالات کی سیمینار سے پہلے اشاعت کسی کرشمہ سے کم نہیں، ساتھ ہی یہ نہایت مستحسن اور قابل تقلید اقدام بھی ہے، اس کے لئے منتظمین مبارکباد کے مستحق ہیں۔

مولانا محمد داؤد راز دہلوی رحمہ اللہ پر منعقدہ اس سیمینار کی تخطیط و منصوبہ بندی، موضوعات کے انتخاب، اہل علم کی گراں قدر تحریروں کے حصول، مجموعہ مقالات کی معیاری طباعت اور باوقار سیمینار کی مثالی کامیابی میں ٹرسٹیان مسجد بالخصوص مولانا عبدالجلیل انصاری مکی اور ان کے معاون مولانا محمد اسلم صیاد کے علاوہ صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے ذمہ داران و کارکنان اور ممبئی کے دیگر افاضل علماء خصوصاً امیر محترم مولانا عبدالسلام سلفی، مولانا محمد مقیم فیضی، مولانا عبدالکیم عبدالمعجود مدنی، جناب عبدالحمید خاں، مولانا انصارزیر محمدی، ڈاکٹر عبید الرحمن مدنی، مولانا خالد جمیل احمد مکی، مولانا اسماعیل رافعی، مولانا سرفراز فیضی، مولانا ہلال احمد سلفی، مولانا عبدالباری شفیق سلفی اور مولانا کاشف شکیل سلفی وغیر ہم کا خون جگر شامل ہے، یہ سب حضرات پوری جماعت کی جانب سے شکر و سپاس، مبارکباد اور دعاء کے مستحق ہیں، اللہ انہیں جزائے خیر دے اور ان سب کی کاوشوں کو قبول فرمائے، آمین۔

حضرت مولانا محمد داؤد راز دہلوی رحمہ اللہ کے تعلق سے اپنے مقالہ کی تمہید میں راقم نے انہیں ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔
 ”برصغیر ہندوپاک کی جماعت اہل حدیث کی ماضی قریب کی تاریخ میں جماعت کے جن ممتاز اور اکابر علماء نے اپنی زبردست دعوتی و علمی کاوشوں کے تابندہ اور گہرے نقوش چھوڑے ہیں اور جنہوں نے ہر میدان میں نمایاں کارنامے انجام دئے ہیں ان میں مولانا محمد داؤد راز دہلوی کا نام نہایت تابناک اور روشن ہے اور میری ناقص معلومات کی حد تک شیخ الاسلام علامہ ثناء اللہ امرتسری اور مولانا محمد جونا گڑھی رحمہما اللہ کے بعد جماعت کے افاضل علماء میں وہ اس لحاظ سے منفرد ہیں کہ انہیں ہمہ جہت علمی، دعوتی و تدریسی خدمات انجام دینے کی توفیق ملی، یا بالفاظ دیگر مولانا راز بجا طور پر جماعت کے ہمہ صفت موصوف (آل راؤنڈر) عالم دین کی حیثیت

سے متعارف ہوئے، کار دعوت کے ہر میدان میں انہوں نے قابل قدر خدمات انجام دیں اور بیک وقت وہ مدرس، مفسر، محدث، مصنف، مترجم، خطیب، مناظر، شاعر، صحافی اور جمعیت کے کامیاب ناظم کی حیثیت سے جانے گئے، درحقیقت یہ سعادت کم لوگوں کے حصہ میں آتی ہے کہ اللہ انہیں ہر میدان میں کام کی توفیق عطا فرمادے اور وہ اللہ کے فضل و کرم اور اپنی خدا داد صلاحیتوں سے ہر میدان میں سرخرو اور کامیاب بھی رہیں۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں میرے مذکورہ خیالات میں کسی قسم کا غلو اور مبالغہ ہرگز نہیں، یہی وجہ ہے کہ جماعت کے اصحاب قلم نے مولانا محمد داؤد راز دہلوی رحمہ اللہ کی خدمات کے ہر پہلو پر خوب خوب روشنی ڈالی ہے اور ان کے کارناموں کو اجاگر کرنے کی قابل قدر کاوشیں کی ہیں۔ ۹۵۲ صفحات پر مشتمل مجموعہ مقالات کا عنوان ”مفسر قرآن و شارح حدیث علامہ محمد داؤد راز دہلوی رحمہ اللہ۔ حیات و خدمات“ رکھا گیا ہے، اس ضخیم کتاب کے مرتبین کے طور پر عبد الجلیل انصاری کی، خالد حنیف صدیقی، عبد الحکیم عبد المعبود مدنی، اسماعیل رافعی اور محمد اسلم صیاد کے نام درج ہیں، کتاب تمہیدی حصہ کے علاوہ دس ابواب اور متفرقات پر مشتمل ہے، تمہیدی حصہ میں اس منصوبہ کے روح رواں مولانا عبد الجلیل انصاری کی حفظہ اللہ کا مختصر اور جامع مقدمہ ہے جس میں موصوف نے مولانا محمد داؤد راز دہلوی پر سیمینار کے انعقاد اور ان کی حیات و خدمات پر مجموعہ مقالات کی اشاعت کا مقصد اور پس منظر بیان کیا ہے اور اس عظیم خدمت کے تعلق سے اپنے تمام معاونین کا شکر یہ ادا کیا ہے، اسی حصہ میں جامع مسجد اہل حدیث (بھائی کلہ) مومن پورہ کی تاریخ اور مسجد کے تعلق سے بعض عرب علماء کے قیمتی تاثرات درج ہیں۔

پہلے باب میں ہندو بیرون ہند کے ۱۶ مقتدر علماء اہل حدیث کے پیغامات و تاثرات نقل کئے گئے ہیں، دوسرا باب ”حیات و خدمات“ کے عنوان سے ہے، جس کے تحت ۱۹ اصحاب قلم نے مولانا راز کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے، تیسرا باب مولانا راز کی تالیفات، تصنیفات اور تراجم وغیرہ سے متعلق ہے، جس کے تحت ۱۹ مقالات شامل ہیں، اس باب کا آغاز حضرت خطیب الاسلام علامہ عبدالرؤف رحمانی جھنڈاگری رحمہ اللہ کے ایک مختصر مضمون سے کیا گیا ہے جو مولانا راز دہلوی کے اشاعتی ادارہ ”ادارہ اشاعت دینیات“ کے تعارف پر مشتمل ہے۔ پانچویں باب میں مولانا راز کی خدمات قرآن کے تعلق سے ۳۳ مقالات ہیں، چھٹے باب میں مولانا کی حدیثی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے اور ۱۹ افاضل اصحاب قلم کے مضامین شامل ہیں، ساتواں باب مولانا راز رحمہ اللہ کی خدمت افتاء کے تعلق سے ہے، جس کے تحت ۱۵ اہل قلم علماء نے فتاویٰ ثنائیہ کی جمع و ترتیب اور اشاعت سے متعلق مقالات قلمبند کئے ہیں، آٹھواں باب دفاع اسلام کے عنوان سے ہے جس میں ۸ ممتاز اہل قلم حضرات نے اس باب میں مولانا کی خدمات کو اجاگر کیا ہے، نویں باب میں مولانا راز رحمہ اللہ کی جماعتی اور دعوتی خدمات کا تذکرہ ۱۵ قلم کاروں نے مختلف عناوین کے تحت کیا ہے، دسویں باب میں ۱۹ اہل حدیث شعراء کے ۱۱ منظوم کلام شامل کئے گئے ہیں جن میں ان حضرات نے مولانا راز کو خراج جہانے عقیدت پیش کئے ہیں، آخر میں متفرقات کے عنوان سے مولانا راز دہلوی کا ایک یادگار خطاب اور ان کی ایک نظم ”میدان محشر“ شامل ہے۔ کتاب کے مضامین اور محتویات کے اس سرسری تذکرہ سے مجموعہ کی جامعیت، افادیت اور اہمیت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

اس عظیم الشان اور قابل قدر خدمت کے حوالے سے مولانا عبد الجلیل انصاری کی حفظہ اللہ اور ان کے مخلص رفقاء اور معاونین نے پوری جماعت کو اپنے اسلاف اور ان کی گراں قدر خدمات کو محفوظ کرنے کا ایک خاموش پیغام دیا ہے، امید کہ دیگر خطوں اور مقامات کے غیور اہل حدیث افراد اور وہاں کی مقامی، ضلعی، صوبائی اور مرکزی جمعیات نیز دیگر تعلیمی اور دعوتی ادارے بھی اس

جانب پیش رفت کر کے اس سلسلہ کو آگے بڑھائیں گے۔

اب تھوڑا سا تذکرہ اس باوقار سیمینار کا جو مولانا محمد داؤد دراز دہلوی رحمہ اللہ کی حیات و خدمات پر ۷ جنوری ۲۰۱۸ء بروز اتوار اس قدیم تاریخی جامع مسجد اہل حدیث (بھائی کلا) مومن پورہ، میں منعقد ہوا جس مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر مولانا راز نے اہم علمی اور دعوتی فتوحات حاصل کیں اور وسائل کی کمیابی کے باوجود قابل قدر خدمات انجام دیں، سیمینار کی صدارت جماعت کے بزرگ اور معروف عالم دین، جامعہ محمدیہ منصورہ مالیکوں کے سابق شیخ الجامعہ اور موجودہ مفتی نیز رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی فقہ اکیڈمی کے معزز رکن جناب ڈاکٹر فضل الرحمن مدنی حفظہ اللہ نے فرمائی، بہ حیثیت مہمان خصوصی مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کے نائب ناظم جناب مولانا شیر خاں جمیل احمد عمری حفظہ اللہ نے شرکت فرما کر پروگرام کو وقار و اعتبار عطا کیا، اور نظامت کا فریضہ معروف داعی اور مناظر مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی حفظہ اللہ نے انجام دیا، سیمینار کا آغاز صبح دس بجے کے بعد ہوا، تلاوت قرآن اور نظم خوانی کے بعد سیمینار کے کنوینر اور اس پورے پروگرام کے روح رواں مولانا عبدالجلیل انصاری مکی نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا، جس میں مہمانان گرامی کا خیر مقدم کرتے ہوئے اس اہم سیمینار کے انعقاد پر اختصار سے روشنی ڈالی، اور ممبئی کی جماعتی تاریخ میں اس جامع مسجد کے اہم رول کی جانب اشارہ کیا، نیز تمام مہمانان گرامی، مقالہ نگاران اور اپنے مخلص معاونین کے مخلصانہ تعاون کا جذباتی انداز میں تذکرہ کرتے ہوئے ان سب کی خدمت میں ارمغان تشکر اور نذرانہ امتنان پیش کیا، اس کے بعد ناظم پروگرام نے اپنے افتتاحی کلمات میں شریک بزم مقالہ نگار حضرات کی خدمت میں کچھ گزارشات پیش کیں اور وقت کی تنگ دامانی کا حوالہ دیتے ہوئے ان سے اپنے مقالات کی تلخیص یا تاثرات نہایت اختصار کے ساتھ پیش کرنے کی درخواست بڑے سلیقہ سے کی، اس کے بعد شریک پروگرام مقالہ نگار حضرات یکے بعد دیگرے مانگ پر تشریف لا کر اپنے اپنے مقالات کی تلخیص یا تاثراتی کلمات پیش کرتے رہے۔

مقالات کی تلخیص پیش کرنے والے افاضل علماء کرام کے اسماء گرامی پروگرام کی ترتیب کے اعتبار سے اس طرح ہیں: مولانا عبدالوہاب سامرودی (سورت)، مولانا عبدالجبار انعام اللہ سلفی (ممبئی)، مولانا محمد ارشد سکر اوی (ممبرا)، مولانا محمد مقیم فیضی (ممبئی)، مولانا محمود احمد فیضی (ممبئی)، مولانا امیر الحسن ندوی (گجرات)، مولانا ہلال احمد سلفی (ممبئی)، ڈاکٹر لیث احمد مکی (سدھارتھ نگر)، راقم عبدالمنان سلفی (جھنڈا نگر)، مولانا مطیع اللہ سلفی (سدھارتھ نگر)، مولانا خالد جمیل مکی (ممبئی)، مولانا عبدالکیم عبدالعجود مدنی (ممبئی)، مولانا محمد رحمانی (دہلی)، مولانا شیر خاں جمیل احمد عمری (برطانیہ)، شیخ ظفر الحسن مدنی (شارجہ)، وقت کی تنگی کے باعث مولانا عبدالباری شفیق سلفی اور بعض دیگر اہل علم اپنے مقالات کی تلخیص پیش نہ کر سکے، دوران پروگرام امیر جمعیت مولانا عبدالسلام سلفی اور بزرگ عالم دین قاری نجم الحسن فیضی اور مولانا راز کے صاحبزادے مولانا نذیر احمد نے اپنے تاثراتی کلمات سے مستفید فرمایا، درمیان میں فاضل نوجوان عزیزم کاشف شکیل سلفی سلمہ نے مولانا راز پر اپنی نہایت معیاری نظم ”علم کے رستم و سہراب تھے مولانا راز“ خوبصورت انداز میں پیش کی، سب سے آخر میں صدر سیمینار کا مختصر صدارتی خطاب ہوا، وقت کی کمی کے سبب ہم کا حقہ موصوف سے استفادہ نہ کر سکے، پھر اس مسجد کے امام و خطیب مولانا ظہیر الدین سنابلی کے کلمات تشکر پر سیمینار کے اختتام کا اعلان ہوا۔ فالحمد لله بنعمته تتمہ الصالحات۔



جماعتی مصالحت: ایک مستحسن اور مبارک اقدام

تاریخ: ۲۴ فروری ۲۰۱۸ء

عبدالمنان سلفی

سلفیان ہند کی واحد نمائندہ تنظیم ”مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند“ گذشتہ چند برسوں سے اختلاف و انتشار کا شکار ہو کر بدقسمتی سے دو حصوں میں تقسیم ہو گئی ہے اور جماعت کے موقر عالم دین اور مایہ ناز مصنف و محقق جناب شیخ صلاح الدین مقبول احمد حفظہ اللہ کی سربراہی میں ایک متوازی جمعیت قائم ہو چکی تھی، اس جماعتی اختلاف سے ہندوستان میں آباد چار کروڑ سے زائد اہل حدیث افراد نہایت دل برداشتہ، کبیدہ خاطر اور سخت ملول تھے اور کسی بھی صورت میں وہ جمعیت کے اندر اتحاد کے آرزو مند اور اس کے لئے دعا گو بھی تھے، اس دوران بعض حلقوں، اداروں اور شخصیات کی جانب سے مصالحت کی اجتماعی اور انفرادی کوششیں بھی ہوئیں، مگر بوجہ وہ کامیاب نہ ہو سکیں اور پوری جماعت اختلاف کے کرب اور اذیت سے دوچار رہی۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کے نائب ناظم جناب مولانا شیر خاں جمیل احمد عمری حفظہ اللہ کو جنہوں نے اللہ پر توکل کرتے ہوئے دونوں جمعیت کے مابین مصالحت کی ایک بار پھر کوشش کی، اولاً انہوں نے حالات کا گہرائی سے جائزہ لیا، اس کے لئے ایک محکم اور ٹھوس لائحہ عمل تیار کیا، شیخ صلاح الدین مقبول اور شیخ اصغر علی امام مہدی سلفی صاحبان اور ان کے رفقاء کار سے تبادلہ خیالات کر کے انہیں اختلاف و انتشار کے بدترین نتائج یاد دلائے اور پھر جب کوشش قدرے نتیجہ خیز محسوس ہوئی تو موصوف بنفس بنفس برطانیہ سے دہلی تشریف لائے اور ان دونوں اہم شخصیات کو ان کے بعض رفقاء کے ساتھ ایک ساتھ ایک میز پر بٹھانے میں کامیاب ہو گئے، نتیجہ کے طور پر محترم شیخ صلاح الدین حفظہ اللہ نے اپنی وسعت ظرفی، صالحیت اور صلح پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جماعتی مفاد کی خاطر اپنی نو تشکیل شدہ ”جمعیت اہل حدیث ہند“ کو تحلیل کر کے اسے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ساتھ ضم کرنے کا اعلان فرمایا اور باہم متحد ہو کر مرکزی جمعیت کے پلیٹ فارم سے دعوتی، علمی اور تنظیمی خدمات انجام دینے کا عزم ظاہر کیا، اسی طرح امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی حفظہ اللہ نے بھی سابقہ تلخیوں کو فراموش کرتے ہوئے بڑی اپنائیت کے ساتھ شیخ کا گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا اور اس اتحاد کو جمعیت کے حق میں باعث خیر و برکت قرار دیا۔

مصالحت کی کامیابی کی خبر سوشل میڈیا پر عام ہوتے ہی متوقع طور پر ہندوستان کے چار کروڑ سے زائد اہل حدیثوں میں خوشی اور مسرت کی لہر دوڑ گئی، اور انہوں نے اس مبارک اقدام کا جذباتی استقبال کر کے یہ ثابت کر دیا کہ مصالحت ان سب کے دلوں کی آواز اور ان کی دیرینہ تمنا تھی جسے اللہ نے اپنے خصوصی فضل و کرم اور اپنے ایک مخلص بندے جناب مولانا شیر خاں جمیل احمد عمری حفظہ اللہ کے ذریعہ پوری فرمادی، اس مثالی کامیابی پر موصوف کو ہر چہار جانب سے لوگوں نے مبارکبادیوں اور دعاؤں کے سوغات

نذر کئے، جس کے وہ بجا طور پر مستحق ہیں۔

بلاشبہ اس تاریخی، نتیجہ خیز اور دور رس نتائج کی حامل مصالحت کی تمام تر کامیابی کا سہرا اللہ کے فضل و احسان کے بعد جناب مولانا شیر خاں جمیل احمد عمری کے سر بندھتا ہے جنہوں نے کئی مہینوں کی شب و روز کی انتھک محنتوں اور کوششوں کے بعد جماعت کی یہ سنہری تاریخ رقم کرنے میں کامیابی حاصل کی، اللہ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے، یہ مصالحت موصوف کی بصیرت، ان کے اخلاص، سوچ بوجھ، فہم و فراست، معاملہ فہمی اور جمعیت و جماعت کے تعلق سے ان کی درد مندی بلکہ دل سوزی کی غماز ہے، اللہ انہیں سلامت اور خوش رکھے اور مصالحت کے اگلے تمام مراحل کو خیر و خوبی اور کامیابی کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق اور حوصلہ دے، آمین۔

میں اس مبارک اور پر مسرت موقع پر اپنی طرف سے، ضلعی جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر کے تمام داران و ارکان اور پورے ضلع کے اہل حدیث علماء کرام اور عوام الناس کی جانب سے جناب مولانا شیر خاں جمیل احمد عمری سمیت اپنے محترم قائدین جناب شیخ صلاح الدین مقبول احمد اور امیر محترم جناب مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی اور دونوں حضرات کے تمام رفقاء مرکزی جمعیت کے دیگر تمام عہدیداران و ارکان اور ہندوستان کی پوری جماعت کو مبارکباد دیتے ہوئے سب سے مخلصانہ گزارش کر رہا ہوں کہ اس مصالحتی کاوش کو مکمل طور پر ثمر بار ہونے دیا جائے، جلد بازی کا مظاہرہ بالکل نہ کیا جائے، اور خدشات، اندیشوں اور وسوسوں کو پالنے کے بجائے مصلح جماعت جناب مولانا شیر خاں جمیل احمد عمری حفظہ اللہ پر اعتماد کیا جائے، ان شاء اللہ بہتر نتیجہ کی توقع ہے۔ مجھے اللہ کی ذات سے اس بات کی بھی قوی امید ہے کہ اسی کے فضل و کرم سے ایک بار پھر ہمارا قافلہ پورے عزم و حوصلہ اور اجتماعیت کے ساتھ سوئے منزل رواں دواں ہو کر اپنی عظمت رفتہ کو دوبارہ جلد حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے گا۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

(السرراج جھنڈا نگر مارچ ۲۰۱۸ء)



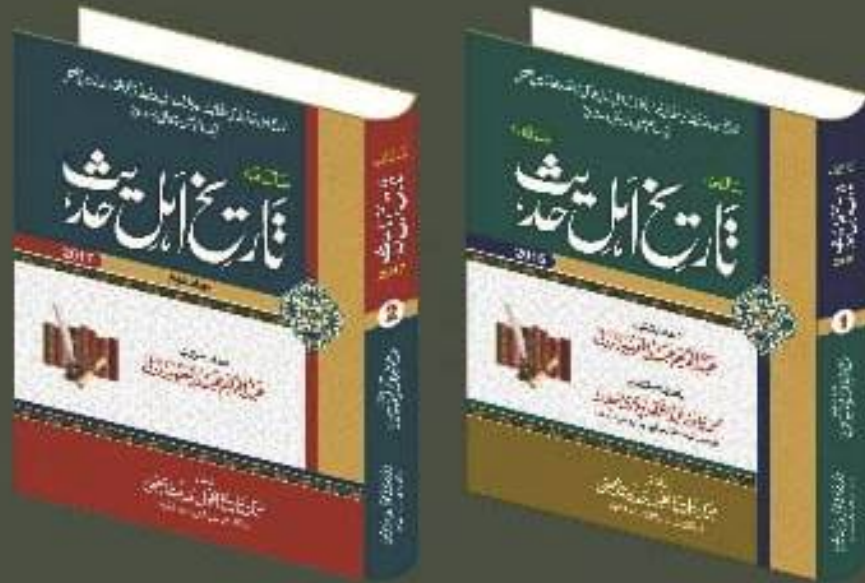
مسلك اہل حدیث کی تاریخ اور اس کے علماء کی خدمات کی منظم ترتیب و اشاعت کے لیے ہندوستان کا اولین علمی مرکز

مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئی

برصغیر میں جماعت اہل حدیث کی ایک سنہری تاریخ ہے، جو ماضی میں قافلہ حق و صداقت کے سرفروشانہ جدوجہد، اس کی بے مثال قربانیوں، علماء کی ہمہ جہت دعوتی، تدریسی، اصلاحی اور ثقافتی خدمات اور ان کی مثالی زندگیوں کے سنہرے اور تابندہ نقوش سے عبارت ہے، اسی سنہری تاریخ کی منظم ترتیب و اشاعت کے لیے مرکز تاریخ اہل حدیث کا قیام عمل میں آیا، تاکہ جماعت کا یہ عظیم الشان علمی و تاریخی سرمایہ محفوظ کیا جاسکے اور ماضی کے سنہرے اوراق کی روشنی میں نسل نو اپنے حسین و تابناک مستقبل کی تعمیر کر سکے۔

بنا بریں تمام علماء، دعاۃ، ائمہ، خطباء، اعیان جماعت اور ہمدردان تاریخ سے مخلصانہ اپیل ہے کہ اہل حدیث انسائیٹو پیڈیا و جماعتی تاریخ کی تدوین و اشاعت میں مرکز کا ہر ممکن تعاون فرمائیں۔ جزاکم اللہ الخیر الجزاء۔

دعاؤں کا طالب: عبدالکلیم عبدالعجود المدنی



مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئی

MARKAZ TAREEKH AHLEHADEES, Mumbai

Branch Office: Bus Stop Barhani Bazar, Siddharth Nagar, U.P.

E-mail: tareekh.ahlehadees@gmail.com, abdulhakimmumbai@gmail.com